تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کارے است کہ بے آہ و فغاں نیز کنند
(علامہ اقبال)

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا علمی و ادبی رسالہ

۹۱۵۳ء

مرتبہ
مقبول حسین وصل بلگرامی

"مرقع" کے قواعد و ضوابط

(۱) "مرقع" ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو دارالادب لکھنؤ سے شایع ہوگا

(۲) "مرقع" کی قیمت عام خریداروں کے لیے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے۔ جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔

(۳) "مرقع" کا نمونہ بغیر نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہو سکتا۔

(۴) "مرقع" کی قیمت رؤسا و دیگر معزز اصحاب اور اُسکے مربیون سے انکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

(۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے۔

(۶) خط و کتابت کے سلسلہ مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہو۔

(۷) رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک آ جانا چاہیئے۔

(۸) کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرے

(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و نثر درج ہونگے جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہون گے۔

(۱۰) "مرقع" کو موجودہ پولٹیکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

(۱۱) تنقیدی مضامین بھی اسمین شایع ہونگے مگر وہی جن مین خلوص ہوگا۔ باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی رنج کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

(۱۲) ایسے مضامین جنمین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہوگی یا اُسمین ایسے الفاظ ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو کر شایع نہ ہونگے

(۱۳) جس نظم و نثر کے مضمون مین زبان لغت یا فن کی غلطیان ہونگی اُس وقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اُسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دین۔

(۱۴) "مرقع" کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاءاللہ کبھی دل آزا یا متعصب ثابت نہ ہوگا۔

(۱۵) "مرقع" کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا۔ وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاءاللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

مدیر "مرقع" لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

(ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجئے)

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ	مسہ	عسہ
چھ ماہ کے لئے	مسہ	عسہ	عیہ
تین ماہ کے لئے	صہ	دسہ	سے،
ایک ماہ کے لئے	سے،	صہ،	سے،

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

مینیجر "مرقع" لکھنؤ

"مرقع" کا موجودہ نظام

"مرقع" کا پہلا نمبر ارباب علم و ادب کے سامنے اُنکی قدردانی اور ہمت افزائی کے بھروسہ پر پیش کیا جا رہا ہے۔

"مرقع" نے بہ حیثیت مجموعی اپنے مقاصد کے لحاظ سے اپنے آپ کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے اور امید ہے کہ وہ اِس وقت بھی بہت کچھ کامیاب نظر آئے۔ آیندہ اسکے نمبر اس سے زیادہ صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ نظر آئینگے۔

"مرقع" اُن حضرات سے جنکے ملاحظہ مین یہ اپنی خوبی قسمت سے جائے درخواست کرتا ہے کہ اسکے پہلے نمبر کے دیکھنے کے بعد اس مین جو کمی یا خرابی نظر آئے اُس سے اپنے خلوص و محبت سے مجھے مطلع فرمائین۔ انشاء اللہ وہ کمی یا خرابی کسی نہ کسی طرح پر رفع کر دی جائیگی۔

"مرقع" اِس وقت ۲۰×۳۰ ⅛ کے ۴۸ صفحون پر شایع کیا جا رہا ہے جسمین اسکے ہر صفحہ مین دو کالمون کی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحون کے مضمون کی گنجائش ہے۔

"مرقع" اپنے مضامین کی خوبیون کے علاوہ کاغذ لکھائی اور چھپائی کے لحاظ سے بھی بہتر معلوم ہوگا اور اُس کے آیندہ نمبرون مین ہر قسم کا اور بھی اضافہ اور ترقی ہوتی رہیگی۔

"مرقع" انشاء اللہ ملک کے تمام مشہور اور مسلم الثبوت استاذہ فن اور مستند انشاپردازون کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا رہیگا۔

"مرقع" کی ضخامت مین خدا کے فضل سے بہت جلد اضافہ کی امید ہے۔ جو رفتہ رفتہ اُسکے خریدارون اور قدردانون کے اضافہ کے ساتھ ہوتا رہیگا۔ اور انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ مین اپنی اور خوبیون کے ساتھ ضخامت مین بھی کسی سے کم نہ رہیگا بلکہ ترقی پذیر نظر آئیگا۔

"مرقع" ہر وقت اپنی موجودہ شاہراہ سے آگے بڑھنے اپنی خوبیون مین اضافہ کرنے، اپنی کمی کو پورا کرنے اور ہر نقص کے مٹانے کی کوشش کرتا رہیگا

شکریہ

یک منعم و یک نعمت و یک منت و یک شکر
صد شکر کہ تقدیر چنین راند قلم را

مین نہایت ادب اور دلی خلوص کے ساتھ اُن سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہون کہ جنھون نے میری ناچیز اشاعت "مرقع" کے لئے کسی نہ کسی قسم کی امداد فرماکر میری ہمت افزائی کی۔

اِس عنوان کے تحت مین عالی جناب علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ام-اے بالقابہ بیرسٹرایٹ لا لاہور کے نام نامی سے ابتدا کرتا ہون جنھون نے اپنا ایک شعرِ خاص "مرقع" کے سرورق کے لئے عطا فرمایا۔

جناب ممدوح کا گرامی صحیفہ ذیل مین درج ہے۔

"لاہور - ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۳۵ء

مخدومی - تسلیم -

یہ ایک شعر حاضر ہے - معلوم نہین سرورق کے لئے موزون ہوگا یا نہین -

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشہ دارد
شگافد سینۂ کہسار و پاک از خونِ پرویز است

مخلص

محمد اقبال"

اسکے بعد شعرائے نازک خیال و اساتذۂ باکمال اور اُن حضرات لکھنؤ کا جنھون نے میری حوصلہ افزائی کی، میرے کامون مین میرا ہاتھ بٹایا اور خصوصیت کے ساتھ قلمی امداد فرمائی شکرگزار ہون۔ اصحاب لکھنؤ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُن حضرات مین سے چند اصحاب کی ایک مختصر فہرست نہایت شکریہ کے ساتھ پیش کرتا ہون، جنھون نے اپنے لطف و کرم سے نظم و نثر کے مضامین "مرقع" کے لئے عطا فرمائے، یا اُنکے مضامین دوسرے اصحاب کے ذریعے سے حاصل ہوئے (یہ مضامین اپنی ترتیبِ انتخاب اور رسالہ کی گنجائش کے لحاظ سے شائع ہوتے رہینگے

اُستاذی حضرت محمد لکھنوی بلگرامی مدظلہ۔　　ابوالعلا حضرت ناطق لکھنوی

لسان الملک حضرت ریاض خیرآبادی۔　　[illegible] شاعر صاحب [illegible]

آ

حضرت نیاز فتح پوری اڈیٹر "نگار"
مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی۔
مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔ دریابادی
مسٹر سید احمد صاحب کاظمی (علیگ)
خان بہادر سید محمد ہادی صاحب وزیر تعلیم بھوپال
مسٹر عزیز حیدرآبادی بی۔ اے (علیگ)
مسٹر اعزاز (لندن)
حضرت نظم طباطبائی
جناب فراق بی۔ اے۔ گورکھپوری۔
جناب اثر لکھنوی بی۔ اے۔
جناب رواں ایم۔ اے۔ وکیل
سید عابد علی صاحب بی۔ اے۔
حضرت اختر صہبائی
پروفیسر حیدری صاحب
پروفیسر محمد صادق صاحب ایم اے علیگ۔
جناب ہادی مچھلی شہری۔
جناب محمود الہ آبادی
پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق
منشی ممتاز علی صاحب آہ
جناب شہیر مچھلی شہری۔
جناب بیخود دہلوی
سید علی ضامن صاحب نیدی بی۔ اے۔
دریتیم صاحب اڈیٹر "مشرق" گورکھپور
ابوالمعانی وحیدالدین احمد صاحب۔
شاہ نذیر صاحب ہاشمی غازیپوری

حضرت [illegible]
جناب اصغر گونڈوی۔
جناب منظیر شاہ صاحب وارثی
مولوی ظہیر حسین صاحب رضوی ایم اے (علیگ)
حضرت فانی گورکھپوری۔
ڈاکٹر سید یاسین ہاشمی غازیپوری۔ ایم اے (علیگ)
حاجی محمد صادق صاحب ایوبی
جناب جگر بسوانی
جناب ذوقی لکھنوی (علیگ)
محمد احمد صاحب رئیس بابوپور۔
مسٹر علی مقصود علیگ۔
جناب عزیز بلگرامی۔
جناب ہوش بلگرامی۔
سید وصی صاحب شوق بلگرامی (کواتھ)
مولانا سید عباس علی سبزواری (علیگ)
سرور اکبرآبادی
مولوی محمد ابراہیم صاحب گورکھپوری۔
منشی محمد داؤد خان صاحب مرادآبادی۔
مولوی عبدالحی صاحب صدیقی بی۔ اے۔ علیگ
جناب ماسٹر باسط بسوانی۔
جناب جگر مرادآبادی۔
جناب وسیم خیرآبادی
قمر جہاں بیگم صاحبہ۔
بلقیس جمال صاحبہ۔
رابعہ خاتون صاحبہ۔ میمونہ غزال صاحبہ

مربیانِ مرقع

عالی جناب مولانا مولوی حاجی سید محمد سبحان اللہ صاحب متخلص بہ عظیم رئیس اعظم گورکھپور

عالیجناب نواب غلام حسین صاحب قمر رئیس اعظم گنیش پور ضلع بستی　　عالیجناب مولانا مولوی سید محمد مقصود علی صاحب نائب ریاست گنیش پور

معاونینِ مرقع

جناب سید شاہ زاہد علی صاحب سبز پوش رئیس اعظم گورکھپور

جناب سید شاہ شاہد علی صاحب فانی سبز پوش رئیس اعظم گورکھپور

جناب سید وصی الحسن صاحب بلگرامی ڈپٹی کلکٹر

جناب مرزا جعفر علی خان صاحب بی۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر

جناب مولوی محمد آفاق صاحب مالک آفاق اینڈ کمپنی گورکھپور

جناب رواں ایم۔ اے۔ وکیل

جناب سید محمد مختار صاحب ڈپٹی کلکٹر

حضرت فرخ آنا ؤ

جناب سید اشرف علی صاحب ڈپٹی کلکٹر۔

جناب مولوی بدر الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر۔

جناب خان بہادر قاضی خلیل الدین صاحب دیوان ریاست بجاور۔

جناب رائے بہادر بابو نندن پرشاد صاحب رئیس و آنریری اسٹنٹ کلکٹر گورکھپور

جناب سید خورشید حسن صاحب سب جج ہردوئی۔

جناب رائے ادیا پرشاد صاحب آنریری مجسٹریٹ گورکھپور

جناب مولوی عبد الاحد صاحب آنریری منصف تعلقہ دار کھرسا ضلع بلیا

جناب ملک حبیب احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا سکریٹری ریاست بھوپال

جناب سید نیاز احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس بھوپال

جناب بابو عبد القادر صاحب انجینیر بھوپال

جناب حاجی محمد مصطفا خان صاحب مصطفا مالک کارخانہ عطر اصغر علی محمد علی لکھنو

جناب چودہری شفیق الزمان صاحب تعلقدار گڑھی بہلول۔

جناب مولوی مظہر الحق صاحب مرزا پور۔ جناب منشی نذیر حسین صاحب ثنا رس

جناب بابو نذیر الدین صاحب فاروقی۔ اوجین۔

جناب شیخ علی حماد صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی منصف۔

جناب سید محمود الحق صاحب حقی بی اے وکیل ہردوئی۔

جناب قاضی احمد الیاس صاحب بی اے وکیل ہردوئی۔

جناب مولوی سلطان احمد صاحب بلگرامی بیرسٹر ایٹ لا ہردوئی۔

جناب مولوی ابرار حسین صاحب بی اے وکیل ہردوئی۔

جناب ڈاکٹر نبی محمد خان صاحب آنریری مجسٹریٹ ہردوئی۔

جناب محمد رضی الحسن صاحب رضی اورنگ آباد۔

جناب ابو العلا حضرت ناطق لکھنوی۔ جناب عارف لکھنوی

جناب ادیب لکھنوی۔ جناب احسن مارہروی۔

جناب نشتر سندیلوی۔ جناب صدق جائسی۔

جناب عارف منصرم کشنری لکھنو۔

جناب منشی امتیاز علی صاحب تحصیلدار لکھنو۔

جناب سید فضل علی صاحب بیرسٹر ایٹ لا پٹنہ۔

جناب ہوش بلگرامی۔ جناب شوق بلگرامی۔ جناب فائق بی اے گورکھپوری

(باقی آیندہ)

فہرستِ مضامین

جہانِ مرقعِ تصویرِ حسن است تمام — بحیرتم کہ بندم دل از کہ بردارم

جنوری ۱۹۲۶ء

سالِ نو

ساقیا آج پلادے مے گلفام مجھے (۱) بادۂ کہنہ سے دے بھر کے نیا جام مجھے
صدقہ رندوں کا بنا خوش دل و خوشکام مجھے بھولکر یاد نہو گردشِ ایام مجھے

پھول برسا دے سرِ دور خدارا ساقی
سالِ نو تجھکو مبارک ہو دل آرا ساقی

مے گلرنگ پیون۔ بادۂ گلفام پیون (۲) دور مین بیٹھ کے تیرے سحر و شام پیون
کسلئے آج مین غمِ دلِ ناکام پیون دستِ نازک سے ترے جام پہ مین جام پیون

مست و سرشار بنون سرخوش و مدہوش بنون
یہ تمنا ہے کہ مین رندِ وفاکوش بنون

سالِ نو آیا ہے گلزار کا ہے رنگ نیا (۳) باغ کے در و دیوار کا ہے رنگ نیا
گل کا عالم ہے جدا۔ خار کا ہے رنگ نیا دیکھ لے نرگسِ بیمار کا ہے رنگ نیا

آج ساعت ہے نئی۔ عہد نیا۔ دور نیا
بزمِ عالم کی ہر اک چیز کا ہے طور نیا

کامرانی سے کوئی خرم و شادان ہوگا (۴) بختِ بیدار پہ اپنے کوئی نازان ہوگا
صورتِ گل جو خوشی سے کوئی خندان ہوگا شکلِ بلبل کوئی رو رو کے غزلخوان ہوگا

رنگ جمشید کی محفل کا دکھائیگا کوئی
جام پر جام سرِ دور لنڈھائے گا کوئی

دل کے ہاتھون کوئی اس سال بھی نالان ہوگا (۵) جوشِ وحشت مین کوئی چاک گریبان ہوگا
کوئی ناکامِ جہان خاک بدامان ہوگا فرطِ غم سے کوئی آئینہ حیران ہوگا

ہوگا تصویرِ الم۔ غم کا سراپا کوئی
شکلِ یوسف سرِ بازار بکے گا کوئی

رنگ بدلے گا بدستور زمانہ اب بھی (۶) درد کا ہوگا زبانون پہ فسانہ اب بھی
ہان اجل ڈھونڈ نکالیگی بہانہ اب بھی ناوکِ غم کا جگر ہوگا نشانہ اب بھی

دیکھکر اہلِ جہان وقفِ تحیر ہونگے
جنکی امید نہین ایسے تغیر ہونگے

ستمِ چرخ سے مٹی مین ملے تاج بہت (۷) پل مین مٹتے نظر آتے ہین ہمین راج بہت
ہوگئے دیکھتے ہی دیکھتے محتاج بہت کل ہو کچھ حال اکڑتے ہین مگر آج بہت

دمِ زدن مین کوئی کیا جانے کہ کیا ہوتا ہے
بینوا صاحبِ زر۔ شاہ گدا ہوتا ہے

آئے دن اور ترقی پہ زمانہ ہوگا (۸) عہدِ ماضی جو ہے وہ ایک فسانہ ہوگا
خانہ برباد جو ہین انکا ٹھکانا ہوگا کامگاری کا ہر اک لب پہ ترانہ ہوگا

صاحبِ عقل کریگا کوئی ایجاد نئی
راہ دکھلائے گا ہم کو کوئی استاد نئی

گلِ صد برگ بنے گا رخِ نیکوئے سخن (۹) بڑھ کے سنبل سے نظر آئینگے گیسوئے سخن
سرو ہو جائیگا اے دل قدِ دلجوئے سخن لطف دکھائیگا اب رنگِ سخن بوئے سخن

دلفریب اور نظر آئے گی تصویرِ ادب
چار سو پھیلے گی آفاق مین تنویرِ ادب

اور نکھریگی ابھی اور زبانِ اردو (۱۰) اور سلجھے گا ابھی اور بیانِ اردو
اور سے اور نظر آئے گی شانِ اردو خوب توسیع پہ مائل ہے جہانِ اردو

لطف دکھلائے گا ہمکو کہین تقلید کا رنگ
دلکو تڑپائے گا اپنے کبھی تجدید کا رنگ

کھینچ لیگی دلِ عالم کو نزاکت اسکی (۱۱) لطف دکھائیگی دنیا کو لطافت اسکی
گھر کریگی دلِ محزون مین محبت اسکی ہوگی آفاق مین ہر سمت اشاعت اسکی

پھول چن لائین گے ہر باغ سے گلچین اسکے
گل کھلائین گے بصد رنگ مضامین اسکے

اے خوشا بخت۔ نیا ایک صحیفہ نکلا (۱۲) لکھنؤ سے ادبی خوب رسالہ نکلا
جلوۂ حسنِ معانی کا سراپا نکلا پردۂ نور سے اک شاہدِ زیبا نکلا

کوششِ وصل ہو مقبول بڑا کام کیا
حسن کیساتھ مرقع کا سرانجام کیا

فضلِ حق سے ہوا ہے راس زمانے کی ہوا صاحبِ ذوق رہین جانسے دلسے شیدا
چشمِ مشتاقِ جہان اس سے کرے کسبِ ضیا (۱۳) دلِ تاریک کو روشن کرے اس کا جلوہ

شکل باسط ہو ہر اک اسکے طلبگارون مین
نام ہو سارے زمانے کا خریدارون مین

باسط بسوانی

(جنوری ۱۹۶۲ء)



جلد ا — نمبر ا

مرقع اور اسکے مقاصد

رونق عہد شباب است دگر بستان را
میرسد مژدهٔ گل بلبلِ خوش الحان را

ہندوستان مین اتنے جرائد اور رسالے شائع ہورہے ہین کہ انکا شمار کرنا بھی دشوار ہے۔ ادب و انشا کے اس محشرستان مین ایک نئے رسالے مرقع کا ظہور بظاہر ایک غیر ضروری تحریک ہے جس سے بجز پریشانیِ نگاہ کے اور کوئی نتیجہ مرتب نہین ہوسکتا۔

مختلف رسالون کے نکلنے اور بند ہونے سے ہندوستان مین نئے رسالون کا جاری ہونا اسقدر بدنام ہوگیا کہ کسی نئے رسالے کا نام سنتے ہی لوگون کو وحشت ہونے لگتی ہے۔ ادبی دنیا والونکو اب گوارا نہین ہے کہ کسی نئے حریف کی صحبت کے لئے دلچسپی سے کھڑے ہون اور اس سے مصافحہ کرنے کے لئے دست شوق بڑھائین انکی کثرت اور دیگر کمزوریون کے علاوہ انکے طویل اغراض و مقاصد نے بھی ادب حاضرہ کا معیار اس قدر پست کردیا ہے کہ کسی نئے رسالے کی نشر و اشاعت مین عام طور پر کوئی دلچسپی نہین پائی جاتی۔ ان کثیر التعداد جرائد کے اجرا اور انکی ناکام زندگی کے دیرپا اثرات نے عوام کو اسقدر برگشتہ خاطر کردیا ہے کہ کسی جدید کوشش کو نظرِ استحسان سے نہین دیکھا جاتا۔

ملک کی اس حوصلہ شکن حالت کے احساس کے بعد بھی مرقع کا اجرا

کافی دلچسپ ہے اور اس دلچسپی کے ساتھ اس نے مخصوص مقاصد کی
آمیزش نے اس مین ملک و ادب کے مفاد کا پہلو پیدا کر دیا ہے ۔
کثیر المقاصد رسالون کے مشترک اغراض کی رسمی فہرست عموماً ۔ علمی ،
ادبی ، اخلاقی ، روحانی ، تاریخی اور سائینٹفک خدمات پر مشتمل ہوتی ہے
لیکن مُرقع کا نصب العین تشریح اور توجیہ کا محتاج ہے ۔

کسی ادبی رسالے کا مقصد اگر محض زبان کی خدمت اور صرف
نظم و نثر کے بہترین نمونون کی اشاعت ہے تو وہ صحافتِ حاضرہ مین
کسی اہم مرتبہ کا مستحق نہین مانا جاسکتا ۔ اسلئے کہ جب تک دوسرے
رسالون کے مقابلہ مین اسے اپنے کسی خاص نصب العین کی بناپر کوئی
امتیازی درجہ حاصل نہو ۔ اسکی ذات سے کوئی غیر معمولی امید وابستہ
نہین کی جاسکتی ۔

مُرقع ایک انوکھے مقصد اور نرالی شان سے میدانِ صحافت مین
قدم رکھنے کی جرأت کرتا ہے ۔ وہ اصلاح زبان کا علمبردار ہے اور قدیم
و جدید انداز کی باہمی کشاکش کو فنا کرنا اس کا بہترین مقصد ہے ۔

آجکل اُردو ادب قدیم و جدید خیالات کا محشرستان بنا ہوا ہے ۔
اس وقت ملک مین ادیبون کے دو اسکول ہین جنکے مطمح نظر مین
نمایان اور بین فرق نظر آتا ہے ۔ ایک تو وہ اسکول ہے جو لکیر کے فقیر کا
مصداق مذاقِ کہنہ کا گرویدہ اور اپنے جذبات کے اظہار مین قدیم قیود
کی زنجیرون مین جکڑا رہنا پسند کرتا ہے اپنے اسلاف کی تعمیر کردہ شاہراہ
پر آنکھ بند کئے ہوے گامزن رہنا انکا ایمان ہے بخلاف اسکے دوسرا
اسکول جدت طرازی پر اس قدر تلا ہوا ہے کہ ازمنۂ قدیمہ کا سرمایہ اُسے
ایک نظر نہین بھاتا وہ نئی روشین نکالتا اور ایک بالکل جدید عمارت کی
انوکھے اسلوب سے داغ بیل ڈالنا اپنا فرض اولین تصور کرتا ہے گویا
مغربی خیالات و طرز بیان کا اثر آخر الذکر اسکول پر اسقدر تسلط جمائے
ہوئے ہے کہ وہ جادۂ قدیم پر قدم اٹھانا اپنی ہتک قرار دیتا ہے ۔

مذکورۂ بالا اسکولون کے محاسن و معائب پر بحث کرنا اور انھین
تنقیدی نظر سے جانچنا یہان پر مقصد نہین ہے اور نہ یہ ثابت کرنا
ہے کہ کس کو کس پر ترجیح ہے اس وقت صرف اہل ملک کے
مختلف النوع ادبی رجحانات کا خاکہ پیش کرنے کے بعد اُن اجزائے
ترکیبی کا بیان مقصود ہے جنکے باہمی ارتباط سے مُرقع کی بنیاد قائم
کرنا ہے ۔

مُرقع کی پالیسی کا لب لباب اعتدال پسندی اور تعصب شکنی
ہے ۔ وہ قدیم شاہراہ سے بلا وجہ گریز کرنا پسند کرے گا اور نہ جدید
سے خواہ مخواہ پرہیز کرے گا ۔ اس کا مسلک دونون اجزا کی وصل
و ترکیب سے ایک ایسے راستے کی بنیاد ڈالتا ہے جس پر اہلِ ملک کے
دونون اسکول ہاتھ مین ہاتھ دئے ہوئے یکجہتی و خلوص و اتحاد کے
ساتھ اپنی اپنی منزل طے کرین ۔ قدما کا سرمایہ بھی قابلِ وقعت ہے
اور موجودہ جدت طرازون کی کوشش بھی قابلِ ستائش ۔ اول الذکر
مین سے صرف اسیقدر حصہ ہماری عمارت کا جزو قرار پاسکتا ہے جو
اس کی نشو و نما مین رکاوٹ نہ پیدا کرے اور آخر الذکر مین سے
محض اُسی جزو کو کام مین لاسکتے ہین جس سے تخریب زبان کا خطرہ
نہو ۔ دیگر ترقی یافتہ زبانون کے مقابلے مین ہماری ادبیات تہیدست
ہے ۔ مُرقع کا یہ نصب العین رہے گا کہ اصلاح زبان کے ساتھ ساتھ غیر
زبان کے جواہر ریزون کو چن کر اپنی ادبیات کو مالامال کرے اور قدیم
شاہراہ کے کنارے جدید مذاق کے خیابان کی داغ بیل ڈالے تاکہ
راہرو مسرت و شگفتگی کی سانس لیتا ہوا اپنا راستہ طے کرتا جائے ۔

وصل بلگرامی

مرقع کا خیر مقدم

ہمارے خاص ہمدرد ہمپر خاص عنایت کرنے والے، مرقع کے اجرا و اشاعت کے حامی، اسکے دل سے قدردان اور ہماری ہمت بڑھانے والے چند اصحاب نے مرقومۂ بالا عنوان پر اپنے خلوص، اپنی محبت، اپنی قدردانی اور اپنی ہمدردی کا اظہار نظم کے پیرایے مین فرمایا ہے، ہم انکی اِس نوازشِ خاص کے منت پزیر ہین۔

منجملہ انکے تین فارسی قطعات، ایک لسان القوم جناب مولانا صفی لکھنوی، دوسرا جناب بیخود موہانی تیسرا، لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی کا اور ایک اُردو کی نظم جناب جگر بسوانی کی درج مرقع کرتے ہین۔

نوٹ:۔ جناب عزیز کا قطعہ انکی خاص تحریر مین ہے جس کا عکس صفحہ ، اور علامہ اقبال کی تحریر کے عکس کے بعد ملاحظہ فرمایئے — وصل بلگرامی

لسانُ القوم جناب مولانا صفی لکھنوی

مرقع است ببین دسواد روشن کن — ز حسن جلوہ فروشے نظر دریغ مدار
ز گل عروسِ ادب را چو جلوہ آراید — تو ہم ز بارشِ گلہائے تر دریغ مدار
غبارِ راہِ قلم سرمۂ صفاہا نیست — بچشم گیر ز کحل البصر دریغ مدار
بخیر مقدمِ نو در کنار آمدہ — الا ز ریزشِ لعل و گہر دریغ مدار
نویدِ تازہ تہنیت نسیم آورد است — بہ بزمِ نکتہ وران زین خبر دریغ مدار
تنعمے کہ ازان بہرہ مند می باشی — ز دوستانِ خودش بیشتر دریغ مدار
ز نخلِ بار ورے گر ہمی کنی نوبر — بہ دیگران ز عطاے ثمر دریغ مدار

بہر کہ تشنہ لبِ ذوقِ سخن باشد — ز دجلہ ریزیِ خونِ جگر دریغ مدار
درین زمانہ کہ قحطِ ہنر وران بینی — خدا را کہ ز کسبِ ہنر دریغ مدار
دعاے خیر مکن در حقِ سخن سنجان — درین وظیفہ شام و سحر دریغ مدار
اگر ز فیض رسانی بخبثِ طینتِ خویش — دریغ داشتی، اما دگر دریغ مدار
ترا کہ گفت نداری دریغ از مرد — دریغ دار، ولے این قدر دریغ مدار
بعاریت چو مرقع کسے ز من درخواست — دلم بگفت، کزین مختصر دریغ مدار
صفی معانقہ کردم درین معاملہ من — بگفتمش ادب از خیر و سر دریغ مدار

پیامِ وصل ادا می کنی از لبِ حافظ
کہ در بہاے سخن سیم و زر دریغ مدار

جناب بیخود موہانی

ارنی بگو شد از دل ہمہ را چنانکہ دانی — مگر از پے دردِ دل، بگذر ز لن ترانی
تو بآب و تاب شانی، تو با نقلاب جانی — ز مرقعِ زبانی، کہ مرقعِ جہانی
چو شوی بحق مستجل، تو ز معرفت بخوانی — تو بسی بوحیِ منزل، تو بہ لوحِ غیب ثانی
چو ز حسن خطبہ خوانی، چو سخن ز عشق رانی — ز زمین نظر ربانی، ز ہوا اثر فشانی
بہوا چو پر کشائی، بجہان نظر کشائی — چو ز اوج در کشائی، تو فرازِ لامکانی

ز چراغِ شعلہ لرزان بگم تباہ سامان — توئی آفتابِ دوران ہنروا ضیا فشانی
بدر آز جلوہ گاہت، دل و دیدہ فرشِ راہت — ہمہ حسن در پناہت، ز نظر چرا نہانی
تو بہ عہد در سخن آ، چو مسیحِ معجز آرا — کہ جمالِ فطرت را، چہ نیاز با جوانی
ز ادب عیار سنجی، ز علوم طرفہ گنجی — تو ز بہر با بہ بخی، کہ ز جہل وا رہانی
ہمہ چشمِ ناز جوئی، کہ ہمہ لبی و گوشی — بصنم ہمہ خموشی، بخدا ہمہ بیانی

ز تو چشم و می پرستی، ز تو دل بوجد و مستی — همه نشهٔ الستی، همه مستی جوانی
ز نیاز بے نیازی، سزدار تمام نازی — ز قبولِ سرفرازی، کند وصل کامرانی
ز فراق چون زنی دم، چو ستاره اهلِ عالم — نزند چشم برهم بشبِ تارِ زندگانی
ز وصال کن تکلم، که ز خلق از ترنم — نرود ز لب تبسم، چو بهارِ جاودانی

تو مے بدستِ جم نه، بسکندر آئنه ده — که گوشِ تو خوانده، ز سروشِ آسمانی
سرِ راه هست جانان، بخضر بگو بیا هان — سزدار آبِ حیوان، تو غبارِ ره نشانی
چه نظاره سوز شانے، چه غرور زا بیانے — که گذشت بر جهانے، ز صدائے لن ترانی
ز نیاز باز گوئی، تو ز ناز باز گوئی — سزدار نیاز گوئی، کند وصل داستانی

تو نه بیخود است شیدا، نگهے بوے خدارا
ز تغافلت بیدا، که تو از دلش ندانی

جناب حکیم جگر صدیقی بسوانی

کج ادائی یاد ہے بھولا ہوا اقرار ہے — یار بھی شرمندہ ہے ہم سے نگاہِ یار بھی
یاد اپنے ظلم پہ نے دل کا لینا آگیا — شرم سے ظالم کے ماتھے پر پسینا آگیا
مجھ سے کیوں چھپتا ہے میں نے شکل پہچانی تری — مار ڈالیگی مجھے ظالم، پشیمانی تری
جورِ بیجا کی ندامت دلکو ہے گھیرے ہوئے — مسکراتا ہے مری جانب سے منہ پھیرے ہوئے
پھر جھلک شوخی کی دیکھیں آنکھ میں آئی ہوئی — پھر ذرا ملجائے ہم سے آنکھ شرمائی ہوئی
دل مٹا جاتا ہے تجھپر دل کی حالت دیکھ لے — آنکھ اٹھا کر دیکھ لے، او بے مروت دیکھ لے
خون لاکھوں کیے ہوئے، قاتل ادا پر ناز پر — مٹنے والے مٹ گئے، ظالم ترے انداز پر

یہ کرشمے دیکھتا ہوں آہِ بے تاثیر کے — بل تری چتون کے ہیں یا بل مری تقدیر کے
جان و دل قربان سب تیری ادا پر کرگئے — مرگئے او قاتلِ عالم ہزاروں مرگئے
بیخودی دیدار کی ہے حسین یہ تاثیر ہے — تو نہیں ہے سامنے، ظالم تری تصویر ہے
حسن کی تاثیر ہے تصویر جسنے کردیا — واہ کیا تصویر ہے تصویر جسنے کردیا
دیکھکر حسنِ دل آرا ہیں تری محفل میں ہم — اس مرقع کو جگہ دیں آنکھ میں یا دل میں ہم
دامنِ نظارہ کو بھرنا مبارک ہو تجھے — اے مرقع دل میں گھر کرنا مبارک ہو تجھے
آنکھ میں پتلی ہو تو پتلی میں آکر نور ہو — اے مرقع جلوہ گاہِ علم و فن کا طور ہو

خیر مقدم کا ترے شورِ مبارکباد ہو — تو ہے دلمیں جگر کے اسکا دل آباد ہو

تقاضاے وصل

وہ وصل نہیں جو ہجر کا مقابل اور عشاق کی حسرتوں کا روحِ دل ہے وہ بھی نہیں جو شعرا کی رنگینیِ طبع و جوشِ بیان و لطفِ ادا و طرزِ گفتار کا ایک خوشنما گلدستہ ہے، اور خیالی و مجازی ذوق شوق ہائے، وائے، ہیچ جذبات، و محرک داعیات اعلان یا رازِ سربستہ ہے۔ ہاں وہ بھی نہیں جو مصطلح صوفیہ یا متعلم اہلِ عرفان ہے اور عبدیت کاملہ و انسانیت تامہ کا نتیجہ لازمہ و داعیہ ضروریہ ہے کیونکہ اپنی جان کا احساس و ادراک اور من آنم کہ من دانم کا مصداق اسے تلفظ و تکلم تو کیا توہم و تخیل کی بھی اجازت نہیں بخشتا۔ ادیت کی بھول بھلیاں کا سرگشتہ و حیران اور امکان و حدوث کی دلدل کا آغشتہ و ناتوان یہ جرات بھی نہیں کرسکتا کہ اپنی پستی سے اونچا خواب بھی دیکھ سکے وصل و اتصالِ حقیقی تو جن کا حصہ ہے انکا ہے۔ یہ تو جنکے نصیب میں ہے وہی پاتے ہیں اور جو اسکے واقعی اہل ہیں وہی اس کا لفظ زبان پر لاسکتے ہیں یہ انہیں کا حصہ ہے جنھوں نے ادبیت کی حرص و آز کے سب حصے چھوڑ دیے اور اپنے کو کسی اور کے حصہ میں دیدیا اور یوں پھر اپنا حصہ اپنا نصیب وصلِ حقیقی کو بنالیا الحق کہ وہی اس کے پانیوالے ہیں اور انہیں سے تقاضاے وصلِ حقیقی یا انھیں کو ادعاءِ وصل دائمی ہوسکتا ہے۔ میرا عنوان تو فقط ایک پیکرِ عنایت اور مجسمہ کرم و محبت کے اصرار کا خلاصہ ہے نہ عاشقانہ وصل، نہ شاعرانہ وصل، نہ عارفانہ وصل بلکہ حضرت وصل بلگرامی جن کا تقاضا ہے کہ انکے رسالہ و بیر مرقع کیلئے کوئی ادبی مضمون حاضر کروں۔ دماغ وقفِ مصائب و تفکرات، دل پریشان و اختلاج زدہ، طبیعت مضمحل و افسردہ ادھر انکا سفرِ مسلسل تقریر کا دورہ، سر چڑھی علالت و بیخوابی، ہائے مجبوری، وا معذوری، پھر حضرت وصل کی تعمیلِ ارشاد کیونکر اور کس طرح ہو۔ انکا تقاضا ہے کہ جو کچھ ہو کچھ ہو، لہٰذا اس تقاضا سے مجبور ہو کر آئندہ کے وعدہ کے ساتھ یہ کہکر رخصت ہوتا ہوں کہ، یار باقی صحبت باقی،

فقیر عبد الماجد القادر البدایونی

افکارِ فلک پیما

عکسِ تحریر علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے بیرسٹر ایٹ لا، لاہور

گفتمش دل آزاد کہ پیوستہ تو است؟
گفتم کہ زنند دو جہاں رستہ تو است
گفتمش ز خلوت کدہ خویش برون تاخت
گفتم شرر جستہ ز ناجستہ تو است
گفتمش کہ دربارہ او چیز دگر گوی
گفتم چو گل از باد صبا خستہ تو است

اقبال

دانت کے درد سے افاقہ ہے، ہمدردی کا شکریہ قبول فرمائیے۔ تاہم یہ دلے شاید [illegible] ہو

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ — عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند

جنوری ۱۹۲۶ء

لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی کی تحریر کا عکس

مرقع

خوش آمدی صفا آوردی

گر بگذری بسوی آن ماہ خوشخرامی ‏— ای باد صبحگاہی بلّغ لہ سلامی

زان حسن بین نشانی از دستہ گل تر ‏— یعنی مرقع حسن از وصال بگرامی

گلدستۂ بہاری یا نافۂ تتاری ‏— بلبل بشاخساری جامی بدست جامی

از مجمع محاسن از جوہر معادن ‏— من اہل افتخار سادة کرام

از نقطہ نقطہ جوشد صد کوثر معانی ‏— از حرف حرف خیزد تاثیر خوش کلامی

مجموعۂ قشنگی با صد ہزار رنگی ‏— با نظم شوخ و شنگی چون جمع نظامی

ہر صفحہ اش سمن بو ہر دائرہ چو ابرو ‏— ماہ سپہر اردو نقش بلند نامی

دارد سر رفاقت ہمچون عزیز مخلص
با ہر امام فن کو ہمرتبۂ امامی

عزیز
یکم اکتوبر ۲۵

فارسی زبان اور اُس کا عِلم اَدب

خاص مرقع کے لئے

ذیل مین جو مضمون درج کیا جاتا ہے وہ ہمارے مخدوم و محترم بزرگ عالیجناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی مدظلہٗ کے زور قلم اور تحقیقِ خاص کا نتیجہ ہے۔ اور اپنے عنوان "فارسی زبان اور اُس کا علم اَدب" کے لحاظ سے بالکل نیا۔ اچھوتا۔ مورخانہ اور محققانہ مضمون ہے۔

مولانا کے کمالات سے کون ایسا ہے جو واقف نہین۔ تاریخ دانی اور اِس فن کی تحقیق و تدقیق مین جو درجہ آپکو حاصل ہے وہ محتاج بیان نہین۔ اُردو لٹریچر مین جو آپ نے روح پھونکی ہے وہ آپ کا خاص حصہ ہے۔

اِس مضمون مین بھی آپنے فارسی زبان کے علمِ اَدب کے متعلق تاریخی حیثیت سے بہت کچھ انکشاف کیا ہے جس سے آج بہت سی نئی اور ضروری باتین ہمارے علم مین آگئین جو باوجود تاریخون مین موجود ہونے کے اس ضروری عنوان کے تحت مین مستقل طور سے بالاستیعاب ایک جگہ پر مشکل سے ملین گی۔

یہ مضمون ابھی اور وضاحت کا محتاج ہے۔ اور در اصل اگر یہ مضمون تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو ایک نہایت ضروری تاریخی مسئلہ حل ہو کر دنیا کے تاریخ کے سامنے آجائے۔

ہمین امید ہے کہ مولانا ممدوح مزید تکلیف گوارا فرماکر اس مضمون کو جہان تک ہو سکے گا واضح اور مفصل بنا دین گے۔

ہم مولانا موصوف کے تہ دل سے شکر گزار ہین کہ باوجود بالکل عدیم الفرصت ہونے اور دیگر ضروری علمی مشاغل کے مرقع کی قلمی اعانت کی طرف خاص طور سے توجہ فرمائی اور یہ مضمون جو اپنی نوعیت مین نہایت ضروری اور بالکل جدید ہے خاص مرقع کے لئے تحریر فرماکر ہم کو ممنون کرم بنایا۔

اِس قسم کی باتین جستہ جستہ متفرق تاریخون مین بھی موجود ہین علامہ شبلی مرحوم نے شعر العجم مین بھی جابجا اِس پر روشنی ڈالی ہے ہم اس کا ماخذ یہان پر درج کرتے ہین۔

شعر العجم جلد اول مین اُنھون نے تذکرۂ مجمع الفصحا کی عبارت نقل کی ہے جو ناصر الدین قاچار مغفور کے عہد مین ۱۲۸۴ھ مین تصنیف ہوا ہے اور زمانۂ حال کا سب سے بڑا مستند تذکرہ ہے اُس کی عبارت یہ ہے:۔

"ظاہر است کہ اشعار قدیم شعرے عجم بسبب غلبۂ عرب از میان رفتہ چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیان را عرب بسوختند از کتب قدیمہ خبرے بر جا نگزاشتند الا قلیلے کہ پنہان داشتند چون مردم را فراغتی بلیغ نمودند قاعدۂ سخن فارسی و شعر متروک شد تا مدتے گزشت و اوضاع بنوع دیگر گشت"

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ دو سو برس تک شاعری کی زبان کیون بند رہی اور فارسی زبان قید سے باہر نکلنے نہ پائی۔

تذکرۂ دولت شاہ سے یہ خیال ماخوذ کیا گیا ہے وہ لکھتا ہے کہ "عبداللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا کہ ایران کی تمام کتابین برباد کر دی جائین اس بنا پر اِسلام کے زمانے تک فارسی شاعری نے ظہور نہین کیا"

چونکہ ایران کی قدیم کتابیں برباد کر دی گئیں اس لئے اہل عجم فارسی
شعر بھی نہ کہہ سکے اسلام نے ملکی زبان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد سے حجاج بن یوسف کے زمانے تک تمام دفاتر
فارسی زبان میں تھے۔ حجاج کے زمانے سے عربی میں ہو گئے
لیکن ملک کی اصلی زبان وہی رہی رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط
ہو کر اردو کی طرح ایک جدید زبان پیدا ہو گئی اور وہ گویا خاص
اسلامی زبان تھی۔

ولید کے زمانے سے جب شاہانہ دربار قائم ہوا تو لوازم
سلطنت کی حیثیت سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا لیکن تخت
کی زبان عربی میں تھی اس لئے شاعری بھی عربی ہی رہی۔

اتنے سے سہارے سے کہ مامون الرشید ایک مدت تک
خراسان میں رہا تھا اور غالباً فارسی سے حرف آشنا ہو گیا تھا
عباس مروزی نے ایک قصیدہ فارسی میں کہا اور مامون الرشید
نے اس کے صلے میں ہزار دینار سالانہ مقرر کر دئے۔

ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ اسلامی عہد میں فارسی شاعری کا
یہ پہلا حرف تہجی تھا۔

اس سے پہلے اگر بڑے نام کچھ پتا چلتا ہے تو ابو حفص حکیم
سغدی کا شعر ہے جو پہلی صدی ہجری میں موجود تھا شعر یہ ہے ؎

آہوے کوہی در دشت چگونہ دودا ندارد یار بے یار چگونہ بودا

خاندان سامانیہ کے پہلے جو کچھ ہوا وہ شاعری کی ابجد تھی لیکن
خاندان سامانیہ نے دفعتاً اس زمین کو آسمان بنا دیا۔

رودکی جو فارسی شاعری کا ابو الآبا سمجھا جاتا ہے اسی
دربار کا دست پرور تھا۔ شاہنامہ کا عنصر بھی اسی عہد میں تیار ہوا
سلسلۂ سامانیہ سے پہلے جو خاندان گزرے وہ طاہریہ
اور صفاریہ تھے۔ طاہریہ عربی النسل خاندان تھا۔ اس لئے فارسی
شاعری کو اس کے زمانے میں عروج نہیں ہو سکتا تھا۔

سامانی خاندان دیکھتے تھے کہ اہل عجم اپنے لٹریچر اور ملکی خصوصیات
سے بالکل الگ ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان کی شاعرانہ
قوتیں بالکل ایک غیر زبان (عربی) پر صرف ہو رہی ہیں خراسان
و بخارا میں سیکڑوں ہزاروں شعرا موجود ہیں جو نسلاً عجم ہیں لیکن
دار الخلافہ بغداد کے اثر سے جو کچھ کہتے ہیں عربی میں کہتے ہیں۔

ان اسباب سے اس خاندان نے اپنی قومی و ملکی زبان کی
ترقی پر شاہانہ توجہ کی شعرا کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں خاص خاص
مضامین پر اشعار لکھوائے۔ کلیلہ دمنہ سنسکرت سے اولاً فارسی میں
ترجمہ کی گئی تھی لیکن جب عبد اللہ بن المقفع نے اس ترجمہ کو عربی
میں منتقل کیا تو فارسی نسخہ بالکل گمنام ہو گیا۔

نصر بن احمد سامانی نے رودکی کو حکم دیا کہ اس کو فارسی میں
نظم کرے عجم کی تاریخ ابتک نامرتب اور پریشان تھی اس لئے
دقیقی کو اس کام پر مامور کیا چنانچہ اس نے ہزار شعر لکھے یہ شاہنامہ
کا پہلا سنگ بنیاد تھا اس کے صلہ میں رودکی کو ۴۰ ہزار درہم ملے۔
عنصری ایک قصیدے میں کہتا ہے ؎

چہل ہزار درم رودکی ز مہتر خویش عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور

دقیقی کے زمانے تک فارسی زبان میں عربی الفاظ اس طرح
مخلوط تھے کہ دونوں سے مل کر گویا ایک نئی زبان پیدا ہو گئی تھی
عباس مروزی کے کل چار شعر ہیں۔ لیکن عربی الفاظ فارسی
سے زیادہ ہیں۔ رودکی و شہید بلخی کا کلام بھی اسی کے قریب قریب
ہے۔

سب سے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس آمیزش سے پاک
کر کے مستقل زبان کی حیثیت قائم کی ہے وہ دقیقی ہی ہے اس کے
سیکڑوں شعر پڑھتے چلے جاؤ عربی کا ایک لفظ نہیں آتا۔

اسی طرح اور زیادہ وضاحت سے علامہ نعمانی مرحوم نے شعر العجم اور رسائل شبلی میں لکھا ہے۔

حضرت شمس مدظلہ نے اس مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

"فردوسی نے اس تعصب کی بنا پر جو اُسے عربوں سے تھا خاص طور پر کوشش کرکے فارسی سے عربی الفاظ نکالے جس کی وجہ سے اُس کی زبان غیر مانوس اور خلاف محاورہ ہو کر بگڑ گئی اُس کی وقعت اتنی بڑی مثنوی لکھ دینے اور ایک غلط سلط تاریخ عجم کے منظوم کر دینے سے کی گئی اور کی جاتی ہے نہ اس لحاظ سے کہ اسکی فارسی اپنے زمانے میں یا کسی زمانے میں فصیح و بامحاورہ فارسی تھی۔"

ہم انھیں خیالات کے متعلق علامہ شبلی کی تحقیق کا اقتباس جس کا اظہار انھوں نے شعر العجم حصہ اول میں کیا ہے درج کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

انوری اُن شعرا میں ہے جس کو لوگوں نے فردوسی کا ہمسر قرار دیا ہے چنانچہ مشہور ہے ؎

در شعر سہ تن پیمبر انند　　ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

لیکن خود انوری کہتا ہے کہ فردوسی ہمارا خداوند ہے اور ہم اسکے بندے ہیں ؎

آفرین بر روانِ فردوسی　　آن ہمایون نژاد فرخندہ
آن نہ استاد بود و ما شاگرد　　آن خداوند بود و ما بندہ

نظامی کہتے ہیں ؎

سخن گوی پیشینہ دانائے طوس　　کہ آراست روئے سخن چون عروس

علامہ ابن الاثیر نے مثل السائر کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ عربی زبان باوجود اس وسعت و کثرت الفاظ کے شاہنامہ کا جواب پیش نہیں کر سکتی اور در حقیقت یہ کتاب عجم کا قرآن ہے۔

یورپ کے فضلا بھی جو زبان فارسی سے واقف ہیں عموماً فردوسی کے کمال شاعری کے معترف ہیں۔ سرگور اوسلی نے تذکرۃ الشعرا میں فردوسی کو ہومر سے تشبیہ دی ہے اگرچہ ساتھ ہی یہ ناتوان بینی بھی ظاہر کی ہے کہ وہ اگرچہ دراصل ہومر کا ہمسر نہیں ہو سکتا لیکن ایشیا میں اگر کوئی ہومر ہو سکتا ہے تو وہی ہے

اسلام کا خاصہ ہے کہ جہاں جہاں گیا ملک کی زبان سرے سے بدل دی یا اس قدر اُس کو مغلوب کر لیا کہ وہ مستقل اور آزاد زبان نہیں رہی۔

اسلام سے پہلے مصر و شام میں قبطی اور سریانی بولی جاتی تھی اسلام کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہو گئی یہاں تک کہ آج عیسائی یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتے۔ ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ میں ترک گئے تو ملکی زبان ترکی ہو گئی۔ کابل اور قندہار کی اصلی زبان پشتو ہے لیکن خواص فارسی بولتے ہیں جو اسلامی حکمرانوں کی زبان تھی۔ ایران اور ہندوستان سخت جان تھے جہاں ملک کی اصلی زبان قائم رہی لیکن عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہو گئے کہ اُنکی آمیزش کے بغیر فارسی یا اردو لکھنا چاہیں تو لزوم مالا یلزم کی محنت اٹھانا پڑتی ہے۔

ایران میں ابتدا ہی سے عربی نہایت شدت سے مخلوط ہو گئی تھی۔ عباس مروزی نے مامون الرشید کی مدح میں جو قصیدہ لکھا اُس کے چار شعر آج موجود ہیں جن میں نصف سے زیادہ عربی الفاظ ہیں۔ رودکی اور ابوشکور بلخی وغیرہ کا کلام عربی الفاظ سے بھرا پڑا ہے۔ سلطان محمود کے زمانے میں ایک فاضل نے شاہنامہ کے جواب میں عمر نامہ ایک کتاب نثر میں لکھی تھی اس کا بھی یہی حال ہے۔ اسی زمانے میں شیخ ابو علی سینا نے

حکمت علائیہ فارسی زبان مین لکھی اور قصد کیا کہ خالص فارسی
مین لکھی جائے لیکن عہدہ برآنہ ہوسکا۔ فردوسی نے ساٹھہ ہزار
شعر لکھے اور عربی الفاظ اس قدر کم ہین کہ گویا نہین ہین۔ اگرچہ
اس خصوصیت کا موجد دقیقی ہے لیکن کل ہزار شعر اور صرف
چند معمولی واقعات ہین۔ بخلاف اِس کے فردوسی نے ہر قسم
اور ہر طرح کے سیکڑون گوناگون مطالب ادا کئے اور زبان کے
خالص ہونے مین فرق نہ آنے پایا۔ عربی کے جو الفاظ خال
خال آئے ہین اکثر وہ ہین جو خاص مصطلح الفاظ ہین۔ مثلاً مین
میمنہ۔ میسرہ۔ قلب۔ سلاح۔ عنان وغیرہ وغیرہ یہ الفاظ اِس طرح
اس زبان مین شائع تھے جس طرح آج کل اُردو مین جج۔ کلکٹر
ٹکٹ۔ اسٹیشن وغیرہ ہین۔ کہ اُنکے بجاے اگر کوئی شخص اور
الفاظ استعمال کرے تو ناموزون معلوم ہون گے۔

شاہ نامہ کی زبان آج کی زبان سے اس قدر مختلف ہے
کہ گویا دو زبانین الگ الگ ہین اور یہ شاہ نامہ کی تخصیص نہین
اُس زمانے کے شعرا کی عام زبان یہی تھی لیکن چونکہ اور کسی شاعر نے
اِس قدر الفاظ استعمال نہین کیئے اس لیئے فردوسی کی زبان
بہ نسبت اور شعراء کی زبان کے بیگانہ اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہے۔

علامہ شبلی نے ایک مقام پر شاہ نامہ کی خصوصیات کا ۱۸
نمبرون مین ذکر کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ اُسوقت اُس نے کس طرح استعمال
کیا ہے اور اب کیا بولتے ہین۔ اس کے بعد لکھتے ہین کہ ان تصرفات
کے علاوہ سیکڑون الفاظ ہین جو متروک ہوگئے یا اُن کی صورتین
بدل گئین یا اُن کے بجاے اور الفاظ استعمال مین ہین مختصراً مولانا
شبلی نے چند الفاظ کی فہرست بھی مع معنی کے لکھدی ہے جس سے
اس بیان کی وضاحت ہوجاتی ہے۔

علامہ شبلی مرحوم شعر العجم مین شاہ نامہ کی وقعت تاریخ کے لحاظ سے
کے عنوان کے تحت مین لکھتے ہین کہ "اگرچہ اس مین شک نہین کہ
شاعرانہ رنگ آمیزیون نے شاہ نامہ کو عام نظرون مین تاریخی درجہ
سے گرادیا ہے تاہم ایران کی کوئی مفصل قدیم تاریخ اس سے زیادہ
صحیح نہین مل سکتی"

اسی کے ساتھ اپنے اس بیان کی تصدیق مین بہت سے استدلال
اور مستند رائین پیش کی ہین اور اس عنوان کے قبل وہ دکھا چکے
ہین کہ دقیقی نے جب شاہ نامہ کی ابتدا کی تو اُس وقت کتنی تاریخون
کا ذخیرہ اُس کو ملا اور اُس وقت تاریخ عجم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی و
فارسی مین تیار ہوچکا تھا جس کا بیان بالتفصیل شعر العجم مین موجود ہے
نیز سامانیون کا کتب خانہ اس زمانہ مین تمام عالم مین اپنا جواب
نہین رکھتا تھا شیخ بوعلی سینا جب اول اول اس کتب خانہ مین داخل
ہوا تو اُس پر حیرت چھاگئی چنانچہ اس نے اقرار کیا ہے کہ مین نے اتنا بڑا
اور عظیم الشان کتب خانہ کبھی نہ دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ دقیقی کے
لئے یہ تمام تاریخی ذخیرہ مہیا کیا گیا ہوگا۔ اور چونکہ سلطان محمود غزنوی
سامانیون ہی کا دست پروردہ اور اُن کو مٹا کر اُن کا جانشین بنا تھا۔
اس لئے ہر طرح قرین قیاس ہے کہ وہ سب سامان محمود کو ہاتھ آیا ہوگا
اور فردوسی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا گیا ہوگا۔ یہ محض قیاس
نہین بلکہ مورخین کی تصریح سے اس کی تائید ہوتی ہے صاحب
کشف الظنون اور مجمع الفصحا کی عبارت اس بیان کی تائید مین
موجود ہے۔

ان تمام قرائن اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی کا
ماخذ زیادہ تر ایران کی وہ تاریخین ہین جو عربی مین ترجمہ ہوگئی
تھین لیکن فردوسی کا قومی غرور عرب کے احسان کو گوارا نہین
کرتا۔ فردوسی کا دعویٰ ہے کہ قدیم زمانہ کی ایک نہایت مبسوط تاریخ
ایران کی موجود تھی لیکن مرتب و مدون نہ تھی۔ موبدون یعنی

مذہبی پیشواؤن کے پاس اس کے مختلف اجزا تھے۔ ایک رئیس دھقان نے ہر جگہ سے بڑے بڑے پرانے مؤید جمع کیے اور ان پراگندہ اجزا کو زبانی روایتون کی مدد سے ترتیب دے کر ایک مکمل کتاب تیار کرائی۔

لیکن فردوسی کے اِس بیان کی تردید علامہ مرحوم کی تحقیق سے ہوتی ہے اور صاف طور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے جو کچھ لکھا اُس وقت کی تمام تاریخون سے مدد لیکر لکھا۔ اس کا تطابق انگریزی مورخین اور دیگر تذکرہ نویسون کی تحریرون سے بھی پورے طور پر ہوتا ہے۔

بہرحال حضرت شرر مدظلہ کا یہ مضمون کمال تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر نہایت خوب اور فارسی اور اس کے علم ادب پر ایک تاریخی روشنی ڈالتا ہے ہم نہایت شکرگزاری کے ساتھ اس کو درج کرتے ہین اور امید کرتے ہین کہ جناب شرر اس رسالہ کو اکثر اپنے فیوض سے بہرہ مند کرتے رہین گے۔

مدیر

اَہلِ مغرب جو آج کل اپنے اَدب و انشا کے سوا کسی کی زبان کی کچھ ہستی نہین جانتے۔ وہ بھی مُقِر ہین کہ موجودہ فارسی زبان تمام مشرقی زبانون مین نہایت وسیع۔ شیرین اور لوچدار ہے۔

موجودہ فارسی زبان کی نسبت محققین یورپ کا خیال ہے کہ گیارھوین صدی یعنی پانچوین صدی ہجری کے آغاز مین قدیم فارسی سے نکلی۔ جو ایران کے جنوبی و مغربی صوبجات مین علی العموم بولی جاتی تھی۔ اور بجز اسکے اس علاقے مین کسی اور زبان کا رواج نہ تھا لیکن تحقیق کی نگاہ سے دیکھیے تو اس سے پیشتر یہ زبان پیدا ہو چکی تھی۔

عربی شعرا کے کلام اور عربی تاریخون مین جابجا فارسی کے الفاظ اور جملے ملتے ہین جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہی فارسی جو اَب مروّج ہے دوسری صدی کے شروع ہونے سے پیشتر ممالکِ عجم مین بولی جاتی تھی چنانچہ واثق باللہ کے عہد مین جس نے سنہ ۲۳۲ھ مین وفات پائی حریفانِ صحبتِ عیش مغنّی کو "خُنیاگر" کہنے لگے تھے۔

مامون کے زمانے کا امامِ موسیقی اسحٰق موصلی اپنے ایک شعر مین لکھتا ہے۔ اذا قال لی یا مردے خوذ کرہا۔ بعض نامور بہادرون کا لقب مشہور ہو گیا تھا "ہزار مرد" لونڈیون کا نام "بستان" رکھا جاتا تھا۔ گلدستہ کو "دستنبویہ" کہنے لگے تھے۔ اور شعرا اپنے کلام مین کہتے "شراب الخسروانی"

رشید اور مامون کے زمانے مین ایک مشہور شاعر تھا ابن مناذر اُس نے اُس وقت کے ایک ذی اثر سردار محمد بن عبدالوہاب کی ہجو مین یہ شعر کہا ؎

وقال الشیخ سرجویہ   دوا المرء من تحت

یعنی شیخ سرجویہ کا قول ہے کہ مرد کا مرض نیچے سے شروع ہوتا ہے۔ ابن سرجویہ اُس زمانہ کا ایک عجمی النسل طبیب تھا۔ اور مستند مانا جاتا تھا۔ اُس نے جو یہ شعر سُنے تو گھبرایا اور ڈرا کہ محمد بن عبدالوہاب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے فوراً اُس کی محفل مین آیا۔ اور تمام حاضرین کے سامنے بآوازِ بلند کہنے لگا۔

"برکست من نہ گفتم آن پسر مناذر گفت"

سنتے ہی لوگون کے پیٹ مین مارے ہنسی کے بل پڑ گئے اور ابن عبدالوہاب نے شرما کے اور برہم ہو کے اُس سے کہا "جا خدا تیرا بُرا کرے" مگر سرجویہ یہ سمجھا کہ انھون نے میری معذرت قبول نہین کی۔ لہذا پھر قسمین کھا کر اسی جملے کا بار بار اعادہ کرنے لگا۔

عہ آغانی جلد ۵ صفحہ ۴۴ عسہ آغانی جلد ۵ صفحہ ۸۵ سہ آغانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۶
للعہ آغانی جلد ۱۰ صفحہ ۱۲ عہ آغانی جلد ۷ صفحہ ۱۹

بہر تقدیر پہلی اور دوسری صدی ہجری مین جو فارسی بولی جاتی تھی ہماری موجودہ فارسی سے کچھ زیادہ مخالف نہ تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس زبان مین تالیف اور تصنیف کا سلسلہ بعد کو جاری ہوا۔

قدیم فارسی کی حالت یہ ہے کہ ایران کی قدیم زبانون مین سے اکیلی ژند کے کچھ آثار آج تک باقی رہ گئے ہین۔ یہ ایک زمانے مین مشرقی ایران مین بولی جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کو پرانی باختری زبان خیال کرنا چاہیئے۔ مگر اس کو باختری زبان کہنا شاید صحیح نہو گا کیونکہ باختر وہ ملک ہے جو آریہ لوگون کا پہلا مسکن تھا۔ وہین سے ان کے مختلف گروہ اطرافِ عالم مین پھیلے۔ ایک گروہ نے ہندوستان مین آکر خاکِ ہند کو آریہ ورت بنایا۔ دوسرے گروہ نے فارس مین پہونچکر اُسے آریانہ کے نام سے یاد کیا۔ جو لفظ بعد کے زمانے مین ایران بن گیا یہین سے اِس قوم کے اور گروہ یونان و روم مین پہونچے اور اُن کی اولاد حکمتِ یونان و عظمتِ روم کی بانی ہوئی۔ مگر کسی کو نہین معلوم کہ باختر کے قیام کے زمانے مین اُن کی زبان کیا تھی؟ ہان اگر ایران مین جب وہ پہونچے ہین تو ژند بولتے تھے۔ اور ہندوستان مین داخل ہونے کے وقت سنسکرت بولتے تھے۔ یہ دونون زبانین اگرچہ باہم بہت ہی قریب ہین۔ اور انکی وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قریب کا رشتہ رکھتی ہین۔ مگر ایک نہین ہین اور دونون مین سے کسیکی نسبت بھی قطعی طور پر نہین کہا جا سکتا کہ وہ باختر مین بولی جاتی تھی۔

ژند زبان کی دو بولیان تھین اور دونون کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً آٹھ سو برس پیشتر فنا ہو گئین۔ مگر اُس قدیم فارسی کے چند نمونے آج تک کوہ بیستون پر اور چند اور مقامات مین پتھر پر منقوش موجود ہین۔ جو خطِ پیکانی مین لکھے ہوئے ہین۔ یہ خط شمالی ایران و عراق مین اگلے دنون کثرت سے مروج تھا جس کے صدہا نمونے زمین سے کھود کھود کے نکالے گئے ہین۔ اسمین آڑے اور سیدھے مختلف التعداد تیرون کے ذریعے سے تحریر کا کام لیا جاتا تھا۔ اور اس تحریر کو موجودہ مستشرقین نے پڑھ لیا۔ اور صدہا تاریخی واقعات کا انکشاف ہو گیا۔ زبانِ ژند کے مٹنے کے بعد ایران مین پہلوی زبان کا رواج ہوا۔ جو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو سو برس پہلے سے لیکر دو سو برس بعد تک ایران کی مروجہ زبان تھی اس کے پیدا ہونے کا باعث یہ ہوا کہ باختر سے آئے ہوئے آریہ لوگون کی زبان ژند پر سامی الاصل فاتحون کا اور اُن کی زبان کا جو بابل و نینوا مین بولی جاتی تھی اثر پڑنا شروع ہوا۔ چنانچہ "پہلوی" زبان مین سامی زبان کے الفاظ بکثرت داخل ہو گئے اور اُس مین بہ نسبت ژند کے اشتقاقاتِ افعال جو دوسرے فعلون کی ترکیب سے ہوتے ہین اور نیز منعِ صرف کی ترکیبین کم ہین۔

پہلوی دولتِ ساسانی کی درباری زبان تھی خسروانِ عجم نے اُسے اور اُس کے لٹریچر کو ایک اچھی حد تک ترقی دی۔ وہ پرانا پیکانی خط مردہ ہو کر زمین کے اندر دفن ہو گیا۔ اور نیا پہلوی خط ایجاد ہوا جس کے حروف کی شکلین دیکھنے مین ہندی کایتھی یا گجراتی سے ملتی جلتی تھین۔ مگر عربی و عبرانی کا غالب اثر یہ تھا کہ داہنی طرف سے بائین جانب لکھا جاتا تھا۔ پارسیون کی ایک کتاب جس کا نام "ویراف نامہ" ہے مع انگریزی ترجمہ کے لندن مین بخطِ پہلوی چھپی ہے اور اکثر پارسیون کے پاس موجود ہے مین نے بھی اُس کو اپنے ایک پارسی دوست سے لیکر دیکھا تھا۔ اِس کتاب کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ساسانِ اول۔ اردشیر بابکان کے زمانے کی تصنیف ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہین ملا۔

مرورِ زمانہ سے جب دولتِ ساسانی کا زوال شروع ہوا تو پہلوی زبان مین غیر زبانون کے ہزارہا نئے الفاظ داخل ہو گئے جنھون نے

پہلوی کو غارت کر ڈالا۔ دولتِ عجم کے انحطاط کی وجہ سے پہلوی مین زیادہ تر کلدانی الفاظ و محاورات داخل ہو گئے۔ یہ دیکھکر علماے عجم نے اِس جانب توجہ کی کہ اپنی زبان کو ان خارجی و بیرونی الفاظ سے پاک کر کے خالص ژند کے مطابق بنا لیں اور جب اِس احتیاط کے ساتھ ایک نئی شان کی زبان اختیار کی گئی اور اُس مین بہت سی کتابین مذہب زرتشتی کے عقائد پر لکھی گئین۔ تو اُس جدید زبان کو جو آخر آخر دول نیستے دارو کی شان رکھتی تھی استقلال حاصل ہو گیا۔ اور یہ زبانِ پاژند کے نام سے مشہور ہوئی۔ غرض اِس کوشش سے ایک نئی زبان پیدا ہو گئی۔ مگر یہ نہ ہوا کہ پُرانی ژند زبان زندہ ہو جائے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیون کے عہد مین زبانِ پاژند ایران کی علمی و دینی زبان تھی اور اُس دور مین قدیم زبان ژند کی یادگار یا قائم مقام تصور کیجاتی تھی

زبانِ فارسی کی یہ حالت ہو رہی تھی کہ پہلی صدی ہجری کے آغاز مین ایران پر عربون کا تسلط ہو گیا۔ عرب ظہورِ اسلام سے بیشتر ایران سے مغلوب ہو رہے تھے۔ دولتِ عجم کی شوکت و حشمت اور ایرانیون کی تہذیب و شایستگی کا سکہ مانے ہوئے تھے۔ اور اُن پر فارسی عظمت کا رعب پڑا ہوا تھا۔ اب اُنھون نے اِس ملک پر حکومت قائم کر کے اپنی سطوت تو بٹھا لی مگر اُس کی علمی عظمت کے آگے سر جھکائے رہے۔ پاژند کی دینی کتابین اور پہلوی زبان کا لٹریچر بہت کچھ تو سکندرِ اعظم کی دست بُرد سے فنا ہو چکا تھا جو باقی تھا اب خود بخود بے مٹائے مٹنے لگا۔ اس لئے کہ ایرانی بہ کثرت دینِ اسلام کو اختیار کرتے لگے تھے۔

لیکن عربی کی بے بضاعتی اور فارسی کی علمی دولت مندی کا یہ اثر تھا کہ عہدِ عرب کی پہلی صدیون مین ہمین تاریخون کے اندر جستہ جستہ جو فارسی کے جملے مل جاتے ہین اُن مین عربی کا نام و نشان تک نہین ہے لیکن شعراے عرب اور دربارِ خلافت کی زبان مین بہ کثرت فارسی الفاظ نظر آجاتے ہین۔ اُنکا سامانِ عیش فارسی لفظون سے بھرا ہوا ہے۔ گویا عرب باوجود حاکم ہونے کے رعایا کی زبان اختیار کرتے جاتے ہین بخلاف اس کے رعایا ان کی زبان کی مطلق وقعت نہین کرتی۔

دوسری صدی ہجری کے آخر مین جب ہارون رشید کی کوشش سے یونانی و رومی اور دیگر علمی زبانون کے علوم عربی مین ترجمہ ہوئے عربون مین علمی ذوق و شوق بڑھا۔ اور عربی لٹریچر کا خزانہ دولتِ علم سے مالا مال ہو گیا۔ تو فارسی زبان کو عربی علمی شوکت کے آگے سر جھکانا پڑا اور عربی الفاظ یکایک فارسی مین داخل ہونے لگے۔ میرے خیال مین یہی وقت ہے جب سے موجودہ فارسی بننا شروع ہوئی جبکہ عربی کے ساتھ ساتھ ہر دینی و دنیوی فن مین یہ جدید فارسی بھی ترقی کرنے لگی لیکن اب اِس نئے جنم کے ساتھ اس نے بجاے زرتشتی مذہب کے دینِ اسلام اختیار کر لیا تھا۔ اس لیئے کہ اس کے تمام شعراء و ادیب اور کل مصنفین مسلمان تھے۔ اور اُس کا ادب و انشاء مذہبًا و علمًا عربی ادب کا پیرو تھا۔

اِسی صدی کے آخر مین رشید کے دونون بیٹون امین و مامون مین جو لڑائی ہوئی وہ دراصل عرب و عجم کی اور اسی سلسلے مین کہا جا سکتا ہے کہ عربی و فارسی زبانون کی لڑائی تھی۔ اس لیئے کہ مامون ایک عجمیہ ماں کا بیٹا تھا اور سارا ایران خصوصًا خراسان اُس کا طرفدار بنا ہوا تھا۔ اور پھر جب مامون کو فتح ہوئی تو کہنا چاہیئے کہ عجمیت عربیت پر فتحیاب ہوئی۔

مامون کے فتح کے ساتھ ہی خراسان کے شہر طوس مین جو نیا بدست دربار قائم ہوا اس کا عنصرِ اعظم عجمیت تھی۔ مامون ہی کے زمانے مین خراسان پر طاہر کی حکومت شروع ہوئی جو مدت دراز تک اُسی کی نسل مین رہی اور خاندان طاہریہ مشرق مین ادب و شاعری کا سب سے بڑا مربی تھا۔ اِسی خاندان کے عہد سے عربی مذاقِ شاعری۔ فارسی کے مبانے

اور اسکے استعارات و تشبیہات اختیار کرنے لگا اور وہ عربی شاعری عروج پانے لگی جو شعرائے مولدین کی شاعری کہلائی۔ چنانچہ سب سے بڑے مولد شاعر متنبی کی اس دربار نے بڑی قدر کی۔

عبداللہ بن طاہر کا زمانہ عربی و فارسی دونون ادبون کی ترقی کا زمانہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس عہد کے کسی شاعر کا کلام محفوظ نہین ہے کہ پیش کیا جاسکے۔

طاہریہ خاندان ہی کی بدولت ترکستان مین جو علاقہ اُن دنون ولایتِ خراسان کے تابع اور اُس کا جز سمجھا جاتا تھا آلِ سامان کی حکومت شروع ہوئی۔ اس دربار نے فارسی ادب و شاعری کی طرف خاص توجہ کی۔ نصر سامانی اس خاندان کا سب سے زیادہ علم دوست اور فارسی زبان کا مربی شہریار تھا۔

اُسی دربار مین رودکی نے سب سے پہلے فارسی مین غزلسرائی شروع کی۔ یونانی شاعری کے بانی ہومر اور رودکی مین عجیب قسم کی شباہت نظر آتی ہے۔ ہومر بھی گویا تھا اور رودکی بھی۔ ہومر بھی اندھا تھا اور رودکی بھی۔ ہومر بھی اپنا کلام گاگا کے سنایا کرتا تھا اور رودکی بھی۔ فرق اتنا تھا کہ ہومر مفلس قلاش تھا اور رودکی نصر سامان کی مربی گری سے بڑا دولتمند اور صاحبِ شوکت و حشمت تھا۔ ہومر صرف شاعر اور مغنی تھا۔ رودکی شاعر اور مغنی ہونے کے علاوہ نثار اور ادیب بھی تھا چنانچہ اُس نے بید پائے برہمن اور داشلیم کے قصے کا ترجمہ عربی سے فارسی مین کیا مگر افسوس کہ وہ کتاب دستبردِ زمانہ کے نذر ہوگئی

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ جدید فارسی کے ابتدائی شعرا کے کلام مین عربی الفاظ نہین ہین جیسا کہ فردوسی کا شاہنامہ دیکھنے سے شبہہ ہوتا ہے مگر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت پیشتر عربی الفاظ ایرانیون کی زبان پر جاری اور نظمِ فارسی مین داخل ہوچکے تھے چنانچہ فارسی کے پہلے شاعر رودکی کے اشعار سے بخوبی ظاہر ہوجاتا ہے۔ اُسکا ایک قطعہ ہے ؎

نگارینا شنیدستم کہ گاہ محنت و راحت	سہ پیراہن سبب بودہ ست یوسف را بعمر اندر
یکے از کید شد پرخون دوم شد چاک از تہمت	سوم یعقوب را از بوش روشن گشت چشم تر
رخم ماند بآن اول دلم ماند بہ این ثانی	نصیب من شود در وصل آن پیراہن دیگر

ان تین شعرون مین دس عربی الفاظ محنت۔ راحت۔ سبب۔ عمر۔ کید۔ تہمت۔ اول۔ ثانی۔ نصیب۔ وصل۔ موجود ہین۔ فردوسی کے معاصر شعرا کے کلام مین بھی اسی طرح فارسی مین عربی الفاظ ملے ہوئے ہین جیسے آجکل کے شعرائے فارس کے کلام مین ہوا کرتے ہین حکیم عنصری بادشاہ کی مدح مین کہتا ہے ؎

بوقتِ قدرتِ رحم و بوقتِ ذلتِ عفو	بوقتِ تنگیِ بخشش بوقتِ عہدِ وفا

فردوسی کا ایک دوسرا معاصر منوچہر شصت کلہ اپنے ایک قصیدے مین کہتا ہے ؎

ترکیب از طبائع و مستغنی از حواس	در موقفت جہنم و در ساحتت جنان
خاکست طینتِ تو و با آب ہم مزاج	دلو است طالعِ تو و با حوت ہم عنان

ایک اور قصیدے مین کہتا ہے ؎

قولِ او بر جہل او وہم حجت است و ہم دلیل	فعلِ من بر عقلِ من ہم شاہد است و ہم یمین

فارسی کے ان قدیم تر کلامون سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی شاعری کا آغاز اُسی فارسی سے ہوا جس مین عربی الفاظ ملے ہوئے تھے اور عربی فارسی شاعری کی گھٹی مین پڑی ہوئی ہے۔ فردوسی نے اُس تعصب کی بنیاد پر جو اُسے عربون سے تھا خاص طور پر کوشش کرکے فارسی سے عربی الفاظ نکالے جسکی وجہ سے اُسکی زبان غیر مانوس اور خلافِ محاورہ ہوکر بگڑ گئی۔ اُسکی وقعت اتنی بڑی مثنوی لکھ دینے اور ایک غلط سلط تاریخ عجم کے منظوم کر دینے سے کی گئی اور کیجاتی ہے۔ نہ اِس لحاظ سے کہ اُسکی فارسی اپنے زمانے مین یا کسی زمانے مین فصیح و بامحاورہ فارسی تھی۔

اسکے بعد فارسی لٹریچر ترکستان و خراسان اور ایران مین ترقی کرتا رہا اور وہی عربی سے ملی ہوئی فارسی تمام ممالک عجم کی مادری زبان بن گئی۔ اسمین شک نہین کہ ادبی حیثیت سے اُسے سب سے زیادہ ترقی آلِ سامان کے بعد آلِ سبکتگین نے دی جبکہ فارسی کا ادب اپنے انتہائے کمال کو پہونچ گیا تھا۔

پھر اسکے بعد کسی ایرانی دربار نے ادب فارسی کی ایسی پشت پناہی نہین کی بعض بعض دربارون مین نامور شعرا پیدا ہوگئے مگر جیسی توجہ اسکی ترقی کی جانب دربارِ غزنوی نے کی تھی کسی سلطنت نے نہین کی۔

محمود ہی کے زمانے سے مسلمان اپنے علمِ اقبال کے ساتھ فارسی زبان کو ہندوستان مین لائے اور اُسکے ادب و انشا کی ترقی کیلئے ہر قسم کی کوششین جاری ہوگئین۔ عہدِ مغلیہ تیموریہ مین یہان تک ترقی ہوئی کہ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی فارسی مین غزل خوانی کرنے لگے اور ہزارون ہندوؤن نے اپنے فارسی دیوان مرتب کرکے ادبی خزانۂ عجم مین امانت رکھوا دیئے۔

دولت مغلیہ کا رقیب ایران مین صفوی خاندان تھا مگر اُس نے ایران مین فارسی کی ترقی کی طرف کبھی ایسی توجہ نہین کی جیسی کہ ہندوستان مین ہو رہی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایران مین جو خوش گو شاعر پیدا ہوتا ذرا سی بھی نمود حاصل ہوتے ہی ہندوستان کا راستہ لیتا۔ ایران ہی کے لکھے ہوئے تذکرے شہادت دے رہے ہین کہ مسلسل تین چار صدیون تک یہ حالت تھی کہ جہان کہین اچھا شاعر پیدا ہوتا ہندوستان اُس کو دربارِ عجم ہی سے نہین بلکہ ملکِ عجم سے ہی چھین لیتا۔

ہندوستان مین یہ حالت ہو رہی تھی کہ فارسی دربار سے نکل کے عام ہندو مسلمانون کی زبانون پر جاری ہوتی جاتی۔ فارسی ادب کا مذاق ہندوستانیون کے دل و دماغ پر جاری ہوتا جاتا۔ اگر یہ رجحان کو دو تین صدیان اور مل جاتین تو ہندوستانیون کی مادری زبان فارسی ہو جاتی جسکے آثار ہر ادنی واقعے سے نمایان ہین۔ تمام گانے والے اور گانے والیون کی زبان پر فارسی غزلین تھین۔ ہر سوسائٹی اسی درجہ تک مہذب تھی جسقدر اس مین فارسی الفاظ کا زیادہ استعمال ہوتا۔ دیہات کے کائستھ۔ برہمن۔ اور کھتری۔ عربی و فارسی الفاظ کو ایک زیور تصور کرکے اپنی دیہاتی زبان تک اس سے آراستہ کرتے جاتے تھے۔

اور یہی رجحان اُردو زبان کے پیدا ہونے کا باعث ہوا۔ مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد کا یہ خیال صحیح ہے کہ اُردو انگریزون کی کوشش سے ایک مستقل زبان بنی۔ مسلمان حکومت کی پیدا کی ہوئی نہین ہے۔ اسلیئے کہ انگریزون کے آنے سے پہلے جو زبان بولی جاتی تھی وہ کوئی مستقل زبان نہ تصور کی جاتی تھی اور نہ تھی بلکہ وہ فارسی کے ہندوستان کی مادری زبان بننے کے رجحان کا ایک اسٹیج تھا جو روز بروز بدلتا اور فارسی اثر کو غالب کرتا جاتا تھا۔ ہندو مسلمانون مین سے کسی کے دل مین یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس زبان کو کوئی خاص زبان تسلیم کیا جائے دونون ذوق و شوق اور جوش و خروش سے اسی دھن مین لگے ہوئے تھے کہ ہماری زبان فارسی ہو جائے۔

اِس رجحان کے درمیان مین سلطنت کا انقلاب ہوا عنانِ حکومت انگریزون کے ہاتھ مین آئی اُنھون نے اپنی اُس وقت کی مصلحتون سے اسی زبان کو جو بولی جا رہی تھی اختیار کرکے اِس مین کتابین تصنیف کرائین اس کے نحو و صرف کی کتابین اور لغتین مدون کروائین پھر اسی زبان کو سرکاری عدالتون اور دفترون کی زبان بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی کے ہندوستان کی مادری زبان بننے کا جو اسٹیج اس وقت تھا اپنے مقام پر ٹھہر گیا۔ اور وہی زبان ہندوستان کی مستقل زبان بن گئی۔ چند روز بعد جب رنگی ہوئی ٹایپ کی کتابین اسکولون مین پڑھائی گئین

تو ہندو مسلمانون مین مخالفت پیدا ہوئی اس نے اُردو زبان کو ایک نئی کشمکش مین ڈال دیا - اور ہندوؤن کو دھن ہوئی کہ اس مین سے عربی و فارسی الفاظ کو نکال کے اُن کی جگہ سنسکرت کے الفاظ داخل کرین - اِدہر مسلمان اُردو کی اُس حالت کے جسپر وہ تھی محافظ بنے - یعنی کوشش کرنے لگے کہ چاہے نئے عربی و فارسی الفاظ نہ اختیار کیئے جائین مگر جو ہماری زبان مین داخل ہو چکے ہین محفوظ رکھے جائین -

جس طرح ہندو فی الحال کوشش کر رہے ہین کہ اپنی زبان سے فارسی و عربی الفاظ کو نکال ڈالین ایسی ہی کوشش فی الحال ایک بہت محدود حد تک یورپ کے اثر سے فارسی مین بھی کی گئی - چنانچہ ناصر الدین شاہ قاچار کے چچا فرہاد مرزا نے "نامۂ خسروان" کے نام سے ایران کی ایک تاریخ لکھی تو اس مین پابندی کی کہ عربی کا کوئی لفظ نہ آنے پائے - مگر ایران مین چونکہ ہندوستان کی طرح مختلف مذاہب کی کشمکش نہین - اس لیے فرہاد مرزا کی کوشش کا وہان کے فارسی لٹریچر پر مطلق نہ اثر پڑا - بلکہ وہان کی جو کتابین آج کل بالکل بولی جانے والی سادی زبان مین لکھی گئین اور گفتگو کی سچی تصویرین ہین ان مین بھی عربی الفاظ بکثرت موجود ہین - ناصر الدین شاہ کے سفر نامون اور جدید ڈرامون خان لنکران وغیرہ کو دیکھیئے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ عربی الفاظ اس طرح فارسی کے جزوِ اہم بن گئے ہین کہ اُن کے نکالنے کی کوشش کرنا زبان کو بنانا نہین بلکہ بگاڑنا ہوگا -

مگر یہان ہندوؤن سے یہ کہنا کہ اپنی زبان مین سے مانوس و مروج فارسی عربی الفاظ کا اخراج کرنا آپ کی زبان کو غارت کئے ڈالتا ہے مطلق نہ سنا جائے گا - بلکہ کیا عجب بدنیتی پر محمول کیا جائے تاہم ہمین اتنا ضرور کہدینا چاہیے کہ جن زبانون کا قدیم رنگ اور خزانۂ الفاظ محفوظ ہو انمین سے اگر بعد والے بیرونی الفاظ کو نکالا جائے تو ممکن ہے اور مفید بھی ہو سکتا ہے مگر جن زبانون کا پرانا لٹریچر محفوظ نہو اور پرانی زبان فنا ہو گئی ہو ان مین ایسی کوشش ہرگز سودمند نہین ہو سکتی - جدید فارسی کو اب کوئی کوشش پہلوی نہین بنا سکتی اسیطرح ہندوستان مین کوئی امکانی کوشش یہ نتیجہ نہین پیدا کر سکتی کہ ہماری مادری زبان کو سنسکرت بنا دے ایسی خلاف فطرت کوششین بجائے بنانے کے کام کو بگاڑ دیا کرتی ہین -

خود یورپ مین دیکھو انگریزی اگرچہ سیکسن زبان ہے مگر اُس مین سے لاطینی اور یونانی لفظون کو نکال ڈالنا اُس کی جان نکال لینا ہے اسپین والون نے انتہا سے زیادہ تعصب کے ساتھ عربون کو اپنے ملک سے نکالا - اُنکے ہر اثر کو مٹانا چاہا مگر عربی کے ہزارہا الفاظ اس وقت تک اُنکی زبان مین داخل ہین - دریاؤن شہرون اور صوبون کے نام آجتک عربی ہین اور اُن کے امکان سے باہر ہے کہ انکو خارج کر دین -

دنیا کی تمام موجودہ زبانین ایک دوسرے کے اثر سے متاثر ہین اور اندرونی یا بیرونی اثر سے ہر زبان بدلتی رہتی ہے مگر یہ امکان سے باہر ہے کہ کوئی قوم اپنی مردہ زبان کو پھر زندہ کرے -

محمد عبد الحلیم شرر

رباعیاتِ صہبائی

(۱)

عقل حیرانیِ نگاہ سے تنگ
عشق آماجگاہِ بارشِ سنگ
روح فرسا ہے عقل و عشق کی جنگ
ساقیا! ساغرِ مے گلرنگ

(۲)

دلِ عالم مین ہے خوشی کی ترنگ
ساقی خوبرو و خوش آہنگ
دورِ ساغر ہوا ور نغمۂ چنگ
ہین فریبِ نظر بہار کے رنگ

اثر صہبائی

مثنویِ معنوی کا ایک جدید نسخہ

مولوی عبدالماجد صاحب بی اے مصنف فلسفۂ جذبات ہندوستان کے ان معتبر اور مستند مصنفین سے ہیں جو ہمارے تعارف سے بالکل مستغنی ہیں۔ انکی زندگی اور مذاق میں جو عظیم الشان تغیر ہوا، یہ معنوی تحفہ اس کا ایک بیّن ثبوت ہے جس کی نسبت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ خدا ان کے معارف و حقایق کا پایہ بلند کرے اور مرقع ان کے رشحات قلم سے ہمیشہ فیضیاب ہوتا رہے۔

مدیر

ادبیات تصوف کے سارے ذخیرے میں جو شہرت و حسنِ قبول مولانائے رومیؒ کی مثنوی کو حاصل ہے وہ شاید کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں۔ عالم و جاہل، رند و زاہد، مقلد و مجتہد جس کسی کو تصوف سے ذرا بھی لگاؤ ہے، وہ مثنوی کی شراب سے مست نظر آئے گا۔ جو اسکے مطالب کو سمجھتے ہیں، وہ تو خدا معلوم کیا لذت محسوس کرتے ہوں گے، باقی جو نہیں سمجھتے (انھیں کی تعداد بہت بڑی ہے اور اسی گروہ میں راقم مضمون بھی ہے) وہ بھی مثنوی کے اشعار محض سنکر سر تو ہلا ہی دیتے ہیں۔ اس مقبولیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو، فارسی، عربی، ترکی، انگریزی، جرمن، فرانسیسی تقریباً ہر مہذب زبان میں مثنوی کی بکثرت شرحیں اور ترجمے موجود ہیں، اور پھر بھی سلسلہ ختم نہیں ہوتا، اردو کی ابھی بساط ہی کیا ہے لیکن متعدد مستقل شرحیں اس میں بھی موجود ہیں مثلاً کشف العلوم۔ بوستانِ معرفت پیراہنِ یوسفی کشف الهموم کلیدِ مثنوی وغیرہ۔ فارسی کی مشہور شرحوں میں شرح بحرالعلومؒ شرح ولی محمد اکبرآبادیؒ شرح محمد رضاؒ (مکاشفاتِ رضوی) شرح عبداللطیفؒ (لطایف اللغات) شرح محمد افضلؒ اور حاشیہ حاجی مدا[د اللہ]

ہا جرمہ سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ انگریزی میں مثنوی کے اقتباسات ضمناً دوسری تالیفات میں متعدد بار شائع ہو چکے ہیں، مستقل ترجموں میں سب سے پہلا ترجمہ سر جیمس ریڈ ہوس Sir James Red House کا ہے۔ جو ۱۸۸۱ء میں صرف دفتر اول کا شائع ہوا۔ دفتر دوم کا ترجمہ ۱۹۱۰ء میں پروفیسر ولسن (لندن یونیورسٹی) نے ایک جلد میں کیا اور ایک جلد میں اس کے حواشی دئے۔

انگریزی کے قالب میں مولانا رحؒ کے خیالات کو ڈھالنے کی یہ کوششیں اگرچہ بجائے خود قابلِ قدر نہیں لیکن ابتدائی مشقوں میں جو خامیاں ہوتی ہیں ان سے مفر نہیں ہو سکا۔ اب انگلستان میں سب سے زیادہ اہم و قابلِ قدر پیش قدمی جو اس باب میں کی جا رہی ہے وہ نامور مستشرق اور تصوفِ اسلام کے برگزیدہ فاضل پروفیسر نکلسن (کیمبرج یونیورسٹی) کی جانب ہے۔

نکلسن تصوفِ اسلام کا مطالعہ تیس سال سے کر رہے ہیں۔ انکی نظر اس باب میں اتنی وسیع ہے کہ بہت سے مسلمان اہل علم کو ان پر رشک ہو سکتا ہے۔

اس سے قبل شیخ فریدالدین عطارؒ کا تذکرۃ الاولیا اپنی حیرت انگیز سعی۔ تہذیب و تصحیح کے ساتھ چھاپ چکے ہیں۔ شیخ ہجویریؒ لاہوری کی کشف المحجوب کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اسلامی تصوف کی قدیم ترین کتاب شیخ ابونصر سراجؒ کی کتاب اللمع کا کھوج لگا کر اسے زیور طبع سے آراستہ کر چکے ہیں اور انگریزی میں اسلامی تصوف و صوفیائے کرام پر متعدد تالیفات و مضامین شائع کر چکے ہیں۔

مولانائے رومیؒ کی جانب انھیں خاص التفات و شغف ہے۔ چنانچہ آج سے اٹھائیس سال قبل وہ کلیاتِ شمس تبریزؒ جو مولانا ہی کا کلام

ہے) کا انتخاب مع انگریزی ترجمے اور حواشی و مقدمہ وغیرہ کے شائع کر چکے ہیں۔ اور اب ایک مدت سے مثنوی کے صحیح نسخے کی ترتیب اشاعت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

ان کے ذہن میں خاکہ یہ ہے کہ تین جلدوں میں (دو دفتر فی جلد کے حساب سے) متن مثنوی کے کل چھ دفتر شائع کریں۔ تین جلدوں میں ان کا انگریزی ترجمہ ہو اور تین یا چار جلدیں شرح۔ حاشیہ، مقدمہ وغیرہ کے لئے مخصوص ہوں۔ اس طرح سارا کام نو یا دس جلدوں میں ختم ہو اور ہر جلد بڑی تقطیع پر پانچ پانچ سو صفحے کی ہو۔

اس عظیم الشان ارادے کی پہلی قسط حال میں، قوت سے فعل میں آگئی۔ اور اسے دیکھ کر بے اختیار کارساز فطرت کی کار فرمائی پر دل سے داد نکلتی ہے۔ کہ جو قوم اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر تلی ہوئی ہے اس کے بعض افراد کو اس کی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے کہ علوم اسلامیہ کے احیاء و تحفظ میں وہ وہ کارنمایاں انجام دیئے جائیں کہ جن پر خود مسلمانوں کو رشک آئے۔

یہ پہلی جلد جو ابھی شائع ہوئی ہے لیڈن (ہالینڈ) کے مشہور مشرقی مطبع بریل کمپنی کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے۔ اور اس کی اشاعت لندن کی مشہور مشرقی دار الاشاعت لیوزک اینڈ کو کر رہی ہے۔

یہ جلد متن مثنوی کے دفتر اول و دوم پر شامل ہے ضخامت ۴۶۲ صفحہ۔ علاوہ بیس صفحے کے انگریزی مقدمہ کے ہے تقطیع ہندوستان کی ۲۰+۲۶ کی تقطیع سے بڑی ہے مسطر ۱۹ سطری ہے۔ باریک حروف کے ٹائپ میں چھپی ہے لیکن چھپائی اس قدر صاف اور روشن اور کاغذ اس قدر اعلیٰ ہے کہ حروف کی باریکی نگاہ پر ذرا بھی بار نہیں ڈالتی۔ ہر صفحہ پر فٹ نوٹ (حواشی ذیلی) کثرت سے ہیں۔ جلد نفیس و خوشنما ہے پشتہ اور جلد پر انگریزی میں کتاب مصنف اور مرتب وغیرہ کے اسماء خوشنما طلائی حروف میں منقش ہیں

اس پورے نسخے کی اصلی خصوصیت۔ وہ خاص اہتمام ہے جو نکلسن نے اس کی صحت و تہذیب میں ملحوظ رکھا ہے۔ اس نے یہ نہیں کیا کہ عام مطبوعہ نسخوں میں کسی کی نقل اٹھا کر چھاپ دی ہو۔ مثنوی کے صدہا مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔ انہیں کسی کی نقل چھاپ دینا کوئی قابل ذکر علمی خدمت نہیں قرار پا سکتا۔ نکلسن کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے متن مثنوی کا ماخذ صرف قدیم ترین قلمی نسخوں کو رکھا چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے حسب ذیل نسخے پیش نظر رکھے۔

(۱) نسخہ "اے" یہ باریک خط نستعلیق میں علی بن محمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا مکمل نسخہ ہے اس کی تاریخ کتابت ۶۷۷ھ ہے یعنی مولانا کی وفات ۶۷۲ھ سے صرف ۴۶ سال بعد یہ نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔

(۲) نسخہ "بی" اس کے کاتب کا نام محمد بن الحاج دولت شاہ بن یوسف الشیرازی ہے۔ سال کتابت ۷۴۴ھ ہے یعنی وفات مولانا رح سے ۷۲ سال کا بعد رکھتا ہے صحت کتابت و خوشخطی میں ممتاز ہے گوتھ (جرمنی) کے کتب خانے میں موجود ہے۔

(۳) نسخہ "آل" یہ نسخہ نکلسن کا ذاتی ہے۔ کاتب کا نام درج نہیں۔ سال کتابت ۸۴۳ھ ہے یعنی زمانہ مصنف رح سے ۱۷۱ سال کا فصل رکھتا ہے۔ یہ تینوں نسخے مکمل مثنوی کے ہیں۔

(۴) نسخہ "سی" یہ صرف دفتر اول کا نسخہ ہے۔ کتابت خط نسخ میں ہے۔ اعراب اکثر غائب ہیں۔ سال کتابت درج نہیں لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم یعنی مولانا رح کے زمانے سے کچھ ہی بعد کا ہے۔ موجودہ برٹش میوزیم۔

(۵) نسخہ "ڈی" اسمیں صرف دفتر دوم ہے۔ خط نسخ میں صاف و واضح لکھا ہوا ہے۔ کاتب موسی بن یحیی بن حمزہ الموسوی۔ تاریخ کتابت ۷۱۶ھ ہجری یعنی وفات مصنف علیہ الرحمۃ سے صرف ۴۴ سال بعد۔

اِن تمام نسخون مین نمبر ۱ و ۲ و ۴ - اور نمبر ۱ و ۲ و ۵ باہم زیادہ متحد ہین۔ صرف نسخہ نمبر ۳ موسومہ "ال"، جو نسبتاً بعد کا ہے وہ ان سب سے بہت مختلف ہے اور اس مین بکثرت ایسے اشعار درج ملتے ہین جو قدیم ترین نسخون مین یا کسی مین موجود نہین اسلئے قدرتاً انھین الحاقی تسلیم کرنا پڑے گا۔

نکلسن نے اپنی تلاش و جستجو کو انھین نسخ خمسہ تک محدود نہین رکھا۔ بلکہ اس کے پیشِ نظر شیخ عبداللطیف عباسی گجراتی (صاحب لطایف اللغات) کا وہ مشہور نسخہ بھی تھا جسکے متعلق انھون نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اُنسی مختلف نسخون سے مقابلہ کے بعد تیار کیا گیا ہے اور جس کا نام انھون نے "نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ" رکھا ہے شیخ عبداللطیف کا سال وفات ۱۰۴۸ھ بیان کیا جاتا ہے انکا یہ "نسخہ ناسخہ" ہندوستان کے بعض کتب خانون مین اس وقت بھی موجود ہے - اور راقم سطور کی نظر سے مولوی سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور کے کتب خانے مین گزرا ہے - اسکے علاوہ مطبوعہ نسخون مین سے جتنے قابل ذکر نسخے کہے جا سکتے ہین مثلاً مطبوعہ طہران مطبوعہ بولاق وغیرہ یہ سب بھی نکلسن کے سامنے موجود تھے - اور انھین مین ہمارے ہندوستان کا وہ مشہور کانپوری نسخہ بھی ہے جو نول مرحوم کے پریس مین بہ صد آب و تاب مولانا احمد حسن مرحوم کے تحشیہ و تصحیح کے ساتھ ایک ربع صدی ہوا چھ ضخیم مجلدات مین شایع ہوا تھا۔

اِس اتھاہ سمندر کو کھنگالنا آسان نہ تھا - اس قدر وسیع ذخیرہ سے کام لینے مین بڑی دقتِ نظر - دیدہ ریزی - جانفشانی و ذوق سلیم کی ضرورت تھی - الحمدللہ نکلسن اس میدان کے پورے مرد نکلے اور کم از کم جہانتک پہلے دو دفترون کا تعلق ہے بلاشائبۂ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ صحت کے اس التزام اور اس احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہوا مثنوی کا شاید کوئی دوسرا نسخہ اس وقت موجود نہو۔

مشاہیر اساتذہ کے کلام سے متعلق ایک بڑی دقت ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ مختلف اسباب و اغراض سے لوگ دانستہ یا نادانستہ انکے کلام مین یہان تک کہ کچھ عرصے کے بعد اصل و نقل سونا اور پیتل - خلط ملط ہو کر ایک ہو جاتا ہے -

مثنوی کی عمر اِس وقت تقریباً سات سو سال کی ہے - اس طویل مدت مین خدا معلوم اس پر کتنے انقلابات گزر چکے آج جو بلند ہمت اپنی تحقیق کے دست و بازو سے کام لیکر اسکے کھرے کو کھوٹے سے جدا کر سکے وہ ہزار آفرین کا مستحق اور صد ہزار تحسین کا سزاوار ہے نکلسن کا یہ کارنامہ آیندہ نسلون کو یاد رہے گا کہ اجنبی ہو کر اس نے اس مادی کے چپے چپے کو چھان ڈالا -

مولانا رح چونکہ ضابطے کے شاعر نہ تھے - نہ انھون نے کسی استاد سے اپنے کلام پر اصلاح لی تھی نہ شعر گوئی کی مشق کی تھی نہ فنِ عروض و قافیہ پر وقت صرف کیا تھا - اِس لیئے قدرتاً انکی شاعری ان قیود سے بالکل آزاد ہے جو کسی اور باضابطہ شاعرون نے عموماً اپنے اوپر عاید کر رکھی ہین انکا کلام سرتاپا آمد ہے - جوشِ بیان کا ایک دریا ہے جو امنڈا چلا آتا ہے - اُنھین اگر فکر اور پروا تھی تو اِس اَمر کی کہ اُنکے قلب پر جو واردات ہو رہی ہین انھین کہہ ڈالین - نہ یہ کہ صنایع لفظی قواعد نحوی و ضوابط عروضی کے چکر مین گرفتار رہین - اس لئے لامحالا اُن کے کلام مین بہت سی ایسی چیزین رہ گیئن جن کو عام شاعرون کے نقطۂ خیال سے خامیان اور لغزشین کہہ سکتے ہین لیکن ظاہر ہے کہ بلبل کے ترنم پر سارنگی اور طبلے کی پابندیان عاید کرنا کہان تک قرینِ انصاف ہو سکتا ہے -

مثنوی کے قلمی نسخون کے اکثر کاتب صاحبان نے ازراہ ہمدردی اس قسم کی لغزشون کو درست کر دینا چاہا ہے اس طرح مولانا کو بہتیری خاصی اصلاح دیدی نکلسن کی نظر اس پہلو پر خاص طور سے رہی ہے اور اُنسے جہان تک ممکن ہوا اِن اصلاحات کو دُور کر کے مولانا کا اصلی کلام

پیش کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہون دفتر اول مین ایک شعر تہا۔

گفت زن آیا عجب یارِ منی　　یا بحیلت کشفِ سّرم می کنی

اسکے پہلے مصرع کے قافیہ کو درست کرنے کے لئے کاتبون نے اسے یون لکھدیا۔ ع

گفت زن آہنگ برّم می کنی

دفتر اول مین ایک اور شعر ہے ؎

گفت خصم جان جان من چنین شدم　　بر سر جانم لکدہا چون زنم

اسکے پہلے مصرع کی اصلاح کاتبون نے یون کردی۔ ع

گفت خصمِ جانِ جان چون آدم

بعض مقامات پر سرے سے شعر ہی کو بدل دیا ہے مثلاً دفترِ اول مین ایک اصل شعر یہ تہا ؎

بت سیہ آب ست اندر کوزۂ　　نفس مر آب سیہ را چشمۂ

بہت سے نسخون مین یہ شعر اس صورت مین نظر آتا ہے ؎

بت سیہ آب ست در کوزہ نہان　　نفس مر آب سیہ را چشمہ دان

یا ایک اور شعر۔ دراصل یون تہا ؎

گفت رُوبہ صد سپاس آن شیر را　　کز پس آن گرگ در خواند مرا

اس مین قافیہ مین نقص تہا۔ اس نقص کی اصلاح کے لئے شعر ہی کی حالت بدل دی گئی ہے اور اب آپ کے سامنے وہ اس شکل مین آتا ہے ؎

روبہ آن دم بر زبان صد شکر راند　　کہ مرا شیر از پسِ آن گرگ خواند

اسی طرح مولانا کا یہ شعر ؎

گر بہ گیرم بار وندانش کنم　　تاش از سر کوفتن ایمن کنم

مسخ ہوکر اس شکل مین پیش ہوتا رہتا ہے ؎

گر بگیرم بر کنم دندان مار　　تاش از کوسر کوفتن نبود قرار

قدیم و متروک الفاظ و تراکیب بھی جدید نسخون مین رفتہ رفتہ اصلاح شدہ صورتون مین نظر آتے ہین، مثلاً "می شکست" کے بجائے "می گست" اور "بسکلد" کے بجائے "بگسلد"، اور "شیر گیری سازی" کے بجائے "مکر و شیر اندازی"، وقس علیٰ ہذا۔

عموماً پروفیسر نکلسن نے یہ طریقہ رکھا ہے، کہ شعر جس صورت مین انھین مولانا کے اصلی کلام ہونے کے لحاظ سے اصح معلوم ہوا اُس طرح اُسے انھون نے متن مین جگہ دیدی، باقی اسپر جو دوسرے نسخے تھے انھین وہ حواشی ذیل مین جگہ دیتے گئے ہین، تاکہ ناظرین کے سامنے انکی ترجیحی رائے کے ساتھ ساتھ مختلف نسخون کی عبارتین بھی آجائین۔ اور اس باب مین انھون نے اتنی احتیاط برتی ہے، کہ بہت ہی خفیف اور جزئی اختلافات تک کو بھی درج کر دیا ہے۔ مثلاً دفتر دوم مین انھون نے اِس شعر کو متن مین جگہ دی ہے ؎

یہ چون رود خواجہ بجاے ناشناس　　در غلام خویش پوشاند لباس

اور اِس کے حاشیہ مین "خواجہ" کے بجاے "میر تے" کا نسخہ دیا ہے۔ یا پھر اسی دفتر دوم مین، متن مین یہ شعر دیا ہے ؎

ہندوان را اصطلاح ہند مدح　　سندیان را اصطلاح سند مدح

اور حاشیہ مین "ہندوان" کے بجائے "ہندیان" کا نسخہ دیا ہے۔

اِس قسم کے حواشی سے کتاب کا ہر صفحہ لبریز نظر آتا ہے۔ مجموعی تعداد ہزارون تک پہونچے گی۔ بعض اشعار جو عام طور پر مطبوعہ نسخون مین درج ملتے ہین نکلسن کی تحقیق مین الحاقی ثابت ہوئے، انکو بھی متن سے نکال کر حاشیہ مین جگہ دیدی گئی ہے، چند اشعار اس قسم کے بھی ملاحظہ ہون ؎

در حق او نور و در حق تو نار　　در حق او ورد و در حق تو خار

در حق او نیک و در حق تو بد　　در حق او قرب و در حق تو رد

(دفتر دوم، عنوان عتاب کردن حق تعالیٰ موسی را)

چونکہ عیسی دیدکان ابلہ رفیق　　جز کہ اسپنزانی وا بند طریق

می نہ گیرد پیدرا از ابلہی	بخل می پندار داد از گمر ہی

(دفتر دوم، عنوان، تمامی قصہ زندہ شدن استخوانہا)

خواجہ روزے سوے خانہ رفتہ بود	در دکان طوطی نگہبانی نمود
گربۂ برجست ناگہ در دکان	بہر موشے طوطیک از بیم جان

(دفتر اول، عنوان، حکایتِ مرد بقال و طوطی)

اس قسم کے الحاقی اشعار کی تعداد بھی کثیر ہے۔

نکلسن کے اس نسخہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ اشعار پر ہر پانچ شعر کے بعد مسلسل نمبر پڑے ہوئے ہیں جس سے ناظرین کو مختلف سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دفتر اول کے کل اشعار مندرجۂ متن کی تعداد ۴۰۰۳ ہے اور دفتر دوم میں ۳۸۱۰ گویا کل جلد، جو دونوں دفتروں پر مشتمل ہے، اپنے آغوشِ متن میں ۷۸۱۳ اشعار رکھتی ہے، اور اگر الحاقی اشعار مندرجۂ حواشی کو بھی ملا لیا جائے، تو آٹھ ہزار کے پورے ہونے میں شاید ہی کچھ کسر رہ جائے۔

دونوں دفتروں کے آغاز میں جو دیباچے دئے ہیں، وہ بعض جزئیات میں کانپوری نسخہ نیز عام مطبوعہ نسخوں سے مختلف ہیں۔ لیکن بلحاظ مطالب اختلاف نہیں رکھتے۔ مولانا کے کلام کے ہر قدر شناس کو خدا سے دعا کرنی چاہئے، کہ بقیہ چار دفتروں کی طبع و اشاعت کا بھی ایسا ہی، بلکہ اس سے اور بہتر، سامان اہتمام بہم پہنچ جائے[1]۔

عبدالماجد

---

[1] کتاب ہندوستان میں بمبئی کے مشہور انگریزی کتب فروش ٹھیکر کمپنی کے ذریعہ سے مل سکتی ہے۔

ایک تصویر کو دیکھکر

(از جناب عابد علی صاحب بی اے ایل ایل بی۔ وکیل ہائیکورٹ و مدیر رسالہ ہزار داستان لاہور)

ورق ہے یہ آئینہ دارِ لطافت	غضب ہیں یہ نقش و نگارِ لطافت	ستارے ہیں افشاں کے لوحِ جبیں پر	اتر آئی رونق فلک کی زمیں پر
کمالِ نزاکت۔ بہارِ لطافت	رواں ہے کوئی آبشارِ لطافت	عیاں ہیں شکن گیسوئے عنبریں پر	نظر کیا جمے اس رخِ آتشیں پر

وفورِ جنونِ محبت سے رنگیں
مصور کے خونِ محبت سے رنگیں

گلابی لبوں پر ضیائے تبسم
جنوں خیز ہے یہ ادائے تبسم

وہ نقشہ کہ چشمِ تماشا پریشاں	وہ صورت کہ صورت گرِ حسن حیراں	یہ کافر نگاہیں یہ مینوش آنکھیں	شرابِ تخیل سے مدہوش آنکھیں
جمالِ پرستاں بہارِ گلستاں	سراپا یہ تصویر ہے صبحِ خنداں	غرورِ مسرت سے بیہوش آنکھیں	ازل تک رہیں گی وفا کوش آنکھیں

جوانی بھی ایسی کہ فانی نہیں ہے
قیامت ہے بر پا جوانی نہیں ہے

فنا کے تصور سے آزاد ہیں وہ
محبت کی بستی میں آباد ہیں وہ

یہ ہنگامۂ عاشقی کے زمانے	ادھر سے تقاضے ادھر سے بہانے
وفا کے تماشے جنوں کے ترانے	زبانوں پہ رہ جائیں گے بس فسانے

مگر تیری آنکھوں کی دوستی رہے گی
شراب محبت پرستی رہے گی

حرارت و برودت

از رشحاتِ قلم رئیس التحریر حضرت نیاز فتحپوری اڈیٹر "نگار" بھوپال

تجرباتِ انسانی مین سے شاید ہی کوئی تجربہ اس قدر عام اتنا قوی اور اس درجہ یقینی ہو جتنا حرارت و برودت کا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی مسلم ہے کہ باوجود اس قدر تواتر تجربات کے ہم مین سے کم ایسے لوگ ہین، جو انکی حقیقت سے آگاہ ہون -

ہم آگ کی گرمی، برف کی برودت، نسیم کی خنکی، بادِ سموم کی حدت سے کس قدر جلد متاثر ہو جاتے ہین اور کس طرح اپنے حواس کے ذریعہ سے ان دونون حالتون پر مختلف حکم لگا دیتے ہین، لیکن اگر کوئی پوچھے کہ آگ مین حرارت کہان سے آئی، برف مین انجماد کیون پیدا ہوا تو ہم مین سے اکثر اسکا جواب دینے سے قاصر رہین گے، یہ یقیناً ہمارا جہل ہے اور یہی جہل ہمکو بہت سے عطایاتِ فطرت سے مستفید نہین ہونے دیتا، درانحالیکہ وہ نفوس جو ہر وقت جستجو مین لگے رہتے ہین، جو مظاہر فطرت و مقادیرِ الٰہیہ کے اسباب و علل پر غور کرنے کے عادی ہین اور جو دو چیزون کے ربط باہمی کو معلوم کرکے، کسی تیسری چیز کے اختراع و ابداع کا باعث ہوتے ہین، آج ترقی کر رہے ہین اور ہیئتِ اجتماعیہ اُن کے علمی مجاہدات و اکتشافات سے گرانبار ہے -

اس مین شک نہین کہ مغرب کی ترقی کا راز علم الکیمیا کی ترقی ہے، لیکن دنیا کی کوئی حکمت عملی اس وقت تک کامیاب نہین ہو سکتی - جبتک پہلے طبعیات کا علم حاصل نہ ہو اور یہی وہ چیز ہے جس سے مشرق کے طلبہ بالکل نابلد رہتے ہین - اُن قدیم مدارس و مکاتب کا تو ذکر ہی نہین جہان کے فارغ التحصیل طلبہ خیر سے یہ بھی نہین جانتے کہ دو اور دو کا مجموعہ چار کیون ہوتا ہے - جو ابتک اسی حیرت مین مبتلا ہین کہ اگر زمین گردش کرتی ہے تو اُسکا پانی کیون نہین چھلک کر بہ جاتا - جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی ابتک اسی حالتِ جمود مین ہین اور کالج کے طلبہ مین بھی کسی جستجو و کاوش کی عادت پیدا نہین ہوتی، جسکا سبب صرف یہ ہے کہ علم کو علم کی غرض سے حاصل نہین کیا جاتا بلکہ اسکی غایت صرف شکم پری قرار دیجاتی ہے، اور اسکے لئے جہل ایسا حارج نہین، یورپ کا ایک ایک بچہ آج طبعیات کے مسائل سے اسی قدر واقف ہے جسقدر ہم اوقات نماز سے، یعنی وہ اس وقوف کو اتنا ہی فرض سمجھتا ہے جتنا ہم ادائے صلوٰۃ کو لیکن مشرق باستثنائے جاپان ابتک اس قدر پیچھے ہے کہ یہان کے بہت سے علما یہ بھی نہین جانتے کہ طبعیات کا موضوع کیا ہے -

مین نے اجرائے "نگار" کی ابتدا سے اس ضرورت کو محسوس کرکے اس امر کی کوشش کی کہ کم از کم مبادیاتِ علوم جدیدہ ہی اپنی زبان مین منتقل ہو جائین، اور طلبہ مین اسکا ذوق پیدا ہو، چنانچہ مین نے متعدد مضامین ہیئت و طبعیات پر لکھے، اور برابر لکھ رہا ہون، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس کمی کو صرف ایک رسالہ یا کوئی ایک ہستی کسی طرح پورا نہین کر سکتی، اور جبتک اکابرِ قوم، علمائے ملت، رہبرانِ ملک، مدیرانِ رسائل اجتماعی قوت سے اس طرف متوجہ نہ ہون، کوئی نتیجہ نہین نکل سکتا - تاہم انفرادی حیثیت سے جو فرض ایک شخص پر عاید ہوتا ہے، مین اسکو بھی محسوس کرتا ہون اور جہان تک میرے امکان مین ہے، مین اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش بھی کرتا ہون -

جس وقت جنابِ وصل بلگرامی (مدیر مرقع) نے مجھ سے اپنے رسالہ کے لئے مضمون کی فرمائش کی تو مین نے ان سے دریافت کیا

کہ رسالہ کا موضوع کیا ہے، اور چونکہ انکا جواب مجھے کسی مخصوص بحث پر پابند کردینے والا نہ تھا۔ اِس لئے مین نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی جدید علمی مسئلہ پر گفتگو کرون۔ اِس مین ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اگر انہون نے یا انکے رسالہ کے خریدارون نے اسکو پسند نہ کیا تو آیندہ کے لئے مین تقاضے سے نجات پا جاؤنگا، اور اگر پسند کیا تو کوشش کرکے دوسرون سے بھی اِس نوع کے مضامین لکھوائینگے اور اس طرح علاوہ "نگار" کے ایک اور رسالہ اس مقصد کا حامی و طرفدار ہو جائیگا۔

اس قدر تمہید کے بعد مین اصل موضوع پر آتا ہون اور آج کی صحبت مین بتانا چاہتا ہون کہ "حرارت و برودت" کیا چیز ہے اور ان کے خواص کیا ہین؟

یہ ظاہر ہے کہ "حرارت و برودت کا تعلق مادی چیزون سے ہے یعنی مادہ ہی کے ذریعہ سے ہم انکا احساس کرتے ہین۔ اس لئے یہ امر بھی آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ مادہ کے اجزاء (جنھین اصطلاح مین دقائق یا Molecules کہتے ہین) مین تغیر ہونیکا نام "حرارت و برودت" ہے یعنی مادہ کے دقائق مین جب حرکت اہتزازی زیادہ ہوتی ہے تو ہم اسے حرارت کہتے ہین۔ اور جب یہ حرکت کم ہوجاتی ہے تو ہم اُسے برودت سے تعبیر کرتے ہین۔ پھر یہ حرکت جس قدر زیادہ سریع ہوگی اُسی قدر زیادہ گرمی، اور جتنی بطی ہوگی اُتنی ہی زیادہ برودت محسوس کی جائیگی۔

تھرمامیٹر کی ایجاد سے قبل بھی گرمی و سردی کا یہ سبب دریافت ہوچکا تھا، لیکن اسکے مختلف مدارج کا علم نہ ہوسکتا تھا، اور اس لئے ہم اس سے کوئی کام نہ لے سکتے تھے۔ جب تھرمامیٹر ایجاد ہوا تو پتہ چلا کہ حرارت و برودت کے اثرات کس درجہ پر پہونچنے کے بعد کیا ہوتے ہین، اور پھر اسکے ذریعہ سے ہمکو بہت سے کامون مین مدد ملی۔

تھرمامیٹر کئی قسم کے ہوتے ہین، ایک وہ جسمین مقیاس سنٹی گراڈ کے لحاظ سے نقطۂ انجماد کو درجۂ صفر سے تعبیر کیا ہے، اور نقطۂ غلیان کو ۱۰۰ درجہ سے۔ دوسرا فرنہیٹ تھرمامیٹر، جسمین ۱۸۰ درجے قائم کرکے نقطۂ انجماد کو ۳۲ درجے سے تعبیر کیا ہے۔ اور تیسرا ریومر جسمین ۸۰ درجے قرار دیکر نقطۂ انجماد کو اسی درجۂ صفر مین رکھا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ درجۂ صفر یا نقطۂ انجماد پر آنے کے بعد برودت کی انتہا ہوجاتی ہے، یعنی اسکے بعد کوئی اور درجہ حرارت کی کمی کا باقی نہین رہجاتا، لیکن یہ صحیح نہین ہے۔ کیونکہ بعض مواد ایسے ہین جن کی حرارت درجۂ صفر سے بھی بہت کم ہوجاتی ہے۔ مثلاً بعض گیسین ایسی ہین جو دباؤ سے سیال حالت مین تبدیل ہوجاتی ہین، اور تحقیق سے یہ امر ثابت ہوا ہے کہ گیس کا دباؤ یا اسکی مقاومت اپنے ماحول سے صفر سے اوپر ہر درجۂ سنٹی گراڈ پر بقدر $\frac{۱}{۲۷۳}$ زیادہ ہوجاتی ہے، اور صفر سے نیچے ہر درجہ پر اتنی ہی کم ہوجاتی ہے یعنی گیس کا دباؤ ۲۷۳ درجہ سنٹی گراڈ پر دو چند، درجۂ ۵۴۶ پر سہ چند، اور درجۂ ۸۱۹ پر چہار چند ہوجاتا ہے۔ اسی طرح صفر سے نیچے ۱۳۶½ درجہ پر یہ دباؤ نصف رہ جاتا ہے۔ اور ۲۷۳ درجہ پر مطلقاً کوئی دباؤ باقی نہین رہتا۔ اور تمام گیسین قبل اسکے کہ ان کا درجۂ حرارت اس حد تک گرجائے کہ سیال حالت قبول کرلیتی ہین۔ اس دباؤ یا مقاومت کے معدوم ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ اسکے دقائق مین اب مطلقاً حرکت باقی نہین ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہان برودت کی انتہا معلوم ہوسکتی ہے گویا حقیقی درجۂ صفر سنٹی گراڈ کے موجودہ درجۂ صفر سے ۲۷۳ درجے اور زیادہ نیچے واقع ہے۔

اِس حرارت کے درجۂ صفر تک گرجانے کے علم سے صنعتی دنیا کو بہت فائدہ پہونچا، کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ جب اجسام کی حرارت مین کمی زیادہ پیدا ہوتی ہے تو انکے خواص طبیعی مین بھی تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ مثلاً پانی کہ اپنی حالت طبیعی مین سیال ہے لیکن اگر ہم اس کی حرارت کو ۱۰۰ درجہ سنٹی گراڈ تک پہونچادین تو وہ جوش مین آجائیگا اور دھوان بنکر

اُڑنے لگیگا، لیکن جب اسکو درجۂ صفر تک لے آئینگے تو جم جائیگا اسکے معنی یہ ہوے کہ جس قدر پانی مین گرمی پہونچائی جائیگی اسکے دقائق کے اہتزازات بڑھتے جائین گے اور یہ گرمی جتنی کم ہوتی جائیگی، دقائق کا اہتزاز گھٹتا جائیگا، حتی کہ وہ بلور کی طرح منجمد ہو جائیگا۔

اب تم آکسید کبریت گیس کو لو اور دباؤ سے اسمین برودت پیدا کرو تم دیکھوگے کہ وہ سیال ہو گئی ہے، لیکن اگر اس دباؤ کو ہٹاؤگے تو وہ پھر گیسی حالت مین آجائیگی، چنانچہ آکسید کربونی کو اسی اصول پر سیال حالت مین تبدیل کرکے لوہے کی نلکیون مین بند کر دیتے ہین، اور جس وقت اسکا منہ کھول دیتے ہین تو پھر وہ گیسی حالت مین تبدیل ہو کر اڑجاتی ہے۔

حرارت و برودت کے اسی اصول پر جو ترقیان ہوئین اور صنعت کو جتنا فائدہ پہونچا وہ کسی سے مخفی نہین، لیکن صرف اس غرض سے کہ اسکے بعض عجیب غریب مظاہر کا بیان اس مضمون مین بھی آجائے ہم ذیل کے چند تجربات پیش کرتے ہین

چاندی کا ایک ٹکڑا لیکر سیال ہوا مین غوطہ دیکر نکال لیجیے اور پھر تجربۂ کہربائی کے پاس لیجائیے تو معلوم ہوگا کہ اسکی مقاومت کہربائی ضعیف ہو گئی ہے بعض طبیعیین کا بیان ہے کہ ہر معدنی چیز اپنی حرارت درجۂ صفر تک کم کر دینے کے بعد تجربۂ کہربائی کے لئے اپنی قوت مقاومت ضایع کر دیتی ہے۔

اسی طرح اگر مقناطیس کے ٹکڑے کو ہوا کے سیال مین متعدد بار غوطہ دیا جائے تو صرف اسکی قوت کشش ہی نہین بڑھجاتی، بلکہ برابر اس مین اضافہ ہوتا جاتا ہے اور فعل مقناطیسی آکسیجن نائٹروجن سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

سیال گیسون کا تعلق رنگ کی تبدیلیون سے بھی عجیب و غریب ہے، چونکہ مادی اشیاء کا رنگ مترتب ہوتا ہے، اُن امواج نورانی سے جنکو وہ مادی شے اپنے اندر جذب کرتی ہے، اس لئے اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ جب درجۂ حرارت کم ہوگا تو دقائق کا سکون ان امواج کے جذب کرنے پر بھی موثر ہوگا اور اس بنا پر تجربہ سے یہ امر ثابت ہوا کہ درجۂ حرارت کے انحطاط کے وقت زرد چیزین سرخ اور زرد سفید ہو جاتی ہین۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ سیسہ کا گھڑیال یا جرس (باوجودیکہ سیسہ مین کھنکھناہٹ نہین ہوتی) جب پوری طرح سرد کر دیا جائے تو کھنکھنانے لگتا ہے۔

جس طرح برودت کی انتہا درجۂ صفر نہین ہے، اسی طرح حرارت کی انتہا درجۂ غلیان بھی نہین ہے بلکہ حقیقتاً حرارت کی انتہا کا علم قدرتِ انسانی سے باہر ہے، اس وقت تک سب سے زیادہ حرارت مقیاس فہرنہیٹ کے لحاظ سے ۹۴۰۰ درجہ اور سنٹی گراڈ کے حساب سے ۵۲۰۵ درجے دریافت ہوئی ہے، لیکن اس درجہ کی حرارت آنی ہوتی ہے، اور کسی مادۂ منجمدہ کے پھوٹنے کے وقت ایک سکنڈ کے لئے پیدا ہوتی ہے۔

حرارت کے خواص علم الکیمیا، اور کہربا مین جس قدر معاون ہین کسی سے مخفی نہین، یہانتک کہ فرانس کے مشہور ماہر علم الکیمیا نے آکسیجن اور ہیڈروجن کے مزوج مین ۳۶۰۰ درجہ کی حرارت پیدا کرکے الومینا کو جدا کیا اور پھر آکسیڈ کرومیوم سے مدد لیکر ایک ایسا روشن و رنگین مادہ طیار کیا کہ اسکے اور یاقوت کے درمیان مشکل سے تمیز کیجا سکتی ہے

اسی طرح کہربائی حرارت سے دنیا کو جس قدر فائدہ پہونچا اور پہونچ رہا ہے، کسی سے مخفی نہین، عالمِ ایجاد و اختراع صرف اسی کا قائم ہے اور تمدن و تہذیب کی گہما گہمی اسکی ممنون ہے۔

یہان تک تو سادہ بیان ہوا۔ حرارت و برودت کی حقیقت اور اسکے معمولی خواص کے متعلق۔ کہ اس کا سمجھ لینا ضروری تھا۔ اب اسکے بعد ہم زیادہ تر بلند تجربات پیش کرینگے، اور تفصیل کے ساتھ بتائینگے کہ حرارت و برودت کی اس حقیقت شناسی سے انسان کو فائدہ پہونچا اور آیندہ کی توقعات قائم ہین۔ مرقع کی آیندہ اشاعتون کا انتظار کیجیے۔

نیاز فتحپوری

بھوپال - ۱۱ نومبر ۱۹۲۵ء

عطیات

صفی الدولہ حسام الملک عالیجناب نواب محمد علی حسن خان صاحب بالقابہ متخلص بہ طاہر خلف نواب صدیق حسن خان بہادر مرحوم

جب بتونکی بندگی اپنا دین و ایمان ہو گیا
پھر خوشی کیا گر کوئی کافر مسلمان ہو گیا

سنکے اُسکے حسن کا شہرہ ہوا تھا کچھ خیال
رفتہ رفتہ دل میں آکر وہ بھی ارمان ہو گیا

عشق میں جاں برخم و داری بہت دشوار تھا
آپکے جور و تشدد سے وہ آسان ہو گیا

یہ نہ سمجھو اشک چشم دلفگاران قطرہ ہے
دیکھ لینا ایک دن تم یہ بھی طوفان ہو گیا

دین و دل لیکر دیا گو اُس نے عاشق کا خطاب
میں گیا دونوں جہاں سے اُسکا احسان ہو گیا

ابر کی ظلمت ہی میں ہوتی ہے بجلی کی چمک
دود دل مجکو چراغ راہ عرفان ہو گیا

شب کو اُس سے گرم تھا ہنگامہ راز و نیاز
صبح کے ہوتے ہی اک خواب پریشان ہو گیا

اسکی سطوت دیکھکر اور میری جرأت دیکھکر
میں بھی حیران رہ گیا اور وہ بھی حیران ہو گیا

شاعری طاہر مرے نزدیک اس کا نام ہے
واردات دل ہوئے جب جمع دیوان ہو گیا

جناب نواب غلام حسین صاحب رئیس اعظم گنیش پور ضلع بستی متخلص بہ قمر

ہونے لگی سحر جو شب انتظار کی
نکلی تڑپ کے جان کسی بے قرار کی

آمد چمن میں ہے جو عروس بہار کی
دعوت ہے آبلوں کے یہاں نوک خار کی

رہنا تھی دب کے ٹوٹ گئے لینا بھی را دن
آخر ان آبلوں سے چلی کچھ نہ خار کی

ٹپکے جگر کے چھینٹیں لہو کی ہیں جا بجا
رونق انھیں سے کچھ ہے ہمارے مزار کی

انداز تمکنت تھا کہ تھی کچھ ادائے شرم
محشر کے دن کسی نے نہ آنکھ اُسنے چار کی

حاجت ترے کرم کو نہیں کچھ شمار کی
ہم نے خطا ہزار نہیں لاکھ بار کی

کھل کھیلنے کو آنکھ سے پردہ سا اُٹھ گیا
انگڑائیوں نے بات بگاڑی خمار کی

جسنے اُٹھا کے سونگھ لیا ہو گیا جنون
تاثیر دیکھ لی ترے جوڑے کے ہار کی

ہم شام وعدہ انکے یہاں آپ ہی چلیں
زحمت اُٹھائے کون شب انتظار کی

وہ نام کیا جسے کہ زمانہ مٹا سکے
سادہ رہے گی لوح ہمارے مزار کی

امید رکھو شافع محشر سے اے قمر
بیکار فکر ہے تمہیں روز شمار کی

جناب حاجی محمد مصطفا خان صاحب مصطفا الملک کا اصغر علی محمد علی لکھنو

جبتک دولت اُسکے وصل کی پائی نہ تھی
سچ یہ ہے جینے کی لذت کچھ مجھے آئی نہ تھی

میں اُسی سے ہوں ترا دیوانہ اے پردہ نشین
اپنی صورت جب کسی کو تو نے دکھلائی نہ تھی

تیرے دردِ عشق کا دلکو سہارا کب نہ تھا
تیرے غم نے کب طبیعت میری بہلائی نہ تھی

مثل زاہد مجکو صورت میں بھی ہو جاتا مگر
وہ ادا وہ روح پرور حور نے پائی نہ تھی

دیدۂ دل میں جو ہوتی زاہد و کچھ روشنی
یار کی صورت تو ہر آئینہ میں آئینہ تھی

حور پر ہے لوٹ زاہد شوق جنت شیخ کو
بے غرض در پر ترے اپنی جبین سائی نہ تھی

جلوۂ وحدت نظر آتا انھیں کثرت میں کیا
زاہدوں کے دیدۂ باطن میں بینائی نہ تھی

جلوہ گر ہونیکو تھا کوئی بت رنگین ادا
بے سبب تو دہر میں یہ بزم آرائی نہ تھی

سر میں اک رشک چمن کی دید کا سودا تو تھا
ہم نے مانا دیدۂ نرگس میں بینائی نہ تھی

دل میں روشن ہو چکا تھا عشق کا تیرے چراغ
جب مشام جان میں نکہت کی ہوا آئی نہ تھی

ہمت افزا شوق تھا راہ طلب میں مصطفا
مانع رفتار جب تو آبلہ پائی نہ تھی

گیتان جلی کی شرح و تنقید

از ابو العلا مولانا حکیم ناطق صاحب لکھنوی

سر رابندر ناتھ ٹیگور بنگال کے مشہور شاعر اور اپنی دقیق صوفیانہ و فلسفیانہ تخیئل مین بے مثال ہین انکی نظم گیتان جلی پر یورپ سے نوبل پرائز ملا ہے جو کہ بنگالی زبان مین تصنیف کی گئی تھی مگر خود ٹیگور نے انگریزی مین اس کا ترجمہ کیا اور پھر بعض حضرات نے اردو مین اس کی شرح کی مگر بنگال کے بعض جوہر شناس بزرگون نے مولانا سید ابو العلا حکیم ناطق لکھنوی سے اس کی تشریح و تنقید کی خواہش کی حکیم صاحب ممدوح کی علمی و ادبی قابلیت ہندوستان مین تعارف کی محتاج نہین۔ انکی مستند تحریر اور غائر تخیئل میرے بیان سے کہین زاید خود اُن کی تعریف کر سکتی ہے مگر میرے لئے مایۂ فخر و ناز یہ امر ہے کہ مین اس مضمون کو حاصل کرنے مین کامیاب ہوا ہون اور اس رسالہ کی خوش قسمتی سمجھتا ہون کہ حکیم صاحب نے اس تنقید کا سلسلہ آئندہ جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے کیونکہ حکیم صاحب جسقدر شہرت پسندی سے متنفر ہین اسی قدر اپنے کلام نثر و نظم کو طبع و اشاعت سے دور رکھتے ہین۔ مین اُنکا دلی شکریہ ادا کرتا ہون کہ انہون نے اس رسالہ پر خاص عنایت کی ہے۔ اور ناظرین کو توجہ دلاتا ہون کہ مضمون ذیل مین انہین تنقید اصلی معنون مین نظر آئے گی۔

ٹیگور کے حالات تنقید سے پہلے مختصر طور پر حکیم صاحب نے تحریر فرمائے ہین اور انکے وجدانی خیالات اور رنگ کلام پر روشنی بھی ڈالی ہے لیکن ہم انشاء اللہ آئندہ کسی نمبر مین ٹیگور کے مفصل حالات اور ان کی شاعری پر ایک مکمل تبصرہ لکھنے کی کوشش کرین گے۔

مدیر

رابندر ناتھ ٹیگور بنگال کے مشہور و مقبول شاعر، ڈاکٹر، اور رئیس و تعلقدار ہین۔ انکو ایک مجموعۂ نظم گیتان جلی پر یورپ سے پسندیدہ ترین شاعری کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ انعام ملا ہے۔

میرے بعض دوستون نے مجھ سے اصرار کیا کہ مین گیتان جلی کی تشریح و تنقید کر دون۔ بہتر ہوگا کہ وہ واقعات زندگی جو اصلی شاعر کے خیالات پر متصرف ہو کر جذبات کو رقص مین لاتے ہین اور کلام کو ادبی موسیقی اور شعریت مین تبدیل کر دیتے ہین سب سے پہلے روشنی مین لائے جائین۔

سر مہاراجہ ٹیگور اور اُن کے خاندان کا مذہب چند پشتون سے برہمو سماجی ہے جس کی شریعت کا اصل اصول توحید سلوک کا راستہ سلسلۂ تناسخ اور عرفان حقیقت کا نصب العین وحدۃ الوجود ہے۔

سر مہاراجہ ٹیگور کے والد مہارشی دیندر ناتھ ٹیگور خانقاہ برہمو سماج کے سرگروہ تصوف تھے۔ شاید ہی عربی فارسی کی کوئی کتاب ایسی ہو جو وحدۃ الوجود سے تعلق رکھتی ہو اور انہون نے نہ پڑہی ہو۔ مثنوی مولانا رومؒ اور دیوان حافظؒ اُن کا سب سے بڑا وظیفہ تھا اور یہ ذوق انہون نے اپنی ذات تک محدود نہین رکھا تھا وہ ہمیشہ اپنے خاندان کے ہونہار نوجوانون کو مولاناؒ اور حافظ کے اکثر اشعار پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور انکے مطالب کی تشریح کرتے ایسے اشعار اور انکے مضامین مین اس قدر شغف تھا کہ وہ علاوہ اپنے خاندان کے ساری دنیا کو اسی رنگ مین رنگ دینا چاہتے تھے۔

اس خزانہ سے رابندر ناتھ ٹیگور کا دل و دماغ معمور ہو گیا اور اس میخانۂ ذوق سے بالکل سرشار ہو گئے۔ اپنے والد کے انتقال کے پہلے یہ کیف اُن کے رگ و ریشہ مین سرایت کر چکا تہا۔ مگر ایک جام پر دوسرا جام یہ ہوا کہ بیوی کے انتقال نے عشق مجازی کے درجات طے

کردیے۔ پھر کیا تھا دلی جذبات کے شعلوں نے دماغ میں تخئیل کو گداختہ کرکے
چکر دیا۔ آدب نے سانچے میں ڈھالا۔ تصوف نے خراطی پر چڑھایا۔ اور موسیقیت
نے رنگین کرکے نیرنگ عالم کے سٹیج پر پیش کردیا۔ "گیتان جلی" میں پہلا
مصرع یوں کہا۔ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پھر اس مضمون کو نظم کیا۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

اس کے بعد اس ساز کا ہم آواز ہوتا ہے ع

بشنو از نے چون حکایت می کند

واقعہ یہ ہے کہ اس عالم میں جس طرح ہر کرۂ مدور ہے اسی طرح واقعات
کا بھی ہر سلسلہ دائرہ کی شکل میں ہے ہر دائرے کے دو حصے ہوتے ہیں۔
ہر قوس دوسرے قوس کے مد مقابل بلکہ مخالف و متضاد ہوتی ہے۔ جب
بہار اپنے دائرہ کا نصف حصہ ختم کرلیتی ہے تو خزان شروع ہو جاتی ہے
ایک قوس اگر زوال ہے تو دوسری کمال اسی طرح ظاہر کا آخری نقطہ وہ
ہے جو باطن کا پہلا نقطہ ہے غرضکہ ہر دو متضاد چیزیں باہم ایک دوسرے
کا لازمی نتیجہ اور سبب ہیں ۔

یورپ مادہ پرستی کا حصۂ نوری ختم کر چکا ہے۔ مادے کی حریف
یا ضد و مقابل یا مادے کے ظاہر کا باطن روح ہے۔ اور یورپ نے مادہ
پرستی کا سلسلہ حد کو پہونچا دیا ہے اور اپنی قوس کے آخری نقطہ پر پہونچ گیا
ہے جو خط روحانیت کا پہلا نقطہ ہے۔ تدریجاً ہر کمال زوال کا اور
ہر زوال کمال کا تشنہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت یورپ کی بھی یہی حالت ۔
ہو کہ مادہ پرستی کی تکمیل نے روحانیت کا طالب صادق بنا دیا ہے۔ عین
اس وقت ٹیگور کی حقیقی اصلی شاعری اور صوفیانہ نظم کا ایک قطرہ
مادہ پرستی کی صدف میں گرا یقیناً یورپ کی استعداد کسب اس قطرے
کو موتی بنا سکتی ہے اس جوہر کے جوہری کو یورپ نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیا۔
یہ تو اس قدر زائد نہیں ہے کہ مزید تشکر یہ کے قابل ہو مگر اصل مسرت
یہ ہو کہ دقیق نظریات اور روحانی معلومات میں ہمیشہ یورپ ایشیا
کا دست نگر اور ممنون رہا ہے۔

تصوف مذہب کا جوہر یا وہ نتیجہ ہے جو عرب میں شریعت اسلام
اور مصر میں آرین قوم کی مذہبی تکمیل کے ساتھ فوراً اور قدرتاً پیدا ہو گیا
تھا جس کی تشریح عربی میں شیخ ابن عربیؒ نے "فتوحات" اور
فصوص میں یا سنسکرت میں ویدا اور کرشن گیتا میں کی ہے
اور فارسی میں مولانا ئے رومؒ فریدالدین عطارؒ اور خواجہ حافظؒ
نے عرب اور مصر کے ان دونوں چشموں نے بڑے بڑے دریا پیدا کئے
اور تمام ایشیا کو سیراب کر دیا۔ اس سبیل سے ایک کوزہ ٹیگور کو اپنے
والد سے وراثتہً ذوق عشق کی ظرفیت کیوجہ سے حاصل ہوا۔ کیا اسکا
ایک قطرہ شاعروں کی چشم تر کی طرح یا خانۂ نوح کے تنور کے مثل طوفان خیز
اور سیلاب انگیز نہیں ہو سکتا؟ بہت ممکن ہے اگر تسلیم کرلیا جائے کہ
دنیا کا نصف کرہ روشنی میں اور نصف کرہ تاریکی میں ہے تو تاریخی نگاہ
جہانتک کام کرسکتی ہے ایشیا کے مقابل یورپ روحانیات تصوف
اور باطنیات مذہب کی طرف سے تاریک نظر آتا ہے۔

ٹیگور سے پہلے اہل ہنود کے صوفیوں اور خواجہ حافظؒ کا
کلام یورپ میں پہونچا۔ اور عمر خیامؒ کی تو علمی پرستش ہونے لگی مگر
صرف قدردانی اور جوہر شناسی تک محدود رہا یورپ میں فوراً ترقی
خلاق روحانیت و باطنیت کی طرف سے پیدا نہ ہو سکا کیونکہ تصوف
جذب مذہب کا واحد ذریعہ ہے اور اس سے یورپ کو صرف کم تعلق
ہے خصوصاً انہماک مفقود اور ترقی محدود ہے۔

ان وجوہ سے بہت ممکن ہے کہ عمر خیامؒ اور دیگر اہل تصوف
کی طرح ٹیگور کا گیتان جلی بھی صرف دماغی لذت محسوسات میں تحلیل
ہو کر رہ جائے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ کا انقلاب سمندروں کو

خشک کر کے بر اعظم بنا دیتا ہے سطح اور ہموار زمینوں سے پہاڑ پیدا ہوتے ہیں۔ سرد ممالک گرم اور گرم سرد ہو جاتے ہیں کیا تصوف کا روحانی بندیہ اور اثر کسی ملک کے مذاق میں انقلاب نہیں پیدا کر سکتا؟

اگر وہ وقت آگیا ہو یا جب کبھی آئے تو یورپ کو ایشیا کی طرف سے جتنے اس قسم کے پیغام اور ہدیہ پہونچے ہیں اُن کو اور اس زمانہ کے کلام ٹگور کو ہمیشہ یاد رکھنا ہوگا۔

ٹگور کا تمام کلام بنگالی زبان میں ہے مگر اصطلاحی علمی اور اہم الفاظ سنسکرت کے اس طرح شامل ہیں جس طرح انگریزی میں لاطینی اور اردو فارسی میں عربی علاوہ بنگالی کے تمام صوبہ وار زبانوں میں سنسکرت کے الفاظ غریب غالب ہیں۔ (اردو مستثنی ہے) گیتان جلی کا ترجمہ بنگالی سے انگریزی زبان میں خود ٹگور نے کیا ترجمے میں معانی مطالب سب کچھ آجاتے ہیں۔ اصل تصنیف کا اثر کیف اور روحانیت کا قتل ہونا غیر ممکن ہے اس لئے سوائے اصلی گیتان جلی کے کسی ترجمہ پر تنقید و تشریح کے لیے اطمینان نہیں ہو سکتا میں نے ترجموں اور اصلی کتاب کا مقابلہ کرنے کے بعد تنقید و تشریح پر قلم اٹھایا ہے پھر بھی مجھے امید اپنے آپ سے یہ نہیں ہو سکتی کہ مصنف کا جائز مقصود جو اکثر مقامات پر نہایت ہی بعید استعارات میں بیان کیا گیا ہے جملہ کیفیات و لطایف اور نکات کے ساتھ ذہن نشین کرنے میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ مگر احباب کی فرمایش اور اصرار مجبور کرتا ہے کہ جو کچھ ہو سکے معذرت اور معانی کے ساتھ پیش کر دوں۔

گیتان جلی کے خصوصیات یہ ہیں:-

تخیئل بلند، اہم اور غائر، مجاز و حقیقت دونوں سموئے ہوئے عشق کے موثر جذبات اور وہ سب کے سب یہ ہیں کہ عشق حقیقی میں یوں ہوتا ہوگا۔ اور مجازی میں ایسا ہو سکتا ہے، عاشق کی نقل اور شاعر پر قیاس کر کے کچھ نہیں لکھا گیا ہے بلکہ جو کچھ ہے ذاتی وجدان سے اور ہر شعر اپنے اصلی ماخذ کا آفریدہ ہے۔

کیفیات وجدانی تک کی محاکات بعض اشعار میں موجود ہیں۔ مضامین کا پیکرِ لباس یعنی روح کا قالب بظاہر سادہ الفاظ زیادہ بلیغ اور غیر مشہور و نامانوس ہیں مگر اکثر استعارات اس قدر بعید ہیں کہ عام مذاق کے لوگ اس کی تہ کو نہیں پہونچ سکتے بعض اشعار سہل ممتنع ہیں بعض میں معشوق حقیقی کی طرف سے سیدھے سادے الفاظ میں بغیر تشبیہ و استعارہ خطاب کیا گیا ہے صنعت ایہام و ابہام بہت ہے جس کی وجہ سے کہیں کہیں اجمال و اہمال پیدا ہو گیا ہے زیادہ پُر لطف اور عجیب رنگ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ نظم کے بیشتر حصہ کا ساز نالہ و فریاد ہے اور اس کے مضطربانہ انداز نے نغمہ کے زمزموں کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ لہذا خیالات کے سچے سُر و لَن اور ترکیب الفاظ کی لے سے اکثر اشعار میں قدرتی موسیقیت پیدا ہو گئی ہے جا بجا صوت سرمدی، عالم کن، سماع راست، انہد، اور نغمہ ہائے سلطان الاذکار گونج رہے ہیں ان سب نے مل کر اور گویا ہم آواز ہو کر زبانِ حال سے ساز ہستی کے اس راز حقیقت کا ترانہ چھیڑ دیا ہے کہ عالم موسیقیت کا باطنی طرب خانہ ہے۔ ہر چیز فطرتاً متحرک ہے اور قدرتی حرکت باقاعدہ نئے میں ہے۔ ہر آواز ایک سُر ہے ہوا میں ذرات ارضی اور اجزاء نباتی کے اتصال سے جو رگڑ پیدا ہوتی ہے اس کی صدا ایک لطیف اور دلکش نغمہ ہے۔ دریا کی رو۔ تمام قطروں کا باہم ٹکرانا۔ اور مینہ کی جھما جھم، ساگر کا ایک راگ ہے۔ ہر نبض ایک ضرب ہے، ہر نگاہ ایک ساکت سُر ہے اور کنکھیوں سے دیکھنا نازِ نگہ کی ایک مینڈ اور گلے کی ایک مرکی ہے پہاڑ بظاہر خاموش اپنا سر بلند کیے اپنا سینہ تانے ہوئے ڈٹے ہیں مگر باطن میں روئے زمین کی الاپ ہے۔ غالباً گیتان جلی کے مصنف کی نظر سے سازِ دُنیا کا پردہ راز اُٹھ چکا ہے کہ ہر ذرہ،

ہر قطرہ ہر نقطہ کسی خوش گلو کے زمزمے کا دانہ ہے۔ اور جس عقدۂ
راز کو غالبؔ نے بھی یکھہ کر کھولا ہے ؎

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

غرضکہ ٹیگور کا کلام ان تین سُرخیوں کی تحت میں ہے۔

"تصوف، عشق، اور موسیقیت"

گیتان جلی کا پہلا گیت

تونے مجھے غیر تمنا ہی بنا دیا یہی تیری خوشی ہے! اس مکرر ظرف
(ہستی جسمانی) کو تو بار بار خالی کرتا ہے، اور ہمیشہ ایک تازہ زندگی
سے مملو کر دیتا ہے"

ٹیگور کے اس شعر میں دو باتیں شرح طلب ہیں۔
(۱) انسان یا انسان کا کوئی طبقہ ابدی ہے؟
(۲) ظرف جسمانیت بار بار خالی ہوتا اور معمور ہوتا ہے؟

مسلک اول کی تین صورتیں ہیں اور بہت قدیم ہیں۔
(۱) انسان کو تناسخ ہے۔ اس مسلک کا پہلا محقق افلاطون ہے
دوسرا وید ہے وید میں اتنا اضافہ اور ہے کہ انسان تناسخ کے
مصائب برداشت کرکے جب خطا و سزا سے پاک وصاف ہو جاتا ہے
تو واصل حق ہو کر بے تغیر اور لافانی ہو جاتا ہے۔
(۲) دوسری صورت اہل اسلام کے طبقہ متکلمین نے زیادہ شرح وبسط
سے بیان کی ہے ان لوگوں کا ماخذ یہ دو آیتیں ہیں ان کے ہم معنی چند
آیات ہیں۔
ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا
تشعرون ط
(۲) طبتم فادخلوھا خالدین ط
(۳) تیسری صورت سلوک تصوف سے متعلق ہے ان لوگوں کا منبع بھی کلام ربانی ہے۔

مگر اسکے امام شیخ ابن عربیؒ ہیں اُن کا شعر ہے ؎

فلا تفنی ولا تبقی   ولا تفنی ولا تبقی

یعنی تجلیات ذاتی یا عینیت کے لحاظ سے انسان کبھی فنا نہوگا اور مظہر
صفات یا خلقیت کے اعتبار سے انسان کو کبھی بقا نہیں ہو سکتی اس
سلوک کے مشہور سالک مولانا شمس تبریزؒ مولانا روم خواجہ حافظ
اور اکثر اہل چشت ہیں۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

گفت قدوسیؒ فقیرے در فنا و در بقا   خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

ایک مسئلہ انہیں صوفیان کرام کا یہ بھی ہے کہ سالک بار بار مرتا اور زندہ
ہوتا ہے یہ اُس آیۂ کریمہ کا پرتو ہوتا ہے جس میں کل یوم ھو فی شان
ارشاد ہوا ہے۔ اس سے یہ مسلک استنباط ہوا ہے کہ سالک قبض وبسط کی
وجہ سے ہمیشہ ایک نئے عالم میں رہتا ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را   ہر زمان از غیب جان دیگر است

اردو شعرا کے کلام میں بھی یہ مضامین بہ تغیر عبارت سے ہیں۔
بقائے انسانی ؎

پاؤں اگر شہادت تو عمر جاوداں ہو   میں بھی وہ سخت جاں ہوں مرنا ہی جینا ہو

تنا و بقا علی التواتر ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے   کبھی اس گھر میں جا نکلے کبھی اس گھر میں آ ٹھہرے

یہی انسانی ابدیت اور تلون بقا و فنا ٹیگور کے اس شعر میں ہے مگر اب
دیکھنا یہ ہے ٹیگور نے کس حیثیت سے اپنے دونوں یقین بیان کی ہیں
کیونکہ اس نتیجے کے دو سبب ہو سکتے ہیں اول تناسخ دوسرے سلوک
کل یوم ھو فی شان
ٹیگور صوفی بھی ہے اور فلسفی بھی عقیدۂ تناسخ کا بھی قائل ہے
اور قبض وبسط سلوک کا بھی سالک ہے شعر میں اجمال ہے صرف اسقدر
واضح ہوتا ہے کہ تلون بقا و فنا کا گلہ مند بھی ہے اور شاکر بھی حقیقت

اور فلسفہ کا یہ مسئلہ بھی اس شعر سے پیدا ہوتا ہے کہ ظرف یعنی جسمانیت فانی ہے اور روحانیت باقی۔

بہرحال ٹگور کا یہ شعر کسی حیثیت نہ جدید ہے۔ نہ سہل ممتنع مگر خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ذاتی وجدان ہو۔ اس زمانے کے اردو شاعروں کی طرح تخیلِ محض اور نقل و قیاس نہین ہو ٹگور کی شاعری کا مقصد یہ نہین ہی کہ لوگ سنکر تعریف و تحسین کے نعرے بلند کرین اور یہ کہین کہ کس قدر نازک خیال و عالی تخیل شاعر ہے ٹگور اس سے مستغنی ہوکر اپنے ذاتی وجدان کو نیم مجذوبانہ حالت مین بیان کرتا ہے ظاہر ہے کہ عالمِ باطن کی زبان عالمِ ظاہر مین مروج نہین ہی ؎

کیونکر اُسے تکلیف روحانی تجھے ظاہر کرون　　عالمِ باطن کی لوگون کی زبان کوئی نہین

دوسرا شعر

یہ نے کی چھوٹی سی بانسری تو وادیون مین اور پہاڑون پر لیے پھرتا ہے اور اس مین دائم الاثر طرح طرح کے نغمے پھونک رہا ہے۔

تصوف کا ایک مہتم بالشان مسئلہ یہ ہی کہ تمام عالم ایک عالمِ صوت ہے اور انسان بسکہ عالمِ صغیر ہے خود انسان مین جو عالمِ صوت ہے اُس کو سماعِ رحمت کہتے ہین۔

در سماع راست ہر تن چیز نیست

مولانا رومؒ کا مشہور مصرع ہی اور اس کی بابت اہلِ ذکر کا اتفاق ہو کہ مراقبہ کی مشق سے یہ نغمہ سالک کو ہر وقت سنائی دیتا ہو اور یہ وہی آواز کُن ہی جو ہر ذرے مین سرایت کرچکی ہو اور ہر جگہ ہر وقت گونجتی رہتی ہی۔ غالب نے بھی اس مضمون کو نظم کیا ہے ؎

محرم نہین ہی تو ہی نواہاے راز کا　　یان ورنہ جو حجاب ہی پردہ ہو ساز کا

مولانا رومؒ نے ہر انسان کی شہرگ کو بانسری سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہا ہو کہ نے جب تک نیستان سے جدا نہو آواز نا ممکن ہی تو اس کی صدا گویا نالۂ مظہرِ فراق ہی ؎

بشنو از نے چون حکایت می کند　　وز جدائی ہا شکایت می کند

زمانۂ حال کے اردو شعرا نے بھی اس مسئلہ کو عاشقانہ رنگ مین نظم کیا ہو۔ گو اردو زبان کو ایسے مضامین کا تحمل دشوار ہی تاہم غنیمت ہے ؎

بزمِ طرب بھی گرم ہی پھر تیز ہے ہوا　　اک نغمۂ بسیط سے لبریز ہے ہوا

ٹگور بھی ہر موجِ ہوا کو بانسری بناکر اُس سے اپنے وجدان کی موسیقیت کے نغمے سن رہا ہے

تیسرا شعر

تیرے ہاتھون کے لازوال (اور بقا دینے والے) مَس سے میرا ننھا سا ناچیز دل مسرت مین اپنی محدودیت کھو دیتا ہی اور انتہا درجہ کے خوشگوار نغمے پیدا کرتا ہی

یدِ حقیقت خود بھی لافانی ہی اور جسکو چھولے وہ بھی غیر فانی ہو جاتا ہی اور عاشق کے سوا کون مستحق ہی کہ اُس سے یہ تعلق رکھے تو شاعر کہتا ہی کہ اس ربط سے وہ ناچیز دل جس کی حدین اور قوتین محدود ہین۔ اس کے ہاتھ سے اپنی عنانِ حد بندی چھوٹ جاتی ہی اور وہ دل اپنے آپکو ایک نامحدود شے سمجھتا ہی کیونکہ اس مسرت مین کہ تجھ سے تعلق و ربط رکھتا ہی اپنی محدود ہستی کو بھول جاتا ہی۔ اور اپنے مستانہ جذبات سے وجدانِ مسلسل کے خوشگوار نغمے پیدا کرتا ہے۔ نہایت پُرکیف شعر ہے۔

چوتھا شعر

تیرے ازلی (و ابدی نامحدود) عطایا میرے کوتاہ (محدود) ہاتھون مین آتے ہین اور زمانے گزرتے جاتے ہین مگر تو اُن نعمتونکا مینہ برساتا جا رہا ہی اور پھر بھی معموری کی گنجایش باقی ہی۔ تجلیاتِ الٰہی غیر فانی اور غیر محدود ہین، انسان جسپر اُن تجلیات کا پرتو پڑتا ہے وہ ایک محدود شے ہی مگر انسان کی وسعتِ قلبی اور اسکی تکمیلِ تخلیق کو بیان کرتا ہی کہ انسان ضعیف البنیان کے چھوٹے سے ظرف کی کیا حقیقت ہی مگر جب تجلیاتِ الٰہی سے اُس کا تعلق ہوجاتا ہی تو وہ بھی لافانی و لامحدود ہوجاتا ہی۔ جامیؒ نے کیا خوب کہا ہی کہ

"اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی" اس تمام رباعی کا مقصد یہ ہو کہ جزو کا تصور کروگے تو جزو رہوگے کُل کا تصور رکھوگے تو کُل ہو جاؤگے۔

(ہوالباقی)

شرابِ مثلث

افصح الفصحا استاذی حضرت حمد بلگرامی لکھنوی مدظلہٗ

ربط بڑھا جو عشق و حسنِ کرشمہ ساز میں ہو گیا خونِ آرزو دونوں کی ساز باز میں

چہرے سے انکے اُڑ رہے جذبۂ نغمہ گداز میں کانوں کے پردے لگ گئے جالے تمام ساز میں

نیند میں بھی عجب ہے آب تیغِ نگاہِ ناز میں موتی بکھر رہے ہیں کوٹ کوٹ کر نرگسِ نیم باز میں

ہمکو نیاز پر ہے ناز وہ ہیں غرورِ ناز میں دیکھیے چل نہ جائے چوٹ ناز میں اور نیاز میں

شان ہے اسکی دل کیا قدرتِ بے نیاز میں شاہ رہے نیاز میں ناز رہے ایاز میں

کی جو نمازِ عشق ادا اُن کے حریمِ ناز میں سجدوں کو ناز ہو گیا ناصیۂ نیاز میں

جل کے پگھل دلِ حزیں محفلِ یار گرم ہے شمع سے ہو مقابلہ سوز میں اور گداز میں

بڑھ کے ذرا اُلجھ گیا خارِ فرس سے یا نصیب سیکڑوں گتھیاں پڑ گئیں تارِ نگاہِ ناز میں

ہے نہ تو نالے میں جلن اور نہ ترانہ آہ میں دل کی بھی ہے عجیب لے سوز میں ہے نہ ساز میں

منہ سے زبان پر چڑھ کے بات میں وہ بھی بات ہے دل سے جو پہنچے تا بلب راز ہو وہ بھی راز میں

حشر بپا ہوا وہیں سوتے سے جب وہ جاگ اٹھے فتنے جہاں کے سو گئے جب گئے خوابِ ناز میں

موت ہی آئی تو سہی کاش ہوتی تو ہجر سے نجات عمر بھی ہائے بڑھ گئی پڑ کے شبِ دراز میں

عشق بتی میں برقِ آہ کوند گئی ہزاروں کوس چمکی تو ملکِ ہند میں جا کے گری حجاز میں

نزع سے ہم ادھر چھٹے فرصت اُنہیں اُدھر ملی ہم گئے خوابِ مرگ میں وہ گئے خوابِ ناز میں

پردے ہی پردے پھرتی ہیں شوخیوں کو لیے ہوئے کھیل رہی ہے کیا نظر چشمِ نظارہ باز میں

سن کے وہ داستانِ غم سنتے ہی میں وہ جاگ گئے کروٹیں لے رہی ہے نیند دیدۂ نیم باز میں

خون ہے دل کے کی ہے سرخ شرم سے کہ نظر جھکا لیا مہندی لگا کے بیٹھے ہیں پاے نگاہِ ناز میں

بات جو کہنے کی نہ تھی کہتے تو جاتی رہتی بات راز کی بات رہ گئی بات رہی جو راز میں

اشک میں جاری آنکھ سے لاش پہ کس ادا کے تھے موتی پروئے ہیں وہ تارِ نگاہِ ناز میں

عمر دو دن کے تیر چل گئے تیغ ادا کی کھنچ گئی دیکھیے شوخیوں کے کام چشمِ کرشمہ ساز میں

حمد کبھی نہ مانیں ہم کتنی ہے شوخیِ صریر ہے یہ تمہاری ہی زبان کلکِ سخن طراز میں

لسان الملک حضرت ریاض خیرآبادی مدظلہٗ

یہ کہاں سے ہم گئے ہیں کہاں کہیں کیا تری تگ و تاز میں کہ یہ آسمان و زمیں جہاں نشیب میں فراز میں

تو دو روز خانہ بدوش تو ہزار پردوں میں جلوہ گر ارے او حقیقتِ پردہ در تری شوخیاں ہیں مجاز میں

وہی سکۂ ترا سجدہ عرش تک وہی جا حرم سے حرمِ قدس تک ملے ایسے نقشِ قدم ترے ہمیں خاکِ راہِ حجاز میں

کہیں تیغ ہے کہیں تم ہو یہی اپنا مطربِ خوشنوا مرے نالے میں ترے نغمے میں مرے سوز میں ترے ساز میں

ترے سجدے میں وہ مزا ملا کہ تڑپ کے سینے سے آ رہا کوئی داغ بن کے یہ دل مرا مری جبینِ نیاز میں

یہ اڑائیں گے کبھی رنگ بھی یہ لگائیں گے کبھی رنگ بھی یہی لائیں گے کبھی رنگ بھی جو لگے ہیں رنگِ مجاز میں

گھڑی جس کی حشر کا ایک دن شبِ گور جس کا ہر ایک پل وہ مزے ہیں حسرتِ مرگ میں جو خضر کی عمرِ دراز میں

اسے لاگ عشق کی کہتے ہیں لے آگ عشق کی کھنچ گئی یہ جنونِ حد جنوں میں شیخ لگی یہ آگ ہے راز میں

جنہیں لوگ کہتے ہیں رند وہ خدا پرست ریاض تھے یہ سنا ہے کل کہ جناب ہی پسِ خم تھے محوِ نماز میں

جنابِ منشی واحد علی صاحب ابر قدوائی برادرِ حضرت شوق قدوائی مرحوم

مرے نالے سن کے وہ رو اٹھا جو نہاں تھا پردۂ راز میں نئی روح قدسیوں کو ملی دلِ شکستہ کے ساز میں

اُسے کیا خبر کہ غرورِ سر ہے محو اپنے ہی ناز میں کہ جبیں ہی ہوئے گل و ہوا عرقِ جبینِ نیاز میں

یہ شگوفہ کاریِ حسن تھی یہ طلسم بندیِ عشق تھی کہ پھنسا دیا دلِ غزنوی خمِ پیچ زلفِ ایاز میں

تپِ عشق کا یہ اثر بڑھا کہ ہوئے فغاں سے لب آشنا ملی لذتِ غمِ دردِ دل کبھی سوز میں کبھی ساز میں

نہ تو دل کو اپنی خبر رہی نہ مجھی کو تابِ نظر رہی جو نقابِ حسن نہاں اٹھی کبھی جلوہ گاہِ مجاز میں

یہ صلائے عام کا رنگ تھا کہ ترے جمال کا آئینہ نئی صورتوں نے نظر پڑا مجھے جلوہ گاہِ مجاز میں

یہ نشان تھی محبت چل گئی یہ چھری تھی مجھ پہ چلی یہ ادا نہ تھی جو نگہ پڑی یہ قضا تھی پردۂ ناز میں

یہ ہے حسن و عشق کا مرحلہ یہ ہے دو دلوں کا معاملہ بڑے مرنے کا ہے مسئلہ جو ٹھہر گیا ہے ناز و نیاز میں

یہ کراہ مسلمِ خستہ جاں یہ ہے دردِ قوم کا دردِ دل میں نوائے ہند سنا رہا ہوں مگر سرودِ حجاز میں

کبھی جو صدائے مجاز تھی جو نوائے پردۂ راز تھی وہی سیکڑے تارِ نفس میں ہے وہی نغمہ ہے مرے ساز میں

تپِ غم میں سوزِ فراق سے یونہیں جلتے عمر گزر گئی دلِ ابر شمعِ سحر سے ہے کہیں بڑھ کے سوز و گداز میں

سولن کی چڑیان

ہمارے مکرم میاں بشیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا اڈیٹر ہمایون لاہور کے تعارف کی ضرورت نہین انکی انشاپردازی کی خوبیون سے دنیائے ادب پورے طور پر واقف ہے۔

"سولن کی چڑیان" کے عنوان سے ایک مضمون آپ نے شملہ کے قیام کے زمانہ مین لکھ کر میری استدعا پر مرقع کے لئے شملہ ہی سے روانہ فرمایا اس مضمون کے درج کرنے سے پہلے ہم ناظرین کی مزید دلچسپی کے لئے اتنا بتا دینا ضروری سمجھتے ہین کہ سولن جہان کی چڑیون کا ذکر اسمین ہے یہ کالکا اور شملہ کے درمیان ایک نہایت فرحت بخش اور صحت افزا پہاڑی مقام ہے جو تقریباً ۴ ہزار فٹ سطح سمندر سے بلند ہے۔

چونکہ شملہ کی طرح اس کی آبادی گنجان نہین ہے اسلئے اکثر اصحاب گرمیون مین اس جگہ کی اقامت کو شملہ پر ترجیح دیتے ہین۔ دوسرے کوہستانی علاقون کی طرح یہان بھی تمام قدرتی مناظر اور دلفریبیان موجود ہین ہر چہار طرف سر بفلک پہاڑونکا سلسلہ چلا گیا ہے ہزار ہا شیرین چشمے انکے دامنون مین اپنی روانی کی آب و تاب دکھا رہے ہین۔

خوشنما اور مختلف رنگ کے پرند ایک درخت سے دوسرے درخت پر جا کر عجیب لطف دکھا رہے ہین۔

غرض قدرت نے ہر طرح کی دلکشی اور تمام دلچسپیان سولن مین جمع کردی ہین جن کا لطف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مضمون مین وہین کی چڑیون کا ذکر اس طرح پر کیا گیا ہے گویا کسوقت مین لکھنے والے پر اس منظر اور انکی کیفیات کا خاص اثر پڑا ہے اور وہ اسی حالت مین انکو تحریر مین لے آتا ہے ہم اس مضمون کو شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہین

مدیر

سولن کی سرسبز و شاداب وادیون کی خوش آواز چڑیو! خدا تمھارے چہچہون کی شیرینی اور دل آویزی کو دائم و قائم رکھے۔ یہ تھم تھم کر چلنے والی ہوائین تمھارے نرم و نازک پرون سے پیار کرین اور ٹیلے ٹیلے کی طراوت سے تمھین شاداب کرتی رہین!

تم گھنے اداس جنگلون کی رہنے والی نہین تمھارے کاشانے کھلے ہوا درختون کے ہمیشہ ہلنے والے ٹہنون کی گود مین ہین اور تم روشن دنون مین زمین و آسمان کی کشادہ پیشانی سے بہار کے پھول چنتی رہتی ہو!

ان چشمون کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے اپنی شیرین ہستی کو تر و تازہ رکھو اور وہ گیت گاتی رہو جن سے پژمردہ انسانون کی گنجان بستیان اپنے رہنے والون مین برق تبسم کی ایک ہلکی ہلکی رَو کا احساس کرنے لگین۔

ان فطرت و عادت کے بندون کو قدرت و محبت کی شگفتہ اداؤن سے بہرہ اندوز کرو اور ان مین وہ روح پھونک دو جن سے اُن کے حساس جسم اب مدت سے محروم ہو چکے ہین۔ اُنھین مادرِ قدرت کی آغوش سے جدا ہوئے صدیان گزر چکی ہین۔ یہ تم سی آنکھین نہین رکھتے۔ ان کی چشم دور اندیش پھولون پتون مین وہ کچھ نہین دیکھتی جو رات دن کے لمحے لمحے مین تمھین صاف نظر آتا ہے۔

تم ان سے بالا بالا رہتی ہو اور بالا ہی بالا زندگی کی گھڑیان گزارتی ہو!

بشیر احمد از شملہ

نیروؑ کی شخصیّت کا ایک پہلو

از جناب مرزا جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی، بی، اے - ڈپٹی کلکٹر



وینس - کیا نیرو کے گیت درصل نفرت کے قابل ہوتے ہین - مجھے ان معاملات مین دخل کم ہے، اِس سے دریافت کرتا ہون -

پٹروینس - اورون سے زیادہ مبتذل تو نہین ہوتے - اگرچہ لوگن کے پاسنگ بھی نہین، لیکن اس اژدھاتی رنگ کی داڑھی والے مین ایک آن ضرور ہے - سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شاعری و موسیقی کا دلدادہ ہے - الفرودیتی (حُسن کی دیوی) کی تعریف مین ایک بھجن کہا ہے عنقریب مین اور تم سُننے کے واسطے بُلائے جائینگے - آج یا کل اس نظم کا تکملہ ہو جائیگا - میرے اس قول مین کہ نیرو کے گیت تُکبر مثل ہوتی ہے - مبالغہ اور مذاق کا عنصر غالب تھا - اُسکے کلام مین شیرینی بھی ہوتی ہے -

عجیب معجون مرکب ہے نیرو! کیلیگولا تو دیوانہ تھا ہی، لیکن اُس نے بھی ایسی حرکتین نہین کین - - -

* * * *

نیرو ستار پر اپنے ترتیب دیے ہوئے گیت گایا - آواز کو دے رہی تھی اور اُس نے محسوس کیا کہ سامعین پر فی الحقیقت اُسکی موسیقی کا جادو چل گیا - اِس خیال نے اُسکی آواز کو اور بھی چمکا دیا اور اُسکی روح کو اس طرح سرشار کیا کہ وہ سمجھا یہ نغمے غیب سے اُترتے ہین - حقیقی جذبات سے مغلوب ہو کر اُسکا چہرہ زرد ہو گیا - یہ پہلا موقع تھا کہ وہ سُننے والون کے نعرہائے تحسین کا منتظر و متمنی نہین تھا - کچھ دیر ستار پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا - یکایک اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا -

”مین تھک گیا اور تازہ ہوا کی ضرورت ہے - باہر جاتا ہون، تم لوگ ستار ملاؤ“

نیرو نے گلے مین ایک ریشمی رومال لپٹیا اور پٹروینس و وینی سیس سے جو کمرے کے ایک کونے مین بیٹھے تھے مخاطب ہو کر کہا -

”تم میرے ساتھ آؤ - وینی سیس اپنے بازو کا سہارا دو میری طاقت جواب دے رہی ہے - پٹروینس تم موسیقی کے متعلق گفتگو کرو“

یہ تینون شخص برآمدہ مین چلے گئے جہان سنگ مرمر کا فرش تھا اور اُس پر زعفران بچھی ہوئی تھی -

نیرو - یہان انسان آزادی سے سانس لے سکتا ہے - میری روح تاثیرات سے لبریز، مگر افسردہ ہے - حالانکہ مجھے یقین ہے کہ جس طرح اس وقت امتحاناً گایا مجمع عام مین بھی گا سکتا ہون اور میری کامیابی ایسی ہوگی جو آج تک کسی رومن کو نصیب نہین ہوئی -

پٹروینس - خداوند! آپ روم مین بلا تامل گا سکتے ہین - مین سچے دل سے آپکی نغمہ نوازیون کا مداح ہون -

نیرو - مین جانتا ہون! کیونکہ تو اِس قدر کاہل ہے کہ خوشامد پر مائل نہین ہوتا - تو سیپیو کی طرح راست گفتار ہے، مگر تیری معلومات اُس سے زیادہ ہے - بتا! موسیقی کی نسبت تیری کیا رائے ہے -

پٹروینس - جب مین کوئی نظم پڑھتا ہون یا سرکس مین آپکا ایجاد کردہ رقص دیکھتا ہون - جب کسی خوبصورت مجسمہ یا مندر یا تصویر کا معائنہ کرتا کرتا ہون تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی تمام خوبیون پر کامل عبور ہو گیا - مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان چیزون سے جس قدر انبساط حاصل ہو سکتا تھا حاصل ہو گیا - لیکن جس وقت گانا سنتا ہون خصوصاً آپکا گانا تو ہر لحظہ نئی خوشیان

عہ نیرو سنہ ۵۴ء سے سنہ ۶۸ء تک شہنشاہ روما الکبریٰ تھا - اثر

اور نئی خوبیاں پیش نظر ہوتی ہین - اُنکا تعاقب کرتا ہون، اُنکو اسیر کرنا چاہتا ہون لیکن قبل اسکے کہ اُن تک رسائی ہو، اُن سے زیادہ خوشنما نقوش دل کو اپنی طرف کھینچتے ہین گویا سمندر کی موجین ہین کہ دامن باندھے ہوئے بھاگی چلی جارہی ہین اور جن کا سلسلہ ناختتم ہی ہے جیسا کبھی پہلے عرض کرچکا ہون، موسیقی ایک بحر ذخار ہے جسکے ایک کنارہ پر کھڑے ہوکر ہم دور تک دیکھ تو سکتے ہین مگر دوسرا کنارہ نظر نہین آتا -

نیرو - اوہ ! تیرا علم کس قدر وسیع ہے !

کچھ دیر دونون خاموش ٹہلتے رہے، صرف زعفران کے روندے جانے کی خفیف آواز آتی تھی -

نیرو - تونے میرے خیال کی ترجمانی کی - اسی سے مین بار بار کہہ چکا اور اب پھر کہتا ہون کہ تمام روما مین صرف تو نے مجھے سمجھا، یہی وجہ ہے کہ موسیقی کے بارے مین میری اور تیری رائے متفق ہے جب مین گاتا اور ستار بجاتا ہون، تو مجھے وہ چیزین دکھائی دیتی ہین جنکے وجود کا اپنی مملکت یا دنیا مین علم نہین تھا مین قیصر ہون اور روے زمین زیر نگین ہے ہر طرح کا مقدور ہے مگر موسیقی میری نگاہ کے سامنے نئے ملکون نئے کوہستانون نئے بحور اور نئی خوشیون کا افتتاح کرتی ہے - اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مین اُنکے نام نہین بتا سکتا اور اُنکو اپنے قابو مین نہین لا سکتا، صرف محسوس کرتا ہون، مجھے دیوتا اور المپس کی بلندیان دکھائی دیتی ہین ! ایک قسم کی نسیم کسی دوسری دنیا سے میری طرف خرامان خرامان آتی ہے اور مین لطیف غبار سے ڈھکی ہوئی ایک ناقابل اندازہ عظمت کا مشاہدہ کرتا ہون جسمین سکون مگر دعوب کی درخشندگی ہے - کُل نظام شمسی میرے گرد رقصان ہوتا ہے اور مین تجھ سے سچ کہتا ہون (یہان پر نیرو کی آواز مین افراط حیرت سے ارتعاش پیدا ہوا) کہ مین، مین ! جو قیصر ہون، دیوتا ہون، ان لمحون مین اپنے آپکو خاک سے بھی ذلیل شمار کرتا ہون - کیا تجھے میری بات کا یقین ہے ؟

پٹرونیس - بیشک ! صرف اولوالعزم کاملین فن کو یہ قدرت ہے کہ اوج کمال پر پہونچ جانے کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہین !

نیرو - آج کی رات صداقت کا دَور ہے - تجھے دوست سمجھکر اپنی روح کا جائزہ دلاتا ہون - نہین ! اس سے بھی زیادہ ! کیا تجھے خیال ہے، کہ مین اندھا یا فاتر العقل ہون ؟ کیا تیرا گمان ہے ؟ مجھے معلوم نہین کہ اہلِ روما مجھ سے نفرت کرتے ہین - مجھے اپنی مان اور بیوی کا قاتل ایک خوفناک درندہ، ایک سنگدل ظالم ہونے کا الزام دیتے ہین ؟ اور یہ سب محض اس وجہ سے کہ ٹائگی لینس نے میرے چند دشمنون کے خلاف مجھ سے سزاے موت کا حکم حاصل کرلیا - ہان میرے دوست مین جانتا ہون کہ وہ مجھے خونخوار بھیڑیا سمجھتے ہین ! اُنہون نے میرے مظالم کا اس قدر چرچا کیا ہے کہ بعض اوقات مجھے خود اپنے نفس سے یہ سوال کرنا پڑتا ہے "کیا مین ظالم نہین" لیکن وہ واقف نہین کہ ایک شخص کے بعض افعال ظلم کی حد تک پہونچ جائین تاہم وہ ظالم نہو - افسوس کسے یاد ہوگا (شاید تجھے بھی نہین) کہ جس گھڑی موسیقی میری روح کو لوریان دیتی ہے تو مین ایک دودھ پیتے بچے کی طرح معصوم ہوجاتا ہون - انہین ستارون کی قسم جو ہمارے سرون پر چمک رہے ہین کہ مین بغیر کسی آمیزش کے سچ بول رہا ہون ! لوگ نہین جانتے کہ اس دل مین کس قدر نیکی نہان ہے اور موسیقی کیسے کیسے خزانون کے دروازے مجھ پر کھول دیتی ہے -

پٹرونیس کو مطلق شک نہین تھا کہ نیرو اس وقت جو کچھ کہہ رہا ہے صداقت پر مبنی ہے اور ممکن ہے کہ موسیقی اُسکی روح کی مختلف نیک ترغیبون کو اُبھارے جو فی الحال خود سری عیاشی اور جرم کے بھاری پتھرون کے نیچے دبی ہوئی ہین -

پٹرونیس - آپکو لوگ کم سے کم اس قدر تو جانین جتنا مین جانتا ہون، قدر کرنا تو درکنار، روما نے کبھی آپکا مرتبہ نہ پہچانا -

قیصر نے اور زیادہ اضمحلال کے ساتھ پٹرونیس کے بازو پر سہارا دیا گویا ناانصافی کے بوجھ سے دوہرا ہوا جاتا ہے - اُس نے کہا -

مجھے ٹائگیلینس سے معلوم ہوا ہے کہ مجلس شوریٰ میں سرگوشیاں ہوتی ہیں کہ ڈائسوڈوریس اور ٹیپناس مجھ سے بہتر ستار بجاتے ہیں۔ اس ہنر میں بھی اہل رومہ کو میرے کمال سے انکار ہے لیکن تو جو ہمیشہ سچ بولتا ہے مجھے بتا کہ کیا انہیں مجھپر فوق ہے یا میرے ہم پلہ ہیں ؟

پٹرونیس۔ ہرگز نہیں ! آپکا ہاتھ اُن سے زیادہ سبک ہے لہذا جو راستے آپ نکالتے ہیں وہ اُنکی قدرت سے باہر ہیں۔ آپ میں اختراع کا مادہ ہے۔ اُنکا کمال مشق اور محنت کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اُنہیں سنکر آپ کو سنے، خود اندازہ کرسکتا ہے کہ آپ کیسے جلیل القدر مغنی ہیں۔

نیرو۔ اگر یہ سچ ہے تو میں نے اُنکی جان بخشی کی۔ شاید اُنہیں کبھی خبر بھی نہ ہو کہ تو نے اُس وقت اُنپر کتنا بڑا احسان کیا۔ حالانکہ یہ ضرور تھا کہ اُنکے قتل کے بعد اُنکی جگہ دوسرے گویئے مقرر کئے جاتے۔

پٹرونیس۔ خداوند ! لوگ کہتے کہ قیصر نے موسیقی کی محبت میں اس فن کو نیست و نابود کردیا کبھی ہنر کو اظہار ہنر کے واسطے برباد نہ کیجئے !

نیرو۔ ٹوٹائگیلینس سے کس قدر مختلف ہے ! لیکن کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے ہر فن میں ید طولیٰ ہے۔ موسیقی ایسے عالم کی مجھے سیر کراتی ہے جسکا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ایسے طبقات ارض دکھاتی ہے جو میرے مقبوضات میں داخل نہیں۔ ایسی خوشیوں اور اطمینان کا وعدہ کرتی ہے جسکا مجھے تجربہ نہیں۔ لہذا میں معمولی افراد کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا موسیقی مجھے سکھاتی ہے کہ ایک ما فوق الفطرت ہستی ہے۔ اس پوری قوت کے ساتھ جو دیوتاؤں نے مجھ میں ودیعت کی ہے۔ مجھے اس ہستی کی تلاش ہے۔ بعض وقت میں سوچتا ہوں کہ اُن بالائی دنیاؤں تک پہونچنے کے لئے مجھے کوئی ایسا کام کرنا چاہیئے جو آج تک کسی انسان سے سرزد نہیں ہوا۔ مجھے نیکی یا بدی میں تمام آدمیوں پر سبقت حاصل کرنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ لوگ مجھے دیوانہ کہتے ہیں۔ میں دیوانہ نہیں ہوں، بلکہ سرگرم جستجو ہوں، اور اگر میں دیوانہ ہوا جاتا ہوں تو بے صبری اور نفرت کے سبب سے۔ کیونکہ اپنی سعی میں ناکام ہوں۔ مجھے تلاش ہے، تجسس ہے، سمجھا؟ لہذا میری خواہش ہے کہ انسان پر فضیلت حاصل کروں کیونکہ صرف اسی صورت میں بحیثیت ایک ہنرفن کے مجھے برتری حاصل ہوسکتی ہے (یہاں پر اُس نے اپنی آواز کو اور دھیما کیا، چنانچہ وینی سیس نہ سن سکا۔ جب اُس نے آہستہ سے پٹرونیس کے کان میں کہا) کیا تو آگاہ ہے کہ میں نے اپنی ماں اور بیوی کو موت کے حوالے کیوں کیا؟ اس لئے کہ اس نامعلوم دنیا کے آستانہ پر جو سب سے بڑی قربانیاں انسان سے ہوسکتی ہیں پیش کروں۔ میرا خیال تھا کہ کوئی نتیجہ رونما ہوگا۔ میرے واسطے دروازہ کھل جائیگا اور اجنبی دنیا کی سیر کرونگا۔ تو اس امر کو حیرت خیز یا ہیبت ناک تصور کرتا ہے؟ بیشک یہ فہم بشر سے خارج ہے کیونکہ عظیم و غیر معمولی ہے۔ لیکن یہ قربانی کافی نہیں۔ فردوس کا باب کشادہ ہونے کو اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہونا چاہیئے! وہ کیا ؟ قسمت اسکا فیصلہ کریگی !

پٹرونیس۔ آخر حضور کی نیت کیا ہے ؟

نیرو۔ تیری توقع سے بھی جلد تجھے معلوم ہو جائیگا۔ اس دوران میں تجھے یقین کرنا چاہیئے کہ دو نیرو ہیں ایک وہ جسے لوگ جانتے ہیں اور دوسرا وہ کامل فن جسکو صرف تو جانتا ہے۔ اگر نیرو موت کی طرح ہلاک کرتا ہے اور شراب کے دیوتا کی طرح مغلوب الغضب ہے تو اسکا سبب صرف اس قدر ہے کہ عامیانہ زندگی کے عدم تنوع اور رکاکت سے اُسکا دم گھبراتا ہے۔ میں ان کیفیتوں کا خاتمہ کردونگا چاہے مجھے آگ یا تلوار استعمال کرنا پڑے! یہ دنیا مجھ سے خالی ہو کر کس قدر ویران ہو جائیگی! کسی کو آج تک شبہ بھی نہیں ہوا (میں تجھے بھی مستثنیٰ نہیں کرتا) کہ میں کیسا صناع ہوں لیکن اسی کی بدولت گرفتار الم بھی ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ روح جو میرے جسم میں ہے ویسی ہی تاریک و محزون ہے جیسے وہ سرو کے درخت جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ ایک زبردست مصیبت ہے کہ انسان ایک ہی وقت میں قوت عظیم اور اعلیٰ ترین لیاقت کا بار اُٹھائے !

پٹرونیس - خداوند مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے - بجرو بر میرے ہمنوا ہین جن مین وینی سیس کا شمار نہین کیونکہ اسکی روح آپ پہ نثار ہے -

نیرو - وینی سیس مجھے ہمیشہ عزیز رہا ، اگرچہ ہنر کی دیوی کا گرویدہ ہونے کے عوض خدائی جنگ کا مرید ہے -

پٹرونیس - حضور نہ یہ ہے نہ وہ ہے - آج کل تو یہ بندۂ خدا ملکۂ حُسن کا کلمہ پڑھتا ہے !

پٹرونیس نے اپنے دل مین ٹھان لی تھی کہ اپنے بھتیجے وینی سیس کا معاملہ حکمتِ عملی سے طے کرے تاکہ کسی خطرہ کا امکان نہ رہے - اُسنے کہا ،

"حضور والا ! وینی سیس غمِ عشق مین مبتلا ہے - اُسے سوہنجانے کی اجازت دیجئے ، ورنہ اُسکی جان سے ہاتھ دھوئیے - کیا حضور کو یاد نہین کہ ایک لڑکی فتح لیجیا کے بعد اسیر ہوکر وینی سیس کو بطور کنیز عطا ہوئی تھی اور وینی سیس سے لائینس کی نگرانی مین چھوڑ کر دوسرے محاذِ جنگ کی طرف روانہ ہوا تھا - اِس سے قبل عرض کرنا مناسب نہین تھا کیونکہ حضور بھجن کہنے مین مصروف تھے اور یہ کام تمام کامون سے مقدم تھا - اِن حضرات نے پہلے تو اُس لڑکی کو گمراہ کرنا چاہا ، مگر وہ لکریشیا کی طرح باعصمت ثابت ہوئی تو آپ اُسکی عفت کے شیدا ہوگئے اور باقاعدہ شادی کرنا چاہتے ہین وہ بھی بادشاہ کی بیٹی ہے ، وینی سیس کی کسرِ شان نہ ہوگی لیکن وہ سچا سپاہی ہے ٹھنڈی سانسین بھرتا ہے گھلا جاتا ہے ، کراہتا ہے لیکن اپنے شاہنشاہ کے حکم کا منتظر ہے -

نیرو - شاہنشاہ اپنے سپاہیون کے لئے بیویون کا انتخاب نہین کرتا - میری اجازت سے وینی سیس کو کیا فائدہ ہوگا -

پٹرونیس - حضور سے مین عرض کر چکا کہ وہ آپکو دیوتاؤن کی طرح پوجتا ہے -

نیرو - لہذا اُسے میری اجازت مین شک نہ ہونا چاہئے ---- ہی تو وہ لڑکی قبول صورت ، پر کمر کولے کچھ نہین ! اور پاپیا (نیرو کی ملکہ) کو شکایت ہے کہ اُسنے ہمارے بچے پر جادو کر دیا -

پٹرونیس - لیکن مین نے تو ٹانگی لینیس کے منہ پر کہہ دیا تھا کہ دیوتاؤن کے بچون پر سحر کا اثر نہین ہوتا - حضور کو یاد ہوگا کہ وہ کیسا خفیف ہوا تھا ، اور حضور نے میرے قول کی تائید کی تھی -

نیرو - ہان مجھے یاد ہے - (وینی سیس سے مخاطب ہوکر) کیا تو درحقیقت اُس لڑکی پر مرتا ہے -

وینی سیس - حضور مجھے اُس سے محبت ہے -

نیرو - بہتر مین تجھے حکم دیتا ہون کہ کل ہی صبح کو روم سے روانہ ہوجا اور اُس سے شادی کر لے ، اور میرے سامنے بغیر شادی کی انگوٹھی پہنے ہوئے حاضر نہ ہونا -

وینی سیس - جب تک زندہ ہون حضور کے جان و مال کو دعا دونگا اور سپاس گزار رہونگا

نیرو - لوگون کی شادمانی کا موجب ہونا کس قدر مسرت کا باعث ہے - کاش اسکے سوا تمام عمر اور کوئی کام نہ کرون !

پٹرونیس - خداوند ! اتنی التماس اور ہے کہ حضور اپنی خوشنودی کو ملکہ صاحبہ پر بھی ظاہر کر دین - وینی سیس ایسی عورت سے ہرگز شادی نہین کر سکتا جسے وہ پسند نہ فرمائین - حضور اُنکے خیالات کو ایک نقطہ مین بدل سکتے ہین - بس اتنا ارشاد ہوجائے کہ یہ شادی آپکی مرضی سے ہو رہی ہے -

نیرو - منظور ! تجھ سے یا وینی سیس سے کسی بات مین انکار نہین کر سکتا -

نیرو محل کی طرف چلا - وہ دونون جلو مین تھے اور اپنی کامیابی پر دل ہی دل مین خوش ہو رہے تھے - وینی سیس کا بس نہین تھا کہ پٹرونیس کے گلے سے لپٹ جائے -

کمرہ مین داخل ہوکر نیرو ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا - ایک غلام کے کان مین کچھ کہا ، وہ کمرہ سے باہر گیا اور ایک سنہرا صندوقچہ لیکر واپس آیا - نیرو نے صندوقچہ کھول کر ایک ہار جسمین اوپل نصب تھے نکالا -

نیرو - یہ جواہر ایسی ہی رات کے شایان ہین -

پاپیا خوش ہوئی کہ ہار اُسکے واسطے منگایا ہے۔ اُسنے کہا
"ان عین آرورا کی ضیا حل ہے !"
پھر وہ اس گلابی ہار کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ مین ادلتا بدلتا رہا۔ آخرکار کہا
"ویتی سیس! یہ ہار میری طرف سے اُس لڑکی کو دینا جسکے ساتھ شادی کرنے کا مین نے تمہین حکم دیا ہے، یعنی ملک لیجیا کی شہزادی"

پاپیا نے غصہ اور استعجاب سے پہلے نیرو اور پھر ویتی سیس کی طرف دیکھا۔ اُسکے بعد پٹرونیس کی جانب متوجہ ہوئی، مگر وہ بے پروائی کے ساتھ کرسی کے ہتھے پر جھک کر ایک باب کو جو فرش پر رکھا تھا دیکھنے لگا، گویا اُس کا نقشہ ذہن نشین کر رہا ہے۔

(ترجمہ)　　اثر

کشمیر

اور

آنریبل شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے، بیرسٹرایٹ لا، سابق اڈیٹر "مخزن" و "آبزرور" لاہو بالقابہ

فن شعر کے متعلق جو تحقیقات انیقہ متاخرین نے کی ہے، اُسکا ماحصل یہ ہے کہ شعر کے واسطے نظم کی قید نہین، تخئیل اپنا جوہر نثر مین بھی دکھلاتی ہے، ہمارے فاضل انشاپرداز شیخ عبدالقادر صاحب کے مضامین نثر سے لوگ مستفید ہو چکے ہین اور اُنکی غیر معمولی ادبی قابلیت کا اندازہ کر چکے ہین لیکن اس راز سے غالبًا ملک کے کم لوگ واقف ہونگے کہ اُنکی جدت طرازی شعر کی صورت مین بھی ظہور پذیر ہوتی ہے، حال ہی مین مجھے اپنے ایک دوست سے اُن کا یہ شعر دستیاب ہوا ہے جو اُنھون نے کشمیر کے دل افروز مناظر سے متاثر ہو کر یہ نظم پڑھی۔ خدا کرے "مرقع" آپکے رشحات سے جلد مستفیض ہو اور جناب ممدوح اسکی طرف خاص توجہ مبذول فرمائین۔

(وصل)

بہار اُسکی نہ پوچھے گا خزان ہو رشکِ بہار جس کی
کہ اس خزان پر بھی آئے دن وان نئے شگوفے نکل رہے ہین

افکارِ اصغر (جناب اصغر گونڈہ)

عشق ہے اک کیفِ پنہانی مگر رنجور ہے
حسن بے پروا نہین ہوتا مگر مجبور ہے

خستگی نے کر دیا اسکو رگِ جان سے قریب
جستجو ظالم کہے جاتی تھی منزل دور ہے

لیگئے وہ ساتھ اپنے کل نشاطِ زندگی
میکشی بے کیف سی ہے چاندنی بے نور ہے

دور آنکھون مین اسیکا جلوہ خود نورِ محیط
دید کیا ہے؟ کچھ تلاطم مین ہجومِ نور ہے

لب پہ موجِ حسن جب چمکے تبسم نام ہو
ذوقِ ارنی ہے کہ پیچ اٹھون تو برقِ طور ہے

بے بسی ظلمتکدہ مین اُس سے محرومی کی ہو
اِس سے آگے اے دلِ مضطر حجابِ نور ہے

دیکھتا ہو مین کہ ہے بحرِ حقیقت جوش پر
جو حجاب اُٹھ اُٹھ کے مٹتا ہے سرِ منصور ہے

آنکھ ہو جب محوِ حیرت تو نمایان ہے وہی
فکر ہو جب کارفرما تو وہی مستور ہے

معلومات

از جناب عزیز احمد خان صاحب بی اے (علیگ)

واٹرلو اور لندن کے بعض مقامات پر ایک جدید وضع کی گھڑی تیار کی جا رہی ہے جس کا حلقہ مربع شکل کا ہوگا اور وقت بتانے والے کانٹے موجود نہ ہونگے۔ بلکہ شیشہ کی دو چھوٹی تختیاں ہوں گی جو وقت بتایا کرینگی۔ اسکا طریقہ یہ ہوگا کہ جیسا ہی ایک منٹ گزریگا ایک تختی خود بخود نیچے ہٹ جائے گی اور گھنٹے بھی اسی طرح بتلائے جائیں گے۔ یہ گھڑی جو برقی قوت سے چلے گی ایک معمولی قسم کی گھڑی کے ماتحت کام کرے گی۔ اس نئی وضع کے ذریعہ سے وقت دیکھنے میں بہت سہولت ہو جائے گی اسلئے کہ بجائے کانٹوں کے ذریعہ سے وقت دیکھنے کے صرف نمبروں سے وقت معلوم ہو جائے گا جو دو تختیوں کے بیچ میں نمایاں ہوں گے یعنی آجکل کی گھڑی کے مطابق اس جدید گھڑی پر اگر بارہ بجکر ۳۰ منٹ ہوئے ہیں تو صرف یہی عدد نظر آئیں گے باقی سب پوشیدہ رہیں گے۔ ریلوے اسٹیشنوں پر یہ گھڑی نہایت کارآمد ہوگی اس لئے کہ فاصلے سے کانٹوں کے مقابلہ میں زیادہ جلد وقت معلوم ہو جائے گا۔

جزیرہ باربدس میں گانے والے درخت پائے جاتے ہیں ان درختوں کے پتے خاص وضع کے ہوتے ہیں اور ان کی پھلیوں کے کنارے دندانے دار ہوتے ہیں۔ جب ہوا کا جھونکا ان پھلیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے تو انمیں سے راگ پیدا ہوتا ہے۔ اس جزیرہ کی ایک وسیع وادی میں یہ درخت پھیلے ہوئے ہیں اور جب کبھی باد تند چلتی ہے ایک مسلسل گہرے سروں کا راگ پیدا ہوتا ہے جو سیٹی کی آواز سے مشابہ ہے اور جس کا اثر سحر آمیز ہوتا ہے۔

سوڈان میں بھی ببول کی قسم سے بعض درخت پائے جاتے ہیں جن کا مقامی لقب سیٹی بجانے والے درخت ہے۔

دنیا کا طویل ترین ریلوے پلیٹ فارم بمقام مانچسٹر وکٹوریا اور اکسچینج اسٹیشنوں کے درمیان تعمیر کیا گیا ہے۔ اس پلیٹ فارم کا طول دو ہزار ایکسو چوہتر فیٹ ہے۔

حال میں ایک عجیب و غریب بام مچھلی دریافت کی گئی ہے جو سمندر کے انتہائی نشیب میں اپنی زندگی بسر کرتی ہے فطرت نے اس مچھلی کی قیام گاہ کی تاریک فضا کو روشن کرنے کے لئے اسے دو قدرتی شمعیں عطا کی ہیں جنھیں وہ اپنے دونوں لمبے اور لہراتے ہوئے بازوؤں پر قائم رکھتی ہے اور اطراف کی فضا کو منور رکھتی ہے۔

پروفیسر بارکر نے بمقام چیسٹر "بھیڑ پروری" کی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک عجیب و غریب ایجاد کا اعلان کیا جسکے ذریعہ سے اون کثرت سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ صاحب موصوف نے بیان کیا کہ ایک جاپانی ڈاکٹر نے ایک سیال مادہ فروخت کرنے کے لئے بازار میں رکھا تھا جسے اگر بھیڑ کی رگوں میں ہر دوسرے روز بذریعہ انجکشن پہونچایا جائے تو اون نہایت تیزی کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے پروفیسر بارکر کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ ترکیب سے اون کی پیدایش اس قدر جلد ہونے لگتی ہے کہ دو ماہ کے عرصہ میں بارہ ماہ کا اون پیدا ہوتا ہے چنانچہ اس طریقہ سے ہر سال دو تین مرتبہ اون تراشا جا سکتا ہے۔

ایک معدنی نئی دریافت کی قیمت جس کا نام ریڈن ہے فی اونس ۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ یعنی ۱۵۰۰۰۰۰۰ روپے ہے۔ اگرچہ یہ سب سے زیادہ گران شے ہے لیکن اس کے استعمال سے ناسور کا علاج ارزان ہو جائے گا اگرچہ اس کا اخراج ریڈیم سے بصورت گیاس ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال ریڈیم کے استعمال سے اس لحاظ سے ارزان ہے کہ یہ اس سے ۱۶۰۰۰۰ گنا تیز ہے۔ ریڈن بال برابر باریک نلون میں رکھا جاتا ہے یہ اگرچہ بکثرت فراہم ہو سکتا ہے لیکن اس کی زندگی بہت مختصر ہوتی ہے یعنی چار روز میں اس کی نصف تیزی زائل ہو جاتی ہے بخلاف اسکے ۱۷۰۰ سال کی مدت کے بعد بھی ریڈیم اپنا نصف وزن برقرار رکھتا ہے

ملک ناروے میں انیکر کے قریب ایک مقبرہ ہے جسکی بلندی ۶۰ فیٹ اور جس کا قطر ۳۰۰ فٹ ہے۔ یہ مقبرہ چاروں طرف گھانس اور بلند درختوں سے گھرا ہوا ہے۔ عہد تاریخ سے قبل کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مقبرہ کسی نامعلوم بادشاہ کا ہے جو ایک کوچ پر دو سفید گھوڑوں کے درمیان لیٹا ہوا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں اس امر کی کوشش کی گئی تھی کہ اس مقبرہ کو اس کے اندرونی حصہ تک کھودا جائے لیکن مٹی اور ریت کے خطرناک صورت میں گرنے سے اس کام سے ہاتھ اٹھا لیا گیا۔ ماہر آثار قدیمہ اب پھر نئے سرے سے ہمت کر رہے ہیں کہ اس روایت کی حقیقت کو دریافت کیا جائے۔

انسانی جسم میں سب سے چھوٹی ہڈی کان میں موجود ہے۔

دوکاندار عورتوں کو مال سکر لیجانے کی تکلیف سے بچانے کے لئے ایک فرانسیسی موجد نے ایک جدید قسم کا ٹوکرا ایجاد کیا ہے جسے بھرنے کے بعد گاڑی کی صورت میں استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ ٹوکرا بہت ہلکا ہے اور جب وہ خالی ہو جاتا ہے تو اسکے پہیئے اسکے اندر سما سکتے ہیں اور اسکے ہینڈل اسکے اوپر آ سکتے ہیں جب اس میں چیزیں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو پہیئے اس میں سے نکال لئے جاتے ہیں اور اس کے نیچے کے حصے میں آسانی سے لگا دئے جاتے ہیں۔

یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ صرف مچھر کی مادہ کاٹتی ہے اور نر انسانوں کی سوسائٹی پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی زندگی نباتات سے وابستہ رکھتا ہے۔ اس وقت انگلستان میں مچھروں کی ۱۴۰۰ قسمیں ہیں اور ان کا وجود کئی اضلاع میں بشمول احاطۂ لندن ناقابل برداشت ہو

قوی ہیکل جانوروں کو پانی میں رہنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے آدمی غسل کرنے کے بعد ایک پونڈ پانی جذب کر لیتا ہے۔ چوہا اپنے جسم کے مساوی الوزن پانی اور مکھی اپنے جسم سے پچاس گنا زیادہ وزنی پانی غوطہ کھانے کے بعد ساتھ رکھتی ہے۔ چھوٹے جانور زیادہ غذا کھاتے ہیں اس لئے کہ نسبتاً انھیں زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ چوہا ہر روز اپنے جسم کے تیسرے حصہ کے برابر غذا کھاتا ہے۔

جزائر برطانیہ میں سے ایک سال میں ۶۶۰ ایکڑ سمندر میں شامل ہو گئے اور اس کے معاوضہ میں اسے سمندر سے ۴۸۰۰ ایکڑ زمین حاصل ہوئی۔

دنیا میں سب سے زیادہ جسامت رکھنے والی جاندار شے وہیل مچھلی ہے جس کی تہ گندک کی ہے اور جس کی لمبائی نوے فیٹ ہے اسکے وزن کی تحقیق نہیں کی گئی ہے لیکن اتنی ہی لمبائی اور وہی رنگ رکھنے والے نارٹیڈو کا وزن ۳۲ ٹن قرار دیا گیا ہے۔ سب وہیل گوشت خوار

ہوتی ہیں لیکن وہ سب مچھلیاں جو ان کی غذا ہوتی ہیں نباتات سے غذا حاصل کرتی ہیں چنانچہ مذکورہ وہیل کی غذا کا جو اندازہ لگایا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایکڑ مربع عمدہ کھیت کی ایک پورے موسم کی گھانس کے ذریعہ سے جسقدر چربی اور کاربوہائڈریٹ حاصل ہو سکتا ہے اسیقدر اس کی روزانہ غذا ہے۔

حال میں ٹیمز پولیس کورٹ کے ایک مقدمہ میں دو توام بھائیوں مسٹر جی ایچ بینک اور مسٹر سی۔ وی بینک نے بحیثیت مشیر قانونی حصہ لیا جن میں سے ایک نے مدعی کی جانب سے دوسرے نے مدعا علیہ کی طرف سے پیروی کی۔ مدعی اور مدعا علیہ بھی توام بھائی تھے اور وہ تینوں قیدی بھی جو اس مقدمہ میں شریک تھے توام بھائی تھے۔

شہر ویلز کے شمالی حصہ میں ایک نئے شادی شدہ جوڑے نے ہنی مون گزارنے کا تہیہ کیا۔ سفر شروع کرنے سے پہلے یہ سمجھ کر کہ اپنی حالت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش لاحاصل ہے اس مضمون کا سائن بورڈ کہ "ابھی شادی ہوئی ہے" موٹر کی پشت پر لگا لیا۔

واشنگٹن کے بارہ باشندوں نے اس امر کی اجازت طلب کی ہے کہ گورنمنٹ کے اس رویہ کی مخالفت میں کہ مجرموں کو بجلی کے ذریعہ سے سزائے موت دیجاتی ہے۔ وہ خود اپنی جانیں بجلی کی کرسی پر بیٹھکر تلف کرنا چاہتے ہیں۔

انگلستان کے ایک معمر باشندے مسٹر سام آر کمبال نے ایک تجہیز و تکفین کرنے والے کو ۲۰۰ پونڈ کی قیمت کا ایک ایسا فولادی تابوت تیار کرنے کا حکم دیا ہے جس میں بے تار برقی کے آلات لگے ہوں۔ مسٹر کمبال نے واضح کیا کہ یہ ان کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد روح قیامت تک اپنے جسم کا طواف کیا کرتی ہے چنانچہ اس طرح وہ سب کچھ بذریعہ بے تار برقی سن سکیں گے جو قیامت تک دنیا میں ہوتا رہیگا

سب سے زیادہ تیز تیرنے والی عورت، سب سے زیادہ تیز تیرنے والے مرد کے مقابلہ میں صرف ۸۵ فی صدی فاصلہ طے کر سکتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عورت اگرچہ قابلیت میں مرد کی ہمسر مان لی گئی ہے لیکن وہ مرد کے برابر طاقت صرف نہیں کرسکتی دوڑنے میں عورت کی انتہائی رفتار مرد کے مقابلہ میں ۷۰ فی صدی ہے۔

یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ دریائی جانور خشکی کے جانوروں سے جسامت میں بہت زیادہ ہیں لیکن یہ جدید دریافت حیرتناک ہے کہ دریائی درخت خشکی کے درختوں سے زیادہ بلند و قوی ہیکل ہیں۔ ان درختوں کو "رسی کے درخت" کہا جاتا ہے اسلیے کہ یہ تقریباً ۸۰۰ فٹ بلند ہوتے ہیں۔ اور تنہ کا قطر ۱ فٹ رکھتے ہیں اور ان سے رسی بنائی جاتی ہے اگر کسی سمندری مقام پر ان درختوں کا جھنڈ بن جاسے تو جہازرانی میں بڑی رکاوٹ پیدا ہو

جرمن کے ایک ماہر جراثیم خون نے سکوں کے متعلق متعدد تجربے کئے انکا دعوی ہے کہ معدنی سکے بہ نسبت کاغذی سکوں کے حفظان صحت کیلئے زیادہ مفید ہیں ایک نوٹ میں جو عرصہ تک دست بدست چلتا رہا ۱۴۲۰۰۰ خون کے جراثیم پائے گئے اسکے برخلاف معدنی سکوں کی صفائی اور ہموار سطح ان باریک جراثیم کو انمیں جذب نہیں ہونے دیتی۔ بہرصورت ان معدنی سکوں کی وجہ سے بھی مرض طرح میں نہیں پڑنا چاہئے اسلئے کہ وہ اگرچہ نوٹ سے زیادہ پاک صاف ہوتے ہیں لیکن منہ میں رکھنے سے مضر پہونچاتے ہیں۔

روح سخن

جناب پنڈت برج نرائن صاحب چکبست بی اے ایل ایل بی وکیل لکھنؤ

نہیں منظور رہنا روشناس چارہ گر ہوکر — رہیگا پاس غیرت پردۂ زخم جگر ہوکر
شباب آخر ہے بزم عیش کی بس یاد باقی ہے — جوانی خواب میں آتی ہے اب شمع سحر ہوکر
قفس کی آڑ سے محروم ہیں ہم آشیاں کیسا — تڑپتے ہیں در صحن باغ سے بے بال و پر ہوکر
جوانی میں اسی کو ابتدائے عشق کہتے ہیں — دوا کی فکر کرنا طالب درد جگر ہوکر
ازل کے دن مٹا دینا تھا اک ہستی کی صورت کو — جگائے جسنے فتنے آفرینش کے بشر ہوکر
نظر کے سامنے ہے شام ناکامی کا سناٹا — جوانی ولولوں کی ڈھل رہی ہے دوپہر ہوکر
جگہ خالی کریں غنچوں سے شبنم کا اشارہ ہے — چمن میں قافلہ پھولوں کا اتریگا سحر ہوکر
خدا کو حشر میں وہ بیکسی کیا منہ دکھائینگے — جو دنیا میں رہے ہے رحمت سے اسکی بیخبر ہوکر
مرے ماتم کدہ میں رات کا پردہ غنیمت ہے — اداسی اور بڑھ جاتی ہے اس گھر کی سحر ہوکر
عدم سے آئے تھے دنیا میں کیا معلوم تھا ہمکو — رہیگا ساتھ سودا زندگی کا دردسر ہوکر
لئے دریا نے موتی گل شجر نے لعل پتھر نے — خریدا ہم نے سودا درد الفت کا بشر ہوکر
طلوع صبح کیا ہے مرثیہ ہے رونق شب کا — اڑا ہے رنگ روئے مہتاب کا نور سحر ہوکر
مقدر دیکھنا شبنم کا پھولوں میں ہوئی پیدا — پیام آیا فنا کا جلوۂ نور سحر ہوکر
فرشتہ حسن کا بیدار کرنے انکو آیا ہے — جوانی کی امنگیں سو رہی تھیں بیخبر ہوکر
یہی اک راستہ باقی تھا اوج مراتب کا — بنے اہل نظر ہم دشمن اہل ہنر ہوکر

جناب مولوی محمد عبد الحی صاحب صدیقی بی اے علیگ

قطرہ قطرہ خون کا دل میں تلاطم کوش ہے — واقعی کیا عشق اک کیفیت پرجوش ہے
زندگی اور اس پہ ناز اعتبار زندگی — ہوش ہے یہ ہوش والے یا فریب ہوش ہے
ہمنشیں راز شکست دل کا افسانہ نہ سن — رہنے دے خاموش اگر یہ ساز اب خاموش ہے
کیفیات ہوش سے وارفتہ ہو جانا پڑا — اب میں سمجھا بیخودی ہی انتہائی ہوش ہے
سانحات غم سے ہی اے دل عبث افسردگی — جب حیات مختصر رخت فنا بردوش ہے

جناب بابو رگھوپت سہائے صاحب بی اے رئیس گورکھپور

دل مرحوم کے اٹھ جانے سے فریاد کرتے ہیں — فراق اس درد کی تصویر کو ہم یاد کرتے ہیں
بتا دے نزع میں یاد آنیوالے او جفا پرور — تجھے ہم ایسے نازک وقت میں کیوں یاد کرتے ہیں
کسی کو آنکھ بھر کر دیکھنا اے دل قیامت ہے — مگر یہ کام ہم اب ہرچہ بادا باد کرتے ہیں
ہیں عبرت بہت بربادیاں انکی بھی اے ہمدم — ہم انکے چاہنے والوں کو اکثر یاد کرتے ہیں
بتا اے عاشقی تجھکو قسم شام جوانی کی — کسی کے ہجر میں آ تو انکو کیوں یاد کرتے ہیں
کلیجہ عشق کا بھی سن کے اسکو دھڑکنے لگتا ہے — غم فرقت کے مارے شب کو جب فریاد کرتے ہیں
نہ پوچھو کس طرح کٹتی ہے زنداں میں بہار اپنی — لہو دل کو یہ موسم ہائے بر برباد کرتے ہیں
کہاں لیجاتی ہیں پل مارنے میں وحشتیں سب کو — جب اچھی آنکھوں والے کوئی دل آباد کرتے ہیں
فراق اس رات کی بیتابیاں بھی کیا قیامت تھیں — وہ رہ رہ کر تڑپ اٹھنا ہم اب تک یاد کرتے ہیں

جناب محمد صاحب بہار سکرٹری انجمن معین الادب لکھنؤ

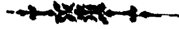
ہر آہ میں مضمر ہے درد دل دیوانہ — سننے جو سنا جائے مجھ سے مرا افسانہ
قابو میں نہیں رہتا مخمور مئے الفت — دل کی حرکت بھی ہے اک لغزش مستانہ
اکھڑی ہوئی سانسوں سے یہ چھیڑ نہیں اچھی — جاتی ہوئی دنیا ہے بس اے دل دیوانہ
آلام کی کثرت ہے بربادی ارماں سے — دل ہے مرا مابین آبادی و ویرانہ

جناب سید سراج الحسن صاحب سراج لکھنوی

میں ترے قربان اٹھنے والے خواب ناز سے — ہاں پھر اک انگڑائی اس بیساختہ انداز سے
کہتے ہیں سب بے نوا لا بات ہی پر مر گیا — آ رہا جب چاہیئے کہیئے لب اعجاز سے
ہو نشیمن یا نہ ہو اب تو قفس چھٹنے کے بعد — جیسے کچھ بیگانگی سی ہوگئی پرواز سے
اک قدم بھی پھر نہ آگے بڑھ سکے اہل نیاز — جب صدائے دورباش آئی حریم ناز سے
اڑکے تنکے آشیاں کے مجھ تک آتے ہیں خوب — یہ بھی واقف ہیں کہ میں [illegible] سے

مستقبلِ عالم کی ایک جھلک

از حضرت فراقؔ بی اے گورکھپوری



بابو رگھوپت سہائے صاحب فراقؔ ایک ہونہار فرد ہیں جنکو اُردو علم ادب سے خاص دلچسپی ہے اور یہ ذوق خاندانی ذوق ہے انکے والد جو حضرت علی آزادؔ مرحوم کے معاصرین میں تھے اور تمام عمر اُردو زبان کی خدمت میں صرف کی مثنوی حسنِ فطرت مثنوی ہنگامۂ حسرت اور ایک کلیات انکی یادگار ہیں بمقتضائے الولد سرلابیہ جناب فراقؔ کو بھی وراثتہً شعر کا ذوق مِلا ہندی کے مشہور رسالہ مادھری اور رسالہ زمانہ میں ان کے ہندی اور اُردو کے مضامین اکثر شائع ہوتے ہیں۔ ناظرین غالباً انکے نام سے ناآشنا نہونگے آپنے ۱۹۱۹ء میں میور کالج سے بی اے پاس کیا اسوقت بھی آپ کالج کے ممتاز طلبہ میں تھے ہماری خوش قسمتی ہوگی ایسے افراد اُردو کی خدمت کی طرف خاص توجہ کرتے ہیں۔ ناظرین اس مضمون سے آپکے صحیح مذاق اور اُردو و ادب کی قابلیت کا اندازہ کرسکتے ہیں آئندہ نمبروں میں ہم آپکے حالات اور تازہ بتازہ مضامین سے ناظرین کو خوش کرتے رہینگے — مدیر

سائنس کی ایجادوں اور اختراعات نے دنیا کو ایک بہت چھوٹی جگہ بنا رکھا ہے۔ سائنس کے کرشمے ہیں کہ سارے کرۂ عرض پر پھیلی ہوئی ہے انسانی آبادی کا نقشہ ہر آنکھ میں کھنچا ہوا ہے دنیا کی تصویر نگاہوں میں پھر رہی ہے اجنبیت مفقود ہوتی جا رہی ہے اور تاریخِ عالم میں شاید پہلی بار انسانیت کو اپنا مفصل اور مکمل احساس ہونے لگا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں انسانیت کا بکھرا ہوا شیرازہ سمٹتا آتا ہے وہاں انسان کا دل وسیع ہوتا جاتا ہے گویا وسعتِ عالم سمٹ کر دلوں میں سماتی جاتی ہے۔ تنگ دلی ہر قدم پر شکست کھاتی جاتی ہے۔ اس کا ناگزیر اور لازمی نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ تنگ۔ محدود اور خود غرضانہ انفرادیت مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ دلوں کی تاریکی میں یہ احساس دبے پاؤں چور کی طرح آ کھڑا ہوا ہے تفرقے کی دیواریں دھوئیں کی طرح اُڑتی جا رہی ہیں۔ نیند کی ماتی دنیا اپنے ظلمت کدہ میں یہ مبارک خواب دیکھ رہی ہے۔

اتحادِ عالم۔ اخوتِ انسانی اب ایک بے معنی کلمہ نہیں رہ گیا ہے بنی نوع انسان کی خود شناسی اب ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ہر دھڑکتا ہوا دل اس رازِ پنہان سے آشنا ہو رہا ہے کہ ہم ایک ہی سازِ ہستی کے پردے ہیں۔ دنیا کی تفرقہ انداز طاقتیں اب دم توڑ رہی ہیں ملکی نسلی۔ مذہبی اور طبقوی کشاکش اس گزرتے ہوئے منظرِ حیات کی اُلٹی سانسیں ہیں جس پر اس کی آخری رات بھاری ہو رہی ہے۔

پیشوایانِ تمدن کے ہاتھوں جس مستقبل کی تعمیر ہوگی اس کی کچھ تفصیل کرنے کے پہلے ان طاقتوں کا کچھ ذکر کر دینا ضروری ہے جو اب تک دنیا میں حاوی رہی ہیں۔

ممالک یورپ میں دولت والے، ثروت والے، حکومت والے، اپنے ہموطنوں میں مفلسوں، مزدوروں، کسانوں کو اب تک اپنے حال پر چھوڑے ہوئے ہیں ان ملکوں میں اسوا روس کے آبادی کا عظیم حصہ اعلیٰ اور اصلی تعلیم و تربیت سے روزگار سے اور کافی اجرت سے زندگی کو اعلیٰ لطیف اور معمور بنانے کے ذرائع سے قریب قریب بالکل محروم رکھا گیا ہے۔

ممالک یورپ کے مدبران نے خود کو بھی اور اپنے ہموطنوں کو بھی اس خیال میں مبتلا کر رکھا ہے کہ ہر ملک کے مفاد میں باہم لازمی طور پر تصادم ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر (جاپان کو چھوڑ کر) اہلِ

برِاعظم امریکہ کے کچھ حصون پر اہل یورپ کا تجارتی اور اکثر سیاسی تسلط ہے۔ اسی تسلط کو بڑہانے کے لیے یورپ کا ہر ملک ایک دوسرے کو مشتبہ نگاہون سے دیکھتا ہے۔ اور پچھلی عالمگیر جنگ کی وجہ یہی حرص تھی۔

اس سیاسی اور تجارتی تسلط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مشرقی اقوام مین بھی کچھ جان آنے لگی ایشیا اور افریقہ مین۔ مصر مین۔ دیگر جزائر مین جہان اہل یورپ اپنے سیاسی اور تجارتی تسلط کے بل پر جا بسے تھے اور امریکہ مین بھی۔ اہل یورپ مین اور ان ممالک کے اصلی باشندون مین مساوات کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے چند علماے تمدن کی راے مین اہل یورپ اور دیگر ممالک کے باشندون کا تصادم (Colour Question) موجودہ سیاست کا سب سے اہم مسئلہ ہوگیا ہے۔

اسکے ساتھ ساتھ دنیا کے چند مذاہب بھی ایسے ہین جو اپنے پیرون کے اخلاق اور سیاست پر بہت برا اثر ڈال رہے ہین۔ ان مذاہب کی رو سے وہ لوگ جہنمی ہین اور ذلیل ہین جو کسی خاص کتاب کو الہامی ماننے سے قاصر ہین یا کسی خاص شخص کو پیغمبر نہین مانتے یا کسی خاص شخص مین عقیدت رکھنا اپنے گناہون کی بخشش کے لئے ضروری نہین سمجھتے ہین۔ جو ان شخصیتون کو اور ان کتابون کو مانے بغیر اچھے عمل کرتے ہین اور اپنے دل مین ہر مخلوق کے لئے بلا تفریقِ مذہب و ملت بلا تفریقِ جنس، درد اور محبت رکھتے ہین وہ ان مذاہب کے پیرون کی رو سے کسی حساب مین ہین ہی نہین۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے جب تک دوسرے مذہب والے یا "لامذہب" لوگ اپنا مذہب نہ بدل دین اور اول الذکر مذاہب پر ایمان نہ لائین تب تک انکے ساتھ سیاسی تمدنی اخلاقی اور دلی موالات ناممکن ہے ہمہ گیر برادرانہ جذبات کی شرط، انسانی اخوت کی شرط ان مذاہب کی رو سے کسی کلمہ کسی کتاب کسی پیغمبر کسی خاص صفات کے ساتھ خدا کا ماننا ہے اگر یہ نہین تو اخوت بھی نہین، ہمدردی بھی نہین، برادرانہ جذبات بھی نہین، انسانی اتحاد بھی نہین۔

یہ چار طاقتین یعنی طبقہ پرستی (یا غرض پرستی) ملک (یا قوم) پرستی نسلیت اور مذہب اتحادِ عالم کے لئے سدِ راہ ہین۔ انسانیت کی راہ مین یہ چار پتھر ہین جو بنی نوعِ آدم کو ٹھوکر پر ٹھوکر کھلا رہے ہین انہین کی بدولت دنیا کی ڈیڑھ ارب انسانی آبادی مین نفرت اور عناد کی چنگاریان اڑ رہی ہین۔ اہل افلاس جن مین جفاکشی دیانتداری اور کام کرنے کی صلاحیت کسی سے کم نہین انگارون پر لوٹ رہے ہین ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہے انسانیت کس مپرسی کے عالم مین تڑپ رہی ہے۔

لیکن ہر ملک مین ایک طبقہ ایسے آدمیون کا پیدا ہوگیا ہے جو طبقوی ملکی نسلی اور مذہبی تنگ خیالی کا شکار نہین۔ انہین کے ہاتھون انسانیت پنپیگی۔ انہین کے ہاتھون مستقبل کی تعمیر ہوگی۔ یہی آیندہ تمدن کے پیشوا ہین۔

پہلی خصوصیت اس طبقہ کی یہ ہے کہ دنیا کی بہبودی ترقی اور فلاح پر لوگ ساری انسانیت کو بلا ایک ہی رنگ مین رنگے ہوئے کرنا چاہتے ہین۔ وہ چیز صرف انتشار اور ویرانی ہے جو ایک ہی رنگ مین رنگی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ طبقہ بلا تفریقِ طبقہ۔ ملک۔ قوم نسل و مذہب خالص انسانیت کی بنا پر برادرانہ جذبات کو ہر دلمین ابھار دینا چاہتا ہے۔ لوگ دنیا کی تجارتی معاشی سیاسی اور تمدنی زندگی کو ازسرِ نو اس طرح ترتیب دینا چاہتے ہین کہ ہر فرد بشر کو اسکی فطرت اور مذاق کے موافق روزگار مل سکے اور ایسی اجرت مل سکے کہ اچھی اور پاکیزہ غذا۔ صاف پوشاک اچھے مکانات اچھے اور ضروری سامان علمی اور دماغی ترقی کے اور سیاحی کے موقعے ہر ایک کو مل سکین، علوم و فنون صرف تفننِ طبع کی چیزین نہ رہین بلکہ مکانات اور شہرون کی تعمیر اور تربیت مین انسانی خورش، پوشش معاشرت، چال ڈہال۔

حرکات و سکنات مین نظر آئین - اخلاقیات کی دنیا مین محض چند حرام،
ممنوع، مکروہ افعال کی فہرست گنانا اور نار جہنم کا خوف دلانا مصلحان
مستقبل کا کام نہوگا۔ بلکہ تعلیم و تربیت کے ذریعے سے اور ہر ایک کے حالات
مین انقلاب پیدا کر کے ہر ایک کو اعلیٰ صحت اور اعلیٰ ملت بنا کے، ہر طرح
کی سہولت ہر ایک کی راہ مین پیدا کر کے ہر جائز ضرورت پوری کر کے،
ہر جذبہ کو تسلیم کر کے محبت ہمدردی اور آزادی کی فضا پیدا کر کے ہر ایک
کے جسم- دل اور دماغ مین کس بل پیدا کر کے لوگون کے مذاق کو سنوار
کے اخلاقیات کے عالم مین انقلاب پیدا کیا جائے گا - افلاس دور
ہونے پر تفکرات دور ہونے پر توہین آمیز برتاؤن سے اور لوگون
کی ہیچ نگاہی سے بچکر کون ہے جس کی حمیت بیدار نہ ہو جائے گی-
کیا لوگون کو اپنے حال پر چھوڑ دینے سے گناہون کی فہرست مرتب کرنے
سے نار جہنم کے خوف سے وحشیانہ سزائین دیکر ان کو خوش اخلاق بنایا
جاسکتا ہے -؟

خوش حالی- تربیت تعلیم حمیت اور سلیقہ مندی کی فضا مین انسان
انسان بن سکتا ہے- ہر ملک کی سیاست پر اس اصول کا اثر پڑ رہا ہے
حکومت کا فرض چند اہل دولت اور بہت سے مفلسون کی جان و مال
کی محض حفاظت کرنا اب نہین رہ گیا- بلکہ ہر فرد کی زندگی کو خوش حالی،
تربیت تعلیم- حمیت حسن و لطافت عطا کرنا اور ان صفات سے ہر ایک
کی زندگی کو مزین کرنا اب حکومت کا کام تسلیم کیا جانے لگا ہے اگرچہ پوری
طرح عمل مین یہ اصول ابھی نہین لائے گئے- لیکن اب یہ مان لیا گیا،
کہ مفلسی، بے کاری کشمکش فطرت، بداخلاقی اور جرائم و جہالت کی ذمہ داری
ان پر نہین جو اپنے حال پر چھوڑ دئے گئے ہین اور ان برائیون کے
شکار ہو گئے ہین- اب وعظ کا دور ہو چکا عملاً ہمدردی کا دور آرہا
ہے- شاعر کا یہ طنز اخلاقیات کے بارے مین دور گزشتہ کی
یادگار رہے گا:-

واعظو آتش دوزخ سے جہان کو تم نے
یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

مذہب کے معاملے مین ہمین عظیم انقلاب کے لئے تیار ہو جانا
چاہیئے- معاشرت تعلیم- اخلاق اور تمدن مین جن انقلابون کا ذکر
کیا جا چکا ہے انکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جن قومون مین اوہام پرستی
روح پرستی- حیوان پرستی- درخت پرستی- دریا پرستی- قبر پرستی- وبا پرستی
اشیا پرستی جاری ہے جو ان اشیا سے مصیبتون سے بچنے کے لئے دعائین
کرتی ہین اور انہین خوش کرنا چاہتی ہین وہ قومین ان توہمات سے
آزاد ہو جائین گی- اسلام اور انسانیت نے، بودھ مذہب نے ہندو
رشیون نے ان اوہام پرستیون کو دور کرنے کی کوشش کی لیکن معاشرت
تعلیم و تربیت مین خانگی اور سوشل فضا مین تبدیلی نہ کرسکنے کی وجہ سے
ان مین سے کوئی اپنے عام پیرون کو اوہام پرستی سے نجات نہ دلا سکے
بدحالی اور جہالت ان کی کوششون کے بعد اپنا رنگ لائی اور ان کی
تعلیمین دہری رہ گئین- انسانیت کا اوسط اونچا نہین کیا جاسکا خاصکر
دنیا کی نصف آبادی یعنی عورتین ایسی تاریکی مین رکھی گئین تعلیم اور
تربیت سے ان کو اس طرح محروم رکھا گیا کہ جن گھرون کے مرد ہمہ اوست
اور وحدت وجود کے دقائق پر بحث کرتے ہین ان گھرون کی عورتین
طاعون چیچک- ہیضہ- سیلاب کی دیوی دیوتاؤن کی پرستش مین محو
ہین بھوت- پریت اور ارواح کی خوشامدین کر رہی ہین- درختون پیپلون
اور قبرون کی دیوی دیوتا سے مرادین مانگ رہی ہین- حضرت مریم کی-
مقامی جنات اور ارواح کی پرستش کا بازار نسوانی دنیا مین گرم ہے-
منتین مانگی جارہی ہین اور نہ جانے کس کس سے- اعلیٰ پیمانہ پر دماغی
ترقی ہونے سے علم کو عام کرنے سے فطرت مین انقلاب ہوگا اور آدمی
انسانیت ان مکروہات سے جبھی نجات پا سکے گی-

اس کے ساتھ طرز معاشرت اور تمدن پر زندگی کے مختلف

شعبوں پر مذہب کی حکومت نہ رہ سکے گی۔ مذہب کے نام پر کسی کتاب یا پیغمبر یا شاستر کی دہائی دیکر تعلیم سیاست۔ تمدن معاشرت کی تنظیم اور تربیت نہ دی جا سکے گی مصلحت مفاد آسایش اور بہبودی کی کسوٹی پر یہ سب جانچے جائیں گے۔

یہ چیزیں مٹ جائیں گی تو انکی جگہ کونسی شے لیگی۔ جسے مذہب کہیں وہ شے ہوگی ایک ایسی حقیقت کا احساس جو لفظوں میں ادا نہیں کی جا سکتی وہ حقیقت جو سلامتی طمانیت ہمیشگی اور وجود کا سرچشمہ ہے یہ احساس فطرتوں کے جداگانہ ارتقاء کے مطابق ہر ہستی میں نمایاں ہوگا۔ دنیا کی برگزیدہ ہستیوں میں ہر مذہب و ملت والوں میں اکثر بادی النظر میں گمراہ اور گناہ گار ہستیوں میں یہ احساس نمایاں ہوا ہے یہ احساس جس میں جتنا گہرا ہوگا جتنا مستحکم ہوگا اس کی ہستی اتنی ہی لطیف پر کیف شوخ اور پر زور ہوگی۔ یہ احساس خوش حالی۔ فرحت تعلیم و تربیت عام ہونے پر فنون لطیفہ کے ذریعہ سے عوام کو نصیب ہوگا جسمانی درد رفع ہونے پر روحانی درد اٹھ سکے گا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس حقیقت کو ہم خالق رحیم جبار و قہار مانیں اور سزا و جزا دینے والا مانیں۔ کتابوں اور پیغمبروں کو بھیجنے والا مانیں یا ان میں سے کچھ بھی نہ مانیں یہ اپنی اپنی طبیعتوں کے رنگ پر منحصر ہوگا۔ کوئی اسے شخصیت سے معرا مانے گا۔ کوئی نہیں مانے گا۔ یہ سب اپنی اپنی پہونچ کی بات ہے۔

ساتھ ہی نجات کی بحث بھی ایک بے معنی شے ہو جائے گی جب نجات کی بحث بے معنی ہو جائے گی تو کسی پیغمبر کی امت میں شریک ہونا، کوئی کلمہ پڑھنا کسی کتاب کو الہامی ماننا کسی خاص صفات کے خدا کو ماننا اس وجہ سے نہیں کہ آزادانہ طور پر سمجھ کے اور احساس کرکے ہم انہیں مانتے اور کرتے ہیں بلکہ نجات کے لئے۔ ایسا ہونا مستقبل کی آزاد فضا میں ناممکن ہو جائے گا۔ ہاں اپنی اپنی سمجھ کے موافق اور غور کے بعد لوگ اپنی اپنی رائے رکھیں گے اور ان امور میں اختلاف رائے اتحاد عالم اور ہمہ گیر برادرانہ جذبات کو کمزور نہ کر سکیں گے۔ آج بھی ہر ملت میں ایسے صاف دل اور روشن خیال لوگ موجود ہیں جو ان معاملات کو انسانی اتحاد و باہم خلوص و محبت کی شرط نہیں سمجھتے حیاس حقیقت اور شرافت کسی خاص ملک کسی خاص قوم یا کسی خاص مذہب اور امت میں محدود نہیں ہر ملک میں قابل احترام ہستیاں پیدا ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ آنکھ والے کے لئے ہر پیکر انسانی قابل احترام ہے

ہر کہ بینی بدان کہ مظہر او ست

چنانچہ کسی مخصوص ہستی کی امت کی بنا پر کسی خاص عقائد کی بنا پر انسانیت میں تفرقہ انداز مذاہب کا مٹنا لازمی ہے۔ شاعر کہ گیا ہے ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

پیغمبروں رشیوں اور برگزیدہ ہستیوں کے لئے ہر فرد بشر میں عام احترام ہوگا اور روشن ہستیاں عظمت کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔ لیکن اتحاد عالم اور عالمگیر برادرانہ جذبات کا احساس کسی خدا کسی پیغمبر کسی کتاب کسی مذہب کے ماننے پر مبنی نہیں ہے۔ یہ جذبات و احساس ہماری عریاں انسانیت کے لازمی نتیجہ ہیں۔ عریاں انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے والی ہے وہ اپنے بل پر خاص اپنی کیفیتوں سے اپنے آپ کو سنوارے گی۔ خوش حالی علمی ترقی اتحاد حمیت فنون لطیفہ اور ذاتی احساسات کی پھولی پھلی دنیا عریاں انسانیت کو مزین کرے گی۔ اور پر کیف بنائے گی۔ انسانیت اپنی توحید کا ڈنکا بجا کر رہے گی۔

یہی انسان کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

(رگھوپت سہائے فراق)



تاریخ جرمنی

ہمارے محترم دوست محمد خلیل صاحب فاروقی بی اے (علیگ) نے ذیل کا مضمون اپنے لطف و کرم سے "مرقع" کے لئے عنایت کیا ہے، یقین ہے کہ یہ مضمون ناظرین مرقع کے لئے خاص دلچسپی اور بیش قیمت معلومات کا باعث ہوگا۔ آپکو اپنے زمانہ طالب علمی میں علم تاریخ سے بیحد شغف تھا، اور ابتک اس سے وابستگی باقی ہے۔ آپکے زیر مطالعہ دیگر ممالک کی تاریخیں رہا کرتی ہیں لیکن جرمنی اور فرانس کی تاریخوں سے خاص طور پر دلچسپی ہے۔ ایک عرصہ سے خلیل صاحب زبان اُردو میں تاریخ جرمنی لکھ رہے ہیں، اور اسکا ایک معتد بہ حصہ لکھ بھی چکے ہیں۔ ہم نے ان سے یہ مضامین خاص مرقع کے لئے حاصل کئے ہیں جو انشاء اللہ بالاقساط اسمیں شایع ہوتے رہینگے، اور ایک مدت تک ناظرین مرقع کے لئے سامان دلچسپی ہونگے۔

زبان اُردو میں ابھی تاریخوں کی بہت کمی ہے۔ دارالترجمہ حیدرآباد اپنے انتہائی انہماک کے ساتھ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور ہمیں یہ دیکھتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ اکثر مفید تاریخیں اس مرکز علم و ادب سے عالم ظہور میں آ رہی ہیں۔ ایک ملک و قوم کو اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے اور اپنا وجود صفحۂ ہستی پر نمایاں کرنے کے لئے دیگر اقوام و ممالک کی تاریخوں کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ یورپ کی ہر شعبۂ زندگی میں موجودہ ترقیاں اسکی شاہد ہیں کہ یورپ نے کس طرح دیگر اقوام (جو اس سے پہلے متمدن اور تہذیب یافتہ تھیں) کی تاریخ سے فائدہ اُٹھایا۔ ملک روم و مصر و یونان کی قدیم تمدنی، معاشرتی، علمی و سیاسی خرمنوں سے خوشہ چینی کرنے کے بعد آج یورپ فضائے ترقی و کمال پر بلند پروازیاں دکھا رہا ہے۔

"تاریخ جرمنی" بھی اپنی نوعیت میں ایک غیرفانی مثال ہے۔ اسکا مطالعہ بھی بہت کچھ سبق آموز ہو سکتا ہے۔ اپنی ابتدائی تاریخ سے زمانہ حاضرہ تک جرمنی کو اپنا وجود قائم رکھنے کے لئے بڑے بڑے صعوبات اور مشکلات کا سامنا رہا ہے، اس میں جسقدر سیاسی و ملکی انقلابات ہوئے ہیں جن سے اسکی ہستی اکثر معرض خطر میں آ گئی ہے، انکی مثال کسی دوسری جگہ مشکل سے ملتی ہے لیکن چونکہ اس قوم نے اس شریف جوہر آزادی اور خودداری کا اچھی طرح احساس کر لیا تھا جو ہر قوم کے نفوس میں مضمر ہے، اس لئے اس نے اپنی پستی اور ذلت کی گہرائیوں سے اُبھر کر دنیا میں معراج کمال حاصل کر کے صفحات عالم پر اپنی زندہ مثال قائم کر دی۔ خلیل صاحب نے اپنے بسیط مضمون میں تاریخ جرمنی کی ابتدا سے لیکر جنگ عالمگیر سنہ ۱۹۱۴ء تک بہت ہی مفصل حالات نہایت عرق ریزی اور وسیع مطالعہ کے بعد قلمبند کئے ہیں جو انشاء اللہ قوم و ملک کے لئے بہت کچھ مفید ثابت ہونگے۔

مدیر

دیباچہ

جرمنی کی تاریخ کو بلحاظ چند وجوہات تمام دیگر ممالک کی تاریخوں پر فوقیت و امتیاز حاصل ہے، گو یہ کہا جاتا ہے کہ تاریخ یورپ کے مطالعہ کے لئے پہلے تاریخ فرانس سے آگاہ ہونا نہایت ضروری ہے اس لئے کہ انقلاب فرانس نے آزادی کی روح تمام یورپ میں پھونک دی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آزادی کی لہر انگلستان سے اُٹھی اور یہ آزادی امریکن انقلاب کی صدائے بازگشت تھی۔ [illegible] نے ایک عرصہ تک بڑی شان سے سرزمین فرانس پر نشو و نما پائی اور اُسکے اہم کارنامے ملک فرانس ہی سے متعلق تھے لیکن اسکے اثرات دیرپا نہیں ہوئے۔ فرانس کی ہاک گو تمام یورپ و ایشیا پر بندھ گئی تھی لیکن ویلنگٹن کے ایک ہی حملے نے میدان واٹرلو پر نپولین اعظم کی سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اس شکست کے بعد یورپ میں فرانس کا فوجی اثر بالکل زائل ہوگیا۔ اور پھر فرانس نے یورپ کو اپنے تحت میں رکھنے کی ایک عرصہ تک کوشش نہیں کی (صلحنامہ ورسیلز اور لوکارنو کے سمجھوتے سے اس وقت کوئی بحث نہیں ہے)

یہ ضرور ہے کہ فرانس کو اس لحاظ سے تمام دنیا کا اُستاد ضرور تسلیم کیا جاتا ہے کہ اُس نے لوازمات زندگی میں طرح طرح کے تکلفات اور تمدن حاضرہ کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جنکو ہر قوم اور ہر ملک نے بسر و چشم منظور کر کے انکی تقلید کی۔ اسکے علاوہ سرزمین فرانس نے بہترین ادبا و فلاسفر پیدا کئے ہیں جنکے خیالات زرین سے تمام یورپ مستفیض و مستفید ہوا ہے۔ اگرچہ یہ سب باتیں تاریخی اہمیت رکھتی ہیں مگر محض یہی کافی نہیں ہیں جنکی وجہ سے اس ملک کو دنیا کی تاریخ میں کوئی امتیازی عظمت حاصل ہو سکے کیونکہ تاریخ اُسی ملک کی دلچسپ ہوتی ہے جو زندگی کے ہر پہلو پر نظر ڈالتی ہو اور آئندہ نسلوں کو جسکا مطالعہ باعث تقویت اور ملک کے لئے موجب فلاح و بہبودی ہو۔

سرزمین جرمنی پر متعدد معرکۃ الآرا لڑائیاں ہوئی ہیں جنکے اختتام کے بعد محض یورپ ہی کے نقشے میں نہیں بلکہ تمام ایشیا و امریکہ کے نقشوں میں بھی تبدیلیاں واقع ہو گئی ہیں۔ تاریخ وسطی کے دو بڑے عنصر Papacy and Empire پوپ شپ اور ایمپائر جرمنی سے وابستہ ہیں۔ شارلس کے عہد سے لیکر فرانسس دوئم کے زمانہ تک Empire جرمنی ہی میں رہی۔ اور اُسکو پوپشپ و اٹلی کے معاملات میں ہمیشہ زیادہ دخل رہتا تھا۔

Reformation (عہد اصلاح و تبلیغ) کا طوفان سرزمین جرمنی ہی سے اُٹھا جسکا بانی Luther لوتھر جرمنی کا باشندہ تھا جس نے عیسائی دنیا میں دو فرقے پیدا کر دیئے۔ اسی ملک میں ہوئی دو صلحنامہ ویسٹفیلیا نے تمام یورپ کے نقشہ کو تبدیل کر دیا۔ اگر ہم شخصیت پر غور کریں تو جرمنی کو تمام ممالک کی شخصی حیثیت کے صف اول میں نمود اور ممتاز رہنا پڑیگا۔

(باقی آئندہ)

شوق، شوق شوق

جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ صاحب شوق ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر

سامنے ساغر ہے معمور پیمانہ رہے ۔ بزم رندانہ رہے۔ ساقی میخانہ رہے
دل کے پردے میں نہاں تصویر جانانہ رہے ۔ کچھ دنوں تو بیخودی میں تیرا دیوانہ رہے
آہ سوزاں کو مبارک دل کا غمخانہ رہے ۔ کچھ دھواں اٹھتا رہے آباد ویرانہ رہے
محو حیرت میں رہا کچھ ایسا شوق دید میں ۔ کچھ نہ دیکھا گو وہ دل میں بے حجابانہ رہے
اک بلاکش کو اٹھے دنیا سے مدت ہو چکی ۔ جانیوالے کا کہاں تک یاد افسانہ رہے
وقت رخصت یہ دعا ساقی کو دیکر ہم اٹھے ۔ جلوہ گاہ دخت رز تیرا یہ میخانہ رہے
ایسی جلدی کیا ہے رہنے دو۔ نہ کھینچو تیر کو ۔ کچھ دنوں تو اب لب پیکان میں پیمانہ رہے
شمع کو ہے خاطر پروانہ گر مد نظر ۔ پردۂ فانوس میں بھی بے حجابانہ رہے
شوق جاؤ شوق سے مسجد میں تم بہر نماز ۔ ہو نہ ترک وضع سب انداز مستانہ رہے

جناب سید وصی صاحب شوق بلگرامی

تم نے پوچھی نہ کچھ کبھی دل کی ۔ دل کی دل ہی میں رہ گئی دل کی
نہ کبھی آپ نے سُنی دل کی ۔ نہ کبھی میں نے کچھ کہی دل کی
ہوگا روشن ضمیر پیر مغان ۔ باتیں بتلاتے میں نئی دل کی
دل ہی شرط آدمیت ہے ۔ قدر کرتا ہے آدمی دل کی
تیرا تیر نگاہ ہے دلدوز ۔ اس سے مشکل ہے جانبری دل کی
گر ہوا و ہوس سے خالی ہو ۔ بات ضائع نہو کبھی دل کی
دل کے گاہک ملے ہیں میں بہت ۔ ہو جہاں میں مگر کمی دل کی
دل ہی سے نہ پوچھی خواہش دل ۔ تم نے خاطر کبھی نہ کی دل کی
بڑھ گئی اور شوق حسرت دل ۔ نکلی حسرت بھی گر کوئی دل کی

(از جناب ڈاکٹر مہادیو پرشاد صاحب شوق لکھنوی)

کٹی ہیں ہجر کے غم کی راتیں تڑپ تڑپ کر سحر ہوئی ہے ۔ نہ پوچھیے حال مجھ حزیں کا یہ عمر یونہیں بسر ہوئی ہے
پھری ہے مجھ سے نظر کچھ ایسی کہ پھر ترچھی نظر ہوئی ہے ۔ جو میرے دل میں کھٹک رہی تھی وہ پھانس اب نیشتر ہوئی ہے
اٹھے تم بستر سے شادماں ہم بڑا یہ ہوگا شب غم ۔ چمک رہی درد جگر کی ہمدم انہیں سمجھ سحر ہوئی ہے
نظر کر ہستی و عدم پر کہاں کے فتنے کہاں کا محشر ۔ جب انکی ترچھی نظر ہوئی ہے ادھر کی دنیا ادھر ہوئی ہے
ہنسے ہیں شمع لحد بجھا کے چلے میں بجلی سی گر کے ۔ وہ جلا رہے ہیں جلا کے ہمیں بھی کسی کی خبر ہوئی ہے
نہ بیکسی میں میری آہیں بے اثر ہی نکلے ہیں بیر نالے ۔ کوئی یہ کہدے کہ سونیوالے خبر بھی ہے دوپہر ہوئی ہے
فراق کی شب کچھ ایسی تھی کہ کٹی نہ کاٹے سے تا قیامت ۔ جب آیا خورشید حشر سر پر تو ہم یہ سمجھے سحر ہوئی ہے
کچھ آنکھ نرگس کی بھی ہے پرنم ٹپک رہی ہیں کچھ اشک شبنم ۔ چمن میں اسکا ہے آج ماتم گلو نہیں جسکی بسر ہوئی ہے

نہ کام دیگی جو آہ میری، کہے گی ان سے نگاہ میری
کہانی اے شوق درد و غم کی۔ اب اسقدر مختصر ہوئی ہے

رباعیاں

(جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواں ایم اے ایل ایل بی اناؤ)

تقدیر کا راز فاش ہو جائے نہ کہیں
ہو جائے تلف معاش ہو جائے نہ کہیں
اک لذت غم ہے دو جہاں کی خوشیاں
صدقے ہو جائیں۔ کاش ہو جائے نہ کہیں

رباعی اثر

(جناب مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی بی اے ڈپٹی کلکٹر)

دنیا ہے مرا آئینہ تصویر وجود
سمجھی تھی ابھی سجدۂ نقش سجود
پنہاں تھی فطرت میں بیرون و مکان
ہر سادہ ورق تھا اور تو معبود

تاریخ اجرائے مرقع

عطیۂ افصح الفصحا استاذی حضرت حمد بلگرامی لکھنوی مدظلہ

مقبول خود ہیں وصل مرقع ہے جن کا ۔ دھوم اسکی چار سمت زمین و زمان میں ہے
تاریخ لکھدو حمد تم اس کے شیوع کی
مقبول یہ مرقع شاعر جہان میں ہو

۱۳۴۴ھ

قطعہ لسان القوم حضرت صفی لکھنوی

شاعری کیا ہے؟ عرضِ صورتِ حال
حُسنِ تخئیل پر ہے جس کی اساس

بے تکلّف جو ہو تو ہے بلّور
بے تکلف نگینۂ الماس

حُسنِ صنعت کو اس مین دخل نہین
دردِ دل ہے جسے بھی آئے راس

جانگداز اک دماغ سوزیِ فکر
وہی شاعر ہے دل ہو جس کے پاس

نقلِ فطرت ہے شاعری در اصل
محض صنعت جو ہو خلافِ قیاس

ہوگی صورت کشی بہ حسبِ مُراد
ذہن شاعر اگرچہ ہے عکاس

شاعری صرف اُسی کو زیبا ہے
نوعِ انسان کا ہو جو نبض شناس

یون تو ہے شاعری کی یہ کثرت
جیسے اُگتی ہے مزبلون گھاس

ملک اِس درجہ قدر دانِ سخن
کہ ہے تقاضائے شاعری افلاس

پھر بھی تانے ہوئے ہین اک چرخہ
جنکے قبضہ مین سوت ہے نہ کپاس

کاغذی پھول اگرچہ ہین خوش رنگ
اُن مین مانندِ گُل کہان بُو باس

کم ہین ایسے جرائدِ ادبی
کہ فرائض کا ہو جنہین احساس

دیکھین اہلِ نظر "مرقع" وصل
ہے جو شیرازہ بندِ ہوش و حواس

ہے "مرقع" کہ نقشِ بوقلمون
یا مذاقِ سلیم کا مقیاس

حُسنِ ترتیب ہی سے ظاہر ہے
مہتمم کی ذکاوتِ احساس

ہم بغل حسنِ معنی و صورت
جیسی تصویر ویسا رنگِ لباس

دل نے چاہا صفی کہ تمہیداً
سالِ اجرا ہو زینتِ قرطاس

اوّلاً مین نے دل سے عذر کیا
جب یہ دیکھا کہ ہو رہا ہے اُداس

دیدیا کہکے مصرعِ تاریخ
نقشِ دلکش مرقعِ حسّاس
۱۳۴۴ھ

آئینۂ "مرقع"

حضرت محشر لکھنوی

"مرقع" کیا ہے آئینہ ادب کا
نمایان علم کا جس سے ہے جلوا

"مرقع" آئنہ مضمون جو ہر
صفائی کے عیان ہین جس سے دفتر

"مرقع" محفلِ اہلِ قلم ہے
کہ نظم و نثر کا دفتر بہم ہے

"مرقع" جلوہ زارِ طورِ معنی
نگاہِ معرفت مشکورِ معنی

"مرقع" مخزنِ اسرارِ حکمت
"مرقع" معدنِ اسرارِ حکمت

یہ اک گلدستۂ اربابِ فن ہے
چمن ہے اور کیا رنگین چمن ہے

نمایان ہے قلم کی سحرکاری
فروزان کوکبِ معجز نگاری

خموشی مین بیان کی شکل پیدا
ہر اک نکتے مین سو معنی ہویدا

حکیمانہ روش پر شانِ تحریر
ہر اک جملے کو کہیے جانِ تحریر

"مرقع" یہ ہے یا تصویرِ محبوب
کہ عکس افگن ہوئی تنویرِ محبوب

فروغِ محفلِ علم و عمل ہے
تجلیِ دلِ علم و عمل ہے

بہار اندر بہار اک اک چمن ہے
کہ رخسارِ نگار اک اک چمن ہے

"مرقع" شرحِ عشق و حسنِ جانان
عیان ہین سیکڑون جذباتِ پنہان

کمالِ فن کا مرکز ہے یہ دفتر
جواہر ہین ہو تو کھل جائین جوہر

کہین سوز و گدازِ باطنی ہے
کہین راز و نیازِ باطنی ہے

کہین ہے وارداتِ دل کا احوال
کہین خلوت کہین محفل کا احوال

کہین مہمانسرائے طور کا ذکر
کہین ہے سعیِ نامشکور کا ذکر

کہین ذکرِ مجازی و حقیقی
کہین تفصیل سے یہ بھی ہے وہ بھی

کہین طولِ شبِ فرقت کا شکوہ
کہین کوتاہیِ قسمت کا شکوہ

کہین نیرنگیِ دنیا کے قصے
کہین آہ فلک پیما کے قصے

کہین کوشش ہے اصلاحِ زبان کی
کہ نکلے راہ تاثیرِ بیان کی

فنِ تاریخ کا مبسوط دفتر
کہ معلومات سے مملو سراسر

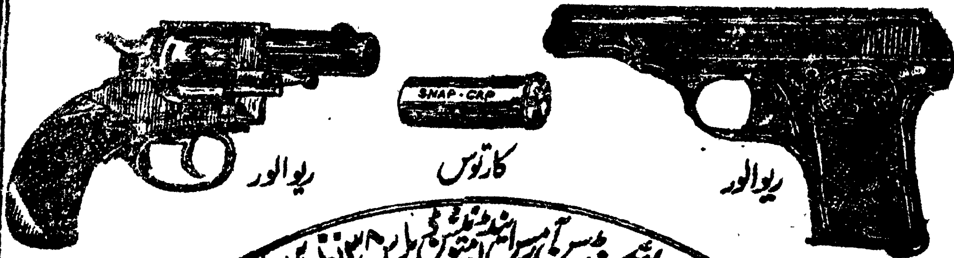
پئے اصلاحِ فن نکلا "مرقع"
کہ اُردو کا ہے اک دریا "مرقع"

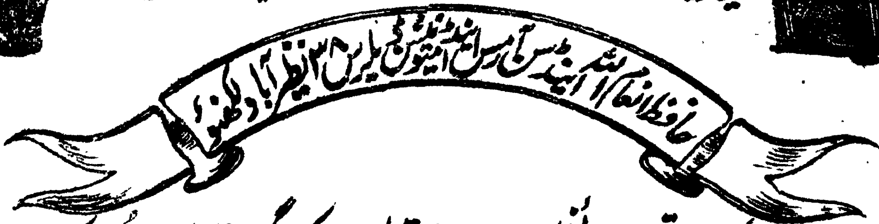
اڈیٹر اُس کے وصل بلگرامی
ادیبِ نکتہ دان مشہور و نامی

کمالِ فن کے شیدا خود بھی کامل
یہ رکھتے ہین معانی آشنا دل

لکھو تاریخ محشر دل سے بیتاب
مرقع منظرِ اسرار نایاب
۱۹۲۶

قلم سے سالِ ہجری بھی ہو موضوع
مرقع ہے نگارستانِ مطبوع
۱۳۴۴





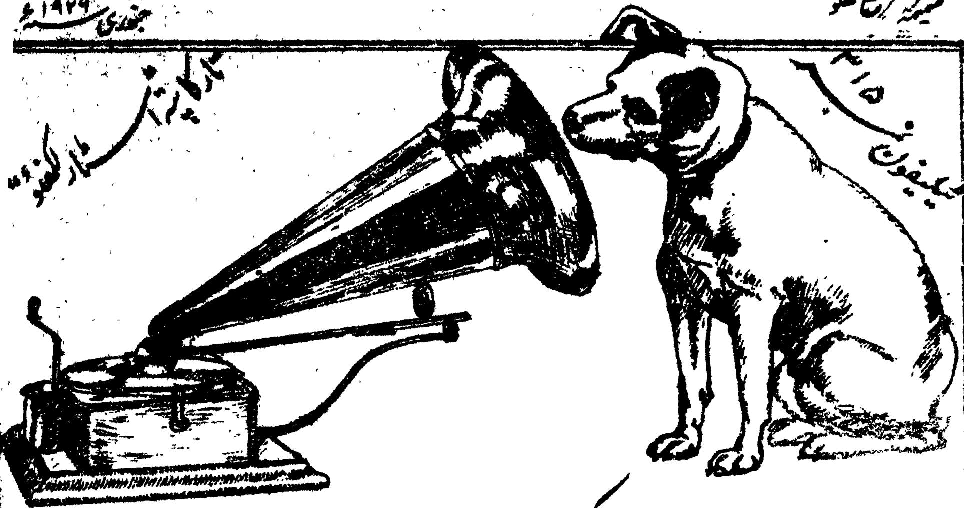
ہر قسم کی بندوقین - رائفل - ریوالور - پستول - اسٹک گن - تلوارین - چھرے
اور ٹم وغیرہ نیز کارتوس - چھرہ - باروت اور جملہ سامان شکار تمام کارخانون سے ارزان اور مناسب قیمت پر
مرقومہ بالا کارخانہ سے دستیاب ہوتا ہے - تمام راجہ مہاراجہ تعلقداران رؤسا اور دیگر لائسنس یافتہ
حضرات پچیس سال سے برابر اس کارخانہ کی امداد اور قدردانی فرماتے رہتے ہین -

آرڈر کے ساتھ کم از کم چہارم قیمت آنے پر بقیہ مال بذریعۂ وی - پی - روانہ کردیا جاتا ہے - وہ حضرات جو
مستثنیٰ ہین آن کو نمبر اور تاریخ نوٹیفکیشن جس کے ذریعے سے گورنمنٹ نے مستثنیٰ کیا ہے فرمائش کے ساتھ اپنے
دستخط کرکے بھیجا کرین - لائسنس دار صاحبان کو فرمائش کے ساتھ اپنا لائسنس بھیجنا ضروری ہے جو انکو بعد
اندراج ضروری واپس کردیا جائیگا -

ایک مرتبہ ضرور آزمایش فرمائیے

مفصل فہرست مفت

منیجر حافظ انعام اللہ اینڈ سنس
آرمس اینڈ امیونیشن ڈیلرس نظر آباد لکھنؤ



گراموفون کمپنی کے ایجنٹ لکھنؤ مین

سلطان کمپنی نمبر ۴۰ (چالیس) امین آباد پارک مین

جو ہر قسم کے

گراموفون و نئے نئے گانون کا عمدہ اسٹاک رکھتے ہین

ایکمرتبہ ضرور تشریف لا کر یا فہرست منگا کر سرفراز فرمائیے



مشہور عالم دواخانہ معدن الادویہ کے چند تیر بہدف مجربات زیر سرپرستی

جناب مسیح الملک حکیم سید فضل علی صاحب عرف میر نجف صاحب قبلہ

معجون مغز سر کنجشک نر — دل و دماغ اور اعصاب کو قوت دیتی ہے باہ کو بے انتہا قوت بخشتی ہے اعضائے رئیسہ کی کمزوریوں کو دور کرتی ہے ۔ اس معجون کی شہرت بہت ہو چکی ہے اور اسقدر مزاج کے موافق ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد لوگ بار بار طلب کرتے ہین یہ معجون دواخانہ معدن الادویہ ہی مین بنتی ہے اور یہین سے مل سکتی ہے پہلے ایسی چیزین ہزارون روپیہ صرف کرنے پر رؤسا کو حاصل ہوسکتی تھین مگر اب اس دواخانہ کی بدولت ہر شخص کو فائدہ اٹھانیکا موقع حاصل ہے قیمت فی بکس خوراک مع محصول ڈاک ہے

حب کیمیائے عشرت — رقت اور سرعت کو دور کرتی ہین باہ کو قوت اور مادہ تولید کی خرابی کو دور کرتی ہین ۔ جریان کے واسطے اکسیر ہین اور خوبی یہ ہے کہ بے انتہا ممسک ہین ۔ چالیس دن کے استعمال سے ناقابل برداشت قوت پیدا ہوتی ہے ۔ اس کا فائدہ ایسے ظاہر ہے کہ دواخانہ باوجود کثرت سے تیار کرنے کے اکثر فوری تعمیل سے قاصر ہوجاتا ہے ۔ قیمت بیس خوراک عـہ ۔

ماء اللحم انگوری دوآتشہ — دل و دماغ و جگر اور تمام اعضائے رئیسہ کو قوت دیتا ہے ۔ مفرح قلب ہے ۔ ہاضم طعام ہے ۔ خفقان وحشت اور اختلاج کے لئے مفید ہے مقوی باہ ہے ۔ تمام بدن کی گئی ہوئی قوت کو از سر نو پیدا کر دیتا ہے جسم مین خون دوڑنے لگتا ہے

قیمت فی بوتل ۶ـ

طلائے مسیحی — یہ وہی طلا ہے جو ایک مدت سے دواخانہ معدن الادویہ مین تیار ہو رہا ہے جسکے استعمال سے برسون کے مصیبت زدہ اور زندگی سے مایوس ہو جانیوالے حضرات کو لطف زندگی حاصل ہو گیا اس کے استعمال کے دو تین روز کے بعد ہی سے زائل شدہ قوت عود کرنا شروع ہوتی ہے اگر باقاعدہ اپنے افعال سے توبہ کرکے اسکا استعمال کیا جائے تو اصلی قوت پیدا ہو جاتی ہے ضعف اعصاب کا بہترین علاج ہے ۔ مایوس اور نامرادون کی امید کو پورا کرتا ہے ۔ قیمت فی شیشی ۲ ماشہ ہے

منعش — یہ ایک خاص دوا ہے جو جناب مسیح الملک کا عطیہ ہے ۔ حرارت غریزی کے ابھارنے اور قوت مردمی کے برانگیختہ کرنے مین اپنا نظیر نہین رکھتی اعضاء کو طاقت بخشتی ہے جریان کو دور کرتی ہے ۔ امساک پیدا کرتی ہے اور اسقدر طاقت بڑھاتی ہے کہ فراغت کے بعد بھی تکان نہین محسوس ہوتی ۔ تجربہ شرط ہے ۔ ۲۰ خوراک عہ

المشتہر

حکیم سید محمد عباس منیجر دواخانہ معدن الادویہ وکٹوریہ اسٹریٹ
لکھنؤ



بحری قزاق

مولفۂ جناب مرزا باقر حسن صاحب موزون بی ایس سی

امیر یعقوب کا اپنے گمشدہ لڑکے کی تلاش

الیاس و لیلیٰ کے حسن و عشق

قیمت فی جلد عہ

سلیم شاہ کی مکارانہ چالین ہشام یا خلیل الرحمن کی خوفناک ڈکیتیان سلیم شاہ کی عبرتناک موت خلیل الرحمن کا حسرتناک انجام وغیرہ

بالکل نیا اور نہایت ہی دلچسپ سراغرسی کا نتیجہ خیز فسانہ

بہرام کی رہائی

مولفہ مشہور فسانہ نگار مرزا رسوا صاحب بی۔ اے ڈاکٹر آف فلاسفی اینڈ ڈی لیس

جس مین بہرام کی رہائی کے حیرت انگیز واقعات اور اسکے عجیب و غریب کارنامے، سیاہ پوش قاتل کی پراسرار زندگی اور خوفناک جرائم کا ارتکاب بہرام اور مہاراجہ کی پوشیدہ ملاقاتین اور سنسنی خیز مخفی رازون کا پرلطف انکشاف نہایت ہی موثر دلکش و دل گداز انداز سے بیان ہوئے ہین سراغرسانی کے تمام ناولون مین اپنے رنگ ڈھنگ کا نرالا اور بہترین فسانہ ہے کاغذ نہایت نفیس چکنا لکھائی چھپائی دیدہ زیب ٹائیٹل پیج پر نہایت خوبصورت فوٹو کا رنگین بلاک

قیمت ۲ عہ

کروڑپتی چور

جسمین عجیب و غریب واقعات شاطر چور کے پرفتن کرتوت قابل جاسوس کی حیرت افزا کارگزاریان، بیگناہ کی اسیری عدہائی تعجب انگیز نظارے، قتل و غارت کی عبرتناک سین مختصر و موثر الفاظ مین دکھائے گئے ہین خوشنما بلاک قیمت عہ

پتہ

منیجر جنٹلمین بک ڈپو امین آباد لکھنؤ



ہزارون مین چند رایون کا خلاصہ

اودھ اخبار لکھنؤ مورخہ ۲۹ مئی سنہ ۱۹۱۳ء - اودھ شفاخانہ کے مجربات

ہمارے صوبہ کے نامور و با وقار طبیب جناب ایس - اے - حکیم صاحب بانی و مہتمم اودھ شفاخانہ لکھنؤ نے اپنے بیش بہا مجربات کے ذریعہ سے جو کامیابی حاصل کی ہے اور جسکا ہمکو اور ہمارے معاصرین نیز دیگر اہل فن حضرات کو اکثر موقعون پر اعتراف کرنا پڑا ہے اس سے فن طب کی تجدید مین بڑی مسیحائی ظاہر کی ہے فی الواقع بعض امراض مین انکے معالجات کی زود اثری حیرت مین ڈالنے والی ثابت ہوئی ہے - عموماً ضعف جسمانی و کمزوری اعصاب کے تدابیر علاج پردہ خفا مین ... اب جبتک ہمکو معلوم ہوا ہے انہون نے اس صنف علاج مین کمال حاصل کر لیا ہے اور ... ادویہ اسکو ایک بکس کے اندر پبلک کے سامنے پیش کرتے ہین جس سے کم قیمت استطاعت شخص بھی گھر بیٹھے اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے ... اسکی ... تین قسمین ہین اور انکی قیمت ... [illegible] ... امید ہے کہ ملک اسکی قدر ... افزائی مین ... کی [illegible] ... اور حکیم صاحب ... سے بھی توقع ہے کہ ملک کی قدر افزائی بڑھیگی قیمت خریدنے کی بابت ... زیادہ آسانی سے فائدہ اٹھانیکا موقع دینگے (پانچ روپیہ کے بکس مین ادویہ بطور نمونہ ہین -)

ہزارون مین سے چند رایون کا خلاصہ

ایک پیشہ ور

جو لوکل کمیٹی آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کے سکریٹری آنریری مجسٹریٹ و خان بہادر شاہی شفاخانہ کے سپرنٹنڈنٹ اور لکھنؤ کے مشہور شاہی خاندانی طبیب جناب حکیم نظیر حسن خان صاحب بالقابہم تحریر کرتے ہین "سلک کے ہمارے ہم پیشہ عزیز دوست ایس - اے - حکیم سخاوت علی صاحب کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہون نے سالہا سال کی محنت اور جانفشانی مین اپنا قیمتی وقت و زر کثیر صرف کرکے چیدہ چیدہ ... انتخاب کین اور ہم پہنچائی ہین جس سے حاجتمندون کو فائدہ پہونچ رہا ہے اور آئندہ پہونچنے کی امید ہے حکیم صاحب کی تحقیق امراض پیچیدہ اور مہلک امراض مین نہایت قابل تحسین و آفرین ہے اگر حکیم صاحب کی کوشش اسی سرگرمی سے جاری رہی تو طب یونانی اور ویدک کی ترقی مین ایک ... اضافہ ہوگا" نظیر حسن حکیم جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

جناب حکیم مولانا سید عبدالحی صاحب رئیس بریلی و ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ - ۳۰ اگست سنہ ۱۹۰۹ء : "ایس - اے - حکیم صاحب کی دوائین بہت سود مند ہوتی ہین اور بلا ضرر ہین"

جوانی کی بیوقوفیون (غلط کاری) نامردی و سستی ہر قسم کا مکمل علاج نمبر ۱ اور ۲

مسلم گزٹ لکھنؤ مطبوعہ ۱۳ - دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء

لکھنؤ کے مشہور حکیم ایس - اے - حکیم سخاوت علی صاحب کو آل انڈیا ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس نے انکی خدمات جلیلہ متعلقہ طب یونانی کے صلہ مین اول درجہ کی سند عطا فرمائی ہے آپکی تیار کردہ ادویات طب یونانی کے اعلیٰ اصول پر بنائی جاتی ہین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے دوائین اپنی آپ نظیر ہین -

المشتہر - سپرنٹنڈنٹ

علاوہ ازین ہزارہا سرٹیفکٹ رؤسا - راجگان - نوابان عمائد و معززین خاصکر ڈاکٹرون - حکیمون اور ویدون کے موجود ہین

فہرست ادویہ ذیل کے پتہ سے مفت طلب فرمایئے

اودھ شفاخانہ - لکھنؤ

ہمارے مطبوعات

دھنیا مہری یا افضل النساء خانم

عہد حضرت سلیمان جاہ نوشیروان عادل نصیر الدین حیدر بادشاہ کا دلچسپ واقعہ دھنیا مہری کا پستی سے انتہائی عروج پر پہونچنا حسن و عشق کے دلکش مناظر تدریجاً حسن خدمات و سلیقہ مندی سے ترقی انتظام کی خوبیاں محلات کے دلکش واقعات عجیب و غریب مناظر بیگمات کے عروج و زوال کی حیرت انگیز تصویریں دھنیا مہری کے تحیر افزا کارنامے اور ارکان سلطنت کی خودغرضانہ کارروائیاں خصوصاً قدسیہ محل اور بادشاہ بیگم کی باہمی خانہ جنگی کے تعجب خیز حالات ملک کے مشہور رئیس القلم افسانہ نگار نے نہایت حسن و خوبی سے مرتب کیے ہیں ٹکسالی اردو شاہی محلات کی گفتگو اس زمانہ کا طرز معاشرت وغیرہ عمدہ پیرایے میں حوالہ قلم کیے ہیں جنھیں دیکھ کے انسان پہروں وجد کرے قیمت ۱۴/

مالوہ کی بیگم (یا) معرکہ عیدل گڈھ

خاقان اکبر ادہم علی سہانی والی مالوہ کی لڑائیاں حسن آرا بیگم زوجہ نواب مالوہ کی وفاداریاں عاشقانہ چالیں حسرتناک عشق و دغابازی سہانی کی موت حسن آرا بیگم اور شہنشاہ اکبر کے دربار کی حیرت پاش تصویریں قیمت ۸/

گلباز شاہی چور

لکھنؤ کے مشہور گلباز شاہی چور میر غلام عباس کے عجیب و غریب کارنامے بی حیدر جان سے عشق جلسہائے عشرت کے دلچسپ مناظر چوریوں کے اقسام اور نئی نئی ترکیبیں حیرت انگیز اور دعوے کی چوریاں زندگی بھر اسی طرح گزارنا اور قید و مصیبت سے بچتے رہنا بے مثل عیاریاں بے نظیر چالاکیاں سراغرسانی کے جدید خود ساختہ طریقہ لکھنؤ کے انداز گفتگو کا لطف قیمت ۱۰/

دلہن کی چوری

عین شب عروسی میں دلہن کی چوری۔ بدمعاشوں کی چالیں رقابت کے بھڑکتے ہوئے شعلے۔ آدھے دائرے کا راز یہ عجیب و غریب الفاظ کا بھید حسن و عشق کے دل خوش کن انجام پر گہری روشنی ڈالی ہے قیمت ۱۴/

نیرنگ شباب یا برف کی دیوی

دلکش افسانہ صورت پرستوں کے لیے تازیانہ شباب کی قدر و قیمت انگلش نازنین کی کہانی

مغربی معاشرت کا فوٹو دو روپیہ

پیکر جمال معشوقہ

محبت، ظلم و نفرت، جفا و وفا حسرت و افسوس، شک و شبہ، بیم و رجا، تسلیم و رضا، حق و صداقت عروج و زوال کے نتائج انجام نیک و بد کی خوشنما تصویر قیمت ۱۲/

شریف نوجوان

مسلمان امیرزادہ کا ایک پارسی خاتون سے عقد دوستی رقابت طرح طرح کے مصائب، ڈاکوؤں میں گرفتار ہونا ندامت کے بعد ایک نیک سیرت خاتون کی عشق وفاداریاں قیمت ۱۴/

مشہور انشاپردازون کے قلم سے

نئے ترجمے نئے ناول

جو اُردو دان کیلئے بالکل نیا ذخیرہ ہے

مراکش کا خونی ڈاکو

ہسپانیہ کی ریف پر چڑھائی ایک صاحب تعقل خونی ڈاکو کے حالات باپ بیٹے کی جنگ حسن عشق کی بحو یہ کاریان راز و نیاز کی معرکہ آرائیان، خدائی فیصلہ کا حیرت انگیز نتیجہ۔ افشاے راز پاداش عمل۔ حق کی کامیابی۔ تاریخی پلاٹ قیمت ۸/

حسن عیار

ایک بوسہ مین تمام عمر کی کمائی کا صفایا، شاطرانہ چالین اور سراغرسانی کی اعلیٰ کیفیت دیکھنی ہو تو اس ناول کو دیکھئے سچے عاشق و معشوق کی عیارانہ چوٹین، کامیابی اور ناکامی کی زندہ و اصلی تصویرین، سادہ مکار کا دولت کمانا۔ قیمت ۸/

عہدے دار چور

انگریزی سفارتخانے کا ایک بڑا عہدے دار چوری کرتا ہے اور وہ واقعات جو اُسکو بجرم پر مجبور کرتے ہین حیرت انگیز ہین پھر چور کی نئے انداز سے گرفتاری ہوتی ہے مختصر افسانہ ہے لیکن انتہائی دلچسپ۔ اگر پسند نہو تو واپس۔ قیمت ۱۲/

پریشان حسینہ یا خونی تاج

ایک خودمختار سلطنت کی زندگیون کے ہولناک راز۔ ظالم چچی کی اپنی بھتیجی سے دغا اور سلطنت کی نمک حرامی رعایا کی بغاوت۔ باغی کپتان کا حال۔ بادشاہ کی شرافت حسینہ کا انتخاب حسن وعشق کے پرپیچ واقعات دلبر قاتل بہادر مقتول۔ دوستون کی بے وفائی سلیس اور شستہ پیرایہ مین لکھی ہین۔ قیمت ۸/

خوفناک روسی یا چالاک چور

سرکاری ٹکسال سے نوٹون کے کاغذ اور ٹھپے کی چوری چالاک چور کی مفروری جاسوسون کا تعاقب بیگناہ جاسوس کی اسیری اور رہائی۔ بغاوت کی خفیہ تیاریان نرم نرم۔ ہوائی جہاز کی پرواز مسرت ریز مناظر قیمت ۸/

حسن پرست

محبت کے پاک جذبات کا مدوجزر اصول معاشرت کا نہایت حسین مرقع اعلیٰ درجہ کا ناول قیمت .... عہ

آئینہ زندگی

ہندوستانی مسلمانون کا تمدن و انداز معاشرت اصول خانہ داری کا معلم مستورات کیلئے نعمال کا مرقع۔ سرزمین مصر اور ہندوستان کے نقش حسین نیکی بدی محبت و عداوت بغض و حسد کی سبق آموز مثالین حقائق عالم کا آئینہ۔ نیک خاتون کی مصیبتین اور انجام کار راحتون کا تذکرہ قیمت ۱۲/

خونی شوہر

انگریزی کے ناول کا ترجمہ لندن کے ایک ڈاکو کی شاطرانہ چالین حیرت انگیز چوریان بیٹے اور بیوی کا قتل جاسوس کے محیرالعقول کارنامے حسن وعشق کے کرشمہ قیمت ۱۲/

بے سروسامان

ایک زندگی کی عبرت انگیز سرگذشت ... تاریخی ناول قیمت ۱۲/

سرخ محل

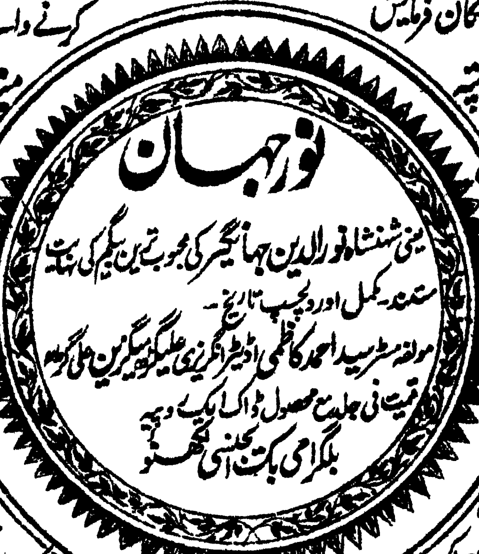
ایک معاشی مہاجن کی جاہین سرخ محل کے عجیب و غریب واقعات اور سرخ انگوٹھی کا بھید سبب کی چوری کردہ سے راز اُٹھنے کے اسرار جاسوسی کے تعجب انگیز کارنامے قتل کے واقعات پیچ در پیچ واقعات سلسلہ وار کی کشمکش قیمت صرف ۸/

ناول منگانے کا پتہ۔ جمیل بکڈپو درگاہ روڈ لکھنؤ

محصول ڈاک ذمہ خریدار ہوگا



بلگرامی بک ایجنسی



نورجہان
یعنی شہنشاہ نورالدین جہانگیر کی محبوب ترین بیگم کی نہایت مستند۔ مکمل اور دلچسپ تاریخ۔
مولفہ مسٹر سید احمد کاظمی اڈیٹر انگریزی علیگڑھ میگزین علی گڑھ
قیمت فی جلد مع محصول ڈاک ایک روپیہ
بلگرامی بک ایجنسی لکھنؤ

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند
(عطیہ علامہ سر اقبال)

مرقع

دارالادب لکھنؤ کا مقبول و جہان عزیز جریدہ
۱۳۴۴ھ

مرتبہ
سید مقبول حسین وصل بلگرامی

"مرقع" کے قواعد و ضوابط

۱) مرقع ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو دارالادب لکھنؤ سے شائع ہوگا

۲) مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے جو پیشگی وصول ہونا چاہئے

۳) مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہوئے روانہ نہیں ہو سکتا

۴) مرقع کی قیمت رؤسا و دیگر معزز اصحاب و اراکین مربیان کی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے

۶) خط و کتابت کے سلسلہ میں نمبر خریداری کا لکھنا ضروری ہے

۷) رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ تک آ جانا چاہئے۔

۸) کوئی مضمون ایسا شائع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرے۔

۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و نثر درج ہونگے جو خوبیوں کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔

۱۰) مرقع کو موجودہ پالٹیکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہ ہوگا

۱۱) تنقیدی مضامین بھی اس میں شائع ہونگے، مگر وہی جن میں خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی ضد کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا

۱۲) ایسے مضامین جن میں کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اس میں ایسے مضامین ہوں جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شائع نہونگے

۱۳) جس نظم و نثر کے مضمون میں زبان، لغت یا فن کی غلطیاں ہونگی اسوقت تک شائع نہ ہوگا جب تک اسکی بابت تصحیح کی اطلاع پاکے خود صاحب مضمون نہ کر دیں۔

۱۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل آزار یا متعصب ثابت نہ ہوگا

۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے ناظرین کے خواہ وہ اہل برادری ہوں یا اہل اخبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اپنی بات پر قائم رہیگا۔

مدیر مرقع لکھنؤ

مرقع میں اشتہارات بھیجتے وقت

ذیل کا نرخ نامہ ملاحظہ فرمائیے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ	دسہ	عسہ
چھ ماہ کے لئے	دسہ	عسہ	عہ
تین ماہ کے لئے	عسہ	صعہ	سے ر
ایک ماہ کے لئے	سے	صر	سے ر

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے۔

منیجر مرقع لکھنؤ

جہاں مرقع تصویر حسنِ دوست تمام ‏ — ‏ بہ حیرتم بہ کہ بندم دل از کہ بردارم

فہرست مضامین

فروری ۱۹۲۶ء

صدائے قبولیت

اور

حضرت آرشد تھانوی کا گرامی صحیفہ

"مرقع" کا ابھی پہلا ہی نمبر شایع ہوا کہ ملک کے مختلف گوشوں سے صدائے لبیک کی سنائی دی، اسکی پزیرائی کی آوازین کانون مین آنے لگین۔ بہت سے مبارک ہاتھ اسکی قدر افزائی کے لئے بڑھے، ہماری ہمت اور ہمارے استقلال کو انہون نے اور بڑھایا۔ ہمارے معاصرین اخبار و جرائد نے بھی اسکو نظر استحسان سے دیکھا اور انمین کی ایک نے نقد و تبصرہ بھی فرمایا۔ ارباب فن، اساتذۂ باکمال اور ارکان ادب نے اپنے مکتوبات گرامی مین ہماری محنت و جانفشانی کی ہمت بخش داد دی، اور اپنے مفید مشورون سے ہمین سرفراز فرمایا اور ہمارے احباب اور قدر دانان ادب نے اسکی توسیع اشاعت کی طرف توجہ کی اور وعدے کئے اور ہمین ممنون منت فرمایا۔ انشاء اللہ اسکا لحاظ رکھا جائیگا۔ مرقع کی ہر آیندہ اشاعت اپنی خوبیون و محاسن کا سرچشمہ ہوگی اور جو مفید مشورے دیئے گئے ہین انپر عملدرآمد کیا جائیگا۔ آیندہ جو خامیان نظر آئینگی وہ برابر رفع ہوتی رہینگی اور ہر اضافہ ضرورت کے موافق ہوگا۔ اس ضمن مین خصوصیت کے ساتھ اسماے ذیل قابل ذکر ہین

عالی جناب مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی۔ جناب نواب فصاحت جنگ جلیل القدر حضرت جلیل۔ جناب نواب اختر یار جنگ حضرت اختر مینائی۔ جناب لالہ وحید الدین صاحب سلیم۔ جناب ہوش بلگرامی۔ جناب صادق ایوبی۔ جناب خان صاحب آغا علی خان صاحب رئیس آزاد۔ جناب آثر صہبائی۔ جناب شاہ نذیر ہاشمی۔ جناب مولانا محوی صدیقی۔ جناب سید رضی الحسن صاحب رضی کاکوروی اور جناب ارشد تھانوی (وغیرہم)۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے مکتوبات گرامی سے اس وقت کہ "مرقع" کا ابھی دوسرا نمبر بھی شایع نہین ہوا "مرقع" کی بہترین نظر آرہی ہے۔ ہم ان تمام حضرات کی کرمفرمائیون اور ادب نوازیون کے دل سے ممنون ہین۔ اس وقت صرف ایک مکتوب حضرت ارشد تھانوی کا زینت مرقع کرتے ہین جو ہماری کامیابی کے لئے خوش آیند ہے اور ہماری ہمت و استقلال بڑھانے کا ایک ذریعہ اور قبولیت "مرقع" کی ایک روشن دلیل ہے۔ اس مکتوب مین آپ نے اپنے خاص لطف و کرم سے خط لکھتے لکھتے دواتی قلم کے ساتھ برجستہ ایک غزل کے چند شعر بھی تحریر فرمائے ہین جو ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج کئے جاتے ہین۔

(وصل بلگرامی)

پیکلون – ۸ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

شفیق کرم – السلام علیکم – "مرقع" اپنی تمام دلچسپیون اور لطف آفرینیون کے ساتھ جذب نظر و انبساط دل کا باعث ہوا۔ اور بیساختہ دل سے دعا نکلی ؎

ترے انٹھان ترقی کرے قیامت کی ÷ ترا شباب بڑھے عمر جاودان کی طرح ÷ اسباب خواہ کچھ ہون، لیکن بعض حلقون مین غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ مرقع کی ترتیب تدوین مین …… کو استعمال کیا جائیگا۔ اور کسی کام مین ان …… ہستیون کا ہاتھ شامل ہوگا …… اشخاص کے لئے اُس سے اجتناب کا باعث ہے۔ الحمد للہ کہ مرقع کے پہلے ہی نمبر نے ان غلط فہمیون کا ازالہ کر دیا۔ امر حقیقت ہے کہ باوجود آپکے مخلصانہ محبت نامہ جات کے مین نے ارادتاً مرقع کی ادبی خدمت سے احتراز کیا تھا۔ لیکن اب مین اپنی اس سوء ظنی اور آپکی اخلاقی کوششون کی عدم پزیرائی پر نہ صرف متاسف بلکہ آپ سے معذرت خواہ ہون ؎ ہمہ نا امیدی ہمہ بدگمانی ÷ مین دل ہون فریب وفا خوردگان کا ÷ ابھی یہین تک لکھنے پایا تھا کہ ڈاک آگئی گرامی کارڈ مورخہ ۲۶/۱ موصول ہوا۔ جی چاہا کہ ابھی تعمیل ارشاد کرون فی الفور نظم مکمل کرنا ممکن نہ تھا طبیعت پر زور دیا۔ سات شعر ہوگئے ہین، غزل کی صورت مین پیش کرتا ہون انشاء اللہ ہفتہ عشرہ مین کچھ نہ کچھ اور ارسال کرون گا۔

غزل

ہم ذوق نظر تیری تائید نہین کرتے ÷ اس وجہ بھی کورانہ تقلید نہین کرتے

بے شغلی دل میری ہے صرف گلہ مندی ÷ تم اپنی جفاؤن کی تاکید نہین کرتے

جب اپنی جفاؤن پر احساس ندامت ہے ÷ پیمان وفا کی کیون تجدید نہین کرتے

تم اہل محبت کو الزام دیئے جاؤ ÷ ہم پابند ادب ناصح تردید نہین کرتے

ہے یہ بھی تو تنقیص بیگانہ روشی انکی ÷ افسانۂ وارفتگی کی تنقید نہین کرتے

ہم دل کو تمنا کی سمجھا کے بدانجامی ÷ آغاز محبت مین تہدید نہین کرتے

خلوت کدۂ دل مین تصویر بتان آرشد ÷ یہ کفر نہان اہل توحید نہین کرتے

لکھنؤ کا قصد انشاء اللہ آغاز فروری مین ہے۔ باقی آیندہ خط مین۔ نیاز آگین – ارشد تھانوی

تاریخ اشاعت – برائے "مرقع" – مخلص خاص – محمد مصطفیٰ خان – مصطفیٰ ایک – اصغر علی محمد علی – عطر لکھنؤ – شرق مرقع

مرقع – دار الادب لکھنؤ کا مقبول و ہر دلعزیز جریدہ

جلد ۱ ―― (فروری سنہ ۱۹۲۶ء) ―― نمبر ۲



۱۹۲۶ء

بہ عکس روے تو ہم رنگ روحِ انسان است ـــ ز حسن و عشق مرصع مرقع جان است

(ابو العلا، ناطق)

رشحاتِ جلیل

ازجناب نواب فصاحت جنگ جلیل القدر حضرت جلیل جانشین حضرت امیر مینائی رح

محو گلگشت ہو گر زیبِ چمن تو ہو کر ـــ رنگ پھولوں کا خجالت سے اُڑے بو ہو کر

اس پہ روتا ہوں کہ دل میں جو نہاں تھے اسرار ـــ وہ بھی آنکھوں سے ٹپکنے لگے آنسو ہو کر

کس نے للچائی ہوئی آنکھ سے دیکھا ساقی ـــ دیکھ۔ ساغر سے اُڑی جاتی ہوی بو ہو کر

پھول کیا۔ پارۂ یاقوت ہیں ٹکڑے دل کے ـــ زیبِ دامن ہوں اگر خون کے آنسو ہو کر

کھو گئے لٹ گئے۔ آوارہ ہوئے دل لاکھوں ـــ جادۂ پیما ہے رہِ کوچۂ گیسو ہو کر

برمحل ہو کوئی ارشاد تو سر آنکھوں پر ـــ لیجئے دِل کو۔ مگر زینتِ پہلو ہو کر

اُنکو زیبا ہے اگر خونِ وفا کرتے ہیں ـــ شوخ و طناز و طرحدار پریرو ہو کر

رشک اُن پھولوں کی قسمت پہ مجھے آتا ہے ـــ شب جو کرتے ہیں بسر زینتِ گیسو ہو کر

توڑتا گُل کو ذرا سوچ سمجھ کر گلچیں ـــ جان بلبل کی ہے پھولوں میں پڑی بو ہو کر

تم تو چالوں سے نہ واقف تھے سکھایا کس نے ـــ تیغ ہو کر کبھی چلنا۔ کبھی جادو ہو کر

رونقِ حُسن۔ شباب آکے بڑھا دیتا ہے ـــ غازۂ عارض و مشاطۂ گیسو ہو کر

سوئے میخانہ چلو آج۔ کہ سنتے ہیں جلیل

دُخترِ رز شیشے میں اُتری ہے پریرو ہو کر

لمعاتِ اختر

از جناب نواب اختریار جنگ حضرت اختر مینائی خلف حضرت امیر مینائی رح

پڑا ہون خستہ و سینہ فگار رہنے دے / نہ چھیڑ مجھ کو نسیم بہار رہنے دے

سنوار زلفِ پریشان نہ تو خدا کے لئے / بلاکشون کا اِسے سوگوار رہنے دے

لحد کو سنتے ہین آرام کی جگہہ - لیکن / جو چین سے یہ دلِ بیقرار رہنے دے

ہمارے حال پر احسان کر صبا اِتنا / کہ اُس گلی مین ہمارا غبار رہنے دے

مرے مزار پر آنے کا وعدہ کرتے ہین / مگر- فلک جو نشانِ مزار رہنے دے

جسے یہ رنگ تحیر کہ اپنی محفل مین / مجھے وہ سامنے آئینہ وار رہنے دے

یہ کیا بتاؤن کہ دُنیا مین کیا کیا مین نے / نہ پوچھ اے مرے پروردگار رہنے دے

وہ کہتے ہین- نہ رُکے دَورِ جام اے اختر
خیالِ گردشِ لیل و نہار رہنے دے

خمریاتِ ریاض

از لسان الملک حضرت ریاض - یادگار حضرت امیر مینائی رح

اُتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا / طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

لیلےٰ کے دل مین قیس نکل آئیگی جگہہ / تو سر پر آج نجد کا جنگل اُٹھا تو لا

دھونا ہین داغ جامۂ احرام صبح صبح / حجرے سے شیخ پانی کی چھاگل اُٹھا تو لا

اے رند کام ابر کا لون گا مین بادہ نوش / تو مجھ فقیر مست کا کمبل اُٹھا تو لا

طاقِ حرم مین شیخ گلابی ہے پھول کی / اِس کام کا ملیگا تجھے پھل اُٹھا تو لا

مجھکو بھی انتظار تھا ابر آئے تو پیون / ساقی اگر یہ سچ ہے کہ بادل اُٹھا- تو لا

بجائے دن - یہ تیرہ شبِ ہجر اے ندیم / روشن تھا جس سے طور وہ مشعل اُٹھا تو لا

اے شیخ میز سے دمِ افطار فرش پر / پینے کو پھول، کھانے کو کچھ پھل، اُٹھا تو لا

ناصح کا مُنہ ہو بند وہ چکھ لے شرابِ خلد
ساقی ذرا ریاض کی بوتل اُٹھا تو لا

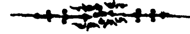
مکہ معظمہ



ذیل کا مضمون سیف الاسلام جناب مولانا محمد یٰسین صاحب (خلف مولانا محمد فاروق صاحب چڑیاکوٹی مرحوم و مغفور) کے فاضلانہ افادات کا ایک نمونہ ہے - اِس میں آپ نے مکۂ معظمہ کے تاریخی حالات سے بحث کی ہے اور صحف انبیاؑ اور دیگر معتبر اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ اولاد آدمؑ کے مساکن میں قدیم آبادی مکۂ معظمہ کی تھی، اسی طرح ہر قسم کا اعزاز و احترام اور قدامت خانۂ کعبہ کو حاصل ہے - اِس مختصر مضمون میں گو نہایت مدلل اور مستند اقوال سے توضیح کی گئی ہے - لیکن پھر بھی اِس کی نوعیت کے لحاظ سے ابھی اور زیادہ وضاحت تفصیل اور دلائل و براہین کی ضرورت تھی -

اُمید ہے کہ آیندہ بھی مولانا کے فاضلانہ مضامین کا سلسلہ "مرقع" میں جاری رہیگا اور ناظرین کرام اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے -

مدیر



یہ شہر اقلیم دوم وسط حجاز میں ۶۷ درجہ طول اور ۲۱ درجہ ۳۰ دقیقہ عرض البلد پر واقع ہے - یہ مساکن بنی آدمؑ میں سب سے قدیم ہے - اسکی بنا خود حضرت آدمؑ کے وقت میں ہوئی - اگرچہ تاریخ سے اسکا ثبوت مشکل ہے - مگر انبیاے پیشین علیہم السلام کے صحیفوں سے اور اُنکے ملفوظات سے اسکا پتہ ملتا ہے - تاریخ سے صرف اسکی قدامت معلوم ہوتی ہے - مگر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسکی بنا کب ہوئی اور اسکو کس نے آباد کیا - اِس لئے جو لوگ کہ مؤرخ کے قول کو نبی کی باتوں پر ترجیح دیتے ہیں وہ یہاں آکر سرنگوں ہو جاتے ہیں اور بجز خاموشی سے تسلیم کر لینے کے اور اُنکو کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا ہے - مثلاً فرانس کا مشہور جغرافیہ داں دو زی انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ "مکہ وہی جگہ ہے جسکو پرانے یونانی مورخین ماکرو بہ کے نام سے یاد کرتے ہیں - اسی طرح مسٹر کارلائل جو مستشرقین میں سب سے زیادہ معروف ہیں لکھتے ہیں کہ روس مؤرخ سیلس نے کعبہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ "وہ دنیا کے معابد میں سب سے قدیم اور اشرف ہے" - ان دونوں روایتوں سے صرف اسکی قدامت معلوم ہوتی ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اسکی بنا کب پڑی - اِسی طرح حکیم بطلیموس یونانی کا جغرافیہ ہے جس میں حکیم مذکور نے مکۂ معظمہ کا ذکر کیا ہے اور اسکا طول و عرض بلد تحریر کیا ہے جسکا حوالہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں دیا ہے - حکیم بطلیموس یونانی نے جغرافیہ میں اسکا ذکر کرتا ہے کہ کعبۂ محترمہ کا سکہ عالم میں ایک عبادتگاہ کی حیثیت سے بیٹھا تھا - کیونکہ مکۂ معظمہ کی شہرت کی وجہ بجز اس عبادتگاہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتی ہے - بہر صورت ایسی قدیم تصانیف میں اسکا ذکر اس کی قدامت کو تو ضرور بتاتا ہے - البتہ زمانۂ آبادی کو متعین نہیں کرتا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ صحف پیشین سے انحراف کیا جائے -

کعبۂ مکرمہ کے متعلق اکثر اسلامی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ بناے خلیل ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو مع اُنکی والدہ ماجدہ کے مکہ کے ویران ریگستان میں چھوڑ دیا تھا - اِس حکایت کی بنا اُس اثر پر ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے پُرانے صحیفے اسکے مخالف ہیں اور نبی کا قول ایک اثر کے مقابلہ میں رد نہیں کیا جا سکتا ہے - کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ایسا ہی رسول خدا صلعم نے فرمایا - اِن صحیفوں کے علاوہ عقل بھی کسی طرح اسکو پسند نہیں کرتی ہے کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول اپنے شیر خوار بچے کو ایک ہولناک ویران بیابان میں لاکر چھوڑ دے، اگرچہ مؤرخین نے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اسکو حکم و مرضی خداوندی قرار دیکر اس پر بحث کر دیا ہے - انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کے صحیفوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اُسکا

مختصر اقتباس ہدیہ ناظرین کرتا ہون - اس بحث پر میرے عم محترم ارسطوے دوران حضرت مولانا عنایت رسول صاحب عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت ہی بسیط اور مدلل بحث اپنی لاجواب کتاب "بشریٰ" مین لکھی ہے - اس مین عبرانی عبارت بہت زیادہ ہے جسکی پوری نقل دشوار ہی نہین بلکہ ایک حد تک محال ہے عم محترم نے صحائف الہامی سے یہ ثابت کیا ہے کہ سب سے پہلی عبادتگاہ کعبہ ہے اور سب سے پہلا حرم حرم کعبہ ہے - افسوس ہے کہ بے مائگی اس کتاب کی اشاعت مین مانع ہے ورنہ وہ نہ صرف مذہبی بلکہ علمی دنیا کے لئے ایک محیر العقول چیز ہے - مین اس بحث مین صرف اسکی خوشہ چینی پر اکتفا کرتا ہون -

مکہ اسکے معنی عبری مین ہلاکت کے ہین - ہو سکتا ہے کہ یہ نام حضرت آدم علیہ السلام نے اس وادی غیر ذی زرع چٹیل ویران میدان کا جنت سے آنے کے بعد ہی رکھا ہو - اور بہت ممکن ہے کہ یہ نام ہابیل کی موت کے بعد رکھا گیا ہو کیونکہ بنی آدم مین سب سے پہلی موت یہی ہوئی ہے - اس سے پہلے اولادِ آدم کو موت سے سابقہ نہین پڑا تھا - اسکے اسما مین بکہ بھی ہے اسکے معنی عربی اور عبری دونون مین رونے کے ہین - اس نام کی وجہ یون ہی ہے کہ جس لغزش اور فروگذاشت کی بنا پر کہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہان آنا پڑا اسکی معافی کے لئے وہ دن رات بارگاہ غفور الرحیم مین گریہ زاری کرتے تھے انکا یہان بیت حزن تھا جس مین وہ مشغول گریہ وبکا و سجود و رکوع رہا کرتے تھے - غالباً یہین انکو بشارت مغفرت ملی اور بحکم الٰہی یہی قبلۂ اقوام رہا اور قیامت تک رہیگا -

بہرصورت قیاس یہ بتاتا ہے کہ اس نام کی وجہ یہی ہوگی اسکے بعد آپ نے اسکو حرم بنایا چنانچہ اسکے عبرانی نامون مین شالیم بھی ہے جسکے معنی سلام کے عربی مین ہین - اسمین قتل وخونریزی بہ حکم خداوندی ہمیشہ ممنوع رہی اور اقوام عالم بلا استثنا اسکا ادب و احترام کرتے رہے - جب طوفانِ نوح تمام آبادی کو بہا لیگیا تو اُسکے دفع ہونے کے بعد بوحیِ الٰہی اس عبادتگاہ اور اسکے حرم کی تعمیر حضرت نوح علیہ السلام کے وقت مین ہوئی حضرت نوح کے صاحبزادہ حضرت سام اپنے والد کے بعد اسکے متولی ہوئے - اور ان ہی کی تولیت کے عہد مین حضرت ابراہیمؑ نے بخوف نمرود کسدیم سے ہجرت کرکے یہان پناہ لی جیساکہ . . . . معتبر دستِ تاریخ یہود مین مذکور ہے - اور اسکے حرم ہی ہونے کا سکہ تھا جو نمرود جیسے شقی کو ان سے پھر کسی قسم کے تعرض کی ہمت نہین ہوئی -

اسکے بعد پھر حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنے عزیز فرزند حضرت اسماعیل کو حسب منشاء خداوندی یہان لا کر حضرت سام بن نوح امام وقت کی تربیت مین دیا - توریت شریف مین حضرتِ اسماعیل و حضرت ہاجرہ کا واقعہ جس تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۳۴ مبوطی مین حضرتِ اسماعیل کی ولادت ہوئی - اور ۲۱ سنہ مبسوطی مین حضرت سام بن نوح نے وفات پائی ہے اور ۲۰۴۸ سنہ مبسوطی مین حضرت اسحاقؑ کی ولادت حضرت سارہ کے بطن سے ہوئی حضرتِ اسحاق حضرت اسمٰعیل سے چودہ برس سے چھوٹے تھے - ایک دن دونون بھائیون مین میراث کے متعلق کچھ گفتگو تھی حضرت اسماعیل نے فرمایا کہ مین بڑا ہون - حضرت سارہ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور حضرت خلیل اللہ سے کہا کہ اس لونڈی کو مع اسکے لڑکے کے یہان سے نکالو، میرے لڑکے کے ساتھ اسکے ترکہ مین شرکت نہ ہونی چاہیئے - حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو اگرچہ حضرت سارہ کا یہ کہنا ناگوار ہوا ہو - مگر وہ بمصلحت یا بحکم خداوندی حضرتِ ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکہ معظمہ پہونچا گئے -

اس دوری اور علیحدگی کے سبب مذکور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرتِ اسحاق کی عمر اُس وقت کم از کم ۱۲-۱۴ برس کی رہی ہوگی - کیونکہ اس قسم کی باتین سن تمیز کو پہونچنے کے بعد ہوا کرتی ہین لہذا لامحالہ ماننا پڑیگا کہ حضرت اسماعیل کی عمر ۲۶ - ۲۸ سال کی رہی ہوگی کیونکہ وہ ۱۴ برس بڑے تھے - یہودی علما کا یہ کہنا کہ حضرت اسمٰعیل حضرت ہاجرہ کی گود مین تھے بالکل ہی بے بنیاد ہے کیونکہ

۲۲ برس کے جوان آدمی کا ماں کی گود میں سفر کرنا عقل سے بالکل بعید ہے
قیاس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مغالطہ احبار یہود کو اُس عبارت سے ہوا ہے
جو پہلی کتاب موسی باب ۲۱ آیت ۱۴ میں درج ہے اور وہ یہ ہے۔

וַיַּשְׁכֵּם אַבְרָהָם בַּבֹּקֶר
וַיִּקַּח־לֶחֶם
וְחֵמַת מַיִם וַיִּתֵּן
אֶל־הָגָר שָׂם עַל־שִׁכְמָהּ
וְאֶת־הַיֶּלֶד
וַיְשַׁלְּחֶהָ

اسکا ترجمہ یہ ہے = صبح کو (حضرت) ابراہیم ؑ اُٹھے اور لی روٹی
اور پانی کی مشک اور دیا ہاجرہ کو یعنی اُسکے کندھے پر رکھدیا اور لڑکے کو یعنی
دیا روٹی اور مشک اور لڑکے کو اور اُسکو نکال دیا۔

اس آیت کا مطلب یہود کہتے ہیں کہ روٹی مشک و لڑکا (یعنی حضرت
اسمٰعیل) سب کو حضرت ہاجرہ کے کندھے پر رکھدیا۔ یہ کس قدر عقل سے
بعید ہے۔ حالانکہ اسکا مطلب صاف ہے کہ روٹی اور پانی کی مشک حضرت
ہاجرہ اور اُنکے لڑکے کو دیا یعنی ماں بیٹے دونوں کو دیا ÷ یا یہ ہوسکتا ہے
کہ روٹی اور پانی اور حضرت اسمٰعیل ان سب کو حضرت ہاجرہ کے سپرد کیا کہ یہ
تمہارا لڑکا ہے اور یہ زادراہ ہے یہ سب لو اور جاؤ۔ یہ بہت ہی صاف ہے
اور لڑکے کو باعطف کے سمجھنے میں یہ ذرا سی غلطی ہوئی ہے جس نے تمام علمائے
یہود و اسلام کو مغالطہ میں ڈالدیا۔ یہاں تک کہ ربی شلومو یرحی کے ایسے
لائق مفسر نے اس مقام پر حضرت اسمٰعیل کو گود میں دینے کی یہ وجہ بھی لکھی ہے
کہ وہ چلنے سے معذور تھے۔ اور معذوری کی وجہ بھی نرالی تراشی ہے کہ حضرت
سارہ نے حضرت اسمٰعیل پر جادو یا ٹونا کر دیا تھا اس وجہ سے وہ چل نہیں
سکتے تھے۔ اس طرح پر ایک گویا اعتراض حضرت سارہ پر بھی کر دیا معاذ اللہ
منہ۔ یہودیت عجیب چیز ہے۔ یہودیوں کی شرمناک تحریفات کا اُس وقت
کچھ پتہ چلتا ہے جب آسمانی صحائف مثبین پر گہری نظر ڈالی جائے۔

بہرکیف توراۃ شریف کی یہی ایک آیت ہے جو بناء ہے اس عظیم
مغالطہ کی۔ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ماخوذ
ہے۔ یہودیوں اور کفار عرب کے قصوں سے کیونکہ اصل واقعہ آپ سے
بہت پہلے کا ہے۔ آپکو جو کچھ اسکے متعلق معلوم ہوا وہ انہیں لوگوں سے۔
کیونکہ اگر حضرت سرورِ کائنات صلعم نے فرمایا ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ اسکا
ذکر کر دیتے، جیسا کہ صحابہ کرام کا دستور ہے۔ چونکہ یہ اثر مرفوع نہیں ہے
اس لئے جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے کہ اس سے آسمانی صحائف
منسوخ نہیں ہوسکتے۔ لہذا توراۃ کی روایت پر اعتماد کرنا پڑیگا۔ اسکے علاوہ
اور بھی بہت سے قرائن ہیں کہ جن سے اسکی تائید ہوتی ہے بخوف طوالت
یہاں نظرانداز کرتا ہوں۔ سلسلۂ کلام کے متعلق میں ایک اور آیت کے
پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ موسی پہلی کتاب باب ۱۴ آیت ۱۸

וּמַלְכִּי־צֶדֶק מֶלֶךְ שָׁלֵם הוֹצִיא
לֶחֶם וָיָיִן וְהוּא־כֹהֵן
לְאֵל עֶלְיוֹן:

ترجمہ اسکا یہ ہے۔ کہ ملکی صدق بادشاہ شالیم روٹی اور شراب لایا اور
وہ خادم تھا بڑے معبود کا۔ ملکی صدق لقب ہے حضرت سام بن نوحؑ کا
جیسا کہ رشی وغیرہ عمدہ ترین تفاسیر میں درج ہے۔
سلسلۂ کلام اوپر سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے زمانۂ قیام

معظمہ مین جہاد کیا ہے اور اس جہاد مین فتح پائی ہے۔ حضرت سام چونکہ امام وقت تھے وہ مشرے لینے کے لئے گئے ہین اور حضرت ابراہیمؑ نے اداء بھی کیا ہے اخبار یہود ملکی صدق کے مسمی ہونے مین تو اختلاف نہین کرتے ہین لیکن شالیم کے تعین مین وہ ہمارے مخالف ہین وہ کہتے ہین کہ شالیم سے مراد اورشلیم ہے۔ حالانکہ اُنکا خیال غلط ہے کیونکہ شالیم کا اطلاق حرم ہی پر ہو سکتا ہے اسکے لفظی معنی سلام کے ہین اور حرم کے لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ دستور و قاعدہ ہے۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ اسمین کسی کو بھی اختلاف نہین ہے کہ اُس وقت تک وہان مسجد نہ تھی۔ لہذا یہ ماننا پڑیگا کہ اس سے مُراد مکہ معظمہ مسکن حضرت سلم بن نوحؑ ہے جہان حضرت آدمؑ کی بنا کردہ عبادتگاہ (مکہ مکرمہ) موجود تھی۔ مکہ معظمہ کے اسماءمین شالیم بھی ہے۔ یہود کی قدیم کتابون مین اسکا ذکر موجود ہے۔ اور یہی مطلب ہے قرآن پاک کی اس آیت شریفہ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ سب سے پہلا گھر جو لوگون کے لئے عبادتگاہ بنایا گیا ہے وہ ہے جو مکہ معظمہ مین ہے اور اہل عالم کے لئے باعث ہدایت و برکت ہے۔

قدیم تاریخ سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مقام تمام اقوام عالم کی نگاہ مین ہمیشہ سے مذہبی عظمت و تقدس رکھتا آیا ہے سیاسی (مجوسی) مذہب کے پیشوائے اعظم نے اسکی تاویل یون کی ہے، یہ (مکہ) اصل مین مہ گہ تھا، پہلے یہان چاند کی پرستش ہوا کرتی تھی۔ اب رفتہ رفتہ بمرور ایام بگڑ کر مکہ ہو گیا ہے۔ اس گبر پیشوائے اعظم کے اس قول کی توجیہہ کرنے اور اُسکی علت بتانے سے قبل اس مقولہ کے متعلق ایک ضروری امر یہ عرض کرنا ہے، وہ یہ کہ مذاہب عالم مین اپنی قدامت کے سب سے زیادہ مدعی پارسی ہین۔ اور یہ لوگ اپنی کتاب مین اس دعوے کے ساتھ کچھ پتہ بھی رکھتے ہین بخلاف ایسے اہل مذاہب کے اِن کے یہان صرف دعوی ہے وہ بھی انکا اپنا۔ انکی کتاب اس دعوی سے بھی خالی ہے اور اسکے پتہ ثبوت سے بھی یہ دعوی انکے بعض چالاک لوگون نے محض اپنے مذہب کی گرم بازاری اور خلق خدا کو دھوکہ دینے کے لئے گڑر کھا ہے۔ ورنہ اُنکے دوسرے مذہبی دعاوی کی طرح اسکی بھی قطعًا کوئی اصلیت نہین ہے۔

بہرصورت مجوسی مذہب اپنی قدامت کے متعلق یہ کہتا ہے۔

"نخستین مہاباد را برگزیدیم پس از او سیزدہ پیغمبر بہم فرستادم۔ چون صد مراد سال دبادشاہے ایشان رفت۔ آباد آراد بادشاہ جہان داری گزاشتہ یزدان پرست شد"

یعنی یزدان (نیکی کا مالک) بتاتا ہے کہ مین نے پہلے کائنات مین سے مہاباد (پارسیون کے خیال کے مطابق یہ نام حضرت آدم علیہ السلام کا ہے) کو منتخب کیا اور اُنکی نسل مین سے تیرہ پیغمبر متعاقب بھیجے۔ جب سو زاد سال انکی حکومت پر گزرے تو انہی اولاد آدم مین ایک بادشاہ آباد آراد نے سلطنت چھوڑ کر درویشی اختیار کرلی۔ صدزاد سال کا شمار پارسی حساب سے یون ہوگا۔ کہ چھ کے عدد لکھکر ۲۵ نقطے (علامت صفر) بڑھائیے۔ یہ عدد ہے جسکے لئے لفظ کسی اور زبان مین نہین ہے۔ میری غرض اس عبارت کی نقل سے صرف انکی قدامت کے ادعا کو دکھانا ہے۔ جو مذہب کہ اس وجہ اپنی قدامت کا دعوی دار ہو اُسکا پیشوائے اعظم کہتا ہے کہ مکہ اصل مین مہ گہ تھا۔ اور زمانہ سابق مین وہان چاند کی پرستش ہوتی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مدعیانِ قدامت بھی مکہ معظمہ کی آبادی اور اُسکی عبادتگاہ کعبہ کی بنا کے زمانے کو متعین اور محدود نہ کر سکے بلکہ وہ اپنے وجود سے بہت پہلے اسکی آبادی کو تسلیم کرتے ہین۔ لہذا یہ خیال کہ اسکی بنا حضرت ابراہیم خلیلؑ کے ہاتھون پڑی پایۂ ثبوت کو نہین پہونچتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اسکی تعمیر و آبادی حضرت آدمؑ کے وقت مین ہوئی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھون تیسری مرتبہ اسکی تعمیر ہوئی ہے مین ناظرین کی دلچسپی کے لئے گبرون کی اس توجیہہ کی وجہ بھی مختصرًا یہ لکھے دیتا ہون۔ آسمانی صحیفون کو بنظر غور مطالعہ کرنے نیز کتاب بشری کے دیکھنے سے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ ہبوط یون معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوالبشر

حضرتِ آدم علیہ السلام پردۂ خفا سے سر آرائے عالم وجود ہوئے تو ابتداءً حسب منشاء حکمت الٰہی ایسے مقام پر رکھے گئے جہان وہ تمام چیزین قدرتاً مہیا تھین جو جسمِ انسانی کی غذا و ستر پوشی کے لئے ضروری ہین اور جنکے لئے ایک انسان اپنی بقاء حیات مین محتاج ہے اسی طرح وہ تمام اشیاء جن سے ایک انسان کو گزند و نقصان پہونچ سکتا ہے اُن سے وہ جگہ خالی تھی ـ نیز خدا کے خلیفہ اور نبی ہونے کی حیثیت سے وہ تمام علوم و فنون جو سبب و منشاء تہذیب فن نظری و عملی ہین اور وہ جملہ کمالات جن پر صحیح معنون مین لفظ عدالت کا اطلاق ہوتا ہے وہ سب اُنکو بلا اکتساب و محنت و تعلم و تحصیل محض وہبی طور پر بوحی والہام خداوندی حاصل تھے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ ہوتا آیا ہے کبھی کسی نبی نے کسی انسان کے آگے زانوِ ادب تعلم و تحصیل علم کے لئے تہ نہین کیا ہے اور کسی نبی کا کوئی دنیاوی معلم نہین رہا ہے ـ حضرتِ آدم تمام کمالاتِ روحانی سے آراستہ تھے اور اُن تمام علوم سے بہرہ اندوز تھے جن کا جاننا انسانی حوائج کے لئے ضروری ہے جیسا کہ قرآن پاک سے اسکی تصدیق ہوتی ہے وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی گئی) چونکہ اسکا تعلق نفوس انسانی کی تکمیل و اصلاح سے تہا ـ اسی وجہ سے ملائکہ وغیرہ گروہ مین اُس وقت اسکا کوئی بھی جاننے والا نہ تھا ـ بہر صورت حضرتِ آدم ایک مدت وہان رہے اور مخصوص غذاؤن اور مخصوص معاشرت کے عادی ہوئے اُسکے بعد پھر باقتضاء حکمتِ بالغہ و منشاء الٰہی کے ایک وادی غیر ذی زرع یعنی ویران چٹیل میدان مین بھیجدیئے گئے جہان اُنکی مایحتاج چیزون اور اشیاء ضروریہ مین سے کوئی چیز بھی موجود نہ تھی لہٰذا وہ مجبور ہوئے کہ زمین سے اُن چیزون کو پیدا کرین جسکی اُنکو حاجت تھی ـ تعلیم ربانی نے اُن کی رہبری کی اور اپنی اولاد کو علم فلاحت و کاشتکاری کی تعلیم دی ـ اُنکو یہ بتایا کہ زمین سے کس طرح پر نباتات پیدا کر کے غذا کے صرف مین لائی جاسکتی ہین ؛ اسمین اُنکو مدد الٰہی سے کامیابی ہوئی ـ چونکہ کاشتکاری کے لئے اور نیز دوسرے تمام کامون کے واسطے موسم و وقت و فصل کی ضرورت ہوتی ہے ؛ اِس لئے آپنے اُسکی طرف توجہ کی اور ابتداءً ایک ہموار زمین پر لکڑی نصب کر دی اور اُسکے سایہ کو برابر دیکھتے اور اُسکے تغیرات پر نشان کرتے رہے جب سایہ وضع اول کی طرف عود کر آیا تو آپنے سمجھا کہ آفتاب نے ایک دورہ پورا کر لیا اور روزانہ کے نشانات کا شمار کیا تو ۳۶۵ پایا ، اِس لئے ۳۶۵ دن کا سال مقرر فرمایا ، اُسکے بعد چاند کے تغیرات کی طرف نظر ڈالی اور اُسکے ایک دورۂ کامل کا مہینہ مقرر فرمایا ـ غرضکہ اِس طرح علم ریاضی کی بنا ڈالی اور رفتہ رفتہ اسکے ضروری مسائل کو سمجھا اور سمجھایا ـ آلاتِ کاشتکاری اُسوقت کے اقتضا اور اعتبار سے جو کچھ بھی ممکن ہوا بنایا ـ

جس پہاڑی پر یہ سامان تھا اُسکو اُسوقت کی اصطلاح مین ھر ھیا ریح הר הירח کہتے تھے جسکا ترجمہ عربی مین جبل القمر اور فارسی مین کوہ مہ ہوتا ہی صحت آسمانی کی اِس تفصیل کی کسیقدر تائید فانکس یونانی مصنف کتاب تاریخ الحکما نے بھی کی ہے ـ اصل کتاب یونان مین موجود ہے ـ بہرکیف اس تفصیل سے اتنا قیاس کیا جاتا ہے کہ اسی لفظ ھیا ریح نے اس گمراہی کو ایسی توجیہ کا موقع دیا ـ اسکے متعلق ایک اور قرینہ ہے وہ یہ کہ حضرتِ سام بن نوح کی نسل مین ایک شخص یادرح نام کا گذرا ہے جسکی اولاد حجاز سے کچھ دور سمندر کے کنارہ پر آباد ہوئی اور چند دن کے بعد چاند کی پرستش کرنے لگی اس وجہ سے عرب اُنکو بنی ھلال کہنے لگے ـ

اِن مذکورۂ بالا تمام تفاصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء پیشین علیہم السلام کے صحیفون نیز دیگر قرائن و اقوال و آراء مشاہیر ملک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مساکن اولادِ آدم مین سب سے زیادہ قدیم آبادی مکۂ معظمہ کی ہے ، اسیطرح تمام معابدین ہر قسم کی عزت و عظمت و قدامت خانۂ کعبہ محترمہ کو ہی ـ نہ تو قدامت مین کوئی اسکی ہمسری کر سکتا ہے اور نہ عزت و حرمت مین کوئی اُس کا مدمقابل ہے ـ

مین اب اس طویل تحریر کو علی وجہ الاختصار ختم کرتا ہون اور اسکی مؤید توراۃ شریف کی دوسری آیتون کو طوالت کے خوف سے چھوڑ دیتا ہون ـ اسی کے ساتھ ملک کے اربابِ علم و محققین سے یہ استدعا ہے کہ اِس مسئلہ پر اپنی قیمتی آراء سے اہل ملک کو نیز اِس ناچیز کو مستفید فرمائین ـ اور اگر اسکے متعلق کوئی تحریر شایع فرمائین تو مجھکو بھی عنایت فرمائین ـ

محمد یسین عباسی ـ چریاکوٹی
بریرہتہ ـ غازیپور ـ

فرض

(از جناب مولوی وحید الدین صاحب سلیم، پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

اے دل رہِ الفت میں نہ تھکنا ہے ترا فرض — دُھن باندھ کے منزل کی لپکنا ہے ترا فرض
اے روحِ بشر نیّرِ تاباں ہے ترا نام — عظمت کی بلندی پہ چمکنا ہے ترا فرض
اے خونِ جگر تجھ سے محبت کا کھلا رنگ — عُشّاق کی آنکھوں سے ٹپکنا ہے ترا فرض
رونقِ چمنِ دل کی ہے تو نخلِ تمنّا! — جھونکوں سے مسرّت کے لچکنا ہے ترا فرض
اے آنکھ تو ہے آئینۂ حسنِ جہانتاب — حیرت سے ہر اک جلوہ کو تکنا ہے ترا فرض
اے عشق تو شعلہ ہے تجلّیِ ازل کا — ہر سینہ کی سینا میں بھڑکنا ہے ترا فرض
اے حُسن تو فطرت کے گلستان کا ہے پودا — نازوں کی ہواؤں میں بہکنا ہے ترا فرض
اے پھول تو ہے حُسن کے میخانہ کا اک جام — صہبائے لطافت سے چھلکنا ہے ترا فرض

اے مرغِ چمن تو ہے محبّت کا مغنّی
پھولوں کے درختوں پہ چہکنا ہے ترا فرض

خمستانِ بہار

(از جناب اثر صہبائی)

پھر اب یوں ہی حدیثِ شوقِ بے پایاں بیاں کر لوں — نگاہِ پاک بیں کو رازِ دل کا ترجماں کر لوں
وہ فردوسِ تماشا زینت آرائے گلستاں ہے — نظر میں کس طرح سے جذب سب رنگینیاں کر لوں
خیالِ جنّتِ موہوم میں اے واعظِ ناداں — نظر کو کس لئے بیگانۂ حُسنِ بتاں کر لوں
وہ مستِ ناز ہے یا پیکرِ رنگینی و مستی — یہی جی چاہتا ہے اسکو آنکھوں سے نہاں کر لوں
کبھی تاروں بھری راتوں میں یوں بھی غور کرتا ہوں — دلِ تاریک کو کیسے حریفِ کہکشاں کر لوں

اثر جب یاد ہوئے رندِ مے آشام سُنتا ہوں
یہی جی چاہتا ہے بیعتِ پیرِ مغاں کر لوں

اُردو زبان کی قدامت

(نوشتہ جناب حکیم برہم صاحب اڈیٹر اخبار "مشرق" گورکھپور)



محترمی جناب حکیم برہم صاحب اڈیٹر اخبار مشرق گورکھپور کے نام نامی، اُنکے علمی و ادبی خدمات اور اُنکے جوہر انشا پردازی سے کون ہے جو واقف نہین۔ ذیل کا مضمون اُنہین کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اِس مضمون مین آپنے اُردو زبان کی قدامت پر بہت کچھ بحث کی اور روشنی ڈالی ہے۔ اور الفاظ و محاورات کے عدم صحت اور بیجا استعمال کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ایک حد تک آپکے محققانہ خیال کی اعلیٰ مثال ہے۔ ہم اپنی رائے کو ابھی محفوظ رکھتے ہین۔ امید ہے کہ دلدادگانِ اُردو اِس مضمون پر کافی غور فرمائینگے۔ اور ملک کے اساتذۂ فن اور محققانِ ادب کافی توجہ کے بعد اپنی بیش بہا رایون سے "مرقع" کو زینت دین گے۔ تاکہ مجھے بھی اپنے اظہار خیال مین کافی امداد ملے۔ — اڈیٹر

مین نے دسمبر ۱۹۱۶ء مین ایک مضمون اُردو زبان پر لکھکر "انجمن ترقیِ اُردو" کی کانفرنس کے لیئے لکھنو بھیجا تھا۔ مگر اب خیال آیا کہ اُسمین ایک اہم بات لکھنے سے رہ گئی تھی۔ وہ مضمون اِس وقت میرے سامنے نہین ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا ظفر الملک (اڈیٹر "الناظر" لکھنو) کے پاس ہو۔ آج اُس فروگزاشت کو پورا کر رہا ہون یعنی میری رائے مین

اُردو قدیم زبان ہے

مگر خوف معلوم ہوتا ہے کہ جو اصحاب اُردو کو دو تین صدی کی پیداوار کہتے ہین، وہ خفا نہ ہو جائین۔ میری رائے اِس معاملہ مین جُدا ہے، اور یہ رائے میری عقل آرائی پر منحصر نہین ہے، بلکہ اُردو کے متعلق جتنی کتابین لکھی گئی ہین اُنکے پڑھنے کے بعد مین اِس نتیجے پر پہونچا ہون کہ

اُردو زبان اِس ملک کی قدیم زبان ہے

اُردو زبان بیشک برج بھاشا سے نکلی ہے۔ اور کہتے ہین کہ بھاشا کی عمر ایک ہزار سال سے بھی کم ہے۔ مگر تنقیح طلب یہ ہے کہ برج بھاشا کی عمر صحیح کہی جاتی ہے، یا غلط؟

در اصل ہندوستان مین آرین قوم کو آئے ہوئے پانچ ہزار سال سے کم و بیش زمانہ گزرا۔ اِن آنے والون کی صورت اور معاشرت یہ تھی کہ رنگت مین سُرخ سفید۔ گورے چٹے۔ خوبصورت ہاتھ پاؤن والے تھے۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ آرین قوم کی ایک شاخ یورپ گئی۔ ایک یونان ایک چین و تبت۔ ایک ہندوستان آئی ایک اپنے قدیم خطّے ایران مین رہ گئی۔

آرین قوم جو ہندوستان آئی، اُسکی نسبت میرا قیاس اُسکے طور و اطوار اور معاشرت و خودداری کی روایتون کو دیکھتے ہوئے یہ ہے کہ وہ برہمن تھے۔ اور اُنہون نے جیحون سیحون کو طے کرکے جب اِس سرزمین پر قدم رکھا اور یہان کی قومون کو مغلوب کر لیا۔ اُنہون نے اپنی سیادت قائم کرنے کو ذات پات کی تقسیم کر دی۔ خود سردار بنے اور اپنی خودداری کو اِس حد تک سراہا کہ اپنی زبان کو بھی یہان کی قومون کو ہاتھ لگانے نہین دیا جس طرح کھانے پینے اور ازدواج سے یہان کی قومون کو الگ رکھا۔ اُسی طرح زبان کو اُنکی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ مگر قدرت کے اِس فیصلے کے خلاف کیا کر سکتے تھے کہ تبادلۂ خیالات اور روزمرہ کے ضروریات کے لئے یہان کے باشندون سے بات چیت، خرید و فروخت مین مجبور ہو کر یہان کی بول چال اور اپنی بول چال کو ملانا اور ایک زبان پیدا کرنی پڑی

یہ اصول مسلّم ہے کہ زبان کو کوئی پیدا نہین کرتا۔ زبان خود پیدا ہوتی ہے

اس لئے یہان کی زبان کو اُنہون نے **پراکرت** کا لقب دیا۔

پراکرت عوام الناس کی زبان کو کہتے ہین۔ یہ **گنواری خطاب** غالبًا **غیور آرین** کا دیا ہوا ہے۔ محکوم قوم پر ہمیشہ اسی طرح فاتح قوم کا سکہ جما کیا ہے۔ دیکھ لو آج **انگریزی** زبان کیا کر رہی ہے اور **ہندوستانی** زبانین کس حالت مین ہین۔ جب **مسلمان** آئے تو چند ہی روز کے بعد یہان کی قومون نے فارسی اور عربی مین کیسی قدرت حاصل کر لی تھی۔

برہمن قوم کے سوا میری رائے مین اور اقوام ہند آرین نہین ہین اور اقوام یقینًا **ہندوستان** کی قدیم قومون کے مستند اور شریف افراد ہین اگر **برہمنون** کے سوا اور قومین بھی **آرین** ہوتین تو وہ یہ تفریق کبھی گوارا نہ کرتین کہ ایک سردار بنے اور باقی سب غلام بن کر رہین۔ اور بہادر چھتریون سے تو اسکی امید ہی نہین ہو سکتی تھی۔ انہین اقوام ہند مین جو سردار اور شریف قومین تھین وہ تو باقی رہ گئین اور بکثرت جاہل مزدور پیشہ جنگلون اور پہاڑون مین بھاگ گئین۔ جنکی نسلون مین **بھیل** وغیرہ ہون تو تعجب نہین۔

غرضکہ **پراکرت** زبان کی ترقی ہوتی گئی اور زمانے نے جناب **بودھ** کو پیدا کر دیا جو تخت شاہی چھوڑ کر مساوات کے قانون پر کاربند ہو گئے اور سب کے پہلے اُنہون نے **دیوبانی** زبان **سنسکرت** پر حملہ کیا تاکہ راجہ پرجا کی کوئی تفریق نہ رہے۔ اور ایک زبان سارے ملک مین استعمال کیجائے۔

اِس طرح امیر و غریب سب **پراکرت** کی ترقی مین مصروف ہو گئے۔ اور اس **متحدہ** زبان مین شائستگی اور سیدھا پن بڑھنے لگا۔ کیونکہ اب یہ **درباری زبان** ہو گئی تھی اور درباری اور **کاروباری زبان** مین شاعرانہ تخیلات اور صنائع بدائع اور استعارات نہین ہوا کرتے۔

روزمرہ کی **کاروباری زبان** کے لئے سیدھی سادی بول چال رواج پاتی ہے۔ جب جناب **شنکر اچاریہ** کا دور دورا ہوا تو اُنہون نے پھر قدیم **آرین** کے ضابطے نافذ کر دیے اور **سنسکرت** کا زور بڑھا۔

تاہم **پراکرت زبان** کو جناب **شنکراچاریہ** مٹا نہین سکے، اور آخرکار اس نے **برج بھاشا** کی نئی شکل تو نہین مگر کچھ صورت بدل دی اور اب **برج بھاشا** کی حکومت ہو گئی اور تمام ملک مین یہ زبان فصیح سمجھی جانے لگی کہ اسلامی فتوحات کا پھریرا لہرانے لگا اور تبادلہ خیالات کے لئے مسلمانون سے یہان کے باشندے بھی اُسی طرح مجبور ہوئے جس طرح **آرین قوم** مجبور ہوئی تھی۔

مسلمان چونکہ حاکم و محکوم مین اس قسم کی سطحی تفریق پسند نہین کرتے تھے اس لئے اُنہون نے **فارسی** کے تحفظ کی کوشش نہین کی یہان کی قومون کو مجبور کیا کہ وہ خواہ مخواہ اپنی زبان چھوڑ کر فارسی ہی اختیار کرین۔

مگر قدرت کے قانون کے موافق تبادلۂ خیال سے **برج بھاشا** مین فارسی۔ عربی اور ترکی الفاظ اس طرح خلط ملط ہوئے کہ ایک نئی زبان پیدا ہو گئی۔ جو ایک زمانۂ دراز مین **سلاطین اسلامیہ** کے دور مین ریختہ کے نام سے مشہور رہی۔

لیکن جب اس زبان مین زیادہ ترقی ہوئی تو اس نے "**اُردو**" نام اختیار کیا۔ جس طرح **آرین** نے اِس مخلوط زبان کا نام **پراکرت** رکھا تھا تاکہ اسکی ذلت ظاہر ہوتی رہے۔ اُسی طرح **مسلمانون** نے اِسکا نام اُردو رکھا۔ جو ایک **لشکری زبان** کہی جاتی ہے۔

اگر غور کیا جائے اور اُردو کی **صرف و نحو** پر غائر نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو کی بنیاد **برج بھاشا** پر ہے۔ تمام قواعد و ضوابط اُردو زبان مین **برج بھاشا** کے موجود ہین۔ صرف **اسما و صفات عربی و فارسی** سے لئے گئے ہین۔

میری رائے مین یہان کے دانشمند اور اہل الرائے **ہندو مسلمانون** نے غفلت کی۔ ورنہ پورے قواعد **برج بھاشا** کے لے لئے جاتے۔ اور **عربی و فارسی** کے جو **اسما و صفات** اب تک رائج ہین نہ باقی رہتے۔ لیکن یہ بات شاید اس لئے نہ ہو سکی کہ **برج بھاشا** کے قواعد بھی منضبط نہ تھے۔ اور اُسکی **صرف و نحو** بھی **سنسکرت** کے ضوابط پر مرتب ہوئی ہے۔ **برج بھاشا** مین ضوابط قدیم سے اس لئے نہ تھے کہ کسی زبان کے لئے

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر حنا کا نسخہ کسی دوسرے عطر ساز کو دستیاب نہ ہو سکا

صرف و نحو کی ضرورت نہین ہوتی۔ نہ کوئی زبان قواعد و ضوابط کی پابند ہوسکتی ہے۔ اِس لیے کہ وہ ایک ملک کی زبان ہوتی ہے۔ ملک والے اُسکو بولتے ہین۔ جب کوئی دوسری قوم اُسکو حاصل کرنا چاہتی ہے تو اُسکے لئے اُسکے قواعد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس لئے اُردو کے قواعد بھی منضبط نہین ہوئے۔

سب کے پہلے انگریزون اور فرانسیسیون نے اُردو کے قواعد منضبط کئے کیونکہ اُنکو زبان حاصل کرنے کی ضرورت پڑی۔ اب یہ زبان ترقی کرنے لگی۔ اور یہ دائرۂ قواعد و ضوابط مین آگئی۔

اِس وقت ہندوستان اور برھما مین تین سو نوے زبانین مستعمل ہین۔ مگر جو فصاحت و بلاغت اُردو زبان کو حاصل ہے وہ کسی زبان کو حاصل نہین۔ اور سب سے بڑی بات اس زبان کو یہ حاصل ہے کہ اسکا جاننے والا ہر خطۂ ملک مین موجود ہے۔ اور اسکو اہلِ زبان چاہے نہ کہین۔ مگر زبان دان ضرور کہہ سکتے ہین۔

میری راے مین ہندو اسکے موجد، مسلمان اسکے مصلح، اور انگریز اسکے مربی ترقی دینے والے کہے جاسکتے ہین۔ اسمین شک نہین کہ ہندو مسلمانون نے اسکی خدمت جیسی کرنی چاہی تھی، نہین کی۔ اگر انگریز اسکو ترقی نہ دیتے تو آج یہ زبان اتنی مقبول نہ ہوتی۔

اُردو کو علمی زبان بنانے مین مسلمانون نے بڑی غفلت کی کیونکہ علماے اسلام نے اسکو مبتذل سمجھکر فارسی تالیف و تصانیف کا ذخیرہ پیدا کر دیا۔ اور اطباے اسلام نے بھی جہان تک طبی کتابین لکھین وہ زیادہ تر فارسی مین لکھین۔

اسکی ترقی آغاز کی بنا پر اسکے دو مرکز قرار پائے۔ ایک دہلی۔ دوسرا لکھنؤ اور اس مین شک نہین کہ باوجود باہمی اختلافات کے اہل دہلی و لکھنؤ نے اسکو معراج ترقی پر پہونچا دیا۔

مگر اُردو کے آخری عہد کی ترقیون نے اپنے سے نہ دہلی کے قبضے مین رکھا ہے اور نہ لکھنؤ کے بس مین۔ اب اُردو سارے ہندوستان کی زبان ہے۔ بنگال۔ بہار۔ پنجاب۔ وسط ہند۔ بمبئی اور مدراس سے شعراے خیال آفرین اور ادیبان نکتہ بین پیدا ہورہے ہین جنکے کمالات انہین روز بروز دہلی و لکھنؤ کی غلامی سے آزاد کراتے جاتے ہین۔ خصوصاً جب سے خاکِ دکن مین اُردو یونیورسٹی قائم ہوئی عالمِ ادبِ اردو کی شہریاری حضرت شہریارِ دکن خلد اللہ اقبالہٗ کے قبضۂ قدرت مین ہوگئی۔

مگر اُردو کی ان ترقیون کے ساتھ ہی ساتھ ایک نئی خرابی پیدا ہوئی جس نے عالمِ سخن کے ادبی نظام مین عجب خطرناک طوائف الملوکی کی شان نمایان کردی، اور خدا ہی ہے جو ہماری زبان مختلف المذاق دوستون کی کشمکش سے اپنی جان بچا سکے۔

ان کشمکش مین سب سے پہلے اُردو ہندی کا جھگڑا ہے۔ اُردو کی تاریخ ہم اوپر لکھ چکے ہین۔ اور سچ پوچھیے تو اُردو صرف ہندو مسلمانون کے باہمی میل جول سے پیدا ہوئی، اور اُنکے اگلے اتحاد و اتفاق کی یادگار ہے۔ موجودہ سیاسی کشمکش نے ہندو مسلمانون مین اختلافات پیدا کیا اور اُنکی مخالفت نے اس زبان کو جس طرح پہلے، دونون کی ہم صحبتی، ہم مذاقی اور ہم نشینی کی نہایت دلچسپ و سراپا خلوص محفل بنی ہوئی تھی۔ اب اسے لڑائی کا دنگل بنا دیا۔ یہ بھی ہوتا تو چندان رنج نہ ہوتا۔ قیامت تو یہ ہو کہ ہندو اُردو کے پُرانے حق سے سبکدوش ہوکر اسکے دشمن بن گئے اور خود اپنے فرزند کے ساتھ ایسی سرد مہری ہے کہ باہمی عہد و پیمان ہوتے ہین، اور قسمین دلائی جاتی ہین کہ اس زبان پر ع

ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہِ الفت کبھی نہ کرنا

بدنصیب اُردو پر دوسری آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ انگریزی تعلیم کی ترقی نے اُردو شعر و سخن کو مشرق و مغرب کے ادبی مذاقون کی جولانگاہ بنا دیا۔ اِس سے پیشتر فردوسی و انوری نظامی و خاقانی او سعدی و جامی کا کلام پڑھ کر اُردو کے شاعر و ادیب پیدا ہوا کرتے تھے۔ ابسات

سمندر پار تعلیم پاکر اور کوپر و شیکسپیر اور ملٹن و ٹینیسن کا کلام پڑھ کے لوگ ہماری زبان کے شاعر و ادیب بننے لگے ہین - یہ مشرق زاعتقایان مغرب چاہتے ہین کہ اُردو نظم و نثر کو مغربی خصوصاً انگریزی شاعری بنا دین -

ہمین اس بات پر حیرت کرنے کی جرأت نہین - کیونکہ جو شخص زبان کے ادب و انشاء کی تعلیم پاتا ہے اُسکا مذاق اُسکے دل و دماغ پر اس قدر حاوی ہوجاتا ہے کہ پھر اُسے کسی مذاق و رنگ مین چاہے اپنی ہی زبان کے ہون مزہ نہین آتا -

لیکن یہ بتانے کی شدید ضرورت ہے کہ جس طرح ایک زبان کے قواعد صرف و نحو دوسری زبان کے صرف و نحو سے مطابقت نہین رکھتے - اُسی طرح ہر زبان کا ادبی مذاق بھی جُداگانہ ہوتا ہے - اُسی کا نتیجہ ہے کہ کسی کے فصیح ترین شعر یا بلیغ سے بلیغ نثر عبارت کا دوسری زبان مین لفظی ترجمہ کیجئے تو بالکل مہمل ہوجائیگا - ایک زبان کے ادب مین دوسری زبان کے تشبیہات و استعارات سے کام لینا نہایت ہی نازک اور دشوار کام ہے جو بجز چند خاص لوگون کے عام شاعرون اور نثارون سے ہرگز انجام نہین پا سکتا - اِس لئے کہ ہمین اسیقدر کام نہین ہے کہ ایک زبان کے تشبیہات و استعارات فصیحانہ ترتیب الفاظ کو دوسری زبان مین منتقل کر لیے جائین بلکہ یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ وہ تشبیہین اور استعارے اور وہ بندشین اور ترکیبین اُس زبان کے محاورے اور اُنکی لفظی معنوی رعایتون سے کہان تک تعلق رکھتی ہین -

مین انگریزون اور اُنکی زبان کی عظمت جانتا اور اُنکے آگے سر جھکاتا ہون لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتا ہون کہ اُردو خالص مشرقی زبان ہے، بھاشا - فارسی - عربی اور دیگر یوپی ڈین زبانین جب سے اُنکا خمیر بنا ہے سب مشرقی ہین - اور اسی خالص مشرقی اور مشرقی الاصل زبان کی شاعری کو اُس مغربی زبان کی زبان سے ملانا جن مین تضاد کی نسبت واقع ہوتی ہے صرف ایسے لوگون کا کام ہے جو دونون زبانون مین تبحر اور کمال کا درجہ رکھتے ہون -

ہر زبان کا ہر لفظ اپنے مطابقی اور تضمینی اور لازمی معنوی اور خصوصیات کے لحاظ سے اپنا جُداگانہ عالم رکھتا ہے - اسی طرح ہر زبان کی تشبیہون اور استعارون کے خصوصیات و علائق کا ایک خاص حلقہ ہوتا ہے - لہذا زبان کے تمام لفظون و نشستون کے مترادف و مماثل الفاظ کا ہاتھ آنا جو دوسری زبان کے لفظون اور استعارون وغیرہ سے مطابقت تامہ رکھتے ہون غیر ممکن ہے - ہمارے مغرب پرست ادیب انگریزی کی تشبیہون اور استعارون کا ترجمہ تو کر لیتے ہین مگر اُسکے تمام حسیات اور نقلیات کی طرف سے چشم پوشی کرنے کی وجہ سے ہر خیال اور بندش کو ایسا بھونڈا - بے جوڑ اور بے ربط کر دیتے ہین کہ سارا جملہ غارت ہوجاتا ہے -

اِس سے انکار نہین کہ اُنھون نے انگریزی کی قابلیتِ اعلیٰ حاصل کر کے ہمارے تمام شعرا و ادبا پر امتیاز حاصل کر لیا ہے اور قابلِ احترام ہین مگر جو کام اختیار کیا ہے اُسمین انگریزی سے زیادہ مشرقی السنہ عربی فارسی اور اُردو کی اعلیٰ ترین لیاقت حاصل کرنے کی ضرورت ہے جس سے وہ عموماً بے بہرہ ہین - مثال کے طور پر چند نمونے پیش کرتا ہون جن مین انگریزی کی تقلید مین اُردو کی مرمت کی گئی ہے - اِس لئے کہ ایسے تصرفات کو مین اصلاح نہین کہہ سکتا -

ایک جدید ناول "شباب کی سرگزشت" اسوقت میرے سامنے ہے - چند ہی صفحات کے مطالعہ مین یہ الفاظ نظر پڑے - "ناخوش نصیب کامیابی حیاتِ منجمد" کامیابی سے خوش نصیبی کو ہمارے ادبِ اُردو مین اور ہماری زبانِ اُردو مین کوئی نسبت نہین ہے - حیات کو پانی کی طرح جم جانے سے کوئی علاقہ نہین ہے -

اتفاقاً رسالہ "اُردو" (اورنگ آباد دکن) کے دو نمبر بھی میز پر پڑے ہوئے مل گئے - ایک اکتوبر ۱۹۲۳ء کا - دوسرا اکتوبر ۱۹۲۴ء کا - پہلے کے صفحہ ۵۴۷ پر ہے "پرندون کی طرح شعر الاپنا" پرندے فارسی اور اُردو مین گانے والے ہوتے ہین - شاعر نہین سمجھے جاتے

اُسی صفحہ پر ہے۔ "سخن فہم نوع"
سخن فہم گروہ۔ سخن فہم طبقہ کہہ سکتے ہین نوع ایک لفظی اصطلاح ہے۔ اور قسم کے معنون مین مستعمل ہے لیکن اس محل پر بالکل بھونڈا ہے۔

صفحہ ۵۴۹ پر ہے۔
"تنقید کی صحیح چٹک والے لوگ"
اوّل تو عربی مین تنقید کا لفظ اس معنی مین غلط ہے۔ عربی مین نقد کہین گے تنقید نہین کہہ سکتے۔ اور جب عربی مین غلط ہے تو اُردو مین بدرجۂ اولیٰ غلط ہے۔ اسکے بعد "چٹک" کا لفظ اس محل پر بالکل مہمل ہے۔

اسی صفحہ پر ہے۔ "سماجی زندگی"
سماج کا لفظ پہلے نہ تھا، بلکہ غالباً ہند مین اس محل پر "سبھا" کہا جاتا تھا۔ سماج کا لفظ پہلے پہل آریہ سماج والون نے اختیار کیا۔ اب لفظ کو ایک طبقہ یا گروہ یا جماعت کے محل پر پیکر ایک انوکھی بندش پیدا کرنا۔ مین نہین کہہ سکتا کہ اُردو کے عالم مین کیا طوفان خیز ہوگا۔

دوسرے نمبر کے صفحہ ۴۰ پر ہے۔
"ترنم ریز" نغمہ کو فارسی اُردو مین بجز نغمہ خیز کے کبھی "نغمہ ریز" یا "ترنم ریز" نہین کہا۔ علاوہ برین "ترنم" ایک عربی فعل ہے۔ جسکو اسم قرار دیکر اُسمین دوسرا فعل لگانا نحوی طور پر بھی غلط ہے۔

اسی صفحہ پر ہے۔
"گرنے لگی چھم چھم پھوہار"۔ اُردو مین پھوہار گرتی نہین، پڑتی ہے۔ جھم جھم یا چھم چھم مین ایک خاص قسم کی آواز ہونا شرط ہے اور پھوہار مین کسی قسم کی آواز نہین ہوتی۔

بہرحال مغربی مذاق کا جدید طبقۂ شعرا و ادبا، اُردو مین ایسے نامناسب اور غلط تصرفات کر رہا ہے جس سے اُردو زبان اور اُسکی شاعری بجائے درست ہونے کے غارت ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور صرف شاعری ہی پر موقوف نہین، نثر اُردو کو بھی یہ طبقہ خوب بگاڑ رہا ہے اور صرف اتنی سی بات کے لئے کہ انکے ہوا خواہ یہ کہین: "خوب رنگ نکالا ہے۔ بہت اچھی اُردو لکھتے ہین"۔ درصل یہی سامان اُردو کو بگاڑ رہے ہین۔ سیدھی سادی شائستہ اور شستہ رفتہ زبان مین نئی نئی جدتین کر کے بعید از فہم کر رہے ہین۔ حالانکہ یہی ریختہ سلطانِ تغلق کے وقت مین اگر آدھی فارسی آدھی بھاشا سے مرکب تھا تو آج شہنشاہ جارج پنجم کے وقت مین بہت صاف اور آئینہ کی طرح روشن بھاشا کا جوہر ہے اور اب انہین عربی فارسی سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ و لغت بھرنے کی ضرورت نہین ہے۔

اس موقع پر یہ لکھنا بھی میرا فرض ہے کہ ہندوستان مین کئی موقت الشیوع رسالے ادب اُردو کے نکلے اور اب بھی کئی نکل رہے ہین جو آج موجود نہین ہین۔ انکی موت کی وجہ اور جو موجود ہین اور کافی اشاعت نہین رکھتے انکی کس مپرسی کے اسباب پر غور کرنا چاہیئے۔

"مرقع" ایک خاص اہتمام و شان استغنا سے نکالا جا رہا ہے خدا نظر بد سے بچائے۔ مگر اسکے قابل و فاضل ادیب محترم سے یہ کہنا ہے کہ ادب کے صرف یہی معنی نہین ہین کہ مضامین نثر و نظم ہی تک ادبیت محدود ہو بلکہ زبان کی تہذیب اور شایستگی بڑھانے اور حق زبان ادا کرنے کے لئے ضرورت ہو کہ صحت زبان کے قواعد و ضوابط کا پورا لحاظ رکھا جائے اور ایک مستقل بحث ہوتی رہے تاکہ غیر اقوام جو اُردو کو جاننا اور سیکھنا چاہین انکے سامنے صحیح صحیح الفاظ و لغات اور محاورے آئین اور جو سیلابِ عظیم اُردو کے خلاف ہر خطۂ ملک سے آ رہا ہے اُس سے محفوظ رہین۔

آخر مین میری دعا ہے کہ "مرقع" زبان اُردو یا ہندوستانی زبان کا رہنما ثابت ہو۔ اسکے گرامی قدر اڈیٹر جناب وصل کی توجہ پہلے دن سے زیادہ آخری دن تک ایسی ہی رہے اور جس طرح بہت سے قابلِ قدر سالون پر آج اشک حسرت ہم بہا رہے ہین، اسکے لئے خوشی کے آنسو آنکھون سے نکل آئین۔

حکیم برہم۔

افکارِ تازہ

(از حضرت عابد بی اے - مدیر رسالہ "ہزار داستان" لاہور)

بارشِ انوار سے برقِ جمالِ طور ہے
جلوہ گاہِ نازمین ہر ایک شی مخمور ہے
مجھ سے بہتر کون سمجھے رازِ جبر و اختیار
ایک دل ہے وہ بھی حکمِ عشق سے مجبور ہے
غرق ہے رنگینیون مین عشرتِ شامِ وصال
عشق کیا مسرور ہے سارا جہان مسرور ہے
کچھ حقیقت ہی بھی ہو پائے جنون ہے سست گام
کچھ مصیبت یہ بھی ہے لیکن منزل دور ہے
تم نگاہون مین لئے ہو مستیٔ فردوسِ عشق
کوئی شاعر دیکھ لے تمکو تو کہدے حور ہے
"گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال"
عشق مین تو زندگی کی زندگی مہجور ہے
اِن سے مین اندوہِ فرقت کی کہانی کیا کہون
لاکھ کہنون کا یہ کہنا ہو کہ دل رنجور ہے
مین کسی سے آپکی رنگین ادائی کیا کہون
دل مین بیٹھے ہین مگر منہ پر نقابِ نور ہے
لرزشِ پیہم سے رقصان ہوگئے ہین دل کے تار
نغمۂ غم سے ربابِ عاشقی معمور ہے
اسکے آگے رائگان جاتا رہا عابد کا عجز
کہہ دیا اُس نے کہ حسنِ شعر پر مغرور ہے

(از جناب جلال الدین اکبر صاحب اکبر)

رنگ یہ تیری نوجوانی کا
اِک تماشا ہے دل ستانی کا
ہو کے رُسوا رہا نہ کچھ بھی خیال
راز داری کا راز دانی کا
عشق مین سطے نہ ہو سکا قصہ
آرانی اور لنَ ترَانی کا
ہو گئے ایک مہربان سے جُدا
مِٹ گیا لُطف زندگانی کا
رشکِ دشمن سے کچھ نہین حاصل
ہان تقاضا ہے بدگمانی کا
کچھ عجب چیز تھی وصال کی رات
لطف اک بُت کی میہمانی کا
ہے مرا امتحان مدِ نظر
اِک بہانہ ہے سرگرانی کا
ہے غمِ دوست کیا وہ شے اکبر
جس پہ دھوکا ہے شادمانی کا

مرقعِ جذبات

از جناب ظہیر حسین صاحب رضوی ایم اے (علیگ)

ناظرین غالباً ہمارے فاضل مضمون نگار کے نام سے ناآشنا نہونگے۔ علمی جرائد مین اکثر آپکے مضامین نظر سے گزرے ہونگے۔ اِس لئے آپ کی ذات زیادہ تعارف کی محتاج نہین۔ آپ دورِ حاضر کے ایک ممتاز انشا پرداز ہین۔ ذیل کے مضمون سے ناظرین اسکا اندازہ کرینگے کہ آپ نے فلسفیانہ مضامین کو کس حسن سے اپنی عبارت مین ادا کیا ہے۔ — اڈیٹر

انسان مدنی الخصال ہے۔ اور بغیر تمدن ایک لمحہ کے لئے بھی خوشگوار زندگی بسر نہین کرسکتا۔ مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے کے دُکھ سکھ، رنج و راحت، ماتم و شادی مین شریک ہونا ایک ایسے ربط باہمی اور ذریعے کا محتاج ہے جو افراد کو متحد الخیال کر سکے۔ یا کم از کم محسوسات قلبی اور کیفیات باطنی کا ترجمان بنکر خاطر خواہ اثر ڈال سکے۔ نطق یا زبان قدرت کی دی ہوئی وہ نعمت غیر مترقبہ ہے جو اِس ضرورت کو بدرجۂ اتم پورا کر رہی ہے۔ اسکی غایت ہی یہ ہے کہ انسان اپنے مافی الضمیر کو دوسرون تک پہونچا سکے لیکن چرند و پرند آپکو ایسے بھی ملین گے جو بدنصیبی سے اِس بیش بہا آلہ پر قابض و قادر نظر نہین آتے۔ قوت گویائی ان مین مفقود ہے۔ اُنکی زبان گوشت کے ایک بے جان ٹکڑے سے زیادہ حیثیت نہین رکھتی۔ کیونکہ اس مین وہ جوہر خصوصی موجود نہین جسے نطق سے تعبیر کرتے ہین۔ مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ مطلب اشارون اور کنایون مین ادا کر کے وہ اپنا کام چلا ہی لیتے ہین۔ اِن کا غم و غصہ، اُنکے جذباتِ انبساط و سرور، اور اُنکا مدعا چھپا نہین رہتا۔ اُنکے حرکات سکنات اور چہرے کے تغیرات صاف ظاہر کر دیتے ہین کہ اُنکے دل مین اس وقت کیا گزر رہا ہے۔

انسان کو جانے دیجئے۔ حیوانِ مطلق جو تمام تر فطرت کا محکوم ہے اور جسکی تمام ضروریات خود فطرت مہیا کر دیتی ہے، بظاہر نطق سے بے نیاز ہے اسے حاجت نہین کہ اپنی خواہشات کو جنکا وہ اس قدر تابع فرمان ہے اپنے ہمجنسون پر زبان سے ظاہر کرے۔ وہ اُنکو روکنا بھی نہین جانتا۔ وہ فطرتاً مجبور ہے کہ ادھر خواہشات متحرک ہوئین اور اُدھر اُنہین پورا کرنے کے لئے اپنی تمام قوتین صرف کر دین۔ مگر اسکے جذبات و حساسات بھی سب کے سب پوشیدہ نہین رہ سکتے۔ اُسکی آواز کا زیر و بم، نرمی اور کرختگی، سرعت اور ٹھہراؤ، اسکے ہر ہر عضو کی جنبش یا قرار، اور اُسکی نگاہین کا انداز خود ایک زبان ہے جو انتہائے بلاغت کے ساتھ ماجرائے دل بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ کُتا مالک کو دیکھکر اُچھلنے کودنے اور دُم ہلانے لگتا ہے۔ زبردست دشمن سے مرعوب ہوکر جسم سمیٹ لیتا اور نیچے جُھک جاتا ہے۔ کان اور دُم دبا کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا کمزور اور ہم پلہ حریف پر غرّا کر جھپٹتا ہے بدن پُھلا لیتا ہے اور اُسکا رُوان رُوان کھڑا ہو جاتا ہے۔ آنکھین اُبلنے لگتی ہین اور وہ قد و قامت مین پہلے سے کہین زیادہ بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے یہ تمام بیرونی کیفیتین آئینہ ہین اسکے انبساط، خوف، یا غصہ کا۔

گھوڑا بالٹی کی آواز سنتے ہی سراپا انتظار بنکر ہنہنانا شروع کر دیتا ہے یا غصہ کے موقع پر دانت پیس کر کنوتیان پیچھے کو دبا لیتا ہے۔ اور دیکھنے والے سمجھ لیتے ہین کہ اس پر کونسی حالت طاری ہے۔ یہان یہی خارجی علامات وہ کام کرتی ہین جو زبان یا نطق سے مخصوص ہے۔ اور زبان خود مجموعہ ہے بامعنی الفاظ کا، جو مختلف کیفیات، واقعات، اور اشیاء کو آسانی اور اختصار کے

ساتھ ظاہر کرنے کے لئے علامت کے طور پر مقرر کر لئے گئے ہین۔ علامات صوتی ہون یا کسی اور قسم کی، از خود زبان ہین۔ اور ترجمان باطن کہی جاسکتی ہین کیسی مشہور کارخانے کا نشان امتیازی آپ جس چیز پر دیکھینگے فوراً سمجھ لینگے کہ یہ اسی کارخانہ کی بنی ہوئی ایک چیز ہے۔ یہان اس پر الفاظ مین کچھ لکھا ہو یا نہ ہو، یہ علامت ہی بذاتہ ایک پُرمعنی جملہ ہے جو ظاہری الفاظ کے جامے سے معرا سہی لیکن اس تجربہ کی بنا پر جس نے اسمین چند مخصوص مفہوم پوشیدہ کر دیئے ہین علی الاعلان اپنے صانع کا پتہ دے رہا ہے۔

اسی طرح ہر ذی حیات کے تغیرات جسمانی جو زیادہ تر اسکے ذہنی تغیرات کے زیر اثر اور مطابق ہوتے ہین، معانی سے خالی نہین کہے جاسکتے۔ تھوڑے سے تجربے کے بعد آپ ان سے اندرونی کیفیات کا پتہ چلا سکتے ہین۔ یون تو ہر عضو محسوسات قلبی سے اثر پذیر ہوتا ہے لیکن ان مین سب سے زیادہ ذکی الحس جو چیز ہے وہ انسان کا چہرہ ہے۔ اور اسمین بھی آنکھین ایک ممتاز اور اہم حیثیت رکھتی ہین۔ حیوانات کے چہرے بشرے اور ساخت اس قدر اختلاف نہین رکھتے جتنے انسان کے۔ انسانون مین دو شکلین بھی مشکل سے ایسی ملین گی جن مین سرِ مو فرق نہ ہو۔ یا جو بیک نظر ایک دوسرے سے جُدا نہ کی جاسکین۔ بھائی بھائی اور باپ بیٹے مین بھی وہ مکمل مشابہت نایاب ہے جو حیوانات کی پوری ایک نوع مین اکثر اوقات پائی جاتی ہے۔ یہان ایک دوسرے کا رنگ ملتا جلتا ہے تو خد و خال مختلف ہین۔ آنکھ ناک ایک سی ہے تو وضع قطع مین زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسان کا چہرہ کتنی غیر محدود کیفیتین پوشیدہ رکھتا ہے اور کس قدر بیشمار تغیرات پیدا کرنے پر قادر ہے۔

ادھر دل پر کوئی صدمہ پہونچا، یا رنج و الم کی گھٹائین اُمنڈ کر آئین اور اُدھر چہرے پر زردی چھا گئی۔ افسردگی ٹپکنے لگی۔ آپنے اکثر سنا ہوگا

"صورت ببین، حالت مپرس"

غور کیجئے تو اسکا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے۔ ایک ماہر استاد جماعت کے لڑکون سے جب کوئی سوال کرتا ہے تو فوراً تاڑ لیتا ہے کہ ان مین سے کس کس کو سبق یاد ہے۔ جو طالب علم یون ہی کورے آکر بیٹھ جاتے ہین عجیب سراسیمگی، گھبراہٹ، اور چہ کنم مین پھنسکر بغلین جھانکنے لگتے ہین۔ پریشانی کے آثار خود بخود انکے چہرون پر نمایان ہو جاتے ہین۔ اور وہ کسی طرح انہین پوشیدہ نہین رکھ سکتے۔

غلبۂ خوف کا یہ اثر ہے کہ دورانِ خون اپنے معمول پر نہین رہتا۔ چہرہ سپید پڑ جاتا ہے۔ بڑے بڑے سراغ رسان اسی اثر کی مدد سے سنگین سے سنگین جرائم کا پتہ لگا کر شہرت حاصل کر لیتے ہین۔ انکے سامنے ایک مجرم ضمیر چھپائے نہین چھپ سکتا۔ وہ آدمی کی چال ڈھال، رفتار گفتار، اور نگاہون سے پہچان لیتے ہین کہ اسکے سینے مین کس قسم کا دل ہے۔

اسی طرح جذبۂ انفعال پسینہ کی شکل مین نمودار ہو کر رہتا ہے۔ شرم سے پانی پانی ہونا کون نہین جانتا۔ عرقِ ندامت ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور غصہ کی وجہ سے کف بدہن، چین بہ جبین ہونا، خون مین جوش کا آجانا، اپنے حرکات سکنات پر قابو نہ رہنا، اور تیز خونخوار نگاہون سے دیکھنا، سب سے زیادہ نمایان کیفیتین ہین جو عام طور پر حیوانون مین بھی پائی جاسکتی ہین۔

اپنی محبوبہ کے اس سوال پر کہ "غصہ کہتے کسے ہین؟" ایک سرشارِ محبت کچھ عجیب عالم مین جواب دیتا ہے۔

"جس وقت بیخودی مین کوئی ایسا لفظ میری زبان سے"
"نکل جاتا ہے جسے نازک مزاجی کی وجہ سے تیرے کان گوارا"
"نہین کر سکتے، یا جب میرا قلم مستانہ وار بیباکی سے وہ بیقاعدہ"
"لکیرین اور نقوش کھینچ دیتا ہے جسکو پاکیزگیٔ فطرت کے باعث"
"تیری تیمار آنکھین دیکھنا نہین چاہتین۔ یا جب نم عالم وجد"
"مین کسی ایسی حرکت کا مرتکب ہو جاتا ہون جس پر تیری"
"رعنائی اور غرورِ حسن گستاخی کا الزام لگائے بغیر نہین رہ سکتے"
"تو اس وقت ذرا سوچ تو سہی، تیری کیا حالت ہوتی ہے۔ تیری"

"پیشانی پر بل ..... نہین - نہین - بلکہ تیرے خورشید"
"حُسن کی چند شعاعین، تیرے عذارِ جمال کی چند لہرین لوٹنے"
"لگتی ہین - تیری نرگسِ بیمار کے محافظ یعنی ابروے خمدار تن کر"
"زرا اوپر کھنچ جاتے ہین - تیرے تیرِ مژگان سیدھے ہو کر نشانہ"
"لگانے پر ایسے تُلے ہوے نظر آنے لگتے ہین کہ شیرون کی"
"آنکھین بھی جھپک جاتی ہین اور سامنے آنے کی جُرأت نہین رہتی -"
"تیری چشمِ مست ناز مین ایک خاص روشنی اور چمک سے اچھلتی"
"ہے، جو بس چلے تو لاکھون خرمنون پر بجلی گرا دینے کو تیار ہو"
"فانوسِ طُور تو ہزارون پہاڑون کو جلا کر سرمۂ نور بنا دینے پر"
"آمادہ ہو جائے - نیم شگفتہ، نرگسِ شہلا جو حیا سے ہر وقت مائل"
"بزمین نظر رہتی ہے اب کھل کر ایک چھلکتا ہوا ساغر بنجاتی ہے -"
"اور اس مین وہ مئے لالہ فام موجین مارنے لگتی ہے جس کا"
"ایک ایک گھونٹ تشنہ کے سیکڑون بادل بنا دینے پر قادر ہو"
"مستیون کی بیشمار بارشین برسا دینے کو کافی ہے - لبِ لعلین"
"جنبش مین آنا چاہتے ہین اور نہین آسکتے - رخسارِ آتشین"
"دہکنے لگتے ہین، اور تیرا رنگ صبحِ بہار کی خونین شفق سے"
"کہین زیادہ سُرخ ہو جاتا ہے - تو کانپ اُٹھتی ہے - تن کر سرو قد"
"کھڑی ہو جاتی ہے، ادھر اُدھر ٹہلنے لگتی ہے اور پھر یکبارگی"
"بیٹھ جاتی ہے - تو چاہتی ہے کہ جو چیز تیرے سامنے آئے اُسے"
"نیست و نابود کر دے - تجھے اُمنگ ہوتی ہے کہ دُنیا کا تختہ ابھی"
"اُلٹ کر رکھدون ....."

" کیون؟ اب بھی سمجھی کہ نہین؟ اے تجاہلِ عارفانہ سے"
"پوچھنے والی! "غصہ کسے کہتے ہین"؟
" حکما اور فلسفی کچھ بھی کہین - مین تو تیری اس ادا ہی کو"
"غصہ کہونگا ....."

یہ خوشنما اور پُر جلال تصویر پیش کرکے مین دکھانا چاہتا ہون کہ فطرت نے انسانی جذبات مین کچھ عجیب قوتین پوشیدہ رکھی ہین - جنکے باعث اسے متعدد اضطراری حرکات و سکنات کا مرتکب ہونا پڑتا ہے - اور چند در چند تغیرات جسمانی پیدا کئے بغیر نہین رہ سکتا - اِس لحاظ سے تمام جسم مین سب سے زیادہ تغیر پذیر انسان کا چہرہ ہے اور چہرے مین بھی لطیف ترین حصہ جو لطیف سے لطیف جذبے کا متحمل ہو سکتا ہے انسان کی آنکھ اور نگاہ ہے سچ تو یہ ہے کہ ہر کیفیتِ باطنی الفاظ کے جامے مین سما بھی نہین سکتی - بعض بعض تو کچھ ایسی نازک واقع ہوئی ہین کہ زبان سے ہمکنار ہو کر اپنی شان بلکہ تمام ہستی کھو بیٹھتی ہین انکا اظہار اگر ہو سکتا ہے تو صرف نگاہون، اشارون، یا چہرے کی مختلف حالتون سے -

محبت بھری نگاہین جس نے دیکھی ہین، دیدۂ انتظار کا جسکو تجربہ ہے اور چشمِ شوق کی جسے شناخت ہے، صاف کہدیگا کہ یہ کیفیتین الفاظ مین ادا نہین کی جا سکتین - کیا آپ اُمید کی وہ جھلک اور یاس و حرمان کا وہ رنگِ شکستہ حوالۂ قلم یا سپردِ زبان کر سکتے ہین جو آنکھون مین اکثر نمایان ہو جاتا ہے - کیا دنیا کا بڑے سے بڑا ادیب یا شاعر ضخیم سے ضخیم تصنیف مین وہ مطلب ادا کر سکتا ہے جو حبیب و محبوب کی ایک نظرِ آن واحد مین ایک دوسرے سے کہ جاتی ہے کہنے کو تو مین بھی یہی کہ گیا :- ؎

ظہیر حشر مین کرنے نہ دی مجھے فریاد
ادائے عذرِ غضب چشمِ شرمسار مین ہے

لیکن کوئی صاحب چاہین کہ اس "چشمِ شرمسار" اور پھر اس "ادائے عذر" کی ہو بہو تصویر ایک ادیب کے الفاظ یا کسی نقاش کی رنگ آمیزیون مین بالکل وہی کیفیت اور اثر پیدا کر دے جسکا اظہار اس شعر مین کیا گیا ہے تو ایسے خیال مین قطعی نا امید ہونا پڑیگا - آپ خود اس یا اس قسم کے کسی اور شعر سے کتنا ہی لطفِ تصور اٹھائین، لیکن صاحبِ نگاہ کا وہ سحر کار عالم اپنی تمام جزئیات کے ساتھ سامنے آ ہی نہین سکتا - اسے تو آنکھین براہ راست ہی کچھ دیکھ سکتی

ہین - اور اُسکے مرنے تو کچھ دل ہی دل ہین لئے جاسکتے ہین - دیکھئے اس ادا نے کس خوبی سے اعتراف جرم کیا، اور کس حسین انداز مین معذرت چاہی کہ خود فریادی سے اُلٹا پشیمان ہونے کے سوا کچھ بن نہ پڑا - کیا کوئی زبان بس فرض سے کسی طرح عہدہ برآ ہوسکتی تھی - کیا محض الفاظ قیامت تک یہ اثر پیدا کرسکتے تھے - توبہ کیجئے توبہ -

ایک مقرر کامیاب ہو ہی نہین سکتا - سامعین کو اپنا ہمخیال بنا ہی نہین سکتا، اگر وہ اپنے الفاظ مین اپنے حرکات و سکنات سے زور نہ پیدا کردے - مطرب اچھے سے اچھا شعر گا جائے - مگر خاطر خواہ اثر نا ممکن ہے جبتک اُسکے چہرے کے تغیرات شعر کے مضمون کا ایک مجسمہ پیش نہ کرسکین ہو بہو تصویر کھینچ دینے اور صورت سامنے آجانے کے یہی معنی ہین جبھی تو شعر پڑھتے وقت اگر وہی کیفیت طاری کریجائے جو الفاظ مین پوشیدہ ہے تو اسکی تاثیر اور قدر و قیمت کہین سے کہین پہونچ جاتی ہے -

جرمنی کے مشہور ڈاکٹر لوئی کوہنی نے جو غسل کے ذریعہ سے علاج کرنیکا موجد ہے، چہرے کے مشاہدے کو ایک مکمل علم بنا دیا ہے چہرے کی بیرونی کیفیتین اور تغیرات اسکا موضوع ہے مقصد اس سے یہ ہے کہ

اِن علامات کو مدِ نظر رکھکر جسم کی اندرونی حالتون یعنی بیماری اور تندرستی کا پتہ لگایا جاسکے - اسکا قول ہے کہ صرف چہرے کو دیکھکر تمام انسانی امراض معلوم ہوسکتے ہین نبض دیکھنے یا کوئی آلہ لگانے کی ضرورت باقی نہین رہتی بشرطیکہ اس طریقہ تشخیص کی پوری پوری مہارت پیدا کرلیجائے -

ہمین یہان اس خیال کی تائید یا تردید کرنے کی ضرورت نہین مگر یہ بہر صورت تسلیم کرنا پڑیگا کہ جسم اور روح و دماغ مین ایک فطرتی ارتباط اور وابستگی ضرور پائی جاتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ہر ذہنی حالت انسانی چہرے پر اپنا اثر ضرور ظاہر کردیتی ہے - اور ہر تغیر باطن کے ساتھ ساتھ بیرونی تغیرات کا ظہور پذیر ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے - محسوسات کتنے ہی پیچیدہ اور لاتعداد ہون، چہرہ خود اپنی کیفیات خارجی کا آئینہ مین ان مین سے ہر ایک کا عکس قبول کرلیتا ہے - وہ مظہر باطن کہا جاسکتا ہے - وہ ایک مرقع ہے جسمین جذبات مختلفہ کی ہر ادنیٰ سی ادنیٰ تصویر اپنی پوری پوری رنگینیون کے ساتھ موجود رہتی ہے -

ظہیر - رضوی
ایم اے (علیگ)

پیامِ خورشید

"یہ تگاپوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل"
(اقبال) خضر راہ

ڈوبتا جاتا تھا اور کہتا تھا مجھ سے آفتاب
گردشِ پیہم مین مضمر ہے مرا رازِ حیات

"تو جمودِ غفلت افزا پر عبث مسرور ہے
زیست ساکن ہو تو پھر بے سُر ہے سازِ حیات

اُس طرف ساکن ہوا دل اس طرف موت آگئی
قلب کی حرکت ہی کا ہے نام آوازِ حیات

سعیِ پیہم مین نہان ہین بے خبر رازِ حیات
جسم کو جنبش دے اور پھر دیکھ اعجازِ حیات

(ڈاکٹر) سید محمد یاسین ہاشمی، ایم اے - ایل ایل بی وکیل غازیپور

مشاہدۂ فطرت اور شاعری

(از جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی)

جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی اُن مغتنم ہستیون سے ہین، جن سے ادبی و علمی دنیا کو بہت کچھ فائدہ کی اُمید ہے۔ آپ ہمیشہ علمی خدمات مین مصروف رہتے ہین۔ اور یہی آپ کا فطری ذوق اور مشغلۂ خاص ہے۔ آپکی تالیفات و تصنیفات بہت کچھ شہرت حاصل کر چکی ہین "مشاہدۂ فطرت اور شاعری" کے عنوان کے تحت مین جو مضمون آپ کا درج کیا جاتا ہے اُس سے ناظرین خود آپکی قابلیتِ خاص، علوِ خیالی، مضمون آفرینی اور وسعت نظر و معلومات کا اندازہ کرینگے۔ (مدیر)

جہان تک بیان کیا گیا ہے ماہرین اور محققین فن نے تخیل کو شاعری کے لئے بیحد ضروری بتایا ہے۔ اور اس مین کوئی شک بھی نہین ہے کہ بغیر تخیل کے شاعری کی نہ صرف ایک مرغ پر شکستہ ہی سے مثال دی جا سکتی ہے بلکہ جہان تک خیال اور قیاس کیا جاتا ہے شاعری تخیل کے بغیر ناممکن ہے۔ تخیل کی قسمین مختلف ہو سکتی ہین اور اصناف شاعری کو ان پر یا انکو مختلف اصناف شاعری پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون کی چند سطور مین جو کچھ لکھنا ہے وہ اُس عنوان یا اُس سُرخی سے متعلق ہے جو ہم اول مین درج کر چکے ہین۔ اس واسطے اس غیر ضروری بحث کو کسی دوسرے وقت فرصت کے لئے اُٹھا رکھتے ہین۔ اِس وقت ہمکو بتانا یہ ہے کہ تخیل بذات خود ایک ایسی چیز ہے جسکا وجود عدم کے برابر اور ہونا نہ ہونے کے مثل ہے۔ اِس لئے کہ تخیل اس قدر اجزا سے مرکب ہے کہ اگر انکو اُس سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تو اُسکی ہستی نیستی کے قعر ذلت سے کچھ ہی دور رہ جائیگی۔

شاعر کی تخیل کو بہت سی چیزین مدد دیتی ہین منجملہ اُنکے۔ مطالعۂ فطرت اور مشاہدۂ قدرت اُسکے لئے اِس قدر موثر ثابت ہوتا ہے کہ اِس سے زیادہ کوئی دوسری چیز نہین ہوتی۔

میری ذاتی رائے نہین ہے بلکہ اکثر محققین کا یہی خیال ہے کہ انسان خیالات اور اُسکی بلند پروازی کی بنیاد محض اُسکے مشاہدہ پر ہے حتی کہ خواب کے متعلق بھی تحقیقات کی گئی تو یہی معلوم ہوا کہ انسان وہی باتین خواب مین دیکھ سکتا ہے جو کبھی اُس نے عالم بیداری مین بھی دیکھی ہون۔ جب یہ ایک کلیہ ہو گیا تو یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہین ہو سکتا کہ انسان کو ان باتون کا خیال ہی نہین آ سکتا جو اُس نے نہ دیکھی ہون۔ یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سی ایسی باتین ہمارے خیال مین آتی ہین جو ہم نے نہین دیکھین۔ اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مطالعۂ فطرت صرف آنکھون کی بصیرت پر منحصر نہین ہے بلکہ حواس خمسۂ ظاہری جس چیز کا ادراک اپنی کسی قوت سے کر سکتے ہین اُسکو مطالعہ ہی کی حدود مین کہا جائیگا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو کہنا پڑیگا کہ تخیل کی کمی پوری کرنے والی گو اور بھی چیزین ہون (اور ہین) مگر سب سے بڑی چیز وہی چیز ہے جسکا جلی نام زیب عنوان ہے یعنی مطالعہ۔

مثال کے لئے ہم آپکے سامنے ایک ایسے شاعر کو لاتے ہین، جسکے دیوان کی تمام دکمال بنا صرف تخیل پر ہے۔ اُسکی جدت تخیل، اُسکی قوت بیانیہ، اُسکی قوت مدرکہ کی کوئی حد نہین ہے، مگر ہم ثابت کرینگے کہ وہ کہین بھی اپنی تخیل کو مطالعۂ فطرت سے علیحدہ نہین رکھ سکا ہے۔

کون ایسا ہے جو ہندوستان کے سرمایۂ ناز شاعر ملا محمد طاہر غنی کشمیری سے ناواقف ہو۔ کون نہین جانتا کہ وہ ایک پرکاہ سے ایک کوہ کے برابر فائدہ اُٹھاتے اور اُسکے کارآمد دلچسپ اور دلفروز کن نتائج پیدا

کرنے مین فرد یا اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اُسکی تخییل پتہ دیتی ہے کہ انسان کی فکرِ رسا کے بازوون مین وہین تک دم رہتا ہے جہان تک اُسکا طائرِ خیال پہونچتا ہے۔ وقت اور فرصت مساعد ہوتے تو ہم اُسکی تمامتر شاعری پر بحث کرتے، مگر ہمارا موضوع کچھ اور ہے، لہذا اُسکے دیوان سے ہم صرف اُن شعرون کا انتخاب کئے لیتے ہین جو اُسنے شراب کے متعلق لکھے ہین، اور اُس مین بتائینگے کہ بہت سی جگہ تخییل کی کمی کو مشاہدہ اور مطالعہ نے پورا کیا۔ بہت سی جگہ تخییل محض مشاہدے کی بدولت پیدا ہوئی۔ بہت سی جگہ تخییل کی کمی دوسری چیزون سے پوری ہوئی۔ مگر مطالعۂ فطرت ہر جگہ اُسکے ساتھ رہا۔

ایک ہی قسم کے مضمون کے انتخاب سے ہمارا ایک اعلیٰ مقصود یہ بھی ہے کہ آج ہم نظر اُٹھاتے ہین تو ہمکو شاعری ایک تحصیلِ حاصل نظر آتی ہے جو ایک مرتبہ شاعر نے کہا ہے اُسی کو ادنیٰ تغیر کے ساتھ وہ بار بار کہتا ہے" اور یہ تخییل کی انتہائی کمزوری ہے۔ اگر یہین تک اس طوفان کی حد ہوتی تو آنکھون کو زیادہ تکلیف اور کانون کو زیادہ زحمت برداشت نہ کرنی پڑتی۔ مگر زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ مشاعرہ مین ایک مضمون کو کہا جاتا ہے تو من اوّلہ الیٰ آخرہ سب اُس مضمون کو اسی طرح کہتے ہین صرف الفاظ کا فرق ہوتا ہے۔ الفاظ ہی کی جدت ایک قابلِ بیان جدت باقی رہ گئی ہے۔ ورنہ

"چو گا دیکہ عصار چشمش بہ بست"

والا معاملہ ہے۔ بدقسمتی سے اگر کہین ایک قافیہ اس قسم کا مخصوص کر دیا جاتا ہے تو اس مین اِس سرے سے اُس سرے تک سب ہم آواز نظر آتے ہین۔ (پیمانہ) کو لیجئے اگر یہ قافیہ دیدیا جائے تو بہت کم ایسے مضمون ہون گے جو آنکھون۔ اور شراب کے ذکر سے خالی ہون اور معمولی سے فرق اور الفاظ کی اُلٹ پھیر کے سوا سب کے یہان وہی ہوگا جو ایک کے یہان سُنا ہے۔ یا نازک خیالی۔ اور مضمون آفرینی کوئی چیز ہی نہین ہے۔ یا اگر کوئی چیز ہے بھی اور اسکو قابلِ قدر جانتے بھی ہین تو ان لوگون کا مطالعۂ فطرت اتنا کمزور ہے جو شاعری کے لیئے ننگ و عار ہے۔ برعکس اسکے، متقدمین کے

یہان ایک ہی مضمون کو سو سو طرح کہا گیا ہے اور ہر جگہ دل و دماغ کو ایک تازہ لطف ملتا ہے۔ مین مثالاً (غنی) کو پیش کرتا ہون، کہتا ہے ؎

بہ بزمِ مے پرستان محتسب خوش عزتے دارد　　کہ چون آید بہ مجلس شیشہ خالی میکند جا را

یعنی مے پرستون کی محفل مین محتسب کی اتنی عزت ہے کہ جب وہ آتا ہے تو شیشہ اپنی جگہ خالی کر دیتا ہے اور اُٹھ جاتا ہے۔ لطافتِ مضمون کے علاوہ کیا کوئی منصف مزاج کہہ دیگا کہ یہ شعر اور اُسکی تخییل بغیر مشاہدہ پیدا ہوگئی۔

شاعر نے دو باتین دیکھین ایک تو یہ کہ جب کوئی مجلس مین آتا ہے تو لوگ اُسکے لئے جگہ خالی کر دیتے ہین۔ دوسری جگہ اُس نے دیکھا کہ جناب محتسب کے میخانہ مین قدم رنجہ فرماتے ہی شیشۂ شراب اُٹھا دیا جاتا ہے۔ اُن دو مشاہدون سے ایک تخییل پیدا ہوئی جو نظم کے سانچے مین ڈھل کر ایک فتنۂ قیامت بن کر نکلی۔ اور سُنئے ؎

بہ بزمِ مے پرستان سرکشی برطاق نہ زاہد　　کہ میریزند مستان بے محابا خونِ مینا را

یعنی محفلِ رندان مین سرکشی صرف طاق پر رکھے رہنے کے قابل ہے۔ کیونکہ رندانِ مست مینا جو انکو بہت پیارا ہے اُسکا بھی خون بہا دیتے ہین۔ اگر وہ طاق پر نہین ہوتا۔ یا بہ الفاظ دیگر اُسکی سرکشی طاق پر نہین ہوتی یہان بھی تخییل مشاہدہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اُس مین الفاظ مناسب نے جان ڈالدی ہے۔ (سرکشی برطاق نہ) (خونِ مینا) وغیرہ سب قابلِ ذکر ٹکڑے ہین، یا ؎

شود از شعلۂ آوازِ قلقل بزمِ می روشن　　مسرت گردم مکن خاموش ساقی شمعِ مینا را

کہتا ہے کہ بزمِ مے کی روشنی صرف شعلۂ آوازِ صراحی پر منحصر ہے۔ لہذا دَور چلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رندون کی بزم مین آوازِ قلقلِ مینا آگ لگا دیگی ورنہ افسردگی چھائی رہیگی۔ یہ آواز جسے شمعِ مینا بھی کہا گیا ہے اُسکو گُل کرنا شمعِ محفل کو بجھانا اور محفل کو بے رونق اور بے نور کرنا ہے۔ اس شعر مین تخییل کی زیادتی ہے۔ مگر الفاظ کا طلسم بندھا ہوا ہے اور برملا تمام مشاہدہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اُسی معمولی مشاہدہ دَورِ بزمِ رندان پر شعر کی بنا ہے ؎

شیشہ بار محتسب از بسکہ بر دیوار زد　　گرد مینا کار آخر خانۂ خمار را

یعنی محتسب نے اِس قدر شیشون کو دیوارون پر مارا کہ اُنکے ٹکڑے ٹکڑے دیوارون مین جڑ کر رہ گئے اور مکان مینا کار ہو گیا۔

بنائے تخئیل صرف اتنی مشاہدہ پر ہے کہ محتسب شیشون کو نہایت بیدردی سے دیوارون مین مار کر توڑ ڈالتا ہے۔ اور میناکار مکان شیشے کے ٹکڑون سے سجا یا جاتا ہے ؎

بعد مردن ہم نہ گردم سیر از صہبا کشی
مے بہ خم نوشم چو گردم خاک در مینا نہا

اِس مین نہایت نازک تخئیل ہے مگر پھر بھی مشاہدہ سے خالی نہین مطلب یہ ہے کہ مین مرنے کے بعد بھی شراب پیونگا۔

یہ خیال اس لیئے پیدا ہوا کہ مصنف نے دیکھا کہ ہر متنفس کے مرنے کے بعد اُسکا جسم نازک خاک ہو جاتا ہے۔ مگر اُسنے یہ بھی دیکھا کہ خاک سے خم بنائے جاتے ہین اور خم اکثر خاک پر رکھے رہتے ہین؛ اس طرح سے گویا اُس نے خاک کو شراب پیتے ہوئے دیکھا۔ اور عجیب و غریب مضمون بنا کر پیش کر دیا۔ اور لیجئے ؎

نتوان چو زاہد از رہِ خشکی بہ کعبہ رفت
کشتی بہ بحرِ بادہ روان می کنیم ما

اِس تخئیل کی بنا صرف الفاظ پر ہے۔ زاہد اور کشتی بادہ تخئیل کی جان ہین۔ مشاہدہ یہ ہے کہ مصنف جانتا ہے کہ سات سمندر پار کعبہ ہے، وہان جانا، اور خشکی کی راہ جانا بہت دشوار ہے۔ دریائی سفر مین آسانی رہتی ہے۔ اسمین اگر شراب کا شوق و عشق سے استعارہ کر لین تو وہ بھی تخئیل کا سہارا دینے والا شمار کیا جائے گا ؎

زیر ہم مے بر وسائے محتسب دستار را
چون پیند سر مینا ست بارِ خاطر ما

مشاہدہ یہ ہے کہ واعظ محتسب وغیرہ اکثر دستار بند ہوتے ہین شیشہ کا کاگ وغیرہ لگاتے ہین۔ رندون کے لئے بوتل کا بند رہنا بارِ خاطر ہے۔ اور اسی طرح دستارِ محتسب رندون کی بارِ خاطر ہے۔ تشبیہ و تمثیل تخئیل کے زور کو بڑھا رہی ہے ؎

چو میل سُرمہ بر آمد ز چشم جانان گفت
کہ سیرِ میکدہ شوید غبارِ خاطر ما

کہنے والے نے میل سرمہ یعنی سلائی جو سُرمہ مین بھری ہوتی دیکھی اُسکو یہین سے ایک خیال پیدا ہوا کہ دل پر غبار ایسا ہوتا ہے۔ اُس نے معشوق کی مست آنکھون کو دیکھکر اُنکی افراط مستی سے اُنکو میخانہ سمجھا۔ اُس نے ایک شخص کو یا اپنے معشوق ہی کو سرمہ لگاتے دیکھا۔ اور دیکھا کہ وہ سُرمہ کی سلائی صاف ہو گئی۔ لہذا اُسکی تخئیل نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ میخانہ کی سیر سے غبارِ خاطر دور ہوتا ہے۔

بعض مرتبہ تخئیل جب اپنی حد سے متجاوز ہو جاتی ہے اور تمینو کی حدون سے دور ہو تی ہے تو شاعر کی گزر محض محال اور فضول باتون کے ادعا پر پڑتی ہے۔ اگرچہ بادی النظر مین وہ باتین خوشگوار بھی معلوم ہوتی ہین مگر اکثر جب نتیجہ پر غور کیا جاتا ہے تو کہنے والا خود سمجھ لیتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا وہ بحران دی کی لاطائل تقریر۔ اور ہذیان کی باتین ہین۔ ذیل مین دو ایک مثالین ملاحظہ ہون ؎

ہشیار ہر گز نشہ مے نیست دل ما
گویا کہ مے و لائے مے است آب و گِل ما

یعنی اِس نشہ مے سے ہمارا دل کبھی ہشیار ہی نہین ہوتا، گویا کہ ہمارا آب و گِل شراب اور اُسکی تلچھٹ ہے۔

مطالعۂ فطرت صرف اتنا ہے کہ انسان شراب سے بیہوش رہتا ہے اور جن لوگون کو یہ عادت بد پڑ جاتی ہے پھر یہ مشکل اُنکو چین پڑتا ہے۔ مگر یہ صرف ادعا کی صورت مین بیڈھنگے طریقہ سے ادا ہوا ہے۔ اسی طرح ؎

ہموار از گفتگوے سفر ناصح چون خنک گردد
توان از آتش مے سوختن این رنگ کاہی را

یہان زیادہ تر الفاظ سے تخئیل کی تکمیل ہوئی ہے۔ باقی خیر و عافیت۔ اسی طرح ؎

ہر کہ بو واز مے پرستان شد مُرید ما شود
تا بر آب افگندیم از دامان تر سجادہ را

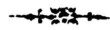
وہی طلسم الفاظ بندھا ہوا ہے۔ ہر ایک لفظ کی تحلیل اور تحقیق سے پتہ چل سکتا ہے۔ اور لیجئے ؎

آتش مے تیز ساز د شعلۂ آواز را
بر کدوئے بادہ باید بست تارِ ساز را

اِس شعر کے معنی اور گہرائی قابلِ غور ہے۔

مندرجۂ بالا شعرون مین جو تخئیل ہے صرف ادعا وغیرہ پر مبنی ہے مگر اِس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ شاعر کی جدت پسند طبیعت ہر پہلو کو ایک جا یان

اور روشن طریقہ سے دکھاتی ہے اور اُسکی جدت تخیل ایک بات کو اتنا مہتم بالشان بنا دیتی ہے کہ معمولی نظر سے دیکھنے والے دیر تک دریائے حیرت مین غوطے کھاتے رہتے ہین - ہم مطالعۂ فطرت کے معنی پر تھوڑی سی بحث کرنے کے بعد آپکو اسی مضمون کے اسی مشہور و معروف شاعر کے بہت سے شعر سنائین گے -



مطالعۂ فطرت سے مراد صرف دیکھنا نہین ہے - یہ معنی اُن لوگون کے لئے مبارک معنی کہے جاسکتے ہین جنہین تحقیق لغات منظور ہو - ایک شاعر جسے تحقیق کی دُھن ہوگی وہ مطالعۂ فطرت عجیب طریقہ سے کرتا ہے جیسے فلسفی ایک شے کو دیکھکر از راہ تعقل اسکی اصل ذات اور تحقیقات کی طرف رجوع کرتا ہے - اسی صورت سے شاعر جب کسی صورت کو دیکھتا ہے تو معاً اسکی نظر اُن تمام جزئیات پر پہونچ جاتی ہے جس قدر اُسمین موجود ہین کبھی کبھی اسکی نظر خود اسکو اور کبھی دوسرون کو بھی جادۂ تحقیق پر لگا دیتی ہے اور کبھی اُس شے کی نوعیت اور صورت حالت کیفیت وغیرہ پر کافی طریقہ سے غور کرکے وہ صرف ایک بے نتیجہ اور دلخوش کن بات (جو کبھی صرف دلخوش کن اور کبھی کامل تحقیقات کا ایک مرتب اور کافی نتیجہ معلوم ہوتی ہے) کہکر خاموش ہوجاتا ہے - مگر اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ شاعر کا مطالعۂ فطرت بہت زبردست ہوتا ہے وہ ہر ذرہ پر اتنی گہری نگاہ ڈالتا ہے کہ کوئی ذی روح ہستی فلسفی کے ماسوا (اور بعض اوقات فلسفی بھی نہین) اتنی گہری نظر سے کسی شے کو نہین دیکھ سکتی - اور یہ مطالعۂ فطرت ہر شاعر کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ جب تک وہ نہ ہو شاعری درجۂ کمال پر نہین پہونچ سکتی شاعری کے لئے محاکات بھی جزو اعظم ہے - مگر محاکات کی تکمیل بغیر مشاہدہ بلکہ زبردست مطالعہ کے ناممکن ہے - بعض لوگون کا قول ہے کہ محاکات شعر اور شاعر کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو شعر قریب قریب بیکار ہے - اس لئے کہ واقعات اور اصل شے کے معائنہ کی طرف قریب کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ محاکات ہی ایسی چیز ہے جسکی بعض اوقات سادگی مطبوع اور بعض اوقات ہوش تابع ہوتا ہے - اگرچہ دونون جزئیات شعر مین نہون مین تو وہ بیکار محض ہے -

مطالعہ اس قدر مفید اور ضروری چیز ہے کہ ایک شاعر جسکو خدا نے علاوہ ازل سے ایک طبع موزون ملی ہے - اُسکے بغیر اگر میدان شاعری مین قدم بھی رکھے گا تو وہ ہمیشہ اُس شخص کے مقابلہ پر جسکا مطالعۂ فطرت در حقیقت اشیا زبردست ہے ناکام ثابت ہوگا - ظاہر ہے کہ شاعر کو مختلف اوقات مین مختلف مذاقون مختلف ضرورتون کا پابند ہوکر ماحول سے متاثر ہوکر کچھ کہنا پڑتا ہے - مگر کیا کوئی شخص یہ امید رکھ سکتا ہے کہ ایک ایسا مفلوک الحال شاعر ایک ایسا بینوا مفلس ناظم جس نے علاوہ اپنی جھونپڑی کے قصر شاہی یا میدان کارزار - یا بزم امیرانہ وغیرہ وغیرہ - کسی چیز کا نقشہ نہ دیکھا ہو ایک اُس شاعر کے مقابلہ پر جس نے دربار شاہی مین کرسی عزت پر متمکن ہوکر قلمدان وزارت پر قابض رہ کر ہمیشہ حکمنامے اور فرامین شاہی جاری کئے ہون - دربار اور دربار کی رونق اور اعلیٰ ہر چیز کا نقشہ اسکے ذہن مین موجود ہو - شاہی مشاعرون اور تقریبون میں اُسکے حافظہ نے محفوظ کر رکھی ہون ہزارون مرتبہ محفل عشرت مین اور شراب مین رات کی صبح کی ہو کلیات اور جزئیات سازو سامان شاہی پر اسکی نظر بسیط ہو - کیونکر ٹھہر سکتا ہے - اسی طرح معاملہ کو برعکس کر لیجئے - اِس غریب سیاح - ایک آوارہ گرد صحرانورد بے سروسامان درویش کے مقابلہ پر جس نے سیکڑون ہزارون راتین وحشیون کی طرح غربت کے جنگلون مین بسر کی ہون جسکے پاؤن کے چھالون نے جنگل کے ہر ایک کانٹے کا جائزہ لیا ہو جسکی نظر جنگل کے ایک ایک پتے اور بوٹے کی تلاشی لے چکی ہو جس نے دریا کی روانی کا پابند ہوکر پہرون اُسکی موجون کو گنا ہو جس نے طائران خوش الحان کی نغمہ سرائی کے سننے مین اپنی عمر کی بیش بہا گھڑیان گزاری ہون وہ امیر شاعر جسے غربت اور سفر صحرا کا اتفاق نہ ہوا ہو کیونکر مقابلہ کر سکتا ہے - غرضکہ تخیل کے لئے جن چیزون کی ضرورت ہے اور جن سے تخیل کی تکمیل ہوتی ہے اُن مین سب سے بڑی چیز مطالعۂ فطرت ہے - اس سے زیادہ شاعر اور شاعر کی تخیل کے لئے کسی دوسری چیز کی نازبرداری کی ضرورت نہین - اب ہم اس نثر کے حصہ کو

ختم کرکے غنی کے چند مضمون شراب کے اوپر نقل کرتے ہین۔ خوفِ طوالت مضمون ہمکو روکتا ہے ورنہ ہم ہر شعر کی مثل سابق تشریح کرتے۔ اب ناظرین کے مذاقِ صحیح اور ذوقِ سلیم کے بھروسہ پر زیادہ محنت کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے اِن شعرون کو نذرِ ناظرین کرکے مضمون ماتحن فیہ کو ختم کرتے ہین ؎

از لطفِ مے چو سرو گل آیند در نظر — ہر چند ریزہ ریزہ کنی جام شیشہ را

بہ منزل مے رساند کشتیِ مے کاروانے را — برو یکدم ازین عالم بآن عالم خیالے را

از شرم توبہ در عرق کو شرابِ ناب — باید متاعِ تر شدہ را داد آفتاب

تا کے فریبِ ہستیِ موہوم مے خوری — نتوان چو عکس آئینہ شد غرق در سراب

از خجالت بر نمیدارد چو نرگس سر ز پیش — ہر کرا فصلِ بہاران نیست در ساغر شراب

تا غنی کرد اجتناب از مے پرستان چو من — گشت عقلِ ما برنگِ نشہ پنہان در شراب

ساغر زدن بسبز خطان بیمزہ ہست — صہبا کشی بریش سفیدان نمکین است

افتادن و برخاستن بادہ پرستان — در مذہبِ رندانِ خرابات نماز است

تا سرش از بوئے مے گرم خمار اشکست — ہیچ کس دیگر ورا چون محتسب بدمست نیست

چہ غم ازین کہ بطِ بادہ بیسبب واز است — کہ در گرفتنِ رنگِ پریدہ شہباز است

مندرجہ بالا دس شعرون مین سے ہر شعر مین تخئیل اور مشاہدہ او تخئیل کے اسبابِ تکمیل پر ایک گہری نظر ڈالئے تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ بغور دنیا کے ہر ہر بیقدر ذرہ کو دیکھنا ایک شاعر کے لئے کس قدر تنوع معانی و مضامین مین مفید ہے ثابت ہو سکتا ہے کاش ہمارے ملک کے بہتر کہنے والے اور مشہور شاعر کوشش کرین کہ ایک مضمون کو متفرق مختلف اور متعدد طریقون سے ادا کرنے کے لئے کن کن چیزون کی ضرورت ہے اور اپنی شاعری کو دوسری زبانون کے مقابل مین نہین تو کم سے کم فارسی کی شاعری کے مقابل پہونچائین جسکے قدم بہ قدم چل کر اُردو نے اتنی ترقی کی ورنہ یہی قلت جو اُردو کے لئے آج ہے ہمیشہ رہیگا۔

عبدالباری آسی

سوز و ساز

از جناب پروفیسر ایم۔ اے۔ خان۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اڈیٹر اُردوئے معلّےٰ دہلی

چھیڑ دے اے زخمۂ غم تار ہائے سوز و ساز — اشکِ خونین مین دکھا دے جلوۂ کیف و گداز

آج یکسان ہے فریبِ حسن و پیمانِ وفا — آج دل سے مٹ گیا وہ رنگ و بو کا امتیاز

صبر کی تاکید بر حق۔ اے حریفِ آرزو — ضبط میرا فرض لیکن تا بہ امکانِ گداز

لے گئی دل سے متاعِ ہوشیاری لے گئی — وہ نگاہِ مست، وہ برہم کنِ بزمِ مجاز

بیکسیِ حسن ہے اور کس پرسی کا گلہ؟ — آ۔ خدا کے واسطے آ۔ عشقِ ہنگامہ نواز

ہوشیار اے دعوئِ بیگانگیِ عقل و ہوش — وہ اُٹھین وزدیدہ نظرین۔ وہ چلے اندازِ ناز

میرے سجدون مین عبودیت سمٹ کر آ گئی — سر ترے قدمون مین گر کر ہو گیا کچھ سرفراز

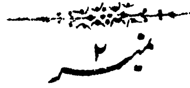
کچھ نہ کچھ تفسیر تو ہو گی تری ہر آہ کی — باز آ۔ اظہارِ غم سے او دلِ افسانہ باز

راز دل کب تک نہ لب پر آئے گا اے جانِ من

تا بہ کے **اکبر** رہیگا یہ جنونِ احتراز

گیتانجلی کی شرح وتنقید

از مولانا سید ابو العلا حکیم ناطق لکھنوی



نمبر ۲

گیت نمبر ۲

"جب تو مجھ سے نغمہ سرائی کی فرمائش کرتا ہے، تو اسوقت
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرط غرور سے میرا قلب شق ہوجائیگا،
مین تیرا منہ تکنے لگتا ہون اور میری آنکھ مین آنسو آجاتے ہین۔"

ایک بلبل خود ہی اس فکر مین رہتی ہے کہ اپنی نغمہ سنجیون سے گل کو خوش کرنے کا موقع حاصل کرے لیکن جبکہ خود گل اپنے عاشق صادق بلبل سے فرمائش کرے کہ تو میری حضوری مین غزل سرا ہو- تو اُس وقت یہ حیرت انگیز مسرت اور غیر مترقبہ نعمت کیا اُسکی ہستی مین اتنا تغیر بھی نہ کریگی کہ عاشقانہ عجز کامیابی کے فخر و ناز سے فوراً مبدّل ہوجائے حرف یہی نہین کہ اس کامیابی کا فوری سیلاب اسے فخر و غرور مین غرق کردے بلکہ بہت ممکن ہے کہ سیل دریل و نامحدود افتخار و مسرت سے قوتِ دل مقابلہ نہ کرسکے اور پاش پاش ہوجائے، حیرت و استعجاب کی شدت سے اپنے مطلوب کا جو کہ طالب اظہار مطلب ہے منہ تکنے لگے کیونکہ معشوق نغمہ کی فرمائش کرتا ہے اور نغمہ اُسے کہتے ہین جسمین آواز کے ذریعے سے جذبات کا اظہار کیا جائے۔ خود مطلوب جب طالب ہوکر طالب اپنا مطلب بیان کرے تو پھر کیا مسرت کی کوئی انتہا ہوسکتی ہے۔

ایسے وقت عاشق گویا ایک نئی آبادی مین اچانک پھینکدیا گیا ہے جہان مختلف اور عجیب قسم کی کامیابیان اور مسرتین اُسے گھیرلیتی ہین۔

معشوق عاشق کی طرف خطاب کرتا ہے، عاشق یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ کیا مین اس قابل ہون کہ میرا معشوق میری طرف مخاطب ہو اور معمولی خطاب نہین بلکہ "فرمائش" اور فرمائش بھی کس چیز کی، اپنے اظہار جذبات کی وہ بھی نغمہ کے ذریعے سے یعنی اثر لینے کو تیار و آمادہ ہوچکا ہے۔

ایک دربار جہان شمع کی لَو کو بغیر اجازت جنبش کی ممانعت ہے- ایک سرکار جسکی شبستان مین پروانہ اپنی فطری جسارت سے باز رہ سکتا ہے- وہ مقدس و منزہ ہستی جو کہ ہر نغمہ و نوحہ او شکر و شکوہ سے بے نیاز ہے- ایک مٹھی بھر خاک سے فرمائش کرتا ہے کہ تو اپنے جذبات کی روح کو نغمہ کے قالب مین پیش کر۔ نغمہ مین کتنے جذبات سما سکتے ہین اور عاشق کتنے جذبات رکھتا ہے، انتہا نہین، ایسے غنیمت وقت مین ہر جذبہ، ہر تمنا کو آرزو نہین بلکہ ضد ہونی چاہیئے کہ "پہلے ہمکو پیش کر" اب کس کو پیش کیا جائے اور کس کو پس پشت ڈالدیا جائے سوائے حیرت سے منہ تکنے کے اور کیا صورت باقی رہی

ناطق، ہوئین جمع دل مین اتنی باتین
کچھ بس نہ چلا ہوا خاموشی کے

معشوق کی فرمائش کس قدر واجب العمل ہے مگر ناممکن اظہار جذبات کا کیسا بہترین موقع ہے، مگر بیکار، شدت کامیابی کا نتیجہ ناکامی، انتہائے مسرت کا انجام غم- فرمائش اور اُسکی تعمیل کے درمیان حیرت کی ایک دُنیا حائل ہوگئی- تحریکِ جذبات کا ایک عالم حد فاصل ہوگیا، کیون نہ آنکھ مین آنسو بھر آئین، کیون نہ دل پاش پاش ہونے لگے۔

اب سوال یہ ہے کہ معشوق کی یہ فرمائش کہ تو نغمہ سرا ہو، واقعہ ہے یا وجدان ہے، یا تخیل شاعرانہ ہے، کیونکہ تخئیل شعری کے یہی تین عنصر ہین۔

ٹیگور کی گیتانجلی تمام و کمال وجدان سے متعلق ہے اور وہ وجدان جو ذوق حقیقی مین سالک پر طاری ہوتا ہے اُسکی صدہا قسمون مین سے ایک قسم یہ ہے کہ موسیقیت رگ و پے مین سرایت کر جائے۔ یہ جذبہ کی تحریک وہ باقاعدہ حرکت ہوتی ہے جسکو لَے کہہ سکتے ہین اور دنیا کی کوئی شے ساکن محض نہین، بلکہ ہر وقت متحرک خواہ بالذات خواہ بالعرض و بالواسطہ اور عالم اس کیفیت سے مرکب ہے کہ ذرات کا باہمی اتصال و انفصال اس حرکت اتصالی و انفصالی کا لازمی نتیجہ آواز ہے تو کوئی شے حرکت سے اور کوئی حرکت سُر و لَے سے خالی نہین، یہی فلسفۂ موسیقیت اور یہی موسیقی تصوف ہے اِسکو محسوس کرنیوالا صوفی ہے اور معلوم کرنیوالا فلسفی۔

مولانا رومؒ اور خواجہ حافظؒ کے یہان کثرت سے یہ مضمون مختلف پیرایون اور الفاظ مین درج ہے ؎

نداے عشق تو دوشم در اندرون دادند ۔۔۔ فضاے سینۂ حافظ ہنوز پر ز صداست

چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق ۔۔۔ کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پر ز صداست

غالب کے علاوہ حال کے اُردو شعرا نے بھی کہا ہے ؎

آفرین اے نغمۂ تکمیل کے صداے بازگشت ۔۔۔ ہے جہانتک سازِ ہستی عالمِ آواز ہے

ٹیگور کا یہ مفہوم جو اُسکو مذکورۂ صدر شعر سے پیدا ہوتا ہے کہ جب اظہارِ جذبات کا موقع دیا گیا تو لازمی ہے کہ مختلف جذبات کو اشتعال و بسارت ہو، اور ان مین بعض جذبات دردناک ہین، بعض طرب ناک، یہی کیفیت موسیقی کے شعبون کی ہے لیکن ہر جذبہ یہ کہتا ہو کہ پہلے ہمکو نغمۂ مناسب کا لباس عطا ہو تو اُس وقت تعمیل ناممکن ہو جاتی ہے یعنی ترک آرزو ہی اصل آرزو ہے، اور دربارِ تصوف مین شادی و غم کا تفرقہ بھی نہین بلکہ جملہ متضاد، متحد و بسیط، یہ دونون خیال بھی نئے نہین ہین۔ مولانا فرماتے ہین ۔ "آرزو بگزار تا رحم آیدش"

اور ع

چونکہ کرد آشتی شادی وغیرہ

اُردو کے شعرا بھی کہتے چلے آئے ہین۔ ؎

گر تجھکو ہو یقین اجابت دعا نہ مانگ ۔۔۔ یعنی سوائے ایک دلِ بے مدعا نہ مانگ

؎

رفتہ رفتہ اس طرح پہونچا حقیقت تک مجاز

پہلے اُسکی آرزو تھی اب وہ خود ہی دل مین ہے

لیکن اس قسم کے شعر وہی شعرا کہتے ہین جو وجدانیات کی قدر و قیمت جانتے ہین نہ کہ وہ جنکو اس بات کی ضرورت ہے کہ مشاعرے مین تحسین و داد حاصل کرین۔ اور لوگون کو یہ یقین دلائین کہ اُنکی تخئیل عام شعرا سے بلند اور اُنکے الفاظ ترکیبی نو ایجاد اور عوام سے جُدا و ممتاز ہین۔ ایسے لوگ صرف بندش و ترکیب سے اپنے شعر کو لباس امتیازی پہنا دیتے ہین، ورنہ بسا اوقات ایسے بلند خیال شعرا کے اشعار بالکل بے معنی ہو جاتے ہین گویا ہستی معنوی سے اِس قدر دور نکل جاتے ہین کہ مفہوم عنقا ہو جاتا ہے صرف لفظین ہی لفظین رہ جاتی ہین۔ جہلا مشاعرے مین محض اس اعتقاد پر تعریف کرتے ہین کہ یقیناً نازک خیالی بہت بلند ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب سہل ممتنع میسر نہین ہو سکتا ہے تو ایک نو ایجاد بندش کا مصرع کہہ کے اُس پر مصرع لگانے کے وقت محض اس خیال پر کہ ساری دنیا سے جُدا اور عالی ہو اس قدر دور نکل جاتا ہے اور ایسا مفہوم سوچتا ہے کہ جسکو اُسکی ادبی کمزوری سنبھال نہین سکتی یعنی اُسکے الفاظ کا ذخیرہ متحمل نہین ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ مطلب عبارت مین آگیا۔ کیونکہ اُسکے دماغ مین گونجا ہوا مضمون اُسے یہی سمجھاتا ہے مگر یا تو یہ مصرعۂ اولیٰ بلاغت اور نحو کے رو سے بے اصول و بے معنی ہو گیا یا مصرعۂ ثانی سے بے ربط رہ گیا۔ جب کوئی ہوائی جہاز اپنی حد سے آگے بڑھ جائیگا جہان اجزاے ارضی ناکافی ہونگے تو جہاز جل جائیگا، اور ناخدا خدا کے پاس پہونچ جائیگا۔ اِسی طرح تخیل شاعرانہ جب اپنے ادبی مادیات سے بلند تر ہو جاتا ہے تو پھر واپس نہین ہوتا ؎

کیونکر اے صدمات روحانی تمہین ظاہر کرون

عالمِ باطن کے لوگون کی زبان کوئی نہین

اس قسم کی بے اُصول اور بے معنی غزل گوئی کو لوگون نے معراجِ شاعری سمجھ لیا ہے جو کہ مہمل اور نوایجاد ترکیب لفظی کے زینون پر چڑھ گئی ہے اور اسکی محرک محض تحسین طلبی اور ممتازیت ہے۔ یون کہنا چاہیے کہ جس طرح امتیازات خصوص کے لئے چرکین اور جان صاحب نے ایک رنگ جداگانہ اختیار کیا ہے، اُسی طرح اِن لوگون نے ترکیبات ایجاد بندہ اور مہمل گوئی سے عوام کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ لیکن اصل شاعری تحسین و داد سے مستغنی ہوتی ہے۔ وہ ایک واقعہ یا کیفیت وجدانی یا ایک خیال کو نظم کرتا ہے۔ اور انہین معمولی الفاظ مین جو روزمرہ بولے جاتے ہین ایک نئی روح پھونک دیتا ہے، شعر کہنے کے وقت اُسکا مافی الضمیر نہین ہوتا کہ لوگ اُسے عالی خیال کہین اور مشاعرہ اُلٹ جائے بلکہ اُس وقت شاعر کا خیال تو در کنار اپنے گرد و پیش کی چیزون کو بھی بھول جاتا ہے، اُسکے کلام مین روحانیت اور بقا ہوتی ہے، اور اُن لوگون کا کلام بے اثر اور ناقابلِ یادگار ہوتا ہے۔ بظاہر لوگ سمجھتے ہین اور وہ خود اپنے آپ کو جانتا ہے کہ وہ مقلد غالب ہے، لیکن حقیقت مین وہ اپنی نفسانیت اور شہرت طلبی کا ہے، غالب کا مقصد وہ ہے جو ہر غزل مین اِس قسم کا شعر کہنے کی کوشش کرے ؎

اُنکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

جس قافیہ مین غالب سہل ممتنع وہ کہہ سکا اُسکو اُس نے پیچیدہ کہا ہے لیکن کوشش اُنکی ہمیشہ یہ رہتی تھی کہ میر کا سا شعر کہے تعجب ہے کہ کوئی مسلمان رسولؐ کا مقلد ہو اور خدا کو نہ مانے۔ خواجہ حافظؒ کے کلام کی روحانیت رہتی دنیا تک رہیگی مگر اِس نئے دورِ شاعری کا رنگ گر اُس مین ہوتا تو شاید چند ہی روز مین کافور ہو جاتا، ٹیگور نے بھی جو کچھ کہا، اگرچہ نہ وہ لفظاً نوایجاد ہے نہ معناً۔ مگر تحسین سے مستغنی ہو کر اپنے ذاتی جذبات کو نظم کیا ہے، یہی مقبولیت و تاثیر کا اصلی راز ہے۔

(ہو الباقی)

قطعاتِ رَوان

(از جناب بابو جگت موہن لال صاحب رَوان ایم اے۔ ال ال بی وکیل۔ اناؤ)

(۱)

تو ملے گر تو میرا شوق ہو محوِ جمال
اور شرمندۂ دیدار ہو صورت تیری
یہ نہ ملنا بھی عنایت سے نہین ہے خالی
کہ نہ پابندِ طریقت ہو حقیقت تیری

(۲)

قدرت نے دل کو مرجعِ عرفان بنا دیا
ہر خارزار کو چمنستان بنا دیا
کیا جلد طے ہوئی ہین ترقی کی منزلین
آزادیِ خیال نے انسان بنا دیا

(۳)

جہانِ عشق مین بیہوشیون کی انتہا جو ہے
وہین سے عالمِ عقل و خرد کی ابتدا سمجھو
علاجِ درد کا جب تک دلِ مضطر ہے طالب
وہی حد ہے کہ جب تک تم مرض کو لا دوا سمجھو

(۴)

مجھے اکسیر میری آہ سوزان کر کے چھوڑیگی
قناعت میرے دردِ دل کو درمان کر کے چھوڑیگی
نتیجہ ہے کہ یا اب مین نہین یا کفر کمزوری
عقیدت میری بے دینی کو ایمان کر کے چھوڑیگی

لٹریچر یا ادب

لٹریچر کے معنی ہین " بہترین خیالات اور بہترین احساسات جو بہترین لفظون مین ادا کئے گئے ہون "۔ روزمرہ کی زندگی مین ہم فطرتاً اس پر مجبور ہین کہ جو خیالات ہمارے دماغ مین یا جو احساسات ہمارے دل مین پیدا ہون ہم اُنکو دوسرون پر بھی ظاہر کرین ۔ اِس اظہار کے لئے ایک خاص طرز تحریر اور انداز بیان ہوتا ہے اور جہان تک ہمکو اِس بیان کے لئے موزون اور مناسب لفظ ملتے ہین ہم دوسرون کو بھی اپنے خیالات اور احساسات سے اتنا ہی متاثر کرسکتے ہین جتنا کہ ہم خود اُن سے متاثر ہوے ہین ۔ لہذا لٹریچر ایک ذریعہ ہے جو الفاظ کی معاونت سے براہ راست ہمارے دل و دماغ کی ترجمانی کرتا ہے ۔ اور ہماری زندگی کے مفہوم کو ادا کرتا ہے ۔

صرف اُنہین کتابون اور عبارتون پر لٹریچر کا اطلاق ہو سکتا ہے جو بحیثیت اپنے نفس مضمون اور طرز ادا کے ہر شخص کے لئے دلچسپی کا سبب ہون ۔ اور جنکے انداز بیان اور ترکیب الفاظ سے پڑھنے والے کے دل مین انبساطی کیفیت متحرک ہو اور جنکے ہر جملے اور ہر فقرے مین زندگی کی لہر اُبھرتی ہوئی معلوم ہو ۔

اگر یہ کہنا بجا ہے کہ لٹریچر کا وجود ترجمانی زندگی ہی پر منحصر ہے تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ صرف زندگی ہی لٹریچر کا مبدا اور سرچشمہ ہے ۔ زندگی کے ہزارہا شعبے ہین مگر لٹریچر کا تعلق صرف اُنہین شعبون سے ہے جنکا انحصار لطیف اور نازک خیالات و احساسات پر ہے ۔ لہذا لٹریچر کی ترکیب عنصری کی روح رواں چند مخصوص اور مابہ الامتیاز باتین ہین جو حسب ذیل مقاصد پر مشتمل ہین ۔

(۱) اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے ہماری خواہش کہ ہم خود کیا ہین، اور ہم اپنی ہستی کو کس طرح نمایان کرسکتے ہین ۔

(۲) بنی نوع انسان اور اُسکے تمام حرکات و سکنات سے ہماری دلچسپیان۔

(۳) دنیائے حقیقت سے جسمین ہم زندگی بسر کرتے ہین اور دنیائے تخیل سے جسکو وجود مین لانے کے لئے ہم اُبھارتے ہین ہماری موانست ۔

(۴) حُسن عبارت اور انداز تحریر مین ہمارا ذوق و شوق ۔

جب اِن تمام باتون کی صلاحیت ہمارے دل و دماغ مین ہوتی ہے اور اسکا ودیعی مادہ ہماری طبیعت مین موجود ہوتا ہے تو جو کچھ ہم اپنے خیالات اور احساسات کا اظہار تحریر کے ذریعے سے کرتے ہین، وہ لوگون کے حظ و دلچسپی کا سبب ہوتا ہے، اور اُنہین کے دل و دماغ کی ترجمانی کیگئی ہے، گویا وہ بھی یہی محسوس کرتے تھے ۔

لیکن عبارت و تحریر مین یہ بات اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ مذکورہ بالا امور کا کافی اثر ہمارے قلوب پر ہو۔ مگر یہ بات آسان نہین ہے ۔ اسکے لئے انتہائی مشق اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے ۔ جب تک ہمارے دل و دماغ، قوت مشاہدہ اور ملکۂ غور و فکر سے لبریز نہ ہون ۔ ہماری تحریر او الفاظ مین اثر نہین آسکتا حقیقت یہ ہے کہ ؎

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن خدائے بخشندہ کی اِس نعمت کا جو اُس نے ہماری طبیعت مین ودیعت کی ہے، ہمکو اُسیوقت احساس ہو سکتا ہے جب ہم اُسکی جستجو اپنے دل و دماغ مین کرین، اگر ہم اپنی جستجو مین کامیاب ہون تو اسکا ادائے شکر یون ہی ہوسکتا ہے کہ اِس جوہر کو اِس طرح استعمال کرین جیسا کہ اِس کا بہترین مصرف ہے اور اِس سعادت بخشندہ کو بزور بازو پایۂ کمال تک پہونچانے کی کوشش کرین ۔ لیکن اگر ہماری طبیعت مین ادبی ذوق و شوق کا مادہ نہین ہے تو پھر ہمکو اِس میدان مین قدم نہ رکھنا چاہئے کیونکہ اِس مین محض تضیع اوقات ہے

اور حاصل اسکا سوائے ناکامیابی کے کچھ نہیں - چنانچہ اسکی مثال آجکل
کی اکثر و بیشتر اس صنف کی تصانیف ہیں جنکے مصنف اُنکے ادبی ہونیکا دعویٰ
رکھتے ہیں حالانکہ واقعی وہ ایسی نہیں ہیں کیونکہ اُن سے مطالب و مقاصد
ادبی حاصل نہیں ہوتے - اس لئے وہ آپ اپنے لئے ننگِ وجود ہیں -
اور سچ تو یہ ہے کہ دنیائے ادب میں ایسے مصنفین کا وجود حد درجہ خطرناک
ہے اس لئے کہ اُنکی تصانیف سے مذاقِ عامہ میں بدذوقی پیدا ہوتی
ہے اور ادبِ لطیف کا خون ہوتا ہے -

لٹریچر زیادہ تر جن مباحث سے تعلق رکھتا ہے وہ حسب ذیل ہیں -

(۱) ہمارا اپنا ذاتی تجربہ و مشاہدہ - جو ہماری خلوت و جلوت کی زندگی
کا حاصل ہو -

(۲) بنی نوع انسان کے مجموعی تجربات - جو زندگی کے اہم مسائل
عامہ پر مشتمل ہوں - مثلاً مسائل زندگی و موت - سزا و جزا - تقدیر و تدبیر -
خدا اور خدا کے ساتھ انسان کے تعلقات اور اسی قبیل کی بہت سی باتیں
جن پر انسان کے باہمی روابط و ضوابط قائم ہیں -

(۳) ہمارے ذاتی معاملات و تعلقات - اپنے ابنائے جنس کے ساتھ
یا تمام تمدنی و معاشرتی دنیا اور اسکے بیشمار ہنگاموں اور کاروبار زندگی کے ساتھ -

(۴) تمام کائناتِ فطرت کے بدیہات اور مظاہر سے ہمارا رابطہ و واسطہ

(۵) خود ہمارے اختراع اور ایجاد کی کوششیں اور اُنکی مختلف
تنوعات کے ساتھ صورت پذیری -

یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر لٹریچر کی بنیاد ہے - لٹریچر کے
ذریعے سے ہم انہیں باتوں پر مختلف پہلو سے روشنی ڈالتے ہیں - طرح
طرح سے انہیں باتوں کی تصویریں مختلف لفظوں اور تحریروں سے کھینچتے
ہیں - اس میں جس قدر کامیاب ہوتے ہیں - اسی قدر ہماری عبارت
اور تحریر میں لطف اور اثر ہوتا ہے -

بہ حیثیت نفس مضمون لٹریچر مختلف انواع پر منقسم ہے مگر چونکہ اسکا
دار و مدار زندگی کی ترجمانی پر ہے اس لئے ہر نوع واقعات زندگی ہی اسکی
ہر صنف نثر و نظم - عبارت - ڈراما - ناول وغیرہ میں اصل لب لباب ہوتے
ہیں - پھر زندگی کی ترجمانی کے واسطے لٹریچر کے ان مختلف اصناف کو
بہترین دلکش و دلنشین پیرایہ میں پیش کرنے کے لئے بڑا حصہ مصنف
کے دل و دماغ کی جدت و ندرت کا ہوتا ہے - سب سے پہلے مصنف کو
نہایت ذہین اور طباع ہونا چاہئے تاکہ وہ جس مضمون پر قلم اُٹھائے اُسمیں
حقیقت کی روح پھونک دے اور ایسی ایسی واقعی باریکیاں اپنے مضمون
میں پیدا کرے کہ پڑھنے والے کے لئے ہر طرح سے دلچسپی و دلبستگی ہو -
اسکے ساتھ ساتھ مصنف کو نہایت حساس اور زندہ دل بھی ہونا چاہئے -
تاکہ اس کے لفظ لفظ میں ایسی تازگی اور ایسا جوش ہو جو پڑھنے والے
کے دل میں تمام حسیات کو اُبھار دے -

اسکے علاوہ مصنف کی قوت متخیلہ کو بھی نہایت ذکی اور تیز ہونا
چاہئے - تاکہ وہ اپنی تحریر میں لطافت و رنگینی کے ساتھ ساتھ تخیل کی
نزاکت بھی پیدا کر سکے اور اپنے مخاطب کو اپنے خیالات کی گہرائیوں
میں اس قدر محو کرلے کہ وہ کچھ دیر کے لئے اپنے وجود کو فراموش
کر دینے پر مجبور ہو جائے - وہ جو کچھ پڑھے اُس میں اُسے بھی معلوم ہو کہ یہ
اُسی کا محسوس کیا ہوا واقعہ ہے - مزید برآں مصنف کو سب سے زیادہ لحاظ
اس بات کا رکھنا چاہئے کہ وہ جس بحث یا جس صنف لٹریچر پر قلم اُٹھائے اسمیں
اُسی کی نسبت سے موزوں اور مناسب الفاظ کا استعمال کرے - اُسی کی
شایان اشارات و کنایات ہوں - اُسی کے مطابق اصطلاحات و محاورات ہوں -
ورنہ اسکے بغیر اسکے مضامین میں ادبی شان پیدا نہیں ہو سکتی -

یہی سبب ہیں جنکے تمام و کمال لٹریچر کی روح رواں ہوتی ہیں اُسوقت لٹریچر کا
اطلاق اس تعریف پر ہوتا ہے کہ لٹریچر نام ہے اُن بہترین خیالات اور اُن بہترین
احساسات کا جو بہترین الفاظ میں قلم بند کئے گئے ہوں -

محمد عبد الحی صدیقی (علیگ) بی - اے -

عکس تحریر شاہجہان پادشاہ غازی انار اللہ برہانہ

(از کتاب "ہسٹری آف ہمایون (ہمایون نامہ)

مرتبہ گلبدن بیگم بنت ظہیر الدین محمد بابر پادشاہ

مترجمہ باضافہ جدہ

اینٹ اِس - بیوریج ام - آر - اے - اس

در تصدیق صحت کتاب مذکور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

این تاریخ مشتمل است بر مجمل احوال حضرت صاحبقران گیتی ستان و اولاد امجاد آنحضرت و سوانح ایام حضرت عرش آشیانی انار اللہ برہانہ تا سال بیست و دوم در عہد دولت پادشاہ بابا تصنیف شدہ حضرت شاہ جہان پادشاہ بن جہانگیر پادشاہ بن اکبر پادشاہ

عکس تحریر گلبدن بیگم بنت ظہیر الدین بابر بادشاہ

یہ تحریر اصل "ہمایون نامہ" تصنیف گلبدن بیگم بنت بابر بادشاہ کہ مرتب کردہ اور اُسکے قلم کے لکھے ہوئے
صفحہ ۲۸ کا (بی) کا عکس ہے۔ جسکو "اینٹ۔ اس۔ بوریج و ام۔ آر۔ اے۔ اس۔ نے اپنے ترجمہ کرکے
"ہسٹری آف ہمایون" میں شائع کیا

طوی میرزا هندال انکه سلطانم بیگم خواهر مهدی خواجه بود ذخیره
بایام عیر جعفر خواجه فرزند یکمرند اشتند و فرزندی نشد
اکه جانم سلطانم را بفرزندی نگاه داشته بودند و وساله روز
که خانزاده بیگم نگاه کرده بودند و عجایب دوست می داشتند
و به برادرزاده خود داند وطوی را در کمال لطافت و خوبی
کردند کوشکه داد سقه و پنج توشک و پنج لیستوق و یک
تکیه کلان و دو تکیه کلوله و توشقه ولحاف مع خرگاه چلبغ
مع سه قوشناک همه زردوزی و سر و پا پهای میرزا اینجا بست
و تاج زردوزی و فوطه و روپاک و رومال زردوزی و
قور بوشش زردوزی و سلطانم بیگم نه نیمتنه تکمه دار جواهر
یکی از لعل و یکی از یاقوت و یکی از زمرد و یکی از فیروزج و
یکی از زبرجد و یکی از عین الهر و دیگر زنجیر کو سه و یک
چارقب و چهار قبچی تکمه دار و یک جفت حلقه لعل و
یک جفت حلقه در سه پنجه و یک بستر شاهی یکدرخت و دو خطیب
و دیگر اسباب و نشیا درخت و رخوت و کارخانها از همه

تغزّلِ ہادی

خان بہادر جناب سید محمد ہادی صاحب ہادی جو مختلف اعلیٰ سرکاری عہدوں پر ممتاز رہ چکے ہیں ملازمت سرکاری سے پنشن یاب ہونے کے بعد ریاست بھوپال میں ناظر تعلیم کے عہدۂ جلیلہ کے فرائض اعلیٰ قابلیت سے انجام دے رہے ہیں - آپکی علمی قابلیت - آپکا تبحر مسلم الثبوت ہے - فن شعر میں جو درجہ آپکو حاصل ہے اس سے اہل فن بخوبی واقف ہیں - آپ بیحد قادر الکلام اور ہر مذاق کے شعر کہنے میں قدرت کامل رکھتے ہیں -

نومبر میں اتفاق سے مجھے جناب نیاز احمد صاحب نیاز خیرآبادی سپرنٹنڈنٹ پولیس ریاست بھوپال (برادر حضرت ریاض خیرآبادی) کے یہاں شرکت تقریب کے لئے جانا پڑا وہاں آپ سے بھی نیاز حاصل ہوگیا اُسوقت اعلیٰ حکام ریاست بھوپال (جنمیں ہر ایک صاحب علم و فن سخن سنج اور قدر دان ہنر تھا) کا اچھا خاصہ مجمع تھا -

ان میں مسٹر محمد اکرم صاحب بی اے انسپکٹر جنرل پولیس - مسٹر سلام الدین صاحب چیف جسٹس مسٹر ولاج الدین صاحب ہوم ممبر - مسٹر حبیب احمد صاحب بی اے انڈر سکریٹری لا اینڈ جسٹس - حکیم سید مبارک علی صاحب معین افسر اعلیٰ نظام پولیس خصوصیت سے قابل ذکر ہیں -

آپ نے احباب کے اصرار سے اپنا قدیم اور کچھ جدید کلام سنایا میں نے اُس وقت کو غنیمت سمجھکر جو کچھ سنا لکھ لیا - اُسمیں سے اس وقت چار مختصر غزلیں پیش کرتا ہوں ، ان میں سے ہر غزل ایک واقعہ خاص سے متعلق ہے آپکا مرحبہ کلام بالخصوص رباعیاں ہم انشاء اللہ کسی اور نمبر میں درج کرینگے - (وصل بلگرامی)

مجھپہ بھی پڑگئی بھولے سے نظر دیکھ لیا
اب ہیں بیزار کہ کیوں ہم نے اُدھر دیکھ لیا

دلِ سوزاں کی تباہی وہ تماشہ سمجھے
کبھی دیکھا نہ تھا پھکتا ہوا گھر دیکھ لیا

مرغِ دل بچۂ رنگین نے نہ چھوڑا آخر
آہمیں کیا آپنے سرخاب کا پر دیکھ لیا

جامۂ بیہوشی کا وہ مکرہ - وہ حیا در پیش نظر
وہ چھپاتے رہے کچھ ہم نے مگر دیکھ لیا

سرِ بازار ہستی ہیں جلوے تیرے لاکھوں
راہ چلتے میں یہ ہادی نے کدھر دیکھ لیا

کسی کا تیرِ نظر دل کے پار ہو جائے
کہیں یہ طائرِ وحشی شکار ہو جائے

کمندِ زلف ہی تیرِ نظر ہے تیغِ ادا
بچے جو اس سے وہ اُس سے شکار ہو جائے

چشمِ مست کو تو آئینہ میں دیکھو اے ترک
کہیں نہ خود یہ شکاری شکار ہو جائے

نظر سے کھینچئے چلکر بیک کرشمہ دو کار
اِسی سے سیر اِسی سے شکار ہو جائے

رہے گا بزم میں انکا یہی کرشمہ و ناز
نہ اپنے دل پہ جسے اختیار ہو جائے

کہاں تک اُس دلِ ناداں کو جبر دو کوسنا
جو تیرے نام سے بے اختیار ہو جائے

دلمیں آجائے بس اتنی ہی تمنا دلمیں
ہم بھی دل کھولکے دکھلائیں کہ ہے کیا دلمیں

آمدِ فصلِ بہاری ہی خدا خیر کرے
کہیں ایسا نہ ہو اچھلے وہی سودا دلمیں

ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد آخر
بنگئی یاس جو در آئی تمنا دلمیں

تم جو بالیں سے مری جاکے پلٹ آئے ہو
جان آئی ہے مری جان دوبارا دلمیں

آؤ پہلو میں اٹھاؤ رخِ روشن سے نقاب
شوق سینے میں ہے پہلو میں تمنا دلمیں

چل کے پہونچا نہ کبھی آپ میں ہاتھ تک ہادی
ہم سمجھتے ہیں جہاں کا ہے ارادہ دلمیں

سلامت اُس بتِ شمشیر زن کے در سے پھرا
پیامبر مرا گویا خدا کے گھر سے پھرا

مریضِ عشق کو ناصح کہاں دماغ اپنا
ہمارے سر کو منا اس نے لو بے اثر سے پھرا

نہ جی بھرا بتِ شیریں دہن کے بوسوں سے
نہ منہ کبھی شیرینیِ شکر سے پھرا

کھلا کسی سے نہ یارانِ رفتہ کا احوال
نہ کوئی راہ روِ ملکِ عدم سفر سے پھرا

حرم سے ہادیِ گمراہ کو پلٹنے دو
وہ بتکدے میں پھر آئیگا جب اِدھر سے پھرا

تاریخ جرمنی

(مسلسل)

فریڈرک اعظم اور نیز ولیم اول کے عہد سلطنت یورپ کے واسطے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن لوئی چہاردہم (فرانس) کی حکومت نے کوئی انقلاب یورپ میں پیدا نہیں کیا۔ اور جو مذہبی انقلاب دنیا میں لوتھر (جرمنی) نے پیدا کیا وہ نہ تو وائملکف اور نہ کوئی اور فرانسیسی فلاسفر پیدا کرسکا۔ بسمارک کا ہم عنان مدبر ہمکو نہ تو انگلستان ہی میں مل سکتا ہے نہ فرانس میں۔

فن حرب میں جیسی جیسی ایجادیں جرمنی نے کی ہیں وہ کسی اور ممالک کے باشندوں کو آج تک نصیب نہیں ہوئیں ۱۹۱۴ء کی عالمگیر جنگ کے بعد جرمنی کا وجود صفحۂ ہستی پر قائم رہنا ایک تعجب خیز امر ہے لیکن نہیں وہ جرمنی جو ۱۹۱۴ء میں قریب قریب تمام ممالک روئے زمین کے خلاف میدانِ جنگ میں آئی اسکی فولادی بنیادیں بسمارک جیسے مدبر شخص نے رکھی تھیں انکو ہلا دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔

تاریخ جرمنی کے مطالعہ سے ہمکو یہ سبق حاصل کرنا ہے کہ ایک نادار وبے سروسامان قوم کس طرح اپنی قوت آزادی کے احساس کے ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن ہوسکتی ہے۔

باوجود اسکے کہ ابتدا ہی سے قوم جرمن میں کئی مذہبی فرقے پیدا ہوگئے اور ان فرقوں کے سبب سے کئی ایسی سلطنتیں نمودار ہوگئیں جنکا مطمح نظر اور حکمتِ عملی ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ تھی۔ اور جو اپنی جغرافی حیثیت سے یورپ کی سیاسی ریشہ دوانیوں کا مرکز بن گئیں۔ مزید برآں اس قوم کو ایسے ایسے سیاسی اور فوجی انقلابات کا مقابلہ کرنا پڑا کہ اگر ایسا ہی وقت کسی دوسری قوم پر پڑتا تو وہ صفحۂ ہستی سے یقینی نیست و نابود ہوجاتی مگر اہلِ جرمن محض اپنی جفاکشی اور طرح طرح کی قربانیوں کے باعث اقوامِ عالم میں نمایاں و ممتاز ہوگئے

باب اوّل

ابتدائی حالات

سرزمین جرمنی جو آج سرسبز و شاداب زراعتوں سے معمور ہے اور طرح طرح کی صنعت و حرفت اور تجارت کی جولانگاہ بنی ہوئی ہے اپنے ابتدائی دور میں بڑے بڑے دلدل کے میدانوں گنجان جنگلوں اور پہاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جرمنی کے زمانۂ اولین کے حالات کا پتہ ہمکو ایک مشہور رومن مصنف Tacitus ٹیسی ٹس کی تحریروں سے ملتا ہے۔ ان دلدلوں میں موجودہ اہل جرمنی کے آباواجداد مکانات بنا کر رہا کرتے تھے جنکے آثار ابتک کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ ان قدیم آثار کو کھودنے سے بہت کچھ ابتدائی تمدن و معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں اکثر بارہ سنگھوں کے سینگوں اور سور کے دانتوں کے تیر اور بھالے وغیرہ پائے گئے ہیں اور پتھر کی کلہاڑیاں اور آرے ملے ہیں۔

جرمنی باشندوں کے وجود کا علم سب سے پہلے جنوبی یورپ کو ہوا جو آغاز تاریخ ہی سے متمدن اور مہذب تھا۔ اور اُسکو یہ علم مارسیلز کے ایک نامی سوداگر پائتھیاس کے ذریعہ سے ہوا۔ یہ شخص سکندر اعظم کے زمانے میں بحر بالٹک کے سواحل پر تجارت کی غرض سے گیا تھا اور وہاں سے عنبر وغیرہ اپنے ساتھ بطور تحائف لایا تھا۔ اُس زمانہ میں (چوتھی صدی قبل مسیح) جرمنی میں بجائے پتھر اور ہڈی کے لوہا اور معدنیات استعمال ہونا شروع ہوگئے تھے اور دستکاری میں نفاست پسندی بھی نمودار ہو چلی تھی۔ کہربا، ہاتھی دانت، اور رنگ برنگ کے پتھروں کے مالے اور مختلف چیزیں تیار ہوتی تھیں جو سنہ ۱۸۴۶ء میں (Halstatt) ہالسٹاٹ کے قریب کھودی گئی اُس میں سے چھ ہزار مختلف چیزیں برآمد ہوئیں۔ اُس زمانہ میں انسان کی لاش آدھی جلائی

جاتی تھی اور آدھی زمین مین دفن کیجاتی تھی۔ بعض قبرین جو دریافت ہوئی ہین اُنکے مشاہدہ سے اُس عہد کے رسومات کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ ایسی قبرین پائی گئی ہین جن مین ایک لاش استادہ ہے اور اُسکے اردگرد اور نعشین سر بسجود ہین۔ اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خاندان کے سردار کی وفات پر اُس کے بال بچے بھی اُس پر قربان کرد ئیے جاتے تھے۔ اسکے علاوہ ان قبرون مین کہین کہین جانورون کی ہڈیان بھی ملتی ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تعجب نہین کہ اُس سردار کے ساتھ اسکے باوفا کتے اور گھوڑے بھی دوسری دنیا مین جسکو اہل جرمنی Walhalla (وال ہالا) کہتے تھے روانہ کرد ئیے جاتے ہون۔ اُسترے اور کنگھیون کے پائے جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے مین لوگون کو بناؤ سنگار کا بھی شوق تھا۔ ایک ہی قسم کے پتھرون کے اوزار دور دور مقامات پر دستیاب ہونے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ فنِ تجارت سے بھی ناواقف نہ تھے۔

مذکورہ بالا حالات تاریخی سند نہین رکھتے۔ یہ محض مورخین کے قیاسات و معمولات کے نتائج ہین یا ان کا جستہ جستہ حال رومن مصنفون کی تحریرون سے اخذ کیا گیا ہے۔ جن مین سے ایک مصنف پلنی بھی ہے جو لکھتا ہے "کہ ساحلِ بالٹک کے باشندون کے گھوڑون کی طرح کھر ہوتے ہین اور اُنکے کان جسم کو ڈھانک لیتے ہین۔

ہماری تاریخ کا آغاز اُس زمانہ سے ہوتا ہے جبکہ اہل روم کا مقابلہ جرمنی کے کچھ قبیلون سے میدان جنگ مین ہوا۔ اس زمانہ کے حالات ہمکو سیزر، اسٹریبو، اور ٹے سی ٹس، سے بھی بہت کچھ دستیاب ہوئے ہین۔ یہ لوگ اپنے عہد کے نامور مصنف تھے۔

باب دوم

اہل جرمن و روم

تاریخ جرمنی و روم کے پڑھنے والون کو مختصر تاریخ روم کا بیان بظاہر غیر ضروری معلوم ہوگا، لیکن تاریخ جرمنی کے سلسلہ مین تاریخ روم کا مختصر ذکر کرنا میرے لئے ضروری اور لازمی امر تھا۔ کیونکہ آگے چل کر ناظرین کو معلوم ہوگا کہ تاریخ اہل جرمنی کو سلطنت روم کا وارث قرار دے گی۔"

دوسری صدی قبل مسیح مین جب اہل جرمن کی جمہوریت نے روم پر حملہ کیا اُسوقت روم کی سلطنتِ ہسپانیہ سے لیکر ایشیاے کوچک تک اور دریاے روبیکان Rubicon افریقہ کے شمالی ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ روم کو شروع زمانہ ہی سے اپنا وجود قائم رکھنے کے واسطے قرب وجوار کے شہرون اور ریاستون سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اِس چھوٹے سے شہر کے باشندے جو ترقی منازل کے بعد دنیا کی بہترین متمدن اور زبردست سلطنت کا مرکز بن گیا اور جسکی بنیاد ۷۵۳ ق۔م مین رکھی گئی۔ فطرتاً بڑے مدبر واقع ہوئے تھے۔ انکا اصولِ حکومت یہ تھا کہ محکوم قومون اور ریاستون کو کبھی بغیر مطالبہ کئے ہوئے کسی قسم کے شہری یا ملکی حقوق نہ دیتے تھے اور وہ بھی بہت ہی طول وطویل گفت وشنید کے بعد اور میدان جنگ مین شاذ ونادر پیش قدمی کرتے تھے ورنہ ہمیشہ حملے کے منتظر رہتے تھے۔ حملہ ہونے کے بعد پھر ان لوگون کا جنگی جوش اس قدر برانگیختہ ہوجاتا تھا کہ جب تک دشمن کو بالکل زیر نہ کرلیتے، کسی طرح چین نہ آتا۔ یہ دو ایسے اوصاف ہین کہ جس قوم کا یہ شعار ہوجائین یقیناً وہ دُنیا مین بہت کامیابی کے ساتھ حکمرانی کرسکتی ہے۔

۵۰۹ ق۔م تک اہل روم بادشاہون کے زیر حکومت رہے مگر بعد کو اُنھون نے اپنے یہان جمہوریت قائم کرلی۔ روم کی عظمت کا زمانہ جمہوریت کے قائم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اٹلی کی جو قوم بھی رومیون کے مقابلہ مین آئی اُسکو ان کا لوہا ماننا پڑا۔ اور اِس طرح رفتہ رفتہ (۲۶۶ ق۔م تک) تمام اٹلی پر رومۃ الکبریٰ کی حکومت ہوگئی۔

روم کی تاریخ مین اب وہ زمانہ آتا ہے کہ دوسری ریاستین اسکو حسد کی نگاہون سے دیکھنے لگین۔ مگر ان ریاستون کا حسد کرنا روم کے لئے بالکل سبق آموز نہ تھا۔ بلکہ واقعہ نفس الامر یہ ہے کہ تجارباتِ ملک گیری خود اہل

روم کے دلون مین اس قدر موجزن ہو گئے تھے کہ وہ دوسری ریاستون سے ذرا ذراسی بات پر چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور انکو جنگ آزمائی کے لئے آمادہ کرتے، حتیٰ کہ اہل روم نے خود اپنی ہمعصر بڑی ریاستون سے لڑائیان چھیڑ دین - جزیرۂ سسلی (Sicily) کو اپنے قبضہ مین لانے کے سلسلہ مین ریاست کارتھیج کو جنگ پر آمادہ کیا - گو کارتھیج Carthage کے سب سے بڑے جنرل ہنیبال (Hannibal) نے قریب قریب تمام اٹلی مین روم کے خلاف ایک آگ لگادی، جس سے کچھ عرصہ کے واسطے خود روم کا وجود معرض خطر مین پڑ گیا، مگر بالآخر کارتھیج کو شکست ہوئی اور ہسپانیہ جو کارتھیج کا زیر نگین تھا رومۃ الکبریٰ کی حکومت مین آگیا - اس طریقہ سے روم نے جنوب مغربی یورپ کو اپنے قبضہ مین کر لیا - اس دور مین روم نے محض کارتھیج ہی سے جنگ نہین کی بلکہ اس نے مقدونیہ اور ایشیائے کوچک کو بھی اپنی سلطنت مین شامل کر لیا -

ان لڑائیون مین مصروف ہونے کی وجہ سے روم کو اتنی فرصت نہ ملی کہ شمال کی جانب اپنی حدود کو وسعت دے - ایک وجہ یہ تھی کہ شمال کی جانب کوہ الپس (Alps) کی سر بفلک چوٹیان دیوار آہنی بن کر اٹلی کے واسطے پشت پناہی کر رہی تھین - دوسری وجہ یہ تھی کہ شمالی حملہ آور ابھی تک بر سر مقابلہ نہ آئے تھے اور چونکہ وہ قومین روم کے مد مقابل نہ تھین لہذا اعلانیہ جنگ سے محترز رہا کرتی تھین - شمالی اقوام کے حملون کی جو بعد مین شروع ہونگے نوعیت بالکل جداگانہ تھی - فی الحال ان کا مقصد روم کی سلطنت کو تباہ برباد کرنا نہ تھا اور نہ حکومت کے خواہان تھے - بلکہ وہ اپنی بود و باش کے لئے زمین کے متلاشی تھے - چنانچہ انکے حملے جنوبی اور مغربی لڑائیون کے مقابلہ مین اس وقت زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے - مگر ہم آگے چلکر دیکھین گے کہ یہی شمالی وحشی قومین سلطنت روم کی بربادی کا باعث ہوئین، بالخصوص اہل جرمن جو اس سلطنت کے جانشین ہوئے اور انہون نے سلطنت روم کا نام انیسوین صدی عیسوی تک روشن رکھا -

روم پر سب سے پہلا خوفناک شمالی حملہ ۳۹۰ ق - م مین ہوا - اہل گال (Gaul) جو گاتھ (Goths) لوگون کے پیشرو تھے کوہ الپس کے شمال و مغرب مین رہتے تھے - انکے ایک فرقہ نے جنکو سانیز (Senones) کہتے تھے - الپس کو قطع کر کے وادی پو (Po) مین اپنا ڈیرہ ڈالا - بود و باش کے لئے زرخیز زمین کی تلاش مین جنوب کی جانب بڑھے اور شہر کلوزیم (Clusium) کا ۳۹۱ ق - م مین محاصرہ کر لیا - اس شہر کے باشندے روم کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے - لہذا انہون نے روم سے مدد مانگی - روم نے سانیز کے پاس ایلچی بھیجے اور کہلا بھیجا کہ وہ شہر کلوزیم کا محاصرہ اٹھالین اور اہل روم کی دوستون پر حملہ نہ کرین - اہل گال کی اس درخواست کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور دوسرے سال (۳۹۰ ق - م) ایک دوسرے فرقہ لنگانیز (Lnganes) کے ہمراہ روم پر حملہ آور ہوئے روم کی تمام عمارتون اور مندرون کو برباد کر ڈالا اور بالآخر کچھ سونا بطور تاوان اہل روم سے لیکر واپس چلے گئے - گو اس حملہ نے روم کو بالکل کمزور کر دیا تھا، لیکن پھر بھی اہل روم نے رفتہ رفتہ اپنی قوت رفتہ پھر حاصل کر لی اور ان ریاستون کو جو اہل گال کے حملہ کی وجہ سے روم کے مخالف ہو گئی تھین از سر نو زیر کر لیا -

(اہل گاتھ نے جو کہ اہل گال کے پیرو تھے آج سے ۸۰۰ سال قبل شہر روم پر حملہ کر کے سلطنت رومۃ الکبریٰ کا شیرازہ حکومت بکھیر دیا)

اہل گال کے دوسرے مشہور حملے ۲۰۰ - ۱۷۸ ق - م کے درمیان ہوئے اس مرتبہ انکے دو فرقے جنکا نام بوئی Boii اور انسلریز (Insuleres) تھا حملہ آور ہوئے - یہ لوگ وادی پو مین اترے اور انہون نے اس بڑی راستہ کو جو اٹلی سے اسپین کو کوہ الپس اور ساحل سمندر کے درمیان ہو کر گزرتا تھا مسدود کر دیا - (باقی آئندہ)

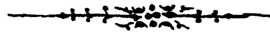
نقد و تبصرہ

(از جناب نواب حیدر یار جنگ مولانا مولوی سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی لکھنوی)



نواب حیدر یار جنگ حضرت نظم طباطبائی کا علمی تبحر۔ فضل و کمال۔ ادب و انشا معنی آفرینی۔ نازک خیالی۔ زورِ قلم۔ قوتِ سخن اور کمالِ فن۔ غرض ہر شے تعریف سے مستغنی ہے۔ آپنے جناب صفدر مرزاپوری کے مشاعرے کے لیے اپنی غزل بھیجی، اور اُس پر خود نقد و تبصرہ تحریر فرما کر عنایت کیا۔ جسکو ہم ذیل میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

وصل بلگرامی



کہان اے نظم لے کر کاروانِ صبر و تاب آیا　　یہان سو بار طوفان، موج خیز اضطراب آیا

لفظ کاروان و طوفان سے پتہ لگتا ہے کہ عالم ہستی کو کوئی وادی تصور کیا ہے جہانتک سے قافلے بھی گزرتے ہیں اور جسمین سیلاب بھی آجایا کرتے ہین

خیال و خواب سا گزرا۔ نظر مثلِ سراب آیا　　یہی جلدی تھی جانے کی۔ تو کیون عہدِ شباب آیا

استفہام یہان انشائے حسرت کے لئے ہے ۱۲

لرز جاتا ہون گر دل مین خیالِ ناصواب آیا　　سمجھتا ہون معاذ اللہ کوئی تیرِ شہاب آیا

ابلیس کی طرح اندیشۂ بد دکھائی نہین دیتا، مگر یہان تیر شہاب کی روشنی مین صاف صاف نظر آیا ۱۲

شبِ غم مین ستارون کے لئے روزِ حساب آیا　　کہ مین گنتا ہون تارے وہ سمجھتے ہین عذاب آیا

میری اختر شماری سے تارے بتنگ آ گئے ہین ۱۲

سحابِ تیرہ لے کر خیمۂ مشکین طناب آیا　　اور اس ظلمات مین لیکر نہ ساقی آفتاب آیا

آفتاب مبتذل سا استعارہ ہے جام شراب سے، مگر یہان ظلمات مین آفتاب کا آنا کچھ تازگی رکھتا ہے ۱۲

عبث کی گردشِ افلاک نے گہوارہ جنبانی　　نہ دل ٹھہرا نہ غم بہلا نہ موت آئی، نہ خواب آیا

فصحا کا محاورہ یہی ہے کہ ٹھہرنے مین دونون طرح کی (ہ) بولتے ہین۔ مخلوط و غیر مخلوط ۱۲

نکل اے جانِ مضطر مین بھی ہون اب ہم عنان تیرا　　ٹھہر اے عمرِ رفتہ مین بھی تیرے ہم رکاب آیا

ہون۔ اب۔ ہم۔ مین کھُلا کھُلا تنافر ہے۔ لیکن مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ اس شعر کو نکال ڈالون ۱۲

ہنسی آئی۔ حیا آئی۔ چڑھی تیوری مین حیران ہون　　یہ مجھ سے کیون نگہ پھیری۔ یہ مجھ پر کیون عتاب آیا

کسے ہنسی آئی کسے عتاب آیا، اسکا کوئی ذکر ہی نہین مسند الیہ جملہ کی جان ہے۔ اُسی کو حذف کر دیا مگر یہ حذف بڑا لطف انگیز ہے ۱۲

اُٹھایا زیرِ خنجر لطف نظارہ کا جی بھر کے نہ بسمل کی پلک جھپکی نہ قاتل کو حجاب آیا

غضب ہے اگر کوئی سمجھے کہ خنجر یہان اور بسمل و قاتل اپنے اصلی معنی رکھتے ہین ۔ غالب مرحوم نے اسی بات کو سمجھایا ہے۔

مطلب ہے ناز و غمزہ وَلے گفتگو مین کام چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر ۱۲

یہی معلوم ہوتا ہے محبت سے حسینون کی کہ مرنے کی مرادین مان کر عہدِ شباب آیا

کسی سے محبت کرنا اور کسی پر مرنا ایک ہی بات ہے، ضرورتِ شعر نے مجبور کیا کہ عشق کی جگہ یہان محبت کا لفظ اختیار کیا ہے ۔۱۲

مہِ نو کے اشارہ سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ جو آیا سرائے دہر مین پا در رکاب آیا

ہلال دیکھتے ہی دیکھتے چھپ جاتا ہے اور یہی اُسکا اشارہ ہے اور اس اشارہ سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ اِس سرا مین جو آیا ۔

بہت جلد جانے والا ہے، رہی تشبیہ یعنی ہلال کو رکاب سے اس قدر مبتذل ہو گئی ہے کہ اُس مین کچھ لطف نہین رہا ۔۱۲

نہ جانے طاقتِ رفتار کیا کہتی ہی رہ رہ کر مین اب جھک جھک کے چلتا ہون کہ سُن لون کیا جواب آیا

جھک جھک کر چلنے کا سبب یہ ہے کہ مین سُننا چاہتا ہون کہ طاقتِ رفتار کی طرف سے کیا جواب آیا ۱۲

اثر یہ ہی خلوصِ قلب کا رندانِ مے کش کے دعا کو جب اُٹھایا ہاتھ گھر گھر کر سحاب آیا

خلوصِ قلب کا یہ مرتبہ ہے کہ گناہون سے بھی اُسے ضرر نہین پہنچتا ۔ شعرا ہمیشہ سے اسی مذہب کی تائید کرتے ہین ۱۲

جواہر ریز ہے گردون طرب انگیز ہی ہامون شفق سے شیشۂ شبنم مین یاقوتِ مذاب آیا

یعنی شفق کا عکس شبنم مین ایسا ہے جیسے یاقوت گداختہ ۔۱۲

فلک زیرِ فلک ہے کائنات اس بزمِ ہستی کی مے عشرت کا پیمانہ حباب اندر حباب آیا

حباب کی ہستی کچھ اعتبار نہین رکھتی ۔ اسی سے پیمانہ و مے کی حالت ظاہر ہے کہ وہ بھی بے ثبات ہین ۔۱۲

نہ پوچھو دم نکلنے مین تھی کیا لذت شبِ غم کی اجل اس طرح سے آئی کہ مین سمجھا کہ خواب آیا

بعض لوگ اس طرح سے نہین کہتے کہ اس مین سے کو زائد سمجھتے ہین ۔ اس سے مجھے اتفاق نہین ہے ۔۱۲

نہ جا میخانہ اے نظمؔ ہم کہتے نہ تھے تجھ سے
وہان سے ہو کے سرشار و سیہ مست و خراب آیا

شعر جب حقیقت پر محمول نہ ہو تو یہی قرینہ ہے اس بات کا کہ اسمین استعارہ ہے یعنی میخانہ مین جانے سے لذاتِ دنیا مین منہمک ہونا مراد ہے اور خراب ہونا استعارہ ہے بُرے نتائج سے جو انہماک لذات سے پیدا ہوئے ہین ایک ناصح مشفق کی زبانی شماتت کے لہجہ مین اس مضمون کو ادا کیا ہے ۔

نظم طباطبائی



فریبِ خیال

(افسانہ)

(از حضرت نیاز فتحپوری)

(خاص "مرقع" کے لئے)

رشید، کبھی متاملانہ قدموں کے ساتھ اور کبھی غصہ و برہمی کی تیز رفتار سے برآمدے کی چھت کی کوئی سو مرتبہ پیمایش کر چکا ہوگا، لیکن اُسکی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ کرے تو کب تک اپنی بدمزہ اور غیر مطمئن زندگی کی تلخیوں کو برداشت کئے جائے ــــــــ

اُس نے اپنی مٹھی کھول کر ایک پرچہ کاغذ کا نکالا اور دیکھنے لگا، دیکھا اور پھر تازہ برہمی کے ساتھ ٹہلنے لگا ــــــــ

وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا، اپنی حال کی امیدوں کے تجزیہ میں مصروف تھا اور اپنے مستقبل پر بھی ایک سحر آمیز نگاہ ڈالتا جا رہا تھا، جسکی بیک گراونڈ (Back Ground) اُسکو کیمہ نقش و نگار نظر آتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے پھر اس تحریر کو دیکھا اور اُسکے خیال نے الفاظ کی و جذبات نے آواز کی صورت اختیار کرلی:-

میں، کہ اس وقت علمی دنیا کی تمنائیں میرے ساتھ وابستہ ہیں، میں "کہ میرے قلم سے ہر ہر لفظ معیارِ ادب بنکر نکلتا ہے، اور ہاں وہی میں، کہ جسکے افکار دماغ اور زائیدہ خیال کا ایک ایک نقش بطیعت مستقل آرٹ سمجھا جاتا ہے":

(وہ اپنے اس اندازِ بیان سے متاثر ہوکر خود ہی تن گیا)

کس قدر دردناک فیصلہ فطرت کا ہے کہ وہی میں اپنی ازدواجی زندگی کے اعتبار سے، اُس شعبۂ حیات کے لحاظ سے جو آج مہذب دنیا میں تمام ذہنی و دماغی ترقیوں کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے، اس قدر بدنصیب واقع ہوں!

یہ تحریر اور رشید کی بیوی کی! سواد تحریر ملاحظہ ہو - میں نے تو بچوں کو بھی اس قدر بدخط نہیں دیکھا، حرفوں کا جوڑ دیکھئے کس قدر سلسل ہے، جیسے کوئی ہکلا رہا ہو، املا تو خیر کیا درست ہوگا جبکہ اُن کے باپ کو بھی اسکا سلیقہ نہیں اور نعرہ کو نارہ، منقح کو منجھ، لکھنا اور بولنا انکا روزمرہ ہے۔

مجھے کس قدر شرم آتی ہے، جب کوئی دریافت کرتا ہے کہ آپکی شادی کس خاندان میں ہوئی، نہ کوئی دنیاوی جاہ و ثروت، نہ کوئی علمی شہرت و قابلیت، نہ کوئی ذاتی وجاہت و اہمیت، معمولی طبقے کے لوگ اور معمولی انسانوں کے درمیان نشو و نما پائے ہوئے جانور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ میں کیا چیز ہوں "اور دنیا مجھے کس نگاہ سے دیکھتی ہے"-

والدِ مرحوم اپنی فراست و دانائی کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی فائق مرتبہ کیوں نہ رکھتے ہوں، لیکن یقینی ہے کہ وہ نبض شناسِ فطرت نہ تھے اور اُنہوں نے میری شادی کے مسئلے میں اس قدر استبداد سے کام لیا کہ دنیا کا کوئی حساس دماغ اسکو برداشت نہیں کرسکتا۔

ہر چند جس وقت اُنہوں نے میری شادی کی میں

طالبعلم تھا، اور اُنکے ہاتھ مین صرف ایک بندۂ بیچارہ
کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن وہ یہ تو سمجھتے تھے کہ میری
دماغی رفتار اور میری فطری استعداد کیا ہے اور مین کیونکر
ایک جاہل خاندان مین پرورش پانے والی جاہل عورت
کے ساتھ زندگی بسر کرسکتا ہون ؟ -

زرا طریقِ خطاب ملاحظہ ہو:-

"میرے سرتاج"

استغفر اللہ، وہی دقیانوسیت، وہی اختلا پیدا کرنے والی
فرسودگی، ہزار مرتبہ سمجھایا کہ مجھے کسی ایسے مکروہ لفظ سے
مخاطب نہ کیا کرو، بلکہ بغیر کسی تمہید کے مطلب کی بات
شروع کردیا کرو، لیکن وہ تو دماغ کی راہین قدرت کی طرف سے
پیچیدہ بنادی گئی ہین، سمجھ مین کیونکر آسکتا ہے -

"یہان بہمہ وجوح (وجوہ) خیریت ہے،
اور آپکی خیریت خوداوند (خداوند)
کریم سے نیک خاہان (خواہان)"

اللہ مجھ خیریت چاہنے والی کو دنیا سے اُٹھالے، یا پھر
مجھی کو، کہ دوبارہ یہ فقرے نظر سے نہ گزر سکین - اِس
اندازِ تحریر پر میری خیریت چاہی جاتی ہے - زہر دے کر
مزاج پرسی کی جاتی ہے - بارہا کہا کہ تم خط نہ بھیجا کرو -
مجھے جب کوئی ضرورت ہوگی تو خود لکھدیا کرونگا، لیکن
اظہارِ محبت کی تکمیل بھلا بغیر میری جان لئے کیونکر ہوسکتی ہے -

"عرسے (عرصے) سے آپنے اپنی خیریت
پھر وہی خیریت ؟ ضد ٹھہری نا - نامعقول، جاہل، بدتمیز"
سے آتلا (اطلاع) نہین دی، دل کو
بہت فکر ہے"

یہ بھداداغ اور فکر، کمبخت اگر تجھ مین حس ہوتی تو میرے طرزِ
عمل کو دیکھ کر کب کی فکر کے مارے مرچکی ہوتی، لیکن ایسے
بے غیرتون اور بے شرمون کو فکر، تردد، اور تاثر سے کیا واسطہ

جانور ہین جانور! کھاتے ہین، جی رہے ہین -

"مین جانتی ہون کہ آپ کو مجھ سے کبھی
محبت نہین ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے، کیونکہ
مین جاہل ہون، بیوقوف ہون، اور
کسی طرح آپکی بیوی بننے کے قابل نہین
ہون، لیکن کچھ ہو، میری محبت تو کم
نہین ہوسکتی، کیونکہ وہ تو میرا دین و ایمان ہے -
خدا کے لئے کبھی کبھی تو اپنا حال لکھدیا
کیجئے - میری خاطر نہین، سعیدہ کی
خاطر سے، کہ باز (بعض) دفا (دفعہ)
وہ آپ کو یاد کرکے رو دیتی ہے"

خدا جانے یہ جملہ کیونکر ایسا مربوط ہوگیا - مگر چلتے چلاتے
پھر بھی باز اور دفا کے دوچرکے لگا ہی گئین ——
ہان یہ سعیدہ ہی کا خیال ہے جو اس وقت تک مجھے روکے
ہوئے ہے - ورنہ خدا جانے مین کب کا آزاد ہوچکا ہوتا -
غضب تو یہی ہے کہ ایک نا اہل اور جاہل ماں کی تربیت
اُسکے مستقبل کو بھی تباہ کرچکی ہے اور میرے لئے اس مین
بھی عار ہے کہ مین اُسکو اپنی بیٹی کہہ سکون ——

رشید کا غصہ دفعتاً پھر بڑھ جاتا ہے اور اِس تحریر کے پرزے پرزے کرکے
منتشر کردیتا ہے، تھوڑی دیر تک پھر ٹہلتا ہے، لیکن اس مرتبہ اُسکے چہرے
سے ایک خاص قسم کی مسرت ٹپکتی ہے، رفتار مین بجائے اضطراب کے سکون ہے،
چہرے پر غصے کے بھیانک نقوش کی جگہ لطف و نشاط کے خطوط نمایان ہوجاتے ہین

وہ جیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام کرسی پر بیٹھ کر پہلے لفافہ کو دیر تک دیکھتا ہے :-

"انگریزی کا خط اور ایسا خوبصورت، اور اس درجہ
لبریزِ صنعت، لفافہ کا رنگ تو دیکھیے حُسنِ ذوق کی آخری
حد ہے"

پھر لفافہ کے اندر سے اُسی کے ہم رنگ ایک کاغذ نکالتا ہے، اور پڑھنے لگتا ہے :-

"..... رشید" ——————
اسکو کہتے ہین ذوق کی لطافت، ادب کی نزاکت، معنی
کا حُسن، کہ صرف نقطہ لگاکر کس طرح یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے کہ ہر چند تم ہو تو "میرے" ہی لیکن
مین تم کو ایسا لکھ نہین سکتی، یہی ہے وہ شاعرانہ لمحہ،
اور یہی ہین وہ قیامت زا ادائین جنکو
"پرسش ہی اور پاے سخن درمیان نہین"
سے تعبیر کرتے ہین حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔
"یہ مین کب تک لکھے جاؤن کہ زندہ ہون۔
بے غیرتی اور اُس پر یہ اصرار!
خدا کے لئے اس احساس کو میرے اندر
قوی تر ہونے دیجئے۔ کیونکہ زندگی نام ہے،
صرف بے حسی کا۔
کیا طرزِ ادا ہے، کس قدر دلکش اسلوب بیان ہے، شوق
مین جان دیدینے کا مفہوم نہایت پامال بات ہے، لیکن
یہان اسکا کیفی کرنہین کیا گیا، اور مدعا وہی ہے۔
"آپ سے بارہا عرض کیا کہ مجھے میرے
حال پر چھوڑ دیجئے لیکن آپ نہین مانتے،
کسی داغدار ہستی کی دل پرسی، اگر
نمک پاشی نہین تو خندہ زنی کی مترادف
ضرور ہے" ——————
سبحان اللہ، نمک پاشی سے اعراض کرکے خندہ زنی
کہنا جو شاعری کی زبان مین عین نمک پاشی ہے کس
قدر بلیغ انشا ہے۔ مترادف! ظالم کا عربی علم بھی کم
نہین، عام لوگون کی طرح مرادف نہین لکھا، بلکہ مترادف
لکھا، جسکو خواص ہی لکھ سکتے ہین۔
"آپ تفصیل دریافت فرماتے ہین؟
اچھا تو سُنیے۔ شب گزشتہ جو میری
اور سوگوار راتون سے کم تاریک تھی، اس
تفصیل کے اجمال کو مین ان الفاظ سے
ظاہر کرسکی ہون :-
کیا ہوگیا نسیم کو پھر یہ خبر نہین
اک چیخ تو سُنی تھی دمِ انتہاے شب۔
کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہین؟
اگر یہی خواہش ہے تو اُس وقت کا انتظار
کیجئے (جو غالباً دور نہین ہے) جب
میرے لبون پر ہمیشہ کے لئے مُہرِ سکوت
ثبت ہوچکی ہوگی، کہ اس سکون کے لئے
ایسے ہی سکونِ مطلق کی ضرورت ہے،
اِس زمین مین ایک خیال او نظم ہوگیا تھا
جسکا مفہوم اب میرے ذہن مین بھی نہین ہے۔
داماںِ صبح پر نظر آتا تو ہے مجھے
ہان ایک داغِ بے اثری دعاے شب

پہلا شعر کس قیامت کا ہے اور کس درجہ تیر کا رنگ لیے ہوئے ہے - دوسرا شعر بالکل مومن کا معلوم ہوتا ہے، آفتاب کو دامن صبح کا ایک داغ کہکر دعائے شب کی بے اثری کے اثر کو ثابت کرنا کس قدر بلیغ انداز بیان ہے، مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر شب ہجر کی صبح ہوئی تو بھی کیا، جبکہ ایک مہجور کا دل بھی داغدار ہوتا ہے لیکن اسکو بیان کیا اس انداز سے کہ رات کی دعائیں خود کتنی ہی بے اثر رہی ہوں، لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت میں دامانِ صبح پر ایک دھبہ چھوڑ گئی ہیں، پھر اسی کے ساتھ ضمناً التہابِ عشق کا اظہار جس حُسن کے ساتھ ہو گیا وہ ایک جُداگانہ لطف ہے -

"خیر - یہ باتیں نہ کہنے کی ہیں نہ سُننے کی، وقت آجائے تو صرف دیکھنے کی، چھوڑیے اِن قصوں کو - اب یہ بتائیے کہ آپ کا ڈرامہ ظلمت و نور کب تک مکمل ہو کر شایع ہو جائے گا۔ آپ نے بڑا ظلم کیا کہ اُسکے ناقص اجزا بھیجکر مجھے بیتاب بنا دیا، ہر چند یہ حقیقت ہے کہ آپکے خیالات سے پورا لطف اُٹھانے کی اہلیت مجھ میں نہیں ہے، لیکن اپنی قابلیت کے لحاظ سے بھی جو کچھ میں آپکی تحریروں سے سمجھ لیتی ہوں وہ بھی سر دُھننے کے لئے کافی ہے - میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایک انسان کیونکر الفاظ پر ایسی زبردست قدرت حاصل کر سکتا ہے، اور اس درجہ بلند خیالات کی بارش مسلسل و متواتر کس طرح ہو سکتی ہے - آپنے شیطان کا کیرکٹر پیش کرنے میں فی الحقیقت اُس تصورِ انسانی کو پیدا کرنا چاہا ہے، جسکے وجود کا علم بھی ابھی تک لوگوں کو نہیں، حیرت کرتی ہوں کہ کتنے آدمی اسکے سمجھنے والے آپکو مل سکیں گے، مگر آرٹ ان باتوں سے بے نیاز ہے، صنعت کسی تعریف کی محتاج نہیں، گلاب کا پھول جنگل کی جھاڑیوں میں بھی وہی صنعت و رنگ و بو ہے، خواہ کوئی نگاہِ انسانی اُس تک پہونچے یا نہ پہونچے - معاف کیجئے میں نے بہت سمع خراشی کی - اب اجازت دیجئے کہ اس تحریر کو ختم کروں۔"

"نسیم"

نسیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گہرا اثر چھوڑ جاتا ہے حیرت ہے کہ کس فضا میں اُسکی تربیت ہوئی ہے اور اس قدر بلند خیالات اُسکے دماغ میں پیدا ہونے کا کیا سبب ہے پھر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود اتنے عرصے سے خط و کتابت ہونے اور باوصف اس حقیقت کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے آج تک کبھی ایک لفظ بھی بے تکلفی یا بے اختیاری کا اُسکے قلم سے نہیں نکلا -

کتنی بار اُس نے دبی زبان سے یہ بھی خواہش کی کہ میں کلکتہ جا کر اُس سے ملوں، لیکن اس کمبخت کاروبار سے فرصت ہی نہیں ہوتی، اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود بھی پس و پیش

کرتا ہون کہ مبادا ملنے کے بعد وہ میری طرف سے اُن
خیالات و توقعات کو واپس لے لے جو اِس وقت تک
تحریرون کے ذریعے سے مین اُسکے دل مین پیدا کر سکا ہون
لیکن آخر اسکا نتیجہ کیا ہوگا، اس ڈرامہ کا اختتام کیا
ہو سکتا ہے، یا کیا ہونا چاہیے ——————"

اُسکا خیال اس حد تک پہونچا تھا کہ عباس آگیا اور اُس نے آتے ہی رشید کی صورت دیکھ کر سمجھ لیا کہ آج پھر حضرت پر بحران عشق طاری ہے۔

"کیون" کیا اور کوئی تازہ چرکہ نصیب ہوگیا ہے ؟"

—— "تم نے آج تک میرے مسئلہ پر کبھی سنجیدگی سے غور نہین کیا حالات زیادہ نزاکت اختیار کرتے جاتے ہین، اور مین جلد سے جلد اگر کوئی فیصلہ نہ کرونگا تو ممکن ہے کچھ زیادہ خراب صورت پیدا ہو جائے"

—— "آپ ہین عقلمند، مین بیس دفعہ کہہ چکا کہ سعیدہ کی مان کو طلاق دو اور کلکتہ جا کر نسیم کو بیاہ لاؤ، اِس سے زیادہ دلخوش کن فیصلہ تمھارے لئے اور کیا ہو سکتا ہے"

—— "وہ تو مین سمجھتا ہون کہ تم اِس معاملہ مین کبھی متین نہین ہو سکتے"

"اچھا یہ منظور نہین تو نسیم سے خط وکتابت بند کرو، بیوی کو پاس بلا کر رکھو اور اُس طرح زندگی بسر کرو جس طرح شرفا بسر کیا کرتے ہین - اور ہان اِن دو صورتون کے علاوہ ایک تیسری صورت اور بھی ہو سکتی ہے، اور وہ یہ کہ نہ ایک کو باقاعدہ طلاق دو، نہ دوسری سے باضابطہ شادی کرو، لیکن اُسکو مطلقہ کے حکم مین رکھو، اور اسکو منکوحہ سمجھکر ربط پیدا کر لو"

—— "اور ایک چوتھی صورت اور بھی تو ہے - کیا یہ ممکن نہین کہ صفیہ کو طلاق دئے بغیر نسیم سے نکاح کر لون"

—— "نہین" یہ صورت ناقابل عمل ہے، کیونکہ اول تو مجھے اِسی مین کلام ہے - کہ نسیم تم سے شادی کرنا بھی چاہتی ہے یا نہین، اور وہ اگر بفرض محال وہ اسپر راضی ہوئی بھی تو اُسکی اولین شرط یہی ہوگی کہ پہلی بیوی کو طلاق دو"۔

—— ممکن ہے ایسی صورت پیش آئے لیکن جبتک پوری طرح اسکا یقین نہ ہو پہلی تین صورتون پر غور کرنے کی ضرورت نہین معلوم ہوتی"

—— "رشید، تم نے ابتک نہ بتایا کہ یہ کس خاندان کی لڑکی ہے کیا عمر ہے، اور اسکی تعلیم کہان اور کس حد تک ہوئی ہے"

—— "یہ مجھے خود نہین معلوم، مین نے تو "اکسچینج کلب" (Exchange Club) مین ممبر ہونے کے بعد ممبرون کی فہرست مین اس نام کو دلچسپ دیکھ کر خط بھیجدیا اور رفتہ رفتہ نوبت یہان تک پہونچ گئی لیکن اُسکی تحریرون سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی تعلیم بہت بلند ہے، اور کسی معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہے - مین نے ایک مرتبہ ......"

رشید کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ ڈاکیہ نے لا کر چند خطوط دئے جنمین سب سے پہلے رشید نے یہ کہتے ہوئے کہ :-

"لیجئے ایک اور خط اُن کا آگیا"

ایک بڑے لفافہ کو چاک کیا جسمین تحریر تو نہایت مختصر تھی کہ :-

"مین میوزک کانفرنس مین شرکت
کی غرض سے لکھنؤ آرہی ہون، صحیح
وقت تاریخ سے بعد کو ذریعہ تار اطلاع دونگی"

لیکن اسی کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی - جسکے نیچے یہ لکھا ہوا تھا :-

"تاکہ آپ مجھے پہچان لین"

"نسیم"

رشید دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا، اور پھر عباس کو حوالہ کر کے خود سر پکڑ کر اس طرح بیٹھ گیا کہ جیسے کوئی بڑی سخت مصیبت نازل ہوئی ہو -

اِس وقت تک رشید کی جو کچھ گرویدگی نسیم کے ساتھ تھی، اُس کا بڑا سبب صرف یہ تھا کہ نسیم نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ ادب کا صحیح ذوق رکھنے والی

ثابت ہوئی تھی اور شاید ایک ہلکا سا تعلق اس فلسفہ سے بھی تھا کہ ابتک اُس نے اُسکو دیکھا نہ تھا، لیکن اب جو تصویر اُس نے دیکھی تو اس کی وہ گرویدگی دفعتاً محبت مین تبدیل ہوگئی اور پس و پیش کا وہ عالم کہ اُسکو کیا کرنا چاہیئے دفعتہً دور ہوگیا اور صورت پر نگاہ ڈالتے ہی اُس نے یہ فیصلہ کرلیا، کہ اگر کوئی حقیقی مدعا زندگی کا ہوسکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ نسیم کو شریکِ زندگی بنالیا جائے۔

ایک سرو قامت زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال کی لڑکی، کتابی چہرہ، بنگال کی نشیلی آنکھین، بڑے بڑے بالون کا جوڑا، خدوخال نہایت ذہین، ریشمی سبک ساری مین نہایت خوش وضعی کے ساتھ لپٹی ہوئی۔ یہ تھا مجموعہ تصویر کے سیاہ و سفید خطوط کے امتزاج و اختلاط کا، اور ہرچند بحیثیت مجموعی کوئی ایسی قدرت اُس مین نہ پائی جاتی تھی جو صاحب تصویر کے غیر معمولی حُسن کی شہادت مین پیش کی جاسکے۔ لیکن رشید چونکہ پہلے ہی سے بڑی حد تک مغلوب ہوچکا تھا اور اب تصویر کے جابجا ہلکے سایون نے جن مین مشاق مصور نے زیادہ تر اپنی پنسل کی مدد سے پیدا کیا تھا اُسکے صنعت پسند دماغ کو اور زیادہ متاثر کردیا، اِس لئے اُس نے اپنی پہلی نگاہ کا جائزہ بھی ختم نہ کیا تھا کہ فوراً سربسجود ہوگیا اور دفعتاً اُسکے دماغ مین اس قدر کثیر خیالات و جذبات کا ہجوم پیدا ہوا کہ اُسکا سر چکرانے لگا، اور تھوڑی دیر کے لئے اُس نے ایسا محسوس کیا کہ وہ اِس زمین و آسمان سے علیحدہ کسی اور جگہ پھینک دیا گیا ہے جہان انسان خواب و بیداری کے درمیان ایک سُکر کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

ہرچند رشید تعلیم کے لحاظ سے کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا لیکن اپنی فطرت و ذہنیت کے اعتبار سے یقیناً وہ عام سطح انسانی سے کچھ بلند واقع ہوا تھا، وہ ایک شریف مگر معمولی خاندان کا شخص تھا جس مین تعلیم کا رواج زیادہ نہ تھا، لیکن چونکہ یہ قدرت کے لحاظ سے ذہین دماغ لیکر آیا تھا اِس لئے اُس نے خود اپنی کوشش و کاوش سے عربی فارسی کی تھوڑی تعلیم کے ساتھ انگریزی بھی حاصل کی اور پھر مطالعہ سے اُس نے اپنی قابلیت و معلومات مین کافی اضافہ کرلیا۔ لوگون کا خیال ہے اور ایک حد تک غلط بھی نہین کہ شروع ہی سے اسکا میلان طبع، انگریزیت کی طرف زیادہ تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ اُسکے معاشرت و معیشت نے بالکل انگریزی اصول اختیار کرلئے اور یورپ کی ہر ادا کو وہ نگاہِ استحسان سے دیکھنے لگا۔

اسکی شادی خاندان ہی مین شاید چچا کی لڑکی سے ابتدائے عمر مین ہوگئی تھی اور چونکہ شادی کے بعد بھی عرصہ تک اسکے ذوق مین کوئی خاص انقلاب نہ ہوا تھا۔ اِس لیے وہ بھی اس وقت تک اِس تعلق سے مطمئن تھا لیکن جب رفتہ رفتہ انگریزی اثر نے اسکے دل و دماغ پر قابو حاصل کرلیا تو اُسکو صفیہ سے نفرت ہونے لگی۔ اور اسکے بعد جب اس نے شاعری، ادب نگاری اور تصنیف و تالیف کے سلسلہ مین مُلک کے اندر خاص شہرت حاصل کرلی، تو اُس نفرت مین اور زیادہ اضافہ ہوگیا، کیونکہ اگر پہلے اسکو صفیہ سے اِس لیے بیزاری تھی کہ اُسکو جدید طرز سے خوشنما طور پر ساری باندھنا نہین آتا، وہ اپنے بالون کو مختلف انداز سے سنوارنا نہین جانتی، وہ زینت و آرائش کے جدید اصول سے ناواقف ہے، اُسکی رفتار و گفتار مین کوئی لوچ نہین ہے، پردہ کی شدت سے پابند ہے، تو اب اس مین اور ایک اضافہ اس الزام کا بھی ہوگیا تھا کہ وہ اسکے مضامین نہین سمجھ سکتی، وہ اسکی ادبی شہرت کی اہمیت کا اندازہ نہین کرسکتی، اور اسکے کہے ہوئے شعرون مین سے کسی معمولی شعر تک بھی اسکے ذہن کی رسائی نہین ہے۔

صفیہ فطرتاً ذہین تھی اور اس مین کلام نہین کہ اگر اسکو تعلیم و تربیت دیجاتی تو آسانی سے رشید اسکو اپنے ذوق کا بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ وہ حد درجہ سرعت پسند تھا اور چاہتا تھا کہ ایک ہی دن مین اس کے اندر انقلاب پیدا ہوجائے، اِس لئے مہینہ دو مہینہ تک یہ کوشش کرنے کے بعد وہ مایوس ہوگیا، اور اُس نے فیصلہ کرلیا کہ اس بیکار صرف دماغ اور کوفت سے کہین یہ اچھا ہے کہ صفیہ کو اسکی حالت پر چھوڑ دیا جائے

چنانچہ یہی ہوا اور رفتہ رفتہ اس بیگانگی نے نفرت و بیزاری کی شدید ترین
صورت اختیار کر لی ۔ مفتون ہو جاتے تھے کہ وہ مردانہ نشست سے اُٹھ کر
گھر کے اندر نہین جاتا تھا اور اگر کبھی وطن سے باہر چلا گیا تو مہینون
اس نے یہ بھی نہین پوچھا کہ صفیہ مرتی ہے یا جیتی ہے ۔ چونکہ رشید
کی ماں زندہ تھی، اس لئے وہ اپنی بہو اور پوتی کو سنبھالے ہوئے، ان
تمام باتون کو چھپائے ہوئے تھی، ورنہ رشید نے تو اپنے طرز عمل سے
کوئی دقیقہ خاندان کی رسوائی مین نہ اُٹھا رکھا تھا ۔

اسی طرح اس نے کئی سال اپنے وطن مین بسر کئے لیکن اتفاق سے
کاروبار کی ضرورتون نے اُسے کسی دوسری جگہ چلے جانے پر مجبور کر دیا ۔
اور وہ سب کو خیرباد کہکر اور اپنے خیال مین ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے
لکھنو چلا آیا ۔

رشید اس قدر معمولی شکل و صورت کا انسان تھا کہ زیادہ سے
زیادہ اُسے اِس لحاظ سے "بے عیب" کہہ سکتے تھے لیکن فطرت نے
اس کمی کو اس طرح پورا کیا کہ دماغ غیر معمولی دیدیا اور زبان و قلم مین خاص
قوت عطا کر دی ۔ یہی اصل راز اس کی کامیابی کا تھا اور اُس نے اُسکی
بہت سی اخلاقی برائیون پر پردہ ڈال رکھا تھا ۔

چونکہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے وہ بدنصیب تھا، اِس لئے
منجملہ اسکی بہت سی آرزوؤن کے جنکی تکمیل کے لئے وہ ہر وقت بیچین رہا
کرتا تھا، ایک آرزو یہ بھی تھی کہ کوئی نہایت شایستہ و تعلیم یافتہ عورت
اسکو ملجائے لیکن اُس وقت تک وہ اسمین کامیاب نہ ہوا تھا ۔ اب
نسیم کے ساتھ خط و کتابت کرنے اور اُسکی تصویر دیکھنے کے بعد البتہ اُس نے
سمجھ لیا تھا کہ شاید تکمیل آرزو کی ساعت آگئی ہے اور اِس لئے یہ معلوم کر کے
کہ وہ لکھنو آ رہی ہے، اُس نے اپنی نئی زندگی کی ساری اسکیم بھی مرتب
کر لی، اور نسیم کی پذیرائی کے لئے طیاریون مین مصروف ہو گیا ۔

(۲)

نسیم کو کلکتہ سے آئے ہوئے چار دن ہو چلے ہین، اور رشید کا
مکان کاشانۂ حسن بنا ہوا جگمگا رہا ہے ۔ میوزک کانفرنس کے جلسون
مین باقاعدہ سب کی شرکت ہو رہی ہے اور منجملہ دیگر حیرت انگیز باتون کے
یہ تباہ کن حقیقت بھی رشید پر ظاہر ہو گئی ہے کہ نسیم مین جہان اور صفات
تکمیل نسائیت کے پائے جاتے ہین، وہین ایک صفت یہ بھی اُسمین
موجود ہے کہ وہ نہ صرف علم موسیقی کی واقف ہے بلکہ ستار بھی نہایت
اچھا بجاتی ہے ۔ چونکہ رشید خود بھی دلدادگان موسیقی مین سے تھا ۔
اِس لئے اِس علم نے اسکے جذبات کو نسیم کے حضور مین یکسر نیایش
و عبودیت بنایا اور اسکی بیقراریان و وارفتگیان اس حد سے گزر گئین
کہ ان مین کوئی اور اضافہ ہو سکتا ۔

جس حد تک سطح و خطوط، تناسب و نقوش کا تعلق ہے، نسیم
ایک معمولی عورت تھی، لیکن چونکہ عورت نام رنگ و جلا کا نہین، بلکہ
اِس فن دلربائی کا ہے جو اسکی نسائی خصوصیات کو نہایت دلفریب
رنگ و پیکر مین پیش کرتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ نسیم مکمل عورت
تھی ۔ وہ اسکے پاکیزہ معاشرت، وہ فن تزئین و آرائش مین اسکی غیر معمولی
مہارت، وہ رفتار و گفتار مین اسکی صناعانہ تکمیل وہ موقع و محل کے لحاظ
سے اُسکا صرف تبسم و خندہ، وہ بیحجابی کے ساتھ ساتھ خاص خاص
اوقات مین اسکا سکوت انفعال، وہ عنفوان شباب کی تمام توانائیون
کے باوجود اس کا یکسر نزاکت مینا نظر آنا، وہ اسکا علم مجلس کے تمام
رموز و نکات سے باخبر ہونا، وہ اسکا تہذیب و متانت کے ساتھ علمی
و ادبی صحبتون مین ایک صاحب بصیرت انسان کی طرح حصہ لینا ۔ تمام ایسی

باقی آئندہ

تصویر بہار

(از جناب مولانا وجاہت حسین صاحب عندلیب شادانی رامپوری ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل منشی فاضل، اتالیق جناب نواب صاحب بہادر ریاست دوجانہ)

گیا خزان کا دورِ جان گزا بہار آ گئی
چمن کی روحِ رفتہ لو پھر ایک بار آ گئی

ہے عندلیبِ خوش نوا چمن میں پھر غزل سرا
روش روش پہ پھر گلوں سے کھیلنے لگی صبا

اُگا ہے سبزہ اس قدر کہ ہے زمردیں زمیں
جدھر نظر اُٹھائیے بچھا ہے فرشِ مخملیں

کچھ ایک بوستان کے صحن ہی پہ منحصر نہیں
زہے بہار! ذرّہ ذرّہ خاک کا ہے عنبریں

طیور مل کے گا رہے ہیں گیت نو بہار کے
ہوا وصالِ گل نصیب دن پھرے ہزار کے

قطعہ

نہ یہ پکار سار کی نہ شور یہ چکور کا
نہ یہ نوائے فاختہ نہ یہ تدرو کی صدا

رباب وارغنون و چنگ و بربط و ستار و نَے
تمام ساز بج رہے ہیں ساتھ ساتھ پے بہ پے

کہیں اُگی ہے ضیمران کہیں کھلی ہے چاندنی
کسی طرف ہے نازبو کسی طرف ہے جعفری

وہ چاندنی کہ جسکے آگے ماہتاب گرد ہے
وہ جعفری کہ جسکے آگے آفتاب زرد ہے

بنفشہ و سمن کہیں گلاب و نارون کہیں
بہار و یاسمن کہیں انار و نسترن کہیں

قطعہ

کھلا ہے موگرا کہ یہ حباب ہیں بلور کے
حباب ہیں بلور کے کہ قمقمے ہیں نور کے

یہ قمقمے ہیں نور کے کہ آسمان کے تارے ہیں
بہار کے طلسم نے زمیں پر اُتارے ہیں

قطعہ

ہوا کا فیض کہئے یا یہ فیض ہے بہار کا
کہ آ رہے ہیں کان میں ترانہ ہائے جانفزا

ہر ایک جوئے بار سے ہر ایک آبشار سے
ہر ایک رودبار سے ہر ایک کوہسار سے

جو شاخِ گل لچک گئی ہر اک کلی چٹک گئی
ادھر صبا لہک گئی اُدھر فضا مہک گئی

ہوا سے مل کے برگ و شاخ کی ترانہ ریزیاں
وہ جنبشِ نسیم سے گلوں کی عطر بیزیاں

وہ قمریوں کے زمزمے۔ وہ بلبلوں کے چہچہے
وہ طائروں کے زمزمے۔ وہ مہوشوں کے قہقہے

صبا کی چھیڑ پر گلوں کا مست ہو کے جھومنا
لپک لپک کے ایک دوسرے کے منہ کو چومنا

غرض بہار کی دُلہن مراد جس سے ہے چمن
بنی ہے رشکِ ریاضِ خلد و جنتِ عدن[1]

دلوں میں جوششِ نشاط سے عجب اُمنگ ہے
یہ نشۂ وفورِ انبساط کی ترنگ ہے

مگر یہ رونقِ چمن ہے چار دن کی میہمان
یوں ہی گردشِ زمان، بہار آج، کل خزاں

کسی کو گر ثبات ہے تو وہ خدا کی ذات ہے
نصیب اسکے عاشقوں کو سرمدی حیات ہے

---

[1] عدن بتحریک دال ارادتاً اور دانستہ استعمال کیا گیا ہے ۔ ۱۲

ذکر خیر

اُردو اخبار و جرائد پر مختصر ضروری نوٹ

(مضامین پر مُفصّل تنقید وقتاً فوقتاً خاص طور سے کیجائیگی جسکا اس نوٹ سے کوئی تعلق نہین ہے)

اخبارات

(۱) اودھ پنچ لکھنؤ:- منشی سجاد حسین مرحوم کے بعد اب ہمارے خاص کرمفرما حکیم محمد ممتاز حسین صاحب کی ادارت مین ہفتہ وار شایع ہوتا ہے۔ لطافت وظرافت کے ساتھ حکیم صاحب ممدوح کے علمی وادبی محققانہ چھیڑ چھاڑ نے اسمین نئی روح پھونک دی ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ علمی طبقے کے واسطے اُسی طرح دلچسپ ہے جس طرح لطائف وظرائف کا رنگ پسند کرنے والے حلقے کے لئے۔ اُنکے مذاق کے مضامین، کاغذ، لکھائی، چھپائی کی خوبیان بھی اسمین موجود ہین اسکی سالانہ قیمت صہ، ششماہی سے، اور سہ ماہی عہ، ہے۔

(۲) نیر اعظم مراد آباد:- یہ وہ قدیم ہفتہ وار اخبار ہے جسنے اپنی عمر کے پچاس سال بڑے لطف وخوبی اور شہرت ناموری سے ختم کرکے اکیاونوین سال مین قدم بڑھایا ہے۔ اِس نے نہ معلوم کتنے زمانے کے نشیب و فراز دیکھے۔ کتنی فلکی گردشوں سے اس نے مقابلہ کیا۔ ہمیشہ مسلمانون کا ہمدرد۔ اور اُنکی ترقی، فلاح وبہبودی کا خواہان رہا۔ اور ثابت قدمی واستقلال اسمین یہ دو ایسی طاقتین ہین، جن پر باد حوادث کا اثر ہونا قریب قریب محال ہوتا ہے۔ مضامین کے اعتبار سے بھی قابل تعریف ہے، جو روش اس نے شروع مین اختیار کی اُسی پر آج بھی قائم ہے۔ اسکی کامیابی کا راز باعث اور ذریعہ جناب ایس، این علی صاحب کی ادارت ہے، اور یہ اخبار آپ ہی کی ملکیت مین ہے۔ اور آپ ہر طرح قابل مبارکباد ہین۔ اسکی عام سالانہ قیمت للعہ ششماہی ؎ عہ۔ اور سہ ماہی ؎ ہے۔

(۳) ذوالقرنین بدایون:- جناب نظامی بدایونی کا یہ خاص ہفتہ وار اخبار ہے جسکی اڈیٹری کے فرائض وہ خود نہایت دلدادہ سے نہایت خوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہین۔ آپکی ذاتی توجہ۔ ذاتی قابلیت اور خوبی انتظام کی وجہ سے ذوالقرنین قابلِ تعریف اخبار ہے۔ اسکی عام سالانہ قیمت صہ۔ اور رعایتی للعہ ہے۔ (باقی آئندہ)

جرائد

(۱) نظر لکھنؤ:- یہ ماہوار جریدہ سات سال سے جاری ہے۔ پہلے اسکا نام "ترچھی نظر" تھا۔ اور اب صرف "نظر" کے نام سے ۱۷+۲۷ ½ کی تقطیع پر خاص آب وتاب سے نکل رہا ہے۔

ہمارے مکرم شفیق جناب حاجی محمد مصطفا خان صاحب مصطفا مالک کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نام نامی سے کون ایسا ہے جو واقف نہین۔ آپ اُردو کے خاص حامی۔ اُسکی ترقی کے دل سے خواہان اور اُردو ادب سے خاص دلچسپی رکھتے ہین۔

آپکو اُردو نظم ونثر سے خاص ذوق ہے اور گو آپ اپنے دیگر مشاغل کی وجہ سے خود بہت کم (نظم ونثر) لکھتے ہین لیکن پھر بھی جب کہتے اور جو لکھتے ہین، اسکا لطف وہی بیان کرسکتے ہین جنکی نظرون سے یہ چیزین گزری ہین۔

آپکو قدرت سے درد بھرا دل عطا ہوا ہے، مذاق بھی فطری طور پر صوفیانہ عشق کی بارگاہ سے صاف اور ستھرا پایا ہے۔ جو آپکے شفیق اُستاد حضرت سیف شاہجہانپوری کے رنگِ خاص کا عکسِ کامل ہے۔ اس وجہ سے آپکے کلام مین دیگر شاعرانہ لطافتون کے ساتھ اس رنگ کی جھلک نمایان طور پر پائی جاتی ہے۔ یہ رسالہ آپکے حسنِ ذوق کا نمونہ، اور آپکی گرانمایہ توجہ اور کوششون کا نتیجہ ہے۔

"ترچھی نظر" بھی اُردو کے لئے کچھ نہ کچھ مفید کارنامے پیش کرچکا ہے لیکن اب "نظر" خصوصیت کے ساتھ اُردو ادب کی شاہراہ مین ترقی کرتا نظر آرہا ہے، گو ابھی اسکی ترقی کا آغاز ہے۔ لیکن ہمارے مکرم حاجی صاحب ممدوح کی توجہ اور اسکے مدیر اعزازی جناب پیرزادہ سید محمد حسین صاحب ضیائی بی۔ اے۔ (علیگ) کی مساعی جمیلہ اور اُسکے ارکین ادارت خصوصی مسٹر شفیع احمد خان ایم۔ اے (علیگ)، مولانا آسی اور جناب امین سلونوی کی کوششون سے بہت کچھ ترقی کی اُمید ہے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ کی خوبیون کے ساتھ اسکی سالانہ قیمت تین روپیہ ہے۔

علی گڑھ کے دو ممتاز اُردو جرائد

(۳) علی گڑھ میگزین (اُردو) علم و ادب کے موجودہ دور ارتقا میں رسائل و جرائد کی ناخوشگوار کثرت اگر ایک طرف حوصلہ شکن ہے تو دوسری طرف عمدہ عمدہ رسالے (جو معدودے چند ہیں) ذوقِ صحیح کے لئے مستقل سامانِ کیف و سرور ہیں۔

اس وقت علی گڑھ میگزین کا جوبلی نمبر میرے پیشِ نظر ہے۔ کتابت و طباعت کے لحاظ سے یہ رسالہ ہمیشہ ممتاز رہا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکو اس نوع کی تمام آسانیاں مہیا ہیں مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس نمبر کی ترتیب و اشاعت کے لئے کارپردازانِ میگزین کو بہت مختصر وقت ملا مگر پھر بھی اس قلیل عرصہ میں انہوں نے اپنی خلوص کوششوں سے اسکو نظر افروز اور دلفریب بنایا ہے "جوبلی نمبر" مضامین کی ترتیب و انتخاب طباعت و اشاعت کی تکمیل اور تصاویر کی فراہمی کی لحاظ سے ہر طرح قابلِ قدر ہے میگزین کے شعبۂ ادارت میں کچھ تھوڑا عرصہ ہوا کہ نئے انتظامات کے تحت میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں مجھے مسرت ہے کہ یہ نمبر جو ہر طرح قابلِ مبارکباد ہے نئے اسٹاف بالخصوص جنابِ ایڈیٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر کی سعی جمیل کا ایک دلکش نمونہ ہے۔ اسکے اسسٹنٹ ایڈیٹر جلیل احمد صاحب جلیل قدوائی اُن نوجوان ادیبوں میں سے ہیں جن سے ملک کے بہت سے خوش آیند توقعات وابستہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ انکی کوشش قابلیت میگزین کے معیار کو ہمیشہ اس بلندی پر قائم رکھیگی جو انکی حوصلہ مند طبیعت اور خوش مذاقی کا تقاضہ ہیں

یوں تو علم و ادب کے اسمیں بہترین نمونے موجود ہیں اور ہر تصویر ایک خاص نوعیت رکھتی ہے لیکن میرے خیال میں اس نمبر کی مخصوص چیز علامہ سر اقبال کا پیام اور انکی باصرہ نواز تصویر ہے انکے پیام کا یہ شعر جو شہپرِ عمل کے لئے بہترین مہمیز ہے حقیقت میں ذی حس نفوس کے پیمانہائے قلوب کے لئے صہبائے کیف ہے ؎

اگر یک قطرہ خون داری ۔ اگر مشتے پرے داری
بیا من با تو آموزم طریق شاہبازی را

دیکھنا یہ ہے کہ کتنے سرد دلوں میں حرارت اور ٹھٹھرے ہوئے قلوب میں ذوقِ عمل کی چنگاری پیدا کرتا ہے علیگڑھ کی فضلا ادبی کارناموں کے جو مفید نمونے پیش کر رہی ہے خدا کرے کہ ملک کے ہر گوشہ میں انکی پذیرائی کیجائے اور یہ شہرت و شکایت کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اُردو زبان کو بجائے درست کرنے کے خراب کر رہے ہیں بالکل غلط ثابت ہو۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن پر ہمارے علمی و ادبی ترقیوں کا حقیقی مدار ہے۔

(۴) سہیل:۔ یہ سہ ماہی رسالہ بھی علیگڑھ کی ادب نواز سرزمین کی ایک "بہ محل" پیداوار ہے۔ اسکی عمدگی کے متعلق صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ رسالہ ملک کے مایۂ ناز ادیب پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کے زیرِ ادارت شایع ہوا ہے

موجودہ طرزِ انشا اور رنگِ نگارش نے غریب اُردو پر اپنے ہلکے سطحی اور غیر مفید لٹریچر سے جو ظلم ڈھائے ہیں اُسکی تلافی صرف اُسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ لوگوں میں ٹھوس کار آمد اور مفید مضامین کا مذاق پیدا کر کے ادبِ اردو کو اس خطرناک تباہی سے بچا لیا جائے جسکی طرف وہ سرعت کے ساتھ ڈھکیلا جا رہا ہے۔ اس بربادی کا باعث وہ مخصوص طبقہ ہے جنکو بقول رشید صاحب "ذوقِ سلیم اور استعدادِ فکر سے زیادہ اپنی شخصیت اور اپنے مستعار خیالات کا اظہار مقصود ہوتا ہے"

اب ایسے رسالوں کی ضرورت ہے جو بیکار لمحوں میں سطحی اور غیر مستقل تفریح کا باعث ہونے کے بجائے صلاحیت پذیر دماغوں کے لئے نشو و نما کے سامان پیدا کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ "سہیل" کا حال اور مستقبل دونوں بہت زریں نظر آتے ہیں۔ اور اگر "سہیل" اپنے مقاصد کی تکمیل میں حسبِ منشا کامیاب رہا تو بڑی حد تک اس کے ذریعہ سے ملک کے اُردو داں طبقہ میں مذاقِ ادب کی اصلاح ہو جائیگی، اور اسی کے ساتھ ہمکو امید ہے کہ اُردو زبان بھی اپنے صحیح معنوں میں ترقی کرتی ہوئی نظر آئیگی۔ اغراض و مقاصد کے سلسلے میں "سہیل" کو شاعر یا نثر نگار کی تالیف قلوب کا ذریعہ بنانا بہت ضروری تھا اور میں خوش ہوں کہ رشید صاحب نے اس معاملہ میں انتہائی صاف گوئی اور آزاد بیانی سے کام لیکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے "سہیل" کو پیشہ ور مضمون نگاروں کی تکلیف دہ بد مذاقیوں سے بچا لیا۔

"سہیل" کا پہلا نمبر جس آب و تاب سے شایع ہوا ہے اُسے دیکھکر میں بلا خوفِ تردید اس حقیقت کا اظہار کر سکتا ہوں کہ ہندوستان میں کسی اُردو رسالہ کی ابتدا شاید ہی ایسی شاندار ہوئی ہو ملک کے مشہور نقاش "چغتائی" کے نقش آفرین قلم کے چند سحر کار نمونے بھی اس رسالہ کے زیبِ اوراق ہیں بہترین کتابت، بہترین طباعت، بہترین کاغذ، بہترین مضامین غرضکہ اس رسالہ کی کوئی ظاہری اور باطنی چیز ایسی نہیں جو دماغ اور نظر کے لئے یکساں سامانِ نشاط نہ مہیا کرتی ہو۔ اسکی سالانہ قیمت ے / ۔ اور ایک کاپی کی قیمت ۱۲ / ہے۔

روحِ سخن

جنابِ مرزا جعفر علیخانصاحب اثر لکھنوی بی اے ڈپٹی کلکٹر

نرگسِ مست خواب آلودہ — لبِ لعلین شراب آلودہ
دوش پر زلفِ عنبرین بکھری — اور گریبان گلاب آلودہ
پھول ڈوبا ہوا گلاب مین تھا — اُف وہ چہرہ حجاب آلودہ
مجھا دیکھا تو دیکھئے قسمت — تھی جبین پیچ و تاب آلودہ
یاد ہے یاد ہے اثر اب تک
وہ نگاہِ عتاب آلودہ

جناب فرخ بنارسی (از اناؤ)

پا بند ہوئے ہین ہم قفس کے — سب کھیل بگڑ گئے ہوس کے
شبنم کی طرح جہان مین اپنا — پایا نہ سُراغ رات بس کے
برباد ہوئی تو چین آیا — پورے ہوئے حوصلے ہوس کے
ایسی توبہ سے میری توبہ — رہ جاتا ہے دل ترس ترس کے
بڑھ جاتی ہے رونقِ گلستان — کھُل جاتا ہے ابر جب برس کے
پُرسان نہین قافلے مین کوئی — نالے سُنتے ہین سب جرس کے
مین چارہ گری سے باز آیا — یہ روگ نہین ہین میرے بس کے
چھوٹے بھی تو یون اسیر چھوٹے — صدقے ہوتے رہے قفس کے
افسانۂ دردِ دل نہ پوچھو — قصے ہین یہ سیکڑون برس کے
ہم وہ نہین اے طلسمِ ہستی — رہ جائین جو دلکشی مین پھنس کے
فرخ رازونیاز کامل
قبضے مین ہین جنبشِ نفس کے

جناب منشی ممتاز علی صاحب آہ ارشد تلامذہٗ حضرت امیر مینائی

ترے در کے قابل یہ سر تو نہین ہے — مجھے بھی کوئی اور در تو نہین ہے
نہ اُلٹین نقاب آپ رُخ سے مین خوش ہون — شبِ وصل ہوتی سحر تو نہین ہے
وہ ہنس ہنس کے کچھ غیر سے کہ رہے ہین — یہ میری دعا کا اثر تو نہین ہے
زمانہ بھلا قدر کیا جانے اسکی — مرا داغِ حسرت گہر تو نہین ہے
مرے دل مین بیشک ہین ارمان اُنکے — کسی کا مجھے اسمین ڈر تو نہین ہے
یہ کیا شام سے آج اُجالا ہے کیسا — کہین ساتھ اُنکے سحر تو نہین ہے
مین جنت مین چارون طرف دیکھتا ہون — وہان بھی وہ حُسنِ بشر تو نہین ہے
یہ کیون غیر آنکھین چُراتا ہے مجھ سے — نگاہون مین اُنکی نظر تو نہین ہے
وہ ہنس ہنس کے کہتے ہین یہ آت آہ تم تو
فقط نام کے ہو اثر تو نہین ہے

جناب شفیق صدیقی اڈیٹر وحید العصر جونپور تلمیذ مولانا حسرت موہانی

وہ دن بھی یاد ہین مجھے اے مبتلائے عشق — گونجی ہوئی تھی بزمِ ازل مین صدائے عشق
کہتا ہے کون ذکرِ محبت کو بے اثر — میری زبان سے کوئی سُنے ماجرائے عشق
اے بیخودی بتا کہ مین ہون کس مقام مین — کوئی مجھے نظر نہین آتا سوائے عشق
اسکا پتہ کسی سے نہ معلوم ہو سکا — کیا ابتدائے عشق ہے کیا انتہائے عشق
وجہِ وجود ہو جو ہر اک ذی وجود کی — ایسی تو کوئی چیز نہین ہے سوائے عشق
لکھا ہے آفرینشِ عالم کے باب مین — دنیا برائے عشق ہے عقبیٰ برائے عشق
کمبخت کھینچتا ہے کئی دن سے آہِ سرد
ڈر ہے شفیق کو نہ لگی ہو ہوائے عشق

استفسارات ادبی و شعری

(از جناب "نسیم" خلف حضرت وسیم خیرآبادی)

(۱) لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ

اس مصرع کے قافیہ فدائے کی طرح اور قوافی مین آئے، جائے کھائے وغیرہ کے ساتھ "برائے" (بمعنی واسطے) سوائے (بمعنی بجز) کو ہم قافیہ کیا جا سکتا ہے یا نہین؟ اور کتابت مین بپابندی لفظ قافیہ یائے مجہول لکھی جائے یا ہمزۂ اضافی، بحالت عدم جواز مفصل توجیہ کی ضرورت ہے، اور بصورت جواز اساتذہ کے کلام سے مثالین درکار ہین (بجز حضرت ناسخ)

(۲) لفظ سہ (بمعنی تین) مین ہائے مختفی ہے یا ملفوظ۔ اسکے ہم قافیہ الفاظ دِہ (بمعنی گاؤن) مِہ (بمعنی بزرگ و سردار قوم) ہین یا نہین؟ اگر ہون تو مثال تحریر فرمائیے۔

"طمع را سہ حرف است وہر سہ تہی"

اس مصرع مین دوسرا سہ قابل دریافت ہے یعنی اسکا تلفظ بالکسر باشباع حرکت صحیح ہے یا باظہار ہائے ہوز۔ اگر ہائے بطنی ہے تو یہ لفظ "سے" یا "زہے" وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ ہوسکتا ہے یا نہین؟ اگر اسکی کوئی مثال مل سکے تو عنایت فرمائیے۔

(۳) "ہوئی" یا "ہوئے" کا املا ایک ے سے صحیح ہے یا دو ے سے؟ ان مین دو ے کے عدد لینا چاہئیے یا ایک کے۔ اور اسکی مثال بھی عنایت ہو۔ جو لوگ "ہوئی" یا ہوئے "کو فعل کے وزن پر سمجھتے ہوے ایک ے سمجھتے ہین اسکی وجہ معلوم ہونا چاہئیے کیونکہ لئے دیئے گئے وغیرہ سب فعل کے وزن پر ہین اور برابر انمین دو ے کے عدد لئے جاتے ہین انمین وزن کا لحاظ کیون نہین کیا جاتا؟

(۴) "قَدَم" کی جمع عربی مین "اقدام" آئی ہے۔ لیکن مؤلف فرہنگ آصفیہ نے "قدوم" کے معنی لکھتے ہوئے اسطرح تحریر فرمایا ہے۔

قُدُوم۔ (عربی) اسم مذکر (۱) قدم کی جمع (۲) کسی جگہ سے آنا۔ تشریف لانا۔ سفر سے واپس آنا۔ یہ جمع عربی کے اعتبار سے غلط او اقدام صحیح ہے، لیکن اساتذۂ فارس نے دیگر اوزان کے موافق خیال کرکے اپنے کلام مین باندھا ہے۔ ہان بفتحتین مصدر ضرور ہے۔ جسکے معنی نمبر دوم مین لکھے گئے۔

(نوٹ) بفتحتین کے خود سمجھنے سے راقم قاصر ہے)

اگر کسی کو اساتذۂ فارس مین سے کسی کی مثال عبارت مرقومۂ بالا کے تائیدی معنی مین یاد ہو، یا تلاش سے مل سکے تحریر فرمائین۔

(۵) "عریان" بالضم جسکے معنی لغت مین برہنہ کے لکھے ہین اور جو شعلہ و تیغ و صبح کے صفات مین مستعمل ہوتا ہے جس طرح شعلہ کی مثال مین میرزا صائب کا یہ شعر ہے ؎

از لعابِ سنگ تابد شعلۂ عریانِ عشق پردہ چون پوشد کسے بر سوزشِ پنہانِ عشق

اور تیغ کی مثال مین میرزا صائب کا یہ دوسرا شعر ؎

حسن چمن بے پردہ شد نہار گرداد نہ گرد بوے خون می آید از تیغے کہ عریان می شود

نیز صبح کی مثال مین میرزا بیدل کا یہ شعر ؎

صبح تیغش تا بباغِ سینہ عریان می شود خون ز زخم ہمچو رنگ از گل نمایان می شود

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ برہنہ کے معنی کے علاوہ عریان کن کن معنون مین مستعمل ہے اسکی مثال مرحمت ہو؟

اور علاوہ شعلہ۔ تیغ۔ صبح کے اور کن کن صفات مین مستعمل ہے ہر ایک کی مثال درکار ہے؟

آج کل "عریان" اور عریانیان بصورت جمع ظاہر اور عیان کے معنی مین مستعمل ہو رہا ہے۔ ان معنون مین اسکا استعمال کہان تک صحیح ہے درصورت جواز مثال کی ضرورت ہے۔

باقی آئندہ

نیا جوانی کا ذریعہ خضاب کھانے کا

صرف خوردنی خضاب کھائیے ۔ سارٹیفکٹ ملاحظہ ہو

یہ وہی خضاب خوردنی ہے جسکے صرف بیس یوم کے متواتر کھانے سے پچاس برس کی عمر کے بھی تمام سفید بال ہمیشہ کے لئے سیاہ و قائم ہو جاتے ہیں چہرہ کا رنگ شفق کی طرح دمکنے لگتا ہے ۔ تمام بدن کو ہمیشہ کے لئے تقویت ہے آنکھوں کا دماغ میں تراوٹ پہونچتا ہے بال کیسے ہی کمزور ہوں قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں وہ سب از سر نو خوش قدرتی بالوں کے سیاہ ہو جاوینگے ۔ بینائی کو اسقدر تیز کرتی ہے کہ اندھے سے زائد چالیس برس کے اندر عینک لگانے کی عادت جاتی رہتی ہے ۔ قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے ادھوری لذت کی بجا ہوتی ہے کہ جو کھانے بھی ہضم قوت باہ اسقدر بڑھاتا ہے کہ اسکا کھانے والا بعد استعمال کے قابل فخر جوانوں میں شمار ہونے لگتا ہے غرض اسکے کھانے سے حقیقی معنون میں شباب فردوس ہوتا ہو انظر آنے لگتا ہے اسلئے آپ اپنے کلفت خضابوں کی شیشیاں توڑ کر پھینک دیجئے اور اسے استعمال کیجئے بڑے بڑے سند یافتہ حکیم و ڈاکٹر وغیرہ کثیر تعداد میں منگا منگا کر شہرت حاصل کرتے اور صدہا روپیہ پیدا کرتے رہے ہیں ۔ جس قصبہ یا گانوں میں اس کا ایک بکس پہونچ جاتا ہے اسکے حیرت انگیز فوائد کو دیکھکر بالکل بیچ منگانے کی وجہ سے روز بروز کا دن دو چند آمد ہو تے ہیں لطف یہ ہے کہ ہر عمر ہر مزاج والا ہر موسم میں کیسی ہی تنگی میں بھی استعمال کر سکتا ہے ترکیب استعمال ہمراہ پارسل ملیگا قیمت کمل بکس خوردنی خضاب کی صرف سات روپیہ آٹھ آنہ ۔ دو بکس تین بکس معہ محصول ڈاک ۔

الشتہر

منیجر کارخانہ خوردنی خضاب حکمی شفا لکھنؤ

ایجنٹ ... کیلئے ... درکار ہیں ... کمیشن بھی دیا جائیگا

عالیجناب حاجی احمد صاحب سکریٹری کاٹن ... تحریر فرماتے ہیں کہ آپکا مجرب خضاب خوردنی کا استعمال کیا گیا میرے کچھ بال جو جوانی عالم شباب ہی میں سفید ہو گئے تھے استعمال سے بالکل سیاہ ہو گئے ۔ دوستوں کے لئے دو بکس اور بھیجدیجئے ۔

مقامی اخبار شیعہ کالج نیوز نے ۱۱ جون ۱۹۲۲ء کے پرچہ میں ریویو کیا ہے کہ ہم نے خضاب خوردنی کا تجربہ کرایا تو دوائی سفید بالوں کے سیاہ کرنے میں بہت مجرب ثابت ہوئی علاوہ اسکے دافع نزلہ مقوی باہ مقوی بصر اور ہاضمہ وغیرہ کے حق میں تو اکسیر ہے ۔

عالیجناب سید حبیب الرحمان خان صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم مقام ... ضلع ... تحریر فرماتے ہیں کہ ابتک پانچویں حصہ کے قریب سر اور داڑھی کے بال سیاہ ہو چکے ہیں چار بکس اور جلد بھیجدیجئے ۔

عالیجناب منیجر صاحب کارخانہ فقیری پھول پود پوسٹ آنگرہ ضلع ... گڈھ اودھ تحریر فرماتے ہیں کہ آپکا خضاب خوردنی بہت مفید ثابت ہوا اس اطراف میں اسکی دھوم مچ گئی ہے لہذا جلد سے جلد چھ بکس بذریعہ وی ۔ پی ۔ اور بھیجدیجئے ۔

سید جالب صاحب دہلوی اڈیٹر روزنامہ ہمدم نے ۲۹ جون ۱۹۲۲ء کے پرچہ ہمدم میں خضاب ہذا کے اجزا کے متعلق ریویو فرمایا ہے کہ اسکے اجزا نظام انسانی خصوصاً اعصاب پر نہایت اثر کرتے ہیں معدہ کو تقویت دیتے ہیں ۔ غذا جز و بدن بنجاتی ہے اعصاب قوی بنجاتے ہیں اثر من بسیر کات الدہر جاتا ہے ۔ اچھی چیز ہے علاوہ اسکے آپکے اطمینان کیلئے صدہا میں سے چند مشتہر کا اعتقادیں کی رائیں درج کرتا ہوں جنکی بحالی ہوئی تما ... ایک مانچل رہا ہے ہماری ادویہ اجزا متعلق مصنف مخزن الاخلاق مصنف المفردات مصنف تالیف الادویہ بیز کو کا ... مصنف خزانۃ الادویہ جنھوں نے ... علی ... پورے ... کا فائدہ

عالیجناب شیخ عظمت الٰہی صاحب المتخلص فاضل سلونوی خیرخواہ کسب و مشغل فنا مگاں کی عمدہ اور قابل قدر تصانیف

فریبی عاشق

مسمریزم و مسمریزم جسکی مافوق العادت طاقتون نے ایک دنیا کے کانون سے پردون کو پھیر دیا ہے جسکی پھونک غریب کارروائیان دیکھکر آنکھین آئینہ حیرت ہوگئی ہین اگر آپکو اسکے اعلیٰ راز دیکھنے ہین تو اس کتاب کو پڑھکر دیکھئے ایک بھولی بھالی شریف لڑکی پر ایک مسمریزم عاشق ہوتا ہے اور اسکا باپ خود اس لڑکی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے شادی کرے بلکہ بجبر اسکو بیوی بنایا جاتا ہے ایک بزرگ جسکا سینہ نور ... سے معمور تھا جو کے لڑکے بیٹے مین حمایت کا جوش تھا اور اس جادوگر مسمریزم کو شکست فاش دیتا ہے اور اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ روحانیت پر کبھی مادیت غالب نہین ہو سکتی قیمت ۱۲/

ناول

بدنصیب لڑکی

خوفناک ۸/

یہ ناول ایک شریف خاندان کی تعلیم یافتہ ہوشیار اور حسین لڑکی کی تباہ شدہ زندگی کا مکمل فوٹو ہے جسمین پردگی کے نقصانات تعلیم غیر ضروری کی خرابیان دکھائی گئی ہین ایک شریف لڑکی کا بیوہ ہوکر ماں باپ کی بے حیثیت قوانین عصمت سے تنگ آکر گھر کو چھوڑنا در بدر بیٹھے بیٹھے ہوتا پھرنا ۸/

ناول سبگیناہ و قاتل ۸/

نواب ۲۱ سنہ

ہنسی کا پٹارہ ۸/

نوابی دربار کے نوابی ٹھاٹ خوشامدی مفت خورون کا ہجوم بچوں سے نواب کی ناکردنیان ادھر ہمون ادھر بگڑی نیت

کی صدائے بے ہنگام دل کا ایک ستون جمین کے ذوق فن پچھلا مین اسیر ستم ہوکر صرف اپنی بلکہ اپنے اباو اجداد کی جمع کی ہوئی دولت اور باپ کی گاڑھی کمائی کو چھکو مین الکر بے باق ہو جاتے ہین اور بالکل اسکے مصداق بنتے ہین

ڈاڑھی اور مونچھ کا صفایا ہے

فلرغ البال اسکو کہتے ہین

یہ ناول نہین بلکہ ناول گر ہے ہندوستان کے بہترین ظرافت نگار سجاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ اور جالگیر کے مشہور مسخرے و قائع نویس نعمت خان عالی کا رنگ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے وہ لوگ جو شرارہ و کود دیکھنا اور سیکھنا چاہتے ہین ان کی لائبریری مین رکھنے کے قابل ہے جسے ایک مرتبہ پڑھکر سو مبالغہ ایکہزار مرتبہ ہنسے تو ۸/ قیمت کے ... سو نفع دس و ... سے ... چاہینگے۔

دام فریب

مکر و فریب کی دنیا کا اندر نگار دل خوشکن عبرت آمیز حیرت انگیز مرقع ماہر کی زندگی کے حیرت ناک رازون کا انکشاف زنان بازاری کے فریب دغا کے کارنامے بزرگو دار دوسی۔ یا جیسے کو تیسا ملا۔ ماہر کے عاشق ہونے کی لیلیٰ جمقل جو انتقاس عیاریان ماہر کی ہمت ہری شکست ... کا ایک سنسنی خیز منظر دکھا کر ثابت کیا گیا کہ ایک لوبھ چالاکی ... کامون کی عزت دنیا ہی مین مجاتی ہے ہم یقین کے ساتھ کہ سکتے ہین کہ ایسے پرلطف ناول بہت

کم آپنے دیکھے ہونگے قیمت ۸/

رسالہ قوت باہ عظمتی

آئین کدھر ہین آج قدر دان کمال کے کاغذ پر رکھدیا ہے کلیجہ نکال کے

دنیا سرگردان ہے کہ وہ نسخہ دستیاب ہون وہ دوائین ہین جن مایوسان قوت باہ کے دینے جو مطلوب مین ایک قیمت زرد کے ساتھ یہ کتاب پیش کرتے ہین جسمین مشرق و مغرب کے جدید و قدیم حکیمون اور ڈاکٹرون طبیبون وغیرہ کے ان تمام تجربات مسمومات و مشاہدات کا نچوڑ کامل و مکمل طور سے جمع کیا گیا جو عورت مرد کی مواصلت سے تعلق رکھتی ہین ساتھ ہی قواعد جماع ممنوعات جماع منفعلات ... امساک و تندرست اور خوبصورت بچے پیدا کرنے کی تدابیر ضعف و عشق ضعف ازدواج انتخاب بیوی تعلقات زوجین لطف مباشرت اور محبت کے طریقون وغیرہ کی اعلیٰ تربیت تعلیم دی گئی ہے ضعف کمزوری سستی نامردی جریان کثرت انزال وغیرہ کا مفصل بیان مرضون کی شناخت اور پیدا ہونے کے اسباب و علاج اور ... اقلام وغیرہ کی تمام پیدا شدہ مرضون کے دعوے کے چند مرتبہ کے آزمائے ہوئے مجرب نسخے جو آجکل کے موجود اطبا صد ہا روپیہ دیکر بھی اعتباری نسخے نہین دیتے ہین ... مع کرسکتے ہین آپ بھی اگر منگا کر اپنی صحت بہتر بنانا چاہین تو قیمت فی جلد صرف آٹھ آنہ ۸/ ۱۰/ ۱

منیجر عظمت بک ڈپو لکھنؤ

مشہور عالم دواخانہ معدن الادویہ کے چند تیر بہدف مجربات

زیر سرپرستی جناب مسیح الملک سید فضل علی صاحب عرف میر نضا قبلہ

معجون مغز کنجشک — دل و دماغ اور اعصاب کو قوت دیتی ہے باہ کو بے انتہا قوت بخشتی ہے اعضائے رئیسہ کی کمزوریون کو دور کرتی ہے اس معجون کی شہرت بہت ہو چکی ہے اور اسقدر مزاج کے موافق ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد لوگ بار بار طلب کرتے ہین یہ معجون دواخانہ معدن الادویہ ہی مین بنتی ہے اور یہین سے مل سکتی ہے پہلے ایسی چیزین ہزارون روپیہ صرف کرنے پر روسا کو حاصل ہو سکتی تھین مگر اب اس دواخانہ کی بدولت ہر شخص کو فائدہ اٹھانیکا موقع حاصل ہے قیمت [illegible] خوراک ۱۲ روپیہ

حب کیمیائے عشرت رقت اور سرعت کو دور کرتی ہے باہ کو قوت اور مادہ تولید کی خرابی کو دور کرتی ہین۔ جریان کے واسطے اکسیر ہین اور خوبی یہ ہے کہ بے انتہا ممسک ہین چالیس دن کے استعمال سے ناقابل برداشت قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ اسی سے ظاہر ہے کہ دواخانہ باوجود کثرت سے تیار کرنے کے اکثر فوری تعمیل سے قاصر ہو جاتا ہے قیمت بیس خوراک عہ

ماء اللحم انگوری دو آتشہ — دل و دماغ و جگر اور تمام اعضائے رئیسہ کو قوت دیتا ہے۔ مفرح قلب ہے ہاضم طعام ہے خفقان و وحشت اور اختلاج کے لئے مفید ہے مقوی باہ ہے۔ تمام بدن کی گئی ہوئی قوت کو از سر نو پیدا کرتا ہے جسم مین خون دوڑنے لگتا ہے۔ قیمت فی بوتل [illegible]

طلائے مسیحی — یہ وہی طلا ہے جو ایک مدت سے دواخانہ معدن الادویہ مین تیار ہو رہا ہے جسکے استعمال سے برسون کے مصیبت زدہ اور زندگی سے مایوس ہو جانیوالے حضرات کو لطف زندگی حاصل ہو گیا اسکے استعمال کے دو تین روز کے بعد ہی سے زائل شدہ قوت عود کرنا شروع ہوتی ہے اگر باقاعدہ اپنے افعال سے توبہ کر کے اسکا استعمال کیا جائے تو اصلی قوت پیدا ہو جاتی ہے ضعف اعصاب کا بہترین علاج ہے مایوس اور نامرادون کی امید کو پورا کرتا ہے۔

قیمت فی شیشی ۳ ماشہ ۴ روپیہ

منعش — یہ ایک خاص دوا ہے جو جناب مسیح الملک کا عطیہ ہے۔ حرارت غریزی کے ابھارنے اور قوت مردمی کے برانگیختہ کرنے مین اپنا نظیر نہین رکھتی اعصاب کو طاقت بخشتی ہے جریان کو دور کرتی ہے۔ امساک پیدا کرتی ہے اور اسقدر طاقت بڑھاتی ہے کہ فراغت کے بعد بھی تکان نہین محسوس ہوتی تجربہ شرط ہے۔

قیمت بیس خوراک ۴ر

المشتہر سید محمد عباس منیجر دواخانہ معدن الادویہ کٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

۱



گراموفون کمپنی کے ایجنٹ لکھنؤ مین

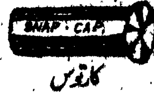
سلطان کمپنی نمبر ۴۰ (چالیس) امین آباد پارک مین مین

جو ہر قسم کے

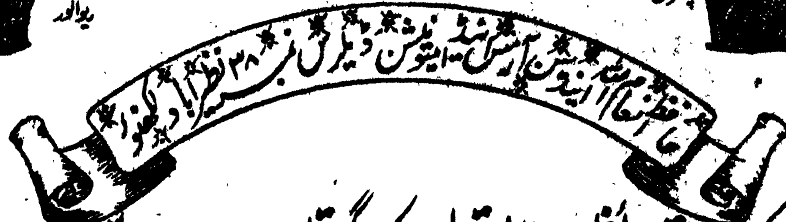
گراموفون و نئے نئے گانون کا عمدہ اسٹاک رکھتے ہین

ایک مرتبہ ضرور تشریف لا کر یا فہرست منگا کر سرفراز فرمائیے









ہر قسم کی بندوقین رائفل ریوالور پستول اسٹک گن تلوارین چھرے اور بم وغیرہ نیز
کارتوس چھرہ باروت اور جملہ سامان شکار تمام کارخانون سے ارزان اور مناسب قیمت پر مرقومہ بالا
کارخانہ سے دستیاب ہوتا ہے۔ تمام راجہ مہاراجہ تعلقداران رؤسا اور دیگر لائسنس یافتہ حضرات
پچاس سال سے برابر اس کارخانہ کی امداد اور قدردانی فرماتے رہتے ہین۔

آرڈر کے ساتھ کم از کم چہارم قیمت آنے پر بقیہ مال بذریعہ وی۔ پی۔ روانہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ حضرات
جو مستثنیٰ ہین انکو نمبر اور تاریخ نوٹیفیکشن جس کے ذریعے سے گورنمنٹ نے مستثنیٰ کیا ہے فرمائش کے ساتھ اپنے
دستخط کرکے بھیجا کرین۔ لائسنس دار صاحبان کو فرمائش کے ساتھ اپنا لائسنس بھیجنا ضروری ہے جو انکو بعد
اندراج ضروری واپس کر دیا جائیگا۔ ایک مرتبہ ضرور آزمایش فرمائیے۔

مفصل فہرست مفت

مینیجر محمد یاسین حافظ انعام اللہ اینڈ سنز آرمس ایمونیشن ڈیلرس ۲۸ نظیر آباد لکھنؤ



بلگرامی بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

سے

ہر مصنف و مؤلف اور ہر قسم کی مطبوعہ کتابیں فرمایش آنے پر روانہ کی جاتی ہیں

مختصر فہرست بلگرامی بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
مولانا شبلی مرحوم		**مولانا شبلی مرحوم**		**مولانا شرر لکھنوی**		**مولانا شرر لکھنوی**		**مولانا شرر لکھنوی**	
سیرۃ النبی مجلد حصہ ۱	سے	علم الکلام	عہ	امام شافعی	۴	عزیزہ مصر	عہ	فردوس بریں	۸
حصہ ۲	سے	الکلام	بہ	ابوبکر شبلی	عہ	فاتح مفتوح	عہ	شہید وفا	۸
حصہ ۳	ے	سفرنامہ روم و مصر و شام	تیہ	جنید بغدادی	عہ	بابک خرمی کامل	عہ	حسن بن صباح	۴
الغزالی	عہ	مقالات شبلی	عہ	خواجہ معین الدین	۶	الفانسو	۱۲	افسانۂ قیس	۲
سوانح مولانا روم	بہ	رسائل شبلی	بہ	سکینہ بنت حسین	۶	ایام عرب کامل	؏	شب وصل	۲
الانتقاد عربی	عہ	المامون	بہ	ملکہ زنوبیہ	۳	فتح اندلس	؏	شب فراق	۲
دیوان شبلی فارسی	عہ	سیرۃ النعمان	بہ	فرقۃ العین	۳	ماہ ملک	؏	اسیری بابل	۴
کلیات شبلی		مضامین عالمگیر	عہ	شیرین ملکہ عجم	۴	قیس و لبنیٰ	بہ	زمانہ اور اسلام	۳
مکاتیب شبلی حصہ ۱		مجموعہ کلام شبلی دوم	۸	مخدرات	عہ	یوسف نجمہ کامل	بہ	الحکم الرفاعیہ	۳
حصہ ۲		مسلمانوں کی تعلیم	۱۲	مخدرات تیموریہ	؏	زوال بغداد	بہ	ہندوستان کی موسیقی	۴
مثنوی صبح امید	۴	آغاز اسلام قسم اول	۸	صدپارۂ دل حصہ ۱	عہ	درگیش نندنی	۸	ہندوؤں کا تعلق اردو سے	۴
اسلامی مدارس	۴	بیان خسرو	۱۰	حصہ ۲	عہ	طاہرہ	عہ	حسن کا ڈاکو	عہ
اسلامی حکومت	۱	موازنہ انیس و دبیر	۱۲	تاریخ سندھ حصہ ۱	عہ	مینا بازار	عہ	دربار حرام پور	۱۰
جہانگیر	۲	برگ گل	۱۰	عصر قدیم	بہ	مقدس نازنین	عہ	آغا صادق کی شادی	۱۰
زیب النساء		دستہ گل	؏	مسیح اور مسیحیت (نایاب)	سے	رومۃ الکبریٰ	عہ	غیب دان دلہن	عہ
الفاروق قسم اول	سے	حیات جامی	۴	عرب قبل اسلام (نایاب)	؏	فلپانا	عہ	دلچسپ کامل	۱۲
قسم دوم	؏	حیات حافظ	۴	صقلیہ میں اسلام	۴	شوقین ملکہ	عہ	دلکش	عہ
شعر العجم حصہ ۱ مع اردو	؏		۱	تاریخ خلافت	۴	فلورا فلورنڈا	عہ	میوۂ تلخ	۸
حصہ ۲	؏		۸	اقوام کرد	۴	منصور موہنا	۸	بدر النساء کی مصیبت	۳
حصہ ۳	؏			جویائے حق کامل	للعہ	حسن انجلینا	۸	خوفناک محبت	عہ
حصہ ۴	؏			لعبت چین	عہ	ملک العزیز ورجنا	۱۲	مرسید کی برکتیں	۳
حصہ ۵	؏								

ڈاکٹر سر اقبال کی: شکوہ ۲ ، جواب شکوہ ۴ ، نالۂ یتیم ۲ ، اکبری اقبال ۳ ، بلال ۱ ، شمع و شاعر ۲ ، فریاد امت ۳ ، مکمل ترانہ ۲ ، تصویر درد ۴ ، خضر راہ ۴ ، طلوع اسلام ۴ ، بانگ درا (مجلد) عہ ، اسرار خودی وغیرہ ؏ ، پیام مشرق بہ

مولانا نیاز فتحپوری کی: گہوارۂ تمدن ؏ ، گیتانجلی ؏ ، کیوپڈ اینڈ سائکی ۸ ، مرنجی سیاح کی ڈائری ۲ ، قربانگاہ حسن ۴ ، جذبات بھاشا ۱۲ ، صدائے صحرا ۱ ، تاریخ الدولتین عہ ، شہاب کی سرگزشت ، صحابیات ، نگارستان

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کارے است کہ بے آہ و فغان نیز کنند
(عطیۂ علامہ سر اقبال)

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا مقبول جہاں عزیز جریدہ

۱۳۴۴ھ

مرتبہ

سیّد مقبول حسین وصل بلگرامی

"مرقع" کے قواعد وضوابط

(۱) مرقع ہر انگریزی مہینے کی ۵ تاریخ کو دارالادب لکھنؤ سے شایع ہوگا۔
(۲) مرقع کی قیمت عام خریداروں کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔
(۳) مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہوئے روانہ نہیں ہو سکتا۔
(۴) مرقع کی قیمت رؤسا و دیگر معزز اصحاب ور اُسکے مُربیوں سے اُنکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔
(۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے۔
(۶) خط وکتابت کے سلسلہ مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔
(۷) رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہئے۔
(۸) کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔
(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم ونثر درج ہونگے جو خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔
(۱۰) مرقع کو موجودہ پالیٹکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہوگا۔
(۱۱) تنقیدی مضامین بھی اس مین شایع ہونگے، مگر وہی جنمین خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بغض کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔
(۱۲) ایسے مضامین جن مین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اُس مین ایسے مضامین ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہونگے۔
(۱۳) جس نظم ونثر کے مضمون مین زبان، لغت، یا فن کی غلطیان ہونگی اُسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اُسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کردین۔
(۱۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاءاللہ کبھی دل آزار یا متعصب نہ ثابت ہوگا۔
(۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاءاللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

"مدیر مرقع لکھنؤ"

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت
ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجئے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	؎	؎	عـــ؎
چھ ماہ کے لئے	؎	عـــ؎	؎
تین ماہ کے لئے	عـــ؎	؎	سے ر
ایک ماہ کے لئے	سے	؎	سے ر

ضروری نوٹ
ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اُجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط وکتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ اُجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے۔
منیجر مرقع لکھنؤ

جہان مرقعِ تصویرِ حسنِ اوست تمام — بہ حیرتم بہ کہ بندم دل از کہ بردارم

فہرست مضامین

اپریل سنہ ۱۹۲۶ء

صبحِ عید

از جناب باسط بسوانی

رنگِ چمن بنا ہے گریبانِ صبحِ عید
دامانِ گل سے کم نہیں دامانِ صبحِ عید

کیا شے ہے کیا کہوں رخِ خنداںِ صبحِ عید
گویا بہار پر ہے گلستانِ صبحِ عید

بھولا نہ رات بھر مجھے عالم ہلال کا
اُسکا ظہورِ شام تھا اعلانِ صبحِ عید

کیوں دل نہ خوش ہو کس لئے خاطر نہ جمع ہو
دیکھی ہے میں نے زلفِ پریشانِ صبحِ عید

دشمن ہیں یا کہ دوست گلے آج سب ملیں
جاری ہوا یہ دہر میں فرمانِ صبحِ عید

کاٹی ہے انتظار میں میں نے تمام رات
پیشِ نظر تھا شام سے سامانِ صبحِ عید

رنگِ نشاط ہے در و دیوار سے عیاں
قصرِ جناں سے کم نہیں ایوانِ صبحِ عید

ہر شے سے کیوں نہ رحمتِ حق کا ظہور ہو
یہ شانِ صبحِ عید یہ سامانِ صبحِ عید

حاصل ہوا ہے آج مجھے انبساطِ روح
سو جان سے ہے دل مرا قربانِ صبحِ عید

سر خود بخود جھکا مرا سجدے کے واسطے
واللہ میرے سر پہ ہے احسانِ صبحِ عید

تارِ شعاعِ مہر ہیں سطریں بیاض کی
سرخیِ شفق کی صاف ہے عنوانِ صبحِ عید

بخشش خدا کی آج ہے ہر ذرہ ذرہ پر
معمور نعمتوں سے ہوا خوانِ صبحِ عید

کیا دلفریب اسکی ہیں رنگین ادائیاں
پھولوں سے ہے بھرا ہوا دامانِ صبحِ عید

تعریف روزِ عید کی باسطؔ سنی بہت
اب اک غزل سنائے ثنا خوانِ صبحِ عید

غزل

پیماں شکن کو یاد ہو پیمانِ صبحِ عید
پیمانِ صبحِ عید ہو عنوانِ صبحِ عید

وہ قتل کر رہے ہیں مجھے آج اس لئے
رنگین ہو میرے خون سے دامانِ صبحِ عید

ملتی ہے زلفِ یار اگر شامِ عید سے
چہرہ ہے یار کا رخِ تابانِ صبحِ عید

رنگین لباس انکا ہے، دامن میں پھول ہیں
سازِ شبِ وصال ہے سامانِ صبحِ عید

باسطؔ وہ رشکِ گل ہے عشرت سے مست ہے
سنتا ہے کون تیری غزلخوانِ صبحِ عید

مرقعِ عید

از جناب محمد ممتاز احمد صاحب بسملؔ (داناپوری) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تیغِ حسرت کھب کے دل میں رہ گئی
کچھ خلش سی ہو کے دل میں رہ گئی

میں ملا اُن سے نہ وہ مجھ سے ملے
ایک حسرت ہو کے دل میں رہ گئی

عید کے دن یادِ کُل احباب کی
نشترِ غم ہو کے دل میں رہ گئی

انتہائے یاس اے بسملؔ یہ تھی
حسرت اپنی ہو کے دل میں رہ گئی

تازے پھول

از جناب حسنی کاکوروی سکریٹری بزمِ شعرا اورنگ آباد - دکن

برق تڑپے گی ٹھہر جائیگی
دل نہ ٹھہرا ہے اور نہ ٹھہریگا

پتلیاں بھی پھر گئیں وقتِ نزع
وقت پڑنے کی یہ ساری بات ہے

مصور تھک گیا جب کوششوں میں
تصور نے تری تصویر کھینچی

زیست کا ہے مزہ ہمیں تک جب
تم نہیں ہو تو زندگی کیسی

پوچھتے ہیں وہ حال دل میرا
ہائے انکو مری خبر ہی نہیں

درد کے بیمار خوگر ہو گئے
اور کوئی اب ستم ایجاد کر

جلد ۱ — اپریل ۱۹۲۶ء — نمبر ۱



بعکس روے تو ہر رنگ روح انسان است ۱۹۲۶ء زحسن وعشق مرصع مرقع جان است

نواے اقبال

از رشحاتِ علامہ سر محمد اقبال اقبال - ام - اے پی - ایچ - ڈی

من شکوہِ خسروی او را دہم — تختِ کسریٰ زیرِ پاے او نہم
او حدیثِ دلبری خواہد ز من — آب و رنگِ شاعری خواہد ز من

کم نظر، بیتابیِ جانم نہ دید
آشکارم دید و پنہانم نہ دید

اسکے پاس سے جو دل شکستہ ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ دل شکستہ ہے! وہان سے جہان حرمانِ محبت کی چٹانین ہین اور ظاہر بین نظرین اُنھین شاداب وادیان سمجھتی ہین!!

والسلام — جلیل قدوائی — علیگڈھ میگزین (اردو) — مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

ٹالسٹائے کی زندگی پر ایک نظر



روس کا زبردست مصنف جسکو مرے ابھی ایسا کچھ بہت زیادہ زمانہ نہین ہوا۔ایک عالمگیر شہرت وعزت رکھنے والا شخص تھا لوگون کے دلون مین جو اسکی وقعت تھی وہ اسکے غیر معمولی خلوص کی وجہ سے تھی۔وہ کہا کرتا تھا کہ دنیا مین دو طرح کے آدمی ہوتے ہین۔ایک تو وہ جو گفتگو اور تبادلۂ خیالات کے کرنے کے قابل ہوتے ہین اور دوسرے وہ جو اس قابل نہین ہوتے۔جنسے گفتگو اور تبادلۂ خیالات کرنے مین لطف آتا ہے وہ آزاد خیال لوگ ہین۔آزاد خیال لوگون سے اسکی مراد لا مذہب شخصون سے نہین ہے بلکہ وہ لوگ ہین کہ جو تقلید اور کورانہ پیروی سے آزاد ہوکر زندگی کے ہر پہلو پر وسیع اور گہری نظر رکھتے ہین ایک جگہ وہ خود لکھتا ہے "ایک شخص خواہ وہ عابد وزاہد ہو یا لامذہب اور ملحد۔انگریز ہو یا روسی۔دولتمند ہو یا مفلس یا اور جو بھی کچھ مگر پھر بھی وہ ایک آزاد خیال شخص ہوسکتا ہے لیکن اگر اُسکے ذہن پر اسکی اپنی قومیت شخصیت یا حیثیت کا احساس غالب ہو اور وہ صرف سیقدر سچائی اور حقیقت کو دوسرے ذرائع سے قبول کرسکتا ہے جس سے اُسکے عقائد پر اثر نہین پڑتا۔تو اس شخص کے لیے جو سچائی کو دنیا کی تمام باتون پر ترجیح دیتا ہے۔ایسے شخص کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنا قطعی غیر ممکن ہے کیونکہ ایسی گفتگو سے کوئی نفع متصور نہین ہوسکتا"

ٹالسٹائے کے اس خیال سے اُسکا مطمح نظر معلوم ہوتا ہے جس پر کہ اُسنے اپنی تمام زندگی بسر کی۔ممکن ہو کہ اسکا دماغ اس کے اپنے چند ذاتی خیالات وعقائد پر اُسکی عمر کے آخر زمانہ مین راسخ ہوگیا ہو لیکن تقریباً ساٹھ سال تک وہ مختلف مسائل پر یکے بادیگرے متواتر اپنے ذہنیات کو منتقل کرتا رہا۔یہانتک کہ کوئی اہم مبحث جو کسی ذہین اور طباع شخص کے پیش نظر ہوسکتا ہے باقی نہ بچا تھا جسکو ٹالسٹائے نے اپنا نہ کرلیا ہو جسکے مختلف پہلوؤن پر اُسنے غائر نظر نہ ڈالی ہو اور جسکی حقیقت کے متعلق اُسنے اپنی آزادانہ رائے دنیا کے سامنے پیش نہ کی ہو۔بغیر اس لحاظ کے کہ آیا اسکی رائے خود اسکے لئے باعث تسکین ہوگی یا نہین یا اسکے اور اُسکے کارنامون اور روش زندگی کے لئے موجب تحقیر۔

یہ ایک خاص بات ہے کہ اُسنے علم ادب کے متعدد اور مختلف اصناف پر قلم اٹھایا اور ہر شعبہ مین اپنی قابلیت ومعلومات کے ایسے ایسے جوہر نمایان کئے ہین کہ ہر شعبہ ادب بذات خود اسکے اعلی خیالات وقدرت بیان کی ایک بیّن دلیل ہے۔ناول۔افسانے۔ڈرامے خطوط۔تبصرے۔تذکرے۔اخلاقی وتاریخی مضامین اسکے ادبی کارنامون کی غیر فانی مثالین ہین۔اسکے علاوہ دوسری زبانون کی تصانیف سے اسنے اپنی روسی زبان مین بہت سے ترجمے بھی کئے ہین اور دیگر ممالک کے بزرگون کے اقوال زرین کا ایک بیش قیمت ذخیرہ بہم کیا ہے۔ان باتون سے اسکے ادبی شغف اور انہماک کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اسکی تصانیف زیادہ تر اسکے ذاتی تجربات اور معلومات پر مشتمل ہین۔جس فطری اور لازمی طریقہ سے اسکے دماغ کی نشو ونما ہوئی تھی وہ بجائے خود ایک حیرت انگیز امر تھا ایک صنف ادب سے دوسری صنف کی طرف رجوع ہونے مین وہ اپنے مشاہدات وتجربات کو جس حسن وخوبی کے ساتھ کام مین لاتا تھا وہ ہر شخص کے اختیار مین نہین ہے۔اسکے ابتدائی مضامین مثلاً کریمین وار کے متعلق جس مین اُسنے خود حصہ لیا تھا۔چھوٹی چھوٹی کہانیان جو اُسنے لکھی ہین گویا وہ اُن بڑے بڑے ناولون کے پیش خیمہ تھے جو اُسنے اپنی شادی کے بعد جبکہ اسکو زیادہ فراغت وبیفکری نصیب تھی لکھے اسیطرح اسکی دوسری

تصانیف بھی ہین جو اسنے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر لکھی ہین۔

۱۸۶۱ء مین شادی ہونے سے قبل اسنے اپنی جائداد کے دہقانون کے لڑکون کی تعلیم کے لیۓ اپنے تحت مین ایک مدرسہ قائم کیا اور اسمین بڑی دلچسپی اور انہماک کے ساتھ اپنے اوقات صرف کرتا رہا۔ لڑکون کو مختلف مضامین پر خود سبق دیتا تھا اور اُنکے ساتھ اُنکے کھیل کود مین ہمیشہ شریک ہوا کرتا تھا۔ اسنے اپنے اس زمانہ کے تجربات پر بعد مین ایک زبردست کتاب درس و تدریس کے متعلق لکھی۔ تیس سال کے بعد ۱۸۹۱ء مین اسنے دو سال تک متواتر وسط روس کے قحط زدہ دہقانون کی اعانت کے لیۓ بے انتہا خلوص اور سرگرمی کے ساتھ کام کیا۔ اسکے متعلق جو کچھ اُسے تجربات ہوۓ وہ اُسنے ایک کتاب کی صورت مین قلمبند کیۓ ہین۔ لیکن چونکہ اسکی یہ تصنیف گورنمنٹ روس کی پالیسی کے منافی تھی اسلیۓ اُسکو اسکے سبب سے اپنی آزادی کی قربانی ادا کرنی پڑی۔ امور سیاسی مین ٹالسٹاۓ کے اثرات یہانتک تھے کہ اُسکی تصانیف نے سلطنت زار کی بنیادون کو ہلا دیا۔ اور صرف اسی کی تنہا ہستی تھی جسکو زار روس کو اسکے افعال و حرکات پر برملا بُرا کہنے مین زرا بھی باک نہ تھا۔

ٹالسٹاۓ کا قلب ان بُرائیون سے بہت زیادہ متاثر تھا جو دولت و ثروت یا انتہائی عُسرت و افلاس کا لازمی نتیجہ ہین۔ ٹالسٹاۓ خود اپنی جائداد و دولت سے بیزار تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ان جھگڑون سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس خیال سے نہین کہ اسکو الگ کرکے دوسرون کو فائدہ پہونچاۓ بلکہ خود اپنے ضمیر کو باعافیت و مطمئن کرنیکے لئے اسکی عمر کے آخری تیس سال علائق دنیاوی سے دست بردار ہونے کی کوشش مین صرف ہوۓ جسکے واقعات بذات خود ایک دلچسپ افسانہ ہین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکی بیوی سے آخر انھین معاملات کے متعلق آپسمین ناچاقی ہوگئی۔

آخرکار جب اسکی عمر تقریبًا بیاسی سال کی تھی اُسنے اپنے آپ کو تمام وابستگیون سے آزاد کرکے اپنے محبوب وطن کو ترک کردیا اور ایک ناآشنا مقام پر اجنبی ہمسایون کے ساتھ بہت ادنیٰ اور معمولی زندگی بسر کرنے لگا۔

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس شخص نے اپنی تمام زندگی مین کسی کا دل نہ دکھایا تھا اسکو اپنی آخری عمر مین اپنے ابناۓ جنس کے لیۓ موجب تکلیف و دردسری ہونا پڑا۔

اسٹاپوڈ کا ایک چھوٹا سا گمنام اسٹیشن جو آبادیون سے دور ایک جنگل مین واقع تھا مرجع خلائق بنا ہوا تھا۔ آدمیون کے ہجوم کی وہ کثرت تھی کہ رہنے کے لیۓ کہین جگہ نہ ملتی تھی۔ دنیا بھر کے تار برقی پیغام رسانی مین مصروف تھے تاکہ اُس زبردست مصنف کا حال دریافت کرین جو ایک غیر معمولی ماحول مین بستر مرگ پر جان بحق تسلیم ہو رہا تھا۔ اخبارات کے ہزارہا صفحات اسکے متعلق کثرت سے شائع ہو رہے تھے۔ اور خطون کے موصول ہونے کی کوئی انتہا نہ تھی۔

یقینًا اس سے قبل کبھی ایک عزلت گزین کے بستر مرگ نے اسقدر عالمگیر شہرت حاصل نہین کی۔

محمد عبدالحیٔ صدیقی۔ بی۔ اے۔ (علیگ)

رباعیاتِ رَوان

ازجناب بابو جگت موہن لال صاحب رَوان ایم اے۔ ایل ایل بی وکیل اناو

رکھتے ہین جو دوست دل مین الفت میری
للہ کرین نہ وہ حمایت میری
کیون ہو کے شریک لطف غم کھوتے ہین
بخشین تیرے لئے مصیبت میری

غم کی عظمت کسی کو معلوم نہین
اُسکی حکمت کسی کو معلوم نہین
سب محو خیال دین و دنیا ہین رَوان
اپنی قدرت کسی کو معلوم نہین

لندن کے ایک خط کا اقتباس

جناب مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی بی اے علیگ کے نام - مرسلہ جناب اعزاز متخلص بہ مومن از لیڈس (لندن)

آپ مجھسے یہان کے حالات دریافت کرتے ہین یہ میری سمجھ مین نہین آتا کہ کیا لکھون - جس چیز کو دیکھتا ہون نئی نظر آتی ہے یہان کے لوگون کا تصور حیات جدا - غرض ہر چیز مختلف ہے - اور تو اور یہان محبت کا مفہوم و اثر بھی بالکل نرالا اور انوکھا ہے - جب سے ہوش سنبھالا ہے اُسوقت سے عنفوان شباب تک و عنفوان شباب سے اسوقت تک یہی سنا تھا اور یہی محسوس ہوتا رہا ہے کہ محبت کے معنی ایثار و قربانی کے ہین - عاشق کیلئے ناز اور دلبر کے واسطے نیاز - اُس کے لئے سوز اور اس کیلئے ساز - اُسکے لیے مہر و وفا اسکے لیے جور و جفا پیدا کئے گئے ہین - لیکن یہان معاملہ بالکل برعکس ہے - اگر لڑکی کو عشق کا دعوی ثابت کرنا ہوتا ہے تو لڑکے کے چھری بھونک دیتی ہے اور صاحبزادے کو اپنی محبت جتانا ہوتا ہے تو وہ اپنی دلربا کے حلق پر استرا چلا دیتا ہے کوئی ہفتہ ایسا نہین جاتا جو یہ قصہ پیش نہ آتا ہو - اب تو یہانکی لڑکیون سے خصوصًا اونکی محبت سے اور بھی پناہ مانگتا ہون باللہ التوفیق و منہ الرشاد

یہان سب سے زیادہ جس چیز سے متاثر ہوا ہون وہ آزادی کی روح ہے ہر شخص قانون کے نہایت وسیع غیر محدود دائرے مین بالکل آزاد و خود مختار ہے اسکے لئے یہان کی تنظیم ہر چیز چند اصولی قواعد کے تحت مین اپنا کام کرتی جاتی ہے - جس خوشی سے قواعد کی پابندی لوگ کرتے ہین - اُسکی مثال غلام ممالک مین ہرگز نظر نہین آسکتی ہر شخص یہ سمجھتا ہے اور سچ سمجھتا ہے کہ قانون انھین کا بنایا ہوا ہے اور اُسکی پابندی اُسکا اولین فرض ہے

ان سب سے زیادہ جو چیز نئی معلوم ہوتی ہے وہ یہان کے مدارس اور طرز تعلیم ہے ہمارے یہان اور یہان کے مدارس مین زمین و آسمان کا فرق ہے ہمارے یہان بچے اسکول سے بھاگتے ہین یہان صبح ہوتے ہی اسکول بھاگے آتے ہین - ہمارے اوستاد جلاد ہین یہان کے ماں باپ اور بھائی سے زیادہ مہربان - اسکے علاوہ رٹائی سے واسطہ نہین - اساتذہ کی کوشش تمامتر اس بات پر صرف ہوتی ہے کہ طالب علم مین غور و فکر کے بعد صحیح نتائج پر پہونچنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے - چنانچہ اوستاد صرف رہنمائی اور رہبری کرتا ہے اور تمام کام ایک معقول حد تک لڑکے کی مرضی پر چھوڑ دیتا ہے -

یہان کے ماہرین تعلیم کا خیال ہے کہ ہر شخص دنیا مین کسی خاص کام کے واسطے پیدا کیا گیا ہے اور ایک کا کام دوسرا نہین انجام دیسکتا ع ہر کسے را بہر کارے ساختند لہذا طالب علم کو اسبات کا کافی موقع دیا جاتا کہ وہ اپنی جدت Originality سے دنیا کو فائدہ پہونچائے چونکہ یہ بحث مستقل کئی صحبتون کی محتاج ہے اس لئے یہین ختم کرتا ہون -

گزشتہ پچیس تیس سال مین یہان کے نوجوانون کی جسمانی حالت و صحت مین نہایت بین فرق ہو گیا ہے اور طلباء کی جسمانی حالت نہایت قابل اطمینان ہے یہ تمامی قومی حکومت کے نتائج ہین - یہان

ع فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ایک امر بات جو اہل مشرق کیلئے دلچسپی سے خالی نہین یہ ہے کہ تمام دفترون اور کارخانون مین عورتون کی کثرت ہے چنانچہ زنانی پولیس بھی علحدہ ہے - گو ابھی زیادہ عام نہین ہوئی ہے ٹینس ہاکی فٹ بال کرکٹ مگر کوئی کھیل ایسا نہین ہے جسمین یہ شریک نہ ہوتی ہون - چنانچہ اب دوڑنے اور کودنے مین بھی حصہ لینا شروع کر دیا ہے ابھی کچھ روز ہوئے جب مین دوسرے طلباء کے ساتھ ایک چاکولیٹ کا کارخانہ جسمین تقریبًا سات ہزار آدمی کام کرتے ہین دیکھنے گیا تھا تو اثنائے گفتگو مین ایک انگریز طالب علم نے کہا کہ ہان جلدی وہ وقت آنیوالا ہے جب ہم لوگ گھر بار اور بچون کی نگہداشت کیا کرینگے - اور ہماری عورتین دوسرے تمام کام انجام دیا کرینگی - یہان جو مردون کو مزدوری نہین ملتی ہے اور جو کئی لاکھ بیکار ہین اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیان عمومًا بلا ضرورت زیادہ پر عیش زندگی بسر کرنے کیلئے کم اجرت پر میسر آجاتی ہین -

اس تصدیعہ کی تلافی کے طور پر نیز معاوضہ کی امید مین - فارسی کی ایک تازہ غزل بھیجتا ہون - کوئی خاص بات نہین ہے - یہ غزل الیسٹ بورن مین بیٹھے کہی تھی -

شرم آن طرفہ نقابے کہ دریدن نتوان — شوق آن دست درازے کہ رسیدن نتوان
رُخ رنگین ز دل آویزی رعب جنبش — چشم دیدن نتوان نیز ندیدن نتوان
سینہام مدفن صد شور ز پاس الفت — نالہ کردن نتوان آہ کشیدن نتوان
شیخ با آن ہمہ بدذوقی و کم بینی حُسن — کشتہ داشت دویش کہ ندیدن نتوان
مایۂ این دل شوریدہ چو دیدم مومن — قطرۂ بر سر مژگان چکیدن نتوان

روحِ سخن

از جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی

اُنکو جو التفات کی عادت مجھی سے ہے — گویا زمانہ بھر کو شکایت مجھی سے ہے
وہ سادگی سے بزم میں ہیں مجھ پہ مہربان — میں یہ سمجھ رہا ہوں محبت مجھی سے ہے
اور وں سے کچھ غرض نہیں اللہ رے نصیب — اُس فتنہ جو کو ہے تو عداوت مجھی سے ہے
میرے ہی عشق نے اُنہیں یہ ہی سکھائی ہے — آغاز کاروبارِ عنایت مجھی سے ہے
وہ قبر پر کھڑے ہوے کہتے ہیں کیا ہوا — مجھ کشتۂ الم کی عیادت مجھی سے ہے
میری نگاہِ شوق پہ برہم نہیں ہے وہ — میدانِ حشر میں یہ حمایت مجھی سے ہے
محفل طرازیوں کا ہی گر ذکر مجھ سے ہے — دشمن فریبیوں کی حکایت مجھی سے ہے
میرے ہی طرزِ عشق پہ ہیں وہ مٹے ہوے — اُنکو اگر کسی سے ہے چاہت مجھی سے ہے

بسمل تہی ہیں وہ اور وں سے صبر آزمائے شوق
اُس حیلہ جو کی ساری متانت مجھی سے ہے



جناب سید منیر آغا صاحب اشہر لکھنوی

وحشتِ قیس کی تصویر دکھانے والے — کیا کہیں گے تجھے موجود زمانے والے
دیکھ تو کتنی جگہ قبر نے سانسین دین — مسکراتے ہوے اس سمت سے جانے والے
وہ چلے آتے ہیں ہنستے ہوئے آبادی سے — خوش رہیں دامنِ صحرا کے بسانے والے
میری تاریکیِ قسمت میں سحر ڈوب گئی — حشر میں آئینگے اب شام کے آنے والے
... کی حرکت وقت نے آواز بھری — لے کے انگڑائی اُٹھے حشر میں جانے والے
شوقِ نظارہ کئے ڈھونڈھ رہا ہے سرِ طور — دور ہو پہنچے تجھے آواز سنانے والے

دل کو آہ سے اک گونہ تعلق اشہر
ہم ہیں بے وقت کی آواز لگانے والے



عکسِ فطرت علامہ مولانا محوی صدیقی لکھنوی نائب صدر بزم شعرا اورنگ آباد

نہ بھگڑا تا زمانہ اور نہ دشمن آسمان ہوتا — میں یا زارِ جہان میں کاش جنسِ رائگان ہوتا
اُلٹ دینا کوئی مشکل نہ تھا اس بزم ہستی کو — ہماری داستاں ہوتی کوئی رنگین بیان ہوتا
خوشا اے اضطرابِ شوق اے شوریدہ سامانی — سکون کی زندگی میں یہ مزہ حاصل کہاں ہوتا
سکونِ خامشی سے مر رہوں دامانِ صحرا میں — نہ میں یا بانگِ جرس بنتا نہ گردِ کاروان ہوتا
یہ کیا اے اشک تو ہی اور کنارِ خاکِ گمنامی — ٹپک کر میری بربادی کی خونین داستان ہوتا
ہجومِ آرزو ہی میں ہوں وہ اک خود فراموشی — یہی ہوتا جو وہ نا مہربان بھی مہربان ہوتا
غنیمت ہے مری وارفتگیِ شوق بھی ورنہ — بھلا میں اور رہینِ منتِ کوشش ہر کارواں ہوتا
زبانِ خامشی کیا ترجمانِ زخمِ دل ہوگی — نگاہِ یاس بسمل کاش کچھ کچھ سے بیان ہوتا
کہاں تک ضبط کوئی جب بھی ہے آتشِ حرماں — لہو کی بند تک میری ہر رگِ دل سے روان ہوتا
حسینوں کا تبسم ہی مری نیچی نگاہیں ہیں — کوئی ان بے زبانوں کا الٰہی ترجمان ہوتا

کبھی کرتا تو کوئی پرسشِ زخمِ جگر محوی
مرا ہر قطرۂ خون ایک رنگین داستان ہوتا

عبودیتِ عبد

از جناب مولوی عبداللہ صاحب عبد تلمیذ حضرت شفیق جونپوری

مژدہ اے وحشت کہ پھر فصلِ بہار آنے کو ہے — پھر دلِ دیوانہ صحرا کی طرف جانے کو ہے
یون شبِ فرقت بسر ہوتی ہی میری ہمدمو — دل تڑپتا ہی میں سمجھا تا ہوں وہ آنے کو ہے
اب قیامت ہوگی برپا ہوشیار اے آسمان — آہ پُر تاثیر دل سے تا بلب آنے کو ہے
کس قدر خوش ہوگیا دل یہ جو میں نے کہہ دیا — مجھ سے ملنے کے لئے وہ میرے گھر آنے کو ہے
کس کا استقبال کرنے کو بگولے اٹھتے ہیں — دشت میں شاید کوئی وحشی مزاج آنے کو ہے
اپنی ہستی سے بھی غافل ہوگیا ہی عشق میں — صرف تیری یاد ہمدم تیرے دیوانے کو ہے

عبد ساقی کی نگاہِ مست کا کیا پوچھنا
جھومتے ہیں بادہ کش اک جوش میخانے کو ہے

موسیقی

ذیل کی چند سطرین جرمنی کے مشہور شاعر و نقاد ہنرش ہائنہ کے اُس مضمون سے ماخوذ ہین جو اسنے راسنی اور میئربیر دو ممتاز ماہرین موسیقی کا موازنہ کرتے ہوئے سپرد قلم کیا تھا۔ یہ مختصر سا ٹکڑا اپنی ندرت اور رنگینی کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

"موسیقی کیا ہے؟ اِس سوال نے سونے سے پیشتر رات گھنٹون میرے دماغ کو مصروف رکھا۔ موسیقی کا وجود ہی حیرت ناک ہے۔ میں کہہ سکتا ہون کہ معجزہ ہے۔ اسکی جولانگاہ تخیل اور مشاہدے کے درمیان ہے۔ صبح (یا شام) کے دھندلکے کے مانند روح اور مادہ کے بیچ مین محوِ پرواز ہے موسیقی روح ہے لیکن ایسی روح جو مساحتِ زمانی کی تابع ہو۔ وہ مادہ ہے لیکن ایسا مادہ جو قیود مکانی سے آزاد ہو۔

ہمکو مطلق علم نہین کہ موسیقی ہے کیا؟ البتہ اتنا جانتے ہین کہ دلکش موسیقی کیا ہے اور اس سے بہتر جانتے ہین کہ کریہہ موسیقی کسے کہتے ہین کیونکہ ہمارے کانون کو اکثر سابقہ موخر الذکر سے ہوتا ہے۔ اس فن کی تنقید کسی اصولی ترکیب پر نہین بلکہ محض تجربہ پر مبنی ہے اس لئے نغمون کی تنظیم مثالون کے ذریعہ سے کرنی چاہئے اور ان کے باہم مقابلہ کرنے سے جو نتائج پیدا ہون انہین پر کلیات قائم کرنا چاہیئے۔

نظریہ موسیقی سے زیادہ کوئی چیز دنیا مین مبہم اور غیر واضح نہین بیشک اس مین اصول ہین اور ایسے اصول جو ریاضیات کی رو سے معین کئے گئے ہین۔ مگر ان کو موسیقی نہین کہتے۔ موسیقی نام ہے ان کیفیات کا جو ان اصول سے بہ طور نتائج رونما ہوتے ہین بالکل اُسی طرح جس طرح رنگ اور خاکہ وغیرہ مصوری نہین بلکہ سامانِ مصوری ہین۔ موسیقی کی روح روانی الہام ہے جو ہمکو تجزیہ و تحلیل کی اجازت نہین دیتا اور موسیقی کی حقیقی تنقید ایک اختیاری علم (Experimental Science) ہے۔"

مجنون گورکھپوری

افکار جناب مجنون گورکھپوری

عشق کی گیتی مین حسن کے اعجاز سے　　کیا کہا ہان پھر ذرا کہنا اُسی انداز سے　|　عندلیبون کی فغان مین نالۂ مہجور مین　　آپکو پہچانتا ہون آپ کی آواز سے

آشنا نا آشنا سے محترز دمساز سے　　الغرض دل کی عجب لغتا وتھی آغاز سے　|　نغمہ سنجیہائے فطرت دل کی سہم دھڑکنین　　پھوٹ نکلی ہین صدائین سینہ کے راز سے

خاک مین بھی احتساب حشر سے فرصت نہین　|　ہجر کی روداد پھر دلہر رہے آغاز سے

غزل از جناب فرخ بنارسی

ترا وصال جو ہوتا تو مین کہان ہوتا　　یہ قطرہ بحر سے ملتا تو بے نشان ہوتا　|　جنونِ عشق اُٹھاتا جو پردۂ وحشت　　ہر ایک خار مین رنگ بوستان ہوتا

امل مین وحشتِ دل کا گر امتحان ہوتا　　تو پھر زمین نظر آتی نہ آسمان ہوتا　|　ترے حجاب نے رسوا تجھے کیا ورنہ　　نہ کوئی راز ہی ہوتا نہ رازدان ہوتا

کبھی نہ شکوۂ بیداد آسمان ہوتا　　جو امتحان کے طریقے سے امتحان ہوتا　|　جو پائمال محبت کی راہ مین ہوتے　　ہماری خاک کا ہر ذرہ آسمان ہوتا

مین ضبط عشق بھی کرتا تو رائیگان ہوتا　　کہ آنسوؤن سے مرا راز دل عیان ہوتا　|　نگاہِ شوق اگر عبرت آشنا ہوتی　　بہار دیکھ کے اندیشۂ خزان ہوتا

فروغِ حسن ترا مرکزِ نظر بنتا　　ہزار پردے مین بھی تو اگر نہان ہوتا　|　اُسے چھپا کے مین ضبطِ عشق کیا کرتا　　وہ راز جو کہ چھپانے پہ بھی عیان ہوتا

بنانے والے کو جب تھا بگاڑنا منظور　　تو پھر مجھے نہ بناتا تو کیا زیان ہوتا　|　ہجوم شوق سے دل بے نیاز ہے فرخ　　اب اپنا حال بھی ہم سے نہین بیان ہوتا

دریاے نیل

(از لسان الہند جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی)

دریاے نیل کا ساحل پہلے بحر شور سے مملو تھا اور جہان اب بہتا ہے پہلے اسکی جگہ نہ تھی اسکا دھارا دریاے شور مین گرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اسنے اپنے امواج کی قوت اور روانی کی طاقت سے ایک راستہ نکالا لیکن یہ قوت طاقت ایک جانب محدود نہ تھی اسلیئے اسکا مجری بدلتا رہتا تھا موجون کی روانی جس طرف اسکو لیجاتی تھی اُدھر راستہ بن جاتا تھا مشرق مین اسکا مجری جبالِ عرب کی وادی اور مغرب مین جبالِ لوبیا کی وادی تھی۔ دریاے نیل کا طول جبلِ مقطم سے جبلِ جنیفہ تک تھا راستہ مین موڑین بہت پڑتی تھین یہی راستہ نیل کو بحرِ احمر سے ایشیا اور افریقہ کے درمیان مین ملاتا تھا۔ جبلِ جنیفہ کے درمیان مین ایک بہت بڑا جزیرہ بھی تھا۔

جبلِ لوبیا سے ۱۳ درجہ کے فاصلہ پر سفید پتھر پائے جاتے ہین جنکا سلسلہ جبلِ ابی قیر کی چوٹی تک چلا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساحلِ نیل پہلے کھاری پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اور اُسوقت مصر کی زمین دلدل کی شکل مین تھی۔ اسکے بعد نیل نے اپنا سالانہ کف اس خلیج مین پھینکنا شروع کیا یہانتک کہ وہ بھر گیا اسکی موجین یورپ کے کنارہ پر گرتی تھین تا اینکہ اس خلیج مین راستہ بنانا شروع کیا اور برابر جاری رہا رفتہ رفتہ ان ریت کے ٹیلون سے ٹکرایا جنکے نشانات بنہا مین ہمیشہ تھے جسقدر کنارے کی مٹی کاٹتا تھا اسکو بہاکر ان ریت کے ٹیلون پر ڈالتا تھا اور وہ مٹی جم جاتی تھی یہ عمل عرصہ تک جاری رہا اور ایک تہ دوسری تہ پر بنتی رہی تا اینکہ ڈیلٹا[1] بن گیا اسی جگہ سے ہیرودت نے کہا ہے کہ یہ ہدیہ دریاے نیل کا ہے اسکے بعد کف دریاے بنہا کی پشت پر جمع ہونا شروع ہوا اور برابر رسوب و تراکم ہوتا تھا یہانتک کہ کوہ ابی قیر کی چوٹی سے ملکر ٹھہر گیا۔

وسط افریقہ سے جو تیز موجین آتی ہین وہ کفِ دریا کو مشرق کی طرف ڈالتی ہین جس سے ایک جھکی ہوئی کمان بنجاتی ہے جو شام مین جبلِ کازیوس تک پہونچتی ہے۔ اور اسی سخت و خوفناک موج کی وجہ سے مصر کی آبادی دریا کی طرف نہین بڑھتی کیونکہ یہ موج بحرِ ابیض مین گرتی ہے اور ساحل کو غیر آباد رکھتی ہے جسطرح اسوقت ہے۔ اسکے بعد یہ جمع شدہ کفِ دریا سوکھنا شروع ہوا اور تھوڑا تھوڑا ابلند ہوا جس سے زمینین پیدا ہو گئین۔

علماے طبقات الارض نے اس ڈیلٹا بننے کی مدت ۷۴ ہزار برس تجویز کی ہے۔ ماسیرو کہتا ہے کہ یہ مبالغہ ہے اسلئے کہ پہلے زمانہ مین کفِ دریا کی چال بہ نسبت اس زمانہ کے تیز تھی۔

اسماے نیل نیل یونانی لفظ ہے اصل مین نیلوس تھا عجب نہین کہ یونانیون نے یہ لفظ حبشین سے لیا ہو یا اُن قبایل سے جو لوبیا یا ایشیاے صغریٰ سے تھے اہلِ مصر مین اسکا نام باعتبار تقدس حعپی ہے اور دائرۂ پرستش سے نکلکر اسکو یومع (دریا) یا اُدُ (بڑی نہر) کہتے ہین اسکے مختلف بہاؤ کی بنا پر باعتبار فصول تقریباً بیس نام ہین۔

نیل کی شاخین اصلی شاخین نیل کی تین ہین:۔ (۱) فرع کانوبی ابی قیر والی شاخ جو مغرب کی طرف بہکر بحرِ ابیض متوسط مین قریب ابی قیر کے گرتی ہے۔ اس قوس کے مغربی انتہا کو

[1] ڈیلٹا Delta جب دریاے سمندر سے ملتا ہے اور اسکی رفتار کم ہوجاتی ہے اور مٹی جوار کے ساتھ بہکر آتی ہے دہانہ پر جم جاتی ہے اور دریا کئی شاخون پر منقسم ہو جاتا ہے اس نئی خلقت نما زمین کو ڈیلٹا کہتے ہین۔

ہوجاتا ہے سرخی بڑھ جاتی ہے اسوقت بھی اسکا صاف کرنا ضروری ہر یہ دریا اسوقت اپنا کف خشک زمین پر ڈالتا ہے جسکی وجہ سے وہ زمینین شاداب ہوجاتی ہین اور انکے فوائد زیادہ ہوتے ہین اسکے بعد تھوڑا تھوڑا کم ہوتا ہے اور زمینون کو سندس کے خلعت پہنا دیتا ہے۔

سبب زیادتِ آب

اسکی اصل مد کا رُک جانا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ پانی قبل اسکے کہ بحر ابیض مین پہونچے نہر کنارا مین خشک ہوجاتا ہے اور بارش کا پانی نیل ازرق تک نہین پہونچتا البتہ دو جگہ سے اسکو مدد ملتی ہے۔ ایک بلاد حبش سے برف گھل گھل کر آتی ہے۔ دوسرے نہر ابیض اور انھین دو کمزور مددون کی وجہ سے زیادتی شروع ہوتی ہے اور اسی بنا پر نیل کی وجہ سے مصر مین تین حالتین ہوتی ہین۔ اول فیضان کا زمانہ (چڑھنے کا) اس زمانہ مین شہرہاے مصر بمنزلۂ جزیرہ کے ہوتے ہین اور زمین مانند نہرون کے لیکن یہ حالت جلد جاتی رہیگی کیونکہ نئی نہرین سیرابی زمین کے لیئے نکل رہی ہین۔

دوسرے انحسار (رکنا) کا زمانہ اس زمانہ مین شہر مصر ایک سرسبز باغ کی طرح ہوتا ہے جسکی زمین شاداب کھیت اور درخت پھل دار ہوتے ہین۔ سوم زمانۂ تحریق۔ اس زمانہ مین مصر کی زمین خشک اور غبار آلود ہوجاتی ہے اور آثار قحط پیدا ہوجاتے ہین۔

قیاس النیل

مصر والے نیل کی زیادتی کا اندازہ ہاتھون سے کرتے تھے جب پانی ۱۴ ہاتھ بڑھ جاتا تھا کہ ۴۵ سنٹیمیٹر ہوتے ہین اسوقت وہ اتنی زیادتی کو مبارک سمجھتے تھے اور جب ۱۳ ہاتھ یا (۵) سے زیادہ بڑھ جاتا تھا تو وہ علامت مصیبت کبریٰ کی ہوتی تھی۔

چونکہ دریاے نیل (اہل مصر) کی سرزمینون کو سرسبز وشاداب کرتا ہے نباتات کا ذخیرہ بہم پہونچاتا ہے اور مختلف اقسام کے طیور اور مچھلیان اور دیگر حیوانات پیدا کرتا ہے۔ لہذا اسکو منجملہ اپنے معبودون کے ایک معبود قرار دیتے ہین اور اسکی صورت ایک آدمی کی سی بتاتے ہین جسکی خلقت درست قوی ہیکل اور تنومند ہے امیرون کی ہیئت مین ہے اور جسکا نسب بہت درست ہر اسکا سینہ مین (چربیلا) وسیع پستان لٹکتے ہوئے ہین کمر پتلی ہے رانون پر کپڑے رہی ہے جس سے اسکا بڑا پیٹ ملا ہوا ہے۔ پیرون مین جوتے ہین سر پر ایک مضبوط ٹوپی جسپر دریائی پھولون کا تاج ہے بعض اوقات ایسی صورت بتاتے ہین کہ پانی اسکے پستان سے بہتا ہوتا ہے اور وہ قربانی کے لیئے پیالے مین کوئی چیز لیئے ہوئے یا ایک دسترخوان اُٹھاسے ہر جسپر طرح طرح کی قربانیان ہین۔

یہان پر اسکی صورت کا ایک نقشہ بھی دکھایا گیا ہے ایسے نقشون کا نام حِیپی رکھا گیا ہے اسکی کیفیت یہ ہے۔

ابی الارباب (رب الغذا) ذات پروردگار خوراک مخرج الماکولات بخصبہ اپنی فراخی سے کھانے کی چیزین نکالنے والا مالی القطرین بمحصولاتہ قطرین ارض کو اپنے محاصل سے بھرتا ہے مانح الحیاۃ زندگی دینے والا مزیل المجاعۃ قحط سالی کو دور کرنے والا مقعم الاشوان اشوان کا بھرنے والا۔

کبھی اسکی شکل دو آدمیون کی بتاتے ہین ایک سرخ رنگ کا ہے ایک نیلے رنگ کا پہلے کے سر پر تاقہ کا لوطس (نباتِ دریائی) ہر یہ اشارہ اس طرف ہر کہ رئیس بحری ہے یہ دونون صورتین بھی حِیپی کہلاتی ہین اور انھین سے ہر ایک کی ایک زوجہ ہے پہلے کا نام مرایت قمایت ہر دوسرے کا نام مرایت محبت ہے یہ دونون اکثر کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہین دونون کے ہاتھ بلند ہین گویا پانی مانگتی ہین۔

معابد نیل

ہر شاخِ نیل مین ایک پرستش گاہ ہے اور انمین سنا

رہتے ہین اسکے لیے مخصوص زمین ہے جسکی آمدنی وقف ونذر وغیرہ ڈوبے ہوؤن کے دفن کے لئے مخصوص ہے انسان ہو یا حیوان اور یہی وجہ ہے کہ ہیرودت نے اہل مصر سے سُنا کہ ہمارا معبود نیل خصوصیت رکھتا ہے غرقی سے اور ہم لوگ اسکے تابع ہین انسان وحیوان کی میتون کا دفن کرنا اور انکے اجسام کا چھپانا اسکا فریضہ ہے۔

شہرہاے نیل

نیل کے بہت سے شہر ہین اور بعید نہین کہ یہ سب اسکے لیئے وقف ہون بعض کے نام یہ ہین۔ حسات چیپی۔ قوبیت چیپی نبلوبولیس

چونکہ اہل مصر کا خیال یہ تھا کہ دنیا کی آخری حد شلال ہے اس وجہ سے انکے دل مین یہ امر راسخ ہوگیا کہ نیل جزیرہ بیعہ کی غار مین ایک تابوت چھپا رہتا ہے جسکا نام بجست ہے وہین سے بڑھنا شروع ہوتا ہے جبکہ مقدس نیل آسمانی سے اسمین قطرہ گرتا ہے۔ اہل مصر کا یہی خیال تھا کہ وہان دو گڑھے ہین بہت عمیق کھلے ہوئے جنکو ناراتی کہتے ہین نیچے کے حصہ مین حجر جرانیت ہے جسکا نام موینتی ہے۔ بیلاق مین ایک اور شکل دکھائی دیتی ہے ایک پتھر دوسرے پر رکھا ہے جسپر داہنی جانب عقاب ہے۔ نیچے ایک گول پتھر ہے جسمین انکا معبود چھپا بیٹھا ہے دونون ہاتھون مین برتن ہین جنسے پانی بہتا ہے اور ایک اژدہا اسکو گھیرے ہوئے ہے جسکے سر اور دُم کے درمیان تھوڑی سی جگہ ہے جہان سے پانی بہکر زمانہ مخصوص مین بڑھتا ہے وہ مصر مین عمدہ عمدہ غذائین مہیا کرتا ہے جسے لوگ کھاتے ہین۔

عید النیل

جب انقلاب صیفی ہوتا ہے اور دریا کی گرمی اسوان کے جبل تک آتا ہے تو پادری یا پادشاہ یا بادشاہ کا بیٹا آتا ہے بیل یا بط کی قربانی کرتا ہے اسکے بعد دریا مین ایک کاغذ ڈالتا ہے جو دریا کی گھانس سے مختوم ہوتا ہے جسمین ترک حریت کی قسم دی جاتی ہے تاکہ مصر مین اسکی زیادتی حد اعتدال سے نہ بڑھے جب بادشاہ قربانی کرتا ہے تو سب حالات پتھر پر کندہ کئے جاتے ہین اور اس عید کا وہ بیحد خیال رکھتے ہین خواہ بادشاہ شریک ہو یا نہ ہو اور روایات قدیمہ کے متبع ہین کیونکہ سال کی نیکی بدی ماہ مہرجان پر موقوف ہے اگر اس معاملہ مین کمی یا سستی کیجائے تو دریاے نیل بھی اپنی نیکیون کو چھوڑ دیگا اور زمین وغیرہ کو ڈبو دیگا اس موسم مین کاشتکار اپنا اپنا توشہ لیکر آتے ہین اور چند روز متواتر یہان رہتے ہین اور اسقدر شراب پیتے ہین کہ بیہوش ہو جاتے ہین رفتہ رفتہ بڑی عید کا دن آتا ہے اور پادری محراب سے گاتے بجاتے نکلتے ہین انکے ساتھ ایک تصویر ہوتی ہے اسکو دریا کے کنارے لیجاتے ہین اور کہتے ہین :-

السلام علیك ایها النیل یا من	اے نیل تجھ پر سلام ہو تو زمین پر مصر کے
ظهرت علی هذه الارض واتیت	زندہ کرنیکے لیئے آیا ہے تو وہ ہے جسکا
لاحیاء مصر انت الذی تختفی	آنا تاریکیون مین مخفی ہے آنیکے دن تک
مجیئك فی نغیا هب الی یوم التنزیل	تو وہ دریا ہے (پانی کا فیضان) ان باغون
بفیض تلك انت البحر المفیض (بمیاهه)	پر ہوتا ہے جسکو آفتاب نے پیدا کیا ہے
علی البساتین التی اوجدتها الشمس	ہمارے لئے تاکہ مشرق کے رہنے والے
لنا لتحی جمیع ما یکون فی شرق انت	زندہ رہین تو وہ ہے جو صحرا کو سیراب
الذی تمنع عن ذی الصحرا حین	ہونے سے منع کرتا ہے آسمان کے پانی
نزولك من میاه السماء المقدس	سے (اپنے پانی سے سیراب کرتا ہے) مقدس
(یبست) ای الارض نتولع یا مجاد	یعنی زمین حرص کرتی ہے عیش جدید کی
العیش المقدس (نبوا) صاحب	اور مقدس تیرا صاحب الحوب پیش کرتا
الحوب یقدم قرابینه والمقدس	ہے اپنی قربانیان اور مقدس نساج حالات
قام لیصلح احوال العالم انت صلك	عالم کو درست کرتا ہے۔ تو ہی مالک ہے
الاسماك حتی تجاوزت الشلال	مچھلیون کا جب تو شلال سے گزرتا ہے
لم یجد الطیر ینزل فی حقول انت	تو جانور کھیتون مین کھانے کے لیئے

صانع القمح وموجد الشعیر و
مطیل اجل العابد ان تعطلت
اصابعه او اعتراك کسادا
اصبحت الالوف من الناس فی
فاقة وان نقصت وقت نزولك
من السما اقنت المعبودات
والخلق وتکدرت الحیوانات
وصارت الارض کبارا وصغارا
فی عذاب واذا کانت الحال
علی عکس ذلك واستجیب
دعاء الناس حین تفیض وتکون
لهم خدم عند زیادته ای
نیل امبارکا عند ارتفاعه حینئذ
تصبح الارض ابتهاجا وینشرح
کل ذی بطن ویهتز کل ظهر من
الضحك وتمضغ کل سنة یا جالب
الارزاق ومکثر الماکولات موجدا
احسن الاشیاء انت صاحب الجرائم
انت اللطیف بمجیئك حیث
تکون خلیلا لهم نعم انت
الذی توجد علفا للحیوانات
وتعطی کل ما لزم لقرابین المعبودات
فالبخور الناتج عمله هو الاجود انت
الذی یهتم بالقطرین فیمتلی
المخازن وتزداد خیرات الفقراء

نہین آتے تو گیہون اور جو کا بنانے والا
اور عابد کی عمر دراز کرنے والا ہے۔ اگر
تیری انگلیان بیکار ہو جائین (کام نکرین)
یا تجھکو کساد بازاری لاحق ہو تو ہزارہا
آدمی کو فاقہ ہو جائے اور اگر تجھکو آسمان
سے آنے مین دیر ہو تو مخلوقات فنا
ہو جائے اور حیوانات مین خرابی پیدا ہو
اور زمین کے چھوٹے بڑے سب مصیبت زدہ
ہو جائین اور اگر برعکس اسکے حال ہوگا
اور لوگون کی دعائین قبول ہونگی تیرے
فیضان کے متعلق تو ہنگام زیادتی تو
خدام (دریائے مبارک اپنی زیادتی مین)
ہوگا زمین خوشی سے جھنجھنیگی اور ہر ذی بطن
(غذا کا محتاج) مسرور ہوگا اور ہر پشت والا
ہنسی سے متحرک ہوگا (خوشی مین جھومیگا)
اور ہر دانت مو الاچبا یگا۔ اے لانے والے
روزی کے زیادہ کرنے والے ماکولات کے
اور اچھی چیزون کے ایجاد کرنے والے
تو صاحب جرائم ہے تو مہربانی کرتا ہے
اپنے خیر مقدم سے اس حیثیت سے کہ تو
انکا دوست ہوتا ہے۔ ہان تو وہ ہے جو
جانورون کا چارہ پیدا کرتا اور جو چیزین
معبودات کی قربانی کے لیے لازم ہین۔ تو وہ
ہے کہ دونون قطرون کا اہتمام کرتا ہے
فقیرون کے لیے خیرات زیادہ کرتا ہی خزانون

انت الذی تستجیب دعاءهم عند
تقدیم النذور فلا ینقصهم
شیء وان تشبیل السقف وهو
منتهی قصده فلا یصنعون للنیل
احجارا ولا تماثیل تبام مزدوج
ولا یشاهد ولا یدفع له جزیه
ولا یوتی الیه بقربان ولا یوثر فیه
کلام السحر الخفی ولا یعرف له مکان
ولا یهتدی الی مقره بسر الطلاسم
السحریة لا بیت رحیبا یکفیك
لا احد یطلع علی ضمیرك الا ان
ذراری اولادك تنشرح منك
لانك تحکم کملك وامره نافذة
علی جمیع اهل الارض یتجلی فی مشهد
من مکان الجنوب وسکان الشمال
وهو الذی یشفق ضعفه دموع
الاعین ویفیض باحساناته و
اینما وجدت حلت الافراح
وانشرحت الصدور واخذا
لتمساح سك بن بنت بشر سرورا
لان طائفة المعبودات المصاحبة
لا اعدت کل شیء واخذ الفیضان
یروی الحقول ویجعل جمیع البلاد
فی نیامه وکل یروی من عمل الآخر
بدون نزاع فاذا دخلت کنت

کو بھر دیتا ہے۔ تو ہی وہ ہے جو انکی دعا کو
قبول کرتا ہے نذر پیش کرتے وقت پس
کوئی چیز کم نہین ہوتی اور انتہا کا قصد
اسکا کشتیون کا مضبوط کرتا ہے نیل
کے لیے قیمتی پتھر نہین بناتے نہ تاج صحیح
کی صورت نہ اسکو جزیہ دیتے ہین اور نہ
کوئی قربانی لاتے ہین سحر اور جادو بھی
اثر نہین کرتا نہ اسکا مکان معلوم ہے
اور نہ اسکے مقام تک طلسم کے ذریعہ پہونچ سکتے
ہین کوئی ایسا وسیع گھر نہین جو تیرے
واسطے کفایت کر سکے اور نہ کوئی تیرے
دل کا حال جانتا ہے ہان تیری اولاد کی
ذریت تجھسے خوش ہوتی ہے۔ کیونکہ
تیرے احکام اس بادشاہ کے ایسے
ہوتے ہین جسکا حکم تمام روے زمین پر نافذ
ہو جلوہ نما ہوتا ہے جنوب وشمال کے
رہنے والون کے لیے اور جہان کہین تو جاتا
ہے مسرتین نازل ہوتی ہین اور سینے
کشادہ ہو جاتے ہین گھڑیال فرط خوشی
مین اچھلتا ہے کیونکہ اک گروہ معبودات
جو تیرے ساتھ ہوا اس نے ہر شے مہیا
کی ہے اور تیرے فیض سے زراعت
سیراب ہوتی ہے اور ایک کی وجہ سے
دوسرا سیراب ہوتا ہے بغیر کسی فساد
کے جب تو داخل ہوتا ہے تو راگ تجھکو

محاطاً بالاغانی واذا خرجت
صاحبك التهليل واذا رقصوا
فرحا يوم ظهورك من غياهب
مكونك فما ذلك الا لكون عجزك
اضمحلال لهم وفساد وحتى تضرعوا
اليك ليأتوا الماء السنوى
شوهد اهالى مصر الوسطى
واهالى الوجه البحرى مصطفه
بعضها بجانب بعض وشوهد
كل امرئ حاملا لعدد صنعته
ولا ينزوى احد وراء حارة
ولا يلبس احد ملابس الاعياد
ولا يتحلى بحلى ولا دنحوت معبود
الثروة ولا على طائفة المعبودات
التسع لكونها تلبث فى الظلمة
لكن متى منحت الزيادة تعطر كل
انسان انت مبنت الارزاق
الحقيقة التى هى رغبة الناس
هذا هو كلام الالتماس الذى
يجعلك مجيبا لدعائهم واذ
تكرمت بلج المحيط السماوى على
الانسانية فدم (ريترى) معبود
الجب عندئذ قربانة وتحلت
لك كل معبودات قاطبة لهم
تنزل الطيور فوق الجبال ومتى

گھیرے ہوتے ہین اور (تجھکو حلقہ مین
لیکر گاتے ہین) جب تو نکلتا ہے تو
تہلیل تیرے ساتھ ہوتی ہے تیرے
ظہور کے دن لوگ خوشی مین رقص کرتے
ہین تیرے عجز سے (نہ بڑھنے) انہین ضمحلال
وفساد طاری ہوتا ہے اور جبتک تجھے
سالانہ پانی کے لئے عاجزی کرتے ہین
تو مصر وسطی اور سواحل بحر کے لوگ
صف در صف دکھائی دیتے ہین بعض
پہلو مین بعض کے ہر ایک اپنے صفت
کی مقدار کو اُٹھائے ہوئے (اپنے ساتھ لئے
ہوئے) نہین چھپا اور نہ ملبوس عید پہنتا
ہے اور نہ زیور سے آراستہ ہوتا ہے۔
نحوت معبود ثروۃ کے اور نہ معبودات
تسع کے کیونکہ انکا قیام تاریکی مین ہوتا
ہے لیکن جب تو بڑھتا ہے تو ہر شخص عطر
لگاتا ہے اور مسرور ہوتا ہے۔ تو اُگاتا ہے
ان ارزاق کو جنکی طرف لوگون کی رغبت
ہوتی ہے۔ یہ التماس جو سبب ہوتا ہے
انکی دعا کے قبول ہونے کا جب تو آسمانی
دریا کی موجون سے کرم کرتا ہے انسانون
پر تو معبود الجب اور جمیع معبودات
اسوقت قربانی پیش کرتے ہین اور پرند
پہاڑون سے نہین اُترتے جب تیرے ہاتھ
کسی چیز کو خمیر کرتے ہین تو وہ سونا ہو جاتا ہے

عجنت يداك شيئا صار ذهبا
او طوبة صارت فضة فلا يؤكل
اللازورد ولكن القمح افضل من
الاحجار الكريمة لقد شرعوا
فى الاغانى على العود واخذوا
يرتلون لك بتصفيق مستمر بنسبح
من احلك ذرارى اولادك
وليكثروا من احلالك تراتيل المدح
كيف لا والنيل هو معبود الثروة
الذى يحسن الارض ويكثر لسفن
فى عيون الناس وهو الذى
يحيى النساء الحبالى ويحب كثرة
الحيوانات ولما ارتفعت فى مدينة
الامير شيع الغنى وعفى الصغير
اللوطس وثار كل شئ ثابتا وجيدا
للغاية ووجدت جميع الحشائش
لاولادك فلو اغمضت عن
عطاء الغذاء لذالت السعادة
من المساكن ووقعت الارض فى ضعف شديد

یا کسی اینٹ کو چھو جائے تو چاندی ہو جاتی ہے
لاجورد کھایا نہین جاتا اسلئے گیہون قیمتی
پتھرون سے عمدہ ہے عود د باجا پر انھون
نے گانا شروع کیا اور پڑھنے لگے اور
تالیان برابر بجاتے تھے تاکہ تیری وجہ سے
تیری اولاد کی ذریت خوش ہو اور تیری
وجہ سے وہ زیادہ تعریف کرین اور ایسا
کیون نہ ہو اسواسطے کہ دریائے نیل تونگری
کا معبود ہے جو زمین کے ساتھ نیکی کرتا ہے
اور حاملہ عورتون کو زندہ کرتا ہے حیوانات
کی زیادتی کو دوست رکھتا ہے اور جبکہ تو
بلند ہوتا ہے امیر کے شہر مین تو تونگری
ہمراہ کرتا ہے اور چھوٹے نوطس (گھانس)
مٹ جاتی ہے اور ہر شے ثابت ہوتی ہے
اور انتہا درجہ کی اچھی ہوتی ہے اور کل
حشائش (گھاس وغیرہ) تیری اولاد کے
لئے موجود ہوتی ہے اگر تو غذا دینے سے
منہ پھیرے تو نیکی مساکن کی جاتی رہیگی
اور زمین مین شدید ضعف ہو جائیگا۔

دریائے نیل کی بزرگی محض اسوجہ سے نہین ہے کہ وہ مصر کی
زمین پیدا کرتا ہے بلکہ اسوجہ سے ہر کہ نیل ہی کی وجہ سے اسکی صورت پوری
ہوتی ہے اور اسکی بہجت کامل ہوتی ہے کیونکہ وہ قسم قسم کے درخت اور خوبصورت
پھول وغیرہ پیدا کرتا ہے ہان وادی نیل جسکو ہر سال پانی ڈھانپ لیتا ہے
اسمین زیادہ امید درخت اور گھانس اُگنے کی نہین۔

نباتات مائیہ نیل

ہیرودوت نے کہا ہے کہ مصر کے تالابون اور جھرون

وغیرہ ہین جو بڑھنے کے وقت پانی سے بھر جاتے ہین دو قسم کے نباتات پائے
جاتے ہین جو یورپ مین مشہور ہین کیونکہ مصر کی تاریخ قدیم مین انکی اہمیت
ہے - بلاد کی دیانت اور دینی اور قومی آداب مین برتے - لوطس - یہ دریا
کنارہ دریا یا ٹھہرے ہوئے پانی مین یا آہستہ بہنے والے پانی مین اگتی ہے
اور دریاے سمت کی شناخت ہے اسکو سال بھر بعد توڑتے ہین پتھریلی
زمین سے اکھاڑنے کے بعد اسکی پھننگی کاٹ کر ڈالدیتے ہین اور اسکے
تنہ کو بقدر ایک ہاتھ کے باقی رکھتے ہین اور اسکو کھاتے ہین اور بیچتے
ہین لیکن امرا اسکو تنور مین بھونکر کھاتے ہین - اور خوش ذائقہ عمدہ
روٹی پکاتے ہین اور یہ انکو بہت مرغوب ہے اور اسی وجہ سے بادشاہون
کے دستر خوان پر اسکا ہونا رسوم تھا - لوطس - یہ اشارہ ہے مصر اسفلی کا
اسکی تین قسمین ہین ابیض تسنین - خنزیری - ارزق تسنین اعرابی
اور اسکا پھل خشخاش کی طرح کا ہوتا ہے اور اسکے فصوص[1] مین چینا کے
ایسے دانے ہوتے ہین - تیسری قسم نیلوفر وردی ہے - ہیرودت نے اسکی
بہت تعریف کی ہے - اسنے کہا ہے کہ اسکے ایک تنہ سے پھل نکلتا ہے اور
یہ تنہ پھول والا تنہ نہین ہوتا بلکہ جڑ سے نکلتا ہے اور اسکا پھل شہد کی
مکھی کے قرص (مالکھی چھتہ) کا ایسا ہوتا ہے یا پیالہ کا ایسا اور اوپر کے
حصہ مین ۲۰ یا ۳۰ خول ہوتے ہین ہر ایک مین ایک پھل ہوتا ہے مصری
اسکو یا قلی قبطی کہتے ہین -

حیوانات نیل

حیوانات مختلف قسم کے ہین - بڑے سینگ والے
بیلون کے جو مشابہ ہین دقلہ شہر کے بیلون سے
بھیڑیان - بکریان معمولی کتے - ثعلبی کتے دو سرخ بھورے رنگ کے،
مسحوب الانف المدید ب الاذن الکثیف الذلیل - سلوقی کتے جنکے
کان لمبے ہوتے ہین اور چوڑائی مین کم قلطی کتے مستضبع کتے جمین جو
افریقیہ مین خوبصورت ہوتا ہے اور آب و ہوا کی عمدگی سے اسکے رنگ و پٹھے

[1] یہان مراد پھول کے اندر کی دال ہے جسمین زیرہ بھرا ہوا ہوتا ہے -

مضبوط ہوتے ہین - ارنب جسکے کان بڑے ہوتے ہین
نمس دعل دشتی مرغ (بارہ سنگھا ہرن) اور اسکی ایک
قسم کو پالتے ہین - حیوانات کاسرہ (درندہ) قط بری (بلی بھیڑیا) لومڑی
کتا - شغلہ فیلس - چیتا سیاہ چیتی داران جانورون کے شکار ہین - بہت
اہتمام کیا جاتا ہے اور جنگلون مین شکار کرتے ہین - اونٹ گھوڑے
باہر سے آئے ہین -

وہ جانور جو خشکی اور تری دونون مین رہتے ہین

تمساح گھڑیال - بن بیو - یہ دونون جانور رود نیل
کے کنارے رہتے ہین اور انسانون حیوانون دونون کو اذیت دیتے ہین -
سلاطین سابق کے زمانہ مین بن بیو بہت تھے لیکن شکار
وغیرہ سے کم ہوتے گئے - تا اینکہ دریائی جانب پتھریلی زمین مین چھپ گئے
وہان حضرت مسیح کے بعد قرن سیزدہم کے نصف تک بعض موجود تھے -
بعض اہل مصر تمساح (گھڑیال) کی عبادت کرتے تھے اور
انکی حفاظت کرتے تھے - اور بعضے انکا شکار کرتے تھے اور ہلاک کرتے تھے
مع ذالک وہ تھوڑے زمانہ قبل تک دریائے نیل مین موجود تھے یہانتک
کہ نپولیون نے ایک چھوٹے جزیرہ مین سامنے قنا کے چودہ گھڑیال دیکھے
لیکن آجتک نیل اسفل سے اسوان تک گھڑیال کا پتہ نہین آتشی سلاح
کے شکار سے اور دخانی جہازون کی حرکت سے معدوم ہوگئے -
طیور بہت تھے - عقاب - لحدہ - ماشق - صقر - نسر -
قاق - عقعق - کبوتر - سمام - حجل - عصفور - حارس ابیض اسود - بط -
وغیرہ یہ سب جھاڑون مین رہتے تھے اور انکے اقسام سے جزائر بھرے
پڑے تھے - اور بط قدیم زمانہ سے مانوس ہوگئے ہین اور خلفائے مصر
ملک منیا کے زمانہ تک مرغ کے عوض پالتے تھے - کیونکہ مرغ اس زمانہ
مین کمیاب تھے - رود نیل کی شاخون مین بہت سے قسم کی مچھلیان تھین
جسمین بہت سی کھانے مین عمدہ اور لذیذ ہوتی تھین جیسے سمک سلطان

ابراہیم جسکی غذا الوطس تھی اور لطما شہر طلینیز مین پائی جاتی تھی) ب- لوماى- شلیه- عبیدی- ذی انعم المحدود- رعاذ- سلحفاۃ کبیرہ (کچھوا) جو نیل مین رہتا ہے- ظاہر یہ ہوتا ہے کہ قہا فد (قسمے از ماہی) سنین قدیم زمانہ سے موجود ہے اور وہ ایک مستطیل مچھلی ہے جو اپنے تئین پھلاتی ہے اور جب بہت پھول جاتی ہے تو پانی کے اوپر تیرتی ہے اور پشت کے بہل پلٹ جاتی ہے- اس کے کانٹے ساہی کے ایسے ہوتے ہین- جب نیل کا پانی کم ہوتا ہے تو اسکو زمین پر چھوڑ دیتے ہین- اسوقت یا تو اسکو جانور کھا جاتے ہین یا انسان شکار کرتے ہین یا بچے کھیلتے ہین- اشائیم نیل مین تین طرح کی مچھلیان پائی جاتی ہین- بحری نیلی نیلی مچھلیان بہت سی ملکر بحر ابیض مین تیرتی ہین- بحری کیلی بھی تیرتی ہین اور ملکر بھی ان دونون مچھلیون کی نسل بڑھتی ہے اور بہت ہوتی ہے- اسوجہ سے اسکا شکار ان اشائیم مین آسان ہے- (ماخوذ از المخصصات القدیمہ مطبوعہ مصر) (عزیز)

"مرقع"- مرقومۂ بالا مضمون اپنی نوعیت مین بہت خوب اور دلچسپ ہے- دریائے نیل کے متعلق عجیب عجیب روایتین مشہور ہین جنکو عقائد مین بہت زیادہ دخل ہے اور وہ عقائد اور مذہب کا ایک جزو اعظم ہو گئی ہین- اہل تاریخ و جغرافیہ کو اسوقت تک جو انکشافات ہوئے ہین اگر انکا ذکر بالتفصیل کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے لیکن صرف اُن روایتون کا بیان جنکی بنا اعتقاد پر ہے کیا جائے یا اُنکو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو بھی ایک ضخیم کتاب کے صفحات اسکے لئے درکار ہونگے-

اگست سنہ ۱۹۱۳ء کے رسالہ "دلگداز لکھنؤ" مین "دریائے نیل کا منبع" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا اسمین بھی ایسی ہی روایات کا ذکر تاریخ و حدیث کے ساتھ ساتھ کیا گیا تھا جو نہایت دلچسپ اور پر لطف ہے ہم ناظرین کی مزید دلچسپی کے لئے اُسکو درج ذیل کرتے ہین- اڈیٹر

یعنی وہ مقام جہان سے دریائے نیل نکلا ہے- آج کل جغرافیہ دان اگرچہ نیل کے سرچشمہ تک نہین پہونچ سکے مگر پھر بھی جانتے ہین کہ افریقہ کی اُس مشہور اور سب سے بڑی جھیل سے نکلا ہے جسے موجودہ جغرافیہ دانان انگلستان "وکٹوریہ لیک" (وکٹوریہ جھیل) کہتے ہین- جہان سے ۴ ہزار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد دریائے نیل بہت سے دھارون پر منبٹ کے شمالی سواحل مصر پر بحیرۂ روم مین گرا ہے-

اگلے زمانہ مین دریائے نیل کے منبع اور اصلی سرچشمہ کی اکثر لوگون کو جستجو تھی اور چونکہ اُن دنون ارض حبشہ کے ناپیداکنار دشت مین گھسنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی- اس لئے کسی جغرافیہ نویس کو اس دریا کے اصلی سرچشمہ کا پتہ نہ لگ سکا- بے علمی اور ناواقفیت ہمیشہ طرح طرح کے خیالات پیدا کیا کرتی ہے چنانچہ دریائے نیل کے متعلق بھی بہت سی لایعنی باتین مشہور ہو گئین- اس پر طرہ یہ ہے کہ کہ نہرون اور ندیون سے چونکہ زمین شاداب اور زرخیز ہو جاتی ہے روئیدگی کی برکت سے قسم قسم کے پھول کھلتے، طرح طرح کے پھل لگتے اور دنیا مین جنت کی سی نزہت و دلکشی پیدا ہو جاتی ہے- اِس لئے احادیث مین بعض دریاؤن کی نسبت کہدیا گیا کہ وہ جنت سے آئے ہین اور حقیقت مین وہ جنت ہی کی سی برکتین ہین- مگر نیل کے اصلی مرکز کے نہ معلوم ہونے اور اُسکی جنت کی ندی ہونے کے خیالات نے اِس لاعلمی کے پردے مین عجیب کرشمے پیدا کر دیئے-

قرآن مجید اور سچی حدیثون مین بہت کم ایسے واقعات ہین جو عقل سے باہر اور بے سر و پا ہون- مگر جب مسلمانون مین احادیث کے سننے اور دینی روایات کی جستجو کا شوق پیدا ہوا تو بہت سے راویون نے اُن واعظون کی طرح جو عجیب و غریب کرشمے سنا سنا کے سامعین کو متحیر و محظوظ کیا کرتے ہین- ایسی روایتین تصنیف کرنا یا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے نکالنا شروع کر دین جو سامعین کی سمجھ سے بالا ہون اور اُن پر معجزات اور خوارق عادت کا اثر ڈالین-

---

تصنیف کی بھی زیادہ ضرورت نہ تھی اس لیے کہ یہود مین توراۃ کے علاوہ ایسی بے سروپا روایات کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ موجود تھا، اور چونکہ صحابہ مین سے کئی بزرگ یہودی الاصل اور روایاتِ یہود سے واقف تھے اِس لیے اُنہین کے زمانہ سے یہودی روایات کا بیان کیاجانا شروع ہوگیا" جو "اسرائیلیات" کہلاتی تھین۔ چونکہ یہ عام خیال پیدا ہوگیا تھا کہ قرآن مجید کے مجمل قصص انبیا کی تفصیل توراۃ اور یہود کی دوسری کتابون مین موجود ہے۔ اِس لئے قرآن مجید کی تفسیر و شرح کی حیثیت سے اِس قسم کی روایتین پیش کی جانے لگین اور لوگ اُن کو دلچسپی سے سُننے لگے۔

سچ یہ ہے کہ اس بے احتیاطی کی نقالی نے تفسیر و حدیث کے فنون کو بڑا نقصان پہونچادیا۔ حدیث مین جرح و تعدیل کے قوانین نے اگرچہ بہت کچھ روک تھام کی۔ مگر چونکہ صحابہ ہی کے عہد سے روایات بیہودہ اخذ کرنے کا طریقہ جاری ہوگیا تھا اِس لئے شک نہین کہ صحیح الروایت احادیث مین بھی ایک معتد بہ حصہ اسرائیلیات کا موجود ہے۔ جو اگر اُن ائمۂ دین کی جانب منسوب نہ ہوتا جن سے سُنا گیا ہے تو ہرگز قابل اعتبار نہ ہوتا لیکن اس پر بھی ہمین یقین ہے کہ اصول حدیث کے مطابق اگر پوری طرح تنقید کیجائے تو مہمل و لایعنی اسرائیلیات کا بہت ہی کم حصہ باقی رہ جائیگا۔

اُنہین مزخرف روایات مین سے ایک روایت دریائے نیل کے سرچشمے اور اصلی منبع کی تحقیق مین ہے جو اصول روایت سے چاہیے جس قدر ساقط الاعتبار ہے مگر گزشتہ بارہ صدیون مین اکثر علما اور ائمۂ دین کے نزدیک مسلمانون کا جزو دین بنی رہی ہے۔ یہ ہم مانتے ہین کہ محققین نے ایسی مزخرف روایت کو کبھی نہین مانا لیکن اس سے انکار نہین کیاجاسکتا کہ غلبہ اسکے ماننے والون ہی کو حاصل رہا۔

ابو صالح عبداللہ بن صالح بن محمد کاتب لیث بن سعد کہتے ہین کہ مجھے روایت پہونچی ہے کہ عیص بن اسحق، بن ابراہیم کی نسل مین سے ایک شخص تھا جو حائد کے نام سے مشہور تھا اور ابو شالوم بن عیص بن اسحق کا بیٹا تھا کسی بادشاہ کے خوف سے وہ اپنے وطن سے بھاگ کے ارض مصر مین پہونچا اور سالہاسال وہان مقیم رہا۔ یہان دریائے نیل کی عجیب عجیب باتین دیکھ کے اُس نے قسم کھائی اور عہد کرلیا کہ نیل کے سرچشمے کا پتہ لگانے کے لئے جہان تک زمین ملیگی مین اُسکے کنارے کنارے چلاجاؤنگا، چاہے اس کوشش مین مر ہی کیون نہ جاؤن۔ اپنے اس عہد کے مطابق وہ نیل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ بعض کہتے ہین تیس سال تک اور بعض کہتے ہین کہ پندرہ سال تک برابر چلا گیا۔ یہان تک کہ بحر اخضر (دریائے سبز) کے کنارے پہونچا اور کیا دیکھتا ہے کہ دریائے نیل اُس سمندر کے پانی کو کاٹ کے برابر بہتا چلا آتا ہے۔ اب وہ اس سمندر پر چلا۔ وہان کیا دیکھتا ہے کہ سیب کے ایک درخت کے سائے مین ایک شخص کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے (شاید اِس سمندر مین کوئی جزیرہ ہوگا) اُس شخص نے ایک اجنبی کو دیکھ کے سلام کیا اور پوچھا "آپ کون ہین"؟ اُنھون نے کہا "مین حائد بن ابی شالوم بن عیص بن اسحق بن ابراہیم" اور آپ فرمائیے کہ آپ کون ہین۔ اُسنے کہا "مین عمران بن عیص بن اسحق (تمہارا چچا) ہون۔ مگر یہ بتاؤ کہ تمہارا یہان آنا کیونکر اور کس لیے ہوا؟ کہا مین تو دریائے نیل کا سرا ڈھونڈھنے کو آیا ہون مگر تمہارا آنا کیونکر ہوا؟" جواب دیا کہ "جس لیے تم آئے ہو اسی لیے مین بھی آیا ہون۔ مگر جب یہان پہونچا تو خداوند جل و علا نے وحی بھیجی کہ جب تک مین حکم نہ دون یہین ٹھہرے رہو۔ اب حائد نے کہا "اچھا آپ کو نیل کے جو کچھ حالات معلوم ہوے ہون مجھے سنائیے۔ اور بھلا کتابون مین آپ نے کہین دیکھا ہے کہ نسل آدم مین سے کوئی شخص دریائے نیل کے سرچشمے تک پہونچ سکیگا یا نہین؟ عمران نے کہا "ہان۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عیص بن اسحق کی نسل کا ایک

شخص پہونچ سکیگا - اور سوائے حائد میرے خیال میں وہ تمہارے سوا
کوئی دوسرا نہیں ہے " یہ سُن کے حائد نے خوش ہوکے کہا
" ایسا ہے تو پھر مجھے وہاں کا راستہ بتایئے " عمران بولا بتادونگا -
مگر پہلے تمہیں مجھ سے ایک شرط کرنا ہوگی - حائد نے کہا "کہئے جو شرط ہو
فرمایئے " کہا " جب تم دریائے نیل کے منبع اور سرچشمے کو دیکھ کے
واپس آؤ تو اگر میں زندہ ملوں تو اُس وقت تک میرے ہی پاس ٹھہر
رہو - جب تک کہ حضرت باری تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعے سے کوئی حکم
دے یا مجھے اپنے پاس بُلا لے - آخر الذکر صورت میں مجھے دفن کرکے
چلے جانا - اور اگر واپس آکے تم مجھے مردہ پاؤ تو ٹھہرنے کی ضرورت
نہیں - مجھے آغوش لحد کے سپرد کرنا اور اپنی راہ لینا - " حائد نے
کہا اس شرط کو بسر وچشم بجا لاؤنگا " یہ اطمینان بخش جواب سُن کے عمران
نے کہا " تو جس طرح اس سمندر کو طے کرتے ہوئے آئے ہو آگے چلے جاؤ
آگے بڑھ کے تمہیں ایک جانور ملیگا - جسکا پچھلا حصہ تو دکھائی دیتا
ہوگا - مگر اگلا حصہ نہ نظر آئے گا - تم اس سے خوف نہ کھانا بلکہ دیکھتے
ہی اُسکی پیٹھ پر سوار ہوجانا یہ جانور آفتاب سے دشمنی رکھتا ہے - جہاں
آفتاب نے طلوع کیا لپکتا ہے کہ اُسے دوڑ کے نگل جائے - یہاں
تک کہ آفتاب آڑ میں آجاتا ہے اور اُسے ٹھہر جانا پڑتا ہے - پھر جب
آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو پھر سمندر کے اندر گھُستا ہے کہ
دوڑ کے نگل لے - غرض وہ تمہیں سمندر کے اُس پار پہونچا دیگا
تم خشکی پر قدم رکھ کے پھر آگے کی راہ لینا - اب نیل کے کنارے کنارے
کوچ کرکے تم ایک ایسی زمین پر پہونچوگے جو فولاد کی ہوگی - اُسکے پہاڑ جنگل
اور بیابان سب فولاد کے ہونگے - اس سرزمین سے گزر کے تم تانبے کی
سرزمین پر پہونچوگے - جہاں پہاڑ جنگل بیابان سب تانبے کے ہونگے -
اگر اس سرزمین سے بھی گزر گئے تو تم چاندی کی سرزمین پر پہونچوگے
جہاں کے پہاڑ جنگل بیابان سب چاندی کے ہونگے - اس سے تم گزر گئے
تو سونے کی سرزمین میں پہونچوگے - جہاں پہاڑ جنگل بیابان سب
سونے کے ہونگے - بس اسی مقام تک تمہیں نیل کا حال معلوم ہوسکیگا -
آگے نہ بڑھ سکوگے -

عمران کی ان ہدایتوں کو بازو میں باندھ کے حائد روانہ ہوا
اور تمام مراحل طے کرکے سونے کی سرزمین میں پہونچ گیا - وہاں کیا
دیکھتا ہے کہ خالص سونے کی ایک عظیم الشان دیوار ہے اور اُسکے
نیچے ادھر سونے کا ایک برج ہے جس پر طلائی گنبد ہے - اس گنبد کے
چاروں طرف سونے کے چار دروازے ہیں - دریائے نیل کا پانی
اُس دیوار کے اوپر سے زور و شور کے ساتھ گرکے اس برج میں چلا
آتا ہے - پھر اُس برج کے چاروں دروازوں سے اُس کے چار دھارے
گرتے ہیں - اُن میں سے تین تو زمین کے اندر غائب ہوجاتے ہیں
اور ایک اوپر بہتا ہوا آگے بڑھتا ہے جو کہ دریائے نیل ہے - حائد
نے یہاں بیٹھ کے پانی پیا اور ارادہ کیا کہ اُس دیوار پر چڑھ جائے جہاں
سے نیل کا اصلی پانی آتا ہے فوراً ایک فرشتے نے نمودار ہوکے روکا
اور کہا " حائد ! بس آگے بڑھنے کا قصد نہ کرو - دریائے نیل کا جسقدر
علم تمہیں حاصل ہونا تھا ہوچکا - اب اسکے بعد جنت ہے اور دریائے نیل
وہیں سے آرہا ہے - حائد نے کہا " میں جنت کی بھی سیر کرنا
چاہتا ہوں - جواب ملا " یہ زندگی میں غیر ممکن ہے -
اب حائد نے پوچھا " تو یہ چیز جسے میں دیکھ رہا ہوں کیا ہے؟
فرشتے نے کہا " یہ وہ آسمان ہے جسمیں آفتاب اور ماہتاب چکر لگاتے
رہتے ہیں - یہ چکی کے مانند ہے " حائد بولا " میرا جی چاہتا ہے کہ اس
چرخ پر بیٹھ کے ایک چکر میں بھی لگاؤں " اسکے بعد سے علماء
میں اختلاف ہے - بعض کہتے ہیں کہ حائد اس پر چڑھ گیا - اور دُنیا کے
گرد چکر لگایا - اور بعض کہتے ہیں کہ انہیں اسکی نوبت نہیں آئی -
اسکے بعد فرشتے نے کہا " حائد اب تمہیں جنت سے رزق ملیگا

جو تمہاری زندگی کے لئے کافی ہوگا- اور اُسکے سامنے تمہیں دنیا کی کوئی چیز مزہ نہ دے گی - یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ انگور کے تین خوشے اوپر سے اُتر کے حائد کے ہاتھ میں آگئے - یہ تین رنگ کے تھے- ایک زمرد سبز کا معلوم ہوتا تھا- دوسرا یاقوت سرخ کا اور تیسرا سفید موتیوں کا - فرشتے نے دیکھتے ہی کہا "یہ جنت کی تاک کے انگور ہیں - مگر وہاں کے اعلیٰ اور منتخب انگوروں میں سے نہیں ہیں - اب تم واپس جاؤ- اور نیل کا جس قدر حال تمہیں معلوم ہونا تھا معلوم ہو چکا-

حائد نے پوچھا "مجھے یہ تو بتا دو کہ یہ تین دھارے جو زمین میں غائب ہو جاتے ہیں یہ کہاں جاتے ہیں ؟ فرشتہ نے کہا "ان میں سے ایک فرات ہے- دوسرا دجلہ ہے اور تیسرا جیحون ہے -

اب حائد فرشتہ سے رخصت ہو کے واپس چلا - پہلے کی طرح دشمن آفتاب جانور کی مدد سے سمندر کے اس پار آیا اور اُس مقام پر پہونچا جہاں عمران سے ملاقات ہوئی تھی- دیکھا تو اُسی دن اُسکا انتقال ہو گیا تھا حسب وصیت اُسے نہلا دُھلا کے اور کفنا کے دفن کیا- اور تین دن تک اُسکی قبر پر ٹھہرا رہا- چوتھے دن واپسی کا ارادہ کیا تو ناگہاں ایک پیر مرد نمودار ہوا جسکی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا- اُس نے آتے ہی سلام کیا اور کہا "اے حائد- دریائے نیل کے کیا حالات تمکو معلوم ہوئے - اُنھوں نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا جسے سُن کے وہ کہنے لگا، ہاں یہی حالات ہم نے کتابوں میں دیکھے تھے

اسکے بعد اُس پیر مرد نے حائد کو سیب کا ایک درخت دکھایا- جس پر سیب لگے تھے اور کہا "آؤ میرے ساتھ اسکے سیب تم بھی کھاؤ حائد نے کہا میرے پاس جنت کے میوے موجود ہیں- اور مجھے ممانعت ہے کہ اُنکے کھانے کے بعد دنیا کی کوئی غذا نہ کھاؤں"- پیر مرد نے کہا "سچ کہتے ہو- جو کوئی جنت کے میوے کھاتا ہو اُسے اور کوئی چیز نہ کھانی چاہیے- مگر بھلا کبھی تم نے ایسے سیب دنیا میں بھی کھائے تھے ؟ یہ درخت بھی جنت ہی سے آیا ہے- دنیا کا نہیں ہے- خدا نے عمران کے لئے اس درخت کو یہاں اُگا دیا تھا کہ وہ اسکے پھل کھایا کرے- اور تمہارے ہی لئے وہ مرحوم اسے چھوڑ گئے ہیں- اور اگر تم نہ آتے تو یہ پھر آسمان پر چلا جاتا- اس کے بعد وہ پیر مرد برابر اس سیب کا شوق دلاتا رہا- یہاں تک کہ حائد کو بھلا معلوم ہونے لگا اور دل میں اس قدر شوق بڑھا کہ اُسمیں سے ایک سیب توڑ کے مُنہ میں رکھا مگر جیسے ہی اس پر دانت مارے خود اپنا ہاتھ کاٹ لیا اس پر متحیر تھا کہ پیر مرد نے کہا "یہی وہ پھل ہے جس نے تمہیں جنت سے نکالا- ضرورت تھی کہ تم اس پھل کو کھاؤ تاکہ تم میں اور دنیا کے جو لوگ تمہارے جنت کے انگوروں کو کھائیں اس سیب کو کھا کے دنیا میں رہنے کے قابل رہیں -

اسکے بعد حائد ارض مصر میں واپس آیا- لوگوں کو اپنے سفر کے واقعات بتائے اور وہیں پیوند زمین ہوا-

تصویر حقیقت

مصور حقیقت جناب اکبر حسین قرباش لکھنوی اڈیٹر الناطق، و صدر انجمن نقاد سخن لکھنؤ - یادگار جناب ... مرحوم و جناب ... مغفور

اگر یہ ساز خودبینی مرے دل میں نہاں ہوتا
نہ فتنے منتشر ہوتے نہ کوئی رازداں ہوتا

سمٹ کر روح دل میں نقطۂ موہوم بن جاتی
فنا کا گو مجھے ہستی کی جانب کچھ گماں ہوتا

نہاں ہوں نالۂ خاموش تو میں شمع تربت کی
یہ چپ کی داد یوں کون پھر نوحہ خواں ہوتا

میں اُس حسن زلف کی عزت ضبط ...

مبارک تھا یہ سینا کاش یوں ہی سکھا رہا
کہیں راہ طلب میں نقش پائے کارواں ہوتا

حدیں ملنے لگی ہیں لامکاں سے وسعت دل کی
زمانہ ناز کا تھا اب کوئی ہم سے نہاں ہوتا

محبت میں اگر جرات بھی ہوتی سر اٹھانے کی
یہ صورت ہی ہوتا کہ سر آسماں ہوتا

نکل آتا وہ پردے سے جو میرے فغاں ہوتا

ٹالسٹائے اور انقلاب روس

اُنیسوین صدی کے شروع مین روس دنیا کی نظرون مین ایک نیم وحشی ملک کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہان کے باشندے موجودہ تہذیب و تمدن سے قطعی ناآشنا تھے۔ سیکڑون برس سے ملک پر جبر و استبداد کی حکمرانی تھی۔ قومی تعلیم کا خیال بھی کبھی وہان کے باشندون کے دماغ مین نہ آیا تھا اور نہ کبھی کسی حکمران نے اس خیال کو اپنی عملی امداد سے قوت دی۔ ملک کا بیشتر حصہ ویران اور غیر آباد تھا۔ باشندے عموماً کاشتکار پیشہ تھے مگر صرف اس قدر پیدا کرسکتے تھے کہ اپنے خاندان اور عزیز واقارب کے لیے کفالت کرسکے۔ تجارت گویا ایک ایسی شئے تھی جس کے وجود سے بھی وہ لوگ ناواقف تھے۔

ایسے ملک مین جہان کے باشندے ایسے سادہ لوح اور دنیا کے مکروفریب سے ناآشنا ہون وہان اقتدار پسندون کی حکومت ایک لازمی امر ہے اور پھر روس مین توان حکومت کے قزاقون کا جادو ایک مدت دراز تک قائم رہا۔ بیچارے کسان کو ہر طرح سے پریشان کیا جاتا تھا حکومت کے ٹیکس روز بروز اس قدر بڑھتے جاتے تھے کہ غریب باشندے پناہ مانگنے لگے۔ اور ظلم و جبر کی یہ حالت ہوئی کہ وہ لوگ اُس نام نہاد آزادی پر ایک آزاد غلامی کو ترجیح دینے لگے۔

گزشتہ صدی کے وسط مین دنیا نے سرزمین روس پر ایک عجب تماشہ دیکھا یعنی کہ وہی روسی کسان جن کو کہ دنیا نیم وحشی لکھکر خطاب کرتی تھی، ایک بیک مہذب و متمدن ہوگئے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ روس نے دنیا کے سامنے ایک نئی تہذیب کا عملی نمونہ پیش کردیا۔ یہ کام موجودہ زمانہ کے مورخ کے احاطہ تحریر سے باہر ہے کہ وہ اس نئے تمدن کی خوبی یا خرابی پر کسی قسم کی رائے زنی کرسکے کیونکہ یہ نئی عمارت اپنی حیثیت مین بالکل انوکھی ہے اور اس کی بنیادین ایک بالکل جداگانہ اصول پر قائم کی گئی ہین۔ یہ صرف زمانہ و واقعات ہی آئندہ بتا سکین گے کہ یہ نیا نسخہ انسانی مزاج کی درستی کے واسطے کہان تک مفید ثابت ہوا اور اس کے جواز یا عدم جواز پر رائے زنی کرنا صرف آئندہ مورخ کا حق ہوگا۔ مگر واقعات یہ بتاتے ہین کہ جن ہستیون نے انسان کے رہنے کے واسطے ایک نہایت وسیع اور خوشنما باغ کی بنیاد ڈالی تھی افسوس کہ وہان بھی مکروفریب کے خارہائے مغیلان نے بڑھ بڑھ کر نازک و بے بساط پودون کو دبا لیا۔

انقلاب روس کی حقیقت ان چند الفاظ مین بخوبی ادا کیجا سکتی ہے کہ یہ انقلاب حق و باطل کی دیرینہ جنگ کا از سر نو آغاز تھا مگر اس مرتبہ نبرد آزما بھی نئے تھے اور نبرد آزمائی بھی نئے نئے اصولون پر کی گئی۔ اس مین ذرا بھی شک نہین کہ دونون مخالفین اپنے اپنے فن سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن واقعات پر غور کرنے سے انسان ایک لمحہ کے لیے اس شک و شبہہ مین گرفتار ہوجاتا ہے کہ "فتح کس کی ہوئی؟"

کسی ملک کے انقلاب کا ذکر قلمبند کرتے ہوئے اُن دلسوز واقعات کا ذکر بھی لازم ہوتا ہے جو کہ دور انقلاب مین ظہور پذیر ہوتے ہین۔ مگر ان سطور مین میرا مقصد یہ نہین کہ خونریز ہنگامون کا ذکر کرون جن سے کہ روس کی تاریخ پر ہے بلکہ اُن واقعات کا انکشاف منظور ہے جن سے کہ روس کے

باشندون کی اخلاقی و دماغی کیفیتون مین ایک ایسا نمایان تغیر واقع ہوا کہ روس دنیا کے سامنے ایک نیا لباس زیب تن کرکے آکھڑا ہوا - اس حقیقت سے کوئی منکر نہین ہو سکتا کہ اس سرزمین کے دورافتادہ صحراؤن مین تہذیب و تمدّن کی شعاع بہت دیر مین پہونچی مگر گزشتہ پچاس سال کے زمانہ مین وہان چند ایسی فخرِ زمانہ ہستیان پیدا ہوگئین کہ جن کی سحر بیانی نے روسیون کے مردہ جذبات مین از سر نو جان ڈالدی - حکومت کی غلامی اور حاکون کے تشدد نے روس کے جسم سے گویا جان نکال لی تھی - لیکن اُنیسوین صدی مین اُس مردے مین پھر جان آگئی اور زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوگیا -

دنیا کی تاریخ کے صفحات پر ہزارون ایسی ہستیون کے نام ملین گے جو کہ صرف اوراق پر لکھے ہوئے ہین اور جن کو گردش ایام ایک مدت کے بعد مٹا دیتی ہے مگر چند ایسی ہستیون کے نام بھی موجود ہین جن کو مٹانے کے لیے خود تاریخ کو مٹانا پڑے گا - روس بھی ایک ایسی ہستی پیدا کرنے پر ناز کر سکتا ہے - ٹالسٹاے دنیا کے لیے ایک نیا پیغام لیکر آیا تھا مگر جیسا کہ دنیا مین ہوتا چلا آیا ہے یعنی دنیا والون نے اُس کی زندگی مین اُسے نہ پہچانا مگر اب آثار نمایان ہو رہے ہین کہ اب دنیا نے اس محقق کی قدردانی کے لیے قدم بڑھایا ہے اور وہ گھڑی دور نہین کہ تمام انسانی جماعتون کا نظام ایک نئی صورت اختیار کرے گا اور یہ ارتقا جو کہ آہستہ آہستہ انسانی دل و دماغ مین اپنا کام کر رہا ہے یک بیک انقلابی صورت اختیار کرلے گا -

جب دنیا ایک مدت دراز تک ایک ہی راستہ پر گامزن ہوچکتی ہے تو ایک لمحہ وہ بھی آتا ہے کہ اپنی غلطیان محسوس کرتا ہے اور اپنی تباہی کے اسباب کو پہچان لیتا ہے اور یکبارگی وہ اُس قدیم راہ سے پلٹ پڑتا ہے - اس گھبراہٹ اور پریشانی کے ایام مین اگر شاہراہِ عقل پر دیکھ بھال کر قدم نہ رکھا گیا تو کیا عجب ہے کہ دوسرا قدم تباہی و بربادی کے عمیق غار مین گرے - یہ وہی وقت ہوتا ہے جب کہ دنیا مین کوئی نہ کوئی مصلح کسی نہ کسی صورت مین نمودار ہوتا ہے - ٹالسٹاے کا پیغام صرف روس کے کسانون تک محدود نہ تھا، بلکہ اُس نے اپنی آواز کو ایک قلیل عرصہ مین تمام دنیا کے گوش گزار کردیا - یہ وہی پیغام تھا کہ جس کا اثر ہم آجکل عملی صورت مین نمایان دیکھتے ہین -

ٹالسٹاے کسان کا ہمدرد تھا اور اُس کی مدد کو وہ اپنا فرض سمجھتا تھا - وہ جانتا تھا کہ یہ فرقہ جو کہ دنیا کے لیے سب سے زیادہ کار آمد ہے اور جس کے اوپر تمام دنیا کی حیات و ممات کا دار و مدار ہے سرمایہ دارون کے ہاتھون پریشان حال ہے - کسان کو وہ دنیا کی روح روان سمجھتا تھا اور اس کی نظر مین کسان ہی اعلیٰ ترین تہذیب کا وارث ہے - کسان کی تباہی و بربادی گویا دنیا کی بربادی ہے - اور کسان کی بہبودی یعنی دنیا کی بہبودی ہے - روس مین انسانی حقوق کی پائمالی کا افسوسناک منظر اُس نے اپنی آنکھون سے دیکھا تھا - وہ خود ایک اعلیٰ رتبہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا - اُس کے مورث روس کے اعلیٰ و جلیل القدر عمائدین سلطنت رہ چکے تھے، اور ٹالسٹاے بذات خود ایک بہت بڑی جاگیر کا وارث تھا - مگر جب کہ روسی کسانون کی دردانگیز حالت نے اس کے دل پر اثر کیا تو اُس نے اپنی تمام جائداد کو یک قلم اپنے مقاصد کی کامیابی کی راہ مین وقف کردیا اور خود اپنی ضروریات زندگی کو اس قدر کم کردیا حتیٰ کہ

وہ ایک اوسط درجہ کے کسان کی زندگی بسر کرنے لگا۔

ٹالسٹائے نے سرمایہ داری کے خلاف کوئی باقاعدہ جنگ نہین کی اور سرمایہ دارون کی تباہی و بربادی اس کا مقصد تھا بلکہ اُس کا مطمح نظر یہ تھا کہ دنیا مین ایک خوش حال انسانی وجود کے واسطے یہ ضروری ہے کہ ہر فرقہ اور ہر گروہ آپس مین امن و امان سے زندگی بسر کرے اور یہ جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ دنیا مین ضروریات زندگی کی تقسیم برابر ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ ایک اعلیٰ قومی نظام سلطنت اُن تمام ذرائع کو اپنے ہاتھ مین رکھے۔ زمین کا بیشتر حصہ جو کہ اس وقت بڑے بڑے سرمایہ دارون کے پاس ہے اور کیونکہ یہ تقسیم سراسر قوانین قدرت کے خلاف ہے اس لیے اُسے بھی حکومت اپنے ہاتھ مین رکھے پھر ملک کی تقسیم مساوات کے اصولون پر کیجائے یعنی ہر شخص کو مساوی حصہ زمین کاشتکاری کے لیے دستیاب ہو سکے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ اگر تمام دنیا کی مختلف اقوام اپنی اپنی قومون کو توڑ دین اور آلاتِ حرب کو برباد کر دین تو دنیا سے جنگ وجدل کا نام ہمیشہ ہمیشہ کیلیے مٹ جائے گا۔ اور انسان ایک امن چین کی زندگی بسر کرسکین گے۔

ان انقلاب انگیز تعلیمات نے روسیون کے دلون پر ایسا گہرا اثر کیا کہ اُن کے خیالات مین یک بیک ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ ٹالسٹائے کو وہ اپنا پیغمبر سمجھنے لگے۔ اور اُس کے واسطے وہ ہمیشہ اپنی جان نثار کردینے پر تیار رہتے۔ حکومتِ وقت کے خلاف آہستہ آہستہ بےچینی پیدا ہونے لگی جس کا کہ اثر یہ ہوا کہ ٹالسٹائے کے مرنے کے بعد روس مین ہزارون خفیہ انجمنین قائم ہوگئین جو کہ ہر وقت جبر و تعدی کی حکومت کی تباہی پر تیار رہتین۔ اُسی کا نتیجہ ہم آیندہ چل کر زمانہ موجودہ کی پیچیدگیون کی صورت مین دیکھتے ہین۔

ان تغیرات اور ارتقاے دماغی کا نتیجہ ایک اور خاص شکل مین نمودار ہوا۔ تقریباً پچاس سال قبل روس مین کوئی مصنف پیدا ہوا تھا۔ لیکن اب روس دنیا کے اہم ترین لٹریچر رکھنے کا دعویدار ہے۔ اُن متعدد مصنفین مین سے جو کہ روس مین اُن ایام مین پیدا ہوئے ٹالسٹائے۔ دوستوسکی۔ گورکی۔ آیون، ترگنیو کے اسما خصوصیت سے لیے جاتے ہین۔ مگر ان سب مین اعلیٰ ترین درجہ ٹالسٹائے کو حاصل ہے۔

وہ جذبہ جس کو ہم آجکل حب الوطنی کے نام سے موسوم کرتے ہین ٹالسٹائے اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اُسکا قول ہے کہ دنیا مین تمام جنگ وجدل کی اس وقت سے شروع ہوجاتی ہے جب سے کہ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچون کو حب الوطنی کی تعلیم دیتے ہین۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آیندہ بھی لوگ دنیا مین شور و شر کے بانی ہوتے ہین، اور اقوام عالم کے درمیان دشمنی کا بیج بوتے ہین۔ یہ جذبہ حب الوطنی نہین بلکہ خدا اور اُس کی مخلوق سے دشمنی ہے۔ اور ایسے لوگ نسلِ انسانی کے واسطے اولاد ابلیس سے کم نہین۔

اس موقع پر روسی ناول کی چند خصوصیات بیان کرنا بھی بعید از بحث نہ ہوگا۔ کیونکہ روس مین انقلاب برپا کرنے مین روسی ناول کو بہت بڑا دخل ہے۔ یہ امر بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیے کہ روسی لٹریچر ایک غیر متمدن قوم کا لٹریچر ہے۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ ہم بغیر ایک اعلیٰ معیار تمدن کے دنیا مین رہ کر سب کچھ کرسکتے ہین۔ موجودہ تہذیب کے ہم متمنی نہین بلکہ خود تہذیب کو ہم اپنا غلام سمجھتے ہین۔ روسی ناول کے کیریکٹر اکثر غریب مفلوک الحال کسان ہوتے ہین جو کہ راستبازی

وخودداری کا ایک اعلیٰ معیار دنیا کے روبرو پیش کرتے ہین۔ روس کا ہر ایک باشندہ قدرتاً فلسفی پیدا ہوتا ہے مگر فلسفہ کی حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے۔ روسی لٹریچر قومی جذبات کا ایک شفاف آئینہ ہے جس کو کہ مکر وخود بینی کی گرد آلودہ فضاؤن نے کبھی دھندلا نہین کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لفظ اور ہر بات مین سچے جذبات کی تصویر نظر آتی ہے۔

علی مقصود
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

قطعات تاریخہائے وفات جناب پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی

قطعہ

بسالِ وفات یا ئندہ جناب برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی ۱۹۲۶ء
از تصانیف لطیف پروفیسر سید اولاد حسین شاداںؔ ۱۹۲۶ء
سینیر پروفیسر اُرانٹل کالج بلاہور پنجاب ۱۹۲۶ء

شاعرِ نکتہ رس برج نرائن چکبست — سخت دشوار ہے اُنکا سا سخندان ہونا
ذیل کے شعر مین بتلاتے ہین اِس مسئلہ کو — زیست کیا ہوتی ہے کیا چیز ہے بیجان ہونا

"زندگی کیا ہے عناصر مین ظہورِ ترکیب
موت کیا ہے انھین اجزا کا پریشان ہونا"

قول کو اپنے عمل سے بھی کیا اثبات — ہے بجا موت پر اُنکی مرا نالان ہونا
شعر مذکور ہی تاریخ کا ماخذ ہو اگر — بات ہی کیا ہے ان اشکال کا آسان ہونا

کچھ تصرف سے یہ شاداںؔ نے کہا سنِ وفات
ہے حدؔ[1] مرگ عناصر کا پریشان ہونا

[1] (نوٹ) کسی شی کی ذاتیات سے تعریف کو اصطلاح منطق مین حد کہتے ہین۔

ختم شد۔ ۱۳۴۴ھ

محلہ شاہ ابو المعالی روڈ۔ ومکان جناب سردار سوہن سنگھ لاہور۔ ۱۹۲۶ء

از جناب مرزا کاظم حسین صاحب محشرؔ لکھنوی

دار فانی سے اُٹھے برج نرائن چکبست — سُن لیا جس نے اُسے صدمۂ جانکاہ ہوا
رنیائے بیش پہ پوچھو کہ تھے کتنے اوصاف — دوست احباب کا سو جان سے شیدا دیکھا
قدرتی ایسا فنِ شعر مین پایا تھا دماغ — جو لکھا صفحۂ قرطاس پہ مقبول ہوا
نظم مین فلسفیانہ تھی ہمیشہ تخئیل — اُس پہ یہ لطف کہ جو بھی ہے کہا صاف کہا
غالب اتنا تھا طبیعت پہ مذاقِ علمی — جتنا تحصیل کیا اُس سے بہت کام لیا
کیسی بیوقت اجل آگئی محشرؔ افسوس — روح رخصت ہوئی اک نقطہ کہا اور سُنا
اُنکے ہی قول سے تاریخ ہے ہمراہ عزا — موت کیا ہے انہین اجزا کا پریشان ہونا

جلیسِ ماضی

چودھوین صدی ابھی ختم نہین ہوئی اِس باغ کی بہار ابھی تک ہم دیکھ رہے ہین، اسکے آغاز مین گلزارِ سخن اپنے پورے شباب پر تھا۔ اِس چمن مین ہزارون خوشنوا بلبل چہک رہے تھے جنہین خزان کے دَور نے مٹانا شروع کیا۔

کیسے کیسے بلیغ و فصیح شاعر ہماری آنکھون کے سامنے پوشیدہ ہو گئے سب کا ذکر تو در کنار، وہ زمزمہ پردازِ سخن جو ہمارے ہم صحبت تھے دیکھتے ہی دیکھتے ہمین مفارقت کا داغ دے گئے اور کچھ ایسے خفا ہوئے کہ ہمارے پہلو سے اُٹھکر گوشۂ تربت پسند کر لیا۔

اِن بزرگانِ طریقت کا جب کوئی ذکر کرتا ہے تو آنکھ سے آنسو جاری ہو جاتے ہین اور دل پر عجب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اُنہین صاحب کمالون کی برکت سے مشاعرے کی زینت تھی جنکے قدمون پر خوشگوئی آنکھین ملتی تھی، وہ آسمان کے تارے توڑ لاتے تھے۔ انکے مبارک عہد مین زبان کی اصلاح ہوئی، رسم الخط مین ترمیم ہوئی، زبان مین فصاحت آئی، خود فاقے کئے زبان کو سنوارا، قدردانی اور جوہر شناسی کا دروازہ بند ہو چکا تھا مگر اُنکی ہمت نے عروسِ سخن کو سنوارا اور خوب سنوارا۔

(۱) حکیم ضامن علی جلال لکھنوی:- میانہ قد خشخشی داڑھی نازک مزاج، گرمی کے زمانے مین ہاتھ مین پنکھا لئے ہوئے آہستہ آہستہ تشریف لاتے ہین اور دو چار شعر ایسے سنا جاتے ہین کہ تمام جلسہ بیخود ہو جاتا ہے۔

شبِ وصال یہ اندھیر کیا کیا مین نے — کہ انکو لیکے تہِ آسمان نکل آیا

کی ہے مری خاقت غربت مین کیسی کیسی — پھنے کو مین یہ کانٹے لیجا ؤنگا وطن مین

آج آپکی فرقت مین بسر رات نہ ہوگی — مل لیجیے پھر ہم سے ملاقات نہ ہوگی

توبہ کرین ہم بادہ کشی سے تو گنہگار — تقصیر یہ اے پیرِ خرابات نہ ہوگی

دل مرا آنکھ تری دونون ہین بیمار مگر — ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

مٹی ہو کر بھی صفائی نہ مٹی دل سے جلال

لاکھ شیشون سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

عدو کے ساتھ ہی اچھا تم آؤ وقتِ اخیر — وہ اب کرینگے گوارا جو عمر بھر نہ کیا

(۲) مائل۔ میر صادق علی لکھنوی:- آخری شاہ اودھ کے انتقال کے بعد کلکتہ سے لکھنؤ چلے گئے اور زندگی بھر سر بہر کو چوک مین ایک عطر فروش کی دکان پر نشست رکھی۔ نثر برس کا سن تھا بہت خوش فکر تھے۔ کبھی کبھی راستے مین صاحب سلامت ہو گئی تو فکرِ تازہ کے دو چار شعر سنا دیتے تھے۔

اندھیرا تھا جو ہجر مہ جبین سے — جلائی شمع آہِ آتشین سے

رہیگا سر مین سودائے محبت — نہ چھوٹیگا یہ صندل اِس جبین سے

گلا کاٹون بہت شوقِ اجل ہے — مجھے خنجر کوئی لا دے کہین سے

(۳) نواب مرزا مہدی علی خان ثمر شاگردِ میان تجرد۔ تمام زندگی افکار مین مبتلا رہے۔ مگر شعر گوئی کا مذاق جاری رہا، دو گھڑی یارون مین بیٹھکر دل بہلا لیا کرتے تھے، فنِ شعر سے بھی واقفیتِ کامل رکھتے تھے آخر مین کربلائے معلیٰ تشریف لیگئے اور وہین انتقال ہو گیا۔

خاکسارانِ جہان کا یہ خیال اچھا ہے — کہ رہِ دوست مین مٹنے کا مآل اچھا ہے

نذر کو لیکے چلے ہین دل و دین و ایمان　　اسمین جو انکو پسند آئے وہ مال اچھا ہے

(۴) سید ابو صاحب جلیس خلف سلیس نبیرہ میر انیس:-
نہایت دوست پرور زندہ دل آدمی تھے - مگر گردش روزگار نے ایسا پیسا تھا کہ سر نہ اُٹھا سکتے - جب زرا مرثیہ کی طرف توجہ کی، اور دو چار جگہ مرثیہ پڑھنے لگے، کچھ آمدنی کی صورت نظر آئی تو قضا آگئی جس مجمع مین بیٹھ جاتے تھے غم غلط کرتے تھے - تخمیناً انتقال کو بیس برس ہوئے -

قتل سے محروم ہون ضعف کی تاثیر سے　　سو قلم ٹکڑے ہوئے گرتا ہون ہوا تیر سے
کیا تعجب ہے جو حسن و عشق کی تاثیر سے　　دوست کو آواز آئے دوست کی تصویر سے
تشنہ کامان محبت پر انہین رحم آگیا　　سب کے دل ٹھنڈے کئے آب دم شمشیر سے
بعد پہنچی موت پہلے جان سے مین جا چکا　　تیز ہے تیر نظر اسکا قضا کے تیر سے

(۵) سید مہدی صاحب جدید لکھنوی:- مرثیہ گوئی کا بھی شوق، مگر غزل اچھی کہتے تھے، با مروت دوست نواز تھے - گندمی رنگ میانہ قد، دوپلی ٹوپی پہنتے تھے، دن دن بھر صحبت احباب مین گزار دیتے تھے، دنیا کی فکرون کے پاس آتے تھے، ہر شخص کی تعریف کرتے تھے -

پس فنا بھی ہی وہ درد آہ مین تاثیر　　سحر کو پھول مری قبر کے سیاہ ملے
ہمارا دل ہے بہت سخت فوج ناز ہے کم　　حضور اور کمک کے لئے سپاہ ملے
ہر ایک ذرے مین پیدا ہے کیفیت اسکی　　دل و جگر نے مجھے دنیا مین یون تباہ ملے

(۶) منشی امیر اللہ تسلیم تلمیذ رشید نسیم دہلوی:- آپ دربار رام پور مین ملازم تھے - لکھنؤ مین اکثر آیا کرتے تھے اور دو مہینے قیام کر کے چلے جاتے تھے، نہایت نیک مزاج تھے، شعر اچھا کہتے تھے - ہر شخص سے بخلوص ملتے تھے - خوشنویس بھی تھے - اپنا پہلا دیوان خود لکھا تھا جو مطبع نولکشور مین مطبوع ہوا ہے -

نواب کلب علی خان مرحوم کے دیوان بھی آپنے لکھے ہین -

عاشق دل خموش ہے حسن قدیم کا　　یہ بے زبان رقیب بنا ہے کلیم کا

مر کے بھی شعلہ فشان ہے دل پر درد مرا　　گرمیان کرتا ہے ابتک نفس سرد مرا

نہ ہوگا حشر مین کوئی کسی کا　　بھروسہ ہے تو اپنی بیکسی کا
سدا گریان رہا مانند شبنم　　نہ دیکھا منہ مرے غم نے خوشی کا

قریب کام ترے وقت پر نہین آتا　　بجھانے دل کی لگی کو جگر نہین آتا
حجاب دیدہ نرگس سے باغ مین نہ کرو　　یہ دیکھنے کی ہین آنکھین نظر نہین آتا

(۷) خواجہ بادشاہ صفیر، خلف خواجہ وزیر وزیر:- چکن کی چوگوشیہ ٹوپی پہنے ہوئے جالی کا رومال اوڑھے ہوئے، مشروع کا پائجامہ سلیم شاہی جوتا پہنے ہوئے، جریب ہاتھ مین لئے چلے آتے ہین - ان کے ساتھ ایک بزرگ پستہ قامت اسی وضع کے بہت ضعیف آہستہ آہستہ قدم اُٹھائے چلے آتے ہین - انکو بخشی جی کہتے ہین، شاہی مین فوج کے بخشی تھے - یاس تخلص فرماتے ہین - نام تو انکا کوئی نہین پوچھتا - آتے ہین اور سب سے سلام و نیاز کے بعد مزاج پرسی کرتے ہین منشی فدا علی عیش انکے ہمسن ہین - ان سے کچھ مذاق کی باتین ہوتی ہین - پھر کلام سناتے ہین - انکے انتقال کو تیس برس ہوئے - ۸۰ برس کا سن ہوا ہے

پیار سے مین نے بلائین لین ان کی بات کی　　انگلیان چٹکین صدا آنے لگی ہیہات کی

(۸) شیخ فدا علی عیش تلمیذ میر کلو عرش - بڑے خوش مزاج آدمی ہین مسکراتے ہوئے چلے آتے ہین اور آتے آتے اپنے ہمسن شعراء پر دو چار آوازے کس دیتے ہین - لوگون کے اصرار سے دو چار شعر سنا دیتے ہین - پڑھنے کا انداز اچھا ہے تلاش بھی اچھی ہے - ۲۵ برس ہوئے کہ انتقال کیا - ان کا دیوان بھی نہین چھپا - آغا میر کی ڈیوڑھی پر مکان تھا ہے

نہ جائین سیر گلستان کو آپ نازک ہین　　حضور سایہ گل جسم پر گران ہوگا
صدائے صوت ہے صوت شکست رنگ مجھے　　مری طرح نہ کوئی زار و ناتوان ہوگا

(۹) حکیم مولوی میر عنایت حسین صاحب برق :- عمر، سال لیلائے سخن کے ایسے مجنون ہوئے کہ تمام عمر تجرد مین گزار دی - وسیلۂ رزق معلمی - ذی استعداد - دوپہر کا وقت ہے - حکیم صاحب ایک چادر اوڑھے ہوئے چھتری لگائے ہوئے آرہے ہین، آئے بیٹھے ذرا سستائے مزاج پوچھا خیریت پوچھی، دو شعر نئے کے سنائے اور خدا حافظ کہکر چلے، نہ مزاج مین غرور نہ تمکنت، انتقال کو دو برس ہوئے

کیا داغ عشق کا تھا سویدائے دل مین نام | نقطہ سا بنکے وہ جو مرے دل مین رہ گیا

بیڑا اُسی کا پار ہوا بحر عشق مین | جو وقت غرق حسرت ساحل مین رہ گیا

ادائے لغزش مستانہ کرتی آئی بہار | مزہ ہوائے گل و مل مین ہے ہوائے بہار

گلون کی جان ہو اور بلبلون کا ایمان ہے | فضائے اہل خرابات ہے ادائے بہار

(۱۰) میر بادشاہ علی بقا خلف شاگرد میر زبیر علی وزیر صبا - چیچک رو، مائل بفربہی، میانہ قد، چوگوشیہ ٹوپی پہنے ہوئے چکن کا رومال اوڑھے ہوئے تشریف لاتے ہین، نہایت خلیق متواضع نیک طینت معلومات شاعری سے مالامال، سنگی بیگ کے احاطے کے قریب، محلہ شاہ گنج مین رہتے تھے -

کیا آئینہ طرح جو دل تو وہ ہوئے برہم | کدورت اُوہم سے بڑھ گئی انکو صفائی مین

جدائی روح کی اک دم نہین گوارا ہے | محبت ہوگئی یہ چار دن کی آشنائی مین

(۱۱) لالہ بنسی دھر ہمت کایستھ شاگرد لالہ مینڈو لال زار تلمیذ موجی رام موجی :- منشی باقر علی ہمسر نے کہا، ہمت ہمارے اُستاد ہین - ستر بہتر برس کی عمر ہے - کہین جانے آنے کے قابل نہین ہین، تمکو دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارے ساتھ چلو - محلہ اشرف آباد مین رہتے ہین، پرانے شعرا مین مغتنم ہین -

ہم انکے ساتھ گئے تو دیکھا - ایک مُسن آدمی دُبلے پتلے نہ منہ مین دانت، نہ پیٹ مین آنت، ایک کوٹھری مین لیٹے ہوئے ہین - آس پاس کچھ کتابون کا ڈھیر ہے ہمکو دیکھکر بیٹھ گئے اور صاحب سلامت کے بعد اپنا کچھ کلام سنایا -

پھر کہنے لگے کچھ تم بھی اپنا کلام سناؤ - مین نے کہا یہ خلاف تہذیب ہے کہ ایک بزرگ شاعر کے بعد اپنا شعر پڑھون، فرمایا اچھا کچھ اپنے اُستاد کا کلام سناؤ - سُن کر بہت داد دی، ایک تاریخ بھی آخری شاہ اودھ کے انتقال کی سنائی، جسکا مادہ یہ تھا -

چراغ ہند گل بے باد گردید

فرمانے لگے گل شدن اور گل گشتن تو مین نے سنا ہے لیکن گل گردیدن سے کان آشنا نہین ہین - مین نے کہا آپ کے پاس تو "بہار عجم" موجود ہوگی، اسمین دیکھ لیجئے، دیکھا تو گل گردیدن بھی لکھا تھا - اپنا کان زور سے پکڑا اور کہنے لگے تم سچ کہتے ہو ہائے کیا منصف لوگ تھے ؎

خدا کے واسطے آباد رکھ دیر و حرم دونون | نہ ترسا اور بُت کافر بہت گبر و مسلمان کو

جدائی مین تمہاری اشکباری کو ترقی ہے | سمندر لوگ کہتے ہین ہماری چشم گریان کو

(۱۲) سید علی محمد صاحب عارف نبیرہ میر خورشید علی صاحب نفیس - ۵۴ برس کی عمر مین انتقال کیا - شاعر مرثیہ گو تھے - غزل بھی کبھی کبھی کہتے تھے - رنگ سخن اچھا تھا، پابند وضع تھے ؎

حسرت ہجر نہ ارمان وصال اچھا ہے | جس سے بہلا رہے دل کچھ وہ خیال اچھا ہے

پاتے ہین مجھکو وہ ہر روز سے بدلا جس دن | ہنسکے کہتے ہین کہ آج آپکا حال اچھا ہے

صبح رخ نے اسے کافور کی ٹھنڈک بخشی | اب دل سوختہ برق جمال اچھا ہے

طلب وصل پہ دیتے جو ہین کچھ وہ جواب | ہم سمجھتے ہین کہ انجام سوال اچھا ہے

(۱۳) بشیر احمد خان بشیر تلمیذ امیر و جلال :- وطن ملیح آباد مین تھا، مگر زیادہ تر لکھنؤ مین رہتے تھے اور نہایت خلیق تھے - ۵۴ برس کی عمر پائی - نو برس آپ کے انتقال کو ہوئے، ایک مختصر دیوان چھپا ہے ؎

افسانہائے عشق وہ عالم مین بن گئے | کچھ حرف آ گئے تھے ہماری زبان پر

تم نے کبھی اس بات پہ بھی غور کیا ہے　　یہ کیا ہے کہ تم سے کوئی خوش رہ نہیں سکتا
ماتم میں مری شکل بنائی ہے کچھ ایسی　　رنج انکو نہیں ہے یہ کوئی کہہ نہیں سکتا

———— ❖ ————

جفائے عشق سی اک یادگار راہ میں ہے　　یہ بے محل نہیں اپنا مزار راہ میں ہے

———— ❖ ————

دل پر آفت کوئی آئی کہ جگر پر آئی　　نام لے لیکے مرا مجکو پکارا کس نے

———— ❖ ————

نہیں ہے راہِ محبت میں کوئی اندیشہ　　زرا سا خوف ہے اور وہ بھی جان جانیکا

(۱۴) حکیم سیّد علی محسن عرف ننھنے آغا صاحب ابر تلمیذ شیخ محمد جان صاحب شاد پیرو میر:- رسالہ معیار کے اڈیٹر تھے - زبانِ اردو کے بہی خواہ تھے - اگرچہ اصولِ مفروضۂ شاعری پر ہم سے مخالفت رہتی تھی مگر رسم ملاقات و آمد و رفت برابر جاری رکھی اور کہتے تھے کہ شاعری کی بحث تو گل و بلبل کا جھگڑا ہے اسکو آپس کے مراسم سے کیا تعلق، نیک مزاج اور بڑے ملنے والے تھے - مناقشاتِ تحقیقِ الفاظ کے بعد رفع ملال کرنا بھی انہیں کا حصہ تھا - "معیار" کا اجرا محض آپکی ہمت پر موقوف تھا، انکے انتقال کو تخمیناً دس برس ہوئے ؎

ہے ناشکیبیِ دلِ ناداں مجھے عزیز　　وہ ہنس رہے ہیں خجل ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

———— ❖ ————

دیوانگی تھی قیس کی محدود نجد تک　　ہمسے جنوں میں کون سا ویرانہ چھٹ گیا

———— ❖ ————

چارہ گر امید اسی کا نام ہے　　دو دوا جبتک لبوں پر دم رہے
رونے والے دفن کرکے رو چکے　　اب امیدِ گریۂ شبنم رہے

(۱۵) منشی نوبت رائے نظر تلمیذ رشید آغا مظہر؛ اڈیٹر رسالہ "خدنگ نظر" خوش گو شاعر تھے - دو برس ہوئے کہ انتقال کیا، فنِ مصوری سے بھی واقف تھے - قریب قریب روز ہی آتے تھے کچھ زمانے سے "اودھ اخبار" کے اڈیٹر بھی ہوگئے تھے - اس سبب سے پانچ بجے ضرور آتے تھے، احباب سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے - "رسالہ زمانہ" میں بھی اڈیٹر رہ چکے ہیں، اور رسالہ "ادیب" کی اڈیٹری کا فخر بھی حاصل تھا - باوجود افکارِ معاش کے شاعری کا شوق جاری تھا -

رسالہ "خدنگ نظر" کا اجرا خلد مکان ہز ہائنس میر محبوب علیخان سرکار حیدرآباد کی سالگرہ کی یادگار میں کیا تھا، حسنِ قسمت سے کوئی قدردانی نہ ہوئی - اور رسالہ بند ہوگیا، پہلے نواز گنج میں رہتے تھے اسکے بعد اشرف آباد میں اٹھ آئے تھے ؎

اس قدر جوشِ جنونِ عشق عبرتناک تھا　　میری حالت دیکھنے والا گریبان چاک تھا
ابتو اپنے ہاتھ بھی اس کام سے جاتے رہے　　دستِ جاناں سے کبھی اپنا گریباں چاک تھا

———— ❖ ————

دکھانیوالے کہاں تک دکھائینگے دل کو　　جنہیں ہے صبر سنیگا کبھی خدا انکی
بنے ہیں ظالم و مظلوم دیکھ دیکھ کے لوگ　　وفا وفا ہے ہماری جفا جفا انکی
بھٹک رہی ہے دمِ نزع روح عاشق کی　　بنا بنا کے سناتے ہیں سب صدا انکی
وہ نازکیں ہیں کہ دیکھوں بہار خونِ جگر　　چھڑائی جائے الٰہی کہیں حنا انکی

(۱۶) نواب مرزا ملک، شاگرد رشید لکھنوی:- ہر مہینے خود مشاعرہ کرتے تھے اور قریب قریب ہر ایک مشاعرے میں شریک ہوتے تھے، شاعری کا نہایت شوق تھا - ایک مرتبہ پاؤں پکا ہوا تھا، درد کی سخت تکلیف تھی، اسی حالت میں ڈولی پر سوار ہوکر مشاعرے میں شریک ہوئے، انتقال کو تخمیناً بارہ برس ہوئے ؎

خدا کرے کہ میں اٹھ جاؤں پہلے دنیا سے　　سنا ہے بزم سے عاشق اٹھائے جاتے ہیں
ہمارا حال بگڑتا ہے کوئی کہدے ملک　　انہیں خبر نہیں گیسو بنائے جاتے ہیں

مولوی عبد الرحیم کلیم تلمیذ منیر و لطافت - کہنہ مشق شاعر تھے، صاحبِ دیوان تھے - ایک دیوان چھپ چکا تھا اور ایک غیر

مطبوعہ تھا، فارسی کی استعداد اچھی تھی، مرزا بہادر مرزا محمد عباس کے
مصاحبین میں داخل تھے۔ انتقال کیے ہوئے دو برس ہوئے
لکھنؤ اور اہل لکھنؤ کے بہت طرفدار تھے۔ ہر شخص سے نہایت خلوص سے
ملتے تھے، شعر کا مزا خود بہت لیتے تھے، وضعدار تھے، نہایت
پُرگو تھے۔ سوا فکر شعر کے اور کوئی فکر نہ تھی ؎

ہچکیاں آتی ہیں کیونکر نہ اسے یاد کرون | جو کرے میرا خیال اُسکا خیال اچھا ہے

کس قدر میرا جنون کمبخت وحشتناک تھا | جو کہ دیوانے نہ تھے انکا گریبان چاک تھا
غیر کی بھی اُسکے سینے پر پڑی ہوگی نگاہ | ہائے وہ کیون سامنے ماتم میں گریبان چاک تھا

(۱۸) میر ذاکر حسین صاحب یاس شاگرد جلال:- ان کے
انتقال کو دس برس ہوئے۔ بہت کم سخن تھے، نواب مہدی علیخان
کی سرکار سے توسل رکھتے تھے، نہایت خلیق تھے، شاعرون میں
کم شریک ہوتے تھے۔ کہنہ مشق شاعر تھے۔ انکا دیوان طبع ہوچکا ہے ؎

جو مرنیوالے ہیں جرأت تو دیکھو ذرا انکی | شکست دیگی جفا کو تری حیا انکی
نہ سمجھے کوئی کہ ہیں ناتوان بہت عشاق | فرشتے عرش کی سن لیتے ہیں صدا انکی
سبب ہے جو بہت دیکھتے ہیں آئینہ | کہ اس میں شکل ہے کچھ صورت آشنا انکی

خبر نہیں ہمیں کچھ کہتی ہے خدائی کیا | قیامت آگئی اپنی طبیعت آئی کیا
جواب دیتا ہے دعوے کا انکے آئینہ | دکھا رہی ہے حسینون کو خودنمائی کیا
تمام عمر گزاری ہے حق پرستی میں | کریگا کوئی ہماری سی پارسائی کیا

(۱۹) مولوی عبدالاحد شمشاد فرنگی محلی لکھنوی تلمیذ رشید
آفتاب الدولہ قلق و شاہ عبدالعلیم آسی و حکیم جعفر حسین کاشف:-
نہایت پرگو تھے۔ تین دیوان آپکے طبع ہوچکے ہیں۔ غازیپور میں مدرسہ
"چشمہ رحمت" کے مینیجر تھے۔ علم فارسی و عربی میں کافی دستگاہ رکھتے تھے
گرمی کی تعطیل میں لکھنؤ آتے تھے اور زمانہ قیام لکھنؤ میں چار بجے سے شام تک
ہمارے یہان نشست رہتی تھی۔ نہایت وضعدار تھے۔ خوش پوشاک
بھی تھے، احباب سے بہ خندہ پیشانی ملتے تھے۔

ہمارے دیدۂ دل میں ہے محویت کیسی | خیال یار نے جھلکی کوئی دکھائی کیا
تو اپنے دل ہی میں انصاف کرلے اے صیاد | کٹی بہار قفس میں تو اب رہائی کیا

ہم خاک میں مل کر بھی مزے لوٹ رہے ہیں | لے لیتے ہیں بوسہ جو کسی کف پا کا
دھوکے میں جو بر آئے کہیں میری تمنا | ہو دست اثر اور گریبان دعا کا

(۲۰) حکیم عابد علی کوثر تلمیذ امیر مینائی:- نہایت خلیق، نیک
نفس، مسکین بزرگ تھے، خیرآباد مسکن تھا۔ لکھنؤ میں جب آتے۔
ہماری ملاقات کو ضرور تشریف لاتے اور شعر و سخن کا چرچا رہتا۔ تحقیق
الفاظ کا بہت شوق تھا، صاحب تلامذہ تھے، کہنہ مشق تھے، افسوس
ہے کہ آپکا دیوان طبع نہ ہوا۔

چشم مست ناز ساقی کے قدح خوارون میں ہون | وہ میکش ہون کہ مستون میں نہ ہشیارون میں ہون
گھر مرا گور غریبان ہے فراق یار میں | حسرتیں مردہ پڑی ہیں میں عزادارون میں ہون
شوق کی بیتابیاں لائیں یہاں تک کھینچکر | جرم کیا دیوان کا میں تیرے گنہگارون میں ہون

نالہ موزون ہے یہ کوثر نہیں ہے شاعری
دل جلا ہون شاعرون میں ہون نہ شاعر میں ہون

(۲۱) حکیم سید محمد مہدی کمال خلف میر ضامن علی جلال لکھنوی:-
عمر ۵۴ سال، انتقال کو دس برس ہوئے، پہلے تو دوسری ریاستون
میں امرا و اطبا میں ملازم رہے۔ آخر میں ریاست رامپور سے تعلق ہوگیا تھا
لکھنؤ میں جب آتے تو ہم سے ضرور ملتے، نہایت خلیق اور منکسر مزاج تھے
اکثر اپنا تازہ کلام سناتے تھے، شعر اچھا کہتے تھے، اور فن شعر و سخن سے واقف تھے

جتا دو عشق تو کہتا ہے خوبرو کوئی | کسی کو اپنا بناتا ہے کیوں عدو کوئی
ستانا انکا تڑپنا مرا نہ جائے گا | کسی میں ہو کوئی عادت کسی میں خو کوئی
وہ دل میں آتے ہیں سب حسرتیں نکل جائیں | پکارتی ہے یہ رہ رہ کے آرزو کوئی

ساد گی مین بناؤ کرتے ہین — رنگ تصویر مین وہ بھرتے ہین
تم سلامت رہو، یہ پھر کہنا — آپ میری بلا سے مرتے ہین

(۲۲) مولوی سید محمد اصطفٰی صاحب عرف مولوی ٹڈن صاحب خورشید:- دوست بے یا تھے کنکوے کا بہت شوق تھا۔ "انتخاب" نام ایک رسالہ طرحی غزلون کا نکالا تھا، مشاعرے بہت کئے، اور بہت سے مشاعرون مین شریک ہوئے۔ انتقال کو ۳۰ برس ہوئے۔ آپکی ایک کتاب "افادات" علم عروض مین طبع ہوچکی ہے

کیا فقط دیوانے ہم ہین گھر بنانے کے لئے — طیر تک چنتے ہین تنکے آشیانے کے لئے
باغبان گلشن ہے تیرا اسد اباغ و بہا — ہمکو بھی تھوڑی سی جا آشیانے کے لئے
قبر پروانہ کا تھا یہ پاس شمع بزم کو — نور کی چادر عطا کی شامیانے کے لئے
پھر وہ ٹھکراتے ہین قبر عاشق بیتاب کو — آئے ہین سوتے ہوئے فتنے جگانے کے لئے

(۲۳) مرزا محمد علی آدم لکھنوی:- عمر تخمیناً پچاس سال، انکے انتقال کو دس برس ہوئے۔ محلہ وزیر گنج مین رہتے تھے اور ریاست تانپارہ مین ملازم تھے۔ گندمی رنگ، چیچک رو، نیک مزاج تھے تخمیناً ۸ برس ہوئے کہ انتقال فرمایا ہے

ہے بے پناہ تیر تری چشم ناز کا — تعلیم یافتہ اثر دلگداز کا
اے مبتلائے نزع بس اب آنکھ بند کر — تا چند انتظار بت حیلہ ساز کا

(۲۴) محمد حیات بخش رسا تلمیذ داغ دہلوی:- عمر تخمیناً ساٹھ سال، ابتدا مین آپ محرر جوڈیشل کمشنری شکوہ آباد تھے۔ آخر عمر مین ریاست رامپور مین بزمرۂ شعرا ملازم ہوئے لکھنؤ مین دو چار مرتبہ تشریف لائے۔ اور اپنے کلام سے محظوظ فرمایا، تخمیناً انتقال کو دس برس ہوئے آدمی خوش فکر تھے ہے

کیا تھا عشق کہ کچھ دن مزے اٹھائینگے — خبر نہ تھی کہ یہ ظالم وبال جان ہوگا
جفائے یار کا شکوہ رسا نہ کرنا تم — تمام عمر کا احسان رائگان ہوگا

(۲۵) نواب سید بنیاد حسین خان صاحب جاہ لکھنوی:- عمر تخمیناً ۵۰ سال تلمیذ امیر مینائی، ساکن ڈیوڑھی آغا میر، انکے انتقال کو ۸ برس ہوئے۔ آپکا دیوان چھپ چکا ہے، سہ پہر کو آپکے دولتکدہ پر شعرا کا مجمع ہوتا تھا۔ اکثر نواب شیش محل بھی آتے تھے ہے

قسمت لیلی و مجنون کا عجب قصہ ہے — شہر حسن کسی کا ہوا رسوا کوئی
عمر بھر کم نہ ہوئی الفت مژگان ہمسے — تیر یون دل مین در کئے نہ نکلا کوئی

جادو یہ کسکی چشم فسونگر کا چل گیا — چارون طرف سے شور کلیجا نکل گیا

(۲۶) مرزا محمد وصی علی خان منظر لکھنوی:- ساکن محلہ تحسین گنج تلمیذ منیر شکوہ آبادی نہایت خوشگو شاعر تھے ہمیشہ افکار مین مبتلا رہے آخر عمر مین بزمرۂ شعرا ملازم ہوگئے تھے، لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور تخمیناً ۴۷ برس کی عمر مین انتقال کیا طبیعت نہایت مذاق پسند تھی۔ تھوڑا زمانہ ہوا کہ انتقال فرمایا ہے

جنہین دیکھ کر وہ تھا صورت آفرین سے — لپیٹے منہ وہ آتے ہین کہین سے
سنبھل کر دل تراش لے کاوش غم — وفا کا نام ہوگا اس نگین سے

سو گئے ہیں لیکے مری قبر کے مرجھائے پھول — رنگ باقی نہین پر بوئے وفا دیتے ہین

کوئی ہنستا ہے مجھے دیکھکے روتا ہے کوئی — آپ ہین آؤ تو دیکھو تماشا کیا ہے

اور چندے بہار ہے واعظ — تو بہ کرنے کے دن بھی آتے ہین

اشک کہتا ہو رکا مین تو قیامت آئی — وہ یہ کہتے ہین ہوا حشر جو آنسو نکلا

اے شوق جلد ست ہے بیخودی بنا — ہٹ جائے عقل و عشق مین جو اختلاف ہے

یادش بخیر دل جو گیا تھا بہار میں — ہم ساری عمر باغ میں کلیاں چنا کئے

سید مصطفی میرزا عرف پیارے صاحب رشید لکھنوی

ساکن محلہ رکاب گنج وال کی منڈی۔ مرثیہ گو شاعر تھے، غزل بھی اچھی کہتے تھے اور خوش گو تھے۔ ابتدا میں مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ آخر عمر میں غزل گوئی ترک کر دی تھی۔

مشاعرے میں جانا موقوف کر دیا تھا۔ ترکِ مشاعرے کی کیفیت ایک صاحب بیان کرتے ہیں، کہ نواب سید صفدر حسین صاحب کے یہاں نہایت نفیس اور پاکیزہ صحبت مشاعرے کی ہوتی تھی، مشاعرے کی کوٹھی دلہن بنی ہوئی تھی، قدِ آدم آئینے لگے ہوئے تھے۔ لکھنؤ کے اساتذہ سخن سب جمع ہوتے تھے، مولوی علی میاں صاحب کامل، مولوی [illegible] صاحب خورشید، سید بندہ کاظم جاوید، سید عباس حسن فصاحت وغیرہ بات یہ تھی کہ نواب صاحب کا اخلاق سب کو کشاں کشاں محفل تک لیجاتا تھا، اور مراسم بھی کچھ ایسے تھے کہ کوئی شاعر ان سے عذر نہ کرتا تھا، اول تو نواب خود خاندانِ اجتہاد سے تھے، دوسرے رئیس سیر چشم، تیسرے ارتباط اور خلوص۔

اِس مشاعرے میں جناب رشید بھی جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ شریکِ مشاعرہ تھے کہ ایک نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ تشریف لائے اور جناب رشید کے قریب بیٹھے۔ آتے ہی سب سے پہلے آپ نے ٹوپی اُتار کر آگے رکھدی اور آپ ہشت پہلو ہو کر کسی قدر صف سے آگے بڑھے ہوئے بیٹھے۔ یہ امر جناب رشید کی تہذیب کے خلاف ہوا، طوعاً و کرہاً مشاعرے میں بیٹھے رہے۔

اور اسکے بعد سے کسی مشاعرے میں شریک نہ ہوئے۔

لوگوں نے سبب پوچھا، آپ نے کہا، آج کل کے زمانہ میں تہذیبِ مشاعرہ قائم نہیں رہی۔ غرض مشاعرے سے یہ ہوتی ہے کہ شعرا کی تہذیب، انکا ادب، انکا حفظ مراتب لوگوں کو آئے۔ اور اس سے لوگ مشاعرے میں آتے ہیں، اِس انگریزی زمانے نے ان سب کو مٹانا شروع کر دیا ہے، جو لوگ مشاعرے میں اپنی ٹوپی اُتار کر بیٹھتے ہیں، انکو دوسروں کی ٹوپی کی کیا عزت ہو سکتی ہے، جب مشاعرے کی غرض باقی نہ رہی تو اسمیں شریک ہونا بیکار ہے۔

ہم نے جناب رشید کو آخر عمر میں دیکھا اور بارہا اُنکی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا، آپکی تہذیب بہت اچھی تھی، اور سب سے زیادہ قابلِ تعریف انکی قناعت تھی۔

انکے انتقال کو آٹھ برس ہوئے۔

کہتے ہیں شبنم و گل عالمِ نیرنگ کا حال — کوئی ہنستا ہوا نکلا کوئی گریاں نکلا

خندۂ جام پہ ہر وقت نظر ہے میری — ساقی اس وجہ سے کہتا ہے خوش اوقات مجھے

شیشۂ دل کی طرح ہچکیاں آئیں اس وقت — یاد کرتے ہیں کہیں اہلِ خرابات مجھے

اُنکی آرائش بھی ہوتی ہے بموقع وقت کے — دن کو منہ دھو لیا گیسو سنوارے رات کو

لگ کے کان سُنے کون التجا میری — درِ قبول کے قابل نہیں دعا میری

جام چلنے کو ہے سب اہلِ نظر بیٹھے ہیں — آنکھ ساقی نہ چرانا ہم اِدھر بیٹھے ہیں

ایک مدت کا ہے قصہ کسی جانب تھا دل — اب نہیں یاد یہ پہلو ہے کہ وہ پہلو ہے

مجھکو منظور ہے مرنے پہ سبکباری ہو — اور احباب کو ہے فکر کفن بھاری ہو

کہتا ہے ہاتھ اُٹھا کر سوئے شجر یہ گلچیں — کیوں بدنصیب تو نے پھر آشیاں بنایا

حمید - سید باقر صاحب لکھنوی برادر رشید مرحوم - نہایت خلیق باوضع تھے - سلیم المذاق شاعر تھے - اکثر مشاعروں میں تشریف لاتے تھے - تخمیناً چھ برس ہوئے انتقال فرمایا -

پوچھنا چھوڑ دیا راہ گلی میں بھی مزاج | جان کر دوستوں نے مورد آفات مجھے
کسی موسم میں نہیں ہوتا ہے رونا موقوف | آپ کے ہجر میں ہر فصل ہے برسات مجھے
دیکھتا ہوں کہ شکستہ ہیں مزار احباب | دے رہی ہے خبر انجام کی ہر بات مجھے
لب ساغر پہ نہ بھولے سے ہنسی آئیگی | روئینگے بعد مرے اہل خرابات مجھے

بیٹھے ہیں لے کے جا میں ہم میان کوے دوست | روح تازہ ہو رہی ہے آرہی ہے بوے دوست
ایک میری قبر تھی اب ہیں ہزاروں بستیاں | ہو گئی آباد کیا جلدی زمین کوے دوست

حکیم حامد علی خان صاحب بیرسٹر ایٹ لا لکھنوی: - نہایت خلیق ملنسار بہت متواضع تھے - اور جب کبھی ملاقات ہوتی تھی نہایت خلوص سے پیش آتے تھے -

ایک مرتبہ چوک سے تانگہ پر کہیں جا رہے تھے، مجھے دیکھا اور سلام علیک کے بعد تانگہ رکوا کر مصافحہ کیا، معانقہ کیا، اور شکایت کی کہ بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی، کبھی کبھی تو آیا کرو -

یہ عجیب بات تھی کہ سلام میں ہمیشہ انہیں کو سبقت رہتی تھی ہمکو ہمیشہ یہ حسرت رہی کہ ایک دفعہ تو پہلے ہم انکو سلام کر لیتے -

ہمیشہ بہت انکسار کے بعد اپنا کلام سناتے تھے انتقال کو چھ برس ہوئے

جو چیز ہوئی خلق نہیں عیب سے خالی | کیا داغ جگر میں مہ کامل نہیں رکھتا
ملتا ہے ترے قلزم رحمت سے یہ جاکر | اشکوں کا وہ دریا کہ ساحل نہیں رکھتا

خاک سے میری چمن کو رنگ حاصل ہوا | غنچے چٹکے بھی نہ تھے بوٹے فنا دینے لگے

تم سلامت ہو اٹھی میری کس دھوم سے لاش | گر نہ آتے تو یہ رونق نہ یہ ساماں ہوتا

یہ وہی سخندان کامل تہ زمین دفن ہیں جو کبھی ہمارے جلیس تھے - ان میں سے بعضوں اور خدا جانے اس تیس برس میں ایسے ایسے کتنے نامورانِ سخن پیوند خاک ہو گئے، جنکو ہم روزانہ دیکھتے تھے لیکن اب نام تک یاد نہیں آتا -

اس مضمون کو ابھی ناتمام سمجھئے یعنی بہت سے احباب ابھی ایسے زیر زمین ہیں جنکا کلام ہم نے انکی زبان سے سنا ہے اور وہ ہمکو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرماتے تھے -

تو ایسا سمجھنا چاہئے کہ اس مرثیہ کا پہلا بند ختم ہو گیا اور دوسرا بند سننے کے لئے مستعد ہو کر انتظار فرمائیے

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

نغمۂ عشرت

از جناب خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی

وسط سینے سے اگر تیر ستمگر نکلا | ساتھ اپنے دل مجروح کو لیکر نکلا
آپ کا ناز تو غمزے سے بھی بڑھکر نکلا | ایک سے ایک سوا تیر سے خنجر نکلا
دیر و کعبہ میں وہی مہر منور نکلا | ایک ہی نور سے معمور ہر اک گھر نکلا
بیوفاؤں کی محبت میں کٹی عمر اپنی | دل جسے نذر کیا ہم نے ستمگر نکلا
قہر ہے فرقت ساقی مجھے اس موسم میں | فصل گل میں نہ شراب آئی نہ ساغر نکلا
کس لئے طور پہ لے نور تجلی جاؤں | دل سمجھتا تھا جسے میں وہ ترا گھر نکلا
اسکو کہتے ہیں وفا ساتھ مرا دل بھی چلا | ڈوب کر سینے سے جب آپکا خنجر نکلا
کنج عزلت میں بسر ہوگئی عنقا کی طرح | ہم تو کیا نام ہمارا بھی نہ باہر نکلا
حسن والوں کو گدائی بھی فلک دیتا ہے | رات کو لے کے پیالہ مہ انور نکلا
کون دل بحر محبت میں الٰہی ڈوبا | ڈھونڈھنے کو جسے ہر موج کا لشکر نکلا
کیوں گرایا مجھے اہل وطن نظروں سے | کیا خطا تھی جو قدم شہر سے باہر نکلا
حسن قسمت سے ہوئی قدر نہ انکی عشرت | کوئی دنیا میں اگر صاحب جوہر نکلا

لسان الملک حضرت ریاض کی غزل

اُنکے قلم کی لکھی ہوئی

یہ سن کے آج جشن ہے وہ بات بھی تو ہو
ہنس کر کہا کہ ذکر ہے کہیں رات بھی تو ہو

ہم لیں بلائیں زلف کی وہ رات بھی تو ہو
آئی مزے کی رت کہیں برسات بھی تو ہو

گزرے یونہی ہیں توبہ کے دن کچھ پیو پلاؤ
ساقی ذرا تلافیٔ مافات بھی تو ہو

اظہار آرزو کوئی ایسی خطا نہ تھی
کیوں تیوریاں چڑھی ہیں کوئی بات بھی تو ہو

ہم جا کے سر جھکائیں وہاں جام کی طرح
پیر مغاں سا قبلۂ حاجات بھی تو ہو

پاپوش ان حسینوں کی آتی ہے میرے گھر
ان کی نظر میں کچھ مری اوقات بھی تو ہو

بیعت کو سوئے شیخ بڑھینگے ہزار ہاتھ
حضرت سے کچھ ظہور کرامات بھی تو ہو

کہنے کو اٹھ رہیگی ستمگر سے کون بات
محشر کے روز مجھ سے ملاقات بھی تو ہو

بنت عنب بچھائیگی دامن پئے نماز
زاہد مرید پیر خرابات بھی تو ہو

ہم میکدے کو چھوڑ کے کعبے کی ہو رہیں
کعبے میں اس طرح کی مدارات بھی تو ہو

تم کو ریاض جانتی ہیں خوب یہ حسیں
جتنے ہو نیک اتنی ہی بد ذات بھی تو ہو

جناب مولانا نیاز فتحپوری اڈیٹر "نگار" بھوپال

کی

ایک فارسی غزل

جو خود اُنکے قلم کی لکھی ہوئی ہے

دلم را با تو چشم دوست آخر آشنا کردم فسونت را ولے بشنیدم و بازش مبتلا کردم

زحال دل ہمہ رفتست از یادم کنوں حیرانم کہ چیزے بود و آنرا از فرط شوق ادا کردم

چہ پرسی از ہجوم آرزوہای من بیکس سوے من ہر نگاہت را کہ نامد مدعا کردم

جہاں دل محو سازد یاد آں یک شب کہ در خلوت نگاہش با من و من با نگاہش ماجرا کردم

لبش جنبید از جوش تبسم وقت ذبح من تپش را من چرا وقف خیال مرحبا کردم

عزیزاں حیلہ می جویند بہر ترک چارہ سازیہا چہا کردم کہ من اظہار حسنش بر ملا کردم

نیاز اینجا دلم شد محو یاس و درد و وقف غم

شنیدم باشد اگر گوئی کہ ترک مدعا کردم

نیاز فتحپوری

۲۲ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء

فریبِ خیال

(افسانہ)

(از حضرت نیاز فتحپوری اڈیٹر نگار بھوپال)

(خاص مرقع کے لئے)

یہ فسانہ جناب نیاز نے فروری مین خاص مرقع کیلئے لکھنا شروع کیا تھا جسکا ایک حصہ فروری کے مرقع مین شائع بھی ہو چکا ہے فروری کے نگار مین بھی جناب نیاز نے یہی افسانہ کچھ ترمیم کیساتھ مرقع سے نقل فرمایا تھا اب وہ فسانہ باوجود پریشانیون کے میرے اصرار سے کسی نہ کسی طرح جناب نیاز نے ختم کیا ہے جسکے لیے مین اُنکا بیحد ممنون ہون اپریل کے نگار مین اسی فسانہ کا کچھ حصہ شائع ہو رہا ہے میرا ارادہ تھا کہ جو حصہ فسانہ کا فروری مین شائع ہو چکا ہے اسکے بعد سے بقیہ حصہ شائع کرون لیکن ایک تو یہ کہ مارچ مین فسانہ شائع نہ ہوسکا سلسلہ ٹوٹ گیا دوسری فروری مین جو فسانہ مرقع مین شائع ہوا اوسمین کچھ ترمیم اضافہ کرکے نگار مین جناب نیاز نے شائع کیا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ پورا افسانہ شروع سے مرقع مین شائع کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو پورا لطف حاصل ہو فسانہ کا قلم بہت خفی ہے لیکن مجبوری سے ایسا کیا ہے جسکے لئے معافی کا خواہان ہون

رشید، کبھی متاملانہ قدمون کے ساتھ اور کبھی غصہ و برہمی کی تیز رفتار سے، برآمدگی کوئی سو مرتبہ پیمایش کر چکا ہوگا، لیکن اس کی سمجھ مین نہ آیا کہ کیا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ کرے تو کب تک اپنی بدمزہ و غیر مطمئن زندگی کی تلخیون کو برداشت کئے جائے ——

اس نے اپنی مٹھی کھول کر ایک پرچہ کاغذ کا نکالا اور دیکھنے لگا، دیکھا اور پھر تازہ برہمی کے ساتھ ٹہلنے لگا —— — —— ——

وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا، حال کی امیدون کے تجزیہ مین مصروف تھا اور اپنے مستقبل پر بھی ایک سرور آمیز نگاہ ڈالتا جاتا تھا۔ جسکی بیک گرونڈ (Back Grounds) ہکو لر نقش و نگار نظر آ رہی تھی

تھوڑی دیر بعد اُسنے پھر اُسی تحریر کو دیکھا اور اب اُس کے خیال نے الفاظ کی اور جذبات نے آواز کی صورت اختیار کر لی:—

”مین، کہ اس وقت علمی دنیا کی تمنائین میرے ساتھ وابستہ ہین۔ مین، کہ میرے قلم سے ہر ہر لفظ معیار ادب بنکر نکلتا ہے، اور ہان، وہی مین، کہ جس کے افکار دماغ اور زائیدہ ہاے خیال کا ایک ایک نقش لطیف مستقل آذر کدہ سمجھا جاتا ہے (وہ اپنی اس ادبیت سے متاثر ہوکر خود ہی تن گیا) کسقدر دردناک فیصلہ فطرت کا ہے کہ وہی مین، اپنی ازدواجی زندگی کے اعتبار سے اس شعبۂ حیات کے لحاظ سے جو آج مہذب دنیا مین تمام ذہنی و دماغی ترقیون کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے، اسقدر بدنصیب واقع ہوا! یہ تحریر، رشید کی بیوی کی! سواد تحریر ملاحظہ ہو، گویا بے اختیاری مین کچھ لکیرین کاغذ پر بن گئی ہین، حرفون کا جوڑ دیکھئے کسقدر مسلسل ہے، جیسے کوئی ہکلا رہا ہو۔ املا تو خیر کیا درست ہوگا۔ جب کہ اُن کے باپ کو بھی اس کا سلیقہ نہین اور نقرہ کو نارہ، منفج کو منجّس لکھنا اور بولنا انکا روزمرہ ہے مجھے کسقدر شرم آتی ہے جب کوئی دریافت کرتا ہے کہ آپکی شادی کہان ہوئی ہے، نہ کوئی دنیاوی جاہ و ثروت، نہ کوئی علمی قابلیت و شہرت، نہ کوئی ذاتی وجاہت و اہمیت۔ معمولی طبقہ کے لوگ اور معمولی انسانون کے درمیان نشو و نما پائے ہوئے جانور کیا سمجھ سکتے ہین کہ مین کیا چیز ہون اور دنیا مجھے کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔ سالِ گزشتہ جب مین اُن حضرت (خُسر) کو اسٹیشن پہونچانے گیا تو مین نے اسی خیال سے کہ خدا جانے کیا حماقت ان سے سرزد ہو جائے۔ افضال (رشید کا دوست) کو منع کیا تھا کہ اس کے اسٹیشن آنے کی ضرورت نہین لیکن

وہ نہین مانا۔ پھر کیا وہ وقت مین بھول سکتا ہون جب حضرت نے میرے اور افضال کے سامنے ہی ناول بیچنے والے کو بلایا اور اُس سے چار چار آنے مین "شہنشاہ عیاران" "میٹھی چھری" اور "بانکی ساقن" خرید کر کے کنکھیون سے ہملوگون کی طرف بھی دیکھا، گویا اپنے نزدیک بڑا زبردست سکہ اپنی قابلیت کا ہم پر جمارہے تھے۔ اور ادھر میرا شرم کے مارے یہ حال تھا کہ نگاہ اوپر نہ ہوتی تھی۔

والد مرحوم اپنی فراست و دانائی کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی فائق مرتبہ کیون نہ رکھتے ہون، لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ نبض شناسِ فطرت نہ تھے اور انھون نے میری شادی کے مسئلہ مین اسقدر استبداد سے کام لیا کہ دنیا کا کوئی حساس دماغ اسکو برداشت نہین کرسکتا۔ ہرچند جسوقت انھون نے میری شادی کی مین طالبعلم تھا اور اُن کے ہاتھ مین صرف ایک بندۂ بیچارہ کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن وہ یہ تو سمجھ سکتے تھے کہ میری دماغی افتاد کیا ہے اور مین کیونکر ایک جاہل عورت کے ساتھ زندگی بسر کرسکتا ہون۔

ذرا طرزِ خطاب ملاحظہ ہو:-

"میرے سرتاج"

استغفر اللہ وہی دقیانوسیت، وہی ابتذال پیدا کرنیوالی بیہودگی، ہزار مرتبہ سمجھایا کہ مجھے کسی ایسے مکروہ لفظ سے مخاطب نہ کیا کرو، بلکہ بغیر کسی تمہید کے مطلب کی بات شروع کردیا کرو، لیکن وہ تو دماغ کی راہین قدرت کی طرف سے پیچیدہ بنکر آئی ہین، سمجھ مین کیونکر آسکتا ہے۔

"بیادۂ ہمہ وجوہت (وجوہ) خیریت ہے اور آپ کی خیریت خداوند (خداوند) کریم سے نیک خاہان (خواہان)"

اللہ تجھ خیریت چاہنے والی کو دنیا سے اٹھالے، یا پھر مجھی کو کہ دوبارہ یہ فقرے نظر سے نہ گزرسکین، اسی انداز تحریر پر میری خیریت چاہی جاتی ہے، زہر دیکر مزاج پرسی کی جاتی ہے۔ بار ہا کہا کہ تو خط نہ بھیجا کر لیکن اظہار محبت کی تکمیل بیچارا بغیر میری جان لئے کیونکر ہوسکتی ہے۔

"عرسے (عرصہ) سے آپ نے اپنی خیریت....."

پھر وہی خیریت، صد شکر یہ تانا معقول، جاہل، بدتمیز۔

"سے اتلا (اطلاع) نہین دی، دلکو بہت فکر ہے"

بجا ہے، درست ہے، یہ بھداد ماغ اور فکر، کمبخت اگر تجھ مین حس ہوتی تو کب کی فکر کے مارے مر چکی ہوتی، لیکن ایسے بے غیرتون اور بے شرمون کو فکر، تردد اور تاثر سے کیا واسطہ۔ جانور ہین، جانور! کمارہے ہین، جی رہے ہین۔

"مین جانتی ہون کہ آپ کو مجھ سے کبھی محبت نہین ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ مین جاہل ہون اور کسی طرح آپ کی بیوی بننے کے قابل نہین ہون، لیکن کچھ ہو میری محبت تو کم نہین ہوسکتی کیونکہ وہ تو میرا دین ایمان ہے، خدا کے لئے کبھی کبھی تو اپنا حال لکھ دیا کیجئے، میری خاطر نہین، سعیدہ کی خاطر سے کہ بآز (بعض) وقاز (دفعہ) وہ آپ کو یاد کرکے رو دیتی ہے"

خدا جانے یہ جملہ کیونکر ایسا مربوط ہوگیا، مگر چلتے چلاتے بآز اور وقاز کے دو چرکے، بالنو، لگا ہی گئین ہان، یہ سعیدہ ہی کا خیال ہے جو اس وقت تک مجھے روکے ہوئے ہے، ورنہ خدا جانے مین کب کا آزاد ہوچکا ہوتا، غضب تو یہی ہے کہ ایک نااہل اور جاہل مان کی تربیت اس کے مستقبل کو بھی تباہ کر رہی ہے اور میرے لئے اس مین بھی عار ہے کہ مین اس کو اپنی بیٹی کہون ——————"

رشید کا غصہ، دفعتہ پھر بڑھ جاتا ہے اور اس تحریر کے پرزے پرزے کر کے

منتشر کر دیتا ہے۔ تھوڑی دیر تک پھر ٹہلتا ہے، لیکن اس مرتبہ اُس کے
چہرے سے خاص قسم کی مسرت ٹپکتی ہے، رفتار میں بھی بجائے اضطراب
کے سکون ہے، اور چہرہ پر غصہ کے بھیانک نقوش کی جگہ لطف و نشاط
کے خطوط نمایاں ہیں۔ وہ جیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام
کرسی پر جھککر پہلے لفافہ کو دیر تک دیکھتا ہے:-

"انگریزی" کا خط اور ایسا خوبصورت، اس درجہ
لبریز صنعت! لفافہ کا رنگ تو دیکھئے، حُسنِ ذوق کی آخری
حد ہے۔

پھر لفافہ کے اندر سے اُسی کے ہمرنگ ایک کاغذ نکالتا ہے اور پڑھنے
لگتا ہے:-

"رشید"

اس کو کہتے ہیں ذوقِ لطافت، ادبی نزاکت، حسنِ معنیٰ کہ
صرف نقطے لگا کر کس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے
کہ ہر چند تم ہو تو "میرے" ہی لیکن میں تم کو ایسا لکھ نہیں سکتی
یہی ہے وہ شاعرانہ لہجہ اور یہی ہے وہ قیامت نما ادا جس کو

پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں

سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔
میں یہ کب تک لکھے جاؤں کہ زندہ ہوں بغیرتی
اور اسپر یہ اصرار! خدا کے لئے اس احساس کو
میرے اندر قوی نہ ہونے دیجئے، کیونکہ زندگی نام
ہے صرف بے حسی کا"

کیا طرزِ ادا ہے، کسقدر دلکش اسلوبِ بیان ہے، شوق
میں جان دیدینے کا مفہوم نہایت پامال بات ہے لیکن بیان اسکا
کہیں ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ مدعا وہی ہے۔
"آپ سے بار رہا عرض کیا کہ مجھے میرے حال پر

چھوڑ دیجئے، لیکن آپ نہیں مانتے،
کسی داغدار ہستی کی دلبری اگر نمک پاشی
نہیں، تو اُس کی مترادف ضرور ہے،"
سبحان اللہ، نمک پاشی سے اعراض کرکے خندہ زنی کہنا
جو شاعری کی زبان میں عین نمک پاشی ہے، کسقدر بلیغ
انشا ہے۔ مترادف! ظالم کا مبلغِ علم تو دیکھئے،
عام لوگوں کی طرح مرادف نہیں لکھا، بلکہ مترادف
لکھا جسکو خواص ہی لکھ سکتے ہیں۔
"آپ تفصیل دریافت فرماتے ہیں؟
اچھا تو سنئے، شبِ گزشتہ جو میری اور
سوگوار راتوں سے کم تاریک نہ تھی
اس تفصیل کے اجمال کو یوں ظاہر کر سکی
ہوں:-

کیا ہو گیا نسیم کو پھر یہ خبر نہیں
اک چیخ تو سنی تھی دمِ انتہائے شب

کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہیں؟
اگر یہی خواہش ہے تو اُس وقت کا انتظار
کیجئے (جو غالباً دور نہیں ہے) جب میرے
لبوں پر ہمیشہ کے لئے مہر سکوت ثبت
ہو چکی ہو گی، کہ اس کے بیان کے لئے
ایسے ہی سکونِ مطلق کی ضرورت ہے۔
اسی زمین میں ایک خیال اور نظم ہو گیا تھا،
جس کا مفہوم اب میرے ذہن میں بھی نہیں ہے
دامانِ صبح پر نظر آتا تو ہے مجھے
ہاں، ایک داغِ بے اثریِ دعائے شب"

پہلا شعر کس قیامت کا ہے اور کس درجہ میر کا رنگ لئے ہوئے ہے، دوسرا شعر بالکل مومن کا معلوم ہوتا ہے - آفتاب کو دامنِ صبح کا ایک داغ کہکر دعاے شب کی بے اثری کے اثر کو ثابت کرنا کسقدر بلیغ اندازِ بیان ہے - مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر شبِ ہجر کی صبح ہوئی بھی تو کیا، جب کہ ایک مہجور کا دن بھی دعذار ہوتا ہے، لیکن اس کو بیان کیا اس انداز سے کہ رات کی دعائین خواہ کتنی ہی بے اثر رہی ہون - لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت مین دامانِ صبح پر ایک دھبہ چھوڑ گئی ہین پھر اس کے ساتھ ضمناً التہابِ عشق کا اظہار جس حسن کے ساتھ ہوگیا، وہ ایک جداگانہ لطف ہے -

"خیر یہ باتین نہ کہنے کی ہین، نہ سننے کی، وقت آجائے تو صرف دیکھنے کی ہین - چھوڑئے ان قصون کو - اب یہ بتائے کہ آپ کا ڈرامہ "ظلمت و نور" کب تک مکمل ہو کر شائع ہو جائے گا - آپ نے بڑا ظلم کیا کہ اس کے ناقص اجزاء بھیج کر مجھے بیتاب بنا دیا، ہرچند یہ حقیقت ہے کہ آپ کے خیالات سے پورا لطف اٹھانے کی اہلیت مجھ مین نہین ہے لیکن اپنی قابلیت کے لحاظ سے جو کچھ مین آپ کی تحریرون سے سمجھ لیتی ہون وہ بھی سر دھننے کے لئے کافی ہے مین نہین سمجھ سکتی کہ ایک انسان کیونکر الفاظ پر ایسی زبردست قدرت حاصل کر سکتا ہے اور اس درجہ بلند خیالات کی بارش مسلسل و متواتر کس طرح ہو سکتی ہے -

آپنے شیطان کا کیرکٹر پیش کر کے فی الحقیقت اُس تصورِ انسانی کو بیدار کرنا چاہا ہے، جس کے وجود کو علم بھی ابھی تک لوگون کو نہین ہے - حیرت کرتی ہون کہ کتنے آدمی اس کے سمجھنے والے آپ کو مل سکین گے - مگر آرٹ ان باتون سے بے نیاز ہے، صنعت کسی اعتراف کی محتاج نہین - گلاب کا پھول جنگل کی جھاڑیون مین بھی وہی صنعتِ رنگ و بو ہے، خواہ نگاہِ انسانی اُس تک پہونچے یا نہ پہونچے، معاف کیجئے، مین نے بہت سمع خراشی کی اب اجازت دیجئے کہ اس تحریر کو ختم کر دون -

نسیم

نسیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گہرا اثر دل پر چھوڑ جاتا ہے - حیرت ہے کہ کس فضا مین اس کی تربیت ہوئی ہے اور اسقدر بلند خیالات اس کے دماغ مین پیدا ہونے کا کیا سبب ہے، پھر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود اتنے عرصہ سے خط و کتابت ہونے اور باوصف اس حقیقت کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، آج تک ایک لفظ بھی بے تکلفی یا بے اختیاری کا اس کے قلم سے نہین نکلا -

کتنی بار دبی زبان سے اُسنے یہ بھی خواہش کی مین کلکتہ جاکر اُس سے ملون، لیکن اس کمبخت کاروبار سے فرصت ہی نہین ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ مین خود بھی

فریبِ خیال

(افسانہ)

(از حضرت نیاز فتحپوری اڈیٹر نگار بھوپال)

(خاص مرقع کے لئے)

یہ فسانہ جناب نیاز نے فروری مین خاص مرقع کیلئے لکھنا شروع کیا تھا جسکا ایک حصہ فروری کے مرقع مین شائع بھی ہو چکا ہے فروری کے نگار مین بھی جناب نیاز نے بھی افسانہ کچھ ترمیم کیساتھ مرقع سے نقل فرمایا تھا۔ اب وہ فسانہ باوجود پریشانیون کے میرے اصرار سے کسی نہ کسی طرح جناب نیاز نے ختم کیا ہے جسکے لیے مین اُنکا بیحد ممنون ہون۔ اپریل کے نگار مین اسی فسانہ کا کچھ حصہ شائع ہو رہا ہے میرا ارادہ تھا کہ جو حصہ فسانہ کا فروری مین شائع ہو چکا ہو اسکے بعد سے بقیہ حصہ شائع کرون لیکن ایک تو یہ کہ مارچ مین فسانہ شائع نہ ہو سکا سلسلہ ٹوٹ گیا دوسرے فروری مین جو فسانہ مرقع مین شائع ہوا اسمین کچھ ترمیم اضافہ کرکے نگار مین جناب نیاز نے شائع کیا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ پورا افسانہ شروع سے اس نمبر مین شائع کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو پورا لطف حاصل ہو فسانہ کا قدم بہت خفی ہو لیکن مجبوری سے ایسا کیا ہے جسکے لئے معافی کا خواستگار ہون

رشید، کبھی متاملانہ قدمون کے ساتھ اور کبھی غصہ و برہمی کی تیز رفتاری سے برآمدہ کی کوئی سو مرتبہ پیمایش کر چکا ہوگا، لیکن اس کی سمجھ مین نہ آیا کہ کیا فیصلہ کرے اور فیصلہ نہ کرے تو کب تک اپنی بدمزہ و غیر مطمئن زندگی کی تلخیون کو برداشت کئے جائے ——

اس نے اپنی مٹھی کھول کر ایک پرچہ کاغذ کا نکالا اور دیکھنے لگا، دیکھا اور پھر تازہ برہمی کے ساتھ ٹہلنے لگا —— ——

وہ اس وقت اپنی گزشتہ زندگی پر تنقید کر رہا تھا، حال کی امیدون کے تجزیہ مین مصروف تھا اور اپنے مستقبل پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈالتا جاتا تھا۔ جسکی بیک گرونڈ (Back Ground) ہکو کہ نقش و نگار نظر آ رہی تھی

تھوڑی دیر بعد اُسنے پھر اُسی تحریر کو دیکھا اور اب اُس کے خیال نے الفاظ کی اور جذبات نے آواز کی صورت اختیار کر لی ہے۔

"مین، کہ اس وقت علمی دنیا کی تمنائین میرے ساتھ وابستہ ہین۔ مین، کہ میرے قلم سے ہر ہر لفظ معیار ادب بنکر نکلتا ہے، اور ہان، وہی مین، کہ جس کے افکار دماغ اور زائیدہ اُسے خیال کا ایک ایک نقش لطیف مستقل آذرکدہ سمجھا جاتا ہے" (وہ اپنی اس ادبیت سے متاثر ہو کر خود ہی تن گیا) کسقدر دردناک فیصلہ فطرت کا ہے کہ وہی مین، اپنی ازدواجی زندگی کے اعتبار سے اس شعبۂ حیات کے لحاظ سے جو آج مہذب دنیا مین تمام ذہنی و دماغی ترقیون کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے، اسقدر بدنصیب واقع ہوا!

یہ تحریر، رشید کی بیوی کی! سواد تحریر ملاحظہ ہو گویا بے اختیاری مین کچھ لکیرین کاغذ پر بن گئی ہین، حرفون کا جوڑ دیکھئے کسقدر مسلسل ہے، جیسے کوئی ہکلا رہا ہو۔ املا تو خیر کیا درست ہوگا۔ جب کہ اُن کے باپ کو بھی اس کا سلیقہ نہین اور نعرہ کو نارہ، منجّم کو منجّس لکھنا اور بولنا انکا روزمرہ ہو مجھے کسقدر شرم آتی ہے جب کوئی دریافت کرتا ہے کہ آپکی شادی کہان ہوئی ہے، نہ کوئی دنیاوی جاہ و ثروت، نہ کوئی علمی قابلیت و شہرت، نہ کوئی ذاتی وجاہت و اہمیت۔ معمولی طبقہ کے لوگ اور معمولی انسانون کے درمیان نشو و نما پائے ہوئے جانور کیا سمجھ سکتے ہین کہ مین کیا چیز ہون اور دنیا مجھے کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔ سال گزشتہ جب مین اُن حضرت (خسر) کو اسٹیشن پہونچانے گیا تو مین نے اسی خیال سے کہ خدا جانے کیا حماقت ان سے سرزد ہو جائے۔ افضال (رشید کا دوست) کو منع کیا تھا کہ اس کے اسٹیشن آنے کی ضرورت نہین، لیکن

وہ نہین مانا۔ پھر کیا وہ وقت مین بھول سکتا ہون جب حضرت نے میرے اور افضال کے سامنے ہی ناول بیچنے والے کو بلایا اور اُس سے چار چار آنے مین "شہنشاہ عیاران" "میٹھی چھری" اور "بانکی ساقن" خرید کر کے کنکھیون سے ہم لوگون کی طرف بھی دیکھا، گویا اپنے نزدیک بڑا زبردست سکہ اپنی قابلیت کا ہم پر جما رہے تھے۔ اور ادھر میرا شرم کے مارے یہ حال تھا کہ نگاہ اوپر نہ ہوتی تھی۔

والد مرحوم اپنی فراست و دانائی کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی فائق مرتبہ کیون نہ رکھتے ہون، لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ نبض شناسِ فطرت نہ تھے اور انھون نے میری شادی کے مسئلہ مین اسقدر استبداد سے کام لیا کہ دنیا کا کوئی حساس دماغ اسکو برداشت نہین کرسکتا۔ ہر چند جسوقت انھون نے میری شادی کی مین طالبعلم تھا اور اُن کے ہاتھ مین صرف ایک بندۂ بیچارہ کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن وہ یہ تو سمجھ سکتے تھے کہ میری دماغی افتاد کیا ہے اور مین کیونکر ایک جاہل عورت کے ساتھ زندگی بسر کرسکتا ہون۔

ذرا طریقِ خطاب ملاحظہ ہو:۔

"میرے سر تاج"

استغفر اللہ، وہی دقیانوسیت، وہی امتلا پیدا کرنیوالی فرسودگی، ہزار مرتبہ سمجھایا کہ مجھے کسی ایسے مکروہ لفظ سے مخاطب نہ کیا کرو، بلکہ بغیر کسی تمہید کے مطلب کی بات شروع کردیا کرو، لیکن وہ تو دماغ کی راہین قدرت کی طرف سے پیچیدہ بنلوی گئی ہین، سمجھ مین کیونکر آسکتا ہے۔

"یہان ہمہ وجح (وجوہ) خیریت۔
ہے اور آپ کی خیریت خودآوند۔
(خداوند) کریم سے نیک خاہان (خواہان)"

اللہ تجھ خیریت چاہنے والی کو دنیا سے اٹھائے، یا پھر مجھی کو کہ دوبارہ یہ فقرے نظر سے نہ گزر سکین، اسی انداز تحریر پہ میری خیریت چاہی جاتی ہے، ز ہر دیگر مزاج پرسی کی جاتی ہے۔ بارہا کہا کہ تو خط نہ بھیجا کر لیکن اظہار محبت کی تکمیل بھلا بغیر میری جان لئے کیونکر ہوسکتی ہے۔

"عرسے (عرصہ) سے آپ نے اپنی خیریت......"

پھر وہی خیریت، ضد ٹھہری نا۔ نامعقول، جاہل، بدتمیز۔

"سے اتلا (اطلاع) نہین دی، دلکو بہت فکر ہے"

بجا ہے، درست ہے، یہ بھدا دماغ اور فکر، کمبخت اگر تجھ مین حس ہوتی تو کب کی فکر کے مارے مرچکی ہوتی، لیکن ایسے بے غیرتون اور بے شرمون کو فکر، تردد اور تاثر سے کیا واسطہ۔ جانور ہین، جانور! کہا رہے ہین، جی رہے ہین۔

"مین جانتی ہون کہ آپ کو مجھ سے کبھی محبت نہین ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ مین جاہل ہون اور کسی طرح آپ کی بیوی بننے کے قابل نہین ہون، لیکن کچھ ہو میری محبت تو کم نہین ہوسکتی کیونکہ وہ تو میرا دین ایمان ہے، خدا کے لئے کبھی کبھی تو اپنا حال لکھ دیا کیجئے، میری خاطر نہین، سعیدہ کی خاطر سے کہ بآز (بعض) وقا (دفعہ) وہ آپ کو یاد کرکے رو دیتی ہے"

خدا جانے یہ جملہ کیونکر ایسا مربوط ہوگیا، مگر چلتے چلاتے بآز اور دقا کے دو چرکے، بالو، لگا ہی گئین ہان، یہ سعیدہ ہی کا خیال ہے جو اس وقت تک مجھے روکے ہوئے ہے، ورنہ خدا جانے مین کب کا آزاد ہوچکا ہوتا، غضب تو یہی ہے کہ ایک نااہل اور جاہل ماں کی تربیت اس کے مستقبل کو بھی تباہ کر رہی ہے اور میرے لئے اس مین بھی عار ہے کہ مین اس کو اپنی بیٹی کہون ——————"

رشید کا غصہ، دفعتہ پھر بڑھ جاتا ہے اور اس تحریر کے پرزے پرزے کرکے

نشتر کر دیتا ہے۔ تھوڑی دیر تک پھر ٹہلتا ہے، لیکن اس مرتبہ اُس کے چہرے سے خاص قسم کی مسرت ٹپکتی ہے، رفتار میں بھی بجائے اضطراب کے سکون ہے، اور چہرہ پر غصہ کے بھیانک نقوش کی جگہ لطف و نشاط کے خطوط نمایاں ہیں۔ وہ جیب سے دوسرا خط نکالتا ہے اور آرام کرسی پر جھککر پہلے لفافہ کو دیر تک دیکھتا ہے :-

"انگریزی" کا خط اور ایسا خوبصورت، اس درجہ
لبریز صنعت!، لفافہ کا رنگ تو دیکھئے، حسن ذوق کی آخری
حد ہے۔

پھر لفافہ کے اندر سے اُسی کے ہمرنگ ایک کاغذ نکالتا ہے اور پڑھنے لگتا ہے :-

"رشید"

اس کو کہتے ہیں ذوق لطافت، ادبی نزاکت، حسن معنی کہ
حرف نقطے لگا کر کس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے
کہ ہر چند تم ہو تو "میرے" ہی لیکن میں تم کو ایسا لکھ نہیں سکتی
یہی ہے وہ شاعرانہ لہجہ اور یہی ہے وہ قیامت زا ادا جس کو
پُرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہیں
سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلا کا ذہن پایا ہے۔
میں یہ کب تک لکھے جاؤں کہ زندہ ہوں بے غیرتی
اور اسپر یہ اصرار! خدا کے لئے اس احساس کو
میرے اندر قوی نہ ہونے دیجئے، کیونکہ زندگی نام
ہے صرف بے حسی کا"

کیا طرز ادا ہے، کسقدر دلکش اسلوب بیان ہے شوق میں جان دیدینے کا مفہوم نہایت پامال بات ہے لیکن یہاں اسکا کہیں ذکر نہیں کیا گیا، حالانکہ مدعا وہی ہے۔

"آپ سے بارہا عرض کیا کہ مجھے میرے حال پر
چھوڑ دیجئے، لیکن آپ نہیں مانتے،
کسی داغدار ہستی کی دلبرسی اگر نمک پاشی
نہیں، تو اُس کی مترادف ضرور ہے"

سبحان اللہ، نمک پاشی سے اعراض کر کے خندہ زنی کہنا جو شاعری کی زبان میں عین نمک پاشی ہے، کسقدر بلیغ انشا ہے۔ مترادف!، ظالم کا مبلغ علم تو دیکھئے، عام لوگوں کی طرح مرادف نہیں لکھا، بلکہ مترادف لکھا جسکو خواص ہی لکھ سکتے ہیں۔

"آپ تفصیل دریافت فرماتے ہیں؟
اچھا تو سنئے، شب گزشتہ جو میری اور
سوگوار راتوں سے کم تاریک نہ تھی
اس تفصیل کے اجمال کو یوں ظاہر کرسکی
ہوں :-
کیا ہوگیا نسیم کو پھر یہ خبر نہیں
اک چیخ تو سنی تھی دم انتہائے شب
کیا اس سے زیادہ تفصیل آپ چاہتے ہیں؟
اگر یہی خواہش ہے تو اُس وقت کا انتظار
کیجئے (جو غالباً دور نہیں ہے) جب میرے
لبوں پر ہمیشہ کے لئے مہر سکوت ثبت
ہو چکی ہوگی، کہ اس کے بیان کے لئے
ایسے ہی سکون مطلق کی ضرورت ہے۔
اسی زمین میں ایک خیال اور نظم ہوگیا تھا،
جس کا مفہوم اب میرے ذہن میں بھی نہیں ہے
دامان صبح پر نظر آتا تو ہے مجھے
ہاں، ایک داغ بے اثری دعائے شب"

پہلا شعر کس قیامت کا ہے اور کسقدر رجہ میر کا رنگ لئے ہوئے ہے، دوسرا شعر بالکل مومن کا معلوم ہوتا ہے - آفتاب کو دامن صبح کا ایک داغ کہکر دعاے شب کی بے اثری کے اثر کو ثابت کرنا کسقدر بلیغ انداز بیان ہے - مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اگر شب ہجر کی صبح ہو ئی بھی تو کیا، جب کہ ایک مہجور کا دن بھی دغدار ہوتا ہے، لیکن اس کو بیان کیا اس انداز سے کہ رات کی دعائین خواہ کتنی ہی بے اثر رہی ہون - لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ آفتاب کی صورت مین دامان صبح پر ایک دھبہ چھوڑ گئی ہین پھر اس کے ساتھ ضمناً التہاب عشق کا اظہار جس حسن کے ساتھ ہوگیا، وہ ایک جداگانہ لطف ہے -

"خیر یہ باتین نہ کہنے کی ہین، نہ سننے کی، وقت آجائے تو صرف دیکھنے کی ہین - چھوڑئے ان قصون کو - اب یہ بتائے کہ آپ کا ڈرامہ "ظلمت و نور" کب تک مکمل ہو کر شائع ہو جائے گا - آپ نے بڑا ظلم کیا کہ اس کے ناقص اجزا بھیج کر مجھے بیتاب بنا دیا، ہرچند یہ حقیقت ہے کہ آپ کے خیالات سے پورا لطف اٹھانے کی اہلیت مجھ مین نہین ہے لیکن اپنی قابلیت کے لحاظ سے جو کچھ مین آپ کی تحریرون سے سمجھ لیتی ہون وہ بھی سر دھننے کے لئے کافی ہے مین نہین سمجھ سکتی کہ ایک انسان کیونکر الفاظ پر ایسی زبردست قدرت حاصل کر سکتا ہے اور اس درجہ بلند خیالات کی بارش مسلسل و متواتر کس طرح ہو سکتی ہے - آپنے شیطان کا کیرکٹر پیش کر کے فی الحقیقت اس تصور انسانی کو بیدار کرنا چاہا ہے، جس کے وجود کو علم بھی ابھی تک لوگون کو نہین ہے - حیرت کرتی ہون کہ کتنے آدمی اس کے سمجھنے والے آپ کو مل سکین گے - مگر آرٹ ان باتون سے بے نیاز ہے، صنعت کسی اعتراف کی محتاج نہین - گلاب کا پھول جنگل کی جھاڑیون مین بھی وہی صنعت رنگ و بو ہے، خواہ نگاہ انسانی اس تک پہونچے یا نہ پہونچے، معاف کیجئے، مین نے بہت سمع خراشی کی اب اجازت دیجئے کہ اس تحریر کو ختم کر دون -

نسیم

نسیم کا جو خط آتا ہے وہ تازہ اور زیادہ گہرا اثر دل پر چھوڑ جاتا ہے - حیرت ہے کہ کس فضا مین اس کی تربیت ہوئی ہے اور اسقدر بلند خیالات اس کے دماغ مین پیدا ہونے کا کیا سبب ہے، پھر سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ باوجود اتنے عرصہ سے خط و کتابت ہونے اور باوصف اس حقیقت کے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، آج تک ایک لفظ بھی بے تکلفی یا بے اختیاری کا اس کے قلم سے نہین نکلا -

کتنی بار دبی زبان سے اُسنے یہ بھی خواہش کی مین کلکتہ جا کر اُس سے ملون، لیکن اس کمبخت کاروبار سے فرصت ہی نہین ہوتی اور حقیقت تو یہ ہے کہ مین خود بھی

پس و پیش کرتا ہون کہ مبادا ملنے کے بعد وہ میری طرف سے اُن خیالات و توقعات کو واپس لیلے جو اس وقت تک تحریرون کے ذریعہ سے اس کے دل مین پیدا کرسکا ہون لیکن آخر اس کا نتیجہ کیا ہوگا، اس ڈرامہ کا اختتام کیا ہوسکتا ہے یا کیا ہونا چاہیئے ....،،

اس کا خیال اس حد تک پہونچا تھا کہ عباس آگیا اور اس نے آتے ہی رشید کی صورت دیکھ سمجھ لیا کہ آج پھر حضرت پر بحرانِ عشق طاری ہے ۔

—"کیون، کیا کوئی اور تازہ پرچہ موصول ہوا ہے ؟،،

—"مین یہ پوچھتا ہون کہ تم کسی وقت انسان بھی ہوتے ہو یا نہین، خدا کے لئے کبھی تو سنجیدہ بن جایا کرو، مین ہزار دفعہ کہہ چکا کہ معاملہ مذاق کی حد سے گزر گیا ہے اور اگر جلد مین نے کوئی فیصلہ نہ کیا تو ممکن ہے کوئی زیادہ قبیح صورت پیدا ہو جائے، لیکن تمھین تو دوسرے کی تکلیف سے صرف لطف اٹھانا آتا ہے، تم کیون کوئی صائب مشورہ دینے لگے،،

—"آپ ہین عقلمند، مین بیس دفعہ کہہ چکا کہ سعیدہ کی مان کو طلاق دو اور کلکتہ جاکر نسیم کو بیاہ لاؤ، اس سے زیادہ دل خوش کن مشورہ تمھارے لئے اور کیا ہوسکتا ہے؟"

—"وہ تو مین سمجھتا ہون کہ کوشش کے بعد بھی تم کبھی متانت اختیار نہین کرسکتے"

—"اچھا یہ منظور نہین تو نسیم سے خط و کتابت بند کرو، بیوی کو پاس بلاؤ اور وہ زندگی بسر کرو جو شریف خاندانون کا دستور ہے۔ اور ہان! ایک تیسری صورت بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ نہ ایک کو طلاق دو اور نہ دوسری سے شادی کرو، لیکن اُس کو مطلقہ کے حکم مین رکھو اور اِس کو منکوحہ کی شان سے ملو۔

—"اور ایک چوتھی صورت اور بھی تو ہے۔ کیا یہ ممکن نہین کہ صفیہ کو طلاق دئے بغیر نسیم سے نکاح کرلون ؟"

—"یہ صورت ناقابل عمل ہے، کیونکہ اوّل تو مجھے اسی مین کلام ہے کہ نسیم تم سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر خفا نہ ہو تو یون کہون کہ وہ تم سے محبت بھی کرتی ہو یا نہین، لیکن اگر بفرض محال وہ نکاح کے لئے راضی ہوئی بھی، تو اُس کی اولین شرط یہ ہوگی کہ صفیہ کو طلاق دو،،

—"ممکن ہے ایسی صورت پیش آئے، لیکن پہلے ہی سے اس پر یقین کر کے کیونکر راہِ عمل مقرر کی جاسکتی ہے۔

—"کیون دماغ خراب ہوا ہے؟ نسیم اور کسی سے شادی کرنے پر راضی ہو جائے! آپ تو خیر کیا چیز ہین، کہ آپ کا سارا کاروبار بھی اُس کے ایک حقیر ترین نازِ معشوقانہ کی قیمت نہین ٹھر سکتا یہ وہ بلا ہے بد ہے کہ فورڈ کے کارخانہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے، مین نے اُسے دیکھا نہین اور نہ مین اس کی حقیقت سے آگاہ ہون، لیکن صرف اس کی تحریرون سے مین نے یہ اندازہ کیا ہے کہ وہ دنیا مین کسی سے محبت نہین کرسکتی اور ہر اُس شخص سے اظہار الفت کیلئے آمادہ ہوسکتی ہے جس کے اندر کچھ بھی خون نچوڑنے کے لئے اُسے مل سکتا ہے۔

علاوہ اس کے میری سمجھ مین یہ بات نہین آتی کہ خود تم کو اپنے آپ سے اسقدر غلط فہمی کیون پیدا ہوگئی ہے۔ دنیا مین تین چیزین ہین جن کی طرف ایک عورت کو میلان ہوسکتا ہے اول حُسنِ صورت، سو وہ آپ کو قدرت سے ملا نہین، دوسرے دولت، وہ بھی تمھارے پاس نہین اگر لفظِ دولت کا صحیح مفہوم لیا جائے، رہی تیسری چیز قابلیت و شہرت، سو اس خصوصیت مین بھی بہت سے لوگ تم سے زیادہ نمایان و ممتاز نظر آتے ہین۔ خدا کے لئے اپنے ہا سے اپنی پاتون پر کلھاڑی نہ مارو، اور ان کو لکھدو کہ اگر محض شہرت واقتدار ہی پسند ہے تو براہ کرم مہاتما گاندھی سے شادی کی درخواست کرے"

—"اس سے زیادہ تحلیل و تجزیہ تمھارے اختیار سے باہر ہے۔ اس لئے تم نہین سمجھ سکتے کہ محبت ان تمام باتون سے بے نیاز ہے اور جس طرح

بسیار شیوہ ہاست بتان را کہ نام نیست

ایک مسلم حقیقت ہے، اسی طرح اس رمز سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ

عشق گاہے بے سبب ہم رخنہ در دل می کند

مین یہ نہین کہ سکتا کہ واقعی اس کو مجھ سے محبت ہے یا اگر محبت بھی ہے تو اُس کی نوعیت کیا ہے، لیکن یہ ضرور کہونگا کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کی زندگی کو نسیم اپنی معیت سے پر نور بنادے اور اسی خیال کے

ماتحت میری تمنا بھی یہی ہے ۔ اس کی تحریروں سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری طرف بہت مائل ہے جس کو میں سوائے خوش قسمتی کے اور کیا کہہ سکتا ہوں؟"

—"خیر خوش قسمتی یا بدقسمتی کا حال تو بعد کو معلوم ہوگا اور خدا نے چاہا تو وہ چیز جسے تم خوش بختی کہتے ہو، کمبختی ہی نکلے گی ۔ فی الحال رائے زنی بیکار ہے ۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ کس خاندان کی لڑکی ہے اور اس کی تعلیم کہاں اور کس حد تک ہوئی ہے؟"

—"یہ مجھے خود نہیں معلوم، پینے ٹو ایکسچینج کلب (Pen Exchange Club) کے شعبۂ ادبیات کا ممبر ہونے کے بعد فہرست میں اس نام کو دلچسپ دیکھ کر خط بھیجا اور اس کے جواب میں جو اسکی تحریر آئی تھی وہ تم بھی دیکھ چکے ہو اور اُس غزل کی بھی بے انتہا تعریف کر چکے ہو جس کا یہ شعر تمہارے نزدیک غیر فانی ہے ۔

مرا کیا ذکر ہے، تم آنکھ بھر کر دیکھ لو جس کو
وہی دنیا سے کھو جائے، وہی دیوانہ ہو جائے

پھر رفتہ رفتہ نوبت اس حد تک پہونچ گئی کہ تم کو لکھ دینے کی ضرورت محسوس ہونے لگی ۔ میں نے ایک مرتبہ....." رشید کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ ڈاکیہ نے لاکر چند خطوط دئے، جن میں سب سے پہلے رشید نے یہ کہتے ہوئے کہ "لیجئے ایک اور خط نکل آیا" ایک بڑے لفافہ کو چاک کیا، جس میں تحریر تو نہایت مختصر تھی کہ :۔

"میں میوزک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لکھنؤ آرہی ہوں"

لیکن اسی کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی جس کے نیچے یہ تحریر درج تھی :۔

"تاکہ آپ مجھے پہچان لیں — نسیم"

رشید دیر تک تصویر کو دیکھتا رہا اور پھر عباس کے حوالہ کر کے خود سر پکڑ کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کوئی بڑی سخت مصیبت اس پر نازل ہوئی ہو ۔

اس وقت تک رشید کی جو کچھ گرویدگی نسیم کے ساتھ تھی اس کا بڑا سبب صرف یہ تھا کہ نسیم نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ ادب کا صحیح ذوق رکھنے والی ثابت ہوئی تھی اور شاید ایک ہلکا سا تعلق اس فلسفہ سے بھی تھا کہ ابتک وہ نگاہوں سے دور تھی ۔ لیکن اب جو تصویر اسنے دیکھی تو اس کی گرویدگی دفعتہً محبت میں تبدیل ہو گئی اور پس و پیش کا وہ عالم کہ اسے کیا کرنا چاہیے دفعتہً دور ہو گیا اور اُس کے دیکھتے ہی اُسنے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر حقیقی مدعائے زندگی کا ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ نسیم کو شریک زندگی بنا لیا جائے ۔

ایک سرو قامت، زیادہ سے زیادہ ۱۸ سال کی لڑکی، بنگال کی نشیلی آنکھیں، خد و خال نہایت ذہین، ریشمی ساری میں نہایت خوش وضعی کے ساتھ لپٹی ہوئی ۔ یہ تھا مجموعہ تصویر کے سیاہ و سفید خطوط کے امتزاج و اختلاط کا ۔ ہر چند بہ حیثیت مجموعی اُس میں کوئی ایسی ندرت نہ پائی جاتی تھی جو صاحب تصویر کے غیر معمولی حسن کی شہادت میں پیش کی جا سکے، لیکن رشید چونکہ پہلے ہی سے بڑی حد تک مغلوب ہو چکا تھا اور اب تصویر کے جا بجا ہلکے سایوں نے جنکو مشاق مصور کی جنبش نے پیدا کیا تھا، اُس کے صنعت پسند دماغ کو اور زیادہ متاثر بنا دیا تھا، اس لئے وہ دیکھتے ہی سر بسجود ہو گیا اور دفعتہً اسکے دماغ میں اسقدر کثیر خیالات و جذبات کا ہجوم پیدا ہوا کہ اس کا سر چکرانے لگا اور تھوڑی دیر کے لئے وہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ وہ اس آسمانی سے علیحدہ کسی اور جگہ پھینک دیا گیا ہے جہاں انسان خواب و بیداری کے درمیان ایک سکر کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے

ہر چند رشید، تعلیم کے لحاظ سے کسی خصوصیت کا مالک نہ تھا، لیکن اپنی فطرت و ذہنیت کے اعتبار سے یقیناً وہ عام سطح انسانی سے کسی قدر بلند واقع ہوا تھا ۔ وہ ایک شریف مگر معمولی خاندان کا شخص تھا جس میں تعلیم کا رواج زیادہ نہ تھا، لیکن چونکہ یہ قدرت کی طرف سے ذہین دماغ لیکر آیا تھا، اس لئے اسنے خود اپنی کوشش و کاوش سے عربی فارسی کی ضروری تعلیم کے ساتھ انگریزی بھی حاصل کی اور پھر مطالعہ سے اُسنے اپنی قابلیت میں کافی اضافہ کر لیا ۔ لوگوں کا خیال ہے اور ایک حد تک غلط بھی نہیں کہ شروع ہی سے اُس کا میلان طبع افرنجیت کی طرف زیادہ تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی معیشت و معاشرت نے بالکل انگریزی اصول اختیار کر لئے اور وہ یورپ کی ہر ادا کو نگاہ پسندیدگی سے دیکھنے لگا ۔ اس کی شادی خاندان ہی میں چچا کی لڑکی سے ابتدائی عمر میں ہو گئی تھی اور چونکہ شادی کے بعد بھی عرصہ تک اس کے ذوق میں کوئی خاص انقلاب پیدا نہ ہوا تھا، اس لئے وہ بھی اس زمانہ تک اس تعلق سے مطمئن رہا، لیکن جب رفتہ رفتہ انگریزی اثر نے اس کے دل و دماغ پر قابو حاصل کر لیا تو اُس کو صفیہ سے نفرت ہونے لگی اور اس کے بعد اسنے شاعری، ادب نگاری

اور تصنیف و تالیف کے سلسلہ مین ملک کے اندر کچھ شہرت حاصل کرلی، تو اس نفرت مین اور اضافہ ہوگیا، کیونکہ اگر پہلا اسکو صفیہ سے اس لئے بیزاری تھی کہ اُسے جدید طرز سے خوشنما ساری باندھنا نہین آتا، وہ اپنے بالون کو مختلف انداز سے سنوارنا نہین جانتی، وہ زینت اور آرائش کے جدید اصول سے ناواقف ہے، اس کی رفتار و گفتار مین کوئی لوچ نہین ہے، پردہ کی شدت سے پابند ہے، تو اب اسمین ان الزامات کا بھی اضافہ ہوگیا تھا کہ وہ اسکے مضامین نہین سمجھ سکتی، وہ اسکی ادبی شہرت کی اہمیت کا اندازہ نہین کرسکتی اور اسکے کہے ہوئے شعرون مین کسی معمولی شعر تک بھی اسکے ذہن کی رسائی نہین ہے

صفیہ قدرتاً ذہین تھی اور اسمین کلام نہین کہ اگر اُسکی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا تو آسانی سے رشید اسکو اپنے ذوق کا بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ وہ حد درجہ سرعت پسند تھا اور چاہتا تھا کہ ایک ہی دن مین اسکے اندر انقلاب پیدا ہو جائے، اس لئے مہینہ دو مہینہ تک یہ کوشش کرنیکے بعد وہ مایوس ہوگیا اور اُسنے فیصلہ کرلیا کہ اس بیکار صرف دماغ سے کہین یہ اچھا ہے کہ صفیہ کو اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا اور رفتہ رفتہ اسکی بیگانگی نے نفرت و بیزاری کی صورت اختیار کرلی ہفتون ہو جاتے تھے اور وہ مردانہ نشست سے اٹھکر گھر کے اندر نہین جاتا تھا اور اگر کبھی وطن سے باہر چلا گیا تو مہینون اسنے یہ بھی نہین پوچھا کہ صفیہ مرتی ہے، یا جیتی ہے۔ چونکہ رشید کی ماں زندہ تھی اسلئے وہ اپنی بہو اور پوتی کو سنبھالے ہوئے بیٹھی تھی، ورنہ رشید نے اپنے طرزِ عمل سے کوئی دقیقہ اپنے آپ کو بداخلاق ثابت کرنے مین نہ اٹھا رکھا تھا۔

اسی طرح اسنے کئی سال وطن مین بسر کئے، لیکن اتفاق سے کاروبار کی ضرورتون نے اسے کسی دوسری جگہ چلے جانے پر مجبور کر دیا اور وہ سب کو خیر باد کہکر اور اپنے خیال مین ہمیشہ کیلئے قطع تعلق کر کے لکھنؤ چلا آیا۔

رشید اسقدر معمولی شکل و صورت کا انسان تھا کہ زیادہ سے زیادہ اُسے صرف "بے عیب" کہہ سکتے تھے، لیکن فطرت نے اس کمی کو اسطرح پورا کر دیا کہ دماغ غیر معمولی دیدیا اور زبان و قلم مین خاص قوت ودیعت کر دی یہی اصل راز اسکی کامیابی کا تھا اور اسی نے اسکی بہت سی خلاقی برائیون پر پردہ ڈال رکھا تھا چونکہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے وہ اپنے آپکو بدنصیب جانتا تھا، اسلئے منجملہ بہت سی آرزون کے جنکی تکمیل کیلئے وہ ہر وقت بیتاب رہا کرتا تھا، اُسکی ایک آرزو یہ بھی تھی کہ کوئی نہایت شایستہ و تعلیم یافتہ عورت اسکو ملجائے، لیکن وہ ہنوز اسمین کامیاب نہ ہوا تھا۔ اب تسیم کیساتھ خط و کتابت کرنے اور اُسکی تصویر دیکھ لینے کے بعد البتہ اسکو یقین ہوگیا کہ شاید تکمیلِ آرزو کی ساعت آگئی ہے اور اسلئے یہ معلوم کر کے کہ وہ لکھنؤ آرہی ہے، اُسنے اپنی نئی زندگی کی ساری اسکیم بھی مرتب کرلی اور تسیم کی پذیرائی کے لئے طیاریون مین مصروف ہوگیا۔

(۲)

تسیم کو کلکتہ سے آئے ہوئے چار دن ہوچکے ہین اور رشید کا مکان کاشانۂ حسن بنا ہوا جگمگا رہا ہے میوزک کانفرنس کے جلسون مین باقاعدہ سب کی شرکت ہو رہی ہے، اور منجملہ دیگر حیرت انگیز انکشافات کے یہ حقیقت بھی رشید پر ظاہر ہوگئی ہے کہ تسیم مین جہان اور صفات تکمیلِ نسائیت کی پائی جاتی ہین وہین ایک صفت یہ بھی موجود ہے کہ موسیقی سے اچھی طرح واقف ہے اور ستار نہایت اچھا بجاتی ہے۔ چونکہ رشید خود بھی فطرتاً موسیقی کا دلدادہ تھا اسلئے اس علم نے اسکے جذبات کو تسیم کے حضور مین یکسر نیاز و عبودیت بنا دیا اور اسکی بیقراریان اس حد سے گزر گئین کہ ان مین کوئی اور اضافہ ہوسکتا۔

جس حد تک سطح و خطوط، تناسب و نقوش کا تعلق ہے، تسیم ایک معمولی عورت تھی، لیکن چونکہ عورت نام جلد و رنگ کا نہین بلکہ اس فن دلربائی کا ہے جو اسکی نسائی خصوصیات کو نہایت دلفریب رنگ مین پیش کرتا ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ تسیم بہت مکمل عورت تھی۔

وہ اسکی پاکیزہ معاشرت، وہ فن تزئین و آرائش مین اسکی غیر معمولی مہارت، وہ رفتار و گفتار مین اسکی صناعانہ تکمیل، وہ موقع محل کے لحاظ سے اسکا صرف تبسم، وہ بیحجابی کے ساتھ ساتھ اسکا سکوتِ انفعال، وہ عنفوانِ شباب کی تمام توانائیون کے ساتھ اسکا یکسر نزاکت بنا نظر آنا، وہ اسکا علم مجلس کے تمام رموز و نکات سے باخبر ہونا اور وہ اُسکا تہذیب و متانت کیساتھ علمی و ادبی صحبتون مین ایک صاحبِ بصیرت انسان کیطرح حصہ لینا۔ یہ تمام باتین اسقدر حسن کیساتھ تسیم مین جمع تھین کہ مشکل سے کوئی شخص اسکو دیکھنے کے بعد اپنی جان سلامت لیجا سکتا تھا، چہ جائیکہ رشید، جسکی روح ایمن سے ایک ایک وا کیلئے مدتون سے گرسنہ چلی آرہی تھی۔ اُسنے جو قریب سے اس تمام کاروبار "برق و مقناطیس" کا مطالعہ کیا تو اسکی حالت بالکل وہی ہوگئی جسکو غالب نے "جلوہ ریزی باد کے سامنے پرفشانی شمع" سے تعبیر کیا ہے۔ یا بیدل کے الفاظ مین شمع کے سامنے جو "نیمہ داغ و نیمہ خاکستر" حالت پروانہ کی ہوتی ہے۔

ایک رات مختصر صحبت قایم تھی عباس بھی شریک تھا، موسیقی و نسائیت موضوع بحث تھی اور باہم تبادلۂ خیالات ہو رہا تھا، تسیم نے میوزک کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا چونکہ موسیقی سے لکھنؤ کو بہت تازہ نسبت حاصل ہے، اس لئے میرا خیال تھا کہ یہان کی کانفرنس بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوگی، لیکن یہ معلوم کر کے مجھے صدمہ ہوا کہ یہان کا ذوقِ موسیقی بہت گر گیا ہے حالانکہ اودھ کی سلطنت کو مٹے ہوئے زیادہ زمانہ نہین گزرا کسقدر حیرت ناک امر ہے کہ لکھنؤ مین کوئی ایک ماہرِ فن بھی ایسا نہین جو اس مین شریک

ہوتا اور اونچے طبقہ کے جو تماشائی تھے ان کی بد ذوقی کا یہ عالم تھا کہ انھون نے سب سے زیادہ جس چیز کو پسند کیا وہ میتر بینڈ تھا - یقیناً ہم آہنگی پُر لطف چیز ہے اور تمام سازون کو یکجا کر کے انہین آواز کے ایک مرکز پر لے آنا دلکش امر ضرور ہے لیکن کسی کمال کا مظہر نہین ہوسکتا - اور اہل لکھنؤ کی طرف سے اس کی اسقدر پرجوش پزیرائی سخت مایوس کن تجربہ تھا۔ سرودیون مین فدا حسین خان ستار نوازون مین عنایت خان بینکارون مین الورکا بینکار صرف یہ تھا ماحصل اس آل انڈیا میوزک کانفرنس اور اس کے تمام اہتمامات کا گانے والون مین ایک بھی ایسا نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے۔ کسقدر اصولی غلطی ہے کہ آواز کے حسن کو فن موسیقی سے علٰحدہ سمجھ لیا گیا ہے اور میرے نزدیک یہ بھی منجملہ اُن دیگر مظالم کے ہے جو عورت پر مرد کی جانب سے روا رکھے گئے ہین - چونکہ خوش گلوئی مین مرد کسی طرح عورت پر فائق نہین ہوسکتا تھا، اس لئے اسنے فن موسیقی سے اسکو علٰحدہ ہی کر دیا تاکہ عورت مقابلہ مین نہ آسکے - مانا کہ دھرپد اصولی چیز ہے، لیکن اسکی حثیت اس خاکہ سے زیادہ نہین ہے جسے ایک مصور رنگ بھرنے سے پہلے کاغذ پر بناتا ہے - یقیناً خاکہ نقش کی بنیاد ہے لیکن نقش تو نہین محمد شاہ رنگیلے کے عہد مین کچھ لوگون نے اس حقیقت کو سمجھا اور اس مین کچھ رنگ آمیزی پیدا کر کے خیال کو رواج دیا، لیکن قبل اسکے کہ وہ تکمیل کو پہونچتا سلطنت کا زوال ہو گیا، بعد کو شاہان اودھ اور خصوصیت کیساتھ واجد علیشاہ نے اس مین اور زیادہ رنگینی پیدا کر کے ٹھمری کی بنیاد ڈوالی لیکن ابھی انجام کو نہ پہونچی تھی کہ بساطِ سلطنت ہی اُلٹ گئی اور موسیقی ایک عام دور کسمپرسی سے گزرنے لگی اب پھر اس طرف توجہ ہوئی لیکن جسطرح ہندوستان کی قدامت پرستی اُسے اور بہت سی ترقیون سے محروم کر رہی ہے اسیطرح موسیقی مین ابتک وہ دھرپد خیال کی ترقی کو کمالِ فن سمجھتی ہے ورنہ ضرورت ہے کہ اس کا خیال کہ مین گلکاری کیجائے اور اسمین مطلق سلسلہ کیلئے بہت سی جاذبیت پیدا کیجائے

مشہور ہے کہ موسیقی سحر ہے اور اس مین کلام نہین کہ حقیقت یہی ہے لیکن کیا کوئی اُن دھرپد گانے والون کی کریہ آواز کو سُن سکتا ہے اور کیا ان استادون کی بدنما حرکات دیکھنے کے بعد ہنسی ضبط ہوسکتی ہے موسیقی جادو ہے لیکن وہ اُسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب آواز، حرکات اور اصول فن سب کے سب حُسن کیساتھ مجتمع نہ ہو جائین، اور چونکہ انکا اجتماع صرف عورت ہی مین ہوسکتا ہے اسلئے اگر اس فن کے اصلی خط و خال کو دیکھنا ہے تو عورتین ہی اسکو رائج کرنا چاہئے جو قدرتاً اس کیلئے وضع کیگئی ہین اور جن کے اعصاب و عضلات کی نرمی آواز کے ہر ممکن لوچ کو قبول کر سکتی ہے - ہمارے طرف بنگال مین شریف خاندان کی عورتین اس طرف بہت مایل ہین اور اپنے اپنے گھرون مین تفریحاً اسکی مشق کرتی ہین لیکن یو پی مین چونکہ اسکو معیوب فن قرار دیدیا گیا ہے اسلئے میرا خیال ہے کہ ہندوستان کا یہ حصہ جو ہر لحاظ سے ملک کا قلب کہلائے جانیکے قابل ہے، اس مین بھی دوسرے صوبون سے پیچھے رہیگا۔

عباس چونکہ آپنے موسیقی کا ذکر کرتے کرتے اسکی تان مسئلۂ "نسائیات" پر توڑی ہے اس لئے قبل اسکے کہ "عورت اور فنونِ لطیفہ" کے موضوع پر گفتگو کی جائے "عورت اور نسائیت" کے متعلق بعض مسائل کا فیصلہ ضروری ہے۔

سب سے پہلا سوال جو غالباً مسئلۂ تعلیم و آزادی سے بھی مقدم ہے، یہ ہے کہ عورت کے پیدا کرنیکی ضرورت ہی کیا تھی، کیونکہ دنیا کے تمام مسائل اخیر مین اصلاحِ نظامِ تمدن پر جاکر قایم ہوتے ہین اسلئے غور کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت صرف اسلئے پیدا کیگئی ہے کہ وہ مشاغلِ حیات مین مرد کی معاون و مددگار ثابت ہو اور تجربہ نے ہمکو یہ بات بتائی ہے کہ اسکی ہر اعانت و امداد ہمیشہ اُس ماحول کے تابع رہی ہے جسمین رہکر مرد اپنے اسبابِ ترقی تلاش کرتا ہے - مثلاً عہدِ وحشت کو لیجئے جب مرد صرف شکار پر زندگی بسر کرتا تھا تو عورت اُسکی معاون اس حیثیت سے تھی کہ وہ شکار کو صاف کرتی تھی، گوشت پکاتی تھی اور کھالون کے ملبوس طیار کرتی تھی - جب عہدِ زراعت آیا تو اُسنے کاشت مین مدد دی غلہ صاف کیا - پیسا اور مرد کو کھلایا، اب اس سائنس کی عہد مین اسکی اعانت کا طریق یہ ہے کہ وہ تجربہ گاہون مین مردونکے ساتھ رہتی ہے، طبیعیات و کیمیا کے مسائل مین مرد کو مشورہ دیتی ہے اور اسکے ساتھ ہوائی جہاز پر رہکر اسکی مدد کرتی ہے -

اس لئے قبل اسکے کہ ہندوستان کی عورت کیلئے کوئی طریق عمل مقرر کیا جائے، غور طلب امر یہ ہے کہ یہان کا مرد کس دور سے گزر رہا ہے اور اُس کے حالات کا اقتضا کیا ہے - کیا ایسے ملک مین جہان مردون مین بھی ایک فی صدی تعلیم یافتہ نہ ہون، عورتون کی تعلیم و آزادی کا سوال کوئی برمحل سوال ہوسکتا ہے جدید تعلیم یافتہ حضرات کیلئے یقیناً ایک جماعت ایسی عورتون کی ہونی چاہئے جو ان کے ذوق کے لحاظ سے ضروریاتِ ازدواج کو پوری کرنے والی ہو لیکن اسمین بھی سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ تعلیمِ جدید سے جو خواہشات ہندوستان کے

مردون مین پیدا ہو رہی ہین وہ کس حد تک درست ہین اور عورتون کیلئے انکا پورا کرنا ضروری بھی ہے یا نہین - اولین معیار جس سے نتیجۂ تعلیم کی صحت وعدم صحت پر حکم لگایا جاسکتا ہے - اقتصادی حالت ہے - اگر ایک شخص تعلیم حاصل کرنیکے بعد صرف شاعر بن سکتا ہے اور قوت عمل اسکی حرکت مین نہین آتی تو کہا جائے گا کہ تعلیم بیکار ہے، اس طرح اگر ایک عورت بیوی بننے کے بعد صرف مرد کے ذوق شعری کو پوری کرنے والی ثابت ہوگی تو ہم کہین گے کہ اسکی تربیت ناقص ہے اسلئے جسطرح مرد مین شاعرانہ کیفیات سے پہلے قوت عمل پیدا ہونیکی ضرورت ہے، اسی طرح عورت کو موسیقی دان ہونے سے قبل ایک اچھی مہتممہ ایک سلیقہ مند ماں بننا چاہئیے جسطرح دنیا کو ایک فاقہ مست شاعر کی ضرورت نہین اسی طرح وہ اہلی زندگی کے فرائض سے ناآشنا رہ کر گانے والی سے بھی بے نیاز ہے - آپکو شاید اچھا معلوم ہو لیکن مجھے تو یہ منظر کبھی پسند نہین آسکتا کہ بچہ خراب وسقیم جان سے رو رہا ہے اور ماں بیٹھی ہوئی الاپ رہی ہے - پھر جس طرح ہمارے ہان کے مردون کو فنون لطیفہ سے پہلے فنون کاسبہ کے حصول کی ضرورت ہے اس طرح عورتون کو مغنیہ بننے سے پہلے مدبرہ بننا ضروری ہے - ممکن ہے کہ بنگال کی پبلک ترقی کے ان ابتدائی مدارج سے گزر گئی ہو - لیکن ہمارے ہان تو ابھی ان کی ابتدا بھی نہین ہوئی اور اسی لئے شرفا کی عورتون مین گانے بجانے کو معیوب خیال کیا جاتا ہے جو میرے نزدیک بلکل مناسب ہے اب یہان یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی اپنے تمام مشاغل واکتسابات کے لحاظ سے ایسا ہے جسکو ایک ایسی ہی بیوی درکار ہے جو اپنی تمام خصوصیات نسائی کے لحاظ سے مکمل ہو جیسے ہمارے رشید صاحب" سو اسکے لئے بین الاقوامی شادی ممد چیز ہے یا پھر صرف توکل کہ اس طرح بھی کبھی کوئی بھولی بھٹکی عورت قسمت سے ملجاتی ہے"

عباس کے اس آخیری فقرے کو سنکر نسیم کچھ مسکرائی اور رشید اس خیال سے کہ کہین نسیم کو ناگوار نہو اور وہ برہم ہو جائے، چین بہ جبین ہوا لیکن قبل اسکے کہ عباس کو اسکی تقریر کی داد یا سزا کسی طرف سے ملتی، مرزا عسکری آ گئے جو رشید کے مخلص دوستون مین سے تھے اور گھوڑ دوڑ کے بیحد شائق - چونکہ گھوڑ دوڑ مین شرکت کا پروگرام انہین کے سپرد تھا، اسلئے انھون نے آتے ہی، مختلف خبرین، مختلف معلومات، گھوڑون کے حالات اور ہار جیت کے متعلق پیشین گوئیون کا ایک سلسلہ شروع کر دیا اور چونکہ نسیم ہی کی غرض سے رشید نے مرزا عسکری کے خدمات حاصل کی تھین، اسلئے وہ نہایت انہماک کے ساتھ سننے لگی اور آدھی رات کے بعد جب تنہائی ہوئی تو رشید کی ان تمام خاطرداریون اور نیاز مندیون کا صلہ بارگاہ حسن سے صرف اسقدر ملا کہ نسیم نے خوابگاہ مین داخل ہوتے وقت اسکے ہاتھ ملایا اور جسم مین ایک برقی رو دوڑا کر پس پردہ غائب ہو گئی -

نسیم لکھنؤ سے رخصت ہو چکی ہے اور رشید پر جو عالم اضطراب طاری ہے، اسکی نوعیت پہلے سے ذرا مختلف ہے اسکے قبل اسکی بے چینیون کا تعلق صرف کاوش وجستجو سے تھا، لیکن اب نسیم سے مل لینے اور اپنی قربانیون سے اسکو بڑی حد تک مالوف سمجھ لینے کے بعد اسکے اضطراب نے حریصانہ صورت اختیار کر لی تھی اور نسیم کیساتھ ازدواجی تعلق قایم ہونے مین ایک ایک لمحہ کی دیر اسکو ناگوار تھی وہ سمجھتا تھا کہ حصول کامیابی کے لئے جسقدر استحقاق ہونا چاہئیے وہ پیدا کر چکا ہے اور اس لئے اب تعویق اسپر ظلم ہے -

لکھنؤ کے قیام مین نسیم نے اپنی اداؤن سے اسکو جس حد تک مغلوب کیا، اسکا ادنی ثبوت یہ ہے کہ رشید نے اپنے تمام پوست کندہ حالات سے اسکو آگاہ کر دیا اور اسکے عوض مین باوجود اسکے کہ رشید کو اسکی محبت کا یقین ہو گیا تھا، نسیم نے باوجود اصرار کے اپنے متعلق سوا اسکے اور کچھ نہ کہا کہ لوگ کہتے ہین کہ مین مرشدآباد کے شاہانی خوندان سے وابستہ ہون، لیکن اب اس نسبت کا اظہار مجھے اچھا نہین معلوم ہوتا کیا کسی کا صرف انسان ہونا کافی سبب ہمدردی حاصل کرنیکے لئے نہین ہو سکتا،،

خاندانی تفوق کے مخفی اظہار کے ساتھ ہی اتنا زبردست درس انسانیت، ایسی معمولی بات نہ تھی کہ رشید اسکے مرعوب ہو جاتا، چنانچہ وہ مرعوب ہو گیا اور بغیر اسکے کہ وہ نسیم کے موجودہ حالات زندگی، اور دیگر افراد خاندان کے متعلق جستجو کرتا، وہ اسی طرح قانع ہو گیا جس طرح بنی اسرائیل اول اول من وسلوی پر ہو گئے تھے -

چلتے وقت رشید نے نہایت دبی زبان سے جب اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ نکاح جسقدر جلد ممکن ہو، ہو جانا چاہئیے تو نسیم اپنی نگاہ منفعل در محجوب نگہ خار سے اسکی منظوری تو دیدی تھی لیکن رشید تعیین وقت چاہتا تھا اور اس کے بابت دلہن بالکل سکوت تھا -

نسیم کو گئے ہوئے بیس دن کا زمانہ گزر گیا ہے اور اسکے دو خط بھی آچکے ہین لیکن سوائے شاعری کے اُن مین کوئی بات ایسی نہین ہے جس سے رشید کی آتش شوق تو ضرور ہی مشتعل ہوتی ہے، لیکن ساحل کا پتہ اسے کہین نہین چلتا۔

وہ اسی فکر مین مبتلا تھا کہ محرر حساب کے کاغذات سامنے لایا اور جس وقت اسکی نگاہ ذیل کے اندراج پر پڑی

عطیۂ میوزک کانفرنس منجانب مس نسیم و مسٹر رشید	۵۰۰ روپیہ
مہمانداری مس نسیم	۳۳۵ "
مصارف موٹر	۲۱۰ "
ٹکٹ گھوڑ دوڑ	۴۰ "
گھوڑ دوڑ کی قمار بازی مین نسیم کو دئے گئے	۲۰۰۰ "
ٹکٹ ریل از لکھنؤ تا کلکتہ فرسٹ کلاس مع دیگر ضروری مصارف	۱۵۰ "
تحایف برائے مس نسیم ساری بنارسی ۳۰۰ روپیہ آویزہ جڑاؤ ۲۰۰ روپیہ کڑا طلائی ۱۰۰۰ روپیہ	۱۵۰۰ "

اور اسکی مجموعی رقم ۴۷۳۵ سامنے آئی تو دماغ چکرا گیا کیونکہ اسکا کاروبار اتنا بڑھا ہوا نہ تھا کہ اسکا چوتھائی حصہ بھی محض سیر و تفریح مین صرف کر سکتا۔ اُسنے محرر کو رخصت کر دیا اور دیر تک سر پکڑ کر سوچتا رہا کہ اس کمی کو کیونکر پورا کرے وہ ابھی اسی عذاب مین مبتلا تھا کہ محرر دوڑا ہوا آیا اور اُسنے ایک کاغذ پیش کر کے کہا کہ "اس ہنڈی کا روپیہ کل ادا کرنا ہے مین نے کہا کہ آج ہی آپ کو یاد دلا دون"۔

رشید "ہنڈی! کسکی ہنڈی ہے اور کتنی رقم کی ہے" یہ کہکر اسنے کاغذ محرر کے ہاتھ سے لے لیا اور دیکھا تو اسپر ہندسہ ۲ کے ساتھ بڑے بڑے تین صفر اسکو گھور رہے تھے اور ہنڈی اس کارخانہ کی تھی جس کے ساتھ خوش معاملگی قایم رکھنے پر اس کے سارے کاروبار کا انحصار تھا۔ میز کی دراز سے اُسنے بنک کی پاس بک نکالی پھر سیف کھولکر اسکی رقم کی جانچ کی اور نہایت پریشان صورت کیساتھ سوچنے لگا کہ:۔

اگر مین کل اس ہنڈی کا روپیہ ادا کر دون تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ پرسون مین بازار سے ایک پیسہ کا بھی مال نہین خرید سکتا۔ جن لوگون سے مجھے روپیہ وصول ہونا ہے وہ اول تو اسقدر جلد ادا نہین کر سکتے اور اگر ادا کریں بھی دین تو زیادہ سے زیادہ مین ایک مہینہ تک اور اپنی موجودہ ساکھ قایم رکھ سکتا ہون۔ اُس طرف بے پروائی کا یہ عالم ہے کہ کوئی صاف جواب ہی نہین ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر ان تمام قربانیون کے بعد بھی نسیم مجھے مل جائے تو مین کسی طرح خسارہ مین نہین رہ سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ موجودہ تجارت نہ رہیگی نہ رہے، بقدر ضرورت مین اپنی جنبش قلم سے بھی کما سکتا ہون، مگر کچھ ہو تو سہی، کوئی نتیجہ تو نکلے۔ کیا تار دون؟ لیکن تار مین لکھون کیا۔ جاس کی رائے تھی کہ مین بھی کلکتہ ساتھ چلا جاؤن اور وہان پہونچکر تمام باتین تحقیق کرلون، مین نہین گیا، واقعی غلطی ہوئی۔ کیا اب چلا جاؤن، لیکن یہان کا کاروبار کس کے سپرد کرون، خاصکر ایسی حالت مین جبکہ مالی حالت اچھی نہین ہے۔

وہ اسی فکر مین مبتلا تھا کہ ڈاک آئی جسمین نسیم کا بھی ایک خط تھا! اسنے لکھا تھا۔

"آپ خیال فرماتے ہونگے کہ مین نے قصداً آپکو زحمت انتظار مین مبتلا رکھا حالانکہ آپ چاہتے تو یہ بھی سمجھ سکتے تھے کہ ممکن ہے کوئی مجبوری ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مین نے لکھنؤ جا کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ ملنے سے پہلے تو مین اپنے دل و دماغ کو دھوکا دے بھی سکتی تھی، لیکن اب کہ آپ کی محبتون اور غیر معمولی قربانیون کے گہرے نقوش اک تسلیم شدہ حقیقت کی صورت اختیار کر چکے ہین باوجود کوشش کے بھی آپکی ہستی کو اپنے سے جدا نہین سمجھ سکتی،

اس درمیان مین ایک سخت آزمائش کا سامنا ہوا۔ میرے والد ہر چند بہت روشن خیال ہین، تاہم ابھی ان مین بہت سے آثار قدامت کے پائے جاتے ہین اور شادی کے متعلق انکے اصول مجھ سے کچھ مختلف ہین انکے نزدیک زندگی کی حقیقی راحت عبارت ہے صرف دولت و امارت سے اور میرے ہان صرف محبت و صداقت سے۔ عرصہ سے وہ میری شادی کی فکر کر رہے ہین۔ حال ہی مین ایک پیغام صوبۂ بہار کے ایک ایسے شخص کی طرف سے آیا جو میرے والد کے ذوق کے مطابق تھا یعنی وہ حضرت کونسل کے ممبر ہین، بیرسٹر ہین، لاکھون کی جائداد رکھتے ہین اور خاندانی ہین۔

مجھ سے ذکر آیا تو مین خاموش ہو گئی۔ لیکن میرے اِنے یہ محسوس کر کے کہ مبادا وہ میری خاموشی کو رضامندی سمجھ لین، مینے اُن سے کہا کہ فی الحال اس مسئلہ کو ملتوی کر دیا جائے، کیونکہ میری صحت ابھی اچھی نہین ہے اور مین کوئی فیصلہ نہین کر سکتی، لیکن اسکو معقول عذر تسلیم نہین کیا گیا اور مجھ پر زور دیا جا رہا ہے کہ جلد راضی ہو جاؤن

اسمین شک نہین کہ عام نقطۂ نظر سے یہ بہترین پیغام ہے، لیکن میرے لئے وہ بالکل بیکار ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے آپ کو مین اسکے قبول کرنے کیلئے آمادہ نہین پاتی۔ بہر حال مین نے بڑی کوشش سے چند ماہ کے لئے اسکو ٹالدیا ہے اور آیندہ مہینے کشمیر کا عزم کرتے ہون، بہانہ تبدیل آب و ہوا کا ہے لیکن مدعا یہ ہے کہ آپ معیت حاصل ہو جائے اور اگر مناسب ہو تو وہین مسئلہ بھی طے ہو جائے جس کیلئے آپ مضطر ہین اور مین بیتاب۔

اگر آپ نہ جاسکین تو مجھے اطلاع دیجئے تاکہ بجائے کشمیر کے کسی اور جگہ چلی جاؤن، کیونکہ میرا یہان سے چند دن کیلئے باہر چلا جانا ضروری ہے اور اگر آپ آمادہ ہون تو لکھئے کہ کس تاریخ تک آپ طیار ہو سکین گے تاکہ مین اُسی دن لکھنؤ پہونچ جاؤن۔

آپ کی نسیم"

اس خط کے مطالعہ کے بعد جو حالت رشید کی ہونی چاہئے اس کا اندازہ مشکل ہے۔ ایک طرف تو جذبۂ رشک کہ نسیم کا خواہان ایک اور ہو گیا جو مالی حالت اور ذاتی وجاہت کے لحاظ سے کہین اس سے زیادہ ہے، دوسری طرف مالی مشکلات جنکے دور کرنیکی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی، پھر سوال کشمیر جانیکا جسکے لئے کم از کم دو تین ہزار روپیہ کی ضرورت تھی۔ کشمیر کے سفر کا ٹالدینا سب سے زیادہ مشکل تھا کہ اسی پر ساری امیدون کی کامیابی کا انحصار تھا۔ وہ دیر تک ٹہلتا رہا اور سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ آخرکار اسنے فیصلہ کیا کہ کشمیر کا جانا ضروری ہے اور اس لئے سب سے پہلے روپیہ کی فکر کرنی چاہئے ہے ممکن تھا کہ وہ اپنے احباب و اعزہ سے کچھ روپیہ قرض لے سکتا، لیکن اُسے ضرورت ایک بڑی رقم کی تھی اس لئے وہ فوراً آگرہ روانہ ہو گیا اور وہان اپنے مکان سکونہ کو دس ہزار مین ایک ہندو اہل محلہ کے پاس رہن کر کے چوتھے دن لکھنؤ واپس آگیا اور نسیم کو تار دیدیا کہ "مین فلان تاریخ آپ کا انتظار کرونگا"۔

(۴)

مئی کا زمانہ ہے اور کشمیر کا موسم بہار جسے وہان "عہد شگوفہ" کے جمیل نام سے موسوم کرتے ہین، ابل پڑنے والے شباب پر ہے سارا عالم نباتات گلفروش نظر آرہا ہے اور ہر ہر روزہ تبسم جوش، پہاڑون کی برف پگھل پگھل کر دریائے جہلم اور ڈل جھیل کی امواج کی خنک عنایئون مین گرمی خرام پیدا کر رہی ہے اور ہوا کا ہر جھونکا گویا "موج خرام یار ہے" جو ہر جنبش "پر گل کتر کر" گزر جاتا ہے،

سیاحون نے آآ کر کشتیون، باغون، اور خیمون مین چہل پہل کر رکھی ہے اور سری نگر کے ہر ہر گوشہ سے آثار حیات و نشاط اسقدر فراوانی کیساتھ رونما ہو رہے ہین، گویا اس سرزمین کے بسنے والون کو خبر ہی نہین کہ فکر و تردد، رنج و الم کسے کہتے ہین اور انسان صرف اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ رات دن سرور و انبساط کے عالم مین زندگی بسر کرے — یہان جو چہرہ ہے متبسم ہے، جو قلب ہے مسرت سے دھڑک رہا ہے اور جو نبض ہے خون صحیح لئے ہوئے تڑپ رہی ہے، شباب کی حکومت ہے، حُسن کی مملکت ہے اور دولت کی بکھیر۔ رشید و نسیم بھی آئے اور اسی ہنگامۂ رنگ و بو کا ایک جزو ہو کر رہگئے۔

کشمیر کی سرزمین، بہار کا موسم، حُسن کی معیت، خلوت کی آزادی، جوانی کا جوش اس سے زیادہ اور کیا تکمیل لطف کے لئے چاہئے کہ رشید کسی کمی کو محسوس کرتا، شراب کو رشید نے اسوقت تک استعمال نہ کیا تھا، لیکن چونکہ یہان ہر گناہ کیلئے فتوائے صواب موجود ہے اس لئے نسیم کے خواہش و اصرار پر اسنے اس آگ کو بھی اپنی رگون مین دوڑا دیا اور اسکے شب و روز اب یکسر نشہ و مدہوشی ہو گئے اگر کبھی کبھی خمار کی حالت مین یہ خلش رشید کو بے چین بنا دیتی تھی کہ دولت کی طرف سے وہ مطمئن نہین ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ بھی مکان ہاتھ سے دیکر فراہم کیا گیا ہے تو پھر نسیم کے نازک ہاتھ پر چھلکنے والے جام کے ذریعہ سے اس نامسعود خیال کو مغلوب کر لیتا تھا اور ماضی و مستقبل دونون طرف ایک پردہ ڈالکر صرف حال کو فردوس بنانے مین مصروف ہو جاتا تھا

ان کے آنیکے بعد پہلا اتوار تھا اور نسیم باغ جو عہد مغلیہ کے شباب کی شگفتہ ترین یادگار ہے حسن و شباب کی متحرک تصویرون سے فانوس خیال بنا ہوا تھا، نسیم و رشید بھی ایک طرف چنار کے بلند بالا درختون کے نیچے سبزہ کی مخمل کا شانی پر آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے اور ہوا کے سرد و معطر جھونکے ان آسودگان شراب کو اور زیادہ تر دماغ بنا رہے تھے۔

گزشتہ ایک ہفتہ کے قیام کشمیر مین کوئی گفتگو اصل معاملہ کی نسبت نہین آئی تھی اور ہر چند رشید یہی چاہتا تھا کہ جسطرح ممکن ہو جلد سے جلد یہ مسئلہ طے ہو جائے لیکن چونکہ نسیم نے اسکو یقین دلا یا تھا کہ وہ اسکو بے انتہا لطیف الخیال شاعر سمجھتی ہے اس لئے رشید ڈرتا تھا کہ مبادا اس بات مین عجلت کرنا یا خود اپنی طرف سے ابتدا کرنا لطافت و نزاکت کے خلاف ہو اور اس کے غیر معمولی شاعرانہ فطرت کیطرف سے نسیم بدظن ہو جائے۔

آج نسیم باغ مین بیٹھکر جو گفتگو ہوئی اسکے ابتدار ہر چند جہانگیر و نورجہان کی حکایت

عشق سے ہوئی تھی لیکن رفتہ رفتہ اسنے ایسی صورت اختیار کرلی کہ خود نسیم کو اپنے نکاح کے متعلق اظہار خیال کرنا پڑا۔ اسنے دوبارہ کلکتہ کے واقعات اور صوبہ بہار کے اس پیغام کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور ساتھ ہی ساتھ رشید کیساتھ اپنی والہانہ محبت کا ذکر کرتے ہوئے اصولی گفتگو تعلقات زن و مرد اور مسئلہ ازدواج کے متعلق چھیڑ دی۔ اسنے کہا کہ

"نکاح پر دو پہلوؤن سے گفتگو ہوسکتی ہے ایک مذہب، دوسرے محبت۔ ان مین اول حیثیت تو قابل اعتنا نہین معلوم ہوتی کہ اسمین کوئی آرٹ پیدا نہین ہوتا اور اس صورت مین نکاح کا خیال ایک بار نظر آتا ہے مذہب صرف درستی اخلاق کے لئے وضع کیا گیا تھا اور اب جبکہ دنیا اسقدر ترقی کرچکی ہے اور ہر ملک و قوم کا انسان اخلاق کی اہمیت کو سمجھنے لگا ہے۔ مذہب کی ضرورت باقی نہین رہتی اس لئے محبت صرف بحث کے نقطۂ نظر سے کرنی چاہیئے کہ اس کا اقتضا کیا ہے؟ مین جہانتک غور کیا ہے، اس نتیجہ پر پہونچی ہون کہ محبت گو بجائے خود ایک مجبوری ہے لیکن ہے وہ نہایت نازک و آزاد چونکہ محبت کی اصل روح بغیر مادی غرض کے کسی سے وابستہ ہو جانا ہے اسلئے نکاح کی پابندی اسکو پژمردہ کردیتی ہے اور وہ ایک دنیاوی کاروبار کی صورت اختیار کرلیتی ہے جو یکسر نزاکت کے خلاف ہے۔ ایک مرد کا یہ سمجھ لینا کہ وہ کسی عورت کیساتھ رہنا مجبور ہے یا ایک عورت کا یہ یقین کرلینا کہ کسی مرد کیساتھ اسکا باوفا رہنا لازم ہے، بالکل آرٹ کے خلاف ہے اور محبت سے آرٹ کا جدا ہو جانا اسکی موت ہے۔ یہان آرٹ سے مراد تصنع و آورد نہین ہے بلکہ وہ فطری اقتضا مقصود ہے جس سے ایک چیز عالم وجود مین آکر نشو و نما پاتی ہے اور تکمیل تک پہونچتی ہے۔

آپ تو شاعر ہین، ادیب ہین اور شاعر و ادیب بھی ایسے کہ زمانہ کم اُس جیسی دوسری مثال پیش کرسکتا ہے اسلئے آپ یقیناً اس مسئلہ کو مجھ سے زیادہ بہتر سمجھتے ہونگے"

رشید کیلئے یہ بالکل پہلا موقع تھا کہ اُسنے نسیم سے ایسی گفتگو سُنی، اسوقت تک اسکا ذہن جس خیال سے معمور تھا وہ صرف "نسیم اور نکاح" تھا اس لئے اسوقت نسیم کا یہ خیال معلوم کرکے اسکا نشہ ہرن ہوگیا اور چونک کر بولا کہ آپکے خیال مین یہ تبدیلی کشمیر مین آنیکے بعد ہوئی ہے یا ہمیشہ سے آپ اسی فلسفہ کی قایل تھین؟"

نسیم۔ مین ہمیشہ سے یہی سمجھتی ہون اور یہ کوئی جدید تبدیلی نہین ہے لیکن آپ گھبرا کیون گئے۔

رشید۔ اسلئے کہ گو مین آپ مجھے اسی نظریہ کا شہید نہ بنائین مین سمجھتا ہون کہ جس زندگی کیطرف آپنے اشارہ کیا ہے وہ بہترین زندگی ہے لیکن چونکہ موجودہ معاشرتی و تمدن مین اسکا حاصل ہونا دشوار ہے، اس لئے اسکے بعد جو چیز بہتر ہوسکتی ہے اسکو بھی ہاتھ سے دیدینا دانشمندی کے خلاف ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ ذرا صاف الفاظ مین عرض کردون۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپکے والدین زیادہ عرصہ تک آپکو آزاد نہین رکھ سکتے اور اگر آپ یہان نہ آجاتین تو شاید اس وقت آپ بہار کے کسی امیرانہ قصر مین جلوہ افروز ہوتین۔ پھر جب حالت یہ ہے اور اخلاق و تمدن کے سامنے آپ اسقدر مجبور ہین تو آپکو چاہیئے کہ انھین مجبوریون کے حدود مین رہکر اپنی زندگی کو خوشگوار بنانیکی کوشش کرین"

نسیم۔ میرا مدعا اسوقت مخصوص طور پر اپنے مستقبل سے گفتگو کرنا نہ تھا کیونکہ اسکے متعلق تو مین فیصلہ کرچکی ہون جو آپکو بھی معلوم ہے بلکہ مین نے یونہی ایک عام گفتگو کی تھی اور اس مسئلہ کے نسبت آپکی رائے معلوم کرنا چاہتی تھی، لیکن چونکہ آپکا غرور سے زیادہ بڑھا ہوا احساس بدگمانیان پیدا کرتا ہے اسلئے مین اب اس بحث کو اسی جگہ ختم کئے دیتی ہون۔ آپ تو آیندہ کا پروگرام بنائیے سنا ہے کہ پہلگام کشمیر کی بہترین وادی ہے اسلئے وہان کیلئے کم از کم پندرہ دن رہیگا۔

رشید۔ یہ تو سب ہوجائیگا اور جہان آپ فرمائینگی وہان پندرہ دن کیا معنی اپنی زندگی کے سارے دن صرف کردونگا، لیکن خدا کیلئے اب زیادہ امتحان اور آزمایش مین مبتلا نہ کیجئے اور یہ بتائیے کہ میری حیات کی وہ کونسی ساعت ہوگی جب میرے لئے جینا محال ہوجائیگا"

نسیم۔ رشید صاحب، آپکا یہی طرز ادا ہے جسنے مجھے ہلاک کیا ہے۔ وہ کونسی ساعت ہوگی جب آپکے لئے جینا محال ہوجائیگا! خدا کیلئے ان صحبتون اور ان پاکیزہ جذبات کا لطف چند دن تو اٹھا لینے دیجئے، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپکا جینا محال کردینے والی ساعت دیکھنے کے بعد جو زندگی ہماری آپکی بسر ہوگی وہ صرف ممکنات کی حدود مین محصور ہوگی جہان ایک انسان کی انتہائی پرواز خیال اس سے زیادہ اور کچھ نہین ہوتی کہ دو اور دو کا مجموعہ چار ہوا کرتا ہے۔ تاہم مین آپکو یقین دلاتی ہون کہ ہماری آپکی کشمیر سے واپسی رشید و نسیم کی حیثیت سے نہ ہوگی۔ آپ ملول نہ ہون سمجھ لیجئے، یقین کرلیجئے کہ جو آپ چاہتے ہین وہ ہوچکا مگر ہا اعلان سو وہ اسقدر زیادہ اہم نہین رہ گیا ہے کہ دن یا اسکے ہفتہ دو ہفتہ قبل وہ بھی ہوجائیگا"

رشید اس جواب سے پھر مطمئن ہوگیا اور اسی جوش و ولولہ کیساتھ اسنے پھر اپنے قصر امید کی تزئین و آرائش شروع کردی۔ . . . .

اگست شروع ہوگیا ہے اور کشمیر کے شگوفون نے پھلون کی صورت اختیار کرلی ہے رشید و نسیم تمام مقامات سرینگر کی سیاحت کرکے چنار باغ کے پاس اپنی کشتی مین آکر پھر

مقیم ہو گئے ہیں، واپسی کا زمانہ قریب آتا جا رہا ہے اور اسی نسبت سے رشید کے جذبات مین تلاطم پیدا ہوتا جاتا ہے۔ ایک شام جبکہ رشید کچھ تحائف لئے ہوئے بازار سے واپس آرہا تھا اوسکا ملازم راستہ مین ملا۔ رشید نے سواری روک لی اور اس سے پوچھا کہ کہان جا رہا ہے۔ اُسنے کہا کہ یہ تار دینے جا رہا ہون۔ رشید نے پہلے تو تامل کیا کیونکہ وہ نسیم کی پرائیویٹ خط و کتابت کی جستجو نہین کرتا تھا، لیکن بعد کو اسنے ایک خاص جذبہ سے متاثر ہو کر تار کا مسودہ دیکھا تو اُسپر صرف یہ لکھا تھا کہ :۔

(Time is Come) (وقت آگیا ہے) اور ایک شخص امام الدین کے نام چتپور روڈ کے پتہ سے بھیجا جا رہا تھا۔ پہلے تو اسے کچھ شک ہوا کیونکہ نسیم کے گھر کا پتہ یہ نہ تھا لیکن تار کے مضمون نے اس کے تمام شکوک دور کردیا کیونکہ "وقت آگیا" سے مراد (اسکی سمجھ کے مطابق) وقت نکاح تھا اور شاید نسیم اپنے کسی عزیز کو طلب کر رہی تھی تاکہ شادی زیادہ موثق ہو جائے۔

رشید نے آدمی کو وہ تار واپس دیکر حکم دیا کہ ڈاک خانہ سے جلد واپس آسے اور اُسکو یہ ہدایت کردی کہ نسیم سے اسکا ذکر نہ کرے کہ مین نے یہ مسودہ دیکھ لیا ہے۔ جسوقت رشید کشتی مین پہونچا تو نسیم بہت مسرور تھی لیکن رشید اس سے زیادہ خوش تھا، اسنے مختلف تحائف اسکے سامنے پیش کئے لیکن سب سے زیادہ جو چیز ان مین پسند کیگئی وہ کشمیری شال تھی جسے رشید نے ۵۰۰ روپیہ مین خرید کیا تھا

تھوڑی دیر کے بعد نسیم سے دریافت کیا کہ آج کیا دن ہے اور اسکا جواب ملنے کے بعد اُسنے کہا کہ آئندہ جمعہ کو نکاح کا انتظام کیجئے اور اسکے دوسرے روز دن انگی کا اس خبر سے رشید پر جو کیفیت طاری ہوئی اسکا اندازہ مشکل ہے، کیونکہ اس سے زیادہ یقینی صورت تکمیل آرزو کی اور کیا ہو سکتی تھی، لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ ہاتھ سے لبون تک جام کے پہونچتے پہونچتے بھی بہت سی صورتین ناکامیون کی پیدا ہو سکتی ہین اور آخر کار یہی ہوا، کیونکہ عین شادی کے دن صبحکو کلکتہ سے نسیم کا تار آیا جسمین اسکے باپ کی خطرناک بیماری کی اطلاع درج تھی اور اولین فرصت مین اسکو طلب کیا تھا۔

جسوقت یہ تار آیا رشید موجود نہ تھا بلکہ تحائف عروسی لینے کے لئے بازار گیا ہوا تھا، واپس آیا تو دیکھا کہ نسیم حد درجہ افسردہ و مضمحل بیٹھی ہوئی ہے اور اسکا سارا سامان بندھا ہوا رکھا ہے۔ دوسرے ہی لمحہ مین رشید کو بھی حقیقت کا علم ہو گیا اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے رشید کیلئے بالکل پہلا صدمہ تھا۔ وہ اس صورت مین نسیم سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا اور سوا اسکے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ خود بھی اپنا سامان سفر درست کرے۔ لیکن چونکہ اسکے لئے یہ صدمہ حد درجہ غیر معمولی و شدید تھا اس لئے راولپنڈی پہونچتے پہونچتے اسکو بھی تپ آگئی اور لکھنؤ پہونچنے کے بعد وہ بالکل صاحب فراش ہو گیا۔

(۵)

ادھر ڈاکٹرون نے یہ تجویز کیا کہ رشید تپ میعادی مین مبتلا ہے، دوسری طرف امریکہ کے ایجنٹون نے یہ خبر دیکر کہ مدت نامعلوم تک خریداری چمڑے کی بند کردیجائے اسکی جسمانی و دماغی صحت دونون کو بالکل بیکار کر دیا۔ اسنے دوکان رہن رکھنے کے بعد جو اسی ہزار روپیہ حاصل کئے تھے ان مین سے ۲۰۰۰ ہنڈی کے ادا کئے پانچہزار مال کی خریداری کے لئے اپنے آدمیون کو دئے اور تین ہزار کشمیر مین صرف ہوئے خیال تھا کہ اسکے واپسی تک یہ ۵۰۰۰ کم از کم سات ہزار ضرور ہوجائینگے لیکن وہان امریکہ کے ہاتھ روک لینے نے اس رقم کو نصف سے بھی کم کردیا اور جن لوگون سے روپیہ وصول ہونا تھا انھون نے اور زیادہ تساہل سے کام لینا شروع کیا کیونکہ کاروبار کے بند ہو جانے کی وجہ سے وہ رشید کی طرف سے کچھ بے غرض سے ہو گئے تھے اور بازار خراب ہو جانیکی وجہ سے وہ اپنا بھی پھیلا ہوا روپیہ فراہم نہ کرسکتے تھے۔

تیسرے ہفتہ رشید کے جب ہوش و حواس کچھ بر جا ہوئے تو اسنے ایک تار نسیم کو دیا کہ اپنے والد کی خیریت سے اطلاع دے کیونکہ کشمیر سے روانہ ہونیکے بعد کوئی خبر اسکو نہ معلوم ہوئی تھی لیکن اسکے دوسرے ہی دن ایک مفصل خط اسکا آیا، جسمین بہت کچھ اپنی بدقسمتی، حسرت و ناکامی کا ذکر کیا تھا اور پریشانیون کیوجہ سے خط نہ لکھ سکنے پر معذرت چاہی گئی تھی، اسکے ساتھ یہ بھی تحریر تھا کہ "والد کا مزاج اب رو بہ اصلاح ہے اور مین بہت جلد خود لکھنؤ آکر اپنے عہد کو پورا کرونگی، مین آپ کو یہان طلب کرنا بعض اسباب کی بنا پر مناسب نہین سمجھتی، ورنہ میرے لئے اسمین زیادہ آسانی تھی"

جسوقت یہ تحریر آئی عباس بھی موجود تھا۔ رشید نے یہ تحریر اسکو دیدی اور خود کروٹ

لیکر رونے لگا۔ عباس نے اسکو پڑھا اور اسکے سرہانے رکھ کر باہر جانے لگا، رشید نے اسکو روکا" لیکن اسنے جواب دیا کہ "اب مین ٹھہر کے کیا کرون جبکہ آپ پر نزول وحی پھر شروع ہوگیا ہو اور آپ اسکے خلاف کسی انسانی آواز کو سننا پسند نہین کر سکتے۔"

رشید" عباس خدا کیلئے بتاؤ مین کیا کرون، اب تو جسطرف نظر جاتی ہو سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نظر ہی نہین آتا کاروبار کا یہ حال، عسرت کی وہ شدت کہ آجتک کبھی نہ ہوئی تھی، بیماری کا سلسلہ ایسا طویل کہ اسکی بھی کوئی میعاد مقرر نہین ہوسکتی، ایک تنہا سہارا زندگی کا اگر کوئی ہو تو صرف یہ امید کہ شاید تسنیم کو رحم آجائے اور وہ حیات کو اپنی محبت سے قابل برداشت بنا دے"

عباس" آپ مطمئن رہئے اُسے کبھی آپ پر رحم نہین آئیگا اور جہانتک اسکے امکان مین ہے وہ آپکی زندگی کو ہمیشہ اسی طرح ناقابل برداشت بنائے رکھے گی، کیونکہ آپسے عقلمند لوگ تو اتفاقیہ کبھی مل جاتے ہین۔ اگر وہ اپنا وعدہ پورا کردے، تو اُس سے زیادہ احمق کوئی نہین ہو سکتا" کیونکہ اسکا مدعا حاصل ہوچکا ہے اور وہ جان چکی ہو کہ اب آپکے بدن مین زیادہ خون باقی نہین رہا ہے کہ وہ نچوڑنے کیلئے پھر آجائے۔ اسکی یہ تحریر بالکل اخیری تحریر ہو اور اسکے بعد انشاء اللہ آپ کو یہ بھی نہ معلوم ہوسکیگا کہ واقعی اس نام کی کوئی عورت دنیا مین تھی بھی یا نہین۔ آپ نہین مانتے لیکن پھر یقین دلاتا ہون کہ کشمیر سے اسکا کلکتہ تار دینا صرف اس بات کی ہدایت تھی کہ وہان سے باپ کی بیماری کا تار دیدیا جائے جسکی پہلے قرارداد ہوچکی ہوگی اور ایک لمحہ کیلئے بھی وہ آپسے شادی کرنیکے لئے آمادہ نہ تھی، یہ سب اسکا فریب تھا جس سے کام لیکر اسنے ایک معقول رقم آپ سے وصول کرلی۔

آجکل کی متمدن عورتون مین اس قسم کا مکروفریب نہایت معمولی بات ہو اور یہی ہو جدید تعلیم کا وہ تاریک پہلو جسنے یورپ کے نظام تمدن کو بھی درہم برہم کر رکھا ہو اور جو مختلف صورتون سے دنیائے اخلاق مین انتہا سم آلود جراثیم پھیلا رہا ہو۔ مغرب مین تو خیر ایسی عورتین جو اس طرح اپنی ذہانت پر زندگی بسر کرتی ہین کثرت سے نظر آتی ہین، لیکن مشرق اور علی الخصوص ہندوستان مین یہ فن ایک خاص طبقہ مین محدود تھا۔ مجھے آپکے ان تمام سلسلۂ تجربات مین اگر حیرت ہو تو صرف اس امر پر کہ تسنیم مین یہ قابلیت کیونکر پیدا ہوگئی اور یہ حقیقتاً کس طبقہ سے متعلق ہو۔ افسوس ہو کہ آپنے بہت جلد اپنے آپکو اس جنگ مین مغلوب حریف ثابت کردیا، ورنہ اسمین شک نہین کہ یہ مشغلہ تھا نہایت دلچسپ اگر آپ بھی کم از کم اتنے ہی ذہین ہوتے۔ اب تو آپ مہربانی فرماکر ماضی کی حماقتون پر تاسف چھوڑئے اور مستقبل کی امیدونکو خاک بسر سمجھئے، صرف حال کی طرف توجہ کیجئے اور اپنی مالی حالت کو درست۔"

رشید" یہ آپنے جو کچھ کہا اسے پہلے بھی سن چکا ہون کوئی نئی بات نہین، لیکن میری سمجھ مین یہ بات کسی طرح نہین آتی کہ کوئی عورت ایسی تعلیم یافتہ، اسقدر مہذب، اسدرجہ صحیح الاخلاق کیونکر ایسی ذلیل ہوسکتی ہو۔ آپنے چال لاکچھ دیکھکر یہ حکم لگایا ہو وہ طبعی اسباب کی بنا پر بھی رونما ہوسکتے ہین اسلئے مین تو اسقدر جلد نتیجہ پر نہین پہونچ سکتا، آپکی تحریر بہت صاف ہو اگر اب اسکو یہ سلسلہ منظور نہ ہوتا تو اسکو ایسا لکھنے کی ضرورت نہ تھی خاموش رہتی"

عباس" صرف اسلئے کہ آپ برابر فریب مین مبتلا ہو اور اسکے اخلاق کی طرف سے کوئی برا خیال اسوقت تک قایم نہ کرسکین جبتک اتفاق سے کبھی مستقبل مین پوری شہادت نہ مل جائے۔"

رشید" خیر اس ذکر کو چھوڑئے، میری قسمت خراب ہو اور کچھ نہین، کاروبار کے متعلق بھی مجھے اب کوئی امید نہین خدا کرے یہ بیماری یہ وہ پیش ثابت ہو اور میرے مصائب کی انتہا اسکے ساتھ ختم ہوجائے۔

. . . .

پورے اکتالیس دن کے بعد بخار نے مفارقت کی اور اسکے احباب کو فی الجملہ اطمینان ہوا لیکن ضعف کا یہ عالم تھا کہ جنبش دشوار تھی تاہم چونکہ مرض کا ازالہ ہوچکا تھا اسلئے رفتہ رفتہ اسمین بھی کمی پیدا ہونی شروع ہوئی اور اسکی صحت اعتدال پر آنیلگی۔ رشید نے اپنی والدہ وغیرہ کو بیماری کی اطلاع نہین دی تھی کیونکہ اول تو اُسے گھر سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور دوسرے وہ ڈرتا تھا کہ کہین بیوی بھی آجائین اور دوسرا سوہان روح پیدا ہوجائے لیکن اب جبکہ لکھنؤ مین قیام کرنا بالکل بیکار تھا اور مصارف بڑھے ہوئے تھے اسکے احباب نے اصرار کیا کہ اگر آگرہ جاکر رہنا مناسب نہین خیال کرتے تو موجودہ مکان کو بدل کر کوئی مختصر سا مکان تلاش کرنا چاہئیے اور غیر ضروری سامان و ملازمین کو علحدہ کردینا چاہئیے۔ رشید کی غیور طبیعت اسکو گوارا نہ کرتی تھی کہ جہان اسنے آتنا زمانہ ایک خاص شان سے بسر کیا ہے وہان وہ ذلت کیساتھ زندگی گزارے، اس لئے اُسنے غیر ضروری ملازمون کو تو علحدہ کردیا لیکن مکان نہین چھوڑا اور صرف اس امید پر کہ شاید پھر کاروبار سنبھل جائے کسی نہ کسی طرح یہین دن گزارنا مناسب خیال کیا۔

. . . .

موسم سرما آیا اور گزر گیا گرمی شروع ہوئی اور ختم ہوگئی لیکن نہ تسنیم ہی کی پھر کوئی تحریر آئی اور نہ رشید ہی کو ہمت ہوئی کہ اس سے خط و کتابت کرتا وہ بالکل مایوس ہوچکا ہو۔ اور افکار و آلام نے اسکے ذہنی و جسمانی صحت کے توازن کو بالکل غارت کردیا ہو اسکی زندگی بالکل سوگوارانہ بسر ہوئی ہو اور وہ عزم کرچکا ہو کہ کسی جگہ دور جاکر بقیہ ایام حیات گمنامی کی حالت مین گزار دے لیکن عباس وغیرہ اسکے احباب ہمت دلاتے رہتے ہین، ایکدن یہی گفتگو ہو رہی تھی اور رشید اسی پر با اصرار کر رہا تھا کہ اسکو چلا جانا چاہئیے آخر کار عباس نے کہا کہ چند دن کیلئے

تبدیلی آب و ہوا کیلئے باہر چلے جانے مین تو کوئی حرج نہین معلوم ہوتا لیکن راہبانہ زندگی اختیار کرنا سخت نامردی ہے۔ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈاک سے اسکے ایک عزیز دوست سیٹھ محمد یوسف کی تحریر بمبئی سے آئی جسمین نہایت شدید اصرار کیا گیا تھا کہ جسطرح ممکن ہو رشید جلد سے جلد بمبئی پہونچ جائے۔ رشید یہ تحریر دیکھکر اس لحاظ سے فرو متعجب ہوا کہ عرصہ سے اسکے اور سیٹھ محمد یوسف کے درمیان کوئی خط و کتابت نہ تھی لیکن چونکہ ایک زمانہ مین یہ دونون اسکول مین ساتھ ہی پڑھتے تھے اور دونون مین توافق مزاج کیوجہ سے بہت محبت تھی علاوہ اسکے کاروبار کے سلسلہ مین بھی دونون کو اسکے بعد بارہا ملنے کا اتفاق ہوا تھا اسلئے اسنے سمجھا کہ شاید کوئی ضرورت ہوگی اور وہ اس خیال سے کچھ مسرور بھی ہوا کیونکہ اول تو لکھنؤ چھوڑنیکا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور دوسرے یہ کہ ممکن ہے سیٹھ محمد یوسف کاروبار کے متعلق کوئی مفید مشورہ دے سکے۔

(۶)

محمد یوسف اصل مین علاقہ ہریانہ کا رہنے والا تھا اور ابتداً اسکے آبا و اجداد آگرہ ہی مین کاروبار کرتے تھے لیکن جب اسنے ہوش سنبھالا تو بمبئی چلا گیا اور وہان رفتہ رفتہ اسنے اسقدر ترقی کی اسکا شمار وہان کے کروڑپتی لوگون مین ہونے لگا اور بازار مین اسکا نام نہایت عزت و احترام سے لیا جانے لگا۔ یہ بھی رشید کا ہم عمر تھا اور ذوق کے لحاظ سے بالکل اسکا جواب۔ بدقسمتی سے جو مصیبت رشید پر نازل ہوئی تھی اسی کا شکار یوسف بھی ہوا تھا اور اسکی شادی بھی اسکے مرضی کے خلاف ہوئی تھی۔ دونون باہم اس مسئلہ پر گفتگو کیا کرتے تھے اور رشید کیطرح وہ بھی موقع کا منتظر تھا کہ کوئی عورت اسکے مغربیت پسند دماغ کو مطمئن کر نیوالی ملجائے لیکن اسکو ابھی تک کامیابی نہ ہوئی تھی۔ جسوقت رشید صبح ۹ بجے تاہم کے اسٹیشن پر اُترا تو محمد یوسف جو اسکی پذیرائی کیلئے موجود تھا نہایت شوق سے اسکو گلے لگایا اور موٹر پر بٹھا کر اپنی کوٹھی پر لے گیا جو سمندر کے کنارے نہایت دلفریب جگہ واقع تھی۔ رشید اس سے قبل کئی دفعہ یہان آ چکا تھا اسلئے کوٹھی، اسکا حسن اور اسکی جائے وقوع اسکیلئے کوئی نئی چیز نہ تھی لیکن یوسف کے چہرہ کا غیر معمولی نشاط، بات بات پر اسکا ہنس پڑنا ہر ہر جملہ سے اسکے غیر معمولی جوش کا ظاہر ہونا ضرور نئی بات تھی جسکے سمجھنے کی رشید نے بہت کوشش کی اور کئی مرتبہ سوال بھی کیا کہ تم نے مجھے کیون بلایا ہے لیکن نہ رشید سمجھ سکا اور نہ یوسف نے سوا ہنس پڑنیکے کوئی جواب دیا۔ جب کوٹھی پر پہونچکر وہ اطمینان سے بیٹھا اور اصرار کیا تو یوسف نے جواب دیا کہ:۔

"رشید" غالباً تمھین وہ زمانہ یاد ہوگا جب ہم تم دونون اسکول مین ساتھ پڑھتے تھے اور حیرت کرتے تھے کہ کیون دونون کو ہمیشہ ایک ہی چیز پسند آتی ہے اسکے بعد ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ہم تم دونون جیسے بدنصیب نکلے وہ بھی تم سے پوشیدہ نہین یعنی اس مسئلہ مین بھی ہم تم دونون ہمزاد ثابت ہوئے۔ بعد کو تمھین بھی تلاش رہی کہ کوئی خاتون ایسی ملجائے جو زندگی کو خوشگوار بنادے اور مجھے بھی معلوم نہین تم اس مین کامیاب ہوئے یا نہین لیکن الحمدللہ مین کامیاب ہو گیا ہون اور اسکامیابی مین شریک کرنیکو تمھین یاد کیا ہے تمام گفتگو ہو گئی ہے آئندہ شادی ہوگی اور مین تمھین اسوقت تک یہان سے نہ جانے دونگا، کیونکہ مین نے ہمیشہ اسکو محسوس کیا کہ بغیر تمھاری میری کوئی ایسی صحبت مکمل نہین ہوسکتی جسکا تعلق روحانی مسرت سے ہو۔

وہ خاتون آجکل یہین ہین اور مین نے قلابہ پر انکے قیام کا انتظام کردیا ہے مجھے یقین ہے کہ تم انسے ملکر بہت خوش ہوگے۔ ہین تو وہ عیسائی لیکن اسدرجہ خوش ذوق اور اسقدر ذہین قابل کہ مشکل ہے کوئی نظیر ویسی مل سکتی ہے۔ اُردو تحریر و تقریر پر ایسی قدرت حاصل ہے کہ سخت تعجب ہوتا ہے بہر صورت اسکو تم خود دیکھکر فیصلہ کر لوگے کہ کسقدر دلفریب و دلکش ہے۔ اچھا تو اب طیار ہو جاؤ وہان چلنے کا وقت آ گیا ہے" رشید نے یوسف کا یہ قصہ سننے کو تو سن لیا لیکن اسکے دل پر ایک چوٹ سی لگی کیونکہ اس نے اسکو نسیم کی یاد پھر دلادی اور اسکی تمام ناکامیان ایک ایک کرکے اسکے سامنے آ گئین تاہم اسنے ظاہر داری سے کام لیکر اظہار مسرت کیا اور کپڑے پہنکر یوسف کیساتھ ہو لیا۔ ....

ساحل قلابہ کی ایک عالیشان کوٹھی کے ڈرائنگ روم مین رشید اور یوسف بیٹھے ہوئے مس لوسی (یوسف کی مہمان خاتون) کا انتظار کر رہے ہین اور انتظار کی تکلیف کو مختلف قسم کی گفتگو سے دور کرنیکی کوشش مین مصروف ہین کہ دفعتہً ایک طرف کا پردہ جنبش مین آیا اور یوسف و رشید دونون اٹھ کھڑے ہوئے لیکن قبل اسکے کہ مس لوسی پردہ ہٹا کر آگے بڑھین رشید کے منہ سے نسیم کا لفظ نکلا اور ہتیورا کر وہین فرش پر گر پڑا

(۷)

رشید ایک ماہ سے آگرہ مین بیمار پڑا ہوا ہے اور اختلاج کے مسلسل دوروں نے اسکی حالت کو بہت تشویشناک بنادیا ہے غذا ترک ہے بعض دن چھ چھ گھنٹے تک بیہوش پڑا رہتا ہے اور فرط ضعف سے کروٹ لینی دشوار ہے، لیکن بایں ہمہ وہ مطمئن ہے اور جسوقت آنکھ کھولکر وہ اپنی اسی جاہل بیوی کو مصروف خدمتگزاری دیکھتا ہے تو ایک خاص قسم کی روحانی مسرت کے آثار اسکے چہرہ سے نمایان ہوجاتے ہین وہ سمجھتا ہے کہ شاید اب اس مرض سے وہ جانبر نہ ہوسکے گا، لیکن اُسے مطلق کوئی اضطراب نہین ہے کیونکہ وہ اس امر کو اچھی طرح محسوس کر رہا ہے کہ وفا کا وجود دنیا سے ابتک محو نہین ہوا ہے اور اگر اتنی تکالیف برداشت کرنیکے بعد بھی کوئی شخص اسکی لذت سے آشنا ہو سکے تو سودا برا نہین ہے۔ جسوقت اسکے چہرہ پر مایوسی کے آثار نظر آتے ہین تو اسکی وہی بیوی جسکو اسنے عمر بھر کبھی نہ پوچھا تھا آنچل منہ پر رکھ کے بے اختیار رونے لگتی ہے اور اسکے ہر آنسو سے ایک ایسا گہرا نقش خلوص اسکے قلب پر چھوڑتی جاتی ہے کہ رشید پھر ایک مرتبہ جینے کی آرزو کرنے لگتا ہے۔ ....

....

یوسف نے اس واقعہ کے بعد تسنیم کیساتھ جو سلوک کیا ہو اور اسکے گزشتہ حالات معلوم ہونے پر جس فی لت کیساتھ اُسے نکالا ہو یہ سب فسانہ کی وہ کڑیاں ہین جن کو ذہن سامع خود سمجھ سکتا ہو لیکن ان تمام باتون سے جو درس رشید نے حاصل کیا وہ ضرور اس قابل ہو کہ نتیجہ کی صورت مین پیش کردیا جائے رشید کی حالت صفیہ کی اُن پرخلوص تیمارداریون کیساتھ ساتھ جنمین وہ حقیقتاً اپنے اجزائے روح صرف کر رہی تھی بہتر ہوتی جاتی ہے اور وہ ہر ہر لمحہ اپنی زندگی مین ایک خاص انقلاب پیدا ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہو اسنے اسی دوران مین ایک تحریر یوسف کو روانہ کی جسے ہم اس جگہ درج کر کے فسانہ کو ختم کئے دیتے ہین -

صدیقی یوسف! مین گزشتہ دو ہفتہ سے برابر ارادہ کر رہا تھا کہ تمھین کچھ لکھون لیکن ضعف اجازت نہ دیتا تھا۔ بحمداللہ اب حالت بہتر ہے اور اعادۂ صحت کے شکرانہ مین سب سے پہلے جو کام کر رہا ہون وہ یہی قلم فرسائی ہو۔ یعنی کے اُس واقعہ سے قبل میری زندگی کا جو ہنجار تھا اس سے تم واقف ہو لیکن اسکے بعد میری حالت مین جو انقلاب قبول کیا ہو اس سے تم آگاہ نہین اس لئے اسے بھی سُن لو کہ میرے ورقِ حیات کے رولیشت دونون تمھارے سامنے آجائین -

دنیا مین ہر شخص کی خواہش یہی ہو کہ وہ امن و مسرت کے حصول کیلئے سعی کرے اور بظاہر یہ غرض اسقدر معصوم نظر آتی ہو کہ فطرت کو اسکی مخالفت کی ضرورت معلوم نہین ہوتی لیکن کسقدر عجیب تماشہ ہو کہ دنیا کا سارا ہنگامہ تصادم و تضارب مقابلہ و مسابقت سب اسی سے پیدا ہو اور یہی بڑا سبب شکست امن کا ہے۔ غور کرنے سے اسکی وجہ یہی معلوم ہوتی ہو کہ لوگون کا نقطۂ نظر، مرکزِ خیال، ہدف آرزو اور آماجگاہ تمنا نہ صرف جدا جدا بلکہ ایک دوسرے سے متضاد ہے۔ ایک اگر دولت کیلئے جیتا ہے تو دوسرا فقر کا طرفدار، ایک اخلاق و روحانیت کی جستجو مین ہو تو دوسرا مادیت و خود غرضی کا پرستار۔ الغرض یہی تباین خیال اور تضاد اعتقاد ہو جسنے دنیا مین اضطراب برپا کر رکھا ہو اور شاید مذہب کی ایجاد کا منشا یہی تھا کہ وہ دنیا کی اس بےچینی کو دور کر کے سب کو ایک مرکز پر لے آئے لیکن وہ اس مین کامیاب نہین ہوا اور کائنات کی یہ سوگواری دیوز جون کی تون ہے۔

مین اپنے لئے جو شاہراہ زندگی متعین کرنا چاہتا تھا، وہ بھی یقیناً میرے انتخاب کی بےاعتدالی تھی کیونکہ اس نے مجھکو بے انتہا خود غرض، نفس پرست اور شقی القلب بنا دیا تھا۔ مین سمجھتا تھا کہ صفیہ سے شادی کر کے میرے اوپر ظلم کیا گیا ہو، میری مسرتون کو پامال کیا گیا ہو اور اس لئے مجھے حق حاصل ہو کہ مین اس ظلم کا انتقام لون، مسرتون کو جسطرح ممکن ہو ڈھونڈھ نکالون۔ چنانچہ مین نے

صفیہ کو چھوڑ دیا جو میرے دل کا خار تھی اور یہان سے بھی قطع تعلق کر لیا جو صفیہ کی طرفدار تھین۔ اپنی دنیا الگ بنائی، نئی نئی تدبیرین سوچین، عجیب و غریب فلسفۂ زندگی کا وضع کیا اور آخر کار جب تسنیم کو مینے دیکھا تو سمجھ لیا کہ گوہر مقصود مل گیا اور ساحل مراد تک پہونچ گیا ہون۔ لیکن مینے اس باب مین جسقدر فریب کھایا وہ تم پر ظاہر ہو۔ مین بیمار ہو کر گھر آیا تو اسطرح جیسے کوئی چور پرائے گھر مین داخل ہوتا ہو کیونکہ مینے تو اپنے طرز عمل سے ان غریبون کا مکان بھی چھین لیا تھا۔ لیکن مین اپنے اس منفعل احساس کی حقیقت نہین بیان کر سکتا جب گھر مین قدم رکھتے ہی میری اُن آنسوؤن سے پذیرائی کیگئی جو باوجود تلخابۂ غم ہونیکے مرہم زخم نظر آتے تھے۔

اسوقت تک جو سلوک مینے صفیہ کیساتھ کیا تھا اسکے عوض مین اگر وہ مجھے زہر بھی دیدیتی تو کافی انتقام نہ ہوتا، لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مینے یہ دیکھا کہ وہ اب بھی میرے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنیکے لئے آمادہ ہو۔ اسنے تیمارداری کے سلسلہ مین ہفتون جاگ جاگ کر اپنی صحت خراب کرلی، گھنٹون سربسجود رہکر میری زندگی کیلئے اپنی جان نذر کرنیکی دعاؤن مین مصروف رہی، رو رو کر آنکھین سوجا لین، دوڑتے دوڑتے پاؤن مین آبلہ ہو گیا، دوائین کوٹتے کوٹتے ہاتھون مین چھالے پڑ گئے، لیکن اسکو کبھی اس کا احساس بھی نہین ہوا۔ ممکن ہو کہ ایک وفا شعار شوہر کیلئے یہ مناظر تکلیف دہ نہوتے لیکن مین کہ مینے آجتک اسکو سخت سے سخت ایذا پہونچانے مین دریغ نہ کیا تھا، ان باتون کو دیکھ کر کانپ گیا اور آخر کار اُسنے مجھے یقین دلا دیا کہ دنیا جسکو عورت سے تعبیر کرتی ہو وہ کوئی اور شے ہو اور حقیقی عورت کوئی اور چیز۔

مرد کی زندگی یقیناً بغیر عورت کے نامکمل ہو مین پہلے بھی سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہون لیکن پہلے مین جس چیز کو عورت سمجھتا تھا اس کا تعلق صرف "مادہ" سے تھا اور اب میرے نزدیک وہ ایک روحانی چیز ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ عورت نام ہو صرف ظاہری رنگین سطحی زیبائش و آرائش زبانی ہمدردی اور علمی و ذہنی آراستگی کا، لیکن اب میرے نزدیک وہ مجموعہ ہے صرف خلوص و صداقت اور شیفتگی و ایثار کا، وہ ایک روحانی مخلوق ہو اور اسی نگاہ سے اُسے دیکھنا چاہئے وہ فطرت کا ایک معصوم پیغام ہے اور اسیطرح بےغرض ہو کر اس پیغام کو سننا چاہئے، وہ قدرت کا ایک پاکیزہ منظر اخلاق ہو اور اصول اخلاق ہی کے لحاظ سے اسکو دیکھنا چاہئے۔ اگر عورت جاہل ہو تو عیب نہین اگر وہ حقیقی معنے مین عورت ہو لیکن اگر وہ اپنی نسائیت کھو چکی ہو تو اسکی تمام ہمہ دانی بیکار ہو اور مرد کو ایک لمحہ کیلئے حقیقی سکون نہین پہونچا سکتی اور مین دیکھتا ہون کہ یہ غلط تعبیر ایک وبا کی طرح دنیا مین پھیل گئی ہو اور وہ لوگ جو تعلیم نسوان و آزادی نسوان کے حامی ہین اس حقیقت کو فراموش کرتے جاتے ہین۔ الحمدللہ کہ اب نہ صرف میری جسمانی بیماری بلکہ روحانی آثار بھی دور ہو چکا ہو اور اس غربت و افلاس کی زندگی مین بھی جو لطف مجھ کو مل رہا ہو وہ اس سے قبل دولتمندی کے زمانہ مین بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔

چونکہ تم پر بھی میری طرح ایک بحرانی کیفیت طاری رہچکی ہو اسلئے یہ لکھ رہا ہون خدا کرے سمجھ جاؤ اور اس غریب کی قدر کرنے لگو جو تمھارے تمام مظالم کے باوجود تم پر ہمیشہ جان دیتی ہے "رشید"

(نیاز فتحپوری)

بلگرامی بک ایجنسی نظیر آباد لکھنو

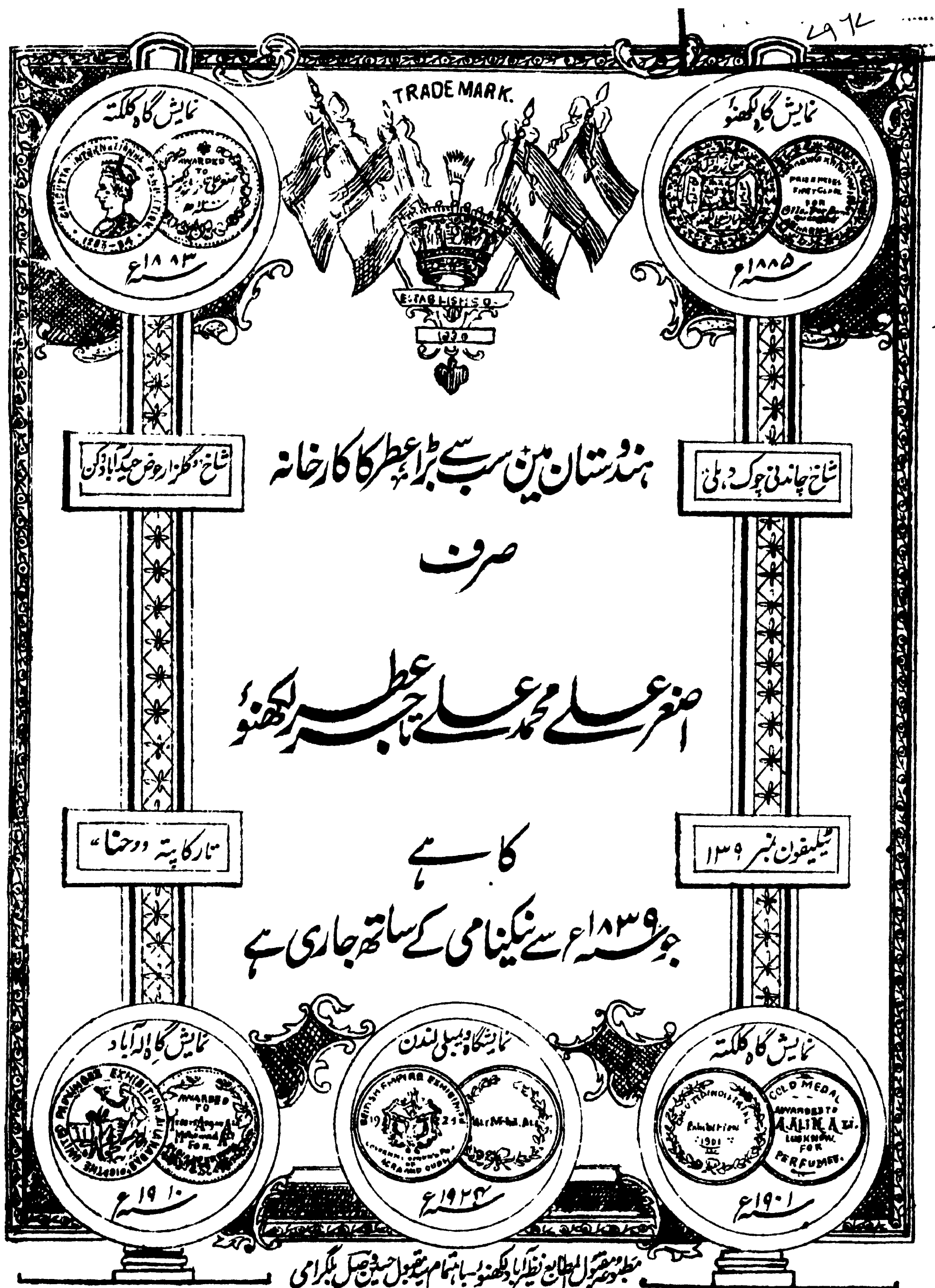
سے

ہر مصنف و مؤلف اور ہر قسم کی مطبوعہ کتابیں فرمایش آنے پر روانہ کی جاتی ہیں

مختصر فہرست بلگرامی بک ایجنسی نظیر آباد لکھنو

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
مولانا شبلی مرحوم		مولانا شبلی مرحوم		مولانا شرر لکھنوی		مولانا شرر لکھنوی		مولانا شرر لکھنوی	
سیرة النبی مجلد حصہ۱	سے	علم الکلام	عہ/	امام شافعی	۴/	عزیزہ مصر	عہ/	فردوس بریں	۵/
" حصہ۲	سے	الکلام عا/د	عہ/	ابوبکر شبلی	عہ/	فاتح مفتوح	عہ/	شہید وفا	۵/
" حصہ۳	مے	سفرنامہ روم و شام عا/	عہ/	جنید بغدادی	عہ/	بابک خرمی کامل	عہ/	حسن بن صباح	۴
الغزالی	عہ/	مقالات شبلی عا/د عہ/د	عہ/	خواجہ معین الدین	۶/	الفانسو	۱۲/	افسانہ قیس	۲
سوانح مولانا روم	عہ/	رسائل شبلی	عہ/	سکینہ بنت حسین	۶/	ایام عرب کامل	عا/	شب وصل	۲
الانتقاد عربی	عہ/	المامون	عہ/	ملکہ زنوبیہ	۳/	فتح اندلس	عا/	شب فراق	۲
دیوان شبلی فارسی	عہ/	سیرة النعمان	عہ/	قرة العین	۳/	ماہ ملک	عا/	اسیری بابل	۴/
کلیات شبلی	عا	مضامین عالمگیر	عہ/	شیرین ملکہ عجم	۴/	قیس و لبنیٰ	عہ/	زمانہ اور اسلام	۳/
مکاتیب شبلی حصہ۱	عا/	" " دوم	۸/	مخدرات	عہ/	یوسف نجمہ کامل	عہ/	الحلم الرفاعیہ	۳/
حصہ۲	عا/	مجموعہ کلام شبلی	۱۲/	مخدرات تیموریہ	عا/	زوال بغداد	عہ/	ہندوستان کی موسیقی	۴/
مثنوی صبح امید	۴	" "	۸/	صد پارۂ دل حصہ۱	عہ/	درگیش نندنی	۸/	ہندوؤں کا تعلق اردو سے	۴
اسلامی مدارس	۴/	مسلمانوں کی تعلیم	۱۰/	" " حصہ۲	عہ/	طاہرہ	عہ/	حسن کا ڈاکو	عہ/
اسلامی حکومت	۲	آغاز اسلام قسم اول	۱۲/	تاریخ سندھ حصہ۱	عہ/	مینا بازار	عہ/	دربار حرام پور	۱۰/
جہانگیر	۲/	بیان خسرو	۱۰/	عصر قدیم	عہ/	مقدس نازنین	عہ/	آغا صادق کی شادی	۱۰/
زیب النساء	۱/	موازنہ انیس و دبیر	عا/	مسیح اور مسیحیت (نایاب)	ے/	رومتہ الکبریٰ	عہ/	غیب دان دلہن	عہ/
الفاروق قسم اول	ے/	برگ گل	۴/	عرب قبل اسلام (نایاب)	عا/	فلپانا	عہ/	دلچسپ کامل	۱۲/
قسم دوم	عا/	دستہ گل	۴/	صقلیہ میں اسلام	۴/	شوقین ملکہ	عہ/	دلکش	عہ/
شعر العجم حصہ۱ ے/د	عا/	حیات جامی	۸	تاریخ خلافت	۴/	فلورا فلورنڈا	عہ/	میوۂ تلخ	۸/
" حصہ۲ عا/د	عا/	حیات حافظ	۸/	اقوام کرد	۴	منصور و موہنا	۸/	بدر النساء کی مصیبت	۲/
" حصہ۳ عا/د	عا/			جویائے حق کامل	للعہ/	حسن انجلینا	۸/	خوفناک محبت	عہ/
" حصہ۴ عا/د	عا/			لعبت چین	عہ/	ملک العزیز ورجنا	۱۲/	سرمید کی برائن	۳/
" حصہ۵	عا/								

ڈاکٹر سر اقبال } شکوہ ۲/ جواب شکوہ ۴/ نالۂ یتیم ۲/ اکبری اقبال ۳/ بلال ۱/ شمع و شاعر ۲/ فریاد امت ۲/ مکمل ترانہ ۲/ تصویر درد ۴/ خضر راہ ۴/ طلوع اسلام ۴/ بانگ درا (مجلد) عہ/ اسرار خودی وغیرہ عا/ پیام مشرق ہے/


TRADE MARK.
ESTABLISHED
نمایش گاہ کلکتہ
سنہ ۱۸۹۳ء
نمایش گاہ لکھنؤ
سنہ ۱۸۸۵ء
ہندوستان میں سب سے بڑا عطر کا کارخانہ
شاخ گلزار حوض حیدرآباد دکن
شاخ چاندنی چوک دہلی
صرف
اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ
تار کا پتہ "دو حنا"
ٹیلیفون نمبر ۱۳۹
کا ہے
جو سنہ ۱۸۳۹ء سے نیکنامی کے ساتھ جاری ہے
نمایش گاہ الہ آباد
سنہ ۱۹۱۰ء
نمایشگاہ ویمبلی لندن
سنہ ۱۹۲۴ء
نمایش گاہ کلکتہ
GOLD MEDAL
LUCKNOW
FOR
PERFUMES
سنہ ۱۹۰۱ء
مطبوعہ مقبول المطابع نظیرآباد لکھنؤ باہتمام سید مقبول حسین فضل بلگرامی

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند
(عطیہ علامہ سر اقبال)

مرقعِ

دار الادب لکھنؤ کا مقبولِ جہاں عزیز جریدہ

۱۳۴۴ھ

مرتبہ

سید مقبول حسین وصل بلگرامی

"مرقع" کے قواعد وضوابط

(۱) مرقع ہر انگریزی مہینے کی ۵ تاریخ کو دار الادب لکھنؤ سے شایع ہوگا۔

(۲) مرقع کی قیمت عام خریدارون کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔

(۳) مرقع کا نمونہ بغیر ۸ر نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہوسکتا۔

(۴) مرقع کی قیمت رؤسا، و دیگر معزز اصحاب ورانکے مربیون سے اُنکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

(۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے۔

(۶) خط وکتابت کے سلسلہ مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔

(۷) رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہئے۔

(۸) کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرسکے۔

(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم ونثر درج ہونگے جو خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔

(۱۰) مرقع کو موجودہ پالٹیکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہوگا۔

(۱۱) تنقیدی مضامین بھی اس مین شایع ہونگے، مگر وہی جنمین خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بغض کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

(۱۲) ایسے مضامین جن مین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اُس مین ایسے مضامین ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہونگے۔

(۱۳) جس نظم ونثر کے مضمون مین زبان، لغت، یا فن کی غلطیان ہونگی اُسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اُسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کردین۔

(۱۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل آزار یا متعصب نہ ثابت ہوگا۔

(۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

"مدیر مرقع لکھنؤ"

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت
ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجئے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ	صسہ	عسہ
چھ ماہ کے لئے	صسہ	عسہ	للعہ
تین ماہ کے لئے	عسہ	طہ	سے ر
ایک ماہ کے لئے	سے	صر	سے ر

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اُجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط وکتابت سے طے ہوسکتا ہے۔ اُجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے۔

منیجر مرقع لکھنؤ

سلد ۱ — مارچ سنہ ۱۹۲۶ع — نمبر ۳



بہ عکسِ روے تو ہمرنگِ روحِ انسان است ۱۹۲۶ع ز حسن و عشق مرصّع مرقعِ جانِ ما

رشحاتِ جلیل

از جناب نواب فصاحت جنگ جلیل القدر حضرت جلیل جانشین حضرت امیر مینائی

دلکشی چشمِ سیہ مین رہی جادو ہوکر
دلربائی تری زلفون مین بسی بو ہوکر

ابتو وان آٹھ پہر شانہ ہے آئینہ ہے
رہ گئے وہ بھی اسیرِ خمِ گیسو ہوکر

کثرتِ غم سے جو گھٹتا ہے دم ارمانون کا
دل سے آنکھون مین چلے آتے ہین آنسو ہوکر

آنکھ تھی نرگسِ بیمار جو دیکھا دل کو
شوخیان کرنے لگی نرگسِ جادو ہوکر

التجا رحم کی صیاد سے کب تک بلبل
پھونک دے دام و قفس گرمِ فغان تو ہوکر

دل ہوا تیر کا شرمندۂ احسان کیسا
بہ گیا دیدۂ خونبار سے آنسو ہوکر

دستِ قاتل نے دیا اپنی نزاکت کا ثبوت
رہ گیا تیر کلیجے مین ترازو ہوکر

باغبان سنبل و گل مین تو کوئی حسن نہ تھا
رنگ لائے ہین شبیہِ رخ و گیسو ہوکر

کہتی ہے بلبلِ شیدا کہ نہ چھیڑ انکو صبا
عشق کا راز ہے غنچون مین نہان بو ہوکر

اب نہ کہتا کہ نہین قتل کی عادت مجھ کو
مجھ سے ہوتا ہے جدا جان مری تو ہوکر

صبح ہو خیر سے یارب کہ شبِ غم میری
بڑھ چلی ہے کسی معشوق کا گیسو ہوکر

اِس سخن سے ہوئی ظاہر یہ حقیقت کہ جلیل
دل مین کرتے ہین اثر شعر بھی جادو ہوکر

فطرت کی گود مین بھولے بچے



صفحۂ عالم پر فطرت کے بنائے ہوئے بہت سے ایسے نقش موجود ہین، جنکو عالمِ محسوسات پر دوڑنے والی نظر نے ابتدائے آفرینش سے اپنی جولانگاہ بنایا۔ مگر اُنکا اثر دل سے تجاوز ہو کے زبان و قلم تک نہ آیا، اور نہ آسکیگا۔

شام ہو رہی ہو۔ آسمان تک ایک شعاع زیر تارا دنیا کے دھندلے رخ پر دھیمی دھیمی روشنی ڈال رہا ہو۔ مطلعِ اُفق کے ساغر مین ہلکے گلابی رنگ کی شراب ہوا کی خنکی مین جذب ہو رہی ہو۔ محفلِ دنیا کا ایک ذی روح وذی حس فرصتِ نظارہ ہو، اُسکی محدود نظر ہزارون میل کے فاصلے پر روشنی ڈال رہی ہو، عقلِ سلیم ساتھ دے رہی ہو اور حواس مجتمع ہون بھلا اُس سے نرم اور سنجیدہ الفاظ مین یہ سوال کر کے دیکھیے۔

"تو کیا دیکھ رہا ہے۔ اور کیون دیکھ رہا ہے؟" پہلے سوال کا تو غالباً وہ یہ جواب دیگا کہ آسمان کا ایک سمٹا ہوا نور (جسکو عرفِ عام مین ستارہ کہتے ہین) دیکھ رہا ہون۔ مگر دوسرے سوال کا اُسکے پاس جواب نہین، سوا اسکے کہ یہ سمان اُسکو بھلا معلوم ہوتا ہے، یا اُسے دیکھنے کو خواہ مخواہ اُسکا جی چاہتا ہے، اور بس۔ اگر اِس سے زیادہ تشریح کی کوشش کریگا تو سوا اسکے کہ اُسکی زبان پر کچھ بھٹکے ہوئے الفاظ آجائین اور کچھ نہین، اُسکی نظر کے عمل سے جو اثر اُسکے دل کی باریک رگون پر پڑا ہے اُسکا بیان قالبِ الفاظ مین نہین سما سکتا۔ جہان تک وارداتِ قلبی کا تعلق ہے۔ انسان جانتا سب کچھ ہے مگر اُسکے اظہار پر قادر نہین۔ باوجود اسکے کہ اُسکے حواسِ خمسۂ ظاہری و باطنی، دونون پختہ ہو چکتے ہین۔ اُسکا ادراک اُسکو ہر چیز کی کچھ نہ کچھ ماہیت بتا دیتا ہے۔ لیکن وہ انسانی تصویرین جنکو دستِ قدرت نے ابھی ابھی تیار کر کے نگارخانۂ دنیا مین بھیجا ہے، اور جن پر احساس و ادراکِ بشری کا تازہ رنگ چڑھایا گیا ہے۔ آیا اُنکو بھی فطرت نے کچھ موقع دیا ہے کہ اپنے قوائے ظاہری و باطنی سے کام لین۔ اگر وہ کام لیتی ہین تو کیونکر اور کیا کام لیتی ہین۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ نما مُرقعے (بھولے بچے) جن پر آفتابِ فطرت کی سیدھی کرنین پڑتی ہین کہان تک اس عالمگیر مقولے کے مصداق ہو سکتے ہین کہ "بچے نادان ہوتے ہین" کیا اِس جملے کے یہ معنی ہو سکتے ہین کہ وہ غریب کچھ دن ہوئے کہ اپنے باپ اور نورانی مرکز کو چھوڑ کے آیا ہے۔ اِس وجہ سے اُسکی نظر یہان کے مناظر سے آشنا نہین۔

ہان اگر اُسکا قابلِ تعظیم دادا (آدم) اِس پست کرے مین پھینکا جاتا، اور اُسکی گودی بھری باعصمت دادی (حوا) اُسکا ساتھ دیتی تو غالباً فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ کی آواز اُسکے کان تک نہ پہنچتی۔ مگر کیون نہ پہنچتی، اُسکو قالبِ خاکی مین آنا تھا اور ضرور آنا تھا۔

پیارے بچے کو "نادان بچہ"، شاید اِس وجہ سے کہتے ہین کہ وہ اِس نئی دنیا مین جہان وہ لایا گیا ہے بالکل اجنبی ہے، اُسکے قوائے مدرکہ ابھی ادراکِ مادیات سے بیگانہ ہوتے ہین، مگر اُسکی نظر اپنے روحانی مرکز کو ڈھونڈھتی ہے اور نہین پاتی، اُسکی بیداری عالمِ تجرد کا خواب، اُسکی نیند خمارِ تجرد کی تصویر، محبت بھری مان اُسکو اپنے آغوش مین لے کے لوریان دیتی ہے، مگر وہ خاموش لیٹا رہتا ہے، مگر جب اُسکی فطرت اُس سے باتین کرتی ہے تو وہ خود بخود مسکرانے لگتا ہے۔ جب وہ روتا ہے اور اُسکے رخسار پر آنسو بہتے ہین تو والدین کے دل مین

جہان مرقع تصویر حسن اوست تمام — **فہرست مضامین** — بہ حیرتم بہ کہ بندم دل از کہ بردارم

مارچ سنہ ۱۹۲۶ء

مرقع کا فروری نمبر
اور
جناب ہوش بلگرامی کا مکرمت نامہ

رام پور اسٹیٹ (یو-پی)
۲۴ر فروری سنہ ۱۹۲۶ع

برادر مکرم، سلام مسنون -

ابھی تو «مرقع» کا سرورق ...... جو بصورت چہرۂ سلطانہ جلتا گلناری لباس میں باصفر تو از ہوا اُسکی دید ہی کا اگر یہی عالم رہا تو دنیا آپکی طرف ٹل ہل نکلی ور «مقبول پریس» کی قبولیت ... سے کچھ کم نہ ہوگی کیونکہ سادگی کے ساتھ طباعت کی نفاست آپکی سلیقہ مذاقی کا پتہ دے رہی ہے -

مدمکہ مقطع یہ مضمون کھانا ہی جسے «تیر کا کوٹ» کہتے داد علم کا مرتبہ پہچانا جا سکتا ہے - اور «ہندو کی قدامت» والا مضمون حکیم برہم صاحب کی دیدۂ تحقیق کا ممنون ہے جن ترکیبوں کو حکیم صاحب نے غلط قرار دیا ہے اُردو کے صحیح مذاق رکھنے والے یقینی اُنکے ہمنوا ہونگے - اُردو یوں ہی تو بگڑ رہی ہے مگر لکھنے والے اسکو اختراع و اجتہاد سمجھکر عزیز رکھتے ہیں جس سے ٹھیٹھ اُردو مولانا آزاد - مولانا نذیر احمد - مولانا حالی اور سرسید کی روح سے فریاد کر کر کے کہتی ہے کہ جسکو آپنے پروان چڑھایا، جسکو آپنے اصلی خط و خال کے ساتھ دنیا میں روشناس کرایا، آپکی آنکھیں بند ہوتے ہی «انگریزی مذاق رکھنے والوں نے بد مذاقی کے اختراعات و خود رائی کے تصرفات کرکے میری صورت کو بدل دی اور توڑ مروڑ کر ہونق بنا دیا میرے لباس کو بے تکے پیوندوں سے بدنام کر دیا» - یہ فریاد اِن «چاروں» کی روح کو بیقرار کر دیتی ہے -

حکیم صاحب کا یہ فرمانا بجا ہے کہ «جھم جھم یا چھم چھم میں حکایت الصوت ہے - جب «پھوہار» میں صوت ہی نہیں ہے تو حکایت الصوت کیسی - چونکہ تیز بارش میں آواز ہوتی ہے اسلیے «جھما جھم مینھ پڑ رہا تھا» بولتے ہیں میرے نزدیک ترجمہ کا قصور نہیں ہے بلکہ زبان سے لاعلمی اور اس پر حاوی نہ ہونیکا سبب یہی لاعلمی اسکے کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ «ہمکو دہلی و لکھنو کی تقلید کی ضرورت نہیں» اِس لیے صحیح اُردو لکھنے کا عجز صاف ظاہر ہوتا ہے «چھم چھم» (بہ جیم فارسی) «پازیب» (خلخال) کی حکایت الصوت ہے - اور «جھم جھم» (بہ جیم عربی) کی آواز تیز بارش سے پیدا ہوتی ہے،

- جانشین مینائی (حضرت جلیل) کی غزل کا یہ شعر ؎

اسلیے روتا ہوں کہ دل میں جو نہاں تھے اسرار   وہ بھی آنکھوں سے ٹپکنے لگے آنسو ہو کر

خونِ دل اور خونِ تمنا وغیرہ کا «دیدۂ عاشق» گہوارہ ہے اور آنکھیں اسکی جولانگاہ، جس پر شعرا نے نئے نئے رنگ چڑھائے، زمانہ بھی جب اس سیل خونی میں جمود کی کیفیت پیدا ہوئی تو غالب کو بلند آہنگی سے ڈانٹنا پڑا کہ ع

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے

مگر حضرت جلیل نے اپنے مصرعِ ثانی کے ایک ذرا سے حرف «بھی» سے وہ تمام مراحل طے کر دیے اور بتا دیا کہ اس اتلاف پر صبر کیا جا سکتا ہے مگر جب «پردہ داری» نذرِ پردہ دری ہو جائیگی تو صبر نہیں کیا جا سکتا، اُس پر رونا ہی پڑیگا پھر چھپے راز ہو یا شرم سکتے اور پردہ داری اسکا ماتم انقلاب ماہیت دیکھیے کہ موثر تاثیر (آنسو) کے لباس میں آ کر اپنا مکان ویران کیے جاتا ہے اور آبادی کے بعد بربادی عمرانیت کا نتیجہ ویرانی ہونے والا ہے اُس پر رونا بجا ہے --

علامہ نظم طباطبائی کا یہ شعر ؎

اُٹھایا زیرِ خنجر لطفِ نظارہ کا جی بھر کے   نہ بسمل کی پلک جھپکی نہ قاتل کو حجاب آیا

اگر اس شعر کو تاثیراتِ شباب کہوں تو مولانا کا بڑھاپا میرے سامنے ہے، اگر اسکو وارداتِ صوفیہ کہوں تو مولانا کے ہاتھ نے اس ساغر سے بیعت نہیں کی ہے، مولانا لفظی تقلید کو غنیمت فرماتے ہیں مگر حسن اتفاق کہ بے حجاب نظر کا خنجر سے اور پلک کا گردنِ بسمل سے رمز پیدا ہو ہی گیا، حریف اُردو یاد شوق دیدار میں بسمل کی پلک کا نہ جھپکنا اور قاتل کا بیباکانہ نگاہ چار کیے رہنا عجیب پُر لطف منظر دکھا رہا ہے - جب ملکۂ شعر اس پایہ پر پہونچ جائے کہ بغیر سعی الفاظ معنی پیدا ہونے لگیں تو اُس شعر کی داد میں کن لفظوں میں دوں، سوا اسکے کہ بار بار پڑھوں اور لطف اندوز ہوں -

مولانا کا یہ دوسرا شعر بھی کس قیامت کا ہے ؎

نہ جانے طاقتِ رفتار کیا کہتی ہے رہ رہ کر   میں اب جھک جھک کے چلتا ہوں کہ سن لوں کیا جواب آیا

طاقتِ رفتار کی معذرت اور راہِ حیات پر چلتے رہنے کا شوق ایک ترازو میں تلا ہوا ہے وہ رہ رہ کر عذر کیے جاتی ہے تو میں رک رک سننے کے لیے بیتاب ہوں - ایک تکرار طاقت کی کمزوری کو تخفیف کر رہی ہے اور دوسرے شدتِ شوق کو قوت پہونچا رہی ہے جسکے یہ معنی ہونگے کہ آخری قدم پر بھی حیات کا وہی شوق باقی ہے جو اول قدم پر تھا - «سن لوں» کا لفظ اس امر پر بھی دال ہے کہ جہاں طاقت طاق ہو گئی ہے وہاں روتے روتے قوتِ بینائی بھی جواب دے گئی ہے -

مولانا کی ذات پر شاعری ہمیشہ سے نازاں ہے، اُنکے معلومات کی وسعت، سمندر کی وسعت اور گہرائی کا یقین دلاتی ہے - ہر شعر کی شرح شاعر ہی کے قلم سے، یہ ایک ایسی واقعہ کارانہ قیاس ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر ملک کی ذہنیت کا کس قدر صحیح اندازہ رکھتا ہے مولانا کی شاعری گل و بلبل کی فرسودہ شاعری نہیں ہے بلکہ وہ تو استعارہ کے پردے میں تخئیل کی لپیٹ میں حکمت و موعظت کے دریا بہا دیتے ہیں جن تک عام شاعرانہ دماغوں کی مشکل سے رسائی ہوتی ہے کیونکہ مولانا کی شاعری میں وسیع النظری کے چشمے رستے جاری رہتے ہیں -

خانِ بہادر سید محمد ہادی صاحب (پنشنر ڈپٹی کمشنر) کی شاعرانہ مشق کمال پر پہونچی ہوئی ہے، وہ تو ایسی ایسی سنگلاخ زمینوں پر شگفتہ شعر اُگا دیتے ہیں جس سے بڑے بڑے شاعر حیران ہو جاتے ہیں، کلکٹری کی حالت میں بھی شاعری سے لگاؤ رہا اور وزارت بھی شاعری سے رشتہ جوڑے ہوئے ہے مجھکو بھی اُنکی بے تکلف زبان سے شعر سننے کا موقع ملا ہے - وہ غزلیں بھی کہتے ہیں اور قصیدے بھی فلسفیانہ خیالات کو تغزل کے سانچے میں ڈھالتے رہتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ خانِ بہادر صاحب کی شاعری چھوٹے چھوٹے پرچوں میں آوارہ گردی کرتی رہتی ہے - اُنکی مصروفیتیں تو اجازت دینے سے رہیں کہ یہ معنوی فرزند تہذیب یافتہ زندہ رہیں، اگر یہ بے نیازی کا یہی عالم رہا تو آنے والا زمانہ اُنکو شاعر کی حیثیت سے کیوں یاد کرنے لگا - وہ تو کھڑے کھڑے «دو شکر» بھی گھٹواتے رہتے ہیں اور شعر دماغی مشین سے ہلکٹ کھا کر اور پس پسا کر نکلتے رہتے ہیں - قافیے اپنے مضامین کو لیے ہوئے اُنکے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور وہ یہ مقطع پڑھتے ہوئے دلچسپ گزرگاہوں سے گزر جاتے ہیں کہ:-

سر بازار گشتی ہیں صلواتیں لاکھوں   راہ چلتے میں یہ ہادی نے کدھر دیکھ لیا

میں انکو «ہند کا ابو العتاہیہ» سمجھتا ہوں کوشش کیجیے کہ انکا منتشر کلام جمع ہو کر شائع ہو جائے - «مرقع» کی کامیابی کے لیے دعا مانگتا ہوں حلقۂ اشاعت بڑھانے کی فکر میں ہوں - والسلام

خاکسار «ہوش» بلگرامی

ایک کوہستانی نشیب پر آفتاب نیمروز کا منظر

آفتاب نیمروز کوہستانی نشیب کی طرف جھک رہا تھا۔ بلند و گنجان اشجار کے جھرمٹ ہر طرف پھیلے ہوئے تھے جنکا خزانی رنگ ہزاروں قسم کے سدا سہاگ درختوں کے تر و تازہ سبزیوں سے ملا ہوا تھا۔ ان جھرمٹوں مین سورج کی روشنی کچھ اس طرح جذب ہو رہی تھی کہ بعینہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے نور کی بارش ہو رہی ہے۔ متجلی اشجار کے رنگ گویا رنگ نہ تھے بلکہ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ان کے ہسا مین آگ لگی ہوئی ہے، سرخ، شہابی و ارغوانی رنگ کے درخت جو مسرت فضا مین کھڑے جھوم رہے تھے وادی کے اندر آفتاب کی شعاعوں کی بارش مین ڈوبے ہوئے تھے پتا پتا ارتعاش مسرت اور اہتزاز زندگی سے کانپ رہا تھا۔ ہر وہ پتہ جس پر سورج کی کرنین پڑ رہی تھین۔ کبھی ایک شعلۂ جوالہ معلوم ہوتا تھا، اور کبھی ایک نقش زمردین، وادی کی گہرائیوں مین دور دور تک سبز محرابی راہین ایک بلورین سمندر کی بلند امواج کے خلا کے مثل معلوم ہوتی تھین۔ اور سمندر کے جھاگ کی طرح جگہ جگہ خوشنما پھولوں کے انبار کناروں پر لگے ہوئے تھے، تاریخی رشحات کی نقرئی دھاریان وادی کے چارون طرف ہوا مین لوٹتی پھرتی تھین، اور چٹانون کی بھوری دیوارون پر سے ٹکرا ٹکرا کر ہزارون چھوٹے چھوٹے ستارون مین پاش پاش ہو جاتی تھین، اور جیسے جیسے ہوا کے نازک اور نرم جھونکے انکو ابھارتے یا گراتے تھے ویسے ویسے وہ کبھی مدہم پڑ جاتی تھین اور کبھی دمک اٹھتی تھین۔ سبزہ زار کا ہر خطہ فردوس کے فرش زرین کی طرح لہک رہا تھا اور جس طرح غروب کے وقت بادلوں مین سے بجلی چمکتی ہے، اسی طرح ہوا کے جھونکون مین درختوں کی جنبش سے وادی کے اندر سورج کی شعاعوں کی ہزارون بجلیان کوند رہی تھین۔ سیاہ چٹانون کے بے حس انبار، باوجود تاریک ہونے کے سرخ کائی سے دمک رہے تھے۔ اور اپنے پُر تمکنت خاموش سایہ کو مضطرب بجلیوں پر پھیلائے ہوئے تھے۔ انکے دامن مین انکی سنگین خلا کو آب روان کے شفاف چشمے ایک نیر منضبط موسیقی اور نیلگون کہرے سے ممتزج کئے ہوئے تھے۔ اسکے علاوہ سنگین بلندیوں کے سنجیدہ اور منور سکوت کے بے پایان فاصلوں کے درمیان گلاب و عنبر کے ہزار ہا جھاڑ مستبر بادلوں کی طرح جن مین تاریکی کا کہین پتہ نہ تھا، بلکہ جو محض منور و متجلی کرنے ہی کے لئے اپنا وجود رکھتے تھے، دور دور تک دکھائی دیتے تھے۔ یہان تک کہ سفید اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی انتہائی فضا کی چمک سمندر کی تیز روشنی مین مل کر غائب ہو جاتی تھی۔

(ترجمہ)　　　　محمد عبد الحی صدیقی بی۔ اے۔ (علیگ)



رباعیِ اثر

کُڑھنا اور زار زار رونا اچھا　　ہان عشق کا اعتبار کھونا اچھا
لیکن کسی کافر کی نگہ سے لے دل
اب تو نہ کبھی دوچار ہونا۔ اچھا

(مرزا جعفر علیخان بی اے اثر لکھنوی)

رباعیِ روان

جب نفس پہ فتحیاب ہو جاتا ہے　　انسان رفعت مآب ہو جاتا ہے
اُف سوزشِ عشق کی یہ ادنیٰ تاثیر
ہر داغِ دلِ آفتاب ہو جاتا ہے

(بابو جگت موہن لال روان ایم اے۔ ایل ایل بی)

تمغاے شاعری

مرسلۂ جناب خواجہ مسعود علی صاحب ذوقی "سکریٹری" انجمن حدیقۃ الشعراء مسلم یونیورسٹی علیگڑھ



یعنی جناب اصغر گونڈوی کی وہ غزل جو علیگڑھ جوبلی کے زمانہ مین آل انڈیا مشاعرے کے موقع پر پڑھی گئی تھی - یہی وہ غزل ہے جس پر آل انڈیا مشاعرہ کی انتخابیہ کمیٹی نے بعد اتفاق راے اُن تمام غزلون مین بہترین قرار دیا جو مشاعرہ مین پڑھی گئی تھین اور اسی غزل پر ایک طلائی تمغہ جو بہترین غزل کے لئے مقرر کیا گیا تھا جناب اصغر کی خدمت مین پیش کرنے کا اعلان کیا - وصل بلگرامی

نمایان کر دیا اِس نے بہارِ روے خندان کو — کہ دی نغمہ کو مستی رنگ کچھ صبحِ گلستان کو
زرا روکے ہوئے موجِ تبسمہاے پنہان کو — ابھی یہ لے اُڑینگی بجلیان تارِ رگِ جان کو
زرا تکلیفِ جنبش دے نگاہِ برق سامان کو — جہان مین منتشر کر دے مذاقِ سوزِ پنہان کو
یہان کچھ نخلِ پر بکھرے ہوے اوراقِ رنگین ہین — مگر اک مشتِ پر سے پوچھیے رازِ گلستان کو
سُنا ہے حشر مین شانِ کرم بیتاب نکلیگی — لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ ذوقِ عصیان کو
بس اتنے پر ہوا ہنگامۂ دار و رسن برپا — کہ لے آغوش مین آئینہ کیون مہرِ درخشان کو
دکھائی صورتِ گل پر بہارِ شوخیِ پنہان — چھپایا معنیِ گل مین کبھی حسنِ نمایان کو
قفس ہو دام ہو کوئی چھڑا اب یہ ناممکن — ازل کے دن کلیجے مین بٹھایا تھا گلستان کو
اب ان رعنائیون پر شکوۂ جور و ستم کیسا — کہ خواب آلود اس نے کر لیا چشمِ پشیمان کو
ہوئے جو ماجرے خلوت سراے راز مین اُس سے — نہ کفر اب تک ہوا واقف خبر اسکی نہ ایمان کو
تمنا ہے نکل کر سامنے بھی عشوہ فرما ہو — کوئی دیتا ہے جنبش پردۂ بیتابیِ جان کو

نہین دیوانہ ہون اصغر نہ مجھکو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریبان کو

رباعیِ فرخ

راحت کی جسے ہوس ہے دیوانہ ہے — ہر حال مین جو خوش ہے وہ فرزانہ ہے
کل پھول کھلے تھے آج ویرانہ ہے — دم بھر کی ہے بس بہارِ باغِ عالم

فرخ بنارسی

تیزون کا کام کرتے ہین - اور جب ہنستا ہے تو اُنکا دل مسرور ہوتا ہے
بچے کی تکلیف کا سبب تو ہم بتا سکتے ہین - مگر اُسکی خوشی کا سبب
ہمکو معلوم نہین ، اور اگر معلوم بھی ہے تو اپنے علم کے مطابق - یقیناً
نہین - نہ معلوم اُسکا وقت کس مصروفیت مین گزرتا ہے - شاید اُسکی
روح ہر وقت اِس فکر مین غرق رہتی ہو کہ دونون عالمون کے اشیا مین
تقابل کرے - اور شاید اُسکی یہی کوشش اُسکے قواے ظاہری و باطنی
کو جلد جلد ترقی دینے لگتی ہے - کچھ دنون کے بعد اُسکو معلوم ہوتا ہے
کہ کسی خواب کی تعبیر مل رہی ہے - مگر ذرا اور چونچال ہو کے خوابِ دوش
کو اپنے دماغ سے بالکل محو کر دیتا ہے، یہان تک کہ اُسکی زبان سے
کچھ پیارے پیارے الفاظ نکلنے لگتے ہین جو اُسکے پالنے والون کے
کانون مین جنتی زبان کا لطف پیدا کرتے ہین -

یہی بچہ جب جوان ہوتا ہے تو اُسکا دل اُسکا دماغ اُسکی
تمام قوتین، مصروفِ کار ہو جاتی ہین، مگر وہ قلیل وقت جو اُسکو
تفکرات دنیوی کے علاوہ ملتا ہے، اُسمین اگر وہ عالمِ مادیات سے قطع
نظر کر کے روحانی اثرات کے متعلق کچھ خیال کرتا ہے - تو قدرے
مشق کے بعد اُسکو محسوس ہونے لگتا ہے - کہ وہ کبھی کسی ایسے عالم مین
تھا، جہان کے مناظر اِس کرّے کے مناظر سے بالکل جُدا گانہ تھے -
اُسکی نظر محسوس کرنے لگتی ہے کہ اُسکے سامنے ایک مادی پردہ حائل ہوا
اور رفتہ رفتہ اُسکا حجم بڑھتا گیا - یہان تک کہ اب پردے کے اُدھر
کے مناظر سامنے نہین -

گو مناظرِ سحر و شام اُسکو نظر فریب تصویرین دکھاتے ہین، اور اُنکا
اثر اُسکے دل کی رگون مین پیوست بھی ہو جاتا ہے - مگر جس وقت اول
کے نورانی فضا کی کوئی کرن اُسکے احساسات کو جگاتی ہے تو اُس تنگ
ظاہر کی طرف سے رخ پھیر لیتا ہے -

بہت سے لوگ دنیا مین ایسے ملین گے جو زندگی کی کشمکش سے
تنگ آکر چیخ اُٹھتے ہین " ہم طفلی ہی مین مر جاتے تو اچھا تھا "
اِس خواہش سے یہ مُراد نہین کہ وہ دنیا مین رہنا نہین چاہتے - بلکہ
اسکے معنی یہ ہین کہ وہ آرام روح اور آرام جسم جو طفلی مین حاصل تھے اُنکے
مقابلے مین تکلیف موت کی کوئی ہستی نہ تھی -

جس طرح ایک تیز پر تتلی گلاب کے پھول کا طواف کرتی ہے،
اِس طرح ایک بچے کی نظر عالمِ ارواح کی ہر لطیف شے پر مستانہ وار نثار
ہوتی ہے - تتلی پھول سے خوشبو جذب کرتی ہے، مگر ایک معصوم کی
نظر مناظرِ روحانی کے پاک اور لطیف اثرات جذب کر کے روح کو
قوت دیتی ہے -

قانون قدرتِ عالمِ مادیات کے ہر ذرے کے لئے یکسان ہے
تکلیف و راحت، خوشی و غم مین ہر ذی روح شریک ہے
خواہ وہ بچہ ہو، جوان ہو، یا بوڑھا - مگر غور طلب امر یہ ہے کہ بچے کو اگر
کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ وقتی تکلیف ہوتی ہے (وہ بھی جسمانی) جو
ایک مقررہ وقت پر ختم ہو جاتی ہے - مگر جوان اور بوڑھے کے تکالیف
اکثر ایسے ہوتے ہین جو ہمیشہ کے لئے دل مین نشتر بن کے رہجاتے ہین
اگر کوئی یہ کہے کہ بچے کی روح احساس نہین کرتی تو شاید یہ درست
نہ ہو - اُسے احساس ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے، مگر فطرت اُس
اثر کو جلد سے جلد اُسکے دماغ سے زائل کر دیتی ہے کہ اُسکے نشو و نما
مین خلل نہ واقع ہو - کیونکہ اکثر جوان اور تندرست آدمی جب کسی
زبردست تکلیف کا شکار ہو جاتے ہین تو پھر نہین پنپتے - ایسی
حالت مین عہدِ طفولیت جس قدر یاد آئے تھوڑا ہے، - ایک انگریز
شاعر کہتا ہے

"مجھے بچپن مین چھوڑ دو، تو مین بہت آرام سے موت کا مقابلہ کرون"

واقعی آدمی کیسا ہی رنجیدہ خاطر ہو، پریشان خیال ہو، تھوڑی
دیر بچون مین بیٹھے، تو اُسکی فکر اُسکا تردد تھوڑی دیر کو معطل ہو جاتا ہے

بچے سے فطرت خود محبت کرتی ہے اور دُنیا سے محبت کراتی ہے۔ معصوم بچہ جب دنیا کی پہلی ہوا کھاتا ہے، اور والدین کی نظر اُسکے بھولے بھولے چہرے پر پڑتی تو محبت کا تیج دلون مین بیٹھ جاتا ہے۔ اور آخر عمر تک اس پہلے تخم سے شاخین پھولتی رہتی ہین۔

افسوس وہی بچہ جسکا چہرہ نورانی، جسکے افعال دل خوش کُن جسکی نظر محبت انگیز، اُسی کو زمانہ ایک وقت انقلابات کا نشانہ بنا لیتا ہے۔ دُنیا کے مکروہات اُسکی صورت بدل دیتے ہین۔ اُسکی آنکھین حزن و ملال کی تصویرین بن جاتی ہین۔ یہی کُرۂ خاک اُسکی ہزارون اُمیدون کو مٹی مین ملا دیتا ہے۔ یہان تک کہ ایک روز وہ خود خاک کے ذرّون مین مل جاتا ہے، اور اُسکی پاک روح جو کچھ دن اُسکی رفاقت جسمانی کے لئے آئی تھی، خوش خوش عالمِ بالا کی طرف پرواز کر جاتی ہے، اور اپنے مرکزِ اصلی مین ہمیشہ کے لیے قیام کر لیتی ہے۔

سید آغا اشہر لکھنوی

پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

(جناب مرزا جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی بی، اے)

غنچے چٹک رہے ہین طائر چہک رہے ہین (۱) گلشن مہک رہا ہے اُف! تیرا مسکرانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

موجین شراب کی ہین جھونکے ہین نکہتون کے (۲) ہو روح مست جس سے وہ وقت ہے سُہانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

اٹکھیلیان صبا کی رنگینیان سحر کی سر جوڑ کے گلون سے غنچون کا پھر لجانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

مشرق کی سمت اُجالا مغرب مین کچھ سیاہی وہ رات بھر کے جاگے تارون کا جھلملانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

دلمین ہے ایک طوفان عشرت ہے تن بدن مین شبنم سے کوئی سیکھے سجدے مین سر جھکانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

مفلس کو کرتے گویا جھٹکا دیا ہے وہ اوس مین نہا کر سبزے کا لہلہانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

وہ شور "پی کہان" کا وہ کوک کوئلون کی کو کو وہ فاختہ کی چشمے کا گنگنانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

موجون پر ایک وقت سا حال ہے وجد طاری چرواہے کا لب جو وہ بانسری بجانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

اُڑنا بھنبھیریون کا تالاب کی وہ خنکی وہ پھول پر کنول کے بھونرے کا بیٹھ جانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

جنگل مین ڈھاک پھولا آگ سی لگی ہے گلشن بھی ہم نے دیکھا صحرا بھی ہنسے جانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

ہر شے مین ایک جلوہ پوشیدہ آشکارا تو میرا ہین جن تیرا، اب میسر کیا ٹھکانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

کیون امتیاز کیجیے ناقوس و اذان مین گو ساز مختلف ہین، ہے ایک ہی ترانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

تجھ سے جُدا نہین ہے ہر گز خیال تیرا کثرت ہے عکسِ وحدت جب سے یہ راز جانا
پُر کیف کس قدر ہین فطرت کے یہ مظاہر

استاذ علم وفضل (مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ) کا نوحۂ غم

ذیل میں ہم جناب مولانا آزاد سبحانی صاحب کا وہ مضمون درج کرتے ہیں جو جناب ممدوح نے حضرت قیام الدین مولانا مولوی حاجی محمد عبدالباری فرنگی محلی کے وصال پُرملال کی خبر وحشت اثر سے (باوجود اسکے کہ آپ کے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ہمیشہ اختلاف رہا) متاثر ہوکر تحریر فرمایا ہے اور جسمین اپنے دلی جذبات - اپنے خیالات اور اُن امور کا ذکر کیا ہے جن کے لئے دنیا ہمیشہ افسوس کرتی رہے گی اور نہ کرسکے گی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات وہ ذات گرامی صفات تھی جسکی نظیر ملنا دشوار ہے۔

مجھے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کم ازکم پچیس سال سے شرف نیاز حاصل تھا اور سلسلہ طریقت مین حضرت قطب الاقطاب سرکار بانسہ قدس سرہٗ سے جو نسبت اور توسل آپکو باپ جد سے چلا آتا تھا اوسی کا مین بھی نام لیوا ہون اور اس طرح جو صدمہ اور رنج مجھے آپکے وصال سے ہوا اُسکی کیفیت بیان مین نہین آسکتی۔ اور مین کہہ سکتا ہون کہ آپسے واسطہ رکھنے والے تو واسطہ رکھنے والے آپکے جاننے والے تو جاننے والے ہر وہ شخص جس نے کبھی آپکو نہین دیکھا۔ کبھی آپسے نہین ملا صرف نام ہی سنا ہے اُسکو بھی صدمہ اور دلی صدمہ ہوا ہوگا۔

آپ کی ذات ملک کے لئے مبارک ہر قوم وملت کے لئے مسعود اور مسلمانون کے لئے فلاح وبہبودی کا باعث تھی۔

مسائل حاضرہ اور چند دیگر مسائل مین بہت سے اصحاب آپ سے اختلاف رکھتے تھے لیکن آج اُنکی بھی یہ حالت ہے کہ اس صدمہ سے مغموم وملول ہین اور یہ سمجھکر کہ مجموعی حیثیت سے آپ مین کتنے محاسن کتنی خوبیان اور کتنے فیوض وبرکات تھے۔ آپ کو یاد کرتے اور آپکے وصال پر اظہار رنج وغم کررہے ہین۔

مولانا۔ ۹ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ بروز یکشنبہ عالم ظہور مین آئے اور اُنچاسوین سال مین ابھی آپنے قدم بڑھایا ہی تھا کہ ۲ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ کو آپ پر فالج کا سخت اثر ہوا۔ یہان تک ۵۶ گھنٹہ اس مرض مین مبتلا رہکر ۴ رجب ۱۳۴۴ھ کو ۱۱ بجے شب کے قریب اس جہان فانی سے سفر کرکے عالم جاودانی ہوئے اور ۵ رجب کو ایک بجے دن کے باغ حضرت مولانا انوار رحمۃ اللہ علیہ مین اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے پائین۔ سنگ مرمر کے ایک کٹہرے مین جو پہلے سے تیار تھا سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپکے وصال پر جو کچھ رنج وغم نہ کیا جائے کم ہے۔ خداوند کریم آپکو وہان بھی درجات عالیہ عطا فرمائے۔ آپکے جانشین جناب مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب (جن سے زمانہ اور آپکے متوسلین کی بہت سی امیدین وابستہ ہین آپ کے نعم البدل ثابت ہون) اور تمام اعزہ کو صبر جمیل عطا کرے اور مولانا رحمۃ اللہ کے صغیر سن لخت جگر کی عمر مین ترقی دے اور علم وعمل کی دولت نصیب کرے اور خلق کیواسطے فیوض وبرکات کا مظہر بنائے۔ آمین۔

(وصل بلگرامی)

استاذ علم وفضل اور یادگار کمال وتحقیق حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ، عالم شہادت سے گزر کر، عالم غیب کو راہی ہوگئے یہ سانحہ عالم کلی کا تو ایک معمولی واقعہ ہے، عالم، تو، تسلسل حوادث وسوانح کا نام ہی ہے یہاں کارگاہ تعمیر وتخریب مین اس کے سوا ہوتا ہی کیا ہے کہ ہر آن بے شمار اقالب وجود بنتے اور بگڑتے رہین، اس طرح کہ بننے والون کا حساب ہے، نہ بگڑنے والون کا شمار واعتبار، یہان تاثر وامتیاز کا بھی پتہ نہین، نہ مصالح ومرعایات کا کچھ اثر، یہان بے تعلقی محض اور مساوات مطلق ہے یہان سب کیلئے حدوث وفنا ہے اور ہر ایک

کلیۃً حدوث وفنا کی ایک ہی سطح ہے، اسی سطح پر، ہر موج کو اُبھرنا اور بیٹھنا اور ہر حباب کو بننا اور ٹوٹنا ہے،

اور اس لئے یہان کسی آنے والے پر کوئی سچا موقع مسرت و تہنیت ہے اور نہ جانے والے پر کوئی واقعی گنجائش حسرت افسوس و تعزیت، لیکن عالم کلی کے ایک محدود حصے مین، جس کا نام عالم انسانی ہے جہان اضافات و اعتبارات اور تعلقات و حیثیات نے چھوٹائی اور بڑائی اور اہلیت و نااہلیت کے اعتباری مرتبے قائم کر دیئے ہین اگرچہ یہ بھی عالم انسانی کی طفلگی و ناپختگی کا آئین عارضی ہے جسکو درجۂ پختگی مین پہونچکر یقیناً غائب ہو جانا پڑے گا، مولانا کا سانحہ وقت کا ایک سانحۂ عظیم ہے، خصوصاً ہمارے ملک کیلئے، اور زیادہ خاص ہماری قوم کیلئے، اور بھی زیادہ خاص جماعت علما کے لئے اور بجا ہے اگر اس سانحہ پر عام رنج والم کیا جائے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات کا تو رشتۂ گسستگی نا تو اب فضول ہے، انکے فضائل و کمالات انکی روح کے ساتھ ہی عالم تعلقات سے بے رشتہ ہو چکے، ہان اُنکی یادگار اُن کا تذکرہ جن سے ان کے قدردانون اور وابستون کا واقعی تعلق ہو سکتا ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا تذکرہ بھی، حدیث گوئی و داستان نوازی کے رنگ مین نہین کہ یہ شغلہ لہو و لعب تو صفت سے زیادہ اپنے اندر مضرت رکھتا ہے، بلکہ تذکیر و تبلیغ کے رنگ مین جو تذکرہ کی اصل غایت ہے ۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تین زبردست یادگارین چھوڑی ہین جنھین اگر صرف زندہ ہی رکھنے کی کوشش کی جائے تو انکے متعلقین کے سامنے کام کا ایک میدان عظیم ہے، (۱) مسند علم و روحانیت (۲) خدام الحرمین (۳) مکمل آزادی ہند کی آرزو و تائید۔

مسند علم و روحانیت سے وہ علم و روحانیت کی خدمت کرنی چاہتے تھے ان کی علمی خدمات کی جولانگاہین مؤید العلوم، مدرسۂ نظامیہ جمعیۃ العلمائے ہند کی علمی کارگاہین تھین، انکی روحانی خدمات کے میدان، سلسلۂ رزاقیہ زادیۂ والیہ اور جمعیۃ المشائخ ہند کے روحانی کارخانے تھے!

خدام الحرمین سے وہ، مرکزی سیاسیات اسلامی کی خدمت کا حوصلہ رکھتے تھے جس کے لئے وہ مدت العمر بہ اختلاف اشکال و حیثیات سرگرم عمل نظر آئے، خدام الحرمین کا وجود، انکی سرگرمی عمل کی آخری شکل کیا تھی اگرچہ ایک جماعت کو اس خاص شکل مین اُن سے اختلاف و خلاف تھا لیکن اس کلیۃً اختلاف و خلاف مین ایسے جزئے ہیچ میرز و ہیچ میرس ہوتے ہین اُسکے علاوہ ان اختلاف و خلاف کا بہت کچھ دار و مدار غلط فہمی و غلط تعبیری پر مبنی تھا جو اب انشاء اللہ نہین باقی رہے گا مکمل آزادی ہند کی آرزو و تائید، گو ان کے ارتقائے مابعد کی پیداوار تھی پھر بھی اُنکی فکریات مین شامل ہو چکی تھی، اس کا اظہار اس شکل مین ہوا کہ انہون نے، ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کی جسکا کھلا ہوا نصب العین، مکمل آزادی ہند ہے اصولی تائید فرمائی، اور اسی ہمت افزا بنیاد پر پیر خاندان فرنگی محل اور علمائے فرنگی محل کے ایک ممتاز رکن کمیونسٹ پارٹی کے باقاعدہ ممبر بن گئے اور اس حیثیت سے کانپور کمیونسٹ کانفرنس مین شرکت کی اب اگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سچے قدردان اور وفاشعار وابستہ اس ملک مین موجود ہین اور انکی ان فاتحہ خوانیون اور عزاداریون مین، رسم و مشغلہ پرستی کے سوا اصلیت و وفا کا کچھ رنگ بھی ہے، تو ان کا فرض یہین ختم نہین ہو جاتا جہان وہ ختم کرنا چاہتے ہین بلکہ آگے بڑھتا ہے اور آگے بڑھنے کی پہلی حد یہ ہے کہ وہ ان یادگارون کو زندہ رکھنے کی کوشش کرین، اور اصلی حد تو یہ ہے کہ ان کے مقاصد و اغراض کو پورا کرنے کی جد و جہد کرین یہی اس بڑے شخص کی سچی قدردانی اور مرثیہ خوانی ہے مین خود اپنی اس تعلیم پر عمل کیلئے آگے بڑھتا ہون اور باوجود اس بے اُنسی کے جو مجھے اپنی ناکسی کے باعث مدت العمر مولانا سے رہی اُنکے کمالات اور کارنامون کی منصفانہ قدردانی کے لئے یہ عہد کرتا ہون کہ انکی یادگارہائے ثلثہ کی تائید و تقویت

کو جو میں میری مرضیات و فکریات بھی ہیں، اپنے مشاغل کا ایک جزو سمجھونگا، اور اس طرح مولانا مرحوم کی روح گرامی کو ایصال ثواب کرتا رہونگا۔

کاش مولانا مرحوم کے تمام وابستہ اور قدردان خصوصاً ارکان فرنگی محل، اس عریضہ پر التفات فرمائیں آخر میں بیساختہ جی چاہتا ہے کہ مولانا کی غیر فانی اور اولو العزم روح کی بارگاہ گرامی میں چند اشعار بجذبۂ حقیقت نذر گزرانوں۔"

تری وداع پہ ہے خلق اشکبار بہت — کہ تھی تو خادم خلق اور وفا شعار بہت
توذی کمال تھی اور تیرے عزم اعلیٰ تھے — ترے عمل سے تھے آباد کار و بار بہت
تو فتح خوبی و انجام پر بھی قابض تھی — زمانہ یعنی رہا تجھ سے سازگار بہت
تو بیقرار تھی اور بیقرار رکھتی تھی — تری روش میں تھا انداز روزگار بہت
شہود میں ترے تھوڑے ہی عزم ابھرے ہیں — دبے ہوئے ہیں بہ حسرت تہِ مزار بہت
تھی معرفت تری دشوار شل رمز عمیق — زبسکہ تھی تری تعمیر کنسہ دار بہت
کریں گے قدر تری آگے چل کے اہل زماں — ترے ارادوں کے جب ہوں گے رازدار بہت
مٹی نہیں ہے تو دنیا سے بھی کسی صورت — کہ تونے چھوڑی ہیں اشکال یادگار بہت
رکھے گا زندہ انہیں ہے یہ عزم سبحانی — وہ اپنے دوش پہ رکھتا ہے گرچہ بار بہت

فقیر آزاد سبحانی

نغمۂ ہستی

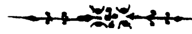
(خاص مرقع کے لئے۔)

زندگی اک سرود ہے ساز ہے ساری کائنات — گوشِ نوا شناس ہے محرمِ نغمۂ حیات
وجد میں بزم دہر ہے وقفِ نیازِ بیخودی — مطربِ جان نواز نے چھیڑا ہے سازِ بیخودی
رقص میں ہیں تجلیاں ڈھلکے حریمِ ناز میں — زمزمۂ نشاط ہے تارِ نفس کے ساز میں
نغمہ ہے کائنات میں جلوہ فروزِ زندگی — بزمِ جہان کے ساز میں نغمہ ہے سوزِ زندگی
سوز وہ ہے کہ آشنا جو ہوا اس کے ساز سے — اُڑ گیا برق کی طرح جلوہ گہِ مجاز سے
جلوہ ہی خود حجاب ہے ایسا طلسم راز ہے — ساز ہی وجہ نغمہ ہے نغمہ ہی وجہِ ساز ہے
دائرۂ حیات میں رنج بھی ہے خوشی بھی ہے — منظرِ کائنات میں نور بھی تیرگی بھی ہے
شام کے بعد صبح ہے صبح کے بعد شام ہے — دورِ تسلسل ایک ہے جس کا حیات نام ہے
بزمِ ازل سے تا ابد عالمِ صوت ہے جہاں — لذتِ حیات ہے رازِ حیاتِ جاودان

نوحۂ وفات حضرت مولانا محمد عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ



مرقومۂ عالی جناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی موہانی متخلص بہ بسمل از حیدرآباد دکن



عکس خاموشی ہے جذبات کی بیداری کا
موت کی نیند کہ سرمایہ ہے ہشیاری کا

زندگی انکی تھی موت انکی ہے جو دنیا مین
حق ادا کر گئے جو حق تھا نکوکاری کا

دلنشین ہین وہی ہین خلد نشین بھی وہی لوگ
جن مین تھا ولولہ و حوصلہ دینداری کا

مین تو کیا ایک زمانہ انہین روتا ہے جنہین
شوق تھا کچھ تو مسلمانون کی غمخواری کا

اے فرنگی محل اب تجھمین کہان وہ ہستی
خاتمہ جس پہ ہوا ہائے رواداری کا

اب کہان سیدی و مولوی عبد الباری
اُف ابھی وقت نہ تھا انکی عزاداری کا

دل منور تھا تو اک نور کی تصویر سے تھے وہ
خاتمہ ہوگیا پاکیزہ طرحداری کا

آج معلوم ہوا غم بھی ہے اک شے بسمل
پہلے سنتے تھے فقط نام ہول افگاری کا

نواب مرزا محمد باقر علی خان عروج

(از پنڈت برج نرائن صاحب چکبست لکھنوی بی اے، ال ال بی وکیل)

عجیب اتفاق ہے کہ اودھ کی سلطنت کے آخری دور مین جبکہ مختلف سوشل اور اخلاقی بدعنوانیون کا بازار گرم تھا اور پولٹیکل مجبوریون کی وجہ سے حکومت کا تاج آخری فرمان روائے اودھ کے سر پر لرز رہا تھا لکھنؤ مین شعر و سخن کا مذاق روز بروز ترقی کرتا گیا حتی کہ رفتہ رفتہ اس یادگار خطہ کی زبان دہلی کی غلامی کی قید سے آزاد ہوگئی اور خصوصاً یہان کے محلات کی زبان سادگی پاکیزگی اور نفاست کے اعتبار سے ضرب المثل ہوگئی۔ اودھ کی سلطنت کا چراغ گل ہونے پر اس زبان کے اصلی وارث وہی لوگ تھے جنکا تعلق خاندان شاہی یا خاندانی وزارت سے تھا۔ یہ پرانے گھرانے ایک ایک کرکے مٹتے جاتے ہین اور ان کے ساتھ اس زبان کا لطف بھی مٹتا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ مین نواب مرزا محمد باقر علی خان عروج کا نام قابل ذکر ہے۔ نواب صاحب موصوف اشرف الدولہ نواب امجد علی خان کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان تھے جن کا عروج نواب آصف الدولہ بہادر کے دوران حکومت مین ہوا لکھنؤ کے اس مشہور گھرانے مین جو کہ خاندان شیش محل کے نام سے مشہور ہے تین پشت تک اودھ کی وزارت رہی اسوقت میری نگاہون کے سامنے نواب صاحب موصوف کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی ہے جسکا نام شاہنامہ ہے۔ سنا گیا ہے کہ نواب صاحب نے یہ مثنوی تفریحاً تصنیف فرمائی تھی۔ اسکا پایہ محض شاعری کے اعتبار سے زیادہ بلند نہین ہے لیکن روزمرہ اور زبان کا لطف قابل داد ہے۔ مثلاً ایک نوجوان عورت کی مہلک علالت کا حال اس طریقہ پر نظم کیا ہے۔

جمع تھے یون عزیز بیگانے ۔۔ شمع کے گرد جیسے پروانے
موت کی تھین نشانیان جو تمام ۔۔ عورتون مین پڑا تھا اک کہرام
کوئی کرتی تھی چپکے چپکے دعا ۔۔ پنجسورہ کی دے رہی تھی ہوا
سورۂ جن کیا کسی نے تمام ۔۔ کوئی پڑھتی تھی سورۂ انعام
کوئی کہتی تھی کیا ہوا یہ سبب ۔۔ ائین یہ گاڑی سا ڈیل گھل گیا سب
دھو کے اک بوند منھ مین پہونچادو ۔۔ لو چپل کنجی کا کٹورا لو
دوسری بولی سر پہ غل نہ مچاؤ ۔۔ کچھ خبر ہے تمھین حواس مین آؤ
ساری جان انکی ہے پسینہ مین تر ۔۔ دانت بچے ہین پانی دین کیونکر
سر کو چوکھٹ پہ مارتی تھی کوئی ۔۔ لا کے صدقہ اُتارتی تھی کوئی
کوئی بولی زیادہ رنج نہ کھاؤ ۔۔ ارے جلدی حکیم بلواؤ
گال مین نتھ چھپے یہ کون ہو گت ۔۔ بات کہنے مین ہوگئی لت پت
کوئی کہتی تھی ہے مجھے مرغوب ۔۔ ڈاکٹر کا علاج ہوتا ہو خوب
کوئی بولی نہ ہو خلاف مزاج ۔۔ انکا ہو تو رج ڈاکٹر کا علاج
کچھ دوائین نئی نکالتے ہین ۔۔ سنتی ہون کالا پانی ڈالتے ہین
طعنہ زن لوگ ہوئینگے بیباک ۔۔ وائی بندی نہ کھائینگی صحنک
پاس ہمجولیان جو تھین دو چار ۔۔ رو رہی تھین وہ بیٹھین زار و قطار
کہتی تھین کس پہ جان وارینگے ۔۔ باجی کہکر کسے پکارین گے
ہم کو جینے کا آسرا دے جاؤ ۔۔ کہان جاتی ہو کچھ بتا دے جاؤ
تم نہ بولین ہون اس مین بھی خفا ۔۔ اُٹھ کے بجیا ہمین منا لو ذرا

آئینہ لیکے دیکھو تو چہرا   ستّ گیا رات بھر مین منھ کیسا

کوئی بولی خدا نہ اُسکو اُٹھائے   اسکی سب ماندگی مجھے لگ جائے

آنکھین کھولے یہ ہوشیار اُٹھے   چارپائی کو لات مار اُٹھے

غول کے غول جمع ہون ہر دم   چل کے جوہی کے آگے ہو ماتم

جاکے درگاہ کوئی اُودی لائے   لاڈلے سے کوئی علم اُٹھوائے

پھاڑ ڈالو دوپٹّے مل مل کے   رکھو سینہ پہ پھائے صندل کے

کوئی یہ کہکے رو رہی تھی کھڑی   مجھ سے بس ڈیڑھ سال تھی ٹریّا

روتے روتے لبون پہ آئی ہے جان   ابھی غش مین گری ہین خالہ جان

اُن کے گھر کا یہی اُجالا ہے   ہائے کن منّتون سے پالا ہے

روتے گزری ہے رات بھر اُنکو   تن بدن کی نہین خبر اُن کو

کل جو چاہا کرین نماز تمام   پہلی رکعت پہ پھیرتی ہین سلام

کوئی بولی سُنا یہ ہم نے تھا   مانتی تھی نہ اپنی مان کا کہا

مان نے سو بار اُسکو منع کیا   بیٹھی انگنائی مین سفیدی نے کہا

اُسکو میدان مین موت لائی تھی   دن کو بالائی اُسنے کھائی تھی

مچھلی کی طرح تڑپی جاتی ہے جان   چشم تر دل مین درد لب پہ فغان

کہتی تھی ہے نظر مین تیرہ جہان   مری کلمہ گو یہ مان ترے قربان

لوگ چلّا رہے ہین بولو تو   مان تصدّق ہو آنکھین کھولو تو

ترے قدمون پہ سر اُتارتی ہین   تجھ کو ہمجولیان پکارتی ہین

چلتی ہو سیر بام ہوتی ہے   چوٹی کروا لو شام ہوتی ہے

کبھی کہتی تھی نیل ڈھلتا ہے   میّا بندی کا دم نکلتا ہے

باپ سے کہدو آکے کرلے پیار   دیکھلے اس کا آخری دیدار

ہے جہان مین یہ بیاہ کی صورت   باپ مل لے تو بیٹی ہو رخصت

اب فقط وقتِ دم شماری ہے   اسکی یہ آخری سواری ہے

منھ پہ لٹ آئی ہے سنوار لے پھر   امّان کہہ کر مجھے پکار لے پھر

چلین ہم کو اُجاڑنے کے لئے   تم کو پالا تھا گاڑنے کے لئے

ارے جلدی مجھے بلا لینا   رہ گیا تیرھوین گرہ دینا

علاوہ اس مثنوی کے نواب صاحب مرحوم نے غزلین مراثی اور سلام وغیرہ بھی تصنیف کئے تھے اُن کا پتہ ملنا اسوقت دشوار ہے۔ صرف غزلون کے چند متفرق اشعار دستیاب ہو سکے وہی لکھے جاتے ہین۔ ان اشعار سے مصنّف کی طباعی اور پاکیزگی زبان کا کافی اظہار ہوتا ہے۔

بھولے سے بھی جو کرتا ہے صیّاد ذکرِ گل   بلبل قفس سے سنتی ہے گردن نکال کے

قبول ہو کہ نہ ہو یہ نمازِ مغرب و صبح   ہمین تو شام و سحر اسکا ذکر کر لینا

زبان کو ذکر سے تیرے یہ کام ہو جائے   کسی کا نام مین لون ترا نام ہو جائے

چلے وہ اُٹھ کے جو پہلو سے میرے بولا صبر   جو اذن پائے تو رخصت غلام ہو جائے

مجھے تسکین بھی دینا اُنکی اک بچپن کی شوخی ہے   جہان پر دل نہین ہوتا وہین پہ ہاتھ دھرتے ہین

ترا شکوہ لب پہ کب لاتے ہین ہم   دل ہی دل مین اپنے غم کھاتے ہین ہم

اُنکی چوٹی سے یہ کہتی ہے کمر   بوجھ سے دُہرے ہوے جاتے ہین ہم

ہم ترا ڈھونڈھ چکے تیرِ نگاہ   دل کے ٹکڑون مین تو ملتا ہی نہین

جسمین لیلیٰ کا ہے جلوہ وہ ترا دل تو نہین   خوب پہچان لے مجنون یہی محمل تو نہین

دل صدا دیتا ہے سینہ سے یہ گھر خالی ہے   درد جب پوچھنے آتا ہے یہان دل تو نہین

درد کا دونون طرف مجھکو مزا یکسان ہے   یا خدا دوسرے پہلو مین مرے دل تو نہین

مجھکو شکوہ نہین گر تم مرے پیارے نہ ہوئے   غیر کے بھی تو نہ ہوگے جو ہمارے نہ ہوئے

نواب صاحب مرحوم نے ۱۹۲۱ء میں تخمیناً ۔ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

چک بست لکھنوی

مرقع۔ مرقومۂ بالا مضمون جناب چک بست نے ابھی بہت ہی تھوڑے دن ہوئے میری خاطر سے باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے مرقع کے لئے لکھکر عطا فرمایا تھا ابھی یہ مضمون ناظرین کی نظر سے گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ جناب چک بست خود بھی دنیا سے چل بسے۔ اور جو کام اُنھوں نے جناب نواب مرزا محمد باقر علی خان عروج کی وفات کے بعد اُن کے کلام پر تبصرہ کا اختیار کیا تھا وہی کام خود جناب چک بست مرحوم ہمارے لئے چھوڑ گئے۔

جناب چکبست نے تو عزیزوں اور دوستوں کا اتنا بار احسان بھی گوارا نہ فرمایا کہ دو چار روز بیمار رہتے اور وہ اُنکی چارہ سازی اور تیمار داری سے دل کی بھڑاس نکال لیتے۔

نواب عروج مرحوم کے کلام کی جس شان سے اُنھوں نے رہنمائی کی ہے آج ہم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ جناب چکبست کے کلام پر ایک نظر ڈال سکیں۔ خدا سے امید ہے کہ جناب چکبست کے احبّا و اعزّہ اُن کے کلام کو جلد سے جلد روشناس عالم کرین گے تاکہ منشی دیا شنکر نسیم کے کلام کی طرح چکبست کا کلام دنیائے شاعری میں آفتاب عالمتاب کی طرح درخشان رہے۔

چکبست کی ذات عجیب ذات تھی آپ اردو زبان کے حامی اردو ادب کے دلدادہ۔ اردو زبان کی ترقی کے دل سے خواہان۔ اردو نثر و نظم کے قدردان اور خود بھی خوب لکھتے تھے نہایت عمیم الاخلاق اور سراپا مروت تھے۔

آپ ایک مقدمہ کی پیروی میں ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو رائے بریلی تشریف لیگئے تھے وہان سے واپسی میں آپ پر فالج گرا۔ حملہ اتنا سخت تھا کہ چند گھنٹوں کے بعد ہی آپ کی روح پرواز کر گئی۔ آپ کی لاش لکھنؤ میں لائی گئی اور یہین سب مراسم ادا کئے گئے اور ایسا کیونکر نہ ہوتا آپ ایک شعر میں فرما گئے تھے ؎

روح وقالب کی طرح روز ازل پیدا ہوا لکھنؤ کے واسطے مین لکھنؤ میرے لئے

آپ کے گھر میں اس خبر وحشت اثر سے ایک کہرام تھا اور جس قدر وہ غم نہ کرتے کم تھا لیکن لکھنؤ میں ایک عجیب ہلچل پڑ گئی تھی ہر شخص پر ایک سکتہ کی سی حالت تھی اور جسے دیکھئے وہ شریک رنج تھا لاش کے ساتھ ایک کثیر مجمع تھا اور ہر ایک اس سانحہ سے متاثر تھا۔

دنیائے ادب بالخصوص اردو زبان کو آپ سے بیحد صدمہ پہونچا۔ ہم آپکی اس ناگہانی وفات پر آپ کے تمام اعزہ کے ساتھ رنج و غم میں شریک ہوتے اور اظہار ہمدردی کرتے ہین اور دو چار شعر اس جگہ جناب چکبست کے مرگ ناگہانی کے اعتبار سے درج کرتے ہین۔

روح کو اپنی ہے عشقِ جوہرِ حسنِ لطیف — گل سے بڑھکر ہے خیالِ رنگ و بو میرے لیے — خانہ ویرانی مری سب چاہتے ہین شکلِ دُر — اک بلائے جان ہے میری آبرو میرے لیے

قطرۂ شبنم جسے طوفان ہے وہ بلبل ہین نہین — بوئے گل ہے باعثِ دردِ گلو میرے لیے

لیلوہ نادان ہین جو کہتے ہین نہ سوئے اعتبار — مصلحت ہے کھٹا سہی رنج و غم مین بھی روزگار — ہے فسانہ یہ حدیثِ صبر و تسکین و قرار — خوابِ ہستی کی نہین تعبیر ایسی زینہار

مرتے دم تک نہ چھٹی بے آس طبیعت میری — مجھسے پہلے نہ ملے خاک مین حسرت میری

جب باغ مین کھلتا ہے دمِ صبح گلِ تر — کیا کیا اسے ہوتے نہین اعزاز میسر — بنتا ہے عروسانِ جہان کے لیے زیور — دستار مین نوشہ کی رہا کرتا ہے اکثر

لیکن نہ کسی نے یہ اس ڈھنگ سے دیکھا — بیکس کے کفن پر اسے جس رنگ سے دیکھا

وصل بلگرامی



آہ چکبست

مرنے والے پر ماتم و اشکباری مقتضائے فطرت ہے، لیکن ہر موت کی اہمیت کا اندازہ اُس کے ماتم کرنے والون کی تعداد سے ہوتا ہے۔ بدنصیبی سے بعض سانحاتِ عالم ایسے ہوتے ہین جنکی اہمیت کا تعین عین وقت پر نہین کیا جاسکتا بلکہ بتدریج مخلوق کی زندگی مین اس خلا کو محسوس کیا جاتا ہے اور اسلئے ہم یہ نہین کہہ سکتے پنڈت برج نرائن چکبست آنجہانی کی جوانا مرگ کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے وہ چند تعزیتی جلسے اور ماتمی ریزولیوشن کافی ہین جو گزشتہ چند دن کے اندر لکھنؤ اور بیرونجات مین عام و خاص مجمعون مین پاس کئے گئے۔ لیکن اسی کے ساتھ جب ہم دنیائے ادب مین اُس خلا کا اندازہ کرتے ہین جو چکبست آنجہانی کی وفات سے پیدا ہو گیا ہے تو ہمین محسوس ہوتا ہے کہ اس مرنے والی ہستی کے ماتم کا پورا پورا حق دنیا نے ادا نہین کیا۔

مرزا غالب مرحوم نے اپنی وفات کی تاریخ اپنی زندگی ہی مین کہہ لی تھی لیکن اس مصرع سے جو سال نکلتا تھا وہ دہلی مین عام وبا کا سال تھا اس لئے اس خوددار آقائے شعر نے اپنے ماتم کو ماتم عام مین شامل کرنا گوارا نہ کیا۔ لیکن چکبست کی شاعری کا یہ ایک زندۂ جاوید معجزہ سمجھا جائے گا کہ اُنھون نے بلا ارادہ اپنی تاریخ وفات اپنی زندگی مین کہہ لی تھی اور وہ بھی ایسی جو غالباً اس صدی کی تاریخون مین یادگار سمجھی جائیگی۔ یعنی ع

موت کیا ہے انہین اجزا کا پریشان ہونا　۱۳۴۴ھ

ہم حضرت محشر کی اس کاوش کی داد دیتے ہین کہ اُنھون نے اس راز سربستہ کو آشکارا کیا! (نوٹ جناب محشر نے لفظ اعزا کے تعمیہ کے ساتھ تاریخ نکالی ہے) وصل

مرنے والے کے صفات اخلاقی، علمی قابلیت، اور انکی شاعری مین بلندی تخیل، نکتہ رس طبیعت، ندرت مضامین شستہ مذاق اور بلندی حوصلہ کی داد دینے کے لئے ایک مستقل کتاب بھی کافی نہ ہوگی لیکن معیار کے مشاعرے، ملک کے ادبی جرائد، اور اودھ پنچ کے صفحات برسون آپ کے نعم البدل کی سعی لاحاصل کرین گے۔ اور لکھنؤ کی شاعری مین آپ کی ذات کو جو درجہ حاصل تھا وہ آئندہ نسلون کیلئے نصب العین کا کام دے گا۔

افسوس تو یہ ہے کہ موجودہ زمانہ مین جبکہ برادران وطن عام طور پر اپنی مشترکہ زبان اُردو کا مقاطعہ کر رہے ہین اور اسکی جگہ ایک ایسی زبان کو دینے کی سرگرم کوششین کر رہے ہین جس سے ملک کی آبادی کا ایک معقول حصہ بالکل بیگانہ ہے، پنڈت بشن نرائن در، منشی نوبت رائے نظر اور منشی جوالا پرشاد برق کے بعد چکبست آنجہانی کی وفات نے اُس سلسلہ کو ختم کر دیا جو قدیم خیالات کے ہندو اور مسلمانون کو وابستہ کئے ہوئے تھا اور آپ کے بعد ہمین کوئی ہستی ایسی نظر نہین آئی جو بلند آہنگی سے اس رستہ کو جوڑنے کی پھر کوشش کر سکے پنجاب بہت سے گرامی قدر ہندو شعرا پر ناز کر سکتا ہے لیکن　زبان اُردو کا مرکز لکھنؤ آج ایسے ہندو شاعر سے خالی ہے جو جناب عزیز و صفی و ثاقب و آرزو کی صف مین بیٹھکر ہم آہنگی کی اہلیت کا دعویٰ کر سکے۔

اس لئے چکبست کی موت کا ماتم ہر اُس شخص کے دلمین ہے جو اُردو کو مشترکہ ملکی زبان بنانے کا خواہان ہے۔

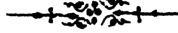
اور ہر اُس شخص کے دل مین جو ادب اُردو کے بقا و قیام کے مسئلہ سے دلچسپی رکھتا ہے۔

کیا ادب اُردو کا یہ مرکز ایسے شخص کی پائیدار یادگار قائم کرنے کی کوشش کریگا۔

رحم علی الہاشمی (بی اے)

مَوْت

(از جناب ہوش بلگرامی)



جناب **ہوش** بلگرامی سے دنیائے ادب بخوبی واقف ہے۔ آپکے مضامین جو مختلف رسائل مین شایع ہوے، یا اب ہندوستان کے نہایت مشہور جریدہ "نگار" بھوپال مین کبھی کبھی نظر پڑجاتے ہین۔ آپکی علمی و ادبی قابلیت کی کافی دلیل ہین۔ آپکا علمی و ادبی ذوق خلقی ہے آپ ہمیشہ سے اسکے دلدادہ رہے اور روز بروز ترقی کے مدارج طے کرتے جاتے ہین۔ اسی ذوق و شوق نے حیدرآباد کے قیام کے زمانہ مین آپکو ایک علمی صحیفہ کے اجرا پر مجبور کیا۔ جسکا نام "**ذخیرہ**" تھا۔ آپکو اس مین بہت کچھ کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ مگر زمانہ کے انقلاب نے آپکے منصوبے پورے نہونے دیئے۔ اور امید افزا خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔

اِس وقت آپ پر ایک ناگہانی اُفتاد آپڑی اور ایک سانحۂ عظیم نے آپکے خرمنِ سکون پر بجلی گرادی، یعنی آپکے والد ماجد نے داعیِ اجل کو لبیک کہکر ہمیشہ کے لئے آپ سے مفارقت اختیار کی۔ اور اپنے جسم کو ہمیشہ کے لئے اپنے وطن اور اپنے پیارے وطن بلگرام سے دور یعنی ریاست رامپور (جہان آجکل جناب ہوش بلگرامی کا قیام ہے) کی خاک کے سپرد کردیا۔

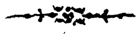
اِس حادثہ سے آپ پر بہت بڑا اثر پڑا۔ اِسی حالت اور خیال مین آپ نے یہ چند شعر نظم فرمائے ؎

تیری قسمت سے اے زمینِ رامپور　　تجھمین اُترا کاروانِ بلگرام
رگیا تھک کر ترے آغوش مین　　اِک بزرگِ خاندانِ بلگرام

ہوگئی آباد خاکِ رام پور　　رہ گیا خالی مکانِ بلگرام
ہوش کا یہ قول بالکل ٹھیک ہے　　ہم سے چھوٹا آستانِ بلگرام

اور ایک مضمون بھی جسکا عنوان "موت" آپ ملاحظہ کررہے ہین تحریر فرمایا۔ یہ مضمون صورتِ حال۔ کے لحاظ سے نہایت ہی پر اثر اور اپنی معنویت کے لحاظ سے نہایت ہی سبق آموز ہے۔ مرحوم کیسے نہایت ہی قدیم کرمفرما خلیق بہت سے مخصوص صفات سے متصف اور وضعدار اصحاب مین سے تھے ہمکو اس خبر سے بیحد صدمہ ہوا۔ خدا اُنکو اپنے جوارِ رحمت مین جگہ دے اور جناب ہوش اور اُنکے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

وصل بلگرامی



ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئیگا
خدا کا نام لئے جاؤ　　کام آئیگا

دنیا مین زندگی ہی ایک ایسی نعمت ہے جسکا ہر کوئی شیدائی ہے، ہر ذی روح اپنے لئے عمرِ نوح کی دعائین مانگتا ہے، بوڑھا ہو یا جوان، کمسن ہو یا بچہ، ہر ایک تندرست رہکر زندہ رہنا اپنی زندگی کا حق سمجھتا ہے۔ دنیا کی لذتون کا مزہ چکھنا اور اُسکی آرایشون مین پھنسا رہنا بھی اہلِ دنیا کا فطری مذاق ہے۔ باری تعالیٰ نے گلشنِ عالم مین ایسی ایسی مختلف النوع چیزین خلق فرمائی ہین جنکو دیکھ دیکھ کر محدود عقل کا انسان حیرت کرتا اور اُسکی حکمت و صناعی کی بیساختہ داد دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ گوناگون نعمتون اور کثیر التعداد الوان کے ساتھ ذی روح کے زعمِ باطل کو توڑنے کے لئے موت کو پیدا کیا ہے، جس سے ہر متنفس پناہ مانگتا اور اُسکا نام سنتے ہی خوف زدہ ہوجاتا ہے اور بد حواس رنجیدہ ہوتا ہے اور آبدیدہ، کانپتا ہے اور لرزتا، یہی موت تو ہے جو زندگی کی لذتون اور مسرتون کو خاک مین ملانے والی ہے، اِس سے بڑھکر نہ کوئی ڈراونا منظر ہے اور نہ دل آزار بات!! اس نے بہادر سے بہادر اور دلیر سے دلیر شخص کو لمحون مین پچھاڑ دیا ہے۔ اِسکے داؤ پیچ اُستادانہ اور اُسکی قوتین لامحدود کوئی نہ اس سے زور آزمائی کرسکا اور نہ اسکے پنجون کی سخت گرفت سے

نکل سکا۔ شاہنامۂ ایران کا روئین تن رستم داستان اسکے سامنے ایک خاک کی چٹکی، اور کوہ قاف کے قوی ہیکل خیالی دیو اسکی خدائی قوت سے شرمندہ و پست۔ زندگانی کا طوفان گمراہ و سرکش بن کر صراط مستقیم کی تلاش کرتا ہے۔ مگر یک بیک ہستی سے عدم مین پہونچ کر خاموش ہو جاتا ہے۔

اے موت تجھ سے زمانہ تھرّاتا ہے، دنیا لرزتی ہے، اور کون ہے جو تیرے تیرِ بے خطا کا نشانہ نہین بنتا۔ روزِ ازل سے تیرا طریقہ، تیرا ڈھنگ، تیرے تیور، تیرا مزاج قاتلون کے مانند ہے، تو جہان کی بربادی کا سبب ہے تو چمنستان کی بے رونقی کا باعث، تیرے احکام خشکی پر بھی نافذ ہین، اور تری پر بھی، زمین کا ہر گوشہ اور سمندر کا ہر قطرہ تیرا لوہا مانے ہوئے ہے۔ سائنٹفک دماغ تیرا مد مقابل کوئی پیش کرسکا، اُنکی دماغی ترقیان تجھ سے پست اور اُنکو بھی تیری تیغِ فنا سے امان نہین۔ شہرِ خموشان تیری جاگیر اور اُسکے ٹوٹے پھوٹے مکان تیری آباد بستیان ہین۔ نہ تو بچہ پر رحم کھاتی ہے اور نہ جوان اور بوڑھے پر ترس۔ آغوشِ مین ہو یا گہوارے مین، جوانی کی منزل مین ہو یا بڑھاپے کی سرحد پر، نہ تو کسی مین فرق کرتی ہے اور نہ امتیاز، تیرا دل رحم سے خالی اور تیرا قلب ہمدردی سے ناواقف ہے۔ نہ تجھکو کسی سے محبت ہے اور نہ مروت، تیری طوطا چشمی ازل سے مسلّم، اور تیری قاتلانہ اداؤن کا ہر متنفس زخمی، تیری قہر و غضب کی بجلی انسان پر بھی گرتی ہے اور حیوان پر بھی، شجر بھی نہین بچتا اور حجر بھی، ہر ہستیِ ناپائدار کو خاک سیاہ کرنے کے لئے تیری تڑپ کافی ہے۔ دنیا جو سوگواری کے لباس مین ہر وقت ملبوس رہتی ہے یہ تیری ہی توجہاتِ بے پایان کا نتیجہ ہے۔ ہر گھر جو ماتم کدہ نظر آتا ہے وہ تیرے ہی قدمون کی برکت ہے۔ گاؤن ہو یا قصبہ، شہر ہو یا ملک، انکی ویرانی مین تیرے ہی التفات نے حصہ لیا ہے، تو مختلف صورتون سے آتی اور بھیس بدل بدل کر نظر کو فریب دیتی ہے، تو سمندر مین غوطے دے دے کر روح کا آخری غسل دیکھتی ہے۔ تو ریلون کو ٹکرا کر عالمِ غربت کی بیکسی پر ہنستی ہے۔ تو ہوائی جہازون کو دہکا دیکر جوِ سما پر قہقہہ لگاتی ہے اور ہڈیون کا انتشار دیکھتی ہے تو بجلی گرا کر آہ کی ایک آخری آواز سُن کر اپنے کامیاب حملہ پر خوش ہوتی ہے، تو گولیان چلا کر اپنا شکار بناتی ہے۔ تو تلوار کے حملون کا لطف تڑپنے سے اُٹھاتی ہے۔ تو دیوارین گرا کر زندہ درگور کر دیتی ہے، تو آندھیان چلا کر قومِ عاد کی تباہی کو یاد دلاتی ہے۔ تو زلزلون سے ہلا کر چکنا چور کر دیتی ہے، غرضیکہ تو ہر صورت مین موجود اور ہر شکل مین جلوہ گر ہے، تجھکو وقت کا حیلہ درکار ہے، یہ آیا اور تو نے اپنا کاری نشتر چبھویا۔

کیسی کیسی ہستیون کو تو نے خاک مین ملایا، اپنے آہنی پنجون کی گرفت مین کسا اور پھر نہ نکلنے دیا، آج ہمارے لئے اُنکے افسانے عبرت و بصیرت کے سبق ہین، وہ تیرے ہی ستم و جور کا مرثیہ قیامت کے انتظار مین پڑھ رہے ہین، وہ اپنے دلون مین کیسے کیسے ارمانون کو لے گئے ہین، کیسی کیسی حسرتون پر آہین بھری ہین۔ مگر تیرے لئے یہ سب کھیل اور سب تماشے ہین۔ تو غریب الوطنی کی حالت مین بھی تو رحم نہین کھاتی، تو ان سے بھی تو مرعوب نہ ہوئی۔ اور اُنکو بھی تختِ شاہی سے اُتارے بغیر نہ رہی جنکا راج پاٹ مشرق سے مغرب تک تھا۔ اور جنکو خورشید خاور بھی خراج دینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ نہ شاہان اُولوالعزم رہے اور نہ اُنکے خوش تدبیر وزیر، نہ رستم کا نشان ہے نہ اسفندیار کا پتہ، نہ افلاطون و بقراط ہین، نہ نیوٹن و بیکن، نہ فردوسی و ہومر ہین نہ شکسپیر و اڈیسن، نہ وہ عظیم الشان سلطنتین باقی ہین اور نہ اُن حکما و فلاسفر کا قابلِ رشک جماؤ۔ اور خیر، یہ بیچارے کس شمار و قطار مین ہین، جب خدا کے محبوب ترین بندے اور پھر اُن سب کے سرور و سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اس عالمِ فانی مین باقی نہ رہے۔

پیرِ فلک کی نظرون مین یہ آئے دن کے کھیل اور تماشے ہین،

یہ نظارے وہ ابتدائے آفرنیش عالم سے دیکھ رہا ہے۔ اُس نے یاس و نامرادی اور ارمان و حسرت کی لڑائیان دیکھی ہین۔ اِس نے موت و حیات کی باہمی کشمکش کو دیکھا ہے۔ اُس نے روح و جسم کی مفارقت کا "رقص بسمل" دیکھا ہے۔ اُس نے آخری وقت کی تکلیف، غنودگی، ایڑیون کی تپک، اضطرار و اضطراب، غرضکہ انسان و حیوان کے آخری سفر کے تمام جگرخراش مناظر دیکھے ہین اور نہایت دلچسپی سے دیکھے ہین۔ یہ تمام واقعات اُسکی "گرگ باران دیدہ" آنکھین شمار سے فزون تر مرتبہ دیکھ چکی ہین، وہ اسکا عادی ہے اور خوگر، اُسکی تفریح یہی کھیل ہین اور اُسکے دل بہلنے کے یہی سامان یہی تماشے، اور اسکی بیکار زندگی کے یہ محبوب مشاغل ہین۔

اے موت! بہت سے مصیبت زدہ تیری ملاقات کی تمنا بھی رکھتے ہین۔ حرمان نصیبون، اور فراق کے مارون نے تو تجھپر اپنی عزیز جانین تک قربان کردی ہین، گو یہ بھی کم ہوتا ہے مگر تجھسے ہر شخص بھاگتا ضرور ہے۔ تیرا نام آتے ہی غریب روح گھبرا جاتی ہے۔ انسانی عمر جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے، آرزؤن امیدون، اور مسرتون کی گٹھری توہلکی ہوتی جاتی ہے۔ مگر جینے کی ہوس بڑھتی جاتی ہے، اُسکی یہ آرزو ہوتی ہے کہ درازیِ عمر کے ساتھ مسرت کے سامانون مین بھی خوشگوار اضافہ ہوگا اور ابھی باغ زندگانی کی لطیف ہواؤن سے دل و دماغ کی تفریح کرسکینگے گو ضعیفی کی زندگی زحمتون کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اعضائے جسمانی کمزور، ہوش و حواس مین ابتری، اُٹھنے بیٹھنے مین تکلف، ذرا ذرا سے کامون کے لئے دوسرون کے دست نگر اور ہر ایک خواہش مین دوسرون کے تابع، یہی اسباب تھے جو سکندر نے ابدی زندگی کے لئے جرعۂ آبحیات کو ٹھکرادیا، اور کہدیا کہ ایسی مجبور زندگی سے پرسکون موت بہتر ہے، مگر یہ سکندر ہی کا دل تھا کہ اُس نے موت کو زندگی پر ترجیح دی، کسی بوڑھے سے پوچھو جو ضعیفی کی سختیون اور تلخیون کا مزہ چکھ رہا ہو۔ اُسکی زبان کسی وقت بھی موت کو دعوت دینے کے لیے نہ لڑکھڑائیگی کیونکہ باوجود ان تمام مصائب کے وہ زندگی کو دنیا کی اولین نعمت اور اُسکی افزونی کو اپنی تنہا آرزو سمجھتا ہے۔

مرنے کے بعد انسان اگر اپنے وجود سے اپنے کو زندہ نہین رکھ سکتا ہے، تو اپنے نام کو حیاتِ جاوید کے قالب مین ڈھالنا اپنی دماغی صنعت سمجھتا ہے۔ یہ تقاضائے ہوس ہے کہ بقائے نام کے لئے پختہ قبر بنے۔ اور نمایان مقام پر تاریخی کتبہ تاکہ آیندہ و روند کی اچٹتی نظر بھی ہم کو یاد کرے، ذکر گزشتہ کو دل مین تازہ کرے، باوجود دنیا سے رخصت ہوجانے کے انسان کی خام خیالی پر ہنسی آتی ہے کہ وہ لوگ جنکو زندگی مین بڑی بڑی حکومتین قارونی دولتین تسکین نہ پہونچا سکین۔ زیر زمین منون مٹی کے نیچے دبے پڑے ہین۔ خاک مین وہ کاخ ایوان کہان! زمین کے ڈیڑھ دو گز کے مختصر ٹکڑے پر عوام کی طرح لیٹے ہوئے اپنے گناہون سے لرزان یا اپنی کسی نامعلوم نیکی کے بھروسہ پر رحمتِ خداوندی پر نازان ہین۔ صرف تھوڑے زمانہ کے لئے فراموشی سے بچانے اور کسی سیاح کی ایک نظر پڑجانے کے لئے کیسے کیسے طریقے، کیسے ڈھنگ، اور کیا کیا شکلین وصنعتین اختیار کی جاتی ہین۔

یہ تجربہ ہے اور انسانی فطرت بھی کہ دوست احباب، چیز بست، پالے ہوئے جانور، بنائے ہوئے مکان، لگائے ہوئے درخت، اور اسی قسم کی تمام چیزین جن سے ہر وقت تعلق رہتا ہے۔ اور واسطہ، ہم کو اُن سے اُسی قدر محبت ہوتی ہے جس قدر کہ وہ ہماری نظرون کے سامنے رہتی ہین۔ ایک دوست سے انتہائی بےتکلفی کے اسباب ہماری اُسکی یکجائی۔ اور ہمارا اُسکا ہر وقت اُٹھنا بیٹھنا اور

ہم صحبت رہتا ہے، ایک مکان مین جو شخص مدّت دراز تک زندگی بسر کرتا ہے تو اُسکے در و دیوار سے محبت کی صدائین آنے لگتی ہین، جب وہ اُسکو چھوڑنا چاہتا ہے تو دل دُکھتا ہے۔ جُدائی شاق ہوتی ہے، فراق ناگوار ہوتا ہے، چھوڑنا بُرا معلوم ہوتا ہے کوئی عمارت جسکو بد و شعور سے دیکھتے چلے آتے ہون اگر اسکو گرتا دیکھین گے تو رنج ہوگا اور افسوس، صدمہ کی ایک مؤثر کیفیت دل پر طاری ہوجائیگی۔ یہ واقعات جو زندگی کے مشاہدات ہین ثابت کرتے ہین کہ یہ ہمارے خمیر مین موجود ہے کہ جسکو متواتر اور ایک طویل زمانہ تک دیکھتے رہتے ہین اُس سے اُنس کا پیدا ہو جانا قدرتی ہے یہی وہ قوی جذبہ ہے جو ہم کو ترقی عمر کے لیے سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے آمادہ رکھتا ہے۔ اگر یہ نہوتا تو بیماری کے دفیعہ کی کیا ضرورت تھی۔ حکما و ڈاکٹر دنیا مین کیون بنتے۔ انکی حکیمانہ کوششین اور طبی تدابیر کیون صرف ہوتین، مالی قربانیان اس جان کو باقی رکھنے کے لئے کیون کیجاتین آلات جراحی کیون ایجاد کئے جاتے۔ جڑی بوٹیون کے لئے صحرانوردی کیون اختیار کیجاتی، معدنی اشیار کی تلاش مین بیابانون کی کیون خاک چھانی جاتی، اور کوہستانون سے کیون سر ٹکرایا جاتا۔ چونکہ زندگی کا بڑا حصہ دنیا مین گزرتا ہے۔ اِس لئے طبیعت گوارا نہین کرتی کہ ہم اِس سے الگ ہوجائین۔ ان کا ساتھ چھوڑدین اور وہان جا کو بسین، جہان کے حالات واقعات سے ناواقف، طرزِ معاشرت سے بے بہرہ اور رسوم و رواج سے ناآشنا ہین۔

دنیا کی ہر شے مین گو رفتارِ زمانہ کے ساتھ انہدام کے آثار نمایان ہین مگر ہر چیز اب بھی ویسی ہی دلفریب ہے اور جاذبِ نظر جیسی کہ پہلے تھی اِس سبب سے ہم زندگی کے طالب اور اُسکی بقا کی آرزوئین رکھتے ہین۔ ورنہ اے موت! جو لوگ دنیا کو فانی سمجھتے ہین، اور جو حقیقت مین فانی ہے۔ وہ دُنیا سے ایسی دلبستگی پیدا نہین کرتے کہ موت کا خیال اُنہین سوہانِ روح ہو وہ دُنیا کی خواہشون مین اس طرح مبتلا نہین ہوتے کہ موت سے غافل ہوجائین وہ زندگی کو ایک قرض سمجھتے ہین جسکو "موت" روح کو جدا کرکے ادا کردیتی ہے، پرہیزگار ہستیان خوب جانتی ہین کہ آسیے وقت یہ آکے رہیگی۔ اِس لئے یہ موت کا وقت اُنکے اطمینان کا ہوتا ہے وہ راضی برضا رہتے اور بخوشی یہ کہتے ہوئے ہمیشہ کے لئے آنکھین بند کر لیتے ہین

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حکیم سقراط نے اپنی موت کے وقت وصال کی خوشی مین اپنے دوستون سے کہا تھا

تمکو چاہیے کہ تم میرے درجہ کو ہنس[1] کے درجے سے نہ گھٹاؤ، مجھکو اپنے معبود و خدا سے ملنے کی خوشی کم از کم اتنی تو ہونی چاہیے جتنی اُس پرندہ "ہنس" کو ہوتی ہے۔"

موت کا ڈر انہین لوگون کو زیادہ ہوتا ہے جو دنیا سے محبت رکھتے اور لہو و لعب مین عمر کو گنوا دیتے ہین جب موت سر پر منڈلانے لگتی ہے تو سراسیمہ ہوجاتے ہین اور بد حواسی سے افسوس کرتے ہین کہ ہم توشۂ آخرت بھی نہ باندھ سکے دشوار گزار منزلین اور اتنی طویل مسافت کس سہارے سے طے ہوسکیگی، گناہون و معصیتون کا اعمال نامہ اُنہین خوف دلاتا اور خمیازۂ موت کی ڈراونی تصویرین سامنے کرکے کہتا ہے کہ اپنے ساتھ ہم کو بھی لئے جاتے ہو دنیا مین رہنے سہنے کھانے پینے پہننے، اوڑھنے اور آرام و آسائش کے حصون مین تو ہر طرح کی فکرین کین اور کوششین کین مگر اب جہان جاکے مستقلاً رہوگے وہان کے لئے کیا انتظامات کئے۔ اب تمہارے ساتھ نہ تمہارے عزیز و اقارب ہونگے اور نہ دوست احباب، قبر کے تنگ و تاریک گڑھے مین اکیلے تم ہوگے اور تمہاری زندگانی کے ساتھی اعمال۔ جو لوگ تم سے الگ ہونا دم بھر کے لئے پسند نہ کرتے تھے وہ اب تمہین پوچھنے (فاتحہ خوانی) کے لئے بھی نہ آئینگے۔

رام پور۔ ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء "ہوش" بلگرامی

---

[1] یہ پرندہ (ہنس) اپولون ([illegible]) خدائے آفتاب کا پرندہ مشہور ہے اور اِس لئے عالمِ غیب کے اسرار سے واقف ہے جب اسکی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اپنے خدا اپولون سے وصال کی خوشی مین بہت گیت گاتا ہے۔

افکارِ تازہ

(از عکاسِ فطرت علامہ مولانا محوی صدیقی لکھنوی نائب صدر بزم شعرا اورنگ آباد)

ہاے رازِ زندگی دم بھر مین افشا ہوگیا　　میرا مرنا اُنکا آنا اک تماشا ہوگیا
دل جفاے دوست سے مانوسِ ایذا ہوگیا　　رفتہ رفتہ جورِ دشمن بھی گوارا ہوگیا
اب کہان ایسے جنون پیکر وفا پرور دماغ　　قیس کیا اُٹھا دیارِ عشق سونا ہوگیا
ہان یہی دل تھا کبھی رازآشناے التفات　　گر کے نظرون سے جو حرفِ نازِ بیجا ہوگیا
بےخودی اُسکی ہے کیف اُسکا ہے مستی اُسکی ہے　　پیکے تیرے ہاتھ سے جو مستِ صہبا ہوگیا
کچھ تجھے بھی ہے خبر اے حسنِ بےپرواے دوست　　کون ظالم دشمنِ اہلِ تمنا ہوگیا
اب تو چین آیا تجھے اے دیدۂ خونین سرشک　　دل سے خالی میرا آغوشِ تمنا ہوگیا
خونِ دل کا معجزہ ہے یا ترے دامن کا فیض　　جو گرا آنسو وہی نقشِ تمنا ہوگیا

بیکسی کی زندگی محوی ہے کوئی زندگی
میرے مرنے کو یہ سمجھو تم کہ اچھا ہوگیا

(جناب رضی کاکوردی از اورنگ آباد دکن)

بنا ہے دامنِ صحرا زمین گورِ غریبان کی　　یہ وحشی مر کے بھی نکلے نہ سرحد سے بیابان کی
جو دو آنسو بہاے ہین انھین تم پونچھ بھی ڈالو　　بہت کافی تلافی ہوگئی خونِ شہیدان کی
خیالِ یار بھی آیا ہے دل مین چٹکیان لینے　　طبیعت شوخ ہے یادش بخیر اُس آفتِ جان کی
جو بحرِ عشق مین ڈوبے جنازہ اُنکا یون اُٹھا　　انھین آغوش مین موجین لیے پھرتی ہین طوفان کی
کیا فارغ ترے وحشی کو استغناے وحشت نے　　کفن کو بھی نہ رکھین دھجیان جیب و گریبان کی
جو آنا ہو تو آکر آخری دیدار کر جاؤ　　کہ صورت کو ترس جاؤ گے پھر بیمارِ ہجران کی
گلے ملتے ہین حسن و عشق اک خوشبو سی آتی ہے　　مرے تارِ گریبان سے تری زلفِ پریشان کی
چلے گم کردہ منزل جس جگہہ سے پھر وہین آئے　　کہین قسمت مین مٹی تو نہین لکھی بیابان کی
دلِ مضطر پہ تم ہر تسلی رکھ کے دیکھو تو　　تمھارے ہاتھ مین ہے زندگی بیمارِ ہجران کی

رضی اپنا عقیدہ ہے کہ اک تصویر ہے جنت
بہارِ روے جانان کی زمینِ کوے جانان کی

روحِ نشاط پر ایک نظر

روح نشاط کے نام سے اُردو کے مایۂ ناز شاعر حضرت اصغر کا مجموعۂ کلام شایع ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیشتر اشعار ایسے ہین جو اپنے مطالب و معانی کے اعتبار سے لاجواب ہین۔ روحِ نشاط کا مطالعہ نشاطِ روح کا موجب ہے۔

شروع مین مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی کا مقدمہ اور اسکے بعد مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ام اے ال ال بی کا تبصرہ ہے۔ مولانا سہیل کو اندیشہ ہے کہ تبصرہ طولانی ہو گیا مین عرض کرتا ہون کہ شاید نامناسب نہوتا اگر اُن اشعار کا مطلب بھی واضح کر دیا جاتا جو مختلف عنوانات کے تحت مین مثالاً درج کئے گئے ہین اس طرح تبصرہ کی رنگینیان اور بڑھ جاتین اگرچہ موجودہ صورت مین بھی مفید اور دلچسپ ہے۔

مقدمہ مین مرزا احسان احمد صاحب نے بعض اشعار کے معانی بیان کرنے کی کوشش کی ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ اُنھین کامیابی نہین ہوئی۔ دیگر شعراے ماضی و حال کے متعلق جس رائے کا اظہار فرمایا ہے اُس سے بھی مجھے اختلاف ہے (مین اپنے آپکو مستثنیٰ کر دیتا اگر شاعر کے لقب کا مستحق ہوتا) بعض امور اور بھی مابہ النزاع ہین۔ ممکن ہے کہ مین ہی غلطی پر ہون۔ ناظرین فیصلہ کر لین

جنابِ اصغر کا شعر ہے ؎

مقام جہل کو پایا نہ علم و عرفان نے ۔۔۔ مین بے خبر ہون باندازۂ فریبِ شہود

اسکے متعلق مرزا صاحب فرماتے ہین کہ:۔

"علم و عرفان کا تقاضہ ہے کہ عالم کائنات اور اسکے مشاہد و مظاہر کو صرف سراب بے بود تصور کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک حقیقت شناس نگاہ اس شاہدِ مادیت کی فریب کاریون سے متاثر نہین ہو سکتی۔ چنانچہ غالب نے جب یہہ کہا۔

ہستی کے مت فریب مین آجائیو اسد ۔۔۔ عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

تو یہہ دراصل اسی بادۂ علم و عرفان کا نشہ تھا لیکن فریب شہود کو فریب شہود سمجھکر اسکی طلسم کاریون کے سامنے سرِ عقیدت خم کر دینا دراصل "بساط آرائے شہود" کے منشا کی تعمیل ہے جو یقیناً علم و عرفان سے ایک بلند تر مقام ہے کیونکہ عالم موجودات کو فریب محض سمجھکر اس سے کنارہ کش ہو جانا مشیت ایزدی کے خلاف علم نافرمانی بلند کرنا ہے۔ بزمِ شہود فریب سہی لیکن اس فریب مین مبتلا ہی ہو جانا عین منشاے قدرت کی اطاعت ہے۔ یہی وجہہ ہے کہ جلوہ گاہِ حقیقت کے محرمانِ خاص باوجود اس کے کہ ان کو دنیا کی بے ثباتی کا یقین کامل تھا رزمگاہِ حیات مین سرگرم عمل نظر آتے ہین۔ اس بنا پر یہہ مقام جہل یعنی فریبِ شہود کا دلدادہ بنجانا علم و عرفان سے کہین بلند تر ہے۔"

حضرت اصغر کے دیوان مین یہہ شعر بھی ہے ؎

مین ہون ازل سے گرم رہِ عرصۂ وجود ۔۔۔ میرا ہی کچھ غبار ہے دنیا کہین جسے

مرزا صاحب کی شرح کسقدر توہین ہے اُس فلسفیانہ و وحدت آشنا دماغ کی جس سے ایسا شعر نکلا ہو اور جو دنیا کے متعلق یہہ کہے کہ میرا ہی کچھ غبار ہے وہ اور فریب شہود کے سامنے سر جھکائے! فریب شہود کا بندہ ہونا علم و عرفان سے بلند مقام ہوا یا وہم پرستی ہوئی۔ جلوہ گاہِ حقیقت کے محرمان خاص اور جہل کے دلدادہ! توبہ! توبہ!

شعر کی تمام خوبیون کا اظہار مجھ ایسے بے بضاعت اور کم فرصت شخص کے لئے ناممکن ہے۔ علاوہ برین اسکے سمجھنے اور سمجھانے کیلئے

ایک عارف کی ضرورت ہے اور یہان یہہ حال ہے ؎

رات اندھیری سخت منزل راستہ دور و دراز
اے مرے اللہ تھوڑی روشنی میرے لئے

تاہم امید ہے کہ جو معنی عرض کرونگا شعر کے الفاظ سے مترشح ہون گے محض خیالی نہون گے۔

شاعر کہتا ہے کہ جو کچھ علم و عرفان کے دائرہ سے باہر ہے جہل ہے۔

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفان نے

تحصیل علم و عرفان کا ذریعہ یہی عالم کون و فساد ہے جو خود "فریب شہود" ہے یعنی بے حقیقت و بے ثبات لہذا ہم جسے علم و عرفان کہتے ہین در اصل بے خبری ہے اور بے خبری بھی عجیب قسم کی جو وسعت علم و عرفان کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔

مین بے خبر ہون باندازۂ فریب شہود

جسقدر ہمپر فریب شہود کھلتا جاتا ہے اُسی قدر اندازہ ہوتا جاتا ہے کہ ہمارا جہل کتنا شدید ہے پھر بھی اپنے جہل کی تھاہ نہین ملتی کیونکہ علم و عرفان کی مدد سے جہان ایک حجاب آنکھون کے آگے سے اُٹھا اُسکی جگہہ ہزار نئے حجاب قائم ہو گئے۔ مثالاً ایک قطرۂ آب کو لیجئے۔ جب تک یہہ علم نہین تھا کہ اس مین ہزارون جاندار مخلوق آباد ہین ہمارا جہل صرف قطرۂ آب تک محدود تھا مگر اس علم نے ہزارون نئے راستے "جہل" کے کھول دیئے کیونکہ بجائے ایک قطرۂ آب کے اب اسکی "دنیا" کی معرفت درپیش ہوئی۔ اگر صرف یہی ایک سلسلہ لیا جائے تو منتہی ہے دیگر اشیائے عالم کا ذکر کیا۔

حاصل یہہ ہوا کہ جب موجودات عالم کے متعلق ہمارے علم و عرفان کی یہ حالت ہے کہ اپنے جہل کی بھی انتہا دریافت نہین ہوتی تو ہم ذات و صفات باری تعالی کا انحصار کیا کر سکتے ہین۔

اس سے بہتر اور نادر شاید ہی کوئی طریقہ عظمت و جلال صمدی کے اظہار کا ہو۔ دریا کوزے مین بند ہے اور دریا بھی وہ جس کے ہر قطرہ مین ایک بحر ناپیدا کنار موج زن ہو۔ یہہ شعر یک خیال کے سامنے ایک ایسا لق و دق میدان پیش کرتا ہے جہان ایک پل مین ایک عمر کی راہ طے ہوتی ہے مگر پھر بھی انسان لب تشنہ اور منزل سے بیگانہ رہتا ہے۔

یہان پر جناب اصغر کے اُس شعر کے متعلق جو ضمناً آگیا کچھ لکھنا بدنما نہو گا۔

روز ازل روح انسانی "الست بربکم" کا سرمدی ترانہ سنکر مست و سرشار ہوئی آستانۂ ناز پر سر عبودیت خم ہوا راز و نیاز و عہد و پیمان شروع ہوئے۔ وعدے کے ایفا کا انحصار چند شرائط کی تکمیل پر ہوا۔ ایک امتحانگاہ یہہ میدان شہود یا عرصۂ وجود قرار پایا۔ حکم "اہبطو" صادر ہوا۔ روح انسانی شعلہ بداماں اس میدان کو طے کر رہی ہے مگر چونکہ "خلوتی راز نہان" رہ چکی ہے اور شراب شوق سے چھکی ہوئی ہے اسکی ہر مستانہ لغزش سے ایک نیا عالم معرض وجود مین آتا ہے از انجملہ ایک یہہ دنیا ہے از انجملہ یہہ ستارے اور سیارے اور تمام نظامہائے شمسی اور وہ دھندے نورانی حلقے جن کو سائنس نیبلا (Nebula) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ یہہ سب فیض ہے اُس سرمدی ترانے کا جو ابتک کانون مین گونج رہا ہے یہہ تمام رنگینیان اور لطافتین بصرف انسان کے واسطے ہین مگر شرط یہہ ہے کہ انکے فریب انکے طلسم مین گرفتار نہو جائے خود ان کو محبوب نہ بنائے بلکہ یہہ سمجھے کہ عہد الست کی یاد دلانے والی نشانیان ہین۔

مین وہ ازل سے گرم رو عرصۂ وجود
میرا ہی کچھ غبار ہے دنیا کہین جسے

اللہ اکبر! دیکھئے شعر خیال کو کسقدر وسعت دیتا ہے ایک بگولہ ہے جو مصروف تگ و دو ہے اور جس کے پسماندہ غبار مین بھی ایک دنیا کا سمان ہے جس کی جولانی کبھی ختم نہین ہوتی حالانکہ ازل سے سرگرم جستجو ہے۔ اگر ہم دنیا کو کسی ستارے سے دیکھ سکین تو یہہ بھی ویسی ہی

نورانی نظر آئیگی جیسے اور ستارے ہین لہذا غبار بھی نورانی ہوا۔ ذاتِ سرمدی سے ادنیٰ اتصال کا یہ نتیجہ ہے۔ اُنکا کیا پوچھنا جو اُس کے ہین جو اُس کے محبوب ہین۔

دوسرا شعر یہہ ہے ؎

جسپہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب
بیخودی نے اب اُسے محسوس عریان کردیا

مرزا صاحب فرماتے ہین کہ۔

"ذوقِ جستجو خود ایک حجاب ہے چنانچہ انسان ایک راز کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا راز سامنے آجاتا ہے غرض جب تک وہ اِس جدوجہد مین مصروف رہتا ہے حقیقت اُسکی نگاہون سے مخفی رہتی ہے لیکن جب اُس پر بیخودی طاری ہوجاتی ہے تو یہہ حجابِ جستجو دفعتہً اُٹھ جاتا ہے اور جمالِ حقیقت نظر آنے لگتا ہے۔"

لفظ محسوس اِس شعر کی جان ہے جس کے متعلق مرزا صاحب نے کچھ نہین کہا۔ ہماری جستجو اس لئے ناکام رہتی ہے کہ ہم اپنے مقصود کو اپنی ذات کے باہر تلاش کرتے ہین جہان بیخودی طاری ہوئی۔ (احساسِ خودی مٹا) ہم محسوس کرنے لگے کہ وہ ہم مین ہے اور اُسکا ظہور (عریان ہونا) بجز اس احساس کے کہ وہ ہم مین ہے اور کچھ نہین ہین بیخودی کے ساتھ لفظ "محسوس" کو اس خوبی سے لانا جناب اصغر کے کمالِ شاعری پر دلالت کرتا ہے۔ اور کوئی صورت بیخودی مین حس باقی رہنے کی ہو ہی نہین سکتی۔ "حقیقت کا نظر آنا" اور "حقیقت کا محسوس ہونا" ان دونون مین جو نازک فرق ہے اُس پر غور فرمایئے۔ مرزا صاحب نے شعر کی خوبی نمایان کرنے کے بجائے اِس فقرہ سے مضمون کو اور پست کردیا۔

بچ حسن تعین سے ظاہر ہو کہ باطن ہو
یہہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زندان ہے

مرزا صاحب فرماتے ہین کہ:۔

"حسن ایک غیر محدود شے ہے جسکی تجلی جہت و مقام کی بندشون سے آزاد ہے اس لئے اسکا ذوقِ مشاہدہ متقاضی ہے کہ ظاہر و باطن کے قیود باقی نہ رہین۔"

شاعر یہہ نہین کہتا کہ حسن کو محدود نہ کرو بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ کہ اُس حسن سے بچو جس کا نام تعین ہے چاہے اسکا مظہر مشاہدہ (نظر) ہو یا مطالعہ (فکر)۔ ظاہری حسن تعین یہہ ہوا کہ نظر نے اپنی انتہائی قوت صرف کرکے ایک منظرِ حسن قائم کیا۔ باطنی حسن تعین یہہ ہوا کہ فکر نے اپنی آخری پرواز سے ایک نشیمن بلندی پر دریافت کیا۔ یہہ مناظر بجائے خود حسین اور دلکش ہین مگر شاعر کہتا ہے کہ یہہ دونون ناقص ہین چونکہ محدود ہین۔ ہمیشہ حسن مطلق کا خیال کرو جو ان تمام مشاہدات و محسوسات کو اپنے دامن مین لئے ہوئے ہے۔ مگر اس حسن مطلق تک رسائی اُسی وقت ہوگی جب دل و دماغ سے تعین کا پردہ اُٹھا دوگے۔

ایسا بھی ایک جلوہ تھا اُسمین چھپا ہوا
اُس رخ پہ دیکھتا ہون اب اپنی نظر کو مین

مرزا صاحب نے یہہ مطلب بیان کیا ہے

"اکثر انسان مین مخصوص صلاحیتین ہوتی ہین جو مخفی اور غیر محسوس رہتی ہین لیکن جب کوئی خارجی اثر محرک ہوتا ہے تو وہ دفعتہً چمک اُٹھتی ہین۔ جب تک رخ رنگین کے پرتو سے نظر فیضیاب نہین ہوئی تھی اُسوقت تک اسکی معجز نمائیون کا احساس نہ تھا۔"

مین پھر بہ ادب عرض کرونگا کہ مرزا صاحب شعر کی خوبیان تو درکنار اُسکا مطلب بھی نہین سمجھے۔ اچھا شاعر حتی المقدور کوئی لفظ فضول نہین لاتا۔ دوسرے مصرع مین لفظ "اب" پر غور کیجئے یہی شعر کے معنی کی کلید ہے ایک ایسی تصویر آنکھون کے سامنے آجاتی ہے جسکی نظیر مشکل سے ملے گی۔

عاشق کو رخ پر نورِ جانان کا جلوہ دیکھنا نصیب ہوا شوق کی بیتابی اور جلوہ کی خیرگی نے خدوخال کو دم بھر کے واسطے نمایان کرکے آنکھ سے اوجھل کردیا فقط ایک تاب شعاعی چہرہ

معشوق سے عاشق کی نظر تک قائم ہوگیا۔ سائنس کی رو سے نظر کچھ نہین سوا اس کے کہ ہماری آنکھون کا نور کسی چیز سے ٹکرا کے منعکس ہوجائے پہلے مصرع مین نفظ بھی اور دوسرے مین نفظ اب اُس مفہوم کے موئد ہین جو مینے عرض کیا۔ پہلے مصرع مین نفظ اس کی ضمیر نظر کی طرف نہین (جیسا غالبًا مرزا صاحب کا خیال ہے اگرچہ اُنھون نے اس امر کو مبہم ہی رہنے دیا) بلکہ رخ کی طرف پھرتی ہے۔ معشوق کے رخ مین جہان اور جلوے تھے وہان ایک ایسا بھی جلوہ تھا جو میری نظر کی نورانی شعاعون سے مشابہ تھا۔ اس طرزِ بیان مین کسقدر جدت و بداعت ہے جس نے جذبِ نگاہ کا ایک عجیب معجزہ دکھایا۔ جلوۂ رخ کیفِ نظر مین منتقل ہوگیا!

اسی خیال نے حضرت اصغر کے ایک دوسرے شعر مین یہہ صورت اختیار کی ؎

اُس رخ پہ چھپا جاکے مرا کیف نظر بھی ہو نور پہ کچھ اور ہے اک نور کا عالم

مگر حضرت اصغر کے کلام کی شرح لکھنا میرا مقصود نہین۔ اس دلچسپ موضوع کو یہین ختم کرتا ہون۔ ابھی کچھ اور باتین لکھنا ہین

اگر مرزا احسان احمد صاحب کا قول باور کیا جائے تو حضرت اصغر وہ انسان ہین "جنکا نشاط آفرین دل و دماغ یاس و حسرت آہ و بکا، گریۂ و زاری فریاد و ماتم کے پست اور بزدلانہ جذبات سے قطعًا ناآشنا ہے وہ اپنے پہلو مین ایک زندہ اور بیدار دل رکھتے ہین جو سرتاپا نشاطِ حیات سے مخمور ہے اس لئے اُنکی زبان سے جو حرف نکلتا ہے کیف و سرور سے لبریز ہوتا ہے"

مگر کم سے کم یاس و حسرت کے جذبات سے تو مولانا سہیل نے بھی حضرت اصغر کو متصف کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۷)۔

آگے چل کر پھر مرزا صاحب کو جوش آتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ اُردو کا تغزل باوجود گوناگون اوصاف کے ابتک رقص و مستی کی کیفیت سے ناآشنا تھا یعنی ابتک عام طور پر یاس و حسرت فریاد و ماتم آہ و فغان وغیرہ بے کیف اور دلولہ شکن جذبات ادا کئے جاتے تھے کیف و سرور کا عنصر تقریبًا مفقود تھا۔ موجودہ زمانہ مین یہ فخر صرف حضرت اصغر کو حاصل ہے کہ انکی سحر طرازیون نے غزل کے قدیم قالب بیجان مین رقص و مستی کی ایک جدید روح پھونک دی اور لوگون کو نظر آگیا کہ تغزل اگر فی الواقع تغزل ہے تو وہ کس حد تک مضطرب قلوب کو متاثر کرتا ہے"۔۔۔۔۔۔"

کیا ہمارے شعراء کے قدیم ماتمکدون سے اس نعرۂ مستانہ پر کوئی صدائے لبیک بلند ہوسکتی ہے؟"

حضرت اصغر کے اچھے شاعر ہونے مین کوئی شک نہین۔ اُنکی جسقدر تعریف کیجائے کم ہے مگر کیا یہہ بھی ضرور ہے کہ گزشتہ خاک آسودہ اور موجودہ "مردہ دل" شاعرون کی منقصت کیجائے جو کسی فائدہ یا شہرت کی غرض سے نہین بلکہ صرف اپنا شوق پورا کرنے کو شاعری کرتے ہین اور کرتے تھے۔ آپ یہی مان لیجئے کہ سب سانے ہذیان بکا مگر آپکی دل آزار باتین اُنکے ہذیان سے کم دماغ کو پراگندہ کرنیوالی نہین ہین۔ کوئی تنگ نظر ایسی بات کہے تو بُری نہ معلوم ہو مگر وہ شخص جو تعلیم یافتہ ہے جس نے آزادی کے مدرسہ مین تعلیم پائی ہے جسکو مختلف زبانون اور ملکون کی تاریخی اور ادبی کتابون کے دیکھنے کا موقع ملا ہے اُسے تو جاننا چاہیے۔ مرزا صاحب کا یہہ ارشاد بھی کوئی وقعت نہین رکھتا کہ یاس و حسرت وغیرہ بزدلانہ جذبات ہین۔ میدانِ غزل عرصۂ رزم نہین بلکہ جذبات کی مصوری اور حقیقت کی ترجمانی ہے اس کے دائرۂ عمل سے کوئی لطیف اور مہذب جذبہ کوئی کیفیت خوشی یا غم کی۔ کوئی واقعہ حیات یا مرگ کا خارج نہین۔ سوال اسقدر رہ جاتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا وہ کس اسلوب سے کہا گیا اور کہانتک اُسمین تصنع یا حقیقت نگاری ہے

اگر تصنع ہے تو آپ جتنا چاہئیے چیخئے سننے والون کو ہنسی آئیگی اور اگر
حقیقت ہے تو ہنسی کو درد کا پردہ بنائیے مگر تاڑنے والے تاڑ جائینگے
اور آپکی ہنسی پر خون کے آنسو بہائینگے ۔

یہہ خیال وبا کی طرح پھیل گیا ہے کہ غزل مین حسرت و یاس
مرگ میت جنازہ و نزع اور اس قبیل کے مضامین نظم نہ کرنا چاہئیے ۔
مجھے اس پست ہمتی پر سخت افسوس ہے اُس قوم کے افراد اپنی بات
اور اپنے ایمان کے واسطے خوشی خوشی جان کیا دینگے جو موت کا
نام سنکر کانپتے ہین جو اسقدر عیش و راحت کے حریص ہین اور درد و غم
کے مظہر کرنے والے جذبات پر عمل پیرا ہونا تو کیسا انکے ذکر سے
گھبراتے ہین۔ حالانکہ موت بھی اور تغیرات زمانہ کی طرح ایک تغیر
ہے اور رنج اکثر نشاط کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ شاید وہ نہین جانتے
کہ عیش و آرام کا ارادہ ہونا در اصل مبتلائے غم ہونا ہے۔ علاوہ برین
شاعر خوشی کی خوشی اور غم کا غم نہین کرتا بلکہ انکا فلسفہ بیان کرتا
ہے۔ آتش نے کیا خوب کہا ہے ؎

جلادہ راہ جو سالک کے پیش پا آئی ٭ ٹھہر گیا جو کہین بوئے آشنا آئی

حقیقت ایک ہے صورتین مختلف ہین خوشی ہو کہ غم حیات ہو کہ ممات
شاعر کا کام شاہد حقیقت کو بے نقاب کرنا ہے کون کس حد تک
کامیاب ہوا۔ ع ۔

این سعادت بزور بازو نیست

انسان بلکہ تمام مخلوق کی زندگی کے دو پہلو ہین حیات و مرگ
شاعر کا تصرف دونون پر یکسان ہے اور وہ خود ان دونون سے
بشرطیکہ شاعر کے پیش بہا خطاب کا مستحق ہو۔ یہہ سچ ہے کہ اگر حیات
کا نام محض قہقہہ اور مرگ کی نشانیان صرف اعضا کا اینٹھنا اکڑنا
پتلیون کا پھرنا ہونٹون کا مڑنا ہے تو ایسی شاعری کو دور سے
سلام اچھا۔ اگر حیات و مرگ کے اسرار بیان کئے گئے ہین تو ایسی
شاعری قابل قدر ہے عام اس سے کہ اُسے پڑھکر یا سنکر ہمین خوشی
ہوتی ہے یا رنج۔

گیٹے کی شاعرانہ عظمت کا کس کو اعتراف نہین دیکھئے وہ کیا کہتا ہے۔
"غم جسکی غذا نہین ہوا جس نے رات کی تاریک گھڑیان روتے
اور صبح کے انتظار مین نہین کاٹین۔ اے نادیدہ قوتو! اُس نے
تمھین نہین پہچانا!

خوشی و غم دونون مین ایک پیغام ہے شاعر کا فرض ہے کہ اس
پیغام کو لوگون تک موثر الفاظ مین پہونچا دے۔ یہہ نہ دیکھنا چاہئیے کہ
اُس نے جذبۂ خوشی یا جذبۂ غم کو نظم کیون کیا بلکہ یہ جو کچھ نظم کیا وہ
شاعری کی ٹکسال مین زر کامل العیار ہے یا نہین۔

اس موقع پر اُس امتیاز کی طرف بھی اشارہ ضرور ہے جو مرزا
صاحب نے درد و الم (آہ و بکا) اور سوز و گداز مین قائم کیا ہے۔ اُنکا یہہ
فرمانا بجا ہے کہ سوز و گداز آہ و بکا کا نام نہین مگر اسکی کیا دلیل کہ آہ و بکا
مین سوز و گداز پیدا نہین ہوسکتا۔ نوحۂ غم ہو یا نغمۂ شادی جو ہو
تاثیر مین ڈوبا ہو۔ جو شعر تاثیر سے خالی ہے وہ شعر نہین۔ اگر خالی
الفاظ ناچتے ہین تو وہ پریان نہین بلکہ پرچھائیان ہین اگر نالۂ
شیون اثر سے خالی ہے تو ٹوٹے ہوئے دل کی فریاد نہین بلکہ کرایہ
کے نوحہ گر کی آہ و بکا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جو خوشی کا گیت اس طرح
گا سکے کہ روح وجد کرے۔ خوش قسمت ہے وہ جو اس طرح روئے کہ محفل
کی محفل کو رُلائے مگر قابل رشک ہے وہ جو ہنسا بھی سکے اور رُلا بھی
سکے (ہنسی سے میرا مطلب مسخرہ پن نہین ہے)۔ جناب اصغر کا کلام دونون
قسم کے اشعار کا گنجینہ ہے اگر مکروہات زمانہ نے فرصت دی تو کسی
اور موقع پر حضرت اصغر کے منتخب اشعار کی خوبیان دکھانے کی کوشش
کرونگا۔ یہان چند اشعار مختصر تمہید کے ساتھ درج کرتا ہون۔

اللہ رے دیوانگی شوق کا عالم ٭ اک رقص مین ہر ذرہ صحرا نظر آیا

علاوہ اور خوبیون کے محاکات کی شان دیکھیئے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحرا جگمگا رہا ہے۔ اگر صحرا کا استعارہ دل سے کیجیئے تو اور ہی عالم پیش نظر ہوتا ہے۔

اُٹھے عجب انداز سے وہ جوشِ غضب مین　　چڑھتا ہوا اک حسن کا دریا نظر آیا

غصہ مین سانس پھولنے لگتی ہے پھر معشوق کا غضبناک ہو کر اُٹھنا ان دونون کیفیتون نے مل کر معشوق کو ایک دریائے حسن اور ہر سانس کو ہر ادا کو ایک بیقرار موج بنا دیا کیسا دلکش انداز بیان اور کسقدر لطیف شعر ہے۔

تھا لطفِ جنون دیدۂ خونابہ فشان سے　　پھولون سے بھرا دامن صحرا نظر آیا

مضمون معمولی اور پامال مگر لفظ خونابہ فشان نے جس مین چھلکنے کا مفہوم ہے ایک حسن پیدا کر دیا۔

خوب تھا صحرا برائے ذوق جنون　　پھاڑنے کو نت نئے دامن کہان

ہر صحرا کو ایک دامن سمجھئے۔ پھر شعر کی بلاغت پر غور کیجیئے۔

میخانہ کی اک روح مجھے کھینچ کے دیدی　　کیا کر دیا ساقی نگہہ ہوش ربا سے

نگاہ ساقی کو روح میخانہ کہنا میرے نزدیک بالکل نئی تشبیہ ہے

پہلے ہستی کی ہے تلاش ضرور　　پھر جو گم ہو تو جستجو نہ کرے

ان مختصر الفاظ مین اصول زندگی و طریق سلوک کا مکمل فلسفہ ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہین۔

عشق ہے سعی مری عشق ہے حاصل میرا　　یہی منزل ہے یہی جادۂ منزل میرا

عشق کو منزل سب نے کہا ہے مگر سعی کو جادۂ منزل سے استعارہ کرنا جناب اصغر کا حصہ تھا۔

اور آجائے نہ زندانی وحشت کوئی　　ہے جنون خیز بہت شورِ سلاسل میرا

یہ شعر تعریف سے مستغنی ہے۔ شورِ جنون و عشق کا اس حد تک پہونچنا کہ معشوق نہ صرف کھنچ کے چلا آئے بلکہ خود اُس مین بھی انداز جنون پیدا ہون حسن و عشق و راز و نیاز کی وہ منزل ہے جہان معمولی شاعر کی فکر کا گزر نہین۔ حسن کے جلوون مین وحشت و رمیدگی و بیگانگی مسلم ہے (اسی سے رنگ پر طاؤس سے تشبیہ دیتے ہین) لہذا یہہ استعداد موجود ہے کہ

اور آجائے نہ زندانی وحشت کوئی

اصل یہہ ہے کہ اس شعر کے متعلق کچھ لکھنا اسکے کیف کو زائل کرنا ہے مگر بغیر کہے رہا بھی نہین جاتا شعر مین جنون عشق کا فلسفہ بھی بیان کر دیا ہے حسن کے جلوون مین رمیدگی ہے جنون عشق اسی کا تتبع ہے اس طرح حسن و عشق مین ایک ربط پیدا ہوا وحشی کو وحشی سے وحشت نہین ہو سکتی۔ ہوش جو وجہ بیگانگی تھے جب عاشق سے رخصت ہو گئے پھر یہہ ضرور ہے کہ بقول غالب ع فریاد کی کوئی لے نہین ہے۔

جذبۂ حزن طاری کرنے کے لئے لازم نہین کہ سینہ کوبی و آہ و زاری ہی سے کام لیا جائے مگر یہ بھی فرض نہین کہ انہین یک مشت خارج کر دیا جائے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت اصغر کے کلام کا انتخاب شایع ہوا ہے اور انتخاب بھی غالباً اُن حضرات نے کیا ہے جو خمخانۂ نشاط کے متوالے ہین پھر بھی غم انگیز اشعار کی کمی نہین۔ ملاحظہ کیجیئے۔

ہجوم غم مین نہین کوئی تیر نیچونکا　　کہان ہے آج تو اے آفتاب نیم شبی

اک نشتر ہے جو روح کو تڑپاتا ہے۔

اک شورش بے حاصل اک آتش بے پروا　　آتشکدۂ دل مین اب کفر نہ ایمان ہے

حزن و افسردگی کا ایک مکتوب ہے۔

جان بلبل کا خزانہ نہین پیسان کوئی　　اب چمن مین نہ رہا شعلۂ عریان کوئی

کون صاحب اس پر بجائے دل تھامنے کے رقص کرینگے

خاک پروانہ کی برباد نہ کر باد صبا　　یہی ممکن ہے کہ کل تک مرا افسانہ بنے

عبرت کا ایک مستقل درس ہے۔

یہہ اشعار روا روی مین اُسی انتخاب سے جو مرزا صاحب نے پیش کیا ہے چن لئے گئے دیوان مین اور بھی ہین۔ صرف ایک مثال

جو صفحہ اپر نظر آگئی۔

روداد چمن سنتا ہون اسطرح قفس مین   جیسے کبھی آنکھون سے گلستان نہین دیکھا

اہل نظر اندازہ کرلین کہ مرزا صاحب کا یہہ قول کہ حضرت اصغر کی زبان سے جو حرف نکلتا ہے کیف و سرور سے لبریز ہوتا ہے کہانتک قابل پذیرائی ہے۔

انکا یہہ فرمانا بھی غلط ہے کہ اس "رقص و مستی" کے موجد حضرت اصغر ہین۔ تمام اساتذۂ سابق و حال کے کلام مین ایسے اشعار بکثرت ملین گے جو طرب انگیز ہین یا جن مین جوش و خروش موجود ہے۔ میر کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ اُس کے کلام مین درد ہی درد ہے مگر ملاحظہ ہو۔

لطف اگر یہہ ہے بتان صندل پیشانی کا   حسن کیا صبح کے پھر چہرۂ نورانی کا

میر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو اُن نے تو   قشقہ کھینچا دیر مین بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

گلبرگ کا یہہ رنگ ہے مرجان کا ایسا ڈھنگ ہے   دیکھو نہ جھمکے ہے پڑا وہ ہونٹ لعل ناب سا

اور اسی کے ساتھ۔

لعل خموش اپنے دیکھو ہو آرسی مین   پھر پوچھتے ہو ہنسکر مجھ بے نوا کی خواہش

ہم فقیرون سے کج ادائی کیا   آن بیٹھے جو تمنے پیار کیا

کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پر پیچ و تاب   شمع تک ہمنے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

شب فروغ بزم کا باعث ہوا تھا حسن دوست   شمع کا جلوہ غبار دیدۂ پروانہ تھا

آخری شعر کا زور اور شکوہ اور اسی غزل کے دوسرے شعر کا درد اور خستگی دونون کا مقابلہ کیجئے۔

غیر کے کہنے سے مارا اُن نے ہمکو بیگناہ   یہہ نہ سمجھا وہ کہ واقع مین بھی کچھ تھا یا نہ تھا

بات یہہ ہے کہ جنھین سلیقہ ہے وہ الفاظ و معانی مین توازن و تناسب قائم رکھتے ہین اور محض الفاظ کی دروبست سے وہ کیفیت پیدا کردیتے ہین جسکی مصوری منظور ہے۔ یہہ اشعار جستہ جستہ درج کردیئے گئے مزید مثالین میر یا کسی دوسرے شاعر کے کلام سے پیش کرنے مین طوالت ہے جن حضرات کا جی چاہے اس نظر سے مختلف دواوین کا مطالعہ کرلین۔ غالباً میرے قول کی تائید ہوگی۔ یہہ ضرور ہے کہ کسی کے یہان پلہ خوشی کی طرف اور کسی کے یہان غم کی طرف جھکتا ہے جس طرح انسانون کی طبیعتین مختلف ہین۔

کوئی پردہ نہین رہا۔ انوار کی بارش شروع ہوگئی۔ خود حسن و عشق کا امتیاز مٹ گیا۔ سب حسن سب عشق ہوگیا اور سب عشق سب حسن۔

داستان اُنکی اداؤنکی ہے رنگین لیکن   اسمین کچھ خون تمنا بھی ہے شامل میرا

عشق کی قربانیون نے حسن کی اداؤن کو اور زیادہ نمایان کردیا۔ گویا ایک کمی تھی جسکو پورا کردیا۔ اور ایک لطیف پہلو جس کے مزے صرف ایک شاعر اُٹھا سکتا ہے یہہ ہے کہ جس تمنا کا خون ہوتا ہے وہ حسن کی ادا بنجاتی ہے۔

بے نیازی کو تری کچھ بھی پذیرا نہوا   شکر اخلاص مرا شکوۂ باطل میرا

شعر مین خاص خوبی یہہ ہے کہ اس اعتراف مین جو جذبۂ انفعال مضمر ہے وہ اُسکی بے نیازی نے قبول کرلیا۔

روداد چمن سنتا ہون اسطرح قفس مین   جیسے کبھی آنکھون سے گلستان نہین دیکھا

اس شعر کی تعریف بس اسقدر کافی ہے کہ غالب کے شعر کا جواب بلکہ اُس سے بہتر ہے ؎

قفس مین مجھسے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم   گری ہے جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو

کیونکہ اس مین قائل نے چمن اور نشیمن کی محبت اور اُن سے تعلق کا اظہار کردیا۔ ہمدم کو یہ نہین پس و پیش ہے وہ یہہ سن کے "گری ہے جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیون ہو" یا تو مزید واقعات کا اظہار نہ کریگا یا اُن آفات کو نرم کرکے بیان کریگا۔ لہذا لطف داستان جاتا رہیگا یا کم ہوجائیگا۔ حضرت اصغر نے ظاہری بے تعلقی دکھائی ہے۔ گویا چمن سے کوئی واسطہ کوئی دلچسپی نہین رہی اب کہنے والا بدھڑک اور بلاکم و کاست بیان کریگا۔ غالب نے جس اثر کو پورے مصرع مین ترتیب دیکر "گری ہے جسپہ الخ" حضرت اصغر نے وہی کام صرف ایک لفظ "جیسے" سے نکالا۔ یہہ لفظ ایک مبسوط تاریخ ہے "مین چمن مین تھا اور وہ چمن بہت آراستہ و بارونق تھا۔"

ایک خوبصورت شاخ گل پر میرا آشیانہ تھا مین وہان بہت خوش تھا پتّے پتّے بوٹے بوٹے سے مجھے الفت تھی مجھپر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا صیاد نے اسیر کرکے قفس مین بند کردیا۔ اسکو ایک مدت ہوگئی پہلے مین بہت تڑپا پھڑکا نالہ و فریاد کی صیاد کی منتین کین قسمین دین طرح طرح کے نغمے سنائے کہ وہ مین خوش ہو اور رحم کھائے مگر افسوس اُسکا دل نہین پسیجا آخرکار شوق و اضطراب کی جگہہ حزن و یاس نے لی۔ دل ٹوٹ گیا افسردگی فطرت ثانیہ ہوچلی۔ قفس مین دل لگ چلا تھا اتنے مین کیا خبر آئی کہ گلشن تاراج ہوگیا آشیان اُجڑ گیا جہان ہجوم غنچہ و گل تھا سرسبزی و شادابی تھی وہان خاک اُڑ رہی ہے باد سموم کے جھونکے چل رہے ہین مین یہہ سب باتین اسطرح سن رہا ہون گویا مجھے گلستان سے کبھی واسطہ ہی نہین تھا آنکھ سے بھی نہین دیکھا تھا اگر بیان کرنے والے سے روداد گلستان اسطرح نہ ستون تو وہ مفصل حالات بیان کرنے مین تامل کریگا بہت سے واقعات چھپا ڈالیگا اور میرا اشتیاق تشنہ رہ جائیگا دلبر جھبر یان چل رہی ہین مگر روداد چمن اس طرح سن رہا ہون۔

جیسے کبھی آنکھون سے گلستان نہین دیکھا!

بہت کچھ لکھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہین لکھا مجبورًا اس مضمون کو ختم کرتا ہون لیکن اُسکے قبل یہہ کہنا چاہتا ہون کہ مجھے حضرت صغر کے کلام مین لغزشین بھی نظر آئین گو اُنکی وقعت اس سے زیادہ نہین جیسے شاہدان رعنا کے جھرمٹ مین بعض کے رخسار پر کوئی بدنما خال ہو۔ میںنے ایسے معشوقون کی طرف سے منہ پھیر کر دوسرون کے جمال بے مثال سے آنکھین سینکین۔

لوگون کو تنقید کی طرف رغبت ہوچلی ہے۔ ذیل مین ڈین رائڈن کی ایک عبارت کا ترجمہ حاضر ہے جو غالبًا مفید اور دلچسپ ثابت ہو "وہ لوگ تنقید کی حقیقت ہی نہین سمجھتے جنکا یہہ خیال ہے کہ اسکا خاص منصب خوردہ گیری ہے۔ تنقید کا موجد ارسطو ہے اُسکا یہہ مقصد تھا کہ کلام کی خوبیان ذہن نشین کرنے کا ایک معیار قائم ہوجائے جسکا فرض اولین یہہ ہو کہ کلام کے محاسن پڑھنے والے کی سمجھ مین آجائین اور موجب انبساط ہون۔ اگر کسی نظم کی ترتیب تخئیل اور انداز بیان اچھا ہو جو ایک حقیقی شاعر کے طغراے امتیاز ہین تو نقاد کو چاہئے کہ مصنف کے مواقف رائے قائم کرے معمولی اغلاط پر ناک بھون چڑھانا خباثت نفس اور نامردی کی دلیل ہے کیونکہ ایسے تسامحات سے درجل کا کلام بھی پاک نہین۔ ریس تسلیم کرتا ہے کہ مستعد اور کیل کانٹے سے لیس ہومر بھی بعض وقت اونگھ جاتا ہے۔ اُسکی نظم کی ہر سطر خوبیون سے لبریز نہین ہے تاہم ہاریس ہومر کے کلام کو کمال شاعری کا مستقل نمونہ بتاتا ہے۔ لانگینس جو ارسطو کے بعد یونانیون مین عظیم ترین نقاد ہوا اُس گرانمایہ شاعری کو جس مین لغزشین ہون اُس خنک یا معتدل شاعری پر ترجیح دیتا ہے جس مین غلطیان تو نہین ہین مگر ترفع بھی نہین۔ قسم اول کو اُس نے ایک ایسے شخص سے مشابہ کیا ہے جسکی دولت کثیر ہے جسکو اتنی فرصت نہین کہ چھوٹے چھوٹے مصارف کی نگرانی کرے اُسکے واسطے جزئیات کی نگہداشت کسرشان ہے اُسکی کفایت شعاری کے بہترین نمونے فردعات مین نہین مل سکتے بلکہ انمین اکثر اسراف پایا جاتا ہے مگر وہ اپنی مجموعی دولت کی محافظت مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتا۔ برخلاف اس کے وہ شاعری جو جادۂ اعتدال سے آگے قدم نہین بڑہاتی اُسکی مثال ایسے شخص کی ہے جو اپنا اندوختہ نہایت احتیاط بلکہ بخل سے صرف کرتا ہے اور اس خوف سے کہ مبادا اسراف کا مرتکب ہو شاندار زندگی کبھی نہین بسر کرتا۔ ایسا شخص صحیح عبارت ضرور لکھتا ہے۔ صرف و نحو سے چاق چوبند۔ تسردکات کا ماہر مندرجات سے واقف اور بال کی کھال کھینچنے والا ہوتا ہے۔ کوئی اُس سے بہتر نہین جانتا کہ کیا نہ لکھنا چاہئے۔ وہ کبھی اتنا دوڑ کر نہین چلتا کہ گر پڑے بلکہ پھونک پھونک کے قدم رکھتا ہے اور

جیسا کہ ایک سنجیدہ شخص کے شایان ہے پہلے عصا ٹیکتا ہے پھر پاؤن جماتا ہے۔ غرضکہ وہ اپنے کام مین بہت منہمک رہتا اور حیرت انگیز طریقہ برتتا ہے۔ ایسے شخص کی نہ تو کوئی تعریف کرتا ہے نہ مذمت۔ لانگینس کہتا ہے کہ مجھے ہومر مین معمولی غلطیان مل سکتی ہین لیکن انصاف سے دیکھو تو یہہ غلطیان محض انسانی کمزوری کی نشانیان ہین۔ ادنیٰ فروگزاشتین ہین جو جوش تحریر مین نظر انداز ہوگئین مگر اُسکی روح کی عظمت باوجود ان تسامحات کے مجھپر غالب آجاتی ہے اور اگرچہ اور مصنفین کا کلام نسبتاً غلطیون سے پاک ہے مگر شاید ہی کوئی شخص ایسا کج فہم ہو جو مثلاً اپولونیس یا تھیاکرٹیز کو ہومر پر ترجیح دے"۔

مگر یہہ یاد رکھنا چاہئے کہ مندرجۂ بالا اقوال مبسوط مسلسل نظم کے بارہ مین ہین۔ غزل کا ہر شعر اپنی جگہہ مکمل ہوتا ہے لہذا اسکے معائب بھی زیادہ نمایان ہوتے ہین اور زیادہ کھٹکتے ہین۔ ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ ہر قوم کی شاعری ہر زمانہ مین اُسکی اقتصادی و معاشرتی حالت کا آئینہ ہوتی ہے۔ جن لوگون کے دل بجھے ہوئے ہین جنکو زمانہ نے پیس ڈالا جن کے آداب و اخلاق جن کی تعلیم جن کا پاس وضع جن کے قدیم روایات باد نما کی طرح جدہر ہوا کا رخ ہو پھرنے سے اُن کو روکتے ہین اُن سے آپ یہہ توقع رکھتے ہین کہ ناچین تھرکین اور آپکے قہقہون مین شریک ہون۔ اُنکو اُنکے ماتمکدون مین رہنے دیجئے اور آہ وزاری نالہ و بکا کرنے دیجئے اگر وہ آپکی بزم عشرت مین شریک نہین ہوتے تو آپ کا کیا نقصان ہے۔

اب مین کچھ اُس کیفیت کے متعلق لکھون گا جسے مرزا صاحب رقص و مستی سے تعبیر کرتے ہین۔ شعر کو سنکر سامع کے دل پر مختلف کیفیتین طاری ہوتی ہین۔ حزن یا انبساط نفرت یا حیرت۔ ظاہر ہے کہ جس شعر کو سنکر میری طبیعت متنفر ہو وہ میرے لئے کسی کام کا نہین۔ باقی تین جذبے رہ گئے شعر کی خوبی یہہ ہے کہ جس جذبہ کی تصویر ہو مکمل ہو۔ جذبۂ حیرت شدت کے ساتھ اُن اشعار سے طاری ہوتا ہے جن مین شاہد معنی کی ایک جھلک پردہ سے نظر آتی ہے اُسکی بناپر ہمین اپنے ذوق اور اپنی فکر سے کام لینا پڑتا ہے اگر حیرت کی تسکین ہوگئی تو ایک لہر انبساط کی دل و دماغ مین دوڑ جائیگی ورنہ انقباض رہیگا جو شاید نفرت مین بدل جائے۔ مرزا صاحب کا خیال ہے کہ شاعر کو صرف ایسے اشعار کہنا چاہئے جن سے سامع پر انبساط طاری ہو۔ انقباضی اشعار ٹکسال باہر۔ گویا شاعری خصوصاً تغزل ہمارے نفس ہمارے جذبات ہماری امیدون ہماری آرزؤن اور ہماری حسرتون کا آئینہ نہین ہے بلکہ ایک سانچا ہے جسمین خوشی ڈھلتی ہے۔

شاعر مین جب تک غم سے متاثر ہونے کی استعداد ہے اُس سے یہہ امید رکھنا کہ وہ دردناک و حسرت انگیز اشعار نہ کہیگا سودائے خام ہے۔

حافظ کا کلام "رقص و مستی" کا بہترین نمونہ سمجھا جاتا ہے مگر اُس مین بھی بکثرت ایسے اشعار موجود ہین جن کو پڑھ کے بجائے انبساط کے حزن طاری ہوتا ہے مثلاً۔

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنین ہائل — کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

مرا در منزل جانان چہ امن و عیش چون ہر دم — جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

اسی غزل مین یہ شعر بھی ہے۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید — کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

جس مین سرور و انبساط ہے۔

شاید راقم کی رائے زیادہ مفید ہوگی۔

"کوئی صناع جیبرے کو چلانہ کرے اگر اُسے خیال ہو کہ اُس کے سوا جرم پر کسی کی نظر نہ پڑیگی۔ اس طرح شاعر بے پروا ہو جائین اگر نقادخردہ گیری پر نہ تلے رہین"۔

اثر

تخیلِ محمود

(جناب خان صاحب محمود علی خان عرف آغا علی خان صاحب متخلص بہ محمود تعلقہ دار و آنریری اسپشل مجسٹریٹ الہ آباد)

ہان گر ترے ناوک کا انداز جدا ہوتا ہر زخم مرے دل کا تصویرِ وفا ہوتا
دل خونِ تمنا سے ہوتا نہ اگر رنگین اس منظرِ فطرت کا پھر رنگ نیا ہوتا
تھی اُنکی خود آرائی ورنہ اسی محفل مین انگڑائی کے لینے کا انداز جدا ہوتا
اے ساقیِ میخانہ تھی کون خطا میری اک جامِ مے راحت مجھکو بھی دیا ہوتا
مین دیکھتا جب ہمت دامن ترا مقتل مین خونِ دلِ مضطر کے چھینٹون سے رنگا ہوتا
تم جانتے کتنی تھی تلخیِ غمِ الفت کی گر بادۂ فرقت کا اک گھونٹ پیا ہوتا
وہ دیکھتے کیا آکر انجامِ محبت کو میت پہ گر آتے تھے آنے تو دیا ہوتا
زینت ہوئی دُنیا کی غفلت کے حجابون سے اُٹھتے جو یہ سب پردے اک حشر بپا ہوتا
محفل سے تری اُٹھتا گر نغمۂ مستانہ ہر ساز مرے دل کا چوکھٹ پہ فدا ہوتا

محمود نگہ اُن کی پڑتی جو محبت کی
لوحِ دلِ محزون پر اک نقش کھدا ہوتا

کلامِ ذاکر

تجسس ہے مجھے اک بے نشان کا پتہ کوئی بتا دے لامکان کا
اجل اتنی سی مہلت چاہتا ہون نتیجہ دیکھ لون آہ و فغان کا
نہ دیکھا رشک سے حدِ نظر نے گلے ملنا زمین و آسمان کا
دکھا دے اے صبا پس ماندگان کو کوئی ذرہ ہی گردِ کاروان کا
وہ بے پردہ سنا ہے آئین گے آج یہ موقع اصل مین ہے امتحان کا
نہ کیجے مجھکو مانوسِ عنایت مزہ مٹ جائیگا دردِ نہان کا

بس اب جان کیجے ذاکر نذرِ قاتل
لگا رکھا ہے یہ جھگڑا کہان کا

(ابو الجذبات سید ذاکر علی ذاکر ٹونکی)

مادرِ خواب

حسن شاہ سہروردی ہندوستان کے اُن چند مایۂ ناز فرزندون مین ہین جنھون نے انگریزی ادب مین کمال حاصل کیا آپ تکمیل علم کی غرض سے انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ وہان سے روس کا سفر کیا ابھی آپ وہین تھے کہ عالمگیر جنگ چھڑ گئی سال بھر تک وہ وہین کے ایک مشہور کالج مین انگریزی عروض کے پروفیسر رہے اور اب سکوٹی کی ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی کے رجسٹرار ہین آپ نے انگلستان ہی مین اپنی چھوٹی چھوٹی نظمون کا پہلا گلدستہ "برگہاے پژمردہ" (فیڈڈ لیوز) کے نام سے شایع کیا ہے۔ "مادرِ خواب" اُسی کی ایک قومی نظم (دی مدر آف ڈریمز) کا ترجمہ ہے۔

سنو! کھڑکیان دیوانون کی طرح آپس مین ٹکرا رہی ہین!
کمرے مین جلنے والی انگیٹھی کے بجھتے ہوئے شعلون کی لپک کسی عاشق کے آرزومند دل کی طرح کانپ رہی ہے۔

آنسو میری آنکھون مین پردے کی طرح حائل ہوتے جاتے ہین ہواے سرما کے سرد سرد جھونکے بار بار مجھے اپنے عزیز وطن کی یاد سے بیچین کردیتے ہین۔

ھند! اے ھند! میری مخلص ترین آرزوؤن کے قبلہ گاہ! تیرا مصیبت زدہ دل سرد ہے۔ تیری روح کا عالمگیر جذبہ خموش ہے۔

تیرے چشمے خشک ہین۔ تیرے چمنستان بہار کے پتے منتشر ہین۔ تیری عظمت رخصت ہوچکی تیرا ماضی ختم ہوچکا ہماری توقعات، ہماری آرزوئین سب خاک مین مل گئین۔

کیا کمھلائے ہوئے پھول جان بخش بہار کے جھونکون سے پھر سرسبز نہ ہوجائین گے! کیا پامال دل پھر حرکت نہ کریگا! کیا تیرا محبوب تیری پرستش کی تحقیر کرتا ہے!

دیکھ، تیرا مطلع کیسا روشن ہو رہا ہے! اس روشنی مین ایک شوکت پنہان ہے۔ تیرا رخ ان شعاؤن کی طرف ہے، تو پھر زندہ ہوگا۔ تو مردہ نہین ہے۔

ابر جو تیری نظرون کے سامنے حائل ہین چھنٹ جائین گے ہمارے ضبطِ محبت کا بدلہ، ہماری خونفشانی کا صلہ ایک نیا روشن تر آفتاب بنکر طلوع ہوگا۔

توقعات جو شریفانہ ہین کامیاب ہونگے، کیونکہ کامیابی پر مُہر نہین لگ چکی ہے. خیالات جو پاکیزہ ہین کفن کے وزن کو ہلکا کردینگے۔

روحانیت پھر غالب ہوگی، اور مادیت مغلوب ہوجائیگی صبح روشن شب کے تاریک ترین پردے مین مستور رہتی ہے۔

(ترجمہ) سید حسن (لکھنؤ یونیورسٹی)

نواے راز

لاکھ ہون تعینے خودی میکدۂ مجاز مین — روح ہی میری جبہ سا بارگہِ نیاز مین
میرا غبار آج تک سجدہ کنان جگہ جگہ — محو تلاش یار ہے رہ گزرِ نیاز مین

میری نگاہ شوق بھی کتنی ادا شناس ہے — لینے لگی ہے اب سبق درس گہِ مجاز مین
اہل نظر کے واسطے دید مین اُنکی عید ہے — جلوے حقیقتون کے ہین آئینۂ مجاز مین

وجد مین میری روح ہے کیف مین میرا قلب ہے — نغمہ زن الست ہی پردۂ نے نواز مین
صبح کی ہے کسے اُمید دیکھئے صبح ہو نہ ہو — بخت کی تیرگی بھی ہے میری شب دراز مین

گوش حقیقت آشنا جسکو ملے ہو وہ سنے — بھید ہین سیکڑون نہان ایک نواے راز مین

ابو الفاضل (بنگلوری)

ناٹک ساگر

یعنی دُنیائے ڈرامہ کی تاریخ

یہ قابلِ قدر کتاب، نور آلٰہی و محمد عمر صاحبان کے زورِ قلم، و معلوماتِ تاریخی کا نتیجہ رنگین ہے، اِسمین دُنیائے ڈرامہ کے مکمل تاریخی حالات و سوانح بیان کئے گئے ہین، اور دُنیا کے مشہور ایکٹرون اور ڈرامون کے متعلق مفید تاریخی معلومات کا ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے۔

ہندوستان کے ڈرامے اور تھیٹر تفریحی مشاغل کا جزوِ اعظم سمجھے جاتے ہین۔ حالانکہ یہان بھی رہس لیلا اور رام لیلا کی بنیاد اسی اصول پر رکھی گئی تھی، اور اب بھی ان کھیلون مین مذہبی رنگ کی جھلک موجود ہے، لیکن مغربی ممالک تھیٹر کو اپنی اخلاقی، تمدنی، معاشرتی ترقیون کا ذریعہ سمجھتے ہین، حتیٰ کہ ملکی سیاسی معاملات مین ڈرامے کو خاص اہمیت دیجاتی ہے۔

یونان مین ابتداءً ڈراما مذہبی کھیلون مین شمار ہوتا تھا، ناٹک ساگر مین یونان کی ڈرامہ نوازی کے متعلق یہ عبارت تحریر ہے۔

"محققین کی رائے ہے کہ باقاعدہ ایجاد سے پہلے یونان کے طبائع مین ڈرامہ کا عنصر موجود تھا اور اسکی شہادت اُن مذہبی رسوم مین ملتی ہے جنہیں اسرار برزخ کہتے ہین۔ یہ ایک قسم کی پوجا ہوتی تھی، جس سے پوجاری ڈیمٹر اور پرسس نامی دو دیوتاؤن کے معجزات اور سوانح حیات بہروپ بھر کر بیان کرتے اور اعراف دوزخ اور بہشت کے نظارے دکھا کر حیات بعد الموت کا نقشہ آنکھون کے سامنے کھینچتے تھے اور تلقین مذہب کا کام لیتے تھے!!"

اِس تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ دُنیا آج سے دو ہزار برس بیشتر بھی ڈرامے کی دلدادہ تھی، فرق یہ تھا کہ اُس وقت صرف مذہبی اثرات کو قایم رکھنے کے لئے ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ اور اب تفریحی مشاغل کا ایک جزو لاینفک ہین،

فرانس اور انگلستان مین بھی شروع شروع مین ڈرامون سے تبلیغ و تلقین مذہب کا کام لیا گیا۔ انگلستان مین مدتون گرجا کی چار دیواری سے باہر اسکا رواج نہ ہو سکا، لیکن آخر مشک کی خوشبو پھیلی اور انگلستان کی سرزمین نے ایسے ایسے ڈرامہ نگار پیدا کئے جنکی بدولت اس فن کو بہت کچھ فروغ ہوا، اور مذہبی اصلاح کے علاوہ، دنیاوی امور مین بھی مصلح مان لئے گئے۔

مصنفین کا خیال ہے کہ مسلمان اگرچہ مذہباً اس قسم کے لہو و لعب کو داخلِ معصیت سمجھتے ہین، لیکن ڈرامہ کے ہمہ گیر اور قابل قبول اثر سے اپنے دامن کو نہ بچا سکے، انکے ایک فرقہ (شیعہ) نے اسے مذہبی رنگ مین نمایان کیا، اور محرم کے زمانے مین منجملہ اور سامانِ عزا کے اسکو ممتاز درجہ بخشا، چنانچہ ایران مین مذہبی حیثیت سے ڈراما کا ظہور پایا جاتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ جاہل طبقہ مین اب بھی رواج ہو۔

چنانچہ "ناٹک ساگر" کے صفحہ ۴۲۶، ایران کی ڈرامہ نوازی کے سلسلہ مین ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو محرم مین بطور ڈرامہ ظاہر کئے جاتے ہین۔

"تمثیل مجلس مین پوری کمپنی کام کرتی ہے، اس تماشہ کو تعاس کہتا

موزون ہے، ان ایکٹرون کو ٹولی یا تماشہ جی کہتے ہین، یہ
لوگ قریہ بہ قریہ پھر کر تماشہ کرتے ہین - مداری بازیگر اور قلندر
بندر اور ریچھ لیکر اُنکے ساتھ ہوجاتے ہین۔ ....
آسمان کے نیچے فضا مین چالیس گز مربع اور قدآدم بلند چبوترہ
بناتے ہین، یہی سکو (ایرانی نام) اسٹیج کا کام دیتا ہے۔ اسکے
گرد دس فٹ چوڑا راستہ ایکٹرون کی آمد و رفت کے لئے
چھوڑا جاتا ہے ....
یہان تماشے کے آغاز کا اعلان گھنٹی بجنے سے ہوتا ہے، مگر ایران
مین اس موقع پر بندوق یا توپ سر کی جاتی ہے - اصلی ڈرامہ شروع
ہونے سے پہلے ایک اور چھوٹی سی تمثیل کی جاتی ہے تاکہ پلاٹ
کی عظمت کا سکہ حاضرین کے دل پر بیٹھ جائے۔ مثلاً امیر تیمور اسٹیج
پر آ کر امام کی شہادت پر ماتم کرتا ہے اور خوارج کے خلاف غم و
انتقام کے جذبات بھڑکاتا ہے ....
اسکے بعد ....
تعزیہ (ڈراما) کے دیگر ارکان داخل ہوتے ہین جن مین
سرور عالم دیگر انبیا، فرشتے، پنجتن پاک، دیگر اہلبیت، صحابہ
ثلاثہ، حُر، معاویہ، یزید، شمر ابن سعد شامل ہوتے ہین۔ پیغمبرون
فرشتون دیگر مقدس ہستیون اور عورتون کے پارٹ کرنے والے
مُنہ پر نقاب ڈالے ہوتے ہین۔"

اِس سلسلے مین ان تمام واقعات کو بیان کیا ہے جو اُس
تمثیل مین پیش آتے ہین، یعنی شمر و یزید کے پارٹ کرنے والون پر
بعض وقت حاضرین جوش سے مغلوب ہو کر پتھر برساتے ہین
حتیٰ کہ کبھی کبھی ایکٹر آغوش اجل مین پناہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
مصنفین نے سر لوئیس پیلی کی کتاب کی عبارت کا ترجمہ
پیش کیا گیا ہے، جو حضرت امام حسین علیہ السلام سے متعلق ہے

یہ اُس وقت کی کیفیت ہے، جب سید الشہدا زخمون سے چور
ہوکر میدان مین پڑے داعی اجل کو لبیک کہنے والے ہین۔

"جناب امام آہ تیرون اور خنجرون کا زخم کیسا تڑپا دینے والا
درد پیدا کررہے ہین، اے خدا قیامت کے دن میری خاطر
میرے ہموطنون پر رحم کرنا، وصال کا وقت قریب آگیا ہے
لیکن اکبر کے ہجر کی پھانس دل کو تڑپا رہی ہے، کاش کہ میرے
نانا مجھے اِس حالت مین دیکھتے۔

حضور پیغمبر عالم! (ظاہر ہوکر) پیارے حسین تمھارے نانا
رسول اللہ تمہین دیکھنے لئے آیا ....

ممکن ہے کہ ایران کے مسلمان تمثیل ڈرامہ کو مذہبی رسوم
کا جزو اعظم سمجھتے ہون۔ لیکن عام طور پر دُنیاے اسلام ڈرامہ کو
صرف دنیاوی، دلچسپیون تک محدود سمجھتی ہے جسکو مذہب سے
کوئی تعلق نہین۔

اول اول سنسکرت نے فن ڈرامہ کو ایک مستقل فن بنانے
کی کوشش کی تھی، اور باقاعدہ اصول وضوابط وضع کئے تھے
ایکٹر اُسی وقت کامیاب ایکٹر سمجھا جاسکتا تھا جب وہ اُن اصول
کی پیروی کرکے اپنے آپ مین (وقتی طور پر) وہی جذبات
پیدا کرے جسکی وہ تمثیل پیش کررہا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہندوستان
مین فن کی حیثیت سے ڈرامہ کا رواج باقی نرہا اور صرف مذہبی حیثیت رہ گئی۔ موجودہ
زمانہ مین ہندوستان مین جو کچھ ڈرامہ کا اثر باقی ہے، یہ سب یورپ کا فیض ہے۔

ناٹک ساگر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات مصنفین
ڈراما اور تھیٹر سے خاص دلچسپی رکھتے ہین اور ڈرامے کو فطرت کی
ایک بہترین ودیعت بلکہ عین فطرت سمجھتے ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

"ارسطو کا قول ہے کہ نقالی انسان کی جبلت مین داخل ہے
اور اسکا ظہور اُسکے بچپن سے ہوتا ہے، نقالی صورت اور

حرکات انسانون مین یکسان طور پر پائے جاتے ہین۔ پس عیان ہے کہ ڈراما عین فطرت ہے، اور ڈراما کو فنا کرنے کی کوشش فطرت کو دعوت مبارزت دینا ہے"۔

کتابت کی غلطی سے اس معنی خیز عبارت کے مطالعہ سے یہ پتہ نہین چلتا کہ ارسطو کا قول کتنا ہے اور حضرات مصنفین نے کتنا حاشیہ چڑھایا ہے، غالباً صرف پہلا فقرہ ارسطو کا ہے، جسکا مفہوم بالکل صاف ہے، بلاشبہ انسان اپنے ہر کام مین تقلید کا محتاج ہے۔ ایک بچہ اپنے بزرگون کے حرکات و سکنات کی تقلید کرتا ہے اور بیشک ایسا کرنا مطابق فطرت ہے، لیکن اس دلیل سے نقل کو ڈرامے سے تعبیر کرنا اور ڈرامے کو مطابق فطرت بتانا حضرات مصنفین کی نرالی منطق ہے

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سکندر کے سامنے ایک ڈاکو گرفتار کر کے لایا گیا، سکندر نے پوچھا کیا تم ڈاکو ہو، اُس نے کہا، ہان، مگر آپ مجھ سے بھی بڑے ڈاکو ہین۔ مین رعایا کو لوٹتا ہون، اور آپ بادشاہون کو، میری ترک و تاز چھوٹے چھوٹے قصبون اور مواضعات تک محدود ہے لیکن آپکی جولانگاہ بڑی بڑی سلطنتین ہین مین اپنی چھوٹی سی فوج کا سردار ہون، لیکن آپکے پاس بہت بڑی فوج ہے، آپ ایک شخص سے تاج لیکر دوسرے کو دیتے ہین، اور مین ایک امیر کو لوٹ کر، دوسرے غریب کی مدد کرتا ہون، پھر آپ ہی بتائیے کہ مجھ مین اور آپ مین کیا فرق ہے، سکندر یہ دلیل سُنکر خاموش ہو گیا۔

کیا کوئی ذی ہوش یہ بات ماننے کے لئے طیار ہوگا کہ سکندر اعظم اور اس ڈاکو مین کوئی فرق نہ تھا، اسی طرح ارسطو کے قول سے ڈراما کو عین فطرت بتانا اور ڈرامے کی مخالفت کو، فطرت کی مخالفت کہنا، ایک کُھلا ہوا مغالطہ ہے۔ شاید اس قسم کے مغالطے کی مدد سے آپ حضرات کے نزدیک یورپ کی وہ آزادی بھی جس نے عورتون کو بازیچۂ نفس بنا رکھا ہے، عین فطرت ہوگی، کیونکہ قوائے فطری سے متمتع ہونا بھی منشائے فطرت کے مطابق ہے۔

اِس سے انکار نہین کہ ڈرامے یا ناٹک مین وہ قوت موجود نہین جو انسان کی تمدنی یا اخلاقی اصلاح کر سکے، لیکن اس امر کے تسلیم کر لینے کے باوجود بھی اسکا بطلان نہین ہوتا، کہ وہ تماشے جو عموماً اسٹیج پر دکھائے جاتے ہین، نفسانی ولولون کو برانگیختہ نہین کرتے۔

مین سمجھتا ہون کہ ان مذہبی ڈرامون پر جو ہندوستان مین ام لیلا یا رس لیلا کے نام سے موسوم ہین عام ڈرامون کے اثرات کا قیاس نہین ہو سکتا، کیونکہ ان کھیلون مین مذہبی روایات کا ایسا زبردست عنصر شامل ہے کہ نفسانیت کو پاس نہین آنے دیتا، لیکن تھیٹر کے اسٹیج عام طور پر حُسن پرستی اور ہوا و ہوس کی دعوت دیتے ہین۔

ممکن ہے کہ مغربی ممالک کے لئے، تھیٹر نعمت غیر مترقبہ بھی ہو اور مطابق فطرت بھی، لیکن ہندوستان کے لئے تو یہ زحمت ہی زحمت ہے، سب سے پہلے جس تاجدار اودھ کی ڈرامہ نوازی کا ذکر کیا جاتا ہے، اُسکا حشر بھی سب کو معلوم ہے۔

عام طور پر جتنے ڈرامے کھیلے جاتے ہین اُن مین حسن و عشق کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ محسن بیحجاب کی جانب طبیعت کھنچتی ہے، طبیعت ادھر جُھکی اور ہوس نے زور باندھا، پھر ایسی صورت مین اخلاقی ترقی کرنا تو کجا۔ اخلاق کی حفاظت مشکل ہے، سچ تو یہ ہے کہ تماشبینی اور آوارہ مزاجی کا چسکا ایسی مقدس جلسے (یعنی تھیٹر) سے پڑتا ہے، ایسی صورت مین ہم تھیٹر (ڈراما) کو ہرگز مطابق فطرت نہین کہہ سکتے، کیونکہ فطرت کے اصول عموماً فائدہ بخش ہوتے ہین، اور یہان معاملہ برعکس ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ ایکٹرون کے قوائے عمل معطل ہو جاتے ہین، غیر ممکن ہے کہ وہ تھیٹر سے الگ ہو کر دوسرے کامون مین باقاعدہ

جدوجہد کرسکین، شاید مغربی ممالک مین بھی ایکٹرون کا یہی حال ہو۔
ہندوستان مین اس مقدس فرض کے ادا کرنے والے (یعنی ایکٹر) عموماً وہی اشخاص ہوتے ہین جو رقص وسرود کو حاصل زندگی سمجھتے ہین - آپکو شاید ہی تھیٹر مین کوئی ایکٹرس ایسی نظر آئے جو کسی شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہو اور اُسے عصمت مآب یا عفت کی دیوی کہہ سکین، پھر ایسی صورت مین موجودہ اسٹیج اور ڈراما کی طرف ہندوستان والون کو توجہ دلانا گویا تباہی اور بربادی کے منہ مین ڈھکیلنا ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ مصنفین نے شاید موجودہ ڈرامے اور اسٹیج کے متعلق مفید مشورے بھی پیش کئے ہونگے، لیکن اس حصے کے مطالعہ سے اور بھی حیرت ہوئی، کیونکہ آپ حضرات نے صرف ڈرامے کی عبارت اور ترتیب سے بحث کی ہے - یہ ہم بھی مانتے ہین کہ آغا حشر اور اُنکے پیرؤن نے ڈرامون کو 'ناچ رنگ کی محفل' اور بھانڈون کی مجلس بنا رکھا ہے، لیکن کیا اگر آپ کے خیال کے مواقف کامک کے جداگانہ پارٹ کو اصل قصے مین ملا کر اصلاح کر لیجائے، یا زبان و بیان کی سقم نکالا جائے، تو یہ ڈرامے اصلاح قوم و ملک کا فرض بخوبی ادا کرینگے
واقعہ یہ ہے سے

سگ بدریائے ہفتگانہ بشوے   چونکہ تر شد پلید تر باشد

پھر بھی ان مین حسن و عشق کے مبتذل جذبات موجود رہینگے اور ایک شریف دل رکھنے والا انسان ان سے نصیحت حاصل کرنے کے بجائے نفسانی ولولون مین مبتلا ہو جائیگا۔

صحیح یہ ہے کہ ڈرامے اس وقت تک قوم و ملک کے لئے مصلح نہین ثابت ہو سکتے اور نہ اُس وقت تک مفید ثابت ہو سکتے جب تک کہ تعلیم یافتہ حضرات اس طرف کامل توجہ نہ کرین، توجہ کے یہ معنی نہین کہ صرف ڈراما لکھدیا اور الگ ہو گئے، نہین، بلکہ اپنی پوزیشن کو بالائے طاق رکھکر خود اسٹیج پر آئین اور ان پیشہ ور جاہل، نفس پرست ایکٹرون سے اسٹیج کو پاک وصاف کردین جنکا مقصد صرف ایکٹ کر کے روپیہ کمانا ہے، جو ڈرامے اسٹیج پر کھیلے جائین اُنکا پلاٹ اتنا دلکش اور نتیجہ خیز ہو کہ سامعین پر اُنکا اچھا اثر پڑے - موجودہ ڈرامون مین صرف باپ کا گناہ (ہمارے خیال مین) ایسا ہے، جسکی تقلید ہندوستان کے ڈرامون کو بہتر بنا سکتی ہے -

حضرات مصنفین نے، ہندوستان مین ڈرامون کی ترقی کے متعلق یہ ثبوت بھی پیش کیا ہے کہ اب کالج اور اسکول کے طلبا، بھی اس طرف متوجہ ہو رہے ہین - بیشک اس بدعت حسنہ سے یہ امید ہوتی ہوتی ہے کہ شاید چند دنون مین یورپ کی طرح یہان بھی تھیٹر اصلاح عمل کا کام کر سکین - بشرطیکہ کالج کے طلبا، کالج سے نکل کر بھی اس کھیل کو جاری رکھ سکین -

اخبارون یا رسالون مین، ڈرامے کے متعلق مضامین شایع ہونے کے یہ معنی نہین ہو سکتے کہ اب تھیٹر یا ڈرامے کی طرف عام میلان زیادہ ہو رہا ہے، یہ بھی غلط ہے کہ رسالہ اُردو مین ڈرامے کے متعلق جو تحقیقی مضمون شایع ہوا ہے اُس سے ڈرامے کی قدر و قیمت بڑھ گئی، چند مہینے پہلے جس کثرت سے ممتاز بیگم کا نام اخبارون مین آچکا ہے، کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا مناسب ہوگا کہ ممتاز بیگم عفت مآب عورتون کے گروہ مین شامل ہو گئی، یا اسکی شخصیت بدل گئی -

آپ حضرات نے ڈرامون کی اصلاح کے متعلق تو خیر جو کچھ لکھا وہ لکھا، لیکن اسٹیج کرنے مین جو نقائص رہ جاتے ہین اُسے قطعی نظر انداز کر دیا ہے، حالانکہ اس طرف توجہ کرنے کی خاص ضرورت تھی، اس لئے کہ کوئی ڈراما موثر نہین ہو سکتا جب تک وہ عمدگی سے نہ کھیلا جائے۔

عام طور پر تھیٹرون مین جب کسی جنگ کا نقشہ دکھایا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ چند نو آموز بازیگر پٹے کا ہاتھ دکھا رہے ہین، کیا کبھی اس نمایش سے ناظرین ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گمان کر سکتے ہین

کہ یہ جنگ واقعی جنگ ہے - ہم نے مانا کہ جنگ کا اصلی منظر دکھایا نہین جا سکتا، لیکن کیا یہ ممکن نہین کہ اس قسم کے پارٹ ڈرامے سے خارج کردیئے جائین جو آپ حضرات کے کلئے کو غلط ثابت کرین یعنی جن سے یہ عیان ہو کہ وہ سراسر خلاف فطرت ہین -

کسی واقعہ کے مطابق فطرت ہونے کی یہ دلیل ہے کہ دیکھنے والون پر اسکا وہی اثر پڑے جو اصل واقعے کے دیکھنے سے پڑتا ہو - سنسکرت زبان کے ماہرین علم النفس نے تو یہان تک لکھا ہے کہ اگر ایکٹر رام کا پارٹ کر رہا ہو تو اُس مین وہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے کو رام خیال کرنے لگے، اسی کیفیت کا نام رس ہے - لیکن ہندوستانی تھیٹرون مین، معاملہ اسکے برعکس نظر آتا ہے اکثر ماتم کے مواقع پر بھی ترنم سے مدد لیجاتی ہے، کیا یہ بات سمجھ مین آسکتی ہے کہ کوئی شکستہ دل اور غم زدہ شخص نئے لے کے غزلین گاتا رہے - یہ یقیناً نقالی ہے مگر وہ نقالی نہین جسکا ذکر ارسطو نے کیا ہے

ایک جگہ حضرات مصنفین نے ایکٹرون کی اچانک اموات کی تاریخ بیان کی ہے، تاریخی حیثیت سے ہم مصنفین کی تحقیق و تفحص کی قدر کرتے ہین، لیکن یہ کوئی مافوق الفطرت بات نہین، اقتباس ملاحظہ ہو -

"تھیٹر کی تاریخ مین یہ بات بہت حیرت انگیز ہے کہ ایکٹرون کی ایک معقول تعداد نے اسٹیج پر یا اُس سے اُترتے ہی جان دی - اسکا کوئی خاص سبب بتانا ممکن نہین :-

۱۸۵۹ء مین ہنیڈرسن پارٹ کر رہا تھا یہ فقرہ کہ "زندگی خاکہ کرنا چاہیے" کہنے کی دیر تھی کہ مقابل کے ایکٹر کی گود مین گرا، دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی"

۱۸۶۸ء مین مسٹر رفننگٹن کو اسٹیج پر فالج ہوا اور جان بر نہ ہو سکی"

صاحبو! ہمکو یہ فقرہ پڑھ کے سخت تعجب ہوا کہ، اسکا کوئی خاص سبب بتانا ممکن نہین، کیا یہ سبب نہین بتایا جا سکتا کہ انکی روحین غایت درجہ لطیف ہو گئی تھین، اور روحانیت، نفسانیت پر غالب آچکی تھی، اس لئے جب چاہا اُنہون نے آسانی سے روح کو الوداع کہدیا - ہندوستان مین بعض فقرا کے بھی ایسے ہی واقعات مشہور ہین کہ چادر اوڑھ کے لیٹے اور روح پرواز کر گئی، سجدے مین سر رکھا اور فنا فی اللہ ہو گئے، ممکن ہے کہ وہ ایکٹر بھی خدا رسیدہ ہو جس نے عملی طور پر زندگی کا محاکمہ کر کے دکھا دیا،

خیر یہ تو ایک ظریفانہ پیرایہ تھا - اصل یہ ہے کہ عیش پرستیان، انسان کے دل و دماغ کو اس قدر کمزور کر دیتی ہین کہ بہت جلد خارجی اثرات ان پر غالب آجاتے ہین - آوارہ مزاج حضرات اپنی اندرونی کمزوریون کی بدولت ہندوستان مین بھی اس قسم کی موت کا شکار ہوتے رہتے ہین اگر آپ طبی اصول کو مد نظر رکھکر اُن بندگان نفس کے حالات پر (جو عیش و نشاط کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہین) غور فرمائینگے تو آپ کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ انکی بے اعتدالیان انہین مرگ مفاجات کیطرف لئے جا رہی ہین -

حضرات! دنیا کے ہر طبقے مین ایسے واقعات ہوتے رہتے ہین لیکن انکی کوئی پرواہ ہی نہین کرتا، ہان آپکے نزدیک ممکن ہے کہ یہ واقعات (یا ایکٹرون کی درازی عمر کے حوالے) ایکٹرون کی شان کو دوبالا کر سکین،

مرقومہ بالا عبارت مین "مسٹر رفننگٹن کو فالج ہوا" ادبی حیثیت سے عجیب و غریب فقرہ ہے - ہم تو آج تک یہی سُنتے آئے ہین کہ فلان شخص پر فالج ہوا -

ادبی بحث کے سلسلے مین جناب کیفی کے مقدمہ کا ذکر بھی ضروری ہے - آپ نے بھی ایسے ایسے پُرلطف فقرے لکھے ہین کہ داد دینے کو جی چاہتا ہے -

انکی دلچسپی اور مساعی کا گرانڈیل ثبوت ہے -

دیدہ گیری کے ساتھ سخت گیری بھی

تو اُس نے اب دو دن کی ٹھہرائی -

پارسی تھیٹر اپنی من گھڑت کہانی گڑھتا ہے

آپ نے اپنے مضمون میں جا بجا سنہ کے ساتھ ق م' اور ب م' لکھا ہے - ق - م' سے قبل مسیح مراد ہے لیکن ب م' سے اگر بعد مسیح مراد ہے تو یہ کیفی صاحب کی ایسی جدت ہے جس پر انکو اور اُنکے ہوا خواہوں کو فخر و ناز کرنا چاہیئے -

اِسی سلسلے میں ہم اس تنقید کا ذکر بھی کر دینا چاہتے ہیں جو مولانا شرر نے حضرات مصنفین کے کسی مضمون پر کی تھی -

حضرات مصنفین نے اپنے مشترکہ مضمون میں لکھا تھا کہ

"ایک فرانسیسی مقرب بارگاہ نے بادشاہ (واجد علی شاہ) کو موجودہ ڈراما کی طرف توجہ دلائی "

مولانا شرر نے لکھا کہ

واجد علی شاہ کے مصاحبوں میں کوئی فرانسیسی شامل نہ تھا

مصنفین نے لکھا ہے کہ

"واجد علی شاہ راجہ اندر کے تخت پر ترجمان ہوتے تھے اور باقی پارٹ اہل دربار کرتے تھے "

مولانا لکھتے ہیں کہ

" بجز ڈھاڑیوں اور ناچنے گانے والوں کے کسی معزز درباری نے اس ڈراما کا کوئی پارٹ نہیں لیا "

اس کے جواب میں حضرات مصنفین نے ایک مقام پر یہ لکھا ہے کہ

جو کچھ بساط بھر تحقیق و تدقیق کے بعد ہم نے ہدیۂ ناظرین کیا ہے اسکا کوئی ایسا محرر ثبوت پیش کر سکیں جسکی ہندوستان کی ہر عدالت میں جوڈیشل نوٹس لے سکے تو ہمارے سامنے فقدان قابلیت کا اقرار کرنے کے سوا چارہ کار نہیں "

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب آپکو اپنی تحقیق پر کامل اعتماد ہے تو ثبوت پیش کرنے میں اپنے عجز کا اعتراف کیوں کرتے ہیں -

آگے چل کر واجد علی شاہ کے حالات کے متعلق یہ بتاتا ہے کہ یہ واقعات ایک ایکٹر نے بیان کئے جو اس ڈرامے میں شریک رہ چکا تھا اور جس کا نام خورشید جی تھا -

پھر لالہ کنور سین ایم - اے بیرسٹر ایٹ لا کے مضمون مطبوعہ سرسوتی اپریل ۱۹۲۱ء کا حوالہ دیا ہے - اسی سلسلے میں لکھتے ہیں -

مزید تشفی کے لئے ہم نے پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی دہلوی سے استشہاد کیا اور صاحب موصوف نے بھی اس قول کی تصدیق اور توثیق کی -

واجد علی شاہ کے حالات کے متعلق وحید العصر جناب کیفی کی شہادت حضرات مصنفین کے نزدیک "گرانڈیل" ہو تو ہو ، لیکن مولانا شرر جیسے محقق لکھنوی کے سامنے کوئی وقعت نہیں ہو سکتی ،

بہر حال اگر آپ دنیا کی مکمل تاریخ پڑھنا چاہتے ہوں . اور ڈرامے کی تدریجی ترقی کے واقعات پر عبور حاصل کرنے کا شوق ہو تو ناٹک ساگر کا مطالعہ کیجیے ، اُردو زبان میں فن ڈرامہ کے متعلق ، اتنی دلچسپ ، اتنی جامع اور مکمل کوئی تصنیف نہ ملیگی ، پنڈت برج موہن صاحب دتاتریہ کیفی کا دلچسپ اور پر از معلومات مقدمہ بھی قابل دید ہے - جو ناٹک ساگر کا معنوی زیور ہے -

کاغذ - کتابت و طباعت دیدہ زیب ، حجم ۴۴۶ صفحہ ،

ملنے کا پتہ

شیخ مبارک علی ، تاجر کتب ،

لوہاری دروازہ ، لاہور -

اعظمی - کانپور

از دفتر حلقۂ ادبیہ

افکارِ شفیق

(جناب شفیق صدیقی ایڈیٹر وحید العصر جونپور شاگرد مولانا حسرت موہانی)

یہ کون آکے سرِ قبر بے نقاب ہوا — ہماری خاک کا ہر ذرہ آفتاب ہوا
کبھی نہ طالبِ دیدار کامیاب ہوا — اُٹھی نقاب تو وہ حسن خود نقاب ہوا
جزائے خیر دے اللہ حسن والون کو — کسی کے دلکا دُکھانا اُنھین ثواب ہوا
ابھی تو آپ کا دیوانہ اپنے ہوش مین ہے — بہار آئی کہ وہ خانمان خراب ہوا
مگر لحد بھی جگہہ ہے عجیب راحت کی — کہ پھر نہ چونک کے اُٹھا جو مستِ خواب ہوا
وہ نامرادِ ازل ہے تمھارا شیدائی — کبھی نہ اپنے ارادون مین کامیاب ہوا
جہان کسی نے اُلٹ دی نقاب چہرہ سے — غضب کا عالمِ ہستی مین انقلاب ہوا
وہ دل جو شاکیِ تقدیر تھا محبت کا — تمھارے ایک اشارے مین کامیاب ہوا

کبھی شفیق کی توبہ نہ رہ سکی ثابت
ہزار مرتبہ وہ تارکِ شراب ہوا

عبودیتِ عبد

(از مولوی عبداللہ صاحب عبد ہیڈ ماسٹر سکول نوآباد کراچی تلمیذ حضرت شفیق صدیقی جونپوری)

خوب وحشت نے کیا ہے سر و سامان مجھکو — اب تو گھر بھی نظر آتا ہے بیابان مجھکو
ساقیا خم مین پلا بادۂ عرفان مجھکو — خود فراموش بنا دے یہ ہے ارمان مجھکو
کون سنتا ہے محبت مین نصیحت ناصح — جا خدا کے لئے تو کر نہ پریشان مجھکو
ہے عجب غم کی جگہہ عالمِ امکان اے دل — نظر آیا نہ یہان کوئی بھی شادان مجھکو
چارہ گر کوئی جنون ہے نہ کوئی بیماری — ہجرِ جانان نے بنایا ہے پریشان مجھکو
جی مرا صحبتِ احباب سے گھبراتا ہے — لے چل اے جوشِ جنون سوئے بیابان مجھکو
مدتون سے حرم و دیر مین ٹکراتا ہون — نظر آتا ہی نہین جلوۂ جانان مجھکو

عبد مین کانپ رہا تھا سرِ محشر لیکن
خلد مین لے گئی رحمتِ یزدان مجھکو

جوابِ استفسارات

رسالہ مرقع جلد ایک نمبر ۲- بابت ماہ فروری ۱۹۲۶ء مین کچھ استفسارات ادبی و شعری منجانب جناب اثیم خلف حضرت وسیم خیرآبادی چھپے ہین، انکے جوابات حسب ذیل ہین۔

استفسار اوّل

س لکھنؤ ہم پر فدا اور ہم ہین فدائے لکھنؤ

کیا فدائے کے قوافی ہین- آئے، جائے، کھائے، اُردو کے- اور برائے اور سوائے فارسی و عربی کے قوافی لا سکتے ہین- اور کتابت مین بپابندی تلفظ قافیہ یائے مجہول لکھی جائے- یا ہمزۂ اضافی- بحالتِ عدم جواز توجیہ کی ضرورت ہے- اور بصورتِ جواز اساتذہ کے کلام سے مثالین (بجز حضرت ناسخ)

جواب

اہل ایران جن اسما یا امر کے آخر الف ہو ایک یائے مجہول بڑھا لیتے ہین، جیسے س نظیری

گر بہ سخن در آورم عشق سخن سرائے را
بر بزد دوش سرو ہم گریہ ہا ہیائے را
گل بہ خزان شگفتہ شد وین دلِ بستہ وا نشد
در بُنِ ناخنست نے بخت گرہ کشائے را

سرا، اور کشا امر کے صیغے ہین ان پر یائے زائدہ کا اضافہ ہے۔

نظیری- درس ادیب اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بمکتب آورد طفلِ گریز پائے را
پیش نظیری از فلک درد دلے برم کہ ہست
بر درِ شہ اثر بلے نالۂ آن گدائے را

یہان اسمائے - پا- گدا- پر یائے زائد ہے۔

جن الفاظ عربیہ کے آخر ہمزہ ہوتا ہے اُسے حذف کر دیتے ہین جیسے سودا- حمرا- صہبا، وغیرہ مونث کے صیغے ہین- اِنکو بغیر ہمزہ لکھتے، پڑھتے اور بولتے ہین س خاقانی

مرا بمنزلِ الا الذین فرود آورد　　فرو کشائے زمن طمطراق الشعرا
گر او نشستہ و من ایستادہ ام شاید　　نشستہ باد زمین و پائے یاد سما

الشعراء اور سماء دونون ہمزہ کے ساتھ تھے مگر ہمزہ حذف کر دیا- پھر یہ لوگ عربی الفاظ سے ہمزہ گرا کے یائے زائدہ اُس پر بڑھا لیتے ہین- جیسے را بمعنی تدبیر و خرد کو رائے لکھتے ہین- اور صہبائے- ردائے اور ایمائے وغیرہ- پھر اس یائے زائد پر اگر اُنکو یائے وحدت یا تنکیر وغیرہ لانا ہوتی ہے تو یائے زائدہ کو بصورت ہمزہ اور یائے ثانی کو بصورت یائے مجہول لکھتے ہین جیسے "تمنائے دارم" جنگ آزمائے وغیرہ

قاعدہ مقتضی اسکا ہے کہ جس اسم کے آخر مین یائے زائدہ ہو اور اُسپر کسرۂ اضافت لائین کہ جسمین اشباع کی وجہ سے یائے بطنی پیدا ہوتی ہو، اس یائے بطنی کو نہ لکھین بلکہ کسرۂ اضافت ہی کو سیر کر دین اور صرف ایک ی، لکھین، کیونکہ دوسرے مقامات پر اس یائے بطنی کو کتابت مین نہین لاتے ہین- تقطیع مین البتہ بجائے کسرہ ے لکھکر تقطیع کرتے ہین- س خواجہ وزیر

چلا ہے اے دلِ راحت طلب کیا شادمان ہوکر
زمین کوئے جانان رنج دے گی آسمان ہوکر

دل اور زمین پر اضافت سیر ہے کہ جس سے تقطیع مین یائے بطنی پیدا ہو جاتی ہے اور بجائے ایک حرف اسکا شمار ہوتا ہے- مگر شعر مین لکھتے نہین- لیکن یائے زائد پر جب اضافت باشباع لاتے ہین تو اس

اضافت کے بدلے ایک دوسری یائے تحتانی بھی لکھتے ہین نظیری
فلک مزدور ایمائے تو باشد   نو از دہر کرا راسے تو باشد
نیازارم زخود ہرگز دلے را   کہ می ترسم درو جائے تو باشد
مگر لفظ پہلو پر جب اضافت لاتے ہین تو کبھی صرف واؤ کو متحرک کر دیتے ہین
اور کبھی پہلوے بروزن مفعول لاتے ہین، اور کبھی پہلوے بروزن فاعلن
یعنی واو کو نہین پڑھتے اور یائے زائد پر صرف کسرہ کو سیر پڑھتے ہین
مگر کسرۂ اشباعی کو یے سے لکھتے نہین جیسا کہ ایمائے اور جائے
مین کسرے کا اظہار دوسری یے سے کرتے ہین جیسے ؎

پہلوے من از کسے آباد شد

یہ تحریر بھی مقتضی اسکی ہے کہ ایمائے۔ اور جائے وغیرہ کو بھی ایک یے سے لکھین اور کسرۂ اشباعی اضافت سے وقت تقطیع بنا بر قاعدۂ تقطیع ایک دوسری یائے بطنی پیدا کرین اور لکھین بھی۔

قاعدہ کو مان کر فدائے اور ایمائے وغیرہ کے ساتھ آئے اور جائے کے قوافی درست نہونگے۔ مگر از روے کتابت اِن قوافی کا اجتماع صحیح ہوگا۔ اور یہ قوافی معمولی کہلائینگے۔

فارسی مین علامت اضافت کسرہ ہے۔ نہ ہمزہ۔ اجزاء کتاب وغیرہ مین صورت یہ ہے کہ بنا بر تحریر عربی ہمزہ باقی رہا ہے۔ مگر فارسی ترکیب مین اِس ہمزہ پر کسرۂ اضافت بھی ہے۔

دوسرا استفسار

لفظ سہ بمعنی (تین) مین ہائے مختفی ہے یا مظہرہ۔ وہ اور مہ اسکے قوافی ہین یا نہین ؎

طمع را سہ حرف ست وہر سہ تہی

دوسرے سہ مین اشباع کسرہ ہے۔ یا ہائے مظہرہ۔ اگر یائے بطنی ہے تو اسکا قافیہ سے، رہے سے جائز ہے یا نہین اسکی مثال عنایت ہو۔

جواب:۔ اعداد مین ہمیشہ ہائے مظہرہ ہے۔ قاعدہ مقتضی اسکا ہے کہ اسکو حذف نہ کیا جائے۔ مگر شعرا ہائے مظہرہ کو بھی گرا دیتے ہین علی الخصوص اعداد مین۔ ؎ عرفی

بسلک یازدہ عقدے کزان دو لولو را   علی ست ابر مطیر و بتول دریا بار

مولوی روم

بعد سہ روز و سہ شب حیران و زار   بر دکان بنشستہ بد نومید وار

اِسی طرح اُردو کے یہ اور وہ مین بھی ہائے مظہرہ ہے، جیسے فارسی مین جی چاہتا ہے۔ باقی رکھتے ہین اور جی چاہتا ہے حذف کر دیتے ہین۔
یہی حالت اُردو کی بھی ہے ؎ جامی

توبہ زمے کردم آمد بہار   ساقی توبہ شکنم آر زود ست
نوزدہ حرف ست بوقت شمار   فیض رسانندہ بہژدہ ہزار

بسم اللہ[۱۲]
پہلے مصرع مین توبہ کی ہے ساقط دوسرے مین باقی ہے۔ اسی طرح نوزدہ کی ہے ساقط اور ہژدہ کی باقی ہے۔ آتش

گرفتار آہنی زنجیر کا یہ وہ طلائی کا

دونون ہا وزن مین ہین۔ اسیر

ہون وہ غمکش بجھ گئے جب نخل آتش میں اسیر   مین یہ سمجھا باغ مین فرش مشجر ہو گیا

اِس شعر مین یہ اور وہ دونون کی ہا ساقط ہے۔
کبھی ہائے مختفی کو بھی باقی رکھتے ہین ؎ خاقانی

آنجا شدہ بیکدم کز بہر باز گشت   زانجا ہزار سال رہش بود تا جہان

ان استعمالات سے معلوم ہوا کہ ہائے مظہرہ اور مختفی دونون کے ابقا و حذف کا اختیار ہے۔
سہ مین تو ہائے مظہرہ ہے اسکا قافیہ تو سے اور رہے سے ہو ہی نہین سکتا، بلکہ ہائے مختفی ما قبل مکسور کا بھی قافیہ سے اور رہے سے غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مین اِس جملہ مین۔ شیشے مین آب بہت ہے یے سے لکھنے کو پسند نہین کرتا۔ کیونکہ ہائے مختفی کسرۂ ما قبل کو مانع نہین۔ پھر یے سے تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہان حالت جمع مین یے سے لکھو لیکن ہان اس زمانہ مین اکثریت کے ساتھ ایسے محل پر بجا ہا یے لکھتے ہین۔

یاے بطنی کہاں سے آئی، کیا تشہ کا املا صرف سین مکسور ہے۔
کیا اسین سے نہیں ہے۔ چاہے مختفی ہو یا مظہرہ۔ جب ہے، ہے تو
یاے بطنی کا محل نہیں۔

جیسے اُردو مین۔ زمانہ ہوگیا کا قافیہ جانا ہوگیا لاتے ہین۔
فارسی مین ہاے مختفی غیر محذوف کا قافیہ کبھی الف کے ساتھ نہین لاتے۔

تیسرا استفسار

ہوئی یا ہوئے کا املا دو یے سے لکھا ہے یا ایک سے۔
کتیس عدد لئے جائین یا کیس بروزن فعل، ایک یے ماننے کی وجہ
معلوم ہونا چاہیے۔ کیونکہ بلئے، دیئے وغیرہ سب فعل کے وزن پر
ہین اوران مین دو یے مان کر پچاس اور بیس عدد لیتے ہین۔ انہین
وزن کا لحاظ کیون نہین کیا جاتا۔

جواب۔ خوشنویس لفظ مسئول کا املا ہوئی یعنی بابت
کی یے لکھکر اُس پر ہمزہ بناتا ہے۔ دوسرا کوئی ممکن ہے صرف ے پر
ہمزہ لگا دیتا ہو۔ تاریخ مین اعداد کا مدار کتابت پر ہے۔ اور قافیہ تلفظ
پر۔ فوراً کے اعداد دو سو ستاسی ہین۔ مگر قافیہ گلشن اور روشن کے
ساتھ ہوسکتا ہے۔ جب اسکا املا دو یے سے ہے تو بیس ہی عدد
بننا چاہئین۔

ہوئی ماضی مونث واحد اور ہوئے ماضی جمع مذکر کا وزن
تو اُردو مین فعل بالتحریک ہی ہے۔ ہان ہوئے صیغہ مضارع یا امر
غائب البتہ بروزن فعلن ہے۔ وزن اعداد کی کمی یا زیادتی کا
باعث نہین، بلکہ تحریر ہے جو ان الفاظ کو ایک یے سے لکھکر اوپر ہمزہ
بناتا ہے وہ دس عدد تجویز کرتا ہے۔ اور جو دو یے لکھکر ہمزہ بناتا ہے
وہ بیس عدد مانتا ہے۔ ان دونون الفاظ اور لئے، دئے کی حقیقت
مین فرق ضرور ہے۔

اُردو کا قاعدہ یہ ہے کہ افعال مین جب یاے تانیث یا جمع
ملاتے ہین تو ان یا آت کا ما قبل مکسور ہوتا ہے۔ جب ہولے الف
ساقط کرکے یاے تانیث لائی تو واو کو بنا بر قاعدہ متحرک بکسرہ ہونا چاہیئے
مگر واو پر کسرہ ثقیل معلوم ہوتا ہے اس لئے جنکے نزدیک یائے وقایہ کا
اضافہ ہے وہ تو بیس عدد لیتے ہین اور جو ہمزہ بڑھاتے ہین وہ دس
عدد لیتے ہین کیونکہ ہمزہ کا کوئی عدد جمل مین نہین ہے۔
برخلاف لئے، دئے کے کہ دونون مین ایک یے اصلی ہے
اور دوسری جمع کی بڑھی ہے، وزن باعث کمی و زیادتی اعداد نہین ہے۔

چوتھا استفسار

"قدم" کی جمع عربی مین اقدام آئی ہے۔ لیکن مؤلف فرہنگ آصفیہ
نے "قدوم" کے معنی لکھتے ہوئے (عربی اسم مذکر (۱) قدم کی جمع
(۲) کسی جگہ سے آنا۔ تشریف لانا۔ یہ جمع عربی کے اعتبار سے غلط
ہے اور اقدام صحیح۔ لیکن اساتذہ فارس نے دیگر اوران کے موافق
کلام مین باندھ دیا ہے۔ ہان بفتحتین مصدر ضرور ہے۔ جسکے معنی نمبر
دوم مین لکھے گئے۔

نوٹ۔ بفتحتین کے خود سمجھنے سے راقم قاصر ہے۔ اگر کسی
اہل فرس کا کوئی شعر قدوم جمع قدم مین یاد ہو تو لکھے۔

جواب۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ قدم بمعنی گام کی جمع عربی مین اقدام
ہے۔ میری نظر سے بھی فارسی تک مین کہین نہین گزرا کہ قدوم جمع
قدم ہو۔ جہان کہین قدوم آتا ہے وہان معنے مصدری بے تکلف
درست ہو جاتے ہین۔ یا تو مؤلف فرہنگ کو تسامح ہوگیا ہے، یا ممکن
ہے انہون نے کہین دیکھا ہو۔

بفتحتین سے مراد مولوی سعید احمد صاحب کی لفظ قدم ہے
یعنی جہان قدم بفتحتین یعنی گام ہے وہان اسکے معنی مصدری بھی
ہین، یعنی وہ معنی جو مؤلف نے نمبر ۲ مین لکھے۔ عبارت واضح
نہین، اس لئے سائل کا ذہن لفظ قدوم کی طرف منصرف رہا۔ اور

پریشان ہوئے کے واو کے ہوتے ہوئے یہ لفظ مفتحتین کیسے ہوگا۔

پانچوان استفسار

عریان جسکے معنی لغت مین برہنہ کے ہین، اور جو صبح و شعلہ و تیغ کی صفت مین مستعمل ہوتا ہے (اسکے بعد سائل نے عریانی شعلہ و تیغ مین دو شعر صائب کے۔ اور صبح کی مثال مین بیدل کا ایک شعر لکھا ہے۔ جو تینون بہار عجم مین موجود ہین) اسکے بعد پوچھتے ہین عریان کے اور کیا معانی ہین۔ انکے علاوہ اور کن کن چیزون کے صفات مین آتا ہے مثال دو۔

آج کل عریان اور عریانیان بصورت جمع ظاہر و عیان کے معنون مین مستعمل ہو رہا ہے۔ ان معنون مین اسکا استعمال کہان تک درست ہے۔ درصورت جواز مثال کی ضرورت ہے۔

جواب ۔ جو یہ اشعار آپ نے بہار عجم سے لکھے ہین جن مین شعلہ عریان آیا ہے۔ یا ؎

بوے خون می آید از تیغے کہ عریان می شود

یا ؎

صبح تیغش تا بباغ سینہ عریان می شود

ان پر اگر آپ غور فرمائین تو انہین امثلہ مین ظہور و عیان کے معنی موجود ہین، کسی دوسری مثال کی ضرورت نہین۔ کیونکہ عریان کے معنی برہنہ از لباس جو وضعی اور حقیقی ہین ان اس امثلہ مین صادق نہین آتے۔ پتھر مین سے شعلہ کا نکلنا یا مشرق سے صبح کا برآمد ہونا، یا نیام سے تیغ کا نکلنا جسکو عریانی کے ساتھ تعبیر کیا ہے وہ خود حقیقتاً خفا سے ظہور ہے۔ پھر اگر برہنگی کے معنی ظہور اور عیان کے جو لازم معنی ہین لئے جائین، تو کیا ہرج ہوگا۔ مجازی معنون کے لئے کسی سند کی ضرورت نہین ہوتی ہے۔ صرف علاقہ کا پایا جانا کافی ہے۔ اور وہ یہان موجود ہے۔

الایمان عریان ولباسہ التقوی مین بھی عریانی لباس اپنے وضعی معنی پر نہین، استعارہ اور مجاز کو دخل ہے جب ایمان، شعلہ اور صبح کو عریان کہہ سکتے ہین۔ تو عبارت وغیرہ کی صفت مین لانے کو کون مانع ہے۔

ختم شد
۱۳ ۴۴

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی
سینیر پروفیسر آف اورینٹل کالج۔ لاہور



قند پارسی

(جناب سید محمد ہادی صاحب ہادی مچھلی شہری بی اے ال ال بی وکیل علیگڑھ)

روزگارے بیش ازین چون مہ پرستان داشتم　　لذت نظارہ حسنش در دل وجان داشتم
سنبلش تاریکی غم از دل وجانم ربود　　از رخ پوشیدہ پنہان مہر تابان داشتم
بخت من بستہ شد از تاریکی حزن و ملال　　روزگار دیدم و حال پریشان داشتم
حلقہ زد زلف سیاہش آنچنان بر دور من　　گوئیا جسم نزارم را بزندان داشتم
مے بیار و ریز در جامم کہ ہنگام خوش است　　تا بیاد آرم چہ ساقی عہد و پیمان داشتم

نغمہ خوان در راہ بخت زندگی کردم گزار　　زانکہ از حسنش بہارے در دل و جان داشتم
قلب بیتابم کہ بر تیر نگاہش خوردہ بود　　لذتے در سینہ بر زخم حریفان داشتم
کرد افسون چون نگاہ فتنہ سامانش مرا　　از لب معجز بیان او بریحان داشتم
ہر دمے یک تازہ سیلابے ز چشمم شد روان　　اشک او در ہجر ہم آورد طوفان داشتم
تازہ رد شنیر سیدم ہر صبا ہادی در سفر　　خارہا در پائے خستہ از بیابان داشتم

استفسارات ادبی و شعری

نمبر ۲

از جناب ہاشم - خلف حضرت تسنیم - خیرآبادی

(۵) گل مرقع ہین ترے چاک گریبانون کے

اِس مصرع مین "مرقع" کی جمع مرقع قرار دی گئی ہے لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ جمع کس قاعدے سے بنائی گئی، اگر ے مرقع کے آخر مین لگاکر اسکو اُردو کرکے جمع بنائی گئی ہے تو "مرقعے" ہونا چاہیے - اگر مصرع مرقومۂ بالا مین اس طرح سے پڑھا جاے تو "ے" تقطیع سے ساقط ہوجاتا ہے -

اگر جمع بنانے کے لئے مرقع مین صرف "ق" کے فتحہ کو کسرا سے بدل دیا، اسی طرح اسکے مثل اور الفاظ جیسے مصرع مبرقع وغیرہم، تو اسکا کوئی قاعدہ اور مثال معلوم ہونا چاہیے -

(۶) عرصہ بمعنی مدت صحیح ہے یا نہین کیونکہ عربی مین بمعنی میدان مستعمل ہے - اگر صحیح ہے تو اُسکی مثال کلام عرب یا اہل فرس سے عنایت فرمائی جائے -

(۷) "تردید" بمعنی رد کرنا - اس لفظ کو اُردو قرار دینا چاہیے یا نہین؟ کیونکہ یہ عربی ہے، اسکے معنی لغت مین "باز گردانیدن" "باز آوردن" "زبون و فاسد گردانیدن - بسیار گردانیدن" "دو ور بنمودن" کے ہین -

(۸) "سرپرست" بمعنی "مربی" اُردو قرار دینا چاہیے یا نہین؟ کیونکہ فارسی مین اسکے معنی "مہماندار و خادم و بیماردار و پرستار بیمار - و مواظبت مریض از دوا و غذا" کے ہین -

(۹) "جذبات" بمعنی کیفیاتِ روحانیہ اسکو اُردو قرار دینا چاہیے یا نہین؟ آج کل اس پر بہت بڑی بحث چھڑی ہے معترض نے اس پر تین اعتراضات کئے ہین - انکا جواب مفصل بدلائل ملنا چاہیے -

(۱) جذبات - اگر جذبۃ (بسکون ذال معجمہ) کی جمع ہے تو اس جذبہ کے دو معنی ہین - مسافت - (حصہ راہ) - سوتے کی لکڑی - اگر جذبۃ (بالتحریک) کی جمع ہے تو اسکے معنی کھجور کے گابھے کے ہین - (۲) جذب عربی زبان کا لفظ ہے - اسکے معنی کشش ہین، مگر جذبہ بمعنی جذب عربی زبان مین مستعمل ہے، یا اہل فارس کا تصرف ہے، لہذا جذبہ بمعنی کشش اب فارسی ہے، عربی نہین - یہی وجہ ہے کہ ایرانی، صاحب علم کے کلام مین "ات" کی جمع کے ساتھ یہ لفظ بمعنی کشش موجود نہین ہے - (۳) اگر جذبات بمعنی کیفیات کوئی جدید اُردو اصطلاح ہے تو یہ ترکیب فارسی یہ نہ مضاف ہوسکتی ہے، نہ مضاف الیہ، نہ "و" کے ساتھ، اب اسکا عطف جائز ہے (اگلے شعرا اس قسم کا عطف جائز سمجھتے تھے - مگر بعض نے تصریح کر دی ہے کہ یہ واو - "اور" کا مخفف ہے - فارسی کا واو عاطفہ نہین ہے - یہ تخفیف بضرورت کی جاتی ہے)

(۱۰) "عورت" بمعنی "زن" اُردو قرار دینا چاہیے یا نہین؟ کیونکہ عربی مین اسکے معنی زن کے نہین آئے ہین اسکے متعلق "ازالۃ الاغلاط" مین شوق نیموی مرحوم تحریر کرتے ہین کہ بعض اجلۂ عصر نوشتہ کہ بمعنی زن در کتب نامہ - گویم - فی المصباح - المنیر قبل للمنسوۃ عورۃ تقبح النظر الیہا" اسکی تحقیق مدلل تحریر فرمائی جائے -

(۱۱) "تحریک" بمعنی پیش کرنا اسکو بھی اُردو قرار دینا چاہیے یا نہین؟ کیونکہ یہ لفظ عربی ہے - اسکے معنی لغت مین حرکت دادن و گاہے مجازاً بمعنی رغبت دادن و ورغلانیدن کے لکھے ہین لیکن عربی نے

ایک جگہ کہا ہے ؎

فلک بمدح تو دوشیدنہ کرد تحریکم چنانکہ نطق بہ تزویکت استان آید

(۱۲) "اختلاف" مخالفت کے معنی مین جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟ کیونکہ عربی مین اسکے معنی ناموافقی کردن۔ پیش کسے آمد و شد کردن و بہم رفتن و نوعی بشکم رفتن۔ و خلیفہ کسے گردیدن کے ہین۔

(۱۳) تبادلہ کا لفظ تبادل، یا مبادلت کے معنی مین مستعمل ہے۔ یہ صحیح ہے یا نہین؟

(۱۴) "تجویز" عام طور سے بولا جاتا ہے کہ فلان شخص نے فلان تجویز پیش کی، جسکو انگریزی مین رزولیوشن کہتے ہین۔ اسکو اُردو قرار دینا چاہیئے یا نہین؟ کیونکہ عربی مین اسکے معنی روا داشتن و واگردانیدن کے ہین۔

(۱۵) "سَن" بفتح سین بوزن مَن، بمعنی سال، اسکے متعلق حضرت امیر مینائی مرحوم تحریر فرماتے ہین کہ "سَن بمعنی سال کہین نہین نکلتا فارسی مین بہت تلاش کیا۔ کوئی سند قابلِ اعتبار نہ ملی۔ ان معنی مین سنہ ہے۔ اُردو مین بغیر ترکیب اگر سن بمعنی سال کوئی کہے تو تاویل ہو سکتی ہے۔ محققین اسکی جگہ سال کہتے ہین" خلاصۂ بہارِ عجم حاشیہ مصطلحات مین ہے۔

"بہار سن۔ فی الصراح و المنتخب سن سال و عمر۔ یقال کم سنک یعنی سال تو۔ صاحب بہارِ عجم ہم باین معنی آوردہ پس غلط گفتن غلط محشی است۔ و در قاموس و صراح جمع سنۃ سنون و سنوات و سنات و سنین نوشتہ پس این غلط دوم ست از محشی زیرا کہ در سنۃ دو نون نیست پس جمع آن سنین بوزن فعل بہ دو نون چگونہ باشد مگر آنکہ گفتہ شود سنون بحالت نصب و جر سنین میگردد ولیکن اینجا حالت نصب و جر نیست ۱۲ گوبند لال صبا ۱۲ سال سنین جمع۔ بہار و این غلط ست و بمعنی سال سنہ بہار است و جمع او سنین است و شعر والہ کہ بسندش ذکر کردہ و دران شعر سن بکسر سین مہملہ و تشدید نون بمعنی مقدار عمر جمعش اسنان است۔ سنین بمعنی سال "

از خلاصۂ بہار عجم حاشیہ مصطلحات

جناب شوق ازاحۃ الاغلاط مین یون تحریر فرماتے ہین۔

سن۔ بالفتح بجاے سنہ بمعنی سال باوجود تفحص در کلام فارسیان یافتہ نشد، و نہ از ایرانیان وارد ہند مسموع شدہ، آرے صاحب بہارِ عجم ازین شعر والہ ہروی اسناد کردہ ؎

توقف تو درین سن بکام خواہش باشد دعاے آنکہ شوی پیر نا صواب آید

اما چون نیک نگرند درینجا سن بالکسر بمعنی عمر باشد۔ کس را نمی رسد کہ سن را مخفف سنہ گوید۔ چہ درین باب استعمال فصحا ضرور است کوتاہی سخن در صحت سن بالفتح تامل است"

پھر حاشیہ پر یہ تحریر کرتے ہین۔

"صاحب فرہنگ جہانگیری معنی سان نوشتہ است چنانکہ از شعرے کہ در سند آوردہ پیداست، کاتبان بجاے سان۔ سال تحریف کردہ اند"

اب اس لفظ کے متعلق جو تحقیق ہو وہ مدلل تحریر فرمایئے۔

اثیم خلیفِ وسیم - از خیرآباد

میر حسن دہلوی کے مطلع کے جواب پر بائیس مثقال سونا انعام

شکیبی تبریزی شاہ تہماسپ صفوی کے عہد مین وارد قزوین ہوا۔ اتفاقاً اُس وقت صاحبان طبع میر حسن دہلوی کے اس مطلع کے جواب کہہ رہے ہین ؎

اے شہد نوشین لبت پاک از ہمہ آلودگی نبشین کتابا زاتیت چشم زخون بالیدگی

شکیبی تبریزی نے اسکے جواب مین یہ مطلع کہا ؎

گلگون شدہ پیراہنم از دردے بالیدگی گلہاے رسوائی شگفت آنجا زبس آلودگی

خواجہ سعید گیلانی نے جسوقت شکیبی تبریزی کا یہ مطلع سنا، بائیس مثقال طلا عطا کئے۔

وصل بلگرامی۔ (ماخوذ از خزانۂ عامرہ علامہ آزاد بلگرامی)

ذکرِ خیر

اُردو اخبار و جرائد پر مختصر ضروری نوٹ

(مضامین پر مفصل تنقید وقتاً فوقتاً خاص طور سے کیجائیگی جسکا اس فہرست سے کوئی تعلق نہیں ہے)

اخبارات

(۱) غریب نواز صفیدپر روزنہ اخبار ہمارے قدیم محترم شفیق جناب مولانا حسن میان مرحوم دمغفور دابن حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب قادری چشتی پھلواری ظلہ العالی) کے برادر عزیز جناب مولانا شاہ حسین میان صاحب کی ادارت مین پھلواری شریف (پٹنہ) سے ۲۰/۲۶ ½ کی تقطیع کے ۸ صفحون پر شایع ہوتا ہے کاغذ اچھا ہے لکھائی اور چھپائی بھی صاف ہے یہ خالص مذہبی اخبار ہے صوفیانہ رنگ (جو غالب ہونا چاہئے) اسپر غالب ہے اسوقت اسمین (وقتی ضرورت کے لحاظ سے) زیادہ تر نجد و حجاز کے متعلق چیدہ مضامین، دقعات دیگر اسلامی خبرین اور ابن سعود کے خلاف مباحث شایع ہو رہے ہین۔

اگر یہ صحیح معیار پر چلتا رہا تو آئندہ اس سے بہت کچھ ترقی کی امیدین کیجا سکتی ہین بالخصوص طبقہ صوفیہ و مشایخ کیلئے اچھا آرگن بن سکتا ہے۔ اسکی سالانہ قیمت ۶ اور ششماہی عہ ہے۔

(۲) انوار الاعظم لاہور:۔ یہ ہفتہ وار اخبار ۲۰/۲۶ ½ کے ۱۲ صفحات پر بیادگار شہید اخبار خواجہ غلام نقشبند نقاش مرحوم لاہور سے شایع ہوتا ہے اسکے مالک و مدیر جناب تاج الدین احمد صاحب تاج ہین۔ اسوقت جسقدر ہفتہ وار اخبار شایع ہو رہے ہین انمین اسکو یہ امتیاز ضرور حاصل ہے کہ اسمین خبرون کے علاوہ خصوصیت سے نہایت بلند اور منتخب صوفیانہ اور ادبی مضامین ہوتے ہین اور اسکے معزز ایڈیٹر جناب تاج کی کوشش ہے کہ اسکے ذریعہ سے علمی و ادبی کارنامون شاعرانہ جذبات اور صوفیانہ تخیلات کی خاطر خواہ اشاعت ہو اور ماہوار جرائد و صحائف کے ذریعے مرقع یا اتقاصد سے جو فائدہ ملک کو پہونچ رہا ہے وہ اس اخبار سے ہفتہ وار پہونچ سکے۔ خدا کریم جناب تاج کو کامیاب بنائے اور ملک و قوم انکی بہت قدر افزائی کرے۔ اسکی سالانہ قیمت للعہ ہے۔

(۳) آزاد کانپور:۔ ملک کے مشہور انشاپرواز، اردو کے خاص حامی جناب منشی دیانرائن صاحب نگم کی ایڈیٹری کا اسکو طرۂ افتخار حاصل ہے۔ اسمین ملک کی ہر قسم کی ضروری خبرون کے سوا اردو نظم و نثر کی جھلک بھی خاص طور پر نظر آتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء سے یہ ہفتہ وار ترقی کرتا ہوا شایع ہو رہا ہے اسکی سالانہ قیمت سے عہ ہے۔

جرائد

(۱) روحانیت:۔ یہ جریدہ ہندوستان کے مشہور عالم مدرسۂ الٰہیات کانپور کے روح روان، تصوف و روحانیت کے حامی جناب مولانا آزاد سبحانی صاحب کی ادارت مین ماہوار گورکھپور سے شایع ہوتا ہے۔

اسمین ½ ۲۰×۸۱ کی تقطیع کے ½ ۲ جز ہوتے ہین۔ جنوری سنہ ۱۹۲۵ء مین اسکا پہلا نمبر اچھے کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ حکیم برہم صاحب کے مطبع سے چھپکر رونما عالم ہوا۔ اب تاج پریس گورکھپور مین چھپتا ہے اور گو لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے پہلی سی ظاہری خوبیان اسمین نہین ہین مگر معنوی ترقی اسمین روز افزون ہے اسکا اعلی مقصد یہ ہے کہ زمانۂ موجودہ کی بڑھتی ہوئی مادیت کی روک تھام کرنے اور روحانیت کو فنا سے بچانے کے لئے روحانی تحریک قائم کی جائے اسی تحریک کے ذریعہ سے مادیت کا اس طرح مقابلہ کیا جائے جس سے دین و دنیا دونون کی بہبودی ہو اس تحریک کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اسکے چند اغراض و مقاصد اور ہین۔

(۱) روحانیت کے مردہ اعتقاد کو عقل و نقل کی تائیدون سے تازہ کیا جائے۔

(۲) روحانیت کی تعلیم دینے کے لئے روحانی زندگی کا طریق و نظام پیش کیا جائے۔

(۳) روحانی تعلیمات جو مضمحل اور قریب قریب معدوم ہو چکی ہین از سرنو پیش کرکے انکی طرف عام دعوت دیجائے۔

(۴) روحانی کارنامے اور سوانح پیش کئے جائین

(۵) روحانی ضروری کتابون کی شرحین خصوصاً قرآن پاک اور احادیث کی روحانی تفسیرین کی جائین۔

یہ خلاصہ ہے اُس معیار اُس منشا اور اُن اغراض و مقاصد کا جو مجھے معلوم ہو سکے ہین اور جنکی بنا پر اسکا اجرا ہوا ہے۔

رہا یہ امر کہ اسکو کہانتک ان مین کامیابی ہوئی اسکے لئے ضرورت ہے کہ اسکا مطالعہ

(۴) **الامان دہلی:**۔ جناب مولانا مولوی محمد مظہر الدین صاحب کی ایڈیٹری مین یہ اخبار ۲۰×۲۶ کے ۸ صفحون پر ہفتہ مین دو بار دہلی سے شایع ہوتا ہی۔ یہ اخبار مسلمانون کا نہایت ہمدرد، قوم و ملک کا حامی، اسلام کی خدمت کرنیوالا۔ دنیاے اسلام کی صحیح خبرین دینے والا، واقعات پر خوبی سے نقد و تبصرہ کرنیوالا اخبار ہے کاغذ ضرورت کے موافق اچھا لکھائی چھپائی صاف ہے سالانہ قیمت ہے ششماہی ہے سہ ماہی عہ۔

(۵) **ریاست دہلی:**۔ اردو کا بہترین ہفتہ وار اخبار ۲۲×۲۹ ۱/۸ کی تقطیع پر دہلی سے زیر ادارت جناب دیوان سنگھ صاحب مفتون شایع ہوتا ہے۔

اس مین زرا بھی مبالغہ نہین کہ یہ اپنے کاغذ۔ لکھائی چھپائی اور حسن ترتیب کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر ہے۔

اخبار کے ۳۲ صفحہ ہوتے ہین۔ ان صفحات کے علاوہ ایک تصویر اخبار کے حسن کو دوبالا کرنے کے لیے اس مین شامل ہوتی ہے۔

مثل اور اخبارون کے اسمین بھی اشتہارات کی کثرت ہوتی ہے اور ممکن ہو اور اخبارات سے زاید ہون جو ہر اخبار کی کامیابی کی دلیل کہلائی جا سکتی ہے۔ لیکن اسمین خوبی یہ ہے کہ جو اشتہار اسمین درج ہے اُسنے ایسی موزون جگہ پائی ہے اور اس خوشنمائی اور دیدہ زیبی کے ساتھ درج کیا گیا ہو کہ جو لوگ اشتہارات کے نام سے بھاگتے ہین اُنکو بھی انکا دیکھنا ناگوار نہین ہو سکتا۔

مضامین کی شان بھی اعلیٰ ہے اخبارات کے علاوہ۔ ادبی حیثیت سے اسکا پایہ بلند ہے نثر و نظم دونون طرح کے مضامین ہر قسم کے مذاق کے موافق اسمین درج ہوتے ہین اور جو کچھ ہوتا ہو بہت خوب ہوتا ہے۔

میرے خیال مین مجموعی حیثیت سے اس شان کا شاید ہی کوئی اخبار ہو۔ ان سب خوبیون کے ساتھ اسکی قیمت بھی صرف لعہ، سالانہ اور ششماہی کے لیے ہے اور ایک پرچہ کے ۲۔ ر لیے جاتے ہین۔

(۶) **غالب بمبئی:**۔ یہ ہفتہ وار اخبار خطیب العلماء مولانا قاری حکیم نذیر احمد خجندی صاحب کی زیر ادارت کلیان منشی ڈونگری بمبئی نمبر ۹ سے شائع ہوتا ہے یہ خالص اسلامی اخبار ہے۔ مسلمانون کیلئے اصلاح کا باعث اور ملک و قوم کیلئے بہبودی کا ذریعہ ہی۔ اسمین نہایت ضروری اور مفید خبرون کا اقتباس بھی ہوتا ہے بہترین کاغذ اور عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ اسکی قیمت للعہ سالانہ ہے۔

سلسلہ وار غور و فکر کیا جائے۔

امید ہے کہ طالبانِ تعلیم روحانیت اسکا دل سے خیر مقدم کرین گے اور مولانا کی سعی و جانفشانی کی داد اسکی توسیع اشاعت سے دین گے۔

یہ نہایت اہم کام ہے کہ اس مین ہر صوفی، ہر درویش اور ہر صاحب طریقت عالم کو حصہ لینا چاہیئے اور اپنی قیمتی رائے۔ اور قلمی امداد سے مولانا کی ہمت بڑھانا چاہیئے۔ اسکی قیمت ہے رسالانہ مع محصول ڈاک ہے ملنے کا پتہ مہتمم دفتر روحانیت گورکھپور۔

(۲) **اردوے معلّیٰ دہلی:**۔ اس مشہور صحیفہ نے اپنی زندگی کے ۳ سال خیر و خوبی سے ختم کرکے جنوری ۱۹۳۶ء سے چوتھے سال مین قدم بڑھایا ہی یہ دار السلطنت اور دار الادب دہلی سے نہایت آب و تاب کے ساتھ نکلتا ہے اسکے مدیر اعزازی ہمارے کرمفرما حضرت اکبر حیدری کشمیری اسکا کاغذ لکھائی چھپائی ہر ایک دیدہ زیب ہے۔ یہ ۱/۸ ۲۰/۲۲ کے ۴۸ صفحون پر شایع ہوتا ہے ہر قسم کے علمی ادبی مضامین نثر و نظم کا ایک دلکش مجموعہ ہے سالانہ قیمت عاہ قسم دوم کی للعہ ہے۔

(۳) **زمانہ کانپور:**۔ منشی دیا نرائن صاحب نگم کو اگر اردو کے لئے مایۂ ناز کہا جائے تو بجا ہے آپ کی ذات سے جو اردو اور ادب اردو کو فائدہ پہونچ رہا ہے وہ محتاج بیان نہین۔ آپ اردو کے سچے حامی سچے ہمدرد اور اصلی معنی مین اسکے قدردان ہین ہندوستان کا نہایت مشہور جریدہ زمانہ جو آپ کی ادارت مین ۲۰/۲۲ ۱/۸ کی تقطیع پر عرصۂ دراز سے جاری ہے ہمارے بیان کی روشن دلیل ہے زمانہ کی اشاعت مین جسقدر آپنے صرف کیا اور صرف کر رہے ہین وہ آپ ہی کا حصہ ہے اور آپ ہی کا ذوق سلیم ہے جو اسکو اب تک نباہ رہا ہے۔ زمانہ اردو کے بہترین مضامین نثر و نظم کا مرقع اور تصاویر خاص کا البم ہے اسکا کاغذ بہت خوب لکھائی اور چھپائی بہتر ہے سالانہ قیمت صہ مقرر ہے۔

(۵) **دل آگرہ:**۔ یہ رسالہ جناب شہاب اکبر آبادی کی ادارت مین اپنی ظاہری و باطنی خوبیون کے ساتھ اکبر آباد یعنی آگرہ سے شایع ہوتا ہے اور گو آگرہ سے کئی متعدد رسالے اسوقت جاری ہین مگر یہ رسالہ بھی اپنی نوعیت مین بہت خوب۔ ادب اردو کا ذوق رکھنے والون کے لئے دلچسپی کا باعث ہے اور ادبی دنیا کے لئے نئے نئے تحائف پیش کر رہا ہے۔ اسکا حجم ابھی ۲۰/۲۲ کی تقطیع کے ۳۲ صفحون کا ہے لیکن امید ہے کہ جناب شہاب سا ادب کا دلدادہ شخص اپنی حسن کوشش اپنے ذوقِ خاص کی وجہ سے بہت جلد اپنے مقاصد مین کامیاب نظر آئیگا قیمت عاہ سالانہ

خیر مقدم ”مرقع“

کچھ اس انداز سے اب کے نسیمِ خوشگوار آئی — ہوا غل بادہ نوشوں میں بہار آئی بہار آئی
نظر ہر سو چمن میں قدرتِ پروردگار آئی — کھلے غنچے تو پھولوں کو ہنسی بے اختیار آئی
خوشی کا زیبِ تن جامہ کئے ہر گل کی ہستی ہے
زبان پر نغمۂ شادی دلوں میں جوشِ مستی ہے

زمیں نے سبز چادر اوڑھ کر کیا کیا مزے لوٹے — بنائے صحن میں ہیں دستِ صبا نے خوب گل بوٹے
کہا گل نے گرے شبنم کے جب دم آبلے پھوٹے — جو ٹوٹے ہیں سہرے موتی ہیں اسپہ ہار یکساں ٹوٹے
عروسانِ چمن نے اک لباسِ طرفہ پہنا ہے
کہیں پھولوں کی چادر ہے کہیں پھولوں کا گہنا ہے

وہ دیکھو لیکے ساقی ہاتھ میں جامِ شراب آیا — اٹھو لے نیند کے متو کہ سر پر آفتاب آیا
جو آیا آج میخانے سے پی کر بے حساب آیا — یکایک سیکڑوں پر پھر نئے سر سے شباب آیا
ہوئے ہیں مست ہم بھی بادۂ علم و ہنر پی کے
نہیں واعظ کی سنتے آج کل مختار ہیں جی کے

کسی کے ہاتھ میں ساغر کسی کے ہاتھ میں مینا — قدح خواروں کو بے مے اک گھڑی دشوار ہے جینا
خدا کے واسطے ساقی نہ رکھ دل میں کوئی کینا — لگا دے منہ سے خم کہدے پیو ہو جسقدر پینا
درِ میخانہ پر سب اہل کے آوازیں لگاتے ہیں
کہ دریا دل جو دنیا میں ہیں وہ یونہیں پلاتے ہیں

سکھاتی ہوتے انداز میخواروں کو بیہوشی — عجب کیا ہے جو زاہد بھی اٹھائے لطفِ مینوشی
ابھی ہم ہیچ ہیں ساقی نہیں اچھی یہ خاموشی — دئے جا جام بھر بھر کر نہ کر للہ روپوشی
نہ جائے آج پیاسا در سے کوئی رندِ مستانہ
رہے ساقی ترا لاکھوں برس آباد میخانہ

دیا ہے جنکو خالق نے وہی پیتے پلاتے ہیں — شبابِ فصلِ گل ہے خوب گلچھرے اڑاتے ہیں
عنادل باغ میں بیٹھے خوشی کے گیت گاتے ہیں — غرض سب اپنے اپنے جوہری جوہر دکھاتے ہیں
ہمیں بھی کھینچنا آج اُس مرقع کا مرقع ہے
جو وصل بلگرامی کا نیا نکلا مرقع ہے

جہالت کے اندھیرے میں یہ جلوہ گری نکلا — اجالا ہو گیا مہرِ سپہرِ برتری نکلا
رہیں ہیں شیفتہ اہلِ دل یہ کرنے دلبری نکلا — مرقع ہے عجب انداز سے بنکر پری نکلا
رہے قائم دوامی عمر میں بخشے خدا اسکی
لبھائیگی دلِ ناشاد کو باتکی ادا اسکی

بنے کیونکر نہ گلہائے مضامیں کا یہ گلدستہ — کہ ہیں اہلِ قلم راہِ ترقی میں کمربستہ
حصولِ علم و دانش کا ہوا اچھا کھل گیا رستہ — نہ کیوں اہلِ بصیرت کی نگاہوں میں ہو پیوستہ
مجسم علم اخلاق و ادب کا یہ مرقع ہے
دلوں میں کھپ گیا ہے کس غضب کا یہ مرقع ہے

ملے صد شکر سب اہلِ قلم مشہور و نامی ہیں — کوئی ہیں رشکِ فردوسی کوئی ہیں رشکِ جامی ہیں
ترقیِ زباں پر ہے نظر اردو کے حامی ہیں — پھر اس پر طرہ مالک اسکے وصل بلگرامی ہیں
رہے ہیں زیرِ تعلیم ادیب خوش بیاں برسوں
سکھائی ہے جنابِ حمد نے اردو زباں برسوں

ذرا چشمِ حقیقت سے اسے اہلِ جہاں دیکھیں — یہ سانچے میں فصاحت کے ڈھلی اردو زباں دیکھیں
مشاہیرِ ادب کا دل سے اندازِ بیاں دیکھیں — اور اپنے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہر داستاں دیکھیں
کریں سب دل سے اسکی قدر اور قیمت کے سائل ہوں
تمام احباب کو مائل کریں اور خود بھی مائل ہوں

بھلا ایسی عروسِ علم کے جلسے کا کیا کہنا — کہ گلہائے مضامیں کا جو پہنے نت نیا گہنا
اسے منظور ہے ہر اک کا منظورِ نظر رہنا — اسی سے اسنے رنگیں جامۂ علم ادب پہنا
مرقع بزمِ عالم میں ہے گلدستہ محبت کا
نتیجہ ہے جنابِ وصل کی جو قابلیت کا

عزیز اپنی دعا ہے یہ خدائے پاک سے ہر دم — کہ ہر اک حرف اسکا دل کے زخموں کا بنے مرہم
کریں قدر اسکی اہلِ ملک سب ہو کر خوش و خرم — پھلے پھولے ہمیشہ درمیانِ گلشنِ عالم
ہر اہلِ علم شیدا اسکے ہو ودسے کتابی کا
جنابِ وصل کے سر پر ہو سہرا کامیابی کا

عزیز بگرامی

تاریخہائے اجرائے مرقع

از جناب قاضی نعیم الحق صاحب آزاد شیخپوری

آئینۂ ادب ہے مرقع یہ وصل کا — نکلا ہے ایک چاند نیا علم و فضل کا
تعویذِ جانِ عاشق و معشوق کیوں نہ ہو — ہے شرحِ حسن و عشق بیاں جو وصل کا
گلدستۂ بہار ہے اسکا ورق ورق — رنگِ سخن میں رنگ ہے پھولوں کی فصل کا
آزاد ہند میں ہو رسالہ کہاں کوئی — اسکی ہر ایک بات ہے صورت کا شکل کا
اس سن کے زائچے سے نکلتا ہے حکم صاف
مرآۃِ حسن و عشق مرقع ہے وصل کا

از جناب مولوی محمد یسین صاحب تسکین قریشی (سوونی)

”مرقع“ مرقع ہے اہلِ زباں کا! — رسالہ یہ اعلیٰ ہے ہندوستاں کا
کتابت بھی اچھی طباعت بھی اچھی — دماغوں کی تفریح آرامِ جاں کا
ہر اک سطر مانند سلکِ گہر ہے — ہر اک صفحہ تختہ ہے باغِ جناں کا
بلاغت سے لبریز ہر ایک مضمون — ہر اک شعر تمغا ادیلِ شاعراں کا
لکھو تم بھی تاریخِ سالِ اشاعت — یہ مرقع ہے تسکین زودِ بیاں کا
مبارک ہو اہلِ سخن کو مرقع
خزینہ ہے بے مثل شعر و زباں کا

۱۹۲۶ء

TRADE MARK.

ESTABLISHED

نمایش گاہ کلکتہ
سنہ ۱۸۸۳ء

نمایش گاہ لکھنؤ
سنہ ۱۸۸۵ء

شاخ "گلزار حوض حیدرآباد دکن"

شاخ چاندنی چوک دہلی

ہندوستان میں سب سے بڑا عطر کا کارخانہ

صرف

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

تار کا پتہ "حنا"

ٹیلیفون نمبر ۱۳۹

کا ہے

جو ۱۸۳۹ء سے نیکنامی کے ساتھ جاری ہے

نمایش گاہ الہ آباد
سنہ ۱۹۱۰ء

نمائشگاہ ویمبلی لندن
سنہ ۱۹۲۴ء

نمایش گاہ کلکتہ
سنہ ۱۹۰۱ء

مطبوعہ مقبول المطابع نظیر آباد لکھنؤ - باہتمام سید مقبول حسین فضل بلگرامی

جون ۲۶ء

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

عطیہ علامہ سر اقبال

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا مقبول جہان عزیز جریدہ

۱۳۴۴ھ

مرتبہ

سید مقبول حسین وصل بلگرامی

"مرقع" کے قواعد وضوابط

(۱) مرقع ہر انگریزی مہینے کی ۵ تاریخ کو دار الادب لکھنؤ سے شایع ہوگا

(۲) مرقع کی قیمت عام خریدارون کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔

(۳) مرقع کا نمونہ بغیر نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہو سکتا۔

(۴) مرقع کی قیمت رؤسا و دیگر معزز اصحاب ورا سکے مربیون کی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

(۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے

(۶) خط وکتابت کے سلسلہ مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے

(۷) رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہئے۔

(۸) کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔

(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم ونثر درج ہونگے جو خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔

(۱۰) مرقع کو موجودہ پالٹیکس یا مذہبی مباحثے سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

(۱۱) تنقیدی مضامین بھی اس مین شایع ہونگے، مگر وہی جنمین خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بغض کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

(۱۲) ایسے مضامین جن مین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اس مین ایسے مضامین ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہونگے

(۱۳) جس نظم ونثر کے مضمون مین زبان لغت یا فن کی غلطیان ہونگی اسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دین۔

(۱۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاء اللہ کبھی دل آزار یا متعصب نہ ثابت ہوگا

(۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاء اللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

مدیر مرقع لکھنؤ

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجیے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ	صسہ	عسہ
چھ ماہ کے لئے	صسہ	عسہ	لعہ
تین ماہ کے لئے	عسہ	صلعہ	سے ر
ایک ماہ کے لئے	سے	صہ ر	سے ر

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے، جو خط وکتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ اجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

منیجر مرقع لکھنؤ

جہان مرقع تصویر حسن اوست تمام — بہ حیرتم بہ کہ بندم دل از کہ بردارم

فہرست مضامین

جون سنہ ۱۹۲۶ء

عرب کا شوریدہ سر عاشق اور عشق نواز اصمعی

(از جناب مولوی مسعود الرحمن خان صاحب ندوی)

ریگستان عرب کا یہ محبت پرست و رگداز دل عاشق مزاج شاعر "اصمعی" کہتا ہے کہ میں سیر و سیاحت کرتا ہوا ایک ایسے شہر میں پہونچا جہاں میں نے ایک پتھر پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا ۔ ؎

یا معشر العشاق باللہ خبروا اذا حل عشق الفتی کیف یصنع

یعنی "اے عشق و محبت سے گداز دل والو خدا کے لئے مجھے بتلاؤ کہ جب جوان کا عشق ہو تو عاشق کیا کرے ۔

حضرت "اصمعی" نے وہیں کوئلے سے اسکے جواب میں یہ شعر لکھدیا اور اپنی راہ لی ۔ ؎

یداری ھواہ ثم یکتم سرہ ویخشع فی کل الامور ویخضع

یعنی "طبیعت کو مطمئن رکھے اور محبت کے راز کو خزانہ دل میں پوشیدہ اور ہر کام میں خشوع و خضوع برتے ۔

"اصمعی" کہتا ہے کہ دوسرے دن میں پھر وہیں پہونچا کہ دیکھوں میرے شعر کا کیا جواب لکھا ہے جب پہنچا تو دیکھا کہ اصمعی کے شعر کے نیچے یہ شعر لکھا ہوا ہے

وکیف یداری والھوی قاتل الفتی وفی کل یوم قلبہ یتقطع

یعنی "آہ وہ شخص کیسے نرمی برت سکتا ہے جو جوان کی محبت میں آشفتہ حال اور خانہ خراب ہو رہا تھا کہ ہر روز اسکی محبت دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرنیوالی ہو ۔ جواب الجواب میں اصمعی نے یہ شعر لکھدیا اور اپنی راہ لی ۔ ؎

اذا لم یجد صبرا لکتمان سرہ فلیس لہ شیٔ سوی الموت ینفع

یعنی "جو عاشق کہ راز محبت کو صبر کے ساتھ پوشیدہ نہ رکھ سکے تو اسکے لئے موت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے ۔

اصمعی کہتا ہے کہ جب تیسرے دن میں اپنے اس شعر کا جواب دیکھنے اس طرف آیا تو میری حیرت و پریشانی کی کوئی حد و انتہا نہ رہی جبکہ دیکھا کہ پتھر کے قریب ایک نوعمر جوان رعنا کی لاش پڑی ہوا اور اس "شہید محبت" نے دو شعر میرے شعر کے جواب میں اسی پتھر پر لکھدیے ہیں ۔ ؎

سمعنا واطعنا ثم متنا فبلغوا سلامی الی من کان للوصل یمنع

یعنی "ہم نے تیرے صائب مشورے کو قبول کیا پس ہم مر گئے ۔ ہمارا سلام اس شخص کو پہونچے جو وصل سے مانع تھا ۔ ؎

ھنیئا لارباب النعیم نعیمھم وللعاشق المسکین ما یتجرع

یعنی " مبارک ہو اہل دول کو مال ان کا ۔ اور ناشاد عاشق کو وہ چیز جو پیتا ہے ۔

ماخوذ مسعود الرحمن ندوی ۔ از بیلی بھیت

"مانی"

ایک طرف روم کے در و دیوار "مسیح" کی نورانیت سے منور ہو رہے تھے تو دوسری طرف ایران کی فضا میں زردشتی شعلے بھی بھڑک رہے تھے۔ ٹھیک اسی زمانہ میں ایران کے بہارستان میں وہ زندۂ جاوید پھول کھلتا ہے جس کی دلکشی اور عطر بیزی نے ایران و ترکستان، ہندوستان و افغانستان، یورپ و امریکہ غرضکہ دنیا کے ہر گوشہ میں مانی کے نام کی خوشبوئیں پھیلادیں۔ تاریخوں میں گو مانی کے جستہ جستہ تذکرے پائے جاتے ہیں مگر انکی روایتیں نہایت کا رنگ لئے ہوئے اور اسقدر درہم برہم ہیں کہ مافوق و غیر طبعی باتوں کے ہوتے ہوئے اصل حقیقت کا پردہ مشکل سے کھلتا ہے۔ کوئی اسکو شاعر بتاتا ہے، کوئی مصور، کوئی موسیقی کا ماہر جانتا ہے، کوئی پیغمبر، کوئی علام بنادیتا ہے اور کوئی غریب کی شرافت بھی دبی زبان سے قبول کرلیتا ہے۔ ایسی حالت میں صحت و سقم کا جانچنا اور صحیح واقعات کا فوٹو کھینچنا آسان نہیں ہے۔

نام | مانی کو اہل مغرب "مانیکوس" اور اہل مشرق "القوریقوس" کے نام سے پکارتے ہیں۔ البیرونی، مسعودی، یعقوبی اور فردوسی اسکو "مانی" کہتے ہیں جسکی گواہی "شاپورگان" بھی دیتی ہے جو خود مانی نے "شاپور اول" کیلئے لکھی تھی اور جسکا کچھ حصہ شہر "تورخان" کے کھنڈرات سے حال ہی میں برآمد ہوا ہے۔

نسب و وطن | مانی کا باپ "فاتاک"[۱] (جسکو یونانی میں "پاتاکیوس" کہتے ہیں) ہمدان کے معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا جسکا سلسلۂ نسب اشکانیوں تک پہنچتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو مانی کو چین کا باشندہ خیال کرتے ہیں صحیح نہیں ہے۔ مانی کی ماں کا نام علی الاختلاف "مایس" اور "اوتاخیم" بتایا جاتا ہے۔ بعض اسکو "مریم" کے بطن سے بھی منسوب کرتے ہیں جو خاندان اشکانی کی ایک عفیفہ عورت تھی۔

پیدائش | جب فاتاک نے کسی سبب سے اپنے وطن (ہمدان) کو خیرباد کہکر مدائن کو بسایا تو کچھ مدت بعد ۲۱۵ء و ۲۱۶ء کے درمیان سرزمین بابل کی گود سے اس ہونہار سپوت کے رونے کی آواز کے بجائے ہنسنے کی کھلکھلاہٹ دنیا والوں کو سنائی دی۔ یہ آخری تاجدار اشکانی کا زمانہ تھا۔ وہاں تنجیم کا زمانہ حکومت تھا۔

طفلی | مورخین کا عقیدہ ہے کہ فاتاک مانی کی پیدائش سے پہلے زردشتی نور سے اپنے ایمان کو روشن کرچکا تھا لیکن مانی کے منصۂ شہود پر آنے کے کچھ زمانہ بعد فرقہ "مغتسلہ"[۲] کے "ایک پانی" سے اپنی مذہبی پیاس بجھانے اور اپنی زندگی کو سیراب کرنے لگا۔

فاتاک نے مانی کو بھی کمسنی میں مسائل دینی کی پگڈنڈیوں پر ڈالدیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مانی بارھویں سال میں مذہب کی دشوار گزار گھاٹیوں میں سرپٹ گھوڑا دوڑانے لگا اور اسی کے ساتھ ان راہوں کے نشیب و فراز کو بھی اس نے قواعد و دستور کی دلیلوں سے ہموار کرکے راستہ کو صاف و شفاف بنادیا۔

پیغمبری | ایک[۳] روز مدائن کی فضا سے فاتاک کے کانوں میں یہ گونجتی ہوئی غیبی آواز ٹکرائی ہے کہ اے فاتاک! گوشت نہ کھا، شراب کو منہ نہ لگا اور عورتوں کی قربت سے پرہیز کر۔ جرمنی پروفیسر کسلر کہتا ہے کہ مانی بھی ان چیزوں سے دور رہتا تھا۔ مانی کی بارھویں بہار میں "التوم" ایک فرشتہ نازل ہوا جس نے "یزدانی رسالت" کی خوشخبری اسکو سنائی۔ مانی نے اپنی صغر سنی کی وجہ سے اس عطیۂ الٰہی کو اسوقت اپنے دل ہی میں پوشیدہ رکھنا مناسب سمجھا۔ لیکن جب اسکی چوبیسویں بہار اپنی آغوش میں عقل و فراست لیکر جلوہ افروز ہوئی تو اسی "خدائی نامہ بر" کا پھر ظہور ہوا جس نے مانی کو مخاطب کرکے کہا کہ اے مانی! میں یزدان کی طرف سے سلام لیکر آیا ہوں اور اسی کے ساتھ پیغمبری کی بشارت۔ روئے حقیقت سے نقاب الٹ اور اختلاف مذہبی کی تاریکی کو

---

[۱] پاک مذہب تھا ۱۲ [۲] کتاب ملل و نحل میں علامہ شہرستانی نے فاتق لکھا ہے ۱۲ [۳] فہرست العلوم لابن ندیم ۱۲

احکام نور کی روشنی سے زائل کردے اور "رحمٰن و رحیم" کے اوامر و نواہی کو شیرین
الفاظ مین اُس کی مخلوق کو پہنچادے۔ یزدان تجھے اس راہِ مستقیم پر مستحکم عقیدہ
کے ساتھ ثابت قدم رہنے کی ہدایت کرتا ہے۔

اظہار رسالت و تبلیغ | شاپور اول بن اردشیر بابکان کی تاجپوشی[1] کے
دن مانی نے بھی اپنی رسالت کا اعلان کر دیا اور کہا کہ "مین فارقلیط[2] ہون
جس کے آنے کی خبر حضرت عیسیٰ نے دی ہے" "کتاب شاہگان" مین بھی یہ خیال ہر
جگہ آنی سے ملتا پایا جاتا ہے اور شاہنامہ کا ہومر بھی اسکی تائید اس طرح کرتا ہے[3] ؎

بیامد یکے مرد گویا ز چین	کہ چون او مصور نہ بیند زمین
بران چربدستی رسیدہ بکام	یکے پرمنش مرد مانی بنام
بصورتگری گفت پیغمبرم	ز دین آوران جہان برترم
زچین نزد شاپور شد بار خواست	بہ پیغمبری شاہ را یاد خواست
سرش تیز شد موبدان را بخواند	زبانے فراوان سخنہا براند
گزین مرد چینی چیرہ زبان	نتابد ستم از دین او در گمان
بگوئید دز وہم سخن بشنوید	مگر خود بگفتار او بگروید

البیرونی مین ہے کہ مانی نے اردشیر کے زمانہ حکومت مین
ایک محدود حلقہ مین اپنے دین کو پھیلا دیا مگر اس کے تعلیمات بارگاہ
ساسانی اور پایۂ تخت ایران مین باریابی حاصل نکر سکے۔ اس لئے
تھوڑی ہی مدت بعد وہ اپنے ہوا خواہون (مقلدین) کے مختصر لشکر کی
کمان کرتا ہوا چلدیا اور مشرقی ایران (ترکستان) اور ہندوستان مین
پھرتا رہا۔ جب وہ کسی مقام کو چھوڑتا تھا تو اپنا ایک شاگرد (مقلد) جگہ
چھوڑ دیتا تھا تاکہ وہ اسکے بعد اس کی تعلیم پھیلاتا رہے۔ مانی کا اپنی نبوت
کا اعلان کرنا تھا کہ زردشتی اُس کے دشمن ہوگئے اور مخالفت پر کمربستہ۔
اگرچہ مانی شاپور کے بھائی پرویز کی حمایت و مدد پر اپنے دین کے پھیلانے
مین آزاد تھا اور بادشاہ بھی اسکا مرید ہوچکا تھا لیکن موبدون کی
آتشی قوت نے اسکے مذہب کا رنگ جمنے نہ دیا اور وہ ایران کے ایک تنگ
دائرہ مین محدود ہوکر رہ گیا۔

نزول کتاب و نقاشی | جس وقت یہ بلاد خرقہ[4] مین پھر رہا تھا۔
اثنائے سفر مین ایک پہاڑ پر پہنچا جس کی خنک آب و ہوا اور لطیف فضا نے
اس سے اپنے مریدون سے یہ کہلایا کہ "مین آسمان پر جاتا ہون اور وہان
ایک سال تک رہ کر زمین پر آؤن گا اور تم کو خدا کی طرف سے خبر دونگا"
اور یہ بھی کہا کہ "دوسرے سال کے شروع مین تم لوگ فلان مقام پر
غار کے قریب میرے منتظر رہو" اس کے بعد وہ لوگون کی نظرون سے
چھپ کر غار مین داخل ہوگیا اور ایک سال تک اس غار مین
رہ کر وہ کام (مصوری) کرتا رہا جس سے دنیا مانی کو جانتی ہے۔ ایک
لوح پر عجیب و غریب شکلین بنائین اور اسکا نام "ارژنگ مانی" رکھا
مقررہ وقت پر وہ غار سے لوح لئے ہوئے نکلتا ہے اور لوگون سے کہتا ہے
کہ "یہ لوح مین آسمان سے لایا ہون" جن شکلون کو آنکھون نے دیکھا
ہی نہ تھا اور جو اپنے عجیب و غریب ہونے مین بھی نظیر نہ رکھتی تھین عقیدے
نے ان پر سر جھکا دیا اور دل نے بھی مان لیا۔ یہ کتاب (ارژنگ مانی)
غالبًا اپنا دوسرا نام ارتنگ مانی بھی رکھتی ہے جس کے متعلق لوگون کا
خیال ہے کہ اس مین ملک ایران کے اخبار و فرمان ہین۔ بعض کہتے ہین
کہ وہ تعلیمات و قانون کا مجموعہ ہے اور ضمنًا تصویرین بھی ہین۔ مانی
کی نقاشی کی شہرت کا باعث یہی کتاب ہے۔ اس کتاب مین تصویرون
کے ہونے کی تاریخی اور ادبی شواہد بھی موجود ہین۔ شیخ سعدی فرماتے ہین ؎

گر التفات خداوندیش بیاراید	نگار خانۂ چینی و نقش ارژنگیست

حافظ شیرازی کا شعر ہے ؎

اگر باور نداری رو ز صورتگر چین پرس	کہ مانی نسخہ می خواہد ز نوک کلک مشکینم

مولف تاریخ حبیب السیر بہزاد کی تعریف مین لکھتے ہین ؎

---

[1] یہ مارچ ۲۴۲ء یوم یکشنبہ اول ماہ نیسان [2] روضۃ الصفا [3] روضۃ الصفا [4] مانی نے قندہار مین نقاشی سیکھی تھی ۱۲

مانی قلم خجستہ آثار　　نیکو سشیم حمیدہ اطوار
استاد ہنروران عالم　　در فن ہنر وری مسلم
بہزاد یگانۂ زمانہ　　مانی بزبان افسانہ

شاہنامہ بھی اس بات کا حامی ہے اور سکندر نامہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

قتل مانی مانی یہ کتاب لیکر ایران پہنچا۔ بہرام ابن شاپور کی حکومت کا زمانہ تھا۔ بہرام نے موبدون کو مانی سے بحث کروادیا۔ موبد کب اسکے مذہب کو اچھی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ موبدون نے کہا کہ جو شخص احکام یزدانی کے خلاف عمل کرے اسکی یہ سزا ہے کہ سیسہ پگھلا کر اسکی حلق مین ڈالدیا جائے" مانی نے جواب دیا کہ "ایسی سزائین دینا اہرمن کا کام ہے نہ خدائے عادل کا" اس کے بعد زردشتی پیشواؤن نے اسکے قتل کا فتویٰ دیدیا۔ کیونکہ مانی نے توبہ سے انکار کردیا تھا اسلئے بہرام نے اسکو قتل کروادیا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۷۶ سنہ ۲۷۷ء[1] مین ہوا جبکہ مانی کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ لیکن البیرونی لکھتا ہے کہ پہلے شاپور نے اپنے بھائی پرویز کے کہنے سے اسکا مذہب قبول کرلیا تھا اور اسکا مداح بھی تھا لیکن اسکے بعد جب موبدان موبد کے سوالات سے وہ عاجز رہا تو اس نے مانی کو اس شرط پر شہر بدر کرنے پر اکتفا کی کہ وہ آیندہ ایران مین قدم نہ رکھے لیکن جب بہرام کے زمانہ مین یہ پھر ایران مین آیا تو بہرام نے اسکو خلاف ورزی کے جرم مین قتل کرادیا۔

روایت پروفیسر اشپیکل جرمن مستشرق پروفیسر اشپیکل ایک روایت نقل کرتا ہے کہ ایک شخص سیتالیوس نامی عرب کی پیغمبر خیز زمین سے پیدا ہوا جو یونان قدیم کے ادبیات مین ماہر اور عقائد مشرکین سے پورا پورا واقف تھا۔ علاوہ برین تجارت کے سلسلہ مین ہند و مصر کا سفر کرکے اس نے بہت سی دولت جمع کرلی تھی۔ وہ ایک دفعہ شہر ہیپ سلا مین گیا اور ایک حسین عورت کو اپنی زوجیت مین لیکر وہین رہنے لگا یہان اس نے مشرکین اور مختلف مذاہب کی تعلیم کا بغور مطالعہ کرکے ایک کتاب چار جلدون مین تصنیف کی اسی زمانہ مین جبکہ اس نے فلسطین کے پیغمبرون کے پند و نصائح کا شہرہ بلند پایا تو یہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوگیا اور وہان جاکر علمائے موسوی سے بحث و مباحثہ کیا۔ اس مناظرہ مین سیتالیوس نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی تعلیمات کو ان سے تسلیم کرائے لیکن کسی نے بھی اسپر کان نہ دھرے۔ اس شکست کے بعد اسکا دماغ اس طرف گیا کہ یہ تعلیم لوگون کے دلون مین تازہ حسن نہین پیدا کرسکتی اسلئے وہ فسونگری اور معجزہ نمائی کی طرف مائل ہوا جسکو اس نے مصر و ہند کے زمانہ سیاحت مین وہان کے لوگون سے حاصل کیا تھا۔ اسکے جادو نے اسپر الٹا اثر کیا۔ ایک روز وہ اپنی نبوت کے ثبوت مین معجزہ پیش کرنے کے لئے کوٹھے پر چڑھا۔ نیچے گرکر اور موت سے ہمکنار ہوکر اپنے معجزہ کا ثبوت پیش کردیا لیکن اسکی یہ ساری محنت بیکار نہین گئی۔ تیرہ بندیوس نامی اسکا ایک شاگرد تھا جسکو سیتیانوس نے پرورش بھی کیا تھا۔ اس شاگرد نے پہلے اپنے استاد کا ایک شاندار مقبرہ بنوایا اور اسکے بعد استاد کی کتابین لیکر ایران کا راستہ لیا جہان اس نے اپنے آپ کو "بودا" کے نام سے شہرت دیکر استاد کے تعلیمات کی تبلیغ شروع کردی۔ مذہب مہر کے سامنے اسکا چراغ نہ جل سکا اور وہ اپنی تعلیمات کی حقیقت ثابت نکرسکا۔ اس بے اثری نے اسکو بھی اپنے استاد کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور سحر و طلسم کی بھول بھلیون مین پھنس کر تھوڑے ہی عرصہ مین معجزہ ہی کے دکھانے کی حالت مین گر کر مرگیا اور اپنی استاد پرستی کا پورا ثبوت دیدیا۔

گر کر جان دینے والا بودا جس بڑھیا کے یہان رہتا تھا وہ ان کتابون کی مالک ہوئی۔ اس بڑھیا کا پروردہ جسکا نام علی الاختلاف کوربیکوس اور مانس بتایا جاتا ہے۔ یہی مانی ہے جو اس بڑھیا کے مرنے کے بعد ان کتابون پر قابض ہوگیا۔ مانی نے ان کتابون کا مطالعہ کرکے

---

[1] صد پارۂ دل از مولانا اختر لکھنوی

اپنی تعلیم کی بنیاد ڈالی۔

مانی اپنے دائرۂ نفوذ کو وسیع کرنے کی فکر ہی مین تھا کہ انہین دنون شاہ ایران کا بیٹا کسی مہلک مرض مین گرفتار ہوگیا۔ مانی اپنی دھن کا پکا تھا یہ خیال کرکے کہ وہ اپنی کتابون کی مدد سے شہزادہ مین تندرستی کی روح پھونک دیگا جس سے شاہ کی ارادت و عقیدت بڑھ جائیگی اور سعادت کھینچ آئیگی۔ اس خیال نے عملی جامہ پہنا اور یہ ایران پہنچا اور پہنچتے ہی علاج بھی شروع کردیا قسمت کا پانسہ الٹا پڑتا ہے اور شہزادہ اسی کے دادن پر اپنی زندگی کی دولت ہار جاتا ہے جسکا خمیازہ قید خانہ کی چہار دیواری مین اسے بھگتنا پڑتا ہے اس شاہزادہ کو مارنے سے پہلے مانی اپنے بائیس شاگردون مین سے توماس۔ ہاداس اور آداکو انتخاب کرکے بیت المقدس بھیج چکا تھا تاکہ وہ بیرد مسیح ہوکر بعض ضروری کتابون کو اسکے لئے مہیا کرین تینون تلامذہ نے بیت المقدس پہنچکر کتابین جمع کین اور اُسوقت ایران پہنچے ہین جب مانی جیل کی سختیون کا لطف اُٹھا رہا تھا بدقت تمام یہ کتابین اُس تک پہنچ سکین۔ مانی نے اس حالت پابندی مین ہی کتابون کا مطالعہ کیا اور بہت سی مفید اور اہم باتون کا اپنے "خانہ ساز" مذہب مین اضافہ کیا۔ اسکے بعد مانی جیلخانہ کی مضبوط دیوارون سے نکل کر فرار ہوگیا اور عربستان مین دریاے اسٹرنیگ کے پاس مقیم ہوا۔ اُس نے یہان مارسلوس نامی ایک مسیحی دیندار کی شہرت سنی تو اپنے شاگرد تیربون کو ایک خط دیکر اسکے پاس بھیجا اور مذہبی مباحثہ کے لئے دعوت دی۔ مارسلوس نے بھی اسکی دعوت پر لبیک کہا اور اسکی ساری تعلیمات کو تیربون سے یاد کرلیا جو پھر اپنے استاد کے پاس واپس نہین گیا یہی وجہ تھی کہ مارسلوس مانی پر غالب آگیا اور مانی کو اسکے مریدون سے پیچھا چھڑانا دوبھر ہوگیا۔

ان باتون سے اسکی متانت پر کوئی اثر نہین پڑا۔ اسکے بعد بھی وہ شہر دمودوری گیا اور وہان کے علما سے اس نے بحث و مباحثہ کا بازار گرم کیا لیکن مغلوبیت جو اسکی تقدیر تھی اس نے وہان بھی پیچھا نہ چھوڑا وہان سے یہ نہایت ذلت و خواری کے ساتھ عربستان واپس گیا اور کچھ دنون بعد شاہ ایران کے حکم سے اسکو شہر بھر مین تشہیر کراکے اسکی زندہ کھال اتار لی گئی اور اس مین بھس بھروا کر ایک نمایان جگہ پر لٹکا دیا گیا تاکہ دنیا کے خود ساختہ پیغمبر اسکی زندگی سے سبق لیکر عبرت حاصل کرین۔

تعلیمات | مانی کے حالات زندگی کے سلسلہ مین اسکی تعلیمات پر بھی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اسکی تعلیم کے دو رخ تھے۔ ایک خاص جسکو اُس نے علما و فضلا کی مخصوص جماعت مین پھیلایا تھا۔ دوسرا عام۔ یہ تعلیم[۱] نہایت آسان اور سہل تھی لیکن زیادہ تر وہم و خیال پر مبنی اور ایسی روایتون اور قصون سے مملو تھی جیسی ہندؤن کی کتابین (مہابھارت رامائن اور بہت سے شاشتر) کیونکہ مانی ہر طبقہ کے لوگون کے ادراک و فہم کے موافق قانون وضع کرتا تھا اسلئے اسکی تعلیم فلسفہ اور منطق کے معیار پر پوری نہین اتر سکتی۔

بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا مرتبہ دنیاے شعر مین بھی بلند تھا اور وہ اس فن مین بھی ایک بلند مرتبہ رکھتا تھا اور اپنے مذہبی مسائل کو اکثر شعر کی جاذبیت کے ساتھ لوگون کے دلون مین بٹھانے کی سعی کرتا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب فہرست العلوم مین لکھا ہے کہ مانی کی تعلیمات بہت سے قصون اور مختلف مذاہب کی تعلیمات سے مرکب ہے۔ شہرستانی نے بھی قریب قریب ایسا ہی لکھا ہے۔

مانی کی تعلیمات مین توحید کا جلوہ کم نظر آتا ہے۔ اسکا عقیدہ تھا کہ مخلوق نور و ظلمت سے وجود مین آئی ہے۔ آسمان، زمین، چاند، سورج اور ستارون کی پیدائش کے بارہ مین بھی مانی نے طبیعت کو جولان کیا ہے لیکن مادی تشبیہات اور سطحی نظر سے تجاوز نہین کیا گیا۔ اگرچہ غور کرنے سے بعض جگہ فلسفیانہ جھلک بھی پائی جاتی ہے لیکن زیادہ تر ایسے خیالات ہین

---

[۱] اس تعلیم کو اس نے اپنی کتاب "پیرفن گندہ" مین قلمبند کیا ہے جو حال مین تورخان کے کھنڈرات سے برآمد ہوئی ہے ۱۲ ۔ مانی کی تصنیف "کتاب بیہا" مین اسکا ذکر ہے ۱۲

جن سے جہلا کی شاید تسکین ہو سکے۔

بیرونی[1] اپنے خط مین لکھتا ہے۔

"مین نے ابوبکر بن زکریا الرازی کی اس کتاب کو جو علم الٰہی کے متعلق ہے مطالعہ کیا۔ اس مین اس نے مانی کی کتابون کی طرف رہنمائی کی ہے۔ بالخصوص اُس کتاب کی طرف جسکا نام سفر الاسفار ہے۔ مجھے اس کتاب کے نام سے ایسی فریفتگی ہوئی جیسے اور لوگون کو کیمیا کے متعلق سونے چاندی کی فریفتگی ہوتی ہے۔ میری نوعمری بلکہ حقیقت کی پردہ پوشی نے دل مین اس کتاب کی طلب کرنے کی کمال خواہش پیدا کی کہ کسی شہر یا ملک مین جہان اپنا شناسا ہو اُسے تلاش کیا جائے۔ مین چالیس برس سے کچھ زیادہ اسی تپش کی تپایئون مین رہا یہان تک کہ چند ہمدان سے ایک شخص آیا جس نے فضل ابن سہلان کے ذریعہ سے کچھ کتابین پائی تھین اور اُسے معلوم ہوا تھا کہ مجھے ان کا بہت اشتیاق تھا۔ شخص مذکور نے ان کتابون کو مجھ سے ملاقات حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا۔ اسکے پاس ایک مجموعہ تھا جس مین مانی کی حسب ذیل کتابین تھین فرقماطیہ، سفر الجواہرہ، کنز الاحیا، ضح الیقین، تاسیس، انجیل اور شابورقان اور مانی کے چند دوسرے رسالے تھے اور میری مطلوبہ کتاب سفر الاسفار بھی ان مین شامل تھی مجھے اسقدر خوشی ہوئی جیسے پیاسے کو شربت کے دیکھنے سے ہوتی ہے لیکن اخیر مین ایسا ملال ہوا جیسے ناگوار چیز کھانے سے ناگوار ڈکار آتی ہے۔ مین نے خدا کو اپنے قول مین سچا پایا کہ جسکو خدا روشنی نہین دیتا اُس مین روشنی نہین ہوتی پھر مین نے اس کتاب مین سے نوادر بیہودہ باتون کو چھانٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ جو شخص میری طرح گرفتار مصیبت ہو اسے پڑھ کر جلد شفا حاصل کرے جیسا میرا حال ہوا"

شراب پینے، گوشت کھانے اور عورتون کی قربت سے مانی کی شریعت منع کرتی ہے۔ تناسخ کا مسئلہ اسکے یہان بھی ہندوؤن کی طرح موجود ہے۔ دوزخ و جنت کا جھگڑا، آدم و شیطان کی منافرت اور ہابیل و قابیل کی رقابت و مقاتلہ کی جھلک بھی اسکے مذہب مین پائی جاتی ہے۔

مانی خوشبو کو دوست رکھتا تھا اور موسیقی سے محبت بلکہ بعض مورخین اسکو ایک ماہر موسیقی بھی بتاتے ہین اور عود باجہ کا موجد۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسکا مذہب موسیقی کو جائز سمجھتا تھا جس طرح اہل ہنود کا مذہب۔ مانی کے عقیدہ مین وہ پیغمبر جو ہدایت و رسالت کے لائق ہو سکتے ہین آٹھ ہین۔

(۱) آدم (۲) شیث (۳) نوح (۴) ابراہیم (۵) زردشت (۶) بودا[2] (۷) عیسیٰ (۸) پاولوس۔

مانوی مانی کو ختم الانبیا مانتے ہین اور ان کے مذہب پر نہ چلنے والون کو کافر اور دوزخ کا سزاوار سمجھتے ہین۔

ساحل بلگرامی

مرقع۔ صد پارۂ دل مین مولانا نشتر کا جو مضمون مانی کے عنوان سے شائع ہوا ہے اُس مین کہین نہین ہے "بودا گوتم بدھ ہے" مولانا نشتر نے اس مضمون مین مانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"مانی نے اپنے مذہب کے لئے اخلاقی اصول بالکل بودھ مذہب کے اخلاقی فلسفہ سے لئے اور اسی سلسلے مین بعض باتین ہندوستان کے بھی (صد پارۂ دل مین ایس غلط چھپا ہے بلکہ اُس نے) مذہب سے بھی مین جو برہمنون کا مذہب ہے"

---

[1] البیرونی از سید حسن برنی۔ بی۔ اے [2] یہ گوتم بدھ نہین جیسا کہ مولانا نشتر نے صد پارۂ دل مین لکھا ہے۔

میرے خیال مین جناب ساحل نے مرقومۂ بالا عبارت کے سمجھنے مین زیادہ غور نہین کیا ہے مولانا سے خود اسکو دریافت کیا وہ فرماتے ہین میرا یہ منشا نہین نہ میری عبارت کا یہ منشاء ہے کہ "بودھ گوتم بدھ تھے" نہ یہ کہ برہمنون کا مذہب بودھ ہے" بلکہ منشا یہ ہے کہ (۱) مانی نے اپنے مذہب کے اخلاقی اصول بالکل بودھ مذہب کے اخلاقی فلسفہ سے لئے (۲) اور اسی سلسلے مین بعض باتین ہندوستان کے اُس مذہب سے بھی لین جو برہمنون کا مذہب ہے"۔

جناب ساحل میرے مکرم وہموطن شفیق جناب ہوش بلگرامی کے حقیقی بھائی ہین۔ آپنے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ اپنے پاکیزہ خیالات کو مضمون کی صورت مین لاکر علمی دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کیا ہے جو ہرطرح قابل ستایش اور لائق تحسین ہے آپ چاہتے تو ابتک بہت کچھ اس صف مین آگے بڑھے ہوئے نظر آتے مگر آپ اُن چند نفوس مین ہین جو گمنامی کو شہرت سے بہتر سمجھتے ہین۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے جرائد آپ کی علمی فیاضیون سے ابھی تک محروم ہین۔

مرقومۂ بالا مضمون جناب ساحل کی خاص جودت طبع کا نتیجہ ہے اس مین شک نہین کہ اس عنوان پر جناب ساحل سے بہت عرصہ قبل ملک کے مسلم الثبوت مورخ وانشاپرداز مولانا شرر لکھنوی قلم اٹھا چکے ہین۔ صدر پارۂ دل مین مولانا شرر کا ایک مضمون مانی کے عنوان سے چھپا ہے جو دلگداز سے لیا گیا ہے دوسرا مضمون اکتوبر ۱۹۱۲ء مین مسیحیت کے ستیدسہ فرقے کے عنوان کی تحت مین شروع ہو کر نومبر ۱۹۱۲ء کے دلگداز مین ختم ہوا۔ ہم اُن دونون مضمونون کو بیان ناظرین کے مزید لطف کے لئے درج کرتے ہین تاکہ ناظرین لطف اندوزی کر سکین باوجود مولانا شرر کے اُن دونون مضمونون کے جو مولانا شرر نے مانی کے متعلق لکھے ہین جناب ساحل کے اس مضمون مین بہت سی خصوصیتین ہین جنھون نے حضرت ساحل کے اس مضمون کو خاص نوعیت کا سرمایہ دار بنا دیا ہے ہم کو امید ہے کہ ناظرین مولانا شرر کے دونون مورخانہ مضامین کے پڑھنے کے بعد جناب ساحل کے مضمون سے خاص فائدہ اُٹھائین گے اور اُنکی کاوش وجانفشانی کی دلسے داد دین گے۔

وصل بلگرامی

مانی

(از جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی مدظلہ العالی)

ہمارے ملک مین اور ہماری زبان بولنے والون مین کون ہوگا جس نے شعرا کے کلام کو پڑھا ہو اور مانی کا نام نہ سنا ہو جو مصوری اور نقاشی کا سب سے بڑا کامل نمونہ اور اتنا بڑا باکمال مانا جاتا ہے کہ کوئی مصور چاہے کتنا بڑا مصور ہو جائے مگر ملک کے خیال مین مانی کے درجہ سے نہین بڑھ سکتا مگر افسوس کہ سارے ہندوستان مین شاید شاذونادر ہی کوئی جانتا ہوگا کہ مانی کون شخص تھا کس زمانہ مین تھا؟ کیا کرتا تھا کہان رہتا تھا؟ اور کیونکر اور کہان مرا؟ واقعی ہمارے لٹریچر کا یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ ہم ان لوگون کے حالات سے بہت ہی کم واقف ہین جن کے نام بار بار ہماری زبان پر آتے ہین ہمارے قلمون سے نکلتے ہین اور جو ہماری انشاپردازی کا زیور بنے ہوئے ہین ہم نے اس بات کی کوشش شروع کی ہے کہ ایسے تمام لوگون کے حالات سے پبلک کو واقف کر دین چنانچہ ہم بہت سے لوگون کے حالات شایع کر چکے اور اب اس مشہور و معروف نقاش عجم کی سوانحعمری کی طرف توجہ کرتے ہین۔

مانی ایک ایرانی نژاد اور مجوسی الاصل شخص تھا۔ اگرچہ اُسکا سنہ ولادت ہمین معلوم نہین مگر اس مین کچھ کلام نہین کہ اسکا نشوونما اور عروج تیسری صدی عیسوی مین یعنی حضرت رسالت صلعم سے

تقریباً تین سو برس بیشتر ہوا۔ اپنے وطن کے استادون سے سیکھ کے اور نیز اپنی ذاتی طباعی و مناسبت سے کام لیکے فن مصوری میں اس درجے کو پہنچ گیا کہ سارے ملک مین کوئی شخص ہمسری کا دعویٰ نہ کرسکتا تھا۔ لیکن اس کے کمالات صرف اسی فن پر محدود نہ تھے علمی ذوق نے اُسے جتنا بڑا مصور بنایا تھا اُتنا ہی بڑا فلسفی اور اُسی درجے کا ہیئت دان اور نجومی بھی بنا دیا۔ الغرض علوم فلسفیہ اور الٰہیات مین غور و تدبر کرنے کے ساتھ اُس نے دنیا کی پولٹیکل اور سوشل حالت دیکھی اور کوشش کی کہ ان مذہبی جھگڑون کو مٹا کے دنیا کو ایک اصول کا پابند بنانے کی کوشش کرے۔

اُن دنون دنیا کی پولٹیکل حالت یہ تھی کہ ممالک مشرق مین باوجود بڑی کوششون کے دین عیسوی کو کسی طرح کامیابی نہ حاصل ہوتی تھی مغرب مین تو مسیحیت بحر اعظم مغرب کے سواحل تک جا پہنچی تھی۔ مگر مغرب کی طرف زرتشتی نے اسے ایسا روکا کہ کسی طرح دریاے فرات و دجلہ سے آگے نہ بڑھنے پاتی تھی۔ جہان کے سرحدی اضلاع و صوبجات مین پولٹیکل انقلابات کے دامن مین چھپ چھپ کے دین عیسوی اور دین زرتستی لڑ رہے تھے۔ چنانچہ ارمینیہ جو ایران و روم کا سرحدی صوبہ تھا اس قسم کی عظیم الشان معرکہ آرائیون کا دنگل اور بڑی بڑی سازشون کا مرکز بن گیا۔ یہان کا فرمانروا ایک عیسوی واعظ کی تلقین سے عیسائی ہو گیا تھا لیکن جب دولت عجم کے ساسانی تاجدار کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس نے اس مسیحی حاکم کو قتل کر کے پہلی آتش پرستی قائم کردی۔ اتفاقاً اب مسیحیت کے فروغ پانے کا یہ ایک نیا سلسلہ جاری ہو گیا کہ خاص ساسانی خاندان کا ایک شاہزادہ اور ایک شاہزادی جو خسرو دخت کہلاتی تھی کسی پادری کی صحبت مین بیٹھ بیٹھ کے عیسائی ہو گئے۔ اور اُن کوششون سے پھر مسیحیت ارمینیہ مین فروغ پانے لگی۔ اگرچہ اب بھی تاجداران عجم نے عیسائیون پر بہت کچھ ظلم و جور کیا مگر اب مسیحیت کا قدم آرمینیہ مین جم گیا تھا۔ اور اُس کو مٹانا غیر ممکن تھا۔

یہ انقلابات یہ کشت و خون اور یہ خرابیان دیکھ کے مانی کو یہ خیال ہوا کہ کوئی ایسی کوشش کرنی چاہئے جسکی بدولت یہ جھگڑے مٹ جائین اور ایران و روم دونون کسی نئے اصول کے تابع ہون۔ ان اصول کو اُس نے اپنے علم و فضل کے زور اور حسن تدبیر سے خود ہی قائم کرنا شروع کیا۔ مگر تاریخ سے بہت سی شہادتین مل سکتی ہین کہ ایسی کوششون کا نتیجہ ہمیشہ یہ ہوا ہے کہ بعوض اس کے کہ مذہبی اختلاف مٹے ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا۔ اور جھگڑے بجاے مٹنے کے اور بڑھ جایا کئے۔ چنانچہ یہی نتیجہ مانی کی ان کوششون کا بھی ہوا۔

اپنے جدید مذہب کو ہنوز تیار اور مضبوط نہین کر چکا تھا کہ اپنی کوششون مین اثر پیدا کرنے کے لئے اس نے ارادہ کیا کہ دولت ساسانی مین رسوخ پیدا کر کے اپنے ہاتھ مین حکمرانی کی قوت پیدا کرے۔ اور دولت عجم کو بھی اپنے جدید کیش و آئین کا حامی بنائے اور چونکہ بہت بڑا لائق و فائق شخص تھا ہر جگہ اُسکے علم و فضل کا شہرہ تھا لہٰذا اس غرض مین اُسے بہت آسانی سے کامیابی ہو گئی۔ اور شہنشاہ ایران شاپور اول کے دربار مین پہنچ کے سارے ملک مین عزت و وقار کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ اب یہ عزت و وقعت حاصل کرنے کے بعد مذہب کے متعلق اُس نے اپنے آزادانہ اور مصلحت آمیز خیالات ظاہر کرنا شروع کئے تھے کہ ایران کے تمام کاہنون اور ملت زرتشت کے معتقداؤن نے بڑے زور و شور سے مخالفت کی۔ ایران مین باوجودیکہ شاہنشاہی سطوت کے آگے ہر شخص کو غلامون کی طرح سر جھکانا پڑتا تھا مگر مذہب کا زور اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کے مقابلے مین بادشاہ سے بھی کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مانی کو سخت ناکامی ہوئی۔ اور ایسی ناکامی کہ دربار خسروی در کنار وطن کو بھی خیرباد کہنی پڑی۔

مگر ایسی ناکامیان اس طبیعت کے لوگون کے لئے عموماً بجاے ضرر رسان ہونے کے ہمیشہ مفید ہوا کی ہین۔ مانی دربار ساسانی سے نکلا تو سیدھا ارض

مشرق کو روانہ ہوا پہلے ترکستان مین گیا۔ وہان کی قومون اور ان کے مذہب
کو دیکھا۔ پھر ہندوستان اور چین کا سفر کیا یہان کے مذاہب اور اُن کے
اصول الٰہیات مین بصیرت حاصل کی۔ بودھ مذہب کی حقیقت و ریاضت
کی۔ برہمن کے اخلاقی و مذہبی اصول دیکھے۔ اور ان سب امور مین پورا
کمال حاصل کرکے ترکستان مین واپس آیا اور اب یہان پہنچ کے اُسنے
ایک سنسان گھاٹی مین جاکے خلوت اختیار کی۔ اس جگہ ایک شفاف
چشمہ جاری تھا اور جابجا میوہ دار درختون کے موجود ہونے سے کھانے
کے لئے بھی پورا اطمینان تھا۔ اس وادی مین وہ کامل ایک سال تک
بیٹھا رہا۔ اور اُسی خلوت کدے مین اُس نے اپنی کتاب ارتنگ تیار
کی۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ چالیس دن بعد کوہ طور پر سے توراۃ
کی لوحین لے کے آئے تھے اسی طرح وہ اپنی اس کتاب کو لیکر برآمد ہوا۔
اور آتے ہی لوگون سے کہا "مین خدا کے پاس سے آیا ہون جس نے
مجھے مبعوث بہ نبوت کیا ہے۔ اور یہ آسمانی کتاب وہی ہے جس کتاب پ
ساری دنیا کو عمل کرنا چاہئے"۔ دیگر آسمانی کتابون کے خلاف اس کتاب
مین نہایت اعلیٰ درجے کی تصویرین بنی ہوئی تھین۔ جو اُس زمانے
کے اعتبار سے اتنی بڑی اعلیٰ چابکدستی اور ایسی صناعی کا ثبوت
دیتی تھین کہ انسانی قوت سے بالاتر بتائی گئین انہین کو اُس نے اپنی اُس
کتاب کے آسمانی ہونے کا معجزہ اور ثبوت دیا۔

فارسی و اردو شاعری و انشاپردازی مین مانی محض ایک مصور
مشہور ہے غیاث اللغات کے مصنف نے خدا جانے کس بنیاد پر اُسے
ایک رومی نژاد مصور بتایا ہے۔ جو بالکل بے اصل ہے۔ اس کے حالات
مین لکھا ہے۔ کہ اُس کے اس کمال کی مصوری ہی کو اپنا معجزہ قرار دے کے
دعوی نبوت کیا۔ اس کے اس کمال کی نسبت مولانا نظامی نے سکندر
نامے مین چند ایسے واقعات لکھے ہین۔ جو غالباً اُن دنون ایرانیون
مین مشہور تھے۔ کیونکہ قدیم تاریخون مین ان باتون کا پتہ کہین نہین

وہ لکھتے ہین کہ مانی نے نقاشان چین کے اعلیٰ کمال نقاشی کا شہرہ
سن کے چین کا سفر کیا۔ اُس کی روانگی کا حال چینیون کو معلوم ہوا
تو انھون نے ایک اندھے کوئین کی تہ مین (جو اُس کے راستے مین پڑنے
والا تھا) ایک آئینہ بنا دیا جو پانی کا دہوکا دیتا تھا۔ مانی وہان پہنچا اور
پانی اور شیشہ کا امتیاز نہ کرسکا۔ چنانچہ پانی نکالنے کے لئے اس کنوین
مین ڈول ڈالا۔ مگر جب پانی کی ٹھیس سے شیشہ ٹوٹ گیا تو اپنی
غلطی پر اُسے بڑی ندامت ہوئی۔ سمجھا کہ چینی مصورون نے مجھے دہوکا
دینے کے لئے یہ چالاکی کی ہے۔ فوراً کوئین مین اُترا اور اس شیشے کی جگہ
اب اس نے ایک مرا اور سڑا ہوا کتا بنا دیا جس مین اوپر سے کیڑے بھی
بلبلاتے نظر آتے تھے۔ اور اس صنعت سے اُس کا یہ مطلب تھا کہ اول
تو چینیون کی معاندانہ کارروائی کا جواب ہو جائے تو پھر کوئی راہ چلتا
اس کنوین مین پانی لینے کے لئے ڈول نہ ڈالے۔ اس کے بعد جب وہ
چین مین پہنچ گیا تو نقاشان چین سے اُس سے مقابلہ ہوا۔ قدردان
بادشاہ یا اُمرا نے مقابلے کی یہ صورت نکالی کہ آمنے سامنے کی دو دیوارین
مانی اور چینی نقاشون۔ کو دی گئین کہ اُن پر اپنے اپنے فن کا کمال دکھائین
اور درمیان مین ایک اور دیوار اُٹھا دی کہ جب تک دونون کی طرف کی
تصویرین تیار نہ ہو جائین کوئی اپنے حریف کی کاریگری سے مطلع نہ ہو۔
چینیون نے بڑی محنت و سرگرمی سے اپنی دیوار کو عجیب و غریب تصویرون
کا مرقع بنا دیا۔ مگر مانی نے صرف اتنا کیا کہ اپنی دیوار کو خوب گھونٹ گھونٹ
کے آئینہ بنا دیا۔ اور اس پر ایک پردہ ڈال رکھا۔ جب دونون نے کہا کہ
اب ہم اپنی تصویرین بنا چکے تو ممتحن اور مقابلہ کرنے والے آکے کھڑے
ہوئے۔ اور دیوار بیچ سے توڑی گئی۔ چینیون کی صنعت کی تعریف
کی گئی۔ اور اب مانی نے اپنی دیوار سے پردہ ہٹایا تو جو تصویرین چینیون نے
بنائی تھین۔ اُن کا عکس مقابل کی دیوار پر پڑا۔ اور معلوم ہوا کہ مانی
نے بغیر دیکھے اُن کے مرقع کی نقل اس کمال کے ساتھ اُتار لی ہے کہ

کسی بات میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ سبھون نے اس کی بے انتہا تعریف
کی اور عش عش کرنے لگے۔ یہ واقعات اس قسم کے ہین کہ انکی ایک کہانی سے
زیادہ وقعت نہین معلوم ہوتی۔

بہرحال اس سفر اور اپنی ترکستان کی مذکورہ خلوت گزینی سے
فراغت کر کے جب وہ ایران مین واپس گیا تو اپنے کو ایک صاحب کتاب
پیغمبر بنا رہا تھا۔ اب ایران مین آتے ہی اُسے نمایان کامیابی ہونے لگی
بہت سے لوگ اُس کے معتقد اور پیرو ہو گئے۔ علماے زرتشتی سے اُس
سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اُس زمانے مین شاہ پور اول دنیا سے رخصت
ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ اُس کا بیٹا ہرمز بن شاپور تخت و تاج ساسانی
کا مالک تھا۔ ہرمز نے اُس کی بڑی قدر و منزلت کی علم و فضل کی قدردانی
کر کے اس پر نہایت ہی مہربان ہوا۔ اور علاقہ بابل مین ارابیون
نام ایک قلعہ اُسے رہنے کو دیا۔

اس قلعے مین بیٹھ کے مانی نے اپنے نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔
اور اس کامیابی کے ساتھ اپنے مذہب کو شائع کرنے لگا کہ ہزارہا آدمی
اُس پر ایمان لے آئے۔ اور مذہب مانوی روز افزون ترقی کرنے لگا۔
مانی کا مذہب بادی النظر مین دین عیسوی کی شاخ معلوم ہوتا ہے۔ مگر
اصل مین وہ دنیا کے تمام مذہبون سے مرکب تھا۔ بظاہر مسیحیت کو مذہب
حق تسلیم کر کے اُس نے تمام مشرقی مذاہب کے فلسفۂ الٰہی کو اپنا
دستور العمل بنا لیا تھا۔ وہ وحدت وجود کے مسئلہ کا حامی اور مدعی تھا۔
تخلیق عالم کی نسبت کچھ نئے اور عجیب خیالات ظاہر کئے تھے۔ آتش پرستون
کے اصول کے مطابق اصلی بنا دو خداؤن یزدان و اہرمن پر قائم کی۔
اور انہین کے نتیجے مین نور و ظلمت۔ کی اصطلاحون سے بھی کچھ مذہبی
اور روحانی کام لیا۔ حضرت مسیح کی نبوت کو تسلیم کیا۔ اور اُن کے پیشتر کے
انبیا خاصۂ حضرت موسیٰ کی نبوت سے قطعاً انکار کر دیا۔ جس کی وجہ
یہ تھی۔ کہ وہ یہودیت سے کسی قسم کا علاقہ نہین رکھنا چاہتا تھا۔
یہودیت مین اسقدر تنگ خیالی تھی۔ اور وہ مذہب ایک قوم اور ایک
خاص سرزمین اور ہزارہا قسم کی سخت قیود کے ساتھ اِس قدر وابستہ
تھا کہ وہ تمام نئے بانیان مذاہب جنھون نے حضرت مسیح کے بعد دین مین
کوئی اجتہاد و تغیر کرنا چاہا۔ سب کے سب دین موسوی کے خلاف تھے
مانی نے اپنے مذہب کے لئے اخلاقی اصول بالکل بودھ مذہب کے خلاقی
فلسفہ سے لئے۔ اور اسی سلسلے مین بعض باتین ہندوستان کے اُس مذہب
سے بھی لین۔ جو برہمنون کا مذہب ہے۔ الغرض مانی کے مذہب کی حقیقی
شان یہ تھی کہ مجوسیت کے یزدان و اہرمن اور چین و ہند کے خلاقی فلسفہ
کو عیسویت کا جامہ پہنا دیا گیا۔ کتاب عہد عتیق (توراۃ) کو اُس نے
شیطانی وسوسون کو نمونہ بتایا۔ اور چندان انجیلون کے ساتھ جنھین
مسیحی جعلی بتلاتے ہین۔ مانی کی کتاب ارتنگ اس نئے دین کا دستور العمل
قرار پائی۔ مگر باوجود اس کے کہ مانی نے مختلف مذاہب سے التقاط اور
انتخاب کیا تھا پھر بھی زرتشتیت غالب تھی۔ کیونکہ مانی کہتا ہے عالم مصنوع
اور دو قدیم وہ ازلی اصلون سے مرکب ہے۔ ایک نور اور ایک ظلمت۔
یہ دونون اصلی چیزین ازلی ہین۔ ہمیشہ تھین اور ہمیشہ رہین گی۔ ان مین
ہمیشہ سے حس عقل اور دیکھنے سننے کی قوت تھی اور ہمیشہ رہیگی یہ دونون
باعتبار ذات صورت فعل اور تدابیر کے ایک دوسرے کی ضد ہین۔ اور
اور بہ لحاظ اپنے حیز کے ایک دوسرے کی مقابل ہین یعنیہ اسیطرح
جیسے کہ کسی چیز کا سایہ اُسکے مقابل رہا کرتا ہے۔ اور جتنی خوبیان اور
بھلائیان ہین سب نور کی طرف منسوب ہین اور جتنی برائیان اور
خرابیان ہین سب ظلمت کی طرف منسوب ہین۔

تاہم مشرقی مذاہب کے ان خیالات و عقائد کے ساتھ اُس نے انجیل
سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ فارقلیط جس کے ظہور کی بشارت حضرت مسیح نے
دی تھی اور مسلمان جس کا مورد حضرت محمد (صلعم) کو بتاتے ہین خود اپنے
آپ کو بتایا۔ اور علانیہ کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰ نے میرے ہی آنے کی

پیشین گوئی کی تھی۔

لیکن حیرت کی یہ بات ہے۔ کہ مانی نے اگرچہ اپنے مذہب مین سب سے زیادہ اصول آتش پرستی ہی کو قائم رکھا تھا۔ مگر سب سے زیادہ ضرر اور صدمہ اُسے خاص زرتشتیون ہی کے ہاتھ پہنچا۔ علماے مجوس اُس کے مخالف اور دشمن ہوتے جاتے تھے۔ جب تک ہرمز بن شاپور زندہ رہا اُس وقت تک تو اُسے کچھ نقصان نہین پہنچا۔ اس لئے کہ وہ اس کا دوست تھا۔ اور اسی کی مہربانی سے قلعۂ ارابیون مین بیٹھ کے اُسے اپنے مذہب کے شایع کرنے کا موقع ملا تھا۔ مگر جب ہرمز کے بعد اس کا بیٹا بہرام شہنشاہ ایران ہوا تو اُسے آتش پرستون کے موبدون اور دستورون نے اسقدر اُبھارا کہ مانی کا دشمن اور اُس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ آخر حضرت مسیح کے ۲۷۷ برس بعد اور حضرت محمد صلعم سے ۳۴۳ سال پیشتر وہ اپنے قلعے سے گرفتار کر کے بہرام کے سامنے لایا گیا جس نے یہ نہایت ہی سخت سزا دی کہ زندگی ہی مین اس کی کھال کھنچوالی۔ اس مین بھُس بھروا دیا مانی کی کھال کا یہ پتلا اپنی مظلومی کی تصویر دکھانے اور تعصب ہی کے ظلمون کے کارنامے ظاہر کرنے کے لئے ایک مدت تک شہر شاپور کے پھاٹک پر جو اُن دنون ساسانیون کا دار السلطنت تھا رکھا رہا۔

لیکن مانی نے اپنی زندگی ہی مین اپنے مذہب کو اس قدر فروغ دے دیا تھا۔ کہ اُس کے بعد پورے استقلال کے ساتھ قائم رہا اور چندہی روز مین اس نے اس قدر عروج حاصل کر لیا کہ کیتھولک مسیحیت یعنی پولوس کے پیروؤن کے مقابلہ مین ایک مستقل اور زوردار مذہب بن گیا۔ اور رومی کلیسیا کا سب سے زبردست حریف یہی فرقہ تھا۔ مانوی لوگ اپنی توحید پر نازان تھے۔ اپنے مخالف عیسائیون کو مشرک و بت پرست بتاتے تھے اور جو انتظامات کہ رومی کلیسیا کی ترویج کے لئے عمل مین آتے تھے وہی انتظامات زیادہ قوت اور اثر کے ساتھ مانویون مین بھی قائم ہو گئے۔ چنانچہ بارہ بڑے عہدہ دار رسولون اور حواریون کے نام سے معین ہوئے اُن کے ماتحت ۷۲ بشپ یعنی اُسقف اعظم تھے پھر ان کے زیر حکم پریسبیتر اور ڈیکن تھے جو سفر کرتے اور ہر طرف شہرون شہرون اور قریون قریون دین مانوی کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔

مانی کا قائم کیا ہوا دین مانوی ایک ہزار برس تک دنیا مین قائم رہا اور باوجودیکہ روم کی مسیحی شہنشاہی اور پطرس کے جانشین پاپاؤن نے اس پر بڑے بڑے اور طرح طرح کے ظلم کئے مگر کسی طرح اُن کے مٹائے نہ مٹ سکا۔ فتوحات اسلام سے بھی اس مذہب کو بڑا ضرر پہنچا تھا لیکن اُنکی حکومت مین بھی ایک مدت دراز تک زندہ رہا۔ لیکن آخر مسلمانون ہی کی کوشش سے غالباً اس مذہب کا خاتمہ ہو گیا۔

کتاب ملل ونحل مین علامۂ شہرستانی نے۔ مانی کے باپ کا نام فاتر بتایا ہے۔　　　　(از صد پارۂ دل حصۂ اوّل)

مسیحیت کے [illegible] فرقے

(از مولانا عبد الحلیم صاحب شرر مدظلہ العالی)

. . . .

ناسٹک کے سب فرقون سے زیادہ قوی اور زبردست مانیکی یا عربی ترکیب سے کہا جائے کہ مانوی فرقہ تھا۔ اس کا بانی مانی نام ایک ایرانی نژاد اور مجوسی الاصل شخص[1] تھا یہ وہی مانی ہے جو مصوری کا بہت بڑا اُستاد خیال کیا جاتا ہے۔ اور فارسی و اردو شاعری مین بھی مشہور ہے۔ شاید ہمارے ہان پڑھے لکھے لوگون مین سے کم ہون گے جو مانی و بہزاد

[1] مسیحی کلیسیا کی تاریخ مصنفہ ڈی گکر ۱۲

کے نام سے نہ واقف ہون[سلہ]۔ مانی تیسری صدی عیسوی کا بڑا نامور ایرانی
فلسفی و دقیقہ رس نجومی اور مشہور مصور تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ مشرق
مین دین عیسوی کو کسی طرح کامیابی نہین حاصل ہوتی تھی زرتشتی مذہب
نے عیسویت کو ایسا روکا کہ مغرب مین تو وہ بحر اعظم مغرب تک جا پہونچا مگر
مشرق مین دریائے فرات و دجلہ سے آگے نہ بڑہنے پاتا تھا۔

آرمینیہ ایران و روم کا سرحدی صوبہ پہلے پولٹیکل تغیرات اور
بڑی بڑی سازشون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اب وہ مذہبی انقلابات کا
دنگل بن گیا۔ یہان کا فرمان روا ایک عیسوی واعظ کی تلقین سے عیسائی
ہوگیا تھا۔ مگر جب ایران کے شاہی خاندان نے اُسے قتل کرکے پہلی آتش پرستی
قائم کی تو قدیم شاہی خاندان کے ایک لڑکے اور ایک لڑکی خسرو وقت
کی کوشش سے پھر دین عیسوی اس ملک مین آیا۔ اور اگرچہ اب بھی
بڑے بڑے ظلم عیسائیون پر ہوئے مسیحیت کا قدم اس ملک مین جم گیا۔

اسی حالت کو دیکھ کے مانی نے کوشش کی کہ ایک ایسا نیا مذہب
قائم کر دے جو مشرقی و غربی دونون مذہبون سے مل کے بنا ہو۔ اس نے
اپنی ذاتی لیاقت کی وجہ سے ایرانی شہنشاہ شاپور اول کے دربار مین
عزت حاصل کی۔ لیکن جب دیکھا کہ وہان کے کاہن اور مقتدایان ملت
زرتشتی اُس کی عداوت پر آمادہ ہین اور مذہبی امور مین دخل دہی کرنیکو
بادشاہ بھی نہین پسند کرتا۔ تو شاہی دربار کو چھوڑ کے مشرق کی طرف
چلا گیا۔ پہلے ترکستان مین گیا۔ پھر ہندوستان اور چین کی سیاحت
کی۔ یہان کے مذاہب کے اصول سے واقف ہوا۔ بودھ مذہب کی
حقیقت دریافت کی۔ ترکستان مین پہونچ کے اُس نے ایک گھاٹی مین
خلوت اختیار کر لی جہان ایک چشمہ جاری تھا۔ اور کھانے کا سامان بھی
موجود تھا۔ کامل ایک سال تک اسی مین بیٹھ کے اپنی کتاب ارژنگ تیار کی
جس کو ایک آسمانی کتاب کی شان سے لے کے باہر آیا۔ اور حضرت موسیٰ
کی طرح لوگون سے کہا مین خدا کے پاس گیا تھا۔ اور یہ احکام خداوندی
تمھارے لیے لایا ہون۔ دیگر تمام آسمانی کتابون کے خلاف اس کی
کتاب مین نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی تصویرین بنی ہوئی تھین۔ اور
جو اُس زمانے کے لحاظ سے اتنی بڑی چابکدستی کا ثبوت دیتی تھین کہ انسانی
قوت سے بالا اور بہت ہی زبردست معجزہ تصور کی گئین[عہ]۔ الغرض ایک
مدت کے بعد پیغمبر مرسل و صاحب کتاب نبی بن کے وہ ایران مین
واپس آیا۔ اور بہت سے لوگون کو اپنا معتقد بنا لیا۔ مجوسیون سے اُس سے
بڑے بڑے مناظرے ہوئے[عہ] ہرمز بن شاپور کے عہد مین وہ اپنے اس طولانی

سلہ ہمارے یہان مانی کے متعلق عجیب عجیب قصے مشہور ہین۔ غیاث اللغات مین لکھا ہے کہ مانی ایک رومی نژاد شخص تھا جس نے اپنے کمال مصوری کو اپنا معجزہ قرار دے کے دعویٰ نبوت
کیا۔ خیر یہان تک غنیمت ہے گو رومی نژاد ہونا غلط ہے مگر مولانا نظامی سکندر نامہ مین لکھتے ہین کہ مانی نے نقاشان چین کا شہرہ سن کے چین کا سفر کیا۔ چینیون کو جب
اُسکی روانگی کا حال معلوم ہوا تو اُنھون نے ایک کنوئین کی تہ مین (جو اُس کے راستہ مین پڑنے والا تھا) ایک آئینہ بنا دیا تاکہ پانی کا دھوکا ہو۔ مانی اس فریب مین
آگیا۔ کوئین مین ڈول ڈالا اور ڈول کی ٹھیس سے شیشہ ٹوٹ گیا تو اُسے بڑی ندامت ہوئی کہ چینیون کی چالاکی سے مجھے بڑا دھوکا ہو گیا۔ اس ندامت کے
مٹانے کے لئے اُس نے شیشہ کی جگہ اُس کوئین کی تہ مین ایک مرا اور سڑا ہوا کتا بنا دیا جس پر کیڑے بھی بلبلاتے نظر آتے تھے۔ مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ پھر کسی کو دھوکا نہ ہو
جب نقاشان چین سے مقابلہ ہوا تو ایک مکان مین آمنے سامنے کی دیوارون مین سے ایک مانی کو اور ایک چین کے مصورون کو دی گئی کہ اپنا اپنا کمال دکھائین
درمیان مین ایک دیوار اُٹھا دی گئی اور کہا گیا کہ جب دونون کی نقاشی ختم ہو جائے گی تو دیوار کو گرا کے باہم مقابلہ کیا جائیگا۔ چینیون نے بڑے بڑے کمالات مصوری
دکھائے مگر مانی نے اپنی دیوار کو صرف گھونٹ گھونٹ کے آئینہ بنا دیا اور جب بیچ کی دیوار گرائی گئی تو چینیون کی تصویر کا عکس مانی کی دیوار پر پڑا اور بعینہ ویسی ہی تصویرین اُدھر بھی نظر آتین
لیکن ان واقعات کی ایک کہانی سے زیادہ وقعت نہین معلوم ہوتی۔ عہ تاریخ دین عیسوی مصنفہ مل مین۔ عہ مسیحی کلب کی تاریخ مصنفہ ڈی گلن

سفر سے واپس آیا تھا۔ جس نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی اور علاقۂ بابل مین ارابیون نام ایک قلعہ اُسے رہنے کو دیا اس قلعہ سے بیٹھ کے مانی نے اپنے نئے دین کی اشاعت شروع کی اپنے بارہ حواری قرار دیئے۔ اُونکو تبلیغ شریعت مانوی پر مامور کیا۔ مگر چند ہی روز بعد متعصب مقتدایان دین زرتشتی نے نئے شہریار ایران بہرام کے دربار مین اس کی شکایت کی۔ بہرام اپنے مذہبی بزرگون کے اُبھارنے سے اس قدر برہم ہوا کہ اُس کے حکم سے سنہ ۲۹۳ ق م سنہ ۲۷۶ء کے قریب زمانہ مین مانی اپنے قلعہ سے گرفتار کر کے لایا گیا زندہ کھال کھینچ کے اُس مین بھس بھروا دیا گیا۔ اور کھال کا یہ پتلا مدت تک شہر شاپور کے پھاٹک پر لٹکا رہا۔

مانی کا مذہب اگرچہ مسیحیت کے ایک شاخ بن کے نمودار ہوا مگر اصل مین وہ دنیا کے تمام مذہبون سے مرکب تھا۔ وہ وحدت وجود کا قائل تھا تخلیق کی نسبت کچھ نئے ہی خیالات ظاہر کئے تھے۔ اصلی بنا دو خداؤن یعنی یزدان واہرمن کے ماننے پر قائم تھی۔ اسی طرح نور و ظلمت کی اصطلاح بھی کثرت سے استعمال کی گئی تھی۔ اخلاقی اصول بالکل بودھ مذہب کے اخلاقی فلسفہ سے لئے گئے تھے۔ یہودی مذہب بالکل ترک کر دیا گیا تھا اور کہنا چاہئے کہ ایران کے یزدان واہرمن چین و ہند کے اخلاقی فلسفہ کو عیسائیت کا جامہ پہنا دیا گیا تھا۔ کتاب عہد عتیق شیطانی الہام کا نمونہ بتائی گئی اور چند جعلی انجیلون کے ساتھ مانی کی تحریرین اس فرقہ کا دستور العمل تھین۔ مانی نے انجیل سے یہ فائدہ بھی اٹھایا کہ اپنے تئین موعودہ فارقلیط بتا کے اپنے خاتم الانبیا ہونے کا دعویٰ کیا۔

اس مانوی فرقہ نے عیسائی دنیا مین اس قدر ترقی کی کہ پولوس کے پیروون کے مقابلہ مین مستقل اور زوردار مذہب بن گیا۔ اور رومی کلیسا کا سب سے زیادہ قوی حریف تھا مانوی لوگ اپنی توحید پر نازان تھے۔ اور اپنے مخالف عیسائیون کو بت پرست بتاتے تھے۔ اس فرقہ نے یہان تک ترقی کی کہ رومی کلیسا کے سے پورے مذہبی نظامات اسپین بھی جاری ہوگئے۔ بارہ بڑے مذہبی عہدہ دار رسول و حواری کے نام سے۔ اُنکے نیچے ۷۲ بشپ اور پھر اُنکے ماتحت پریسٹ اور ڈیکن تھے جو سفر کرنیوالے داعی قرار دیئے گئے تھے۔ یہ فرقہ تیرھوین صدی عیسوی تک قائم رہا۔ اور اسپر روم کے عیسائی شہنشاہون اور پوپون نے بڑے بڑے ظلم کئے اور فتوحات اسلام نے بھی اُسے بڑا اضرر پہونچایا۔

(ماخوذ از دلگداز۔ اکتوبر و نومبر سنہ ۱۹۱۲ء)

قند پارسی

(از جناب شفیق صدیقی جونپوری اڈیٹر رسالہ وسیلۂ عصر جونپور)

قربان دلم بر لب شکر شکن تست | عالم متحیر بہ ادائے سخن تست
دیدیم بہر انجمنے انجمن تست | اے جلوۂ جانان ہمہ عالم وطن تست
خلد و ارم و جنت فردوس ندانم | یاد چمن تست خیال چمن تست
در چاہ بافتیم برو زنے عجبے نیست | شوریدہ دل با خیال ذقن تست

در قبر پس از مرگ شفیق این چہ جنونے
صد چاک چرا ہمچو گریبان کفن تست

عــہ تاریخ دین عیسوی مصنفۂ دل مین۔

عربی ارباب قلم

از مولوی عبدالحمید صاحب نعمانی ناظم دائرۂ ادبیہ - مالیگاؤن

مکمل تاریخ ادبیات عرب لکھدینا تو بعض وجوہ کی بنا پر سردست میرے بس کی بات نہین، لیکن اس سے متعلق ایک بسیط تحریر لکھ رہا ہون، مین نہین کہہ سکتا کہ ناظرون کے پیش نظر کرنے کا شرف مجھے کب حاصل ہوگا۔

عربی ادبیات پر کچھ لکھنے کے لیے جو کتابین میرے زیر مطالعہ تھین، ان مین ایک کتاب کا نام اشہر مشاہیر ادبا الشرق ہے، اس کتاب مین محمد کرد علی کے سلسلۂ ذکر مین موصوف کا ایک طویل مضمون بعنوان الانشار والمنشئون مندرج ہے پیش نظر تحریر در حقیقت موصوف کے اس مفصل مضمون کی ترجمانی ہے اور ترجمہ بھی۔

ادبیات عرب پر نظر ڈالتے ہوے اگر یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجائے کہ بادیہ نشین شتربانون کی محدود و مختصر زبان کیونکر اس قدر وسعت پذیر ہو گئی کہ مختلف علوم و فنون کا گہوارہ بن گئی، تو قرآن مجید و احادیث نبویہ کے نفوذ و اثر سے قطع نظر کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ اس باب مین جو کچھ حصہ ہے وہ عربی انشا پردازون کا، جنکی موثر بلاغت و فصاحت نے عربی زبان کے سر پر ایک غیر فانی تاج رکھدیا۔

عہد آغاز اسلام مین جسے بلاغت و انشا کا دور اول کہنا چاہیے، فصاحت و بلاغت کی ایاست بلا چون و چرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیر قلم تھی، محققین اس امر مین متفق ہین کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے بعد نہج البلاغۃ ہی مرتبہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے خطابات کا مجموعہ جس کی تدوین شریف رضی نے کی اور شرح ابن ابی الحدید نے،

امام ابوبکر باقلانی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے مصنفات اعجاز القرآن، اتقان اور نیز ہزارہا دوسری ادبی کتابون کا مطالعہ کرنے والون سے مخفی نہین کہ قرن اول کے اس دور مین اور بھی بہت سے انشا پرداز ہین، بقول ازقاشی عربون کے دماغ نے نظم سے زیادہ نثر کا حصہ پیدا کیا، لیکن نثر کا دسوان حصہ بھی محفوظ نرہ سکا اور نظم کا صرف دسوان حصہ ہی بچ سکا، یہ مختصر و محفوظ حصہ طباعت کی دولت سے محروم ہے اور زیادہ تر مغرب کی یونیورسٹیون اور کتب خانون مین گزشتہ خاک نشینون کی یادگار ثابت ہو رہا ہے اس دور مین اور جن ممتاز منشیون کا پتہ چلتا ہے ان مین زیاد، حجاج، قطری، عمران، وغیرہ قابل ذکر افراد ہین، اس بزم کی آخری شمع حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہین، ابن سعد نے طبقات مین اور ابن جوزی نے مناقب مین آپ کے جو خطبات اور مختصر رسائل نقل کیے ہین، وہ فصاحت و بلاغت مین آیات کبری کا مرتبہ رکھتے ہین، اور ان کے پڑھنے سے نہ صرف آپ کے انشا پردازانہ اقتدار کا پتہ چلتا ہے بلکہ آپ کی سلطنت مالی و سیاست دانی کے حالات و واقعات بھی آئینہ ہو جاتے ہین۔

قرن ثانی کی صبح طلوع ہوتی ہے اور سب سے پہلے ہم عبدالحمید بن یحیی سے ملتے ہین، موصوف اپنے وقت کے نہایت بلیغ صاحب قلم ہین، ان کا اسلوب تحریر دوسرون کیلیے نقش قدم ثابت ہوا، اس عہد کا دوسرا مقتدر اہل قلم عبداللہ ابن المقفع ہے، اس فصیح و بلیغ محرر نے جو کچھ

لکھا وہ تکلف و تصنع سے خالی' اس کی کل کتابین کلیلہ و دمنہ
کی طرح انتہائی بلاغت مین رنگی ہوتی ہین' اس شخص کی عمر نے
کچھ زیادہ وفا نہ کی' اور وہ صرف ۳۶ برس جیا۔ ورنہ اپنے
مقلدین و متبعین کا ایک کثیر التعداد گروہ چھوڑ جاتا سہل بن ہارون
بھی اسی قرن کا قادر القلم ادیب ہے' اس صاحب انشا کے قلمی
آثار اگرچہ کتابون مین بہت مختصر مذکور ہین' لیکن جو کچھ بھی ہین'
وہ اس کے اقتدار اور جامعیت پر شاہد عادل ہین' اس کی تحریر
سہل ممتنع کی خصوصیت رکھتی ہے اور مبتذل کلمات' اور حشو و زوائد
سے پاک ہوتی ہے' امام جاحظ نے صاحب قلم کی تعریف کرتے ہوئے
لکھا ہے' "انشاپردازون کے الفاظ و کلمات پیچیدہ و وحشی مبتذل
اور بازاری نہین ہوتے" سہل بن ہارون اس تعریف کا پورا پورا مستحق ہے

اسمٰعیل بن صبیح' ہارون رشید کا کاتب' عمر بن مطرف منصور و
مہدی وغیرہ خلفا کا کاتب' صالح بن جناح' کتاب الادب والمروۃ
کا مصنف' خلیفہ معتمد علی اللہ کا وزیر ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد المدبر
یہ لوگ اس عہد کے نہایت فصیح الکلام و بلیغ القلم افراد ہین' موخر الذکر کے
آثار بلاغت مین النظم الرائق والنثر الفائق۔ ادوات الکتابۃ' الرسالۃ
العذراء فی موازین البلاغۃ جیسی بہترین تصانیف پیش نظر ہین۔
رسائل البلغا جو مطبوعات جدیدہ کی ایک ممتاز کتاب ہے' اور جسمین چوٹی
کے ارباب بلاغت جمع ہین' ابو اسحٰق کا رسالۃ العذراء اسمین شایع ہو چکا ہے
یون تو اس عہد کے ادبا مین بکثرت افراد داخل فہرست ہین جیسے عبد اللہ
بن المقفع' عمارہ بن حمزہ' خالد بن یزید' جبر بن محمد' انس بن
ابی شیخ' سالم بن عبد اللہ' سعدہ' ہزہر' عبد الجبار بن عدی'
احمد بن یوسف' ابراہیم بن عباس الصولی' حسن بن وہب'
سعید بن عبد الملک' وغیرہ وغیرہ' لیکن ان مالکان قلم مین صرف
ابن المقفع' احمد بن یوسف' الصولی ہی تین اشخاص ایسے ہین جنکی
قلمی خدمات ابتک الماریون کی زینت ہین' باقی افراد کے نقوش قلم گردش
روزگار کے ہاتھون یا تو بالکل محو و برباد ہو چکے' یا اسقدر مختصر موجود
ہین کہ ان پر حکم نہین لگایا جا سکتا۔

تیسرا قرن شروع ہوتا ہے اور امام جاحظ کو پیش کرتا ہے'
یہ ممتاز اور فائق ادیب اپنے افکار و علوم کا نہایت قادر القلم محرر
تھا' جس بے تکلفی کے ساتھ مختلف موضوعون پر اس نے مخصوص
اسلوب تحریر مین اپنی ادبیت صرف کی ہے اسکی نظیر سے ماسبق کا عہد
خالی ہے' اسکی تحریر کے کلمات جتنے بار بھی دہرائیے ان کی شیرینی کم نہین
ہوتی' اسکی عبارت جتنی دفعہ بھی پڑھیے۔ معانی کی لطافت' بندش
کی چستی' ذہن مین گھستی چلی جاتی ہے' پڑھتے جائیے اور دل اعتراف
کرتا جاتا ہے کہ لکھنے والا کلمات کے برمحل استعمال پر پورا پورا قادر اور زبان
کے دقائق و اسرار کا ماہر کامل ہے' اسلئے تحریر مین جاحظ افکار مین
تبدیلی پیدا کرنے کی غرض سے کہین کہین عامی الفاظ بھی استعمال کرتا ہے'
اگر ہم ایسے ادبا کی تلاش کرین جو اپنے زور تحریر اور قدرت قلم کی بنا پر
حق کو باطل اور باطل کو حق کر دکھاتے ہون تو جاحظ سے قبل ہم کو
قریب قریب مایوس ہو جانا پڑتا ہے' یہ امام قلم ایک بات لکھتا ہے اور
اسطرح لکھتا ہے کہ قاری کا ذہن بالکل مطمئن اور قانع ہو جاتا ہے'
لیکن اس کے بعد ہی وہ بالکل برعکس لکھتا ہے' اور بہترین انداز سے
کہ پہلے کا اطمینان غائب اور قناعت کافور ہو جاتی ہے جاحظ اپنی
پوری کتاب مین اسی طرح ناظرین کے دل و دماغ کے ساتھ جادو کا کھیل
کھیلتا جاتا ہے امام موصوف کی ہر کتاب درحقیقت زمانہ کے دستبرد سے
بچا ہوا ایک محفوظ خزانہ جو عربی کتب خانون کے لیے سرمایۂ صد افتخار ہے
موصوف کی کوئی کتاب بھی کھولو تفنن اور جدت کا وہ عالم تمھارے
پیش نظر ہوگا کہ انگشت بدندان رہجاوگے' تم بچشم خود مشاہدہ
کروگے کہ کس طرح معانی اپنی لطافتون کا شکار لیے ہوئے جاحظ کی

دعوت پر لبیک کہتے ہین کس طرح الفاظ اپنی دلکشی و شیرینی سمیت موصوف کے دربار قلم مین غلامانہ اطاعت و فرمان برداری کیساتھ حاضر ہوتے ہین' ہان اس کی کتاب مین قاری کی وحشت کا بھی کچھ نہ کچھ سامان رہتاہے' اور وہ گاہ گاہ ظرافت کی چال بھی چل جاتا ہے جاحظ کا مخصوص رنگ اسکی کل کتابون مین موجود ہے' چنانچہ الحیوان' البیان والتبیین' البخلا' المحاسن والاضداد' الحاسد والمحسود وغیرہ مصنفات کا مطالعہ کرنیوالا اس امر کا صریحی اعتراف کر سکتاہے' موصوف کی ضخیم کتابون سے قطع نظر کرلینے کے بعد اُن کے مختصر مختصر رسائل بھی جو مطبوع ہوچکے ہین یہ شان رکھتے ہین کہ ان کے ایک ایک ورق کو کسی مستقل تصنیف کا ہم رتبہ قرار دیا جائے' ابو حیان لکھتا ہے کہ متقدمین اور متاخرین مین سے صرف تین آدمیون کو مین منتخب کرتا ہون' ابو عثمان الجاحظ' ابو حنیفہ الدینوری مصنف "الاخبار الطوال" ابو زید احمد بن سہل البلخی' یہ وہ افراد ہین کہ کہ ان کے فضل و کمال' علوم و فنون' مصنفات و رسائل کی داد پورا عالم دے چکا ہے' اس قسم کے عجیب انداز مین ابو حیان ان تینون کی تعریف و توصیف کرتا ہے

متقدمین کے علوم و فنون کے تراجم کا آغاز قرن اول کے وسط مین خالد بن یزید اموی کے زیر التفات ہوا اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زیر عنایت و اہتمام آخر صدی تک ہوتا رہا - اس عہد کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے منصور عباسی کے دور مین اس شعبہ کی طرف کافی توجہ مبذول ہوگئی' اور پھر مامون کے عہد مین تو توجہ کی کوئی حد نہ رہی' اب کیا تھا مختلف علوم و فنون نے عربی مین ایک نئی روح پھونک دی' اور اس کا دامن یونانی' سریانی' فارسی' ہندی وغیرہ متعدد زبانون کے تراجم سے مالا مال ہوگیا' طرز تحریر کی رنگا رنگی' اسلوب کے تنوع' اور افکار و خیالات کی جدت و ندرت کے اعتبار سے عربی زبان کو وہ دن دیکھنے نصیب ہوے جو اس سے قبل کبھی نصیب نہ ہوئے تھے' متعدد اجنبی اقوام کا یہ پہلا اثر تھا جس سے عربی زبان متاثر ہوئی اور اسقدر ہوئی کہ شعر و سخن' اخلاق و محاسن کی حد سے ترقی کرکے علوم و فنون کی زبان بنگئی' درحقیقت مامون کا مبارک عہد علم و ادب اور عربی تمدن کی کل تمہیدات کا زرین عہد ہے - عہد مامون کا اولین بلیغ اہل قلم **احمد بن یوسف** ہے' موصوف کے آثار قلم کا پتہ **صولی** کی کتاب الاوراق (قلمی) اور **ابن طیفور** کی کتاب کتاب بغداد (مطبوعہ) نیز تراجم المطولۃ مین چلتا ہے' احمد کی تعریف کے لیے صرف اسی قدر کہدینا کافی ہے کہ خلیفہ مامون الرشید جیسے فرزانہ حاکم نے اسکے ہنر قلم کا لوہا مان لیا اور اپنی طرف سے قلمدان وزارت پیش کردیا' اس عہد کے مقبول قلم افراد کی تعداد بہت زیادہ ہین بعضون کے نام یہ ہین -

عمر بن مسعدہ (وزیر مامون) **ابو الفتح البستی'** **ابن علی الدامغانی'** مامون الرشید نے بلاغت کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے "طوالت سے دوری اور معانی مقصودہ سے تقرب' کم الفاظ مین بہت سے معانی کا ادا کردینا" عمر بن مسعدہ کی ادبیت و انشا پر مامون کی یہ تعریف پوری پوری صادق آتی ہے

اس عہد کی مقبول کتابین حسب ذیل ہین -

(۱) الامامۃ والسیاسۃ' (۲) کتاب العرب' (۳) الاشربہ' (۴) کتاب المعارف' (۵) عیون الاخبار' (۶) ادب الکاتب' یہ کتابین **ابن قتیبہ** کی تصانیف ہین' جو اپنی علمیت' انشا پردازی اور زور قلم کی ہمہ گیری مین امام جاحظ کا ثانی ہے -

(۷) ادب الکاتب کی شرح' مصنفہ ابن السید البطلیوسی

(۸) التنبیہ علی اوہام ابی علی فی امالیہ مصنفہ ابو عبید بکری

جس کے نزد قلم کا نتیجہ کتاب معجم ما استعجم ہے،

قرن رابع کے ادبا میں پہلا نمبر احمد بن یوسف معروف بابن الدایہ کا ہے جو بغدادی الاصل ہے - اور جسکے والد مصر سے بغداد آئے تھے، یہ زبردست ادیب حکومت طولونیہ کا محرر تھا، اسکے آثار قلم میں حسن العقبیٰ، اور کتاب المکافاۃ ہے جو بلاغت و انشا کے نمونے ہیں، دوسرے اہل قلم افراد حسب ذیل ہیں،

۲ - ابوبکر صولی، ان کے نتائج قلم کتاب الادراق، ادب الکاتب کے صفحات میں موجود ہیں،

۳ - احمد بن عبد ربہ مشہور کتاب عقد الفرید کے مصنف،

۴ - جعفر بن قدامہ بن زیاد الکاتب

۵ - ابوالفضل بن العمید (بنو بویہ کا وزیر) ابوالفضل کے والد حکومت سامانیہ کے محرر تھے، ابوالفضل سجع و بدیع کی صنعت اکثر انواع کا ناشر ہے، کہا جاتا ہے کہ رسائل کی انشا عبدالحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر جاکر ختم ہوگئی، جس طرح شعر گوئی کا آغاز امرؤ القیس سے ہوا اور اختتام ابو فراس حمدانی پر، ابن عباد ابن العمید کے متعلق رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے اد بائے عصر چار ہیں - استاذ الرئیس (ابن العمید) ابوالقاسم (عبدالعزیز بن یوسف) ابواسحٰق (صابی) اور چوتھا خود سمجھ لو یعنی مجھکو -

غزل

از حضرت فرخ بنارسی

دل مائل فنا ہے تو کیا پیش و پس مجھے	اک تار عنکبوت ہے تار نفس مجھے
ہونے دے کچھ تو فقر کی دولت سے مستفید	اپنی طرف نہ کھینچ بہت اے ہوس مجھے
سرمایۂ حیات جو اس زندگی کے تھے	گنتی کے چند گزرے ہیں ایسے نفس مجھے
طے ہو چکے ہیں منزل ہستی کے مرحلے	اب کیا پکارتی ہے صدائے جرس مجھے
نقش و نگار عیش ہیں غم کی لغانیاں	پھولوں کی آرزو نے دکھایا قفس مجھے
ٹھہرے گا راہ میں نہ مرا کاروان شوق	ذوق فنا میں دل کی تپش ہے جرس مجھے
گو آرزو نے خاک میں مجھکو ملا دیا	اک ترک آرزو کی ہے پھر بھی ہوس مجھے
ہوتی ہے زندگی بھی مصیبت کی کیا طویل	ایک ایک روز ہو گیا اک اک برس مجھے
صیاد بدگمان نہ ہو مجھ ناتوان سے اب	ہے موت و زندگی کا سہارا قفس مجھے
کب تک رہیگا منزل غفلت میں گام زن	آگاہ کر رہی ہے صدائے نفس مجھے

فرخ اجل کے ہاتھ ہے اب شرم بےکسی
آنے لگا ہے حال پر اپنے ترس مجھے

فلسفۂ مذہب

(از جناب محمود علیخان صاحب عرف آغا علیخان صاحب متخلص بہ محمود اسٹنٹ مجسٹریٹ ہوشنگ آباد)

فلسفہ و سائنس کو سطحی نظر سے دیکھنے والون کے نزدیک اب مذہب ایک ایسے درجے پر پہونچ گیا ہے جسکی طرف سے محض منقولات کی اشاعت بالکل ایک بے حقیقت چیز ہو گئی ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ چونکہ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک کثیر حصہ معقولات کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہے اسلیئے اسکی ضرورت ہے کہ عقلی دلائل سے مذہب کی ضرورت اور حقیقت انکے پیش نظر کی جائے تاکہ انکے دل مین حقیقی وقعت و عزت مذہب کی ہو اور اُسکی پابندی کو اپنے لیئے وہ مفید سمجھین مین اس مضمون مین مذہب کی ابتدائی کیفیت جو دنیا کے سامنے رونما ہوئی اور اُسکے تدریجی مدارج - اور یہ بات بھی کہ دنیا کی مختلف قومون نے مختلف اوقات مین اسکا اثر کسطرح پر قبول کیا ہے اسکے بعد مین پھر نفس مضمون کو جو میرے اس تحریر کا مقصد ہے ناظرین کے پیش نظر کرنے کی سعی کرونگا گو یہ مضمون عرف عام مین کسی حد تک خشک ہے اور ممکن ہے طویل بھی ہو جائے - مگر مین اسبات کی کوشش کرونگا کہ ایسی سلیس اور ہموار اُردو مین ہو جو ناظرین کے دماغ پر گرانی نہ پیدا کر سکے - مگر ہان قبل اسکے کہ مین اصل مضمون کو شروع کرون چند باتون کو بطور تمہید اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہون۔

جو شخص جس ماحول مین زندگی بسر کرتا ہے اور جس رنگ کے آئینۂ حیات اسکے پیش نظر رہتے ہین انھین رنگ مین اسکے دل و دماغ رنگ جانا لازمی اور یقینی ہے اور مین اسبات کا قائل نہین ہون کہ محض فلسفہ و سائنس کی تعلیم کے جراثیم نے مذہب کی بنیادون کو کھوکھلا کر دیا ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مذہبی خوبیون کی بیگانگی اور مادی چیزون کی چمک دمک اور اسکی دلفریبیان طبیعت کے بہاؤ کو مذہب کے مخالف کر دیتے ہین ورنہ فلسفہ و سائنس چونکہ خود ذریعہ انکشاف اسرار الٰہی ہین اسلیئے فلسفہ انکی حقیقی تعلیم خود مذہب کی معاون ہے اسکے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ مذہب کو سطحی نظر سے دیکھنے والون نے اس طبقہ کے دلون مین یہ بات جاگزین کر دی ہے کہ مذہب مین ریاضت جسمانی اسقدر زیادہ اور اسقدر تکلیف دہ ہے کہ جس سے انبساط حیات کا جوش سرد پڑ جاتا ہے جسنے مذہب اور تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان ایک دیوار بطور حد فاصل قائم کر دی ہے بعض طبیعتین ایسی بھی ہین جو مذہب کی خوبیون کا محض وہ رخ دیکھتی ہین جو آخرت کی طرف ہوتا ہے اور اس رُخ کی طرف نظر نہین کرتین جس سے دنیاوی زندگی پر مفید اثر پڑا کرتا ہے - مین دعوے کے ساتھ کہتا ہون کہ اگر وسیع النظری سے مذہب کے اس رُخ کو بھی دیکھا جائے جس کا مین نے آخر مین ذکر کیا ہے تو لا مذہبی اور دہریت کا اثر دنیا سے بہت کم ہو جائے - کیونکہ مذہب سے انسانی زندگی کو وہ فائدے پہونچا کرتے ہیں جو دنیا کی کسی اور قوت سے نہین پہونچ سکتے کیونکہ مذہب کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کو اس قسم کا نقصان نہ پہونچائے جسکی وجہ سے تصادم فی الحیات کا خطرہ دنیا مین بڑھ جائے اور تمام انسانی آبادی متحد و متفق ہو کر منازل حیات کو سکون و مسرت کے ساتھ طے کرتی رہے اور ہر انسان اُن بیش بہا نعمتون اور برکتون سے جو اسکے خالق نے اسکو عطا فرمائی ہین اپنے حسب استطاعت مستفید ہوتا رہے اور امن و اطمینان قلب ایسی نعمتین جو بے شمار نعمتون اور برکتون کا مجموعہ ہین انسان کو حاصل ہوتی رہین اور بالخصوص روح کی وہ وجدانی مسرت حاصل

ہوجائے جو سوائے مذہب کے دنیا کی اور کوئی شے اسکو نہین دے سکتی۔
یہ ضرور ہے کہ مذہبی تعصب اور فضول مذہبی
مراسم اور اوہام پرستون کی مضرتون نے البتہ انسان کو بہت
نقصانات پہونچائے ہین جنکی وجہ سے دنیا کو صدہا انقلابات
کے دور سے گزرنا پڑا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اسکا مضر اثر انسان
کی حیات پر ایسا پڑتا ہے کہ جس سے رفتہ رفتہ آخر کل شعبہ زندگی
مسموم ہوجاتا ہے سب سے زیادہ تو تعجب اسبات پر ہے کہ ایک
واجب الوجود کے ماننے والون مین اسقدر اختلاف پیدا ہوگیا
ہے جو کسی طرح سے مٹائے نہین مٹتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جسوقت ملحد
اور دہریے عقائد مین اسقدر بے آہنگی اور شریعت مین اسقدر
اختلافات دیکھتے ہین تو مذہب سے متنفر ہوکر اسپر طعنہ زنی کرنے لگتے
ہین۔ مگر اسکے یہ معنی نہین ہین کہ یہ برائیان خود مذہب کی پیدا
کی ہوئی ہین۔ مسٹر میکسمولر نے مذہب کی تعریف یہ کی ہے کہ
(مذہب وہ دماغی قابلیت ہے جو بغیر حواس اور عقل کی امداد
کے انسان کو اس لامحدود و لامتناہی ذات کو مختلف نامون اور
مختلف حیثیتون مین سمجھنے کے قابل بنا دیتا ہے جسکے سمجھنے کا انسان
متلاشی رہا کرتا ہے اور جبتک دماغ مین یہ قابلیت نہین ہوتی ہے
اسوقت انسان مذہب کو نہین سمجھ سکتا) مسٹر ہربرٹ اسپنسر نے
مذہب کی یہ تعریف کی ہے (مذہب کی بنیاد اس قوت پر ہے جسکی
تلاش غیر ممکن ہے مگر کائنات اسکی تلاش کی تائید کرتی ہے)۔
ان حضرات نے اور مثل انکے اور حضرات نے مذہب کے اس
رخ کو دیکھا ہے جو محض اصولی ہین دوسرا رخ مذہب کا جو عملی ہے
اسطرف یا تو توجہ نہین کی یا اسکو ضروری نہین سمجھا۔ انکے علاوہ
بعض حکماء نے مذہب کو محض شوق تجسس بنایا ہے جو انسان کے
دماغ مین فطرۃً پایا جاتا ہے۔ گو کہ بعد مین مسٹر میکسمولر نے جبکہ ان پر
اعتراضات کیئے گئے تو اپنی رائے مین یہ ترمیم کی کہ (مذہب ایک
ادراک یا تصور ہے جو ایسے مظاہر کے باعث پیدا ہوتا ہے جسمین
انسان کے اخلاقی سیرت کے متاثر کرنے کی قابلیت ہوتی ہے)۔
یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسانی فطرت مین یہ بات
خصوصیت سے پائی جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ ان اسرار کے سمجھنے کی
کوشش کیا کرتا ہے جنکو وہ بادی النظر مین سمجھ نہین سکتا یہی وجہ
ہے کہ علت العلل کے سمجھنے کی کوشش ہمیشہ ہر ذی فہم اور تعلیم یافتہ
شخص کرتا رہا ہے اور اب بھی لاکھون ہستیان اسکے معلوم کرنے مین
سرگردان ہین۔ مگر یہ بات ہمیشہ ذہن نشین کر رکھنا چاہیئے کہ روح
یا علت العلل کے سمجھنے کے لیئے محض عقل کی امداد کافی نہین ہے
بلکہ عبادت اور نفس کی پاکیزگی کے جواہر کی اعانت لازمی اور ضروری ہے
اور جسوقت عقل کی امداد سے عبادت اور پاکیزگی
نفس کے مدارج طے ہوجاتے ہین تب انسان کی ادراک ایسے مقام
پر پہونچ جاتی ہے جہان سے وہ علت العلل کے سمجھنے کے ساتھ ساتھ
دنیاوی زندگی کے ہر قسم کی اصلی حقیقت کو بخوبی سمجھ لیتا ہے شلایر ماخر
نے مذہب کی یہ تعریف کی ہے کہ (مذہب اس غیر محدود طاقت کا
خیال ہے جسکی کوئی حد نہین) میری رائے مین اگر بجائے لفظ خیال
کے لفظ (پرستش) استعمال کیا جاتا تو کسی حد تک یہ خیال صحیح ہے
کہ ابتدائے آفرینش عالم سے ہمیشہ مشرق مذہب اور روحانیت کا
گہوارہ رہا ہے اور حسن عقیدگی اور نیک نیتی و سچائی سے روحانیت کی
پرورش مشرق کے آغوش مین ہوئی ہے اسکی مثال مغرب کی سرزمین
مین مشکل سے ملیگی یا ایک زمانہ وہ تھا کہ مذہب ایک پھول کی شکل
مین ذہن اور عمل انسانی کے سامنے تھا اسکے بعد جب تجربات و تعلیم کی
روشنی نے ذہن انسانی کو منور کرنا شروع کیا تو مغرب نے مادیات
کے چشمون کے تیز دھارے کا مقابلہ نہ کرکے اپنے کو اسکے رحم پر چھوڑ دیا

اور بالآخر انکو اس بہاؤ نے ایک ایسے مقام پر پہونچا دیا جہان دنیا کی دلفریبیان اپنی پوری قوت کے ساتھ کام کر رہی تھین۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اُن دلفریبیون کی چمک دمک نے اُن کو ایسا محو حیرت بنا یا کہ پاکیزگی نفس اور عبادت کی محنت اسکے واسطے ایسی بارگران ہونے لگی کہ بالآخر اُنھون نے اپنے کندھون سے اس بوجھ کو اُتار کر نیچے ڈالدیا جسکی وجہ سے وہ مذاہب کے ہر شعبہ کو محض ظاہری حواس کی آنکھ سے دیکھنے لگے اور یہ ظاہر ہے کہ مذہب یا روحانیت ایسی چیز نہین ہے جو محض ظاہری حواس کی آنکھ سے دیکھکر عقل کی کسوٹی پر کسی جائے جبتک کہ اس آنکھ مین وہ جوہر بصارت نہ پیدا ہوا ہو جو پاکیزگی نفس سے پیدا ہوا کرتا ہے۔

اور اس طرف مشرق نے مادیات کے سیلاب کا مقابلہ کیا اور اسنے اپنی زندگی کا ماحصل روحانیت کی تحقیق کو قرار دیا اور اس کاوش اور محنت بلکہ بعض اوقات اپنی خونریزی سے اُنکو ایسا ذائقہ ملنے لگا جسکی مثال کسی مادی اشیا مین نہ مل سکی یہی وجہ ہے کہ حکمائے مغرب کی نظر کے سامنے ہمیشہ گرد آلود فضا ہی نظر آتی رہی۔

ہان اس طرف کچھ زمانہ سے اکثر مشرقی تصانیف کے ترجمون نے روحانیت کے ذوق تحقیق کو مغرب کے ایک کثیر طبقہ کے دل مین اُبھار دیا ہے اور وہ اب بیچین نظر آتا ہے۔ یہان پر ایک واقعہ کا لکھنا خالی از منفعت نہ ہوگا جو حقیقت مین اس سلسلے کی ایک کڑی کا درجہ رکھتا ہے۔ آنریبل مسٹر جسٹس مولانا سید کرامت حسین صاحب سے جو حضرات واقف ہین وہ جانتے ہین کہ وہ کس علم و فضل کے بزرگ تھے۔

مولانا موصوف سے اور مجھ سے اکثر مذہب اور روحانیت کی بحث رہا کرتی تھی۔ جو لوگ انکے جاننے والے ہین یہ جانتے ہین کہ فلسفہ جاننے مین اُنکا کوئی مثل ہندوستان مین نہین تھا۔ اخلاقیات کی تکمیل کی یہ حد تھی کہ تمام عمر کبھی کسی موقع پر جھوٹ نہین بولے۔ ایفاء عہد کی یہ حالت تھی کہ اگر بلاقصد اور بغیر سوچے سمجھے ہوئے بھی کسی سے کوئی وعدہ کرلیا تو خواہ کتنا ہی کثیر نقصان انکو برداشت کرنا پڑا یا کتنی ہی ایذا اُنکو اُٹھانی پڑی ہے مگر اسکو پورا کیا ہے۔ آخر زمانہ حیات مین جناب مولانا یونیورسٹی کے جلسے مین الہ آباد تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جسوقت ایک خطرناک علالت کا سخت دھکا انکی صحت کو پہونچ چکا تھا۔ مین نے جب انکے چہرے پر آثار ضعف و نقاہت دیکھے تو وہ چونکہ ہمیشہ صاف اور سچ باتون کو پسند کیا کرتے تھے اور مین انکی خدمت مین گستاخ بھی تھا۔ اسلئے مین نے یہ عرض کیا کہ مولانا آپ کے خاندان کے بزرگون کی عمرین ساٹھ سال کے قریب ہوا کرتی ہین اور آپ کی کمزوری صحت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ کا دور حیات قریب ختم ہونے کے ہے اسلئے اب آپ کو اپنے عقائد صحیح اور استوار کرلینا چاہئے۔ فرمانے لگے کہ صاحب مین خود اسکو محسوس کر رہا ہون کہ میری قوت حیات اب کمزور ہوتی جا رہی ہین۔ مگر کیا کرون اپنی طبیعت سے مجبور ہون جبتک کسی بات کا میرے دل کو اطمینان نہ ہو کیونکر اپنا اطمینان کرلون مین نے یہ عرض کیا کہ چونکہ بعض اوقات کثرت افکار کی وجہ سے یا محض معمولی بات سمجھکر ذی فہم انسان تک ان مسائل کی طرف متوجہ نہین ہوتے جو حقیقت مین انکی زندگی کے اہم ترین مسائل ہوا کرتے ہین اسلئے مجھے اسبات کے عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ آپ نے جو اس دفعہ لکھنؤ سے الہ آباد کا سفر کیا ہے تو یہ سفر ذرا خیال کیجئے بہت آرام کا تھا اور اس مختصر دوران سفر مین آپ کو کسی چیز کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مین اپنے عزیز دوست یعنی مسٹر محمد اسحاق خانصاحب بیرسٹر کے

بنگلہ پر جاکر قیام کرونگا جہان سامان راحت کی ہر چیز موجود ہوگی پھر بھی آپ وہ چیزین جو ضروریات سفر کے واسطے ضروری ہین اپنے ساتھ لائے تھے اور اسپر بھی آپ نے یہ احتیاط کی ہے کہ جو اندازہ آپنے اپنے سفر کے خرچ کا کیا تھا اس سے بہت زیادہ روپیہ اپنے ساتھ لائے ہین۔ حالانکہ آپ جسقدر روپیہ چاہتے ہر جگہ پر اپنے ملنے والون سے لے سکتے تھے نہ کہ ایک ایسا اہم سفر جسپر آپ کا جانا ناگزیر ہے جس کا منزل مقصود بھی آپ کو معلوم نہین ہے اور اسکے مکمل سامان سفر کی طرف سے ابتک آپ بیفکر ہین۔ میرے اس کہنے سے انکے چہرے پر ایک خاص کیفیت احساس کی پیدا ہوگئی اور وہ خاموش ہوگئے اور تھوڑی دیر تک سوچتے رہے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسوقت وہ انتہائی غور و فکر کی حالت مین ہین اسکے بعد مجھ سے یہ فرمایا کہ آپ کا فرمانا بالکل صحیح ہے اور مین اسکی کوشش کرونگا۔ اسکے کچھ دن بعد جب مین لکھنؤ مین انکی خدمت مین حاضر ہوا تو وہ خود مجھ سے مسرت کے لہجے مین فرمانے لگے کہ خانصاحب اب مجھے ایک ایسی نعمت مل گئی ہے جسنے میرے تمام منتشر خیالات کو یکجا کر کے مجھے مطمئن کردیا ہے مین نے عرض کیا کہ وہ کون شے ہے جواب دیا کہ اسی بیسوین صدی مین ایک فرانسیسی محقق نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جسکا ترجمہ انگریزی مین بھی ہوگیا ہے اسمین اُسنے وجود روح کے ایسے دلائل لکھے ہین اور اُن دلائل کی جو وجود روح کے خلاف ہین ایسی معقول اور مضبوط تردید کی ہے جسکا جواب اب میری رائے مین ہونا غیر ممکن ہے اسکے بعد یہ فرمایا کہ میرا قصد ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ مین اردو مین کردون کیونکہ یہ ترجمہ غیر انگریزی دان طبقہ کے واسطے ایک آیۂ رحمت سے کم نہ ہوگا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ یہ جانتے ہین کہ مین نے اپنی عمر کا تمام سرمایہ مسلم گرلس اسکول کو دیدیا ہے۔ اسلیئے اگر آپ اسکا وعدہ فرمائین کہ مین اس ترجمہ کو چھپوا دونگا تو مین اسکا ترجمہ شروع کردون

مین نے عرض کیا کہ آپ جس شخص کو حکم دیدینگے وہ چھپوا دیگا۔ جناب موصوف نے اس کتاب کا پتہ مجھے لکھکر دیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ پرچہ مجھ سے ضائع ہوگیا ہے اور موت نے انھین بھی اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس کتاب کا ترجمہ کرسکتے۔

گو انسے بہتر اس کتاب کا ترجمہ کرنے والا مشکل سے ملیگا مگر پھر بھی خدا کے فضل سے ہندوستان مین ایسی ہستیان موجود ہین جو کسی حد تک اچھا اور صحیح ترجمہ اس کتاب کا کرسکینگی۔ اسلیئے جناب مولانا کے ان تمام احباب سے جو آخر عمر مین انکے پاس تشریف لیجایا کرتے تھے میری یہ التجا ہے کہ جن صاحب کو اس کتاب کا پتہ معلوم ہو از راہ کرم مجھے لکھکر بھیجدین تاکہ مین مولانا کی اس دلی تمنا کو جو ایک سرمایۂ رحمت بھی ہے پورا کرنے کی سعی کرون۔

بہرکیف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ بھی اب روحانیت کا قائل ہوتا جارہا ہے اور یقین ہے کہ فلسفہ و سائنس سے جسقدر اسرار الٰہی کا انکشاف ہوتا جائیگا اسی قدر اسکو مذہب اور روحانیت کی ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگیگی اور وہ زمانہ دور نہین ہے جب مذہب جو محض قوم کی شیرازہ بندی کے کام آرہا ہے حقیقی صورت مین ہماری آنکھون کے سامنے جلوہ گر نظر آئے

مذہب کی ابتدا

اس تفصیل مین ہمکو جانے کی ضرورت نہین ہے کہ انسان نے سب سے پہلے اپنی زندگی کے دیو کو راضی کرنے کے واسطے جانورون کے شکار سے شکم پری کرنا شروع کیا ہے اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیئے اسنے پہلے پتھر کے آلات استعمال کیے اسکے بعد فلزات کے اسلحہ سے کام لینے لگا اور اسنے آگ کس طرح دریافت کی اور اپنی بیکسی کی زندگی سے کسی حد تک نجات حاصل کرکے کس طرح اور کب اپنی آپ مدد کرنے کے قابل ہوا۔ کیونکہ یہ مسئلہ بجائے خود ایک

بہت بڑے مضمون کا محتاج ہے۔ اور اس مضمون سے ایک علیحدہ چیز ہے ہمکو صرف دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے دماغ مین مذہب کا خیال پہلے کس طرح پیدا ہوا اور اسکا احساس کیون اور کسطرح پر ہوا۔

یہ خیال صحیح نہین ہے کہ (مذہب کا خیال انسان کی فطرت مین ودیعت کیا گیا ہے) تاریخ عالم پر غائر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور اسکی تصدیق بھی موجودہ مختلف وحشی اقوام کے طرز زندگی سے ہوتی ہے کہ حسب ذیل چیزون کی پرستش کی ابتدا انسان نے دنیا مین کی۔

(۱) موجودات عالم کی بعض چھوٹی اور بڑی چیزین۔

(۲) بزرگون کی روحین۔

(۳) اور دوسری روحین۔

(۴) ایک اعلیٰ طاقت یا اعلیٰ ہستی۔

واقعہ یہ ہے کہ جسوقت انسان نے عالم کے ہر کائنات مین ایک ہی اصول اور ایک ہی قاعدے کو دیکھا اور اسنے یہ معلوم کیا کہ لاکھون اشیائے عالم کے درمیان مین جو بظاہر ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتے ہین ایک ایسا نظام اور سلسلہ پایا جاتا ہے جو سب ایک ہی زنجیر کی کڑیان معلوم ہوتی ہین تب اسکو لامحالہ علت العلل کے وجود کو خواہ وہ کسی حیثیت سے ہو تسلیم کرنا پڑا اور بالآخر اسکی تعظیم و تکریم اسپر فرض ہوگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی نے ہر قسم کے مالی نذرانون سے اور کسی نے جان کی قربانیون کے ذریعہ سے اور کسی نے جسمانی ریاضت کے ذریعہ سے اپنے معبود کی تعظیم و تکریم کرنا ضروری سمجھا مجھے اس رائے سے اختلاف ہے (کہ مذہب اعلیٰ طاقتون کی پرستش ہے جو ضرورت کے خیال سے کی جاتی ہے)۔ اسمین شک نہین کہ ابتدائے عالم مین وحشی انسانون کا ضرور یہ عقیدہ تھا۔ مگر اس زمانہ مین اس قول سے نہ محض مذہب کی توہین ہوتی ہے بلکہ بنی نوع انسان کی بھی صریح تذلیل مقصود ہے۔

یہ ضرور ہے کہ انسان کی فطرت مین خود غرضی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور اس وجہ سے مذہب کی ابتدائی حالت مین بعض انسانون نے اپنا معبود ایسی قوتون کو سمجھنا شروع کیا جسکو وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہمکو نفع یا نقصان پہونچا سکتے ہین اور وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ جن چیزون کو ہم مہیا نہین کر سکتے یا جن چیزون تک ہماری دسترس نہین ہے وہ ہمکو ہمارا معبود عطا کریگا۔ یا جب وہ کسی خطرے مین گھر جاتے تھے۔ تب اسوقت وہ سمجھتے تھے کہ اس خطرے سے ہمکو نجات وہی قوت دلا سکتی ہے جو ہماری جسمانی قوتون سے زیادہ ہے۔ مگر اب دنیا میں مذہب کی یہ تعریف کرنا کہ (مذہب اعلیٰ طاقتون کی پرستش ہے جو ضرورت کے خیال سے کی جاتی ہے) بالکل غلط بلکہ مضحکہ انگیز ہے۔ یہ خیال حقیقت مین اُن سیاسی مدبرین کے پوجاریون کا ہے جو عالم کی لغو اشیاء اور مادی قوتون کو اپنا رہبر حیات سمجھے ہوئے ہین۔ (باقی آئندہ)

حسیات

دل مین مرے مہمان ترا پیکانِ نظر ہو — آباد یون ہی کاش یہ اُجڑا ہوا گھر ہو
سو بار ہو قربان قفس ذوقِ اسیری — برباد نہ لیکن مرے صیاد کا گھر ہو
ہے آج تو اک حالتِ مضطر سی نمایان — کل دیکھیے کیا صورتِ بیمارِ نظر ہو

ہان ضبط کرلے گریۂ ناکام تمنا — رسوا نہ زمانے مین کہین دیدۂ تر ہو
دل مین ہے ڈر فراوانیِ ارمان کی کشاکش — کیا باعثِ لذت کہین مرے نالون کا اثر ہو
ہو جائے نہ رسوا وہ ستمگر سرِ محفل — اتنا تو تجھے پاسِ ادب دیدۂ تر ہو

(عائشہ سلطان کانپوری)

وضعِ اصطلاحاتِ علمیہ

(از جناب مولوی محمد ابو البقار صاحب۔ انٹرمیڈیٹ کالج مہانبی)

اُردو کی ہمہ گیری۔ انسانی تہذیب و تمدن کا دورِ اولین ابتک بابل نینوا۔ کی جانب منسوب کیاجاتا تھا جنکی تودہ خاک میڈیا کی سلطنت اور یونانان ایران کی شہنشاہی قائم ہوئی۔ دوسری جانب فراعنہ مصر اور یاربِ کی حکومتین قائم ہوئین۔ فنیقیا کے لوگ ماہی گیر تھے اور ادنیٰ درجہ کی تجارت مین لگے ہوئے تھے۔ کتابون کی ورق گردانی کرنیوالے نہین بلکہ کھنڈرات مین ریزے ریزے پر نگاہ ڈالنے والے اور انھین کھودکر مٹی سے بوسیدہ ہڈیون کو جلانے والے اب یہ پتہ دیتے ہین۔ کہ بابل و نینوا سے بھی پیشتر ایلام اور عقاد کی ریاستین تھین آشوری زبان اپنا ایک علیٰحدہ پرچم پھیلائے ہوئے تھی لیکن اسقدر ماقبل تاریخی زمانے پر غور کرنے سے مسائلِ زبان کے سلجھنے مین گتھیان پڑتی جائینگی۔ اسلئے ہمکو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسلون کی عام تقسیم جسطرح سے کی گئی ہے اُسی لحاظ سے زبان کو لیا جائے۔ دنیا مین تین نسلین ہین کہ جو ایک امتیاز خاص رکھتی ہین یعنے اریائی یا ایرین۔ تورانی یا تورینین سامی یا سیمیا طیقی جسے انگریزی مین سیمیٹک کہتے ہین۔ ایرانی زبان کی تحت مین سنسکرت فارسی۔ فرانسیسی۔ لاطینی۔ یونانی قدیم زبانین ہین جنکی تبدیل شدہ صورت مین اب فرانسیسی۔ انگریزی جرمنی۔ برج بھاشا بنگالی وغیرہ ہین۔ تورانی یا تورینین کی تحت مین چینی۔ تاتاری منگولی اور تبتی زبانین آتی ہین۔ سامی یا سیمیا طیقی کی اولاد ہین اسیطرح سے عربی حبشی۔ عبرانی نبطی۔ تدمری۔ آرامی کلدانی سریانی وغیرہ وغیرہ ہین نسلون اور قومون کے وصل امتزاج سے نئی قومین اور نئی زبانین پیدا ہوئی ہین اور اسطرح مرور دہر کے ساتھ مختلف زبانین شہود پذیر ہوتی ہین۔ آریہ دست کی الہامی زبان سنسکرت ہی یہودیون کی مقدس زبان عبرانی رومۃ الکبریٰ کی لاطینی مجوسیت یا فارس کی ژندی فراعنۂ مصر کی زبانین قبطی ہین۔ بابل نینوا شام اور فنیشیا کی زبانین سریانی کلدانی آشوری فینیقی ہین مگر جسطرح سے موسم اور فصول متبدل ہوتے ہین اسیطرح زمانے کے حالات متغیر ہوتے رہتے ہین ایک زبان ایک وقت تک اپنا دور دورا دکھاتی ہے۔ اور اُسکے بعد جو اولاد شہود پذیر ہوتی ہے وہ اپنے خد وخال مین اپنے اسلاف سے بالکل ہی میل نہین کھاتی۔ دری۔ پہلوی کی جگہ پر اُسی مرز بوم مین اب فارسی جلیبیہ سننے مین آتی ہے۔ لیکن وہ اسقدر اس سے مختلف ہو کہ ایک دوسری چیز معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح سرزمین ہند مین ایک زمانہ تھا کہ سنسکرت براج رہی تھی۔ شاکیامنی گوتم بدھ کی تعلیمات نے ایک مدت کے لئے سنسکرت کو اُسکی جگہ سے ہٹادیا اور پالی نے بجائے اُسکے قبضہ جمایا شنکراچارج نے بدھ مت کو ہمیشہ کے لئے جلاوطن کردیا اور اسطرح برج بھاشا نے پالی اور سنسکرت کے ممزوج ہونے سے جنم لیا۔ مسلمانون کے مختلف اکناف سے پیاپے حملہ کرنے اور جاگزین ہونے کے باعث ایک نئی صورت پیدا ہوئی۔ سب سے عجیب و غریب بات یہ تھی کہ شاہی محلات کی زبان کچھ اور ہی تھی۔ عام خلقت کی بولی اُس سے بالکل جدا تھی لیکن لشکرگاہ یعنی اُردو مین جو چیز بولی جاتی تھی وہ ان سبھون کی آمیزش کا ایک معجون مرکب تھی۔ اسطرح ہمکو یہ امر پیش نگاہ ہوتا ہے کہ جو نئی زبان پیدا ہوئی اُسنے ایک طرف تو سامی یا سیمیا طیقی کو اپنے سر چڑھایا۔ ایرانی یا ایرین زبانون کے کلیجے سے جالگی اور تورانی زبانون کے دامن کو بھی اسنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ توضیح اس کنایہ کی یون ہے کہ آئین اصل مادہ زبان تو ایرانی الاصل ہے اور غلبہ عربی الاصل الفاظ و سائر

قصص تاریخ و روایات مذہبی کا ہے جسکے ساتھ ساتھ ترکی رسم و رواج طرز بود و باش اور آئین و قوانین کے حالات بھی پائے جاتے ہین اس طرح دنیا کی جتنی آوازین ہین اُن سب کی سمائی اُردو مین ہے مثل ایرانی اصل زبان کی بعض شاخون کے ایسا نہین ہے کہ ث۔ ذ ز۔ وغیرہ کی آوازین نہ پائی جاتی ہون۔ اسی طرح نون غنہ ہائے مخلوط اور ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ پ۔ چ۔ ژ۔ گ کی آوازین جو بعض ایرانی الاصل اور بعض شامی الاصل السنہ مین نہین پائی جاتی ہین سبھین موجود ہین خاک پاک ہند مین اُردو نے جنم لیا اور اسطرح آریہ ورت کے تمام علم الادیان او قصص پارینہ کی روایتین اسکی گھٹی مین پڑی ہوئی ہین۔ وہ سرزمین ہند باغ و راغ جنگل پہاڑ۔ ندی نالے۔ جڑی بوٹی۔ غرضیکہ مشاہد عالم کے تمام جلوہ زار اسکے سامنے کسی طرح کا بھی خیال ہو اسکے ذریعہ سے ادا ہو سکتا ہے۔ مسلمان جنھون نے ایک تیرہ و تار دنیا کو انکی روشنی سے منور کیا اسکے اصلی پرستار ہین۔ شرع اسلامی کی یمن و برکت سے عبرانی۔ یونانی سریانی یعنی وہ زبانین جنھین الہامی ہونے کا دعوےٰ ہی خود بخود اسکے اسلاف مین شامل ہو گئین۔ ژند۔ وستا کے نورانی شعلے بالکل افسردہ ہو گئے ہین لیکن کُرید کُرید کر انھین بعض نیک نفسون نے زندہ کیا ہے اور اسطرح امید کی جاتی ہے کہ ایک نئی شان سے انکی نورانیت جلوہ فگن ہوگی۔ فارسی جسکو حقیقتاً اُردو کے آبائی یا اماتی سلسلہ مین واسطۂ قرب حاصل ہے ان تمام پُرنور اجسام کو اپنی گود مین لئے ہوئے ہے اور اُردو ان سے ہمکنار ہے۔

انگریزی قوم تاجرانہ حیثیت سے اس ملک مین داخل ہوئی مگر اپنی پُرفطن زور آوری کے باعث حکمرانہ غلبہ اسنے حاصل کیا اور اسطرح انگریزی زبان کو وہ جبروت و سطوت اور قہرمانی حاصل ہوئی جو شاید ہی کسی زبان کو حاصل ہوئی ہو۔ انگریزی کے ذریعے لاطینی یونانی قدیم رومانی اور تمام یوروپین زبانون کے ذخیرہ کا خلاصہ اُردو مین آگیا۔ اسطرح دنیا کی تمام زبانون مین جو کچھ ہے اسکی کسی نہ کسی صورت مین اُردو کے دامن مین سمائی ہے۔

لسانی تغیرات

کیفیات تغیر آب و ہوا۔ جسطرح ایک ملک مین دریا۔ جھیل۔ پہاڑ ریتیلے میدان جنگل وغیرہ پائے جاتے ہین جنھین اُسکی صور طبعی سے موسوم کیا جاتا ہے اُسیطرح اُس ملک کی قومون کو اُسکی صور حالیہ سمجھنا چاہیے۔ اُنکی زبان اُنکی بود و باش انکا طریقہ معاشرت یعنی لباس غذا وغیرہ کی کیفیتین ان صور حالیہ کی مختلف خد و خال ہین مرز بوم ہند مین سندھی۔ گجراتی۔ مرہٹی۔ مدراسی۔ بنگالی وغیرہ وغیرہ مختلف صوبون کی رہنے والی آبادیان ہین جو حیثیات مختلف ایک شانِ امتیاز رکھتی ہین اور اسی طرح اُنکی زبانین ہی ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہین۔ اسطرح اس ملک مین بہتیری زبانین جنکو مرہٹی۔ سندھی۔ اوڑیا۔ ٹامل۔ ٹیلیگو۔ بنگالی اور برمی کہا جاتا ہے۔ اس ملک مین سننے مین آتی ہین۔ گویا ہر زبان انکے وصل و فصل کو ایک تھوڑے سے غور کے بعد بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ یہ تغیرات لسانی جو کچھ بھی ہین صور طبعی اور اختلاف مرز بوم کا بہت کچھ نتیجہ ہین۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہین کہ آب و ہوا کے زیر اثر ہر ملک کی بولی مین بھی نرمی اور کرختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ کو مانی البحث بنانے مین اندیشۂ طول ہے۔ اسلئے اس مقام پر اسی اشارہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

امتزاج اقوام

جب مختلف قومین مختلف سمتون سے آکر کسی مقام پر ملتی ہین تو لازماً ایک دوسرے کی لفظین سیکھ لیتی ہین۔ اور کچھ کچھ باہین کر لیتی ہین۔ اس امتزاج کے طریقے مختلف ہین کبھی کبھی تاجرانہ حیثیت سے لین دین کے لئے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہین اس خرید فروخت

مین ایک دوسرے کے الفاظ لے جاتے ہین کبھی کبھی مذہبی مناد پہنچکر اپنے شرع وآئین کی تعلیم وتلقین کرتے ہین اور اسطرح ایک نظام تمدن کا جدید دور شروع ہوجاتا ہے اور اسکے ساتھہی زبان مین ایک فرق عظیم ہوجاتا ہے۔ ایک قوم فاتحانہ حیثیت سے ملک مین داخل ہوتی ہے اور اسکی زبان حکمرانون کی زبان ہونے کی وجہ سے اپنا اقتدار شکوہ قہرمانی قہرآ قائم کرتی ہے اسطرح اس زبان کا غلبہ ہوتا ہے اگر اُس قوم کی زبان اور یا مذہب مین دوسرون کو اپنے مین جذب کرلینے کی قوت ہو تو اکثر وہان کی زبان بھی قریب قریب فنا ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر دو ایسی زبانون کو لیجیئے جنکو شہنشاہانہ اقتدار حاصل تھا۔ یعنے ایران کی فارسی اور فراعنۂ مصر کی قبطی۔

ایرانیون نے جب یونان پر غلبہ حاصل کیا تھا تو بعض حصون کو سپرد آتش کردیا تھا۔ انتقام گیری کی آتش جوالہ اسکندر مقدونی جسے غلطی سے اسکندر رومی کہا جاتا ہے کے سینہ مین مشتعل تھی۔ اسنے ایران فتح کرنیکے بعد جہان جہان آتش خانے گرم پائے انھین جلا کر خاک سیاہ کردیا۔ صدہا میل تک سوائے آگ کے کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی اور ایران قدیم کی زبان کا سارا خزانہ جو زردشتی تعلیمات سے مالامال تھا بالکل برباد ہوگیا اور اسطرح فارسی کا خزانۂ علمی صفر کے درجے تک پہونچگیا۔ انتہا یہ ہے کہ زبان کا افلاس اس درجہ تک پہونچا کہ معمولی بول چال کی فارسی الاصل لفظین بھی مفقود ہوگئین۔ ذیل کی مثالین کافی ہونگی۔

فارسی	عربی	فارسی	عربی
کسے	تشخص	رہبری	مشائی
نوشدہ	حادث	برین فرہنگ	الٰہیات
فروزہ	صفت	مایہ	ہیولی
پرتوی	اشراقی	پیکر	صورت
بالستہ ہستی	واجب الوجود	بازتازی	جزوی
شائستہ ہستی	ممکن الوجود	اوچیز	ہویت
چرخہ	دور	چارامیزہ	اخلاط اربعہ
زنجیر	تسلسل	بازگیر	اعتراض
جداشناس	فصل	کہور	علت
رہبر	دلیل	اشکیوہ	مرکب
ہماوی	کلی	کاموس	بسیط

اسیطرح فراعنۂ مصر کی قبطی زبان کی کیفیت ہے رومیون نے جب غلبہ حاصل کیا تو جابجا جو کچھ اُنھین ہاتھ آیا لوٹ کھسوٹ کرلیگئے یا جلا گرا کر عمارتون کو اُنھون نے خاک وبرباد کردیا۔ اسطرح دستبرد زمانہ سے مٹ مٹا کر قبطی زبان اور اُسکی ہمصفیر نبطی دنیا سے گویا ناپید ہوگئی۔ عربون نے جب ان ملکون کو فتح کیا تو یہ زبانین جانکنی کے عالم مین تھین۔ عربون نے اُن مین ایک نئی روح پھونکی قبطی مین آثار حیات کم رہ گئے تھے اور اُسمین اسقدر قلب ماہیت ہوا کہ خود عربی ہوکر رہ گئی فارسی زندہ تھی اور زندہ رہی۔ لیکن ایک نئے قالب مین آکر شہود پزیر ہوئی۔ عربی الفاظ اسقدر غالب ہوئے کہ دو ثلث سے زائد عربی اور ایک ثلث سے کچھ کم فارسی الفاظ رہ گئے۔ تاجرانہ اور فاتحانہ حیثیتون کے علاوہ ایک تیسرا تغیر معاشرانہ اثرات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب دو مختلف عادات کی پابند مختلف رسم ورواج مین مقید مختلف شرع وآئین کو ماننے والی قومین ایک جگہ بودوباش رکھتی ہین تو لازمی طریقہ سے ایک دوسرے کے الفاظ کو حاصل کرلیتی ہین کبھی کبھی لفظین بالکل تغیر پزیر ہوجاتی ہین۔ ایک بین مثال اور روشن دلیل پارسیون کی ہے۔ اُنھون نے ہندوستان مین آکر اپنی زبان کو قریب قریب بھلادیا ہے۔ عام طور پر اپنے مذہب اور قومی افسانون سے ایک سرد مہری برتتے

ہین۔ اسلیئے کہ مادیت کا زہر آلود اثر ان مین سرایت کر گیا ہے
مجھے معمولی تعلیم یافتہ پارسیون سے گفتگو کا موقعہ ملا ہے اور یہ تکلیف دہ
حال منکشف ہوا کہ وہ اپنے اسلاف کے مفصل کارنامون کا تو ذکر ہی
کیا کیا جائے اُنکے معمولی حالات سے بھی نابلد ہین انتہا یہ ہے کہ اُنکے
نام بھی اپنی اصلی حالت پر نہین رہ گئے۔ ان چند مثالون سے اندازہ
ہو سکتا ہے۔

فرامجی۔ دراصل فرام زرجی کی بگڑی ہوئی صورت ہے
اسیطرح منچرجی (منوچہرجی) ہوروجی (نوروزجی) شاپورجی (شاہ پور
جی) میمنون اور رخوجون کے نام بھی اسیطرح قیاس کئے جا سکتے ہین
یہ تغیر درحقیقت نتیجہ معاشرت کا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو قومین
جو کشمکش زندگی مین بالکل ہم قدم ہین غالب و مغلوب ہوجاتی
ہین یہ نتیجہ قوت ارادی کے فرق کا ہے۔ اسکی روشن دلیل ہماری
اُردو زبان مین پائی جاتی ہے قبل اسکے کہ مثالین پیش کی جائین
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تغیرات کا ذکر کردیا جائے جو زبان مین
پیش آتے ہین۔

نمبر۱ اکثر الفاظ کا تلفظ بدل جاتا ہے کبھی کبھی یہ تلفظ
اسقدر متغیر ہوتا ہے کہ اصل لفظ کا پتہ نہین چلتا مثالین لیجیے کون
کہہ سکتا ہے کہ لفظ جبرالٹر درحقیقت جبل الطارق ہے۔ اسی طرح کسے
خیال ہو سکتا ہے کہ انگریزی لفظ Assassin
دراصل عربی لفظ حشیشین کی مسخ شدہ صورت ہے۔ یا سراسین
Saracens دراصل سارقین ہے۔

نمبر۲ اکثر پُرانے الفاظ متروک ہوجاتے ہین جیسے ٹک وغیرہ

نمبر۳ اکثر الفاظ کے معنی مین فرق پیدا ہوتا ہے مثلاً
علم المانیک جنتری کے مفہوم مین بولتے ہین۔ لیکن یہ کبھی نہین خیال
پیدا ہوتا کہ یہ عربی لفظ المناخ ہے جسکے معنی آب و ہوا کے ہین۔

نمبر۴ نئے الفاظ بنائے جاتے ہین یا کسی غیر زبان سے
عاریتاً لیئے جاتے ہین جیسے صحافت۔ مدیر وغیرہ ہین کہ ایک نئے
مفہوم کے لیئے وضع کیئے گئے ہین۔ یا لیمپ۔ لالٹین۔ کمرہ۔ ٹکٹ وغیرہ
کی یہ عاریتاً لیئے گئے ہین۔

نمبر۵ پُرانے محاورات متروک ہوجاتے ہین۔

نمبر۶ نئے محاورات پیدا ہوجاتے ہین۔ اسکی توضیح ایک
معمولی مثال سے یون سمجھیے کہ ایک مرتبہ مین ایک ہندوستانی سے
ملنے کے لئے گیا جو ایسے درجہ پر فائز تھے کہ اتبک انگریزون کے
لیئے مخصوص رہا ہے۔ بیرے نے مجھسے کہا کہ صاحب پلنگ مین ہین
میرے چہرہ پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ بیرا سمجھ گیا اور اُسنے کہا
کہ ہندوستانی آرام فرماتے ہین اور صاحب لوگ پلنگ مین ہوتے
ہین۔ اسکے کہنے کی ضرورت نہین کہ دراصل یہ انگریزی محاورے
Inbed کا لفظی ترجمہ ہے۔ اگر یہ تمام تغیرات
بیک وقت بلا امتیاز کسی زبان مین ہوتے جاتے ہین یعنے اسطرح کہ
وہ قوم جو زبان کو بولتی ہے بالکل اسکے تحفظ سے غافل ہو یا اپنی قوت
ارادی کے ضعف و اضمحلال کی وجہسے اپنی زبان کی نگہداشت نکر سکے
تو اسے اس زبان کی موت کا درجہ سمجھو محض اشارتاً مین نے کچھ امور ذکر کردئے
ہین اگر ان اصول کو اُردو کی حالت پر منطبق کیا جائے تو ان اسباب
تغیرات کی توضیح یون سمجھو۔

(۱) طرز تمدن مین ایک تغیر ہو رہا ہے زندگی کے مصرف
کی چیزین بدل رہی ہین تمدنی باشندون کی جگہ لینے کے لیئے اب نئے
دور سے چلے ہوئے مسافر بغرض توطن آرہے ہین کسی نے کہا ہے کہ
صابون نے طریقۂ غازہ اُٹھا دیا — بٹنون نے گھنڈیون کا جنازہ اُٹھا دیا
ایک غازہ اور تکمہ گھنڈیون کو کیا کہا جائے اس قبیل کے بلامبالغہ صدہا
الفاظ ہین کہ اب چلے اور چلے۔ اوقچہ۔ جاجم۔ چاندنی۔ تکیہ۔ مسکا۔ گاؤ تکیہ

فرش

فرش سنگ۔ فرش میز فرش زیرپایہ اور کتنی لفظیں ہین کہ انکی جگہ اب میز کرسی آرام کرسی وغیرہ لے رہے ہین۔ حقہ۔ چلم۔ نیچہ۔ سنک پیچوان۔ سرپوش۔ چمبر۔ موہنال۔ عناصن قلفی۔ جلیبی۔ نے۔ گٹا۔ اور انکی بجائے نوع کی جانشینی کی دعویدار سگار۔ سگرٹ۔ بیڑی وغیرہ نظر آرہے ہین۔ حقہ نیچہ کی قسمین اب خال خال لوگون کو معلوم ہین۔ چہ گانی عظیم اللہ خانی دامن دار وغیرہ یہ وہ لفظیں ہین جو اب چل بسین اسی طرح دستکاری کی مثالین ہین جنکا ذکر ہی کیا کیا جائے۔ بیدری۔ زربلند۔ مینا کاری۔ پچی کاری۔ سادہ کاری۔ گنگا جمنی۔ کتنے ہین جو انکو سمجھ سکینگے۔ اسی طرح شال دوشالے کی ذیل مین الوان۔ پشمینہ۔ کارچوبی۔ پرمتن۔ ترنج۔ حاشیہ۔ اور انکے امثال مین کہ جو بعض فنا ہوگئے ہین اور کچھ تھوڑے دنون کے لئے مہمان نظر آتے ہین۔ لباس مین ایک فرق عظیم پیدا ہوگیا ہے بنارس اور لکھنؤ کی صنعتین قریب المرگ ہین۔ کمخواب۔ زربفت۔ بافتا۔ امرو۔ مشروع۔ گلبدن۔ سنگی۔ جوزی وغیرہ مین کچھ عدم آباد پہونچے اور کچھ سخت جانکنی کے عالم مین ہین اسیطرح سے زردوزی اور چکن کی صنعتون کو خیال کر لیجئے کتنے ہین جو تیپچی۔ مرا۔ یا پھندے کے مفہوم سے واقف ہین سلمہ ستارہ۔ گوکھرو۔ بنت۔ کناری۔ بادلہ۔ اور ایسی ہی صدہا لفظین ہین جو کچھ اجنبی سا نظر آتی ہین۔ اور آرائش جسم کے متعلق یا اُنکے اسباب کے متعلق الفاظ مثلاً مجمر۔ معجز۔ گلگونہ۔ غازہ اور اسی طرح سے ایک پورا دستہ لفظون کا ہے جو اب ہمسے رخصت ہوچکا طرز تمدن کے تغیر کے علاوہ عدالتون کی حاضری دینے والے اپنے ساتھ ساتھ زبان مین تغیر پیدا کر رہے ہین۔ اپیل۔ ڈگری۔ ڈسمس۔ اکٹ یہ وہ الفاظ ہین جو اب زبان مین داخل ہوگئے ہین اور انکے عربی الاصل مرادفات مرافعہ وغیرہ اجنبی نظر آتے ہین۔ انگریزی چونکہ حکومت کی زبان ہے اس واسطے اُسکی قہرمانی اور سطوت سے کسے انکار ہوسکتا ہے لیکن زبان مین ایک دوسرا تغیر ہے جو بہت ہی سرعت مگر خاموشی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے زبان کے موجودہ خدوخال مین اسقدر تغیر عظیم پیدا ہوگا کہ یہ زبان دوسری زبان ہوجائیگی مین اس سلسلے مین بہت زیادہ وضاحت نہین کرنا چاہتا جیسا کہ پورے مضمون کی کیفیت رہی ہے یہان بھی اسی ایجاز و اختصار سے کام لینا چاہتا ہون۔ میری مراد زبان کے اُس تغیر سے ہے جو تصفیہ اردو ہندی کی صورت مین رونما ہو رہا ہے۔ یہ امر روز روشن کی طرح سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہمارے برادران وطن مین ایک طرح کا نشاۃ ثانیہ کا دور پیدا ہو چلا ہے۔ اپنے قدیم تمدن اور رسم و رواج طرز معاشرت اکل و شرب اور لباس غرضکہ ہر چیز کی احیا کا خیال اُنھین پیدا ہوا ہے نفسیات کے جاننے والے اجتماعی ذہنیت کے اس اصول کو اچھی طرح سمجھتے ہین کہ ایک گروہ عظیم جس چیز کو اختیار کرتا ہے قلیل التعداد جماعت اضطراراً اُسمین مبتلا ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ اپنی قوت ارادی کو کام نہ لائے۔ لباس وغیرہ سے قطع نظر کرکے مین اسوقت صرف مسئلہ لسان کو لے لیتا ہون اور دکھانا چاہتا ہون کہ یہ تغیرات کن کن صورتون سے پیدا ہو رہے ہین۔

(۱) دفاتر مین ناگری حروف کے جاری کرنیکی کوشش کی جارہی ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ سیاسیات کی حد مین آجاتا ہے۔ مین اسپر بحث کرنے سے احتراز کرتا ہون۔

(۲) مدارس مین پہلے اُردو ہندی پڑھنا لازمی قرار دیا گیا اور مبتدیون کے لئے جو کتابین داخل کی گئین اُنمین ایسے لفظ استعمال کیے گئے کہ فارسی اور ناگری دونون حروف مین آسانی سے وہ اُنھین لکھا جاسکے اسطرح سے بہت سی ہندی الاصل لفظین جو یا متروکات تھین یا در در اصل نامانوس تھین داخل زبان ہوگئین۔

(۳) دوسری تغیر زبان کی ایک ترقی یافتہ صورت یہ ہے کہ رسالہ اور جرائد فارسی حروف اور اُردو حروف مین جاری ہین۔ مگر

انتہائی کوشش اس امر کی کی جاتی ہے کہ ان مین ثقیل مغلق اور غیر مانوس بلکہ بالکل اجنبی سنسکرت لفظین استعمال کی جاتی ہین شروع مین ا... مار کو داخل کیا گیا بعد اسکے اسمائے صفت پھر افعال اور اب بجنسہ محاورات زبان قلم پر جاری ہو رہے ہین۔

(۴) فارسی یا عربی لفظون کو تا امکان کم استعمال کیا جاتا ہے اور اگر وہ بباعث عادت زبان پر جاری بھی ہو جاتے ہین تو ش۔ ق۔ ز وغیرہ کی آوازین نہین نکلتین اسطرح الفاظ کی صورت مسخ ہو رہی ہے منظر اب مجھپر ہے اور ایسے تغیرات مین جو شہود پذیر ہین بظاہر یہ ایک خفیف سی بات معلوم ہوتی ہے مگر بحقیقت زبان کی موت و حیات کا مسئلہ بیان مضمر ہے۔

(۵) قریب قریب ہر بڑے شہر مین ناٹک کھیلنے والی منڈلیان قائم ہین جو لازمی طریقہ سے ثقیل اور اجنبی سنسکرت لفظین استعمال کرتی ہین۔ ساتھ ہی یہ التزام بھی قائم ہے کہ وہ آوازین جو سنسکرت مین نامانوس ہین نہ بولنے مین آئین اسطرح سے مذاق بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۶) تھیٹر کی بڑی بڑی کمپنیان جب کسی قریب کے بڑے شہر مین آتی ہین تو اکثر یہ دیکھنے مین آتا ہے کہ ایک ہی تماشا آٹھ آٹھ نو نو دس دس مرتبہ دکھایا جاتا ہے مگر منظر یہی ہے کہ زبان بدلی ہوئی ہے مین تین مرتبہ شریک ہوا ہون اور بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ کھیل کی زبان میری سمجھ مین بالکل نہین آئی۔

(۷) اسی طرح چلتی پھرتی تصویرون کے تماشہ کا حال ہے یعنی بعض کچھ ایسے تماشے ہین کہ جو ہندوستان ہی مین بنائے گئے ہین۔ ان تماشون مین بھی زبان انگریزی اور ہندی مین آتی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ایک التزام یہ بھی ہے کہ ہندی کی لفظین اپنی سنسکرت کی صورتون مین لکھی جائین۔ مثلاً وانر بجائے بندر۔

(۸) تین چوتھائی سے زیادہ ہندو طلبا نے صوبجات کے ان حصون مین اردو پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور اپنی گفتگو مین بھی اسکا لحاظ کرتے ہین کہ الفاظ کی ادائگی مین بہ تشدد مذکورہ بالا کا لحاظ رکھا جائے۔

(۹) اسکے علاوہ ایک کوشش بلیغ یہ بھی ہے کہ عام اور کثیر الاستعمال سہل المفہوم اصطلاحات کی جگہ عام طور پر ہندی لفظین لائی جائین۔ مثلاً چنا و بجائے انتخاب۔

(۱۰) اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہین کہ جن لوگون نے اب مقررین کی تقریرین سنی ہین وہ اسے عام طور پر محسوس کرتے ہین کہ بالارادہ عربی اور فارسی کی لفظین ترک کی جائین اور بجائے انکے ہندی کی لفظین استعمال کی جائین۔

(۱۱) مدارس مین جو کتابین کہ داخل نصاب ہین وہ زیادہ تر ایسے شایع کنندون کی جاری کی ہوئی ہین جو غیر مسلمان ہین ان کتابون کی زبان بلحاظ محاورات ترکیب بندش و شستگی وغیرہ کے اس درجہ گری ہوئی ہین کہ انھین اردو کے سوا کچھ اور ہی کہنا مناسب ہوگا۔ اکثر مقامات پر ایسا پایا گیا ہے کہ غیر مناسب الفاظ استعمال کئے گئے ہین مثلاً امت محمدی کے بجائے جماعت محمدی مین نے ایک تاریخ کی کتاب مین پایا۔ شرع اور آئین مصطلحات مین اور خاص مفہوم مین استعمال کئے جاتے ہین انکی جگہ پر قانون قاعدہ مستعمل ہے۔ محاورات کا ان کتابون مین جس طرح خون کیا گیا ہے اُسے دیکھکر رونا آتا ہے جن بچون نے ایسی زبان مین یہ کتاب لکھی ہو اور ایسی فضا مین پرورش پائی ہو اُن سے اصلاح اور درستگی زبان یا درستی زبان کو قائم رکھنے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔

اس مسئلہ زبان کے سلسلہ مین مجھے ڈاکٹر گینیندرا ناتھ چکرورتی کا ایک مضمون یاد آ گیا جو انھون نے ماڈرن ریویو مین اب سے تین چار سال ادھر لکھا تھا۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے واپس

ہوکر اپنے تاثرات کو ڈاکٹر صاحب نے حوالۂ قلم کیا تھا منجملہ اُن تمام امور کے ایک ایسا خیال ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر مین ظاہر کیا تھا جسے پڑھکر مجھے بے اختیار مسکراہٹ آگئی - ڈاکٹر صاحب کالجون کے مختلف درجون مین تعلیمی حالت کے معائنہ کے لیئے یہان پہونچے - یہان ذریعہ تدریس اُردو زبان تھی - اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہین کہ جو زبان کہ بولی جاتی تھی اُسکے زیادہ الفاظ ایسے تھے جنکے فہم سے مین قاصر تھا - ڈاکٹر صاحب لکھتے وقت اس بدیہی امر کو غالباً فراموش کر گئے کہ جو زبان استعمال کی جاتی تھی وہ علمی تھی اور لازمی طریقہ سے علمی اصطلاحات کو علی حالہ استعمال کرنا پڑتا تھا - ڈاکٹر صاحب اُن اصطلاحات کو سمجھتے یا نہ سمجھتے مگر طالبعلم یقیناً اُنسے مانوس تھے اور اُنکے فہم و ادراک سے وہ زبان خارج انہ تھی - طبقات الارض علم نباتات علم البرق کی کتنی انگریزی لفظین ہین جو ایک ایسا پی ایچ - ڈی سمجھ سکتا ہے جسنے تاریخ یا سیاسیات مین کمال حاصل کیا ہے - ایک مدت تک ہل صاحب کا جغرافیہ داخل نصاب تھا اسکا ترجمہ جسکی ایسی شستہ و رفتہ اُردو زبان مین نے ماسوائے ادبیات درسی کتابون مین کم پائی - انھین ڈاکٹر صاحب کے نام سے شایع ہوا تھا - مگر اسوقت تک بجائے ڈاکٹر چکرورتی کے غالباً صاحب موصوف مسٹر جی - این چکرورتی تھے - اس کتاب مین بہت سی ایسی لفظین ہین جو ایک عامی کے لیئے عسیر الفہم ہین مثلاً دحروجہ - مثلالہ - جندل وغیرہ وغیرہ - حقیقت حال یہ ہے کہ علمی اصطلاحات ایک خاص نہج سے وضع کی جاتی ہین اور اُنسے مفہوم کو خاص موقع پر خاص طریقہ سے ادا کرتی ہین - اُنکے لئے لازمی نہین ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے - واقفان حال جانتے ہین کہ قانون مین کتنے محاورات ہین جو اپنی ابتدائی لاطینی الاصل حالت پر قائم ہین



محسوساتِ رآز

(از جناب رآز دبلگرامی)

جلوۂ کائنات دل زیر مزار ہوگیا	جام جہان نما مرا مشتِ غبار ہوگیا
مٹی ٹھکانے ہوگئی دل کو قرار ہوگیا	ذرے ہوا سے جا ملے صرفِ غبار ہوگیا
پانی کو آگ کر چکین سوز جگر کی گرمیان	آنسو اگر ٹپک گیا شعلۂ نار ہوگیا
گننی کے کچھ نفوس تھے آمد و شد تھی آئی	چارہ گرو ہٹو ہٹو وقتِ شمار ہوگیا
نشترِ جان آرزو مل کے فریب کر گیا	دل مین نظر چھپی رہی سینہ فگار ہوگیا
بازو شکست ہوگئے زخم جگر برسے ہوئے	چاک قفس کھلے رہے لطفِ بہار ہوگیا

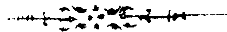
دل مین جو تھا سو کہہ دیا سستیان سب اُتر گئین
دلولے رآز کے گئے جوشِ خمار ہوگیا

مکرمی جناب مولانا فضل الحسن صاحب حسرت موہانی۔ بی۔ اے۔

اڈیٹر "اُردوے معلّی" کانپور

کے

دست و قلم کی لکھی ہوئی تحریر



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی [illegible] آپ مرقع [illegible] میری کوئی تازہ غزل چاہتے ہیں مگر [illegible] زندان فرنگ سے رہائی [illegible] بہ فرصت تک میں نے [illegible] مشغول اشغار [illegible] کیسے [illegible] مجبوراً [illegible] ایک غزل جو [illegible] میں لکھی [illegible]

فقط فقیر حسرت موہانی

۵ [illegible]

رونق جمال یار سے دنیائے عشق ہے
گویا شراب حسن سے مینائے عشق ہے

اہل ہوس کو بھی سر سودائے عشق ہے
یہ کفر ہے کہ دعوی بیجائے عشق ہے

محمل نشین درد جو لیلائے عشق ہے
سوز و گداز مذہب دنیائے عشق ہے

کہتی ہے عقل دین بھی دنیا بھی کر طلب
اس سے [illegible] منہ کو موڑ [illegible] ایمائے عشق ہے

پہنچا ہے جذب دل کا بیاں کہاں اثر
ارباب حسن کو بھی تمنائے [illegible]

مستی ہے اصطلاح محبت میں آگہی
بیگانۂ خرد ہے جو دانائے عشق ہے

ظاہر ہے بیقراری پیہم سے حال دل
بیجا ہے ہم کو [illegible] اخفائے عشق ہے

مدت کے بعد پھر یہ ہوئی [illegible] گرم
یہ بھی [illegible] عشق ہے

حسرت کو ہے [illegible] ایمان سے کیا غرض
وہ کافر جمال ہے ترسائے عشق ہے

عکسِ خط

جناب منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی مرحوم

موتی مسجد - رام پور اسٹیٹ - یو - پی -

۲۳ اگست ۱۹۱۸ء

حضرت کرم فرمائے بندہ   سلام شوق - آپکے پوسٹ کارڈ کا شکریہ -
"حسن بہانا نہیں ملتا" اس زمین میں منشی واحد علی امیر میرے بھائی نے
پوری غزل کہی - اور وہ اخبار "ہمدم" میں شائع ہو گئی ہے -
حضرت ریاض کا خط میرے نام آیا تھا - لیکن نہ میں نے مصرع لگایا
نہ غزل کہی - نہ اب ممکن ہے - اس لئے کہ اس قسم کے خرافات میں پڑنا
میرا شیوہ نہیں ہے - طوفان کے جھنجھٹ میں کون اپنے آپ کو ڈالے -
اور پھر فضول - اس سے زیادہ بکار آمد کام تصنیف کے مجھے رہتے ہیں -

آپکا مخلص

احمد علی شوق قدوائی

جناب وصل صاحب بلگرامی -
بہ توسط جناب مولوی سید محمد سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور

گورکھپور   Gorakhpur

یو - پی   U. P.

انسانی کوشش کی کامیابی

(از جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواں۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل اوناؤ)

دنیا کی نہایت ہی تعجب خیز باتوں میں سے انسانی کوشش کی وہ کامیابی ہے جو روشنی کے میناروں کی تعمیر میں ظاہر ہوتی ہے آفتاب عالمتاب کے پردہٗ مغرب میں چھپ جانے کے بعد روئے زمین پر تاریکی کا پردہ پڑ جاتا ہے اس تاریکی کا مقابلہ اور اسکو نور و روشنی سے بدل دینے کی کوشش ابتدائے آفرینش سے آج تک برابر چلی آتی ہے یوں تو خشکی میں رات کی روشنی اتنی ہی دلچسپ ہے جتنی سطح آب سمندر پر۔ لیکن سمندر وقت میں تاریکی کی گہرائی میں جب پانی کا اتھاہ سمندر جہاز کے نیچے ہوتا ہے۔ اور اتھاہ منجمد تاریکی جہاز کے اوپر ایسے وقت میں جہاز کی رہنمائی کے لیے وسط بحر میں جو مینار جابجا بنائے گئے ہیں اُنکی تعمیر میں جو دقتیں ہوتی ہیں اور جو مصیبت انکا ہی بنانے والوں کو کرنی پڑتی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

۲۔ میناروں کی بنیاد اس طرح ڈالی جاتی ہے۔ کہ پہلے ان گنت بورے بالو کے مقام منتخب پر لیجا کر پانی میں غرق کرتے ہیں یہاں تک کہ بھرتے بھرتے سنگین اور مضبوط بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ یہ کام بیان کرنے میں اسقدر آسان معلوم ہوتا ہے عملاً نہیں ہوتا۔ مدتیں گذر جاتی ہیں اور سمندر کی زور دار موجوں کی وجہ سے ڈھیل پورے بالو بھی ٹھہرنے نہیں پاتی۔ ان میناروں کے بنانے والے ایسے مشتاق اور جری اور ایسے مستقل مزاج ہوتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ایک مینار کے بنانے میں ایک دفعہ ایک سال میں صرف تیس گھنٹہ کام ہو سکا۔ اسکاٹ لینڈ میں بلراک کے اوپر جو مینار بنا ہوا ہے اسکی تعمیر کا مختصر حال ہم ہدیہٗ ناظرین کرتے ہیں ؟ یہ چٹان بہت ہی سر مقام پر طوفانی موجوں کے درمیان واقع ہے۔ ابتداً جب تعمیر شروع ہوئی تو اس چٹان کا یہ عالم تھا کہ ایک وقت میں دو آدمیوں سے زیادہ وہاں نہ ٹھہر سکتے تھے۔ چنانچہ پہلا کام جو معماروں نے کیا وہ یہ تھا کہ ایک ہاتھ سے اُس چٹان میں چمٹے جاتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے بیحد چکنی اور سالہا سال کی جمی ہوئی کائی کو کھرچتے یا چھیلتے تھے۔ یہاں تک کہ ذرا سے سہارے کی گنجایش ہوئی ۔ اس کے بعد یہ تدبیر کی گئی کہ چٹان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ بنائے اور اُن میں لوہے کی میخیں گاڑ دیں۔ ان میخوں کے سہارے سے ایک بڑا چبوترہ لوہے کا بنایا جس پر مینار تعمیر کیا گیا۔ اس کام کی مشکل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ دو دو تین تین منٹ کے بعد بلند اور بپھری ہوئی موجیں چٹان سے ٹکراتی تھیں اور جس وقت ان موجوں کا چڑھاؤ ہوتا تھا تو غریب معمار چٹان سے چمٹ کر لیٹ جاتے تھے۔ اور چٹان پر لگی ہوئی گھاس کو جوسن کے رسّے سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے اپنی پوری طاقت سے پکڑ لیتے تھے۔ اور دم روکے ہوئے اس وقت تک اسی طرح چمٹے رہتے تھے جب تک موجوں کا تھپیڑا چٹان سے ٹکرا کر فرو نہ ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر اُٹھتے تھے اور اپنے کام میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ابھی چند منٹ ہی کام کر پائے تھے کہ موجوں کا وہی عالم ہے۔ چار سال میں صرف بارہ سوراخ اس چٹان میں کئے جا سکے معماروں کی یہ حالت تھی کہ ہر لحظہ اُن کی موت اُن کے سامنے اور اُن کے ہاتھ کام میں مصروف۔ اب جب بنیاد تیار ہو چکی آلات تعمیر بڑے اور بھاری بھاری مشینیں اور مختلف سامان کشتیاں اور جہازوں کے ذریعہ سے وہاں پہونچائے گئے۔

اس بھی ہڈ کے قریب جو جدید مینار بنایا گیا ہے۔ اُس کا طرز تعمیر

اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور مخدوش تھا سو ہان پہلے ہی سے پہاڑی کے اوپر ایک مینار بنا ہوا تھا۔ لیکن وہ بہت اونچائی پر تھا اور اُسکی روشنی جہازون کے لیے معقول رہنمائی نہ کر سکتی تھی چنانچہ یہ طے پایا کہ پہاڑی کے دامن مین یعنی سمندر مین ایک جدید مینار تعمیر کر دیا جائے۔ سب سے پہلے ایک بہت بڑا سوراخ پہاڑی کے اس حصہ مین جو پانی کے نیچے تھا بنایا گیا۔ اور اُس کے گرد گرد ایک بہت چوڑی دیوار کا حلقہ تیار کیا گیا۔ یہ دیوار اتنی چوڑی اور حلقہ اتنا بڑا تھا کہ معمولی طوفان کی حالت مین بھی سدہا آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کام کر سکتے تھے۔

آلات تعمیر اور سامان جمع کرنے کا ایک عجیب و غریب طریقہ استعمال کیا گیا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر تمام سامان اور مشینین فراہم کر لی گئین تھین اور یہی گویا معمارون کا دار التعمیر تھا۔ اب اس دار العمل سے پہاڑ کے دامن تک تیار شدہ سامان کے پہونچانے کے لیے ایک جدید اختراع سے کام لیا گیا۔ یعنی ہوا مین ایک ریلوے لائن قائم کی گئی۔ وہ اس طرح کہ لوہے کے تارون کے بہت موٹے موٹے رسے پہلے پہاڑ کی چوٹی سے باندھے گئے۔ اور نیچے جو لوہے کا چبوترہ بنایا گیا تھا اُس سے باندھے گئے۔ یہ رسّے اس قدر مضبوط تھے کہ دو سو ٹن کا بوجھ بھی اُن کو جنبش نہ دے سکتا تھا اب گویا ریلوے کی دو پٹریان ہوا مین تین سو گز تک بچھ گئین۔ اسیطرح دو اور پٹریان بچھائی گئین۔ ایک ایسی تدبیر کی گئی کہ جب دو پٹریون پر سامان سے بھرے ہوئے ڈبے اوپر سے نیچے اوترتے تھے تو اُسی جھونکے سے نیچے سے دوسری پٹریون پر کے ڈبے اوپر چڑھ جاتے تھے۔

ہزارہا ٹکڑے پتھر کے اسطرح پہلے خشکی سے پہاڑ کے قریب پہونچائے گئے۔ پھر پہاڑ کی چوٹی پر اور پہاڑ کی چوٹی سے جدید مینار کی تعمیر تک اور ہر ٹکڑا صدہا ٹن وزن تھا۔ اس خیال سے کہ وہان اِن پتھرون کے کاٹنے اور گڑھنے کی ضرورت نہ ہو پہلے یہ سب ٹکڑے ایک جا کر کے مقام کارنوال مین خشکی پر مینار بنا لیا گیا تھا۔ اُس کے بعد پتھر کے ٹکڑے پھر علحدہ کیے گئے۔ ہر ٹکڑے پر نمبر چھوڑا گیا اور اُسی سلسلہ اور ترتیب سے مینار کی تعمیر مین صرف ہوئے۔

یہ مینار دامن مین اڑتالیس فٹ موٹا ہے۔ اور بہت اونچائی تک ٹھوس پتھر کی ایک سل معلوم ہوتا ہے۔ اُس کے بعد آٹھ منزل تک ایک کمرہ دوسرے کمرے پر بنا ہوا ہے۔ سب سے نیچے کمرہ مین ایک دروازہ ہے جس سے سامان اندر داخل ہوتا ہے۔ دوسری منزل کے کمرہ مین سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ اُس کے اوپر کے کمرون مین کام کرنے والون کے سونے اور رہنے کی جگہ ہے اس کے اُوپر کے کمرہ مین لالٹین کا سامان اور بتی وغیرہ کے کا ٹھکانا سامان ہے۔ سب سے اونچے کمرے مین لالٹین رکھی جاتی ہے یہ ایک بہت بڑی اور عظیم الشان چیز ہے جو بے حد روشن اور تمام شب گردش مین رہتی ہے۔ خواہ کسی طرف جہاز جا رہے ہون۔ اس کی دو روشن شعاعین رہنمائی کرتی ہین۔ اور تاریک راتون مین جہاز اس روشنی کے سہارے سے خطرہ سے بچتے بچتے ہوئے اس طرح نکل جاتے ہین۔ جس طرح چھوٹے شہر کا مسافر لکھنؤ کے جیب کترون سے بچ کر چوک اور امین آباد کی سیر کر کے اپنے گھر پلٹ آتا ہے۔

رباعی

از جناب رام تکمری

کیا جلوہ کہین وہ جلوہ افشان نہ ہوا
ابتک کبھی ازل سے عریان نہ ہوا
دل ڈھونڈھ چکا یار کو پہ تو یہ تو یہ
بازار ہوا حرم ہوا جان نہ ہوا

سلطنت عثمانیہ

(از جناب سید احمد کاظمی صاحب - اڈیٹر علی گڑھ میگزین)

تقریباً تیرھوین صدی کے آغاز مین ایک گروہ جسکی رگون مین تاتاری خون موجزن تھا صحرا نوردی کی حالت مین اتفاقاً اناطولیہ کی سرزمین پر جا پہونچا۔ اس قافلہ کا سردار الطغرل ہمت و شجاعت کے گھوڑے پر سوار تھا۔ اِن خانہ بدوشون نے میدان اناطولیہ مین دو فوجون کو برسرپیکار دیکھا جن سے یہ قطعاً ناواقف تھے۔ اور وہ اِن سے بالکل ناآشنا۔ الطغرل مظلومون کی آہ وزاری نہ دیکھ سکا۔ اور اُس نے کمزور سپاہیون کا ساتھ دینا اپنا فرض سمجھا چنانچہ اس تائید غیبی نے ہارتے ہوؤن کی قسمت کا یون پانسہ پلٹا کر شکست نے فتح کا جامہ پہنا۔ فاتح فوج نے اپنے محسن کی جاے بود و باش دریافت کی چنانچہ استفسار پر حقیقت معلوم ہوئی۔ اُدھر الطغرل نے اُن کی رام کہانی سُنی۔ اور وہ علاء الدین سلجوق کی سپاہ ثابت ہوئی جنکی منگول حملہ آورون سے مٹھ بھیڑ ہورہی تھی۔

سلطان علاء الدین ناآشنا ہمدرد کا بے حد گرویدہ احسان ہوا اور الطغرل کے کاندھون پر دست شفقت رکھکر اُس کی عنایتون کے صلہ مین تھوڑی جاگیر اور کچھ مال و زر عطا کیا۔ جاگیر مین نسکی شہر اور نشیا الطغرل کے سپرد ہوا۔ جو سلطان علاء الدین کی سلطنت کے شمال مغرب مین اور سلطنت یونان کی سرحد پر واقع تھا۔ اِن ترک نژاد خانہ بدوشون نے اس جگہ ایک مختصر سلطنت کی داغ بیل ڈالی اور اپنی آئندہ نسلون کا پیش خیمہ تیار کیا۔ ایک دن اسی عسکی شہر کے گہوارہ مین پلے ہوئے بچون سے تمام یورپ کانپ اٹھا۔ اور اُن کی شجاعت و دلیری کے کارنامے چار دانگ عالم مین روشن کی طرح مشہور ہوئے۔

عسکی شہر آب و گل کی رو سے بہشت برین کا ایک خطہ ہے جہان قدرت کی تمام نیرنگیان ایک کوزے مین بند ہین۔ ایک طرف چشمۂ شیرین روان دوان ہین۔ دوسری طرف کوہ و کوہسار اپنی بلندی پر نازان ہین گل و گلزار چمن و لالہ زار جسکا کوئی حد نہ حساب، رنگ برنگ کی بیلین پیچ و تاب کھاتی ہوئی سپہر برین کی جانب چلی جارہی ہین۔ اور اشجار چمن انواع واقسام کے میوہ جات سے پُر اپنے صانع کی یاد مین سربسجود ہین۔ الغرض الطغرل نے اپنے رہائش کیلئے یہ موضع پسند کیا جو ۳۰۰۰ فٹ سطح سمندر سے بلند مقام پر واقع تھا۔ اور جہان انسان ہمہ وقت اردگرد کے مناظر سے لطف اندوز ہوسکتا تھا۔

اسی جگہ الطغرل کا ہونہار نور نظر عثمان پیدا ہوا۔ جس کے نام سے قوم عثمان کی مشہور ہوئی اور جس کی ساعی نے اپنی قوم کی عظمت مین چار چاند لگا دیے۔ سلطنت عثمانیہ کی ابتدائی حالت کا ایک مجمل نقشہ کھینچنا آسان نہین۔ لیکن اس کی ترقی کی رفتار سلطنت کی رو سے تیز ترتھی اور اُس کی حکومت کا استقلال سکندر کی حکومت سے زیادہ دیرپا۔ یہ ترکون کی آخری مگر عالی شان سلطنت تھی۔ جسکی بنیاد شجاعت کے ننھے بچون سے ڈالی گئی تھی لیکن وہ بیج رفتہ رفتہ پودا اور پودے سے ایک تناور درخت بنکر اپنی شاخون سے دور دور یورپ کے ساحلون پر غنیم کی روک تھام کے لئے ایک حصار دہشت دیوار کا کام کرنے لگا تھا بعض مورخین

کے نقطہ نگاہ مین سلطنت عثمانیہ کا آغاز ۱۳۰۰ء سے ہوتا ہے جبکہ سلطان علاء الدین نے عثمان کو خلعت و چاوش عنایت کیا۔

سلطان عثمان

بہادر ارطغرل جب دنیا سے ناپائدار سے رخصت ہوا۔ تو ۱۲۸۸ء مین اُس کا ہر دل عزیز بیٹا عثمان جک یا "ننھا عثمان" تخت و تاج کا وارث ہوا اُس کے باپ کے ہمدرد و مربی نے تاج پوشی کی چند رسمین ادا کر کے اُس کو رموز سلطنت سے آگاہ کیا۔ نوجوان عثمان نے سلطنت کے کاروبار کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ اور مطلق العنان ہوکر فرمانروائی کرنے لگا۔ ۱۳۰۱ء مین نصرانیون کے ایک جرار لشکر کو شکست فاش دیکر اپنی حدود سلطنت کو بحیرۂ اسود تک وسیع کرلیا۔ دور و نزدیک کی چھوٹی چھوٹی سلطنتون مین جب ان کے ابھرتے ہوئے آفتاب کی شعاعین عکس فگن ہونے لگین تو جنگجو ترکون کے نام سے ان کا دل تھرانے لگا۔

یہان تک کہ یہودیون اور نصرانیون کے بچے رو رو کر جب ماؤن کا ناک مین دم کر دیتے تھے۔ تو وہ ترکون کا نام لے لے کر انھین خوف دلاتی تھین اور معصوم مارے دہشت کے خاموش ہوجاتے تھے۔

۱۳۲۶ء مین ترکون نے عیسائیون پر لشکر کشی کی اور سلطان عثمان کی وفات سے ذرا پہلے بروسا ہاتھ آیا۔ سلطان فتح نشان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرکے بروسا ہی کے مشہور و معروف باغ مین آسودہ ہوئی۔ اسوقت سے اب تک یہ رسم چلی آرہی ہے۔ کہ تقریباً تمام سلاطین دولت عثمانیہ وفات کے بعد اُسی جگہ مدفون ہوتے ہین۔

ترک قوم ہمیشہ اپنے بانی سلطنت کا بڑا احترام کرتی ہے۔ اور اُس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے تاجپوشی کے وقت ہر نئے سلطان کی کمر کو عثمان کی مرصع تلوار سے زینت دیجاتی ہے۔

سلطان آورخان

عثمان کے انتقال کے بعد اُس کا فرزند مہتر آورخان اپنی عمر کے چھیالیسوین سال تخت عثمانیہ پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ دنیا کے ہر نشیب و فراز سے واقف تھا۔ اور اُس کا جزرس دماغ جنگ و جدال کے تجربون سے مالا مال تھا۔ آورخان نے تخت حکومت پہ قدم رکھنے سے پیشتر ایک ہاتھ مین تجربون کی حمایل لی اور دوسرے ہاتھ مین آزمودہ کار تلوار سنبھالی۔ مہربان باپ نے آورخان کو ایام طفولیت مین جملہ فنون جنگ سے آراستہ اور مروجہ علوم کے درس و تدریس سے مزین کردیا تھا۔ اس سلطان والاتبار کی سپہ سالاری اور بہادری شہزادگی کے زمانہ ہی مین الم نشرح تھی اکثر معرکہ کارزار مین یہ عثمان کے ہمرکاب ہوتا تھا۔ کبھی سپر بدی کے زیر سایہ ترک سپاہیون کی ہمت افزائی کرتا کبھی ہوا کے گھوڑے پر سوار غنیم کی صفون کو چیرتا ہوا قلب لشکر مین پہونچتا تھا۔ اور اُسکی فرزانہ مردانگی پر فتح و نصرت سو سو بار نثار ہوتی تھی۔ اس کی سخاوت اور بذل و ایثار کا یہ عالم تھا کہ ایک گنگا بہ رہی تھی۔ کہ جس حاجتمند کا دل چاہے مستفید ہو۔ عدل و انصاف کا یہ حال کہ حدود شرعی سے سرمو تجاوز نکرتا تھا۔ جس سلطنت کی باپ نے بنیاد ڈالی۔ آورخان نے اُس پر ایک عالیشان قصر کی مستحکم دیوارین کھڑی کر کے زمانہ کی رفتار ترقی پر اسکی تکمیل کا بار چھوڑ دیا۔ آورخان نے مصلحتاً دارالخلافہ عسکی شہر سے بروسا منتقل کیا۔ اپنے بھائی علاء الدین کو وزیر مقرر کرکے امور سلطنت کا رازدان بنایا۔ اور جب زندگی نے بھائی کے ساتھ وفا نہ کی تو کف افسوس ملکر سلیمان پاشا کو اُس کی جگہ مرحمت کی علم و ہنر سے اُسے خاص محبت تھی۔ چنانچہ اپنی سلطنت مین جا بجا عربی درسگاہین

کھول کر علوم و معارف کی نہرین جاری کین - صدہا رفیع الشان مسجدین تعمیر کین - جنکے میناروں کی بلندی سے تکبیر کی صدائین فضا مین تقدیس پیدا کرتی تھین -

آدرخان کے دوران حکومت مین ہر چہار طرف فتح و کامرانی کے شادیانے بجتے تھے - یہ ترکی سلاطین مین پہلا شخص تھا جسنے بحری مسافت طے کرکے یورپ کے مشرقی ساحل پر اپنے قدم جمائے - اور اپنے جانشینون کے لئے یورپ کے فتوحات کا دروازہ کشادہ کیا - بازنطین فتح کرکے گیلی پولی پر قبضہ کیا - اور ادھر ایشیا مین دعنکولہ، کندرہ، ایدلس، سمندرہ، جیسے نامی شہرون پر ترکون کا کامل تسلط ہوا - کملاک کے قلعہ کا اسنے محاصرہ کیا - اور عرصہ کی جد و جہد کے بعد وہان اپنا جھنڈا نصب کیا - جنگ و جدال مین عموماً مرد، عورتین، اور بچے، دشمنون کے ہاتھ آتے ہین اور وہ انھین گرفتار کرکے کشان کشان ساتھ لے جاتے ہین - زمانہ گزشتہ مین بعض قومین ان قیدیون کو غلام اور لونڈیان بنا کر فروخت کرتی تھین بعض انھین تہ سیف کرکے اپنی شمشیر کی پیاس بجھاتی تھین - غریب اسیران جنگ اپنی چشم بینا سے مقدر کے کرشمے دیکھا کرتے تھے ان مین سے کوئی الشمس جیسا انمول موتی ہو کر جلیل القدر ملوک کے تاج و تخت کی زینت ہوتا تھا اور کوئی ایاز کی طرح گلے کا ہار کوئی گردون گردان کی گردشون مین آکر مصیبت کے تلاطم خیز سمندر مین غوطہ زن ہوتا تھا - لیکن انصاف نے آدرخان کے دربار مین ان بے برگ و نوا قیدیون کی وکالت کی اور رحم نے پرزور سفارش کی چنانچہ منصف مزاج سلطان نے جینسری یا (جینیچری) یا نئی فوج کی بنیاد ڈالی - جس مین نوجوان اسیر بھرتی ہو کر سپہ گری کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن انھین شادی بیاہ کی سخت ممانعت تھی اور غالباً اسی لئے جنگ مین بے خوف و ہراس بہادری سے لڑتے تھے - کامل ۳۵ سال کی حکومت کے بعد شاہ ذی جاہ آدرخان فرشتۂ موت کی رہنمائی پر ۱۳۶۰ء مین سوے عدم روانہ ہوا - اور اپنے پاک طینت اور روشن کارنامون کے غیر فانی نقوش جریدہ عالم پر ثبت کر گیا - (باقی)

سید احمد کاظمی - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

افکار فانی

(از جناب سید شاہ شاہد علی صاحب سبزپوش متخلص بہ فانیؔ گورکھپوری)

درد سے دل جو آشنا نہ ہوا — زندگانی کا حق ادا نہ ہوا

نہ ہوا وصل - دم روا نہ ہوا — کیا ہوا آہ - اور کیا نہ ہوا

دی محبت جان رشک دشمن سے — وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا

تم اگر غیر کے ہوئے تو ہوئے — کیا ہمارے کوئی خدا نہ ہوا؟

باز آئے ہمارے قتل سے وہ — ہم جسے سمجھے تھے ہوا - نہ ہوا

کوئی حد بھی غرور کی آخر — یارب وہ بت ہوا - خدا نہ ہوا

حیف ہے تیری زیست پر فانی — اس کے غم مین اگر فنا نہ ہوا

بازی گاہِ وفا

(از جناب شفیق صدیقی جونپوری - اڈیٹر وحید العصر)

(مر کے بھی ساتھ رہینگے، وہ وفادار ہین ہم)

جفا، وفا، حُسن، عشق، یہ چند لفظین اپنے اپنے مفہوم کے اعتبار سے تو بالکل ایک دوسرے سے بے تعلق ہین وفا بول کر جفا یا حُسن بول کر عشق کبھی مراد نہین لیا جا سکتا مگر جب دنیائے محبت کی سیر کیجیے تو ہر تماشاگاہِ الفت مین یہ چارون ساتھ ہی ساتھ نظر آتے ہین۔ حُسن و عشق کا باہمی اتحاد اور ان دونون مین سے ہر ایک کا ایک دوسرے کے لیئے محتاج الیہ ہونا تو بداہتہً ظاہر ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وفا اور جفا بھی عاشقی کے لوازمات مین سے ہین۔ عاشقی کے پرستش کدون مین جہان جہان حسن و عشق کے جلوے ہین وہان ساتھ ہی ساتھ وفا و جفا کے کرشمے بھی قابل دید ہین جنھین دیکھکر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ باوجود معنوی مغائرت کے حسن عشق کو وفا و جفا کے ساتھ کتنا گہرا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن و عشق کا لطف جفا و وفا کی بدولت ہے۔

عاشق حسن سے متاثر ہوتے ہی معشوق کی ہر ادا پر سیکڑون جانین قربان کرنیکے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جفا پرور معشوق کی طرف سے ظلم پر ظلم ستم پر ستم ہوتا ہے مگر عاشق جانباز ہر طرح جفاکشی و نازبرداری کے لیئے آمادہ و تیار رہا کرتا ہے اور استقلال کا دامن اسکے ہاتھ سے نہین چھوٹتا۔ حُسن و عشق کے تمام واقعات پیش نظر ہین۔ کتابِ محبت کی ہر داستان مین یہی لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ عاشق نے وفا کی اور معشوق نے جفا کی۔ افسانۂ الفت وفا و جفا کے تذکرے سے خالی نہین جلوہ گاہ حقیقت ہو یا تماشاکدۂ مجاز حضرتِ عشق جس بزم مین رونق افروز ہونگے وہان حسن و الفت کا وفا و جفا کے ساتھ ایک لاینفک تعلق ہوگا۔

شور شکدۂ حقیقت کا وہ حشر نما واقعہ جو کربلائے معلیٰ کی زمین پر وقوع پذیر ہوا۔ جہان شہیدان عشق اپنے سر کٹوا کر مدعیان محبت کو دکھا دئے کہ یون امتحان گاہ عشق مین تمغہ گاہِ عشق مین تمغۂ کامیابی حاصل کرتے ہین۔ اسکی تمام شہرت و مقبولیت کا دار و مدار وفا و جفا پر ہے۔

مقتل عشق کے سربرآوردہ شہید جناب منصور جن کی صدائے اناالحق نے انھین سردار سرافراز کیا انکی بھی خونبازی کو جو کچھ اہمیت حاصل ہوئی اسی جفا و وفا کی بدولت۔

میدان مجاز مین قیس عامری کی مجنونیت اور لیلائے نجد کی معشوقیت کا چرچا جفا و وفا ہی کی بدولت ہے کوہ بیستون کے سنگریزے آجتک فرہاد و شیرین کی وفا و جفا کی سرگزشت زبان حال سے سنا رہے ہین غرضیکہ وفا و جفا یہ دو چیزین انجمنِ عشق مین زینت محفل ہین اگر یہ دونون نہ ہون تو حسن و عشق کے جلسون مین سناٹا ہی سناٹا نظر آئے۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن دل بدستِ دگرے دادن و حیران بودن

عاشق کا یک لخت بندۂ معشوق ہو کر اپنے محبوب و مطلوب کی خاطر داری و رضاجوئی کے لیئے اپنی ہستی کو مٹا دینا یہی شان وفا ہے اور معشوق کا عاشق سے نقد دل لیکر اسے حیران و پریشان کرنا یہ آئین جفا ہے حسن و عشق کی ابتدا جبسے ہوئی اور اسوقت سے آجتک جتنے عاشق و معشوق گزرے انکی داستانین وفا و جفا ہی کی بند و لبست دلچسپ ہین بغیر جفا و وفا کے حسن و عشق کے افسانے نا مکمل ہین مشہور ہے کہ جور و جفا

معشوق کی سرشت مین داخل ہین اور وفاداری عاشق کا خاصہ ہے۔
زینب النساء مخفی

کار معشوقان نمک بر زخم نہان ریختن
کار عاشق خون خود بر پائے جانان ریختن

مگر زمانہ حال کی ایک بزم عشق کار معشوقان نمک بر زخم پنہان ریختن کے کلیہ سے کلیتہً مستثنیٰ نظر آتی ہے جسمین ہر طرف فاہی وفا کے جلوے آشکار ہین جفا کا کہین گزر ہی نہین یعنی اہرام بے کی حسن پرستی کا واقعہ معشوقان و حسینان زمانہ کے لیئے ایک عبرت دہ واقعہ ہے جسمین گویا انھین وفا کی تعلیم دیگئی ہے۔

عرصہ سے قلمرو قسطنطنیہ مین ایک سے زیادہ شادی کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن قسطنطنیہ کے متمول و زندہ دل رئیس اہرام بے نے اس قانون کی کچھ پرواہ نہ کی۔ بالآخر حکومت نے مجبور ہو کر اس امر کی ہدایت کی کہ وہ اپنی حرم سرا توڑ دے ورنہ سزا پائیگا۔ اہرام بے نے اس حکم ثانی کو بھی ٹھکرا دیا اور بجائے حرم سرا توڑنے کے اسنے ایک پر تکلف ضیافت کا انتظام کیا جسمین وہ اور اسکی ۱۰۳ بیویان شریک ہوئین جو نہایت زرق برق پوشاکین زیب بدن کئے ہوئے تھین اور ان مین سے ایک ایک کا حسن دلفریب جمال حور کو شرما رہا تھا۔ یاں

شب کی شب بزم طرب ہے پردہ دار انقلاب
صبح تک آئینۂ عبرت نما ہو جائیگی

خاصہ چنا گیا جسمین زہر ملا لیا گیا تھا وہ زہر آلود کھانا سب نے ملکر کھایا اور رات بھر مزامیر کا سلسلہ جاری رہا۔ اہرام بے نے اسباب عیش و سامان راحت کی فراہمی مین اپنی جملہ امکانی قوت صرف کر دی اور رات بھر معشوقان زہرہ جبین کو گلے لگا لگا کر اپنے حوصلے نکالتا رہا۔ آخرش

صبح دمید و شد گذشت ماہ مین نجانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بما مین بہانہ رفت

رات بھر یہ صحبت عیش آراستہ رہی اور صبح تک اہرام بے ملک عدم کو سدھارا اسکی شریک بزم نازنینان حور پیکر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اور سب اپنے راستباز عاشق کے ساتھ بر لب فرش ہو گئین۔ دیکھو اس طرح سے مرجاتے ہین۔ مرنے والے اہل ہنود کی مستورات کا اپنے شوہرون کے ساتھ ستی ہونا سننے والون کے لیئے ایک بہت بڑی تعجب خیز بات تھی۔ لیکن اہرام بے کا یہ جانبازانہ واقعہ اور اسکے معشوقون کی یہ مردانہ جان نثاری اس سے زیادہ حیرتناک ہے۔
حضرت مجوّد دہلوی۔

کسی کے حکم کے یون منتظر مسافر تھے
کہ ایک موت کی ہچکی کے ساتھ آخر تھے

عالم حال

(جناب شیخ غلام حسین صاحب بشر سیمابی امرتسری)

نہ ترانہ ہائے کمال ہین، نہ فسانہ ہائے زوال ہین
یہ سبھی کرشمے خیال کے سبب نشاط و ملال ہین

مجھے کیا غرض ارنی کہون، مین تو بحر عشق مین غرق ہون
مری ایک آہ مین سینکڑون کئی سوز طور جمال ہین

ہے نگاہ شوق کی گود مین مرا دل بھی مردم چشم بھی
یہ مری نظر کی ہین شوخیان ترے رخ پہ جتنے بھی خال ہین

مین کہون تو قصۂ غم بشر بس و پیش مجھکو نہین مگر
انھین قیل و قال سے کیا غرض جو فدائے عالم حال ہین

دیسی ادب کی تاریخ

(از جناب سید شاہ محمد نذیر صاحب ہاشمی غازی پوری)

ہندوستان کے قدیم نشانات و آثار ادب راجپوتانہ کے ان رزمیات اور نغمات مین ملتے ہین جو تقریبات شادی و غم مین مطربون اور کلاونتون کی زبانی سُنے جاتے تھے - اس ذات کو جو بہادرون اور راجاؤن کے کارنامون کو اپنے خاندانی پیشہ کی طرح زبانی یاد کرتے اور نسل بعد نسل اُن کو ایک حافظہ سے دوسرے حافظہ کو منتقل کرتے تھے بھاٹ کہتے ہین اور اس کے صلہ مین اِن کو جاگیرین دیجاتی تھین - سب سے پہلا بھاٹ جسکے حالات کچھ صحت کے ساتھ معلوم ہین چاند بردئی گزرا ہے جس نے آخر زمانہ بارہ صدی مین پرتھوی راج کے کارنامون کو مشہور و محفوظ کیا اس مجموعہ کا نام "پرتھوی راج رہسیا" ہے - اس کا ہم عصر جگ نایک تھا جس نے مہوبا کے راجہ پرواردی کے دربار مین رسوخ پیدا کیا تھا - اسی کو "آلہا یا آلہا کھنڈ" کا مصنف کہتے ہین اب آلہا اودن نے رزم و بزم کے منظومات صرف زبانی لوگون کو یاد ہین پوری مثنوی لکھی ہوئی صورت مین کہین نہین ملتی - انھین مطربان قدیم یا رزم گویان ہند مین چودھوین صدی کے وسط مین ستنگ دھر گزرا ہے - پھر رستنبھور کے بہادر راجگان کے کارنامون کو اسی رزمیہ شاعری کے سلسلہ مین سترھوین صدی مین مشہور و منظوم پاتے ہین - اس زمانہ مین دو طرح کے بھاٹ اپنے اپنے خصوصیات کلام کے لحاظ سے گزرے ہین - ایک گروہ میواڑ کے دربار مین دوسرا مارواڑ کے یہان تھا - لال پانی ایک شاعر مورخ گزرا ہے جس نے بندیلکھنڈ کی تاریخ لکھی تھی - یہ راجپوتی دور ادب رزمیہ سترھوین صدی تک ترقی اور شہرت پزیر رہا -

کرنیل ٹاڈ نے "آثار راجستان" سے راجپوتانہ کی تاریخ کو تنقید کردیا - انھین اذکارین بھاٹون کے رزمیات اور انکے دور دورے کا ذکر ہے - اور یہ نہین کہا جاسکتا کہ تاریخی صداقت کے لحاظ سے یہ تمام قصص و حکایات گرے ہوئے ہین - ان کارنامون مین وہ جنگ و جدال کا بھی حصہ ہے جو چھ سو برس تک ہندوستان مین مسلمان حملہ آورون اور ہندی بہادرون مین گرم رہے اس کو بھی منظوم صورت مین محفوظ و مدون کیا ہے - ممکن ہے کوئی روشن خیال والی راجپوتانہ اس طرف توجہ کرے اور اسکی کوشش سے یہ قدیم تاریخ منظوم مطبوعہ صورت مین محفوظ کی جاے - یہ مختصر تذکرہ راجپوتانہ کی ادبی تاریخ کا ہے - اس کے بعد اب دیکھنا ہے کہ دیسی ادب نے گنگا سے سیراب میدانون مین کس طرح فروغ پایا - پندرھوین صدی مین وشنومت کا نمو ہوا - سنہ ۱۴۰۰ء مین رامانند رشی اور فقیر کی تبلیغ و تعلیم سے رام کی پرستش اور عظمت کا عقیدہ پھیلا - اس کے چیلے اور مرید کبیر نے اپنے پیر مرشد سے زیادہ شہرت اور قبولیت پیدا کی - کبیر نے ہندومت اور اسلام کے محاسن خصوصی کو مشترک و متحد کرکے ایسے مسلک کی بنا ڈالی جو افتراق و اختلاف کو مٹانے والا ثابت ہوا - یہ مسلک رامانند نے قائم کیا تھا جو پھر بعد کو دو صدیان گزرنے کے تلسی داس کے تصانیف مین قوت و اثر پزیر ہوا - اس مین رام کو اوتارانہ عظمت دی گئی سیتا وفا اور خدمت کی دیوی قرار دی گئی - ان تلمیحات و اشارات مین بنی نوع انسان کی گناہ پسند فطرت کو نمایان کرکے پھر ہر چیز مین قادر مطلق کی خیر و برکت پسندی کو عالم مین آشکارا کیا گیا ہے - آخر مین اس مت مین خاص طور پر زور دیا گیا کہ دنیا کا کوئی مذہب یا مسلک برا نہین ہے اور معارف و تنویرات ربانی سب مین ایک در مشترک ہین میرن بائی نے اور دیدیا یہی ٹھاکر نے اپنی غزلون اور بھجنون سے

کرشن اور رادھا کے عشق کو ہندوستان میں اس سرے سے لیکر اُس
سرے تک مقبول و مشہور کیا - ان کلاموں کی زبان رازِ طریقت و معرفت
کی تھی مگر رفتہ رفتہ ان مشاہیر ہستیوں کی پوجا ہونے لگی نتیجہ یہ ہوا کہ کرشن مت
میں راما مندی مت کے مقابلہ میں خدا کی توحید کی عظمت اور
روشنی نہیں رہی -

ان دونوں متوں کو چھوڑ کر اس شہرۂ آفاق عجیب و غریب ہستی کو
دیکھنا چاہیے - جس نے ہندو اور مسلمان مذاہب و مسالک کے اثرات
کو یکساں جوش سے جذب و قبول کیا یعنی ملک محمد جائسی نے جو
۱۵۴۰ء میں گزرے ہیں پدماوت ایسی مشہور کتاب لکھکر دیسی زبان میں
سب سے پہلی اور مستقل نظم کی ایک یادگار رازدار چھوڑی ہے اس نظم میں
نہایت لطیف فلسفیانہ خیالات اور عارفانہ جذبات موجود ہیں کیا یہ رتن سین
کا پدماوت کے فراق میں جنگل اور بن میں پھرنا دکھایا ہے علاء الدین
کا قلعہ چتور پر چڑھائی کرنا اور پدماوت کا حق وفا اس طرح ادا کرنا دکھایا
ہے کہ جب ہر طرف سے مایوسی ہوگئی اور علاء الدین نے قلعہ فتح کر لیا تو پدماوت
نے آگ کی چتا میں کود کر حسن اور عشق کے سامان کو خاکستر کر دیا پدماوت نے
شاعرانہ تلمیح اور اشارے سے گویا روح کا معرفت الٰہی کی جستجو میں پھرنا اور
تکلف اور آزمایش کا مقابلہ کرنا ظاہر کیا ہے - مسلمان فقرا نے اپنی تصانیف
اور شاعرانہ خیالات میں ہندوستان کے باشندوں اور روایات سے بدرجہ
کمال ہمدردی اور پاسداری کی ہے -

پدماوت ایک ایسی تصنیف ہے جس سے سولھویں صدی کے میلانات
اور رجحانات کے آئینہ خانہ میں پوری پوری روشنی پڑتی ہے مگر ایک بات میں
ملک محمد جائسی نے برخلاف ہندو مصنفین کے فارسی رسم الخط میں اپنی تصنیف
کو مکمل کیا ہے - اس سے پہلے راجپوتانہ کے عہد شاعرانہ میں پراکرت زبان میں
خیالات منظوم ہوتے تھے تا آنکہ ملک محمد جائسی نے اپنے وقت میں اس کی ترقی
یافتہ رائج شدہ اور قابل فہم ایسی زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کیا

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے دیسی زبان کا استعمال اور اُس سے عوام الناس
تک خیالات اور پیغامات پہونچانے کا کام گوتم بدھ نے لیا تھا چونکہ
اُس کی تحریک اصلاح و اشاعت نروان عامۂ خلائق کے لیے تھی اسلیے
اُس نے اسوقت تک کی دیسی زبان کو اپنا آلۂ خیال و ذریعۂ اظہار بنایا
بعض محققین زباندانی کا خیال ہے کہ گوتم بدھ نے سنسکرت کو چھوڑکر
پراکرت کی آسان اور عام طور سے بولی جانے والی زبان کو آسان کر دیا
یعنی اپنے مذہب کی تبلیغ عوام کی زبان میں شروع کی گویا وہ زبان جسکا
نام آج اُردو ہے اپنی ابتدائی حالت میں گوتم بدھ کی توجہ اور کوشش
کی ممنون ہے اور علامہ احسان اللہ عباسی گورکھپوری نے اُردو
کو ہندوستان کی عام زبان ثابت کرنے کے لیے مقام کپل وسط کو اُردو
کا مولد اور گوتم بدھ کو اس کا بانی قرار دیا ہے شنکراچاریہ نے وشنومت
کو جاری کرکے بدھ مذہب کو ہندوستان سے جلاوطن کر دیا ملک محمد جائسی
اور وشنومت کے فقرا اور شعرا نے اسوقت کی دیسی زبان کو نشر و اشاعت
تصوف کے لیے اختیار کیا یہ وہی زبان تھی جو آج بھی ٹھیٹھ دیہی مقاموں
میں بولی جاتی ہے السنۂ قدیم کے ماہرین نے تسلیم کیا ہے کہ تان سین زبان کے
معاملہ میں بڑا مخلص گزرا ہے وہ صرف شہنشاہ اکبر شاہی مطربوں اور
موسیقی دانوں میں نہیں تھا بلکہ بہت بڑا شاعر اور مصنف بھی تھا اسی طرح
سولھویں صدی میں شعرا کے رشنیہ کا مذاق سخن نابھہ داس کی کتاب
بھگت مالا سے معلوم ہوتا ہے -

ہندوستان کی شاعری اور روحانی زمزمہ سنجی برج میں بلبلا رہی
شعرا کے دور میں شہرت پذیر ہو رہی تھی اسیکے قریب مغلیہ دربار دہلی میں
ایسے ہندو شعرا اور ادیب کا مجمع ہوتا ہے جو اُردو زبان کی پرورش
کرنے والے ایسی جذبات کے نشو و نما دینے والے کہے جا سکتے ہیں - راجہ
ٹوڈرمل ہندوستان کی تاریخ میں اقتصادی اور مالی حکمت کا مشہور وزیر
باتدبیر گزرا ہے مگر اس سے زیادہ اس کا وہ کارنامہ قابل افتخار سمجھا جاتا ہے

جو اُس نے اُردو زبان کے رائج کردینے اور دیسی ادب کے فروغ دینے میں انجام دیا۔ بیربل اکبر کا مصاحب خاص بہت سے ظریفانہ حکایتوں اور کہانیوں کا مصنف تھا وہ سامنے آتا ہے اور دیسی زبان میں نظم ونثر کو ترقی دینے کی انتہائی کوشش کرتا ہے عبدالرحیم خان خاناں خود بہت بڑا شاعر کبت اور کہاوت کہنے والا تھا اُس نے نہایت فیاضی اور سخاوت کے ساتھ اپنے وقت کے شاعروں اور ادیبوں کی مدد کی اجمیر کا راجہ مان سنگھ بھی بہت بڑا مربی ادب کا تھا ان لوگوں کے تذکرہ کے ساتھ ترہاری - ہری ناتھ کرن اور گنگ اپنے وقت کے مسلم الثبوت شاعر اور ادیب مانے گئے ہیں تلسی داس سب سے بڑا شاعر ہوا ہے جس نے رام کے کارناموں کو نظم میں دکھایا ہے اس شخص کا رتبہ بلند اور فرد ہے یہ بنارس میں بہت دنوں تک رہا ہے اس کے شہرت کی خانقاہ میں کسی اس کے ہم عصر نے جرأت حاضری اور پابوسی کی نہیں کی اس کے چیلے لاکھوں کی تعداد میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن اس کے طرز ادا کے مقلد صحیح معنی میں کوئی نہیں۔ جب ہندوستان کے دور ماضیہ پر رجعت نظر پھیری جاتی ہے تو اس کا نام اور اس کی قابلیت جگہ جگہ نرالا اور مضبوط پایا جاتا ہے اس کی تصانیف مثل انجیل مقدس کے ہندوستان کے ہر حصہ میں پڑھی گئیں اور یاد کی گئیں کوئی حصہ کوئی عذر اور کوئی ذی صحبت ایسی نہ تھی جس میں راماین کا دور نہ ہوا ہو مسٹر گراؤز نے راماین کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے وہ اس کے آغاز دیباچہ میں لکھتے ہیں "یہ ایسی کتاب ہے جسکو شاہی دربار میں اور غریب کسان کے خس پوش جھونپڑوں میں یکساں طور پر پڑھتے اور وجد کرتے ہیں ہندوؤں کا ہر طبقہ امیر و غریب جوان اور ضعیف سب میں اس کا اثر اور اعتراف موجود ہے" دیسی شاعری کا یہ دور تلسی داس اور سورداس کے شاعرانہ تخیلات سے نمایاں سمجھا جاتا ہے زبان کی صفائی خیالات کی شستگی اور طرز ادا کی عام فہم خصوصیت ان لوگوں کا مذاق

تھی جو سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ کو دیسی ادب میں زبردستی ٹھونسنا چاہتے تھے۔ ایک یا دو ناقابل ذکر شعرا کے بعد کیشب داس (۱۵۸۰ء) کا زمانہ آتا ہے جس کو اس وقت کی نہایت خوبصورت اور قابل شاعرہ پرتھی راے سے ایک لگاؤ تھا اسی کے عشق اور خیال نے اُس کو کوی پریا نامی کتاب لکھنے پر آمادہ کیا اس کے ستر برس کے بعد ستر ہویں صدی میں کیشب داس نے جو قواعد عروض تیار کیے تھے انکو چنتامنی تیرپاٹھی نے رائج اور مستعمل کیا۔ ستر ہویں صدی کے آخر میں کالیداس ترویدی نے ہزارا نامی ایک کتاب میں شعرا کا تذکرہ لکھا اسی صدی کے اواخر ایام میں بعض تحریکات مذہبی نے خیالات میں ایک نیا انقلاب پیدا کیا۔ داود (۱۶۰۰ء) نے داد و پنتھ جاری کیا پران ناتھ (۱۶۵۰ء) نے پران ناتھی پنتھ قائم کیا اور گوبند سنگھ نے سکھوں کا سکھ مت پیدا کیا اور گرنتھ صاحب نے سکھوں کی مقدس مذہبی کتاب جمع کیا

جے سنگھ راجپوت شعرا کا بہت بڑا مربی گزرا ہے اُس کی نگرانی اور ہمدردی سے بہاری لال چوبے نے سات سو غزلیں تصنیف کیں اور ہر غزل کے صلہ میں اُس کے مربی جے سنگھ نے ایک ایک اشرفی انعام دی اور یہ غزلیں دو دستی ہیں بہاری لال چوبے کا لقب مفسروں اور ترجمانوں کا شمار تھا۔

اب وہ زمانہ آتا ہے کہ شاہان مغل کا زوال شروع ہوتا ہے اور مرہٹوں کا زور اور زوال بھی انتہا کو پہنچتا ہے راجپوتانہ میں سازشوں اور سیاسی تحریکوں کا جال پھیل جاتا ہے۔ ادیب اور شعرا کا کال پڑ جاتا ہے ہر طرف اداسی ہے اور مجلس شعرا میں سوائے چند نفوس کے اور کوئی نہیں اس زمانہ میں اودے ناتھ ترویدی اور جسونت سنگھ کے نام سننے میں آتے ہیں اودے ناتھ ترویدی نے بکھاری لکھا اور جسونت سنگھ نے رس چندرودے لکھا۔ اسی زمانہ میں سبھا بھی بالا پے نے لکھی بکھاری داس نے تریشتی لکھی اور بہاری رتن کنور نے

پریم رتن لکھی۔

اب زمانہ انیسویں صدی کے آغاز کا مرہٹہ یورش اور تسلط کے زوال کا ہے یہاں تک کہ ہندوستان میں غدر ۱۸۵۷ء کا شروع ہوتا ہے اس دور میں بھی نہایت اچھے شاعر اور صاحبان کمال پیدا ہوتے ہیں کبھی یہ دیکھا گیا ہے کہ جنگ کی کشمکش اور دور پرآشوب میں علم اور فن کے بڑے بڑے مشاہیر پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اس کے بالکل برعکس دور امن میں قحط الحال ہوتا ہے بہرحال اس بحث کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وقت آدمی کو مشہور مقبول بناتا ہے یا خود بڑے لوگ وقت اور زمانہ کی صورت حال کو بناتے ہیں۔ دیسی ادب کے لیے یہ زمانہ بہت موافق تھا انگریزوں نے ہندی کا چھاپہ خانہ شمالی ہندوستان میں قائم کیا ۱۸۰۳ء میں ایک انجمن ہندی تصانیف نثر کے لیے قائم ہوئی اسی کوشش سے **لال لوجی لال** نے پریم ساگر لکھی۔ اسی مطبع اور انجمن کے ذریعہ سے منشی داس کے تصانیف طبع ہو کر ہندوستان میں مقبول عام ہوئیں ہند متوسط میں دو شاعر پدم کار بھٹ و مکرم ساہی بہت شہرت پذیر ہوئے بنارس میں مہابھارت کا ہندی ترجمہ **گوکل ناتھ** نے شایع کیا اسی کے ساتھ ساتھ تنقیدی اہل قلم پیدا ہوئے خصوصاً ہریشچندر نامی مصنف نے ہندی ادب کی تنقیدی زندگی کو روشن کیا۔ اسی زمانہ کے قریب قریب راجہ شیو پرشاد نے تعلیمی معاملات میں دلچسپی لیکر دیسی ادب کو بہت فروغ دیا کلکتہ میں کرشنا نند ویاس ادیب نے سنسکرت کا لغت راگ ساگر دو بھو اب لکھا اسی کے قریب قریب ڈرامے اور ناٹک کی تصانیف شروع ہوئیں غرضکہ ہندوستان کی دیسی ادبی ترقی سولہویں سترہویں صدی میں انتہائی معراج کو پہونچ گئی تھی کہا جاتا ہے کہ یہی زمانہ انگلستان میں بھی مشاہیر ادب کے عروج اور شہرت کا تھا۔ سولھویں صدی میں ہندوستان کا وہ حصہ جس کو برج کہتے ہیں **کرشن جی** کے شہرۂ کمال سے موجب تصانیف عالیہ ہوا۔ ایک خاص قسم کے شعرا یہاں گزرے ہیں۔ اس دور شعرا کا بانی **بلب چاریہ** ہوا ہے اس کے بعد اس کا لڑکا **بٹھل ناتھ** ہوا ہے جو اس کے تلامذہ **اشٹھا چپ کرشن داسس** سورداس مشہور ہوئے ہیں سورداس کو واقفان فن نے تلسی داس کے برابر جگہ دی ہے۔ سورداسس آگرہ کا رہنے والا تھا اس کو یورپین ادیبوں نے تلسی داس سے دوسرے درجے پر رکھا ہے۔

اسی زمانہ میں گورمنٹ نے اردو زبان کو جو پرانی زبان کی ترقی یافتہ صورت ہے ترقی کی کوشش کی اور فیلنس ڈکشنری اور پلاٹس ہندوستانی ڈکشنری اردو انگریزی کا لغت شایع ہوا یہاں تک کہ ڈاکٹر لیٹنر نے پنجاب میں اس زبان کو فروغ دیا۔

شاہ نذیر ہاشمی

رباعی

جہدے کن و با مردم دانا بنشین　　یا با صنم لطیف و رعنا بنشین
زین ہر دو اگرت ہیچ میسر نشود　　اوقات مکن ضائع و تنہا بنشین

نواب عماد الملک مرحوم

۲ جون ۱۹۲۶ء کا اندوہناک دن مسلمانان ہند کے لئے ایک پیام ماتم لیکر طلوع ہوا اس روز ۳ بجے کے قریب وہ آفتاب علم و فضل غروب ہوگیا جس کے تبحر کی نورانی کرنین نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو تجلی زار بنائے ہوئے تھین بلکہ جس کی تابشون سے علمائے مغرب کی آنکھین بھی خیرہ نظر آتی تھین آہ عماد الملک اجنکی مسلم الثبوت قابلیت کی شمع ہماری اُجڑی ہوئی محفل کو منور کئے ہوئے تھی ۳ جون کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بجھ گئی اور ہر طرف تاریکی چھا گئی (انا للہ وانا الیہ راجعون) نظر نہین آتا کہ اس گوہر آبدار کو کہان ڈھونڈین جنکی ذات مجمع الصفات پر گزشتہ نصف صدی جسقدر ناز کرے بجا ہے، علوم شرقی اور مغربی کا ایک بیش بہا خزانہ تھا جو زمانہ کی دستبرد سے لُٹ گیا، محفل سونی پڑی ہے کہ اس کا صدر روپوش ہوگیا، انجمن بے شمع ہے کہ اس کو روشن رکھنے والا خاموش ہوگیا لیکن نہین صدر روپوش ہے مگر اس کے نغمے فضا مین گونج رہے ہین، شمع گل ہوگئی مگر اسکی تجلی جلوہ ریز ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ علم ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

فرخندہ بنیاد حیدر آباد نصف صدی تک نواب عماد الملک سر سید حسین بلگرامی کے علمی اور قومی کارنامون کا جولانگاہ بنا رہا سر سالار جنگ اول کی جوہر شناس نظر نے اودھ کے اس مردم خیز خطۂ پاک کے ایک گوہر آبدار کو انتخاب کیا جہان سے بڑی بڑی معرکۃ الآرا ہستیان ظہور مین آئین جنھون نے اپنی عالی دماغی، اعلیٰ قابلیت اور مہتم بالشان علمی کارنامون سے مشرق کو مغرب کا ہمدوش بنا دیا تھا اپنے وطنی اعزاز کو بلند تر مرتبہ پر پہونچانے مین سید حسین بلگرامی نے جو جو علمی اور قومی خدمات انجام دین اُن پر بلگرام کیا کل ہندوستان جسقدر فخر کرے کم ہے حیدر آباد دکن مین مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد نہ صرف دائرۃ المعارف، کتب خانہ آصفیہ، مدرسہ نسوان، مدرسہ اعزہ وغیرہم کا وجود آپ کی مساعی جمیلہ کا مرہون منت تھا بلکہ آپ نے مرحوم اعلیٰحضرت، اور موجودہ فرمان روائے دکن سی اہم ترین شخصیتون کے اطوار و اخلاق کو سنوارنے مین بحیثیت اتالیق کے جو عظیم الشان خدمت انجام دی تھی اس کی مثال ملنا محال ہے، سرزمین دکن نے آپ کی علمی آبیاریون سے باغ ارم کا روپ اختیار کرلیا تھا اس لئے کہ اس کی ابتدائی ترقی کے زمانہ مین وہان کے ناظم تعلیمات، ہوم سکریٹری اور مشیر وزیر اعظم کے جلیل القدر عہدون پر فائز ہونے کے بعد آپ نے ایسی جلیل القدر اصلاحات کو رواج دیا جن کی بنا پر آج حیدر آباد ترقی کی منازل طے کر رہا ہے،،

آہ! اس محترم اور پاک ہستی کے عدیم المثال اوصاف اور قابلیت کو خاطر خواہ طریقہ پر بیان کرنے سے زبان قلم قاصر ہے اسلئے کہ ایسے مقدس نفوس اس دار فانی کو اپنے وجود مسعود سے شاذ و نادر ہی متبرک بناتے ہین، افسوس کہ خطۂ بلگرام کو چمکانے والا آفتاب علم آج آسودۂ خاک ہے۔ مرحوم نے جس زمانہ شناسی، روشن خیالی، تدبر و احتیاط سے اپنی معروف زندگی بسر کی وہ آنیوالی نسلون کے لئے چراغ ہدایت کا کام دیگی، آج نہ صرف بلگرام اور حیدر آباد بلکہ سارا ہندوستان اس غم مین سوگوار ہے کہ اس ستون محکم کو موت کی دستبرد نے متزلزل کر دیا جس نے ریاست کی باد مخالف کے تیز و تند جھونکون سے کبھی جنبش بھی نہین کھائی تھی۔

TRADE MARK

نمایش گاہ کلکتہ
سنہ ۱۸۸۳ء

نمایش گاہ لکھنؤ
سنہ ۱۸۰۵ء

ESTABLISHED

شاخ "گلزار حوض" حیدر آباد دکن

شاخ چاندنی چوک دہلی

ہندوستان میں سب سے بڑا عطر کا کارخانہ

صرف

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

تار کا پتہ "حنا"

ٹیلیفون نمبر ۱۳۹

کا ہے

جو ۱۸۳۹ء سے نیکنامی کے ساتھ جاری ہے

نمایش گاہ الہ آباد
سنہ ۱۹۱۰ء

نمایشگاہ ویمبلی لندن
سنہ ۱۹۲۴ء

نمایش گاہ کلکتہ
سنہ ۱۹۰۱ء

مطبوعہ مطبع مقبول المطابع نظیر آباد لکھنؤ باہتمام سید مقبول حسین وصل بلگرامی

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغان نیز کنند

(عطیہ علامہ سر اقبال)

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا مقبول و جہان عزیز جریدہ

۱۳۴۴ھ

مرتبہ

سید مقبول حسین وصل بلگرامی

"مرقع" کے قواعد وضوابط

(۱) مرقع ہر انگریزی مہینے کی ۵ تاریخ کو دارالادب لکھنؤ سے شایع ہوگا۔

(۲) مرقع کی قیمت عام خریدارون کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔

(۳) مرقع کا نمونہ بغیر ۵/ نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہوسکتا۔

(۴) مرقع کی قیمت رؤساء ودیگر معزز اصحاب ورا سکے مربیون سے انکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

(۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے۔

(۶) خط وکتابت کے سلسلہ مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔

(۷) رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہئے۔

(۸) کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کرسکے۔

(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم ونثر درج ہونگے جو خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔

(۱۰) مرقع کو موجودہ پالٹیکس یا مذہبی مباحث سے کوئی سروکار نہوگا۔

(۱۱) تنقیدی مضامین بھی اس مین شایع ہونگے، مگر وہی جنمین خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بغض کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

(۱۲) ایسے مضامین جن مین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اُس مین ایسے مضامین ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہونگے۔

(۱۳) جس نظم ونثر کے مضمون مین زبان، لغت، یا فن کی غلطیان ہونگی اُسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اُسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کردین۔

(۱۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاءاللہ کبھی دل آزار یا متعصب نہ ثابت ہوگا۔

(۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاءاللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

"مدیر مرقع۔ لکھنؤ"

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت

ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجئے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ	صسہ	عسہ
چھ ماہ کے لئے	لصسہ	عسہ	لعطہ
تین ماہ کے لئے	عسہ	طہ	سے ر
ایک ماہ کے لئے	سے	صر	سے ر

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اُجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط وکتابت سے طے ہوسکتا ہے۔ اُجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے

منیجر مرقع لکھنؤ

جہان مرقع تصویر حسن او ست تمام — بہ حیرتم کہ بہ بندم دل از کہ بردارم

قیمت سالانہ معہ محصولڈاک پانچروپیہ

فہرست مضامین

نمونہ کا پرچہ آٹھ آنے (۸/)

جولائی سنہ ۱۹۲۶ء

کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو کے لئے تار کا پتہ صرف "خنا"، لکھنو کافی ہے

عرضِ حال

لئے جاتی ہے کہین ایک توقع غالب
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہمکو

خدا کا شکر ہے کہ "مرقع" کو شروع ہوتے ہوئے چھ مہینے ہو چکے اور آج وہ ساتوین مہینے مین اپنے قدم بڑھا رہا ہے۔ اس عرصہ مین باوجود اسکے کہ امیدون کے موافق اسکو کامیابی نہین ہوئی لیکن پھر بھی ... کی موجودہ حالت دیکھتے ہوئے اور صحائف و جرائد کی کثرت اور آئے دن نئے نئے رسالون کے اجرا کی حالت پر نظر کرتے ہوئے یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ "مرقع" نے ... کم از کم علمی طبقے مین ضرور مقبولیت حاصل کر لی۔ ملک کے ہر ہر گوشے مین اسکی شہرت ہوئی۔ ہندوستان کے مشہور اخبار و جرائد نے خاص پسندیدہ الفاظ مین اسکا خیر مقدم کیا۔ اور سب سے زیادہ اسکو یہ عزت و شرف حاصل ہوا کہ تمام مشہور اہل قلم۔ مسلم الثبوت اساتذۂ فن بہترین شعرا نامور نثار اور صاحب علم و فضل صاحبان نے اسکی ... قدر کی۔ اور خریدارون مین بھی روز بروز کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا۔

اس عرصے مین گو زمانے کی ... رسالون کی طرح اسکو بھی بہت سی پریشانیان لاحق رہین۔ بہت سی رکاوٹین حائل ہوئین لیکن "مرقع" ہر بار کچھ نہ کچھ ترقی کرتا نظر آیا۔ اسنے برابر کوشش کی کہ ... جو کچھ کمی ہے وہ دور ہو جائے جن چیزون کی ضرورت ہے انکا اضافہ ہو۔ اور "مرقع" ہر حیثیت سے پسندیدۂ عالم ہو۔

ابتدائی زمانہ ہر رسالہ کے لئے دشوار گزار ہوتا ہے۔ اور یہی زمانہ استقلال اور ثابت قدمی کا زمانہ ہے۔ اسی زمانہ مین اگر ہمت مین کمی نہین ہوئی کسی مشکل کی وجہ سے گھبراہٹ نہین پیدا ہوئی۔ ملک کی کم توجہی سے دل نہین ہوئی۔ خریدارون کی معتدبہ تعداد نہ ہونے کی ذرا بھی پرواہ نہ کی، تو اسکے بعد ترقی کا میدان ہاتھ آ جاتا ہے۔ اور جتنے مصائب و تکالیف ابتدا میں ملنے مین برداشت کئے گئے وہ سب خوشی و انبساط سے بدل جاتے ہین۔ زمانہ اسکا ساتھ دیتا ہے۔ مالی مشکلات فنا ہو جاتی ہین اور ہر طرف سے سیم و زر کی بارش ہوتی ہے۔

لیکن یہ زمانہ کب تک رہتا ہے؟ یہی ایک زبردست سوال ہے جسکا جواب صرف مدیر کی قیافہ شناس نظر پر موقوف ہے۔ مدیر کی انتھک کوششین۔ مدیر کا تجربہ۔ مدیر کا ... مدیر کی رسائی بہت جلد بتا دیتی ہے کہ یہ زمانہ کب ختم ہوگا اور ہمکو کس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

یہی وہ راز ہین جنکی وجہ سے رسائل جاری ہوتے ہی بند ہوئے۔ تھوڑے دن جاری رہکر آگے نہ چل سکے اور یہی وہ راز ہین جسکی باعث آج اخبار و صحائف کو کامیابی ہوئی اور اب وہ روز افزون ترقی کرتے ہوئے نظر آ رہے ہین۔

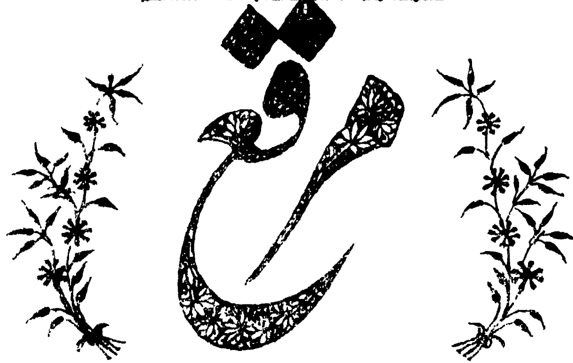
"مرقع" کے ساتھ بھی ایسے ہی سربستہ راز ہین۔ وہ بہت سی دشوار منزلین طے کر چکا اور جو باقی ہین انکے طے کرنے کے لئے تیار ہے۔ انشاء اللہ نہایت ہمت و استقلال کے ساتھ وہ اپنا کام کرتا جائیگا اور وہ دن بہت جلد آنے والا ہے کہ اسکی تمام امیدین کامیابی کی صورت مین نظر آئین اور جن تمنا‌ؤن و آرزو‌ؤن کے ساتھ اسکا اجرا ہوا ہے وہ سب پوری ہون۔

"مرقع" کو اس وقت تک کوئی ناامیدی کی جھلک نظر نہین آئی بلکہ ہمیشہ اسکو امید افزا مناظر کا سامنا ہوتا رہا۔ حیدرآباد کی اطراف و جوانب سے اسکے لئے لبیک کی صدائین آئے دن بلند ہو رہی ہین۔ شروع ہی سے اسکو بڑی کامل کامیابی کی توقع حیدرآباد ہی سے تھی یہانتک کہ سب سے پہلے عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ نے مرقع کی قدردانی فرمائی۔ اور آج وہ دن ہے کہ اعلیٰحضرت سلطان دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے کلام فصاحت التیام سے مرقع کو زینت و عزت حاصل ہو رہی ہے اور خدا نے چاہا تو بہت جلد وہ وقت بھی سامنے آ جائیگا جب اس دربار گہربار سے اسکو خاص خلعت قبولیت حاصل ہو۔

مین ان تمام صاحبان کا جنھون نے ہمین کسی نہ کسی قسم کی معاونت فرمائی دل سے شکریہ ادا کرتا ہون اور خصوصیت کے ساتھ ان صاحبان کا جنھون نے اپنی خدمات لوجہ اللہ مرحمت فرما کر اسکی اشاعت مین کوشش کی یا خود امداد فرمائی اور آئندہ کے لئے بہت کچھ توقعات دلائین، ممنون ہون۔ اس تحت مین فردی کے "مرقع" میں انکا ذکر کر چکا ہون، لیکن اس وقت بھی مجھے انکا اعادہ ضروری ... ہے۔ یہ اسمائے گرامی اگر بار بار کیا بار بار آئین تو بھی بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ مجھپر انکا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ علاوہ لسان الملک حضرت ریاض و دیگر مقامی جناب نواب حیدر یار جنگ بہادر۔ جناب نواب فصاحت جنگ بہادر۔ جناب نواب اختر یار جنگ بہادر۔ جناب مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی۔ جناب مولوی سید امیر الحسن صاحب رضوی بسمل جناب مولوی سید علی صغر صاحب بلگرامی۔ جناب حسنی کاکوروی۔ جناب ہوش بلگرامی۔ جناب اثر لکھنوی۔ جناب فرخ بنارسی۔ جناب آن اتامی۔ جناب سید محمد ایوب صاحب خلف جناب شبیر مچھلی شہری۔ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے۔ جناب منشی ممتاز علی صاحب آہ۔ جناب سید فضل علی صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ جناب سید شاہ زاہد علی صاحب سبز پوش۔ جناب سید وصی الحسن صاحب بلگرامی ڈپٹی کلکٹر۔ جناب مولوی محمد انعام اللہ خان صاحب رقت (میرٹھ) جناب حاجی محمد مصطفیٰ خان صاحب مصطفا۔ جناب مولوی سید محمود الحق صاحب حقی۔ جناب مولوی انعام الحق صاحب حقی۔ جناب شفیق جونپوری جناب سید نثار احمد صاحب نثار برادر لسان الملک حضرت ریاض۔ جناب قاضی ظہیر الدین احمد صاحب بسوانی۔ جناب جگر بسوانی۔ جناب باسط بسوانی۔ جناب عزیز بی اے حیدرآبادی جناب عبید کراچی۔ جناب وفی۔ جناب سید اختر حسین صاحب کورٹ آف وارڈس لکھیم پور۔ جناب مولوی عبد الاحد صاحب تعلقدار بسارا ضلع بلیا جناب خان سالار خان صاحب اسسٹنٹ ڈاکٹر لوی (دکن)۔ جناب مولوی ظفر حسین صاحب سفیر دہرہ دون۔ جناب مولوی سلطان احمد صاحب فائق بسوانی۔ نیز چند دیگر صاحبان نے جس قدر قدردانی فرمائی جسقدر امداد کی اسکے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہین۔ خدا کرے ان توجہات مین اضافہ ہو۔ یہ توجہات غیر فانی ثابت ہون۔ اور مرقع کو اپنی آئندہ توقعات مین ہر طرح کامیابی حاصل ہو۔

وصل بلگرامی

جلد ۱ — جولائی سنہ ۱۹۲۶ء — نمبر



بعکس روے تو ہر رنگ روح انسان است — ۱۹۲۶ء — ز حسن و عشق مرصع مرقع جان است

(ناطق لکھنوی)

کلام الملوک ملوک الکلام

نعت شریف

طبعزاد اعلیحضرت ہز اگزالٹڈ ہائنس آصفجاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ

نواب میر سر عثمان علی خان بہادر، فتح جنگ،

جی، سی، اس، آئی

تاجدار دولت آصفیہ دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ واقبالہ

در مدینهٔ تو بیا مسکنِ ایمان اینجاست — رحمتِ هر دو جهان مظهرِ رحمان اینجاست

دیدهٔ دل بکشا - نورِ ازل را بنگر — کز فروغِ نبوی جلوهٔ یزدان اینجاست

مسند آرای دنیٰ - صدر نشینِ طٰهٰ — مهبطِ روحِ امین - حاملِ قرآن اینجاست

گوید این گنبدِ خضرا - که به طورِ سینا — آنچه تو می‌طلبی موسیِ عمران اینجاست

تیرگی گر شده کافور چه جائے عجب است — که ضیابخشِ جهان مهرِ درخشان اینجاست

تو که اے ختمِ رسل - مهرِ نبوّت داری — هیچ صد خاتمِ انگشتِ سلیمان اینجاست

بده اے بادِ صبا تشنه لبان را مژده — جامِ توحید بکف - ساقیِ دوران اینجاست

رفعتِ روضهٔ پرنور چه پرسی از من — بر افق کنگره اش نیّرِ رخشان اینجاست

همچو جبریلِ امین خادم و جاروب کشے

بر درِ پاکِ تو عثمان علی خان اینجاست

اثیم ــ شادان اور آہ

از جناب منشی ممتاز علی صاحب آہ - ارشد تلامذہ حضرت امیر مینائی مرحوم

"مرقع" لکھنؤ بابت فروری سنہ رواں مین چند استفسار ادبی منجانب اثیم صاحب شائع ہوئے تھے جنکے جوابات مرقع بابت مارچ سنہ رواں مین لسید اولاد حسین صاحب شادان بلگرامی سینیر پروفیسر آف اورنٹیل کالج لاہور کی طرف سے شایع ہوئے ہین سینیر پروفیسر صاحب نے عموماً کل جوابات مین اور خصوصاً جواب استفسار نمبرا مین اپنی معلومات کی بنا پر بہت طوالت سے کام لیا ہی مگر پھر بھی مستفسر صاحب کا پورا مقصود حاصل نہین ہوا ہی - یہ تو ایسا ہوا جیسے مین سینیر پروفیسر صاحب سے پوچھون کہ بلگرام لاہور سے کتنی دور ہے اور آپ جواب مین فرمائین کہ مین بلگرام سے ایران اور وہان سے عرب گیا بمبئی آیا اور لاہور پہونچا - اب حساب لگا لو بلگرام سے لاہور دو سو میل ہوگا - استفسار نمبرا یہ تھا کہ لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ فدائے کی طرح اور قوافی آئے جائے کھائے - وغیرہ کے ساتھ برائے (واسطے) سوائے (بجز) کو ہم قافیہ کیا جا سکتا ہے یا نہین اور کتابت مین بہ پابندی تلفظ - قافیہ یائے مجہول لکھی جائے یا ہمزۂ اضافی - بحالت عدم جواز مفصل توجیہ کی ضرورت ہی اور بصورت جواز اساتذہ کے کلام سے مثالین درکار ہین (بحر خفیف ناسخ) مجھے جواب کے صرف اس حصے سے بحث ہے "قاعدے کی رو سے فدائے اور ایمائے وغیرہ کیساتھ آئے جائے کے قافیے درست نہونگے مگر از روئے کتابت ان قوافی کا اجتماع صحیح ہوگا اور یہ قوافی معمولی کہلائین گے" قافیے مین کتابت کو دخل ہی یہ صحیح نہین معلوم ہوتا جواب استفسار نمبر ۳ مین خود سینیر پروفیسر صاحب نے لکھا ہی کہ "قافیے کا مدار تلفظ پر ہے" اب قافیے کا مدار خوشنویسی پر ہو گیا - میری تحقیق مین برائے اور سوائے آئے جائے کا قافیہ ہو سکتے ہین اور اسیطرح کے اور الفاظ بھی گو ہمارے لیے ناسخ مرحوم سے زیادہ اور کون مستند ہو سکتا ہی مگر اثیم صاحب کے اطمینان کیلیے اور اساتذہ کے کلام سے چند مثالین لکھتا ہون ذوق مرحوم ؎

جو اس گلی مین مثل صبا آئے جائے ہے — فردوس مین بک سر کو تمنائے جائے ہے
نالہ اس شور سے کیون میرا دہائی دیتا — اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا
پنجۂ مہر کو بھی خون شفق مین ہر صبح — غوطے کیا کیا ہی ترا دست حنائی دیتا

مومن مرحوم ؎

کیا دکھ نہ دیکھے عشق مین کیا کیا اٹھائے داغ — زخمون پہ زخم جھیلے ہین داغون پہ کھائے داغ
پہنا ہی کسکا جامۂ گلدوز غیر نے — کیون تنگ ہو گئی مرے تن پر قبائے داغ
وہ تو بغل مین غیر کے سینے سے لگ گیا — پہلو بدلے زخم ہی سینہ بدلے داغ
تھی وصل مین بھی فکر جدائی تمام شب — وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب
رنگین ہی خون سر سے وہ ہاتھ آجکل ہے — جس ہاتھ مین وہ دست حنائی تمام شب

داغ مرحوم ؎

کہان بتون نے سینہ پہ اپنے کھائی چوٹ — ابھر ابھر کے جو کرتی ہی خود نمائی چوٹ
نہ کیون ہو چوٹ ہمارے دل کی چوٹ پر قاتل — لگائے جب ترا پنجۂ حنائی چوٹ
کیون کسکے دل کا حال کرین ہائی ہائی دل — اچھی کہی کہ ہم سے کہو ماجرائے دل
پھر عیادت آج وہ آ کر یہ کہہ گئے — ہو زندگی عزیز جسے کیون لگائے دل
دل چرا کر نظر چرائی ہے — لٹ گئے لٹ گئے دہائی ہے
پانی پی پی کے توبہ کرتا ہون — پارسائی سی پارسائی ہے
داغ ہر چند جان گردہی ہی — آپ کے سر کی قسم آپ کا شیدائی ہے

جب کبھی بیٹھے بٹھائے خفقان اُبھلا ہے ہم نے جاکر اُسی کوچے کی ہوا کھائی ہے

صبا مرحوم سے

دل ہے غذائے رنج جگر ہے غذائے رنج پیدا کیا ہے ہمکو خدا نے برائے رنج

ہم بار عشق کے متحمل نہ ہو سکے بس دل پکڑکے بیٹھ گئے وہ اٹھائے رنج

حلقے کمند کے ہین نہین حلقہ ہائے زلف سودا کیا انسیان ہین پائے کن ہین مبتلائے زلف

کیسے چھپا ہے چاند محاق حجاب مین دو دن اگر وہ رخ سے اپنے اٹھائے زلف

سحر مرحوم سے

صحت کلی تپ غم سے ابھی پائی نہین لطف اُٹھے وصل کا ایسی توانائی نہین

اب یقینی ہے قضا ہجر مین آئی میری تم کو منظور رہوئی دل سے جدائی میری

امیر مرحوم سے

ابتدا و انتہائے مصطفےٰ جانتا ہے بس خدا کے مصطفےٰ

ہشت جنت عرش جہت ہفت آسمان سب ہوئے پیدا برائے مصطفےٰ

حشر مین گھیرے تھے کیا مجھکو گناہ جلد ہے جس وقت آئے مصطفےٰ

مشکلین کیا نزع کی آسان ہوئین وقت پر تشریف لائے مصطفےٰ

دکھاؤ جلوہ جو دعویٰ ہے خود نمائی کا مجھے یقین نہین آتا سنی سنائی کا

صد شکر کہ نزع مین بھی آئے حضرت تشریف جنازے پر بھی لائے حضرت

محفوظ عذاب قبر سے ہون مین کہ ہے تعویذ لحد کا نقش پائے حضرت

قدر مرحوم سے

کھینچتے ہی قتل لالہ ہوئے سینکڑون داغ اُٹھتے ہی باغ دہر مین ہم نے اٹھائے داغ

جلکر تو ابنا ہوا ہون مین گرمی عشق سے ہے داغ میرے واسطے مین ہون برائے داغ

دل ہے بجائے عندلیب نالہ بصدائے عندلیب طرز اڑائے عندلیب مجھکو نہ پائے عندلیب

پھول سے گال کھولکر جاتے ہو باغ کو مگر دھوکے مین دیکھو دوش پر بیٹھ نجائے عندلیب

نمبر ۲

سوال نمبر ۲ یہ تھا کہ ہوئی یا ہوئے کا املا ایک ے سے صحیح ہے یا دو ے سے ان مین دو ے کے عدد لینا چاہیے یا ایک کے اور اسکی مثال بھی عنایت ہو الخ (سوال کی اصل عبارت مین تصرف کرکے) اس کے جواب مین سینیر پروفیسر صاحب نے خوشنویس کی طرز کتابت کو دخل دیکر (اشاعر کو خوشنویس ہونا لازم ہوگیا) تحریر فرمایا ہے کہ "جب اس کا املا دو ے سے ہے تو ۲۰ ہی عدد لینا چاہیین (چاہیے) جو ان الفاظ کو ایک ے سے لکھکر اوپر ہمزہ بناتا ہے وہ ۱۰ عدد تجویز کرتا ہے اور جو دو ے لکھکر ہمزہ بناتا ہے وہ ۲۰ عدد مانتا ہے۔ مگر سینیر پروفیسر صاحب نے اس کی سند تحریر نہین فرمائی ہے۔ ہوئی ہوئے اور لیے دیے مین جو فرق ارشاد ہوا ہے وہ بجا اور درست اور وہی سبب ہے کہ ہوئی اور ہوئے مین صرف ایک ے ہے۔ لہذا ان مین بابت کی ے لکھنا اور ۲۰ عدد لینا صحیح نہین معلوم ہوتا۔ یہ مشرب پہلے کبھی ہوگا بھی تو ضعیف ہوگا۔

کلیات قدر مرحوم مطبع مفید عام آگرہ مین چھپا ہے قطعہ تاریخ فراغ علم مولانا سید عبداللہ بلگرامی کے مادہ تاریخ مین خوشنویس صاحب نے ہوئے کو یا بابت سے یون لکھا ہے ؎ ہوئے کامل علم آگاہ بارہ سو چہتر مین۔ مگر قدر مرحوم نے ہوے کے ۲۱ ہی عدد لیے ہین (ے کے ۱۰ عدد) اور قطعہ تاریخ وفات غالب مرحوم کے ایک (۱۵) مادہ تاریخ اور ۱۵ مادہ تاریخ درج کیے ہین) مادہ تاریخ مین خوشنویس صاحب نے ہوئے کو ہوئے ہی لکھا ہے ؎ ہوئے رضوان مآب الحکم للہ (۱۲۲۵)۔ اسمین بھی قدر مرحوم نے ہوئے کے ۲۱ ہی عدد لیے ہین۔ داغ مرحوم نے اس مادہ تاریخ مین (مہتاب داغ) ؎ معتمد صاحب ہوئے زیبا خطاب (۱۳۰۸) + ہوئے کے ۲۱ ہی عدد لیے ہین جلال مرحوم نے اس مادہ تاریخ مین (دیوان سوم) ؎ ہوئے مشتاق علیخان بہادر جم جاہ (۱۲۸۷) ہوئے کے ۲۱ ہی عدد لیے ہین ختم شد (۱۳۴۴)

ممتاز علی آہ

مرقع جناب اثیم کے جو استفسارات ماہ فروری مین شایع ہوئے تھے اُن کے جوابات حضرت شادان بلگرامی نے تحریر فرمائے وہ ماہ مارچ کے مرقع مین درج ہو چکے ہین۔ اس کے بعد بقیہ استفسارات ماہ مارچ کے مرقع مین چھپے ہین۔ ماہ مارچ کے مطبوعہ استفسارات کے جوابات ابھی تک کسی نے تحریر نہین فرمائے نہ حضرت شادان نے۔
مین چاہتا ہون کہ ملک کے جملہ اہل فن اس مین حصہ لین اور اپنی تحقیقات کو کام مین لاکر ملک کو فائدہ پہونچائین مجھے ابھی انتظار ہے اور امید ہے کہ نواب حیدر یار جنگ مولانا نظم طباطبائی مدظلہ اور دیگر محققین اپنی تحقیق سے جناب مستفسر کا اطمینان فرمادین گے جس سے دیگر اصحاب بھی مستفیض و مستفید ہو سکین گے (اڈیٹر)

مشاعرہ "انجمن معین الادب لکھنؤ" کی طرح پر لسان الملک حضرت ریاض مدظلہ کی تازہ فکر

۲۶ جولائی ۱۹۲۶ء کو جو مشاعرہ انجمن معین الادب لکھنؤ میں میری طرف سے منعقد ہوا۔ وہ اس انجمن میں ۱۳۴۴ھ کا آخری مشاعرہ تھا۔ مجھکو اس سال میں ایسے افکار لاحق تھے اور کاموں کی اس قدر کثرت۔ کہ اگر میرے بعد اور کسی مقامی ممبر کا نمبر ہوتا تو میں یہ مشاعرہ انکے سپرد کر دیتا اور اسکے بعد اطمینان سے مشاعرہ کرتا۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ مشاعرہ مجھی کو کرنا پڑیگا تو اسکے کامیاب بنانے میں جو کچھ ہو سکی کوشش کی۔ عین وقت پر ایک دشواری کا سامنا ہوا، یعنی اس سے پہلے انجمن کے مشاعرے جناب سید مقبول حسین صاحب ظریف کے دولتکدے پر ہوا کرتے تھے۔ لیکن لکھنؤ کی فضا کے خراب ہونے کے باعث بالخصوص مولوی گنج کے محلہ کی فضا کی خرابی کے سبب جہاں جناب ظریف کا مکان واقع ہے اجازت نہ تھی، مشاعرہ نہیں ملی اور بہت دشواری سے محلہ نخاس میں اجازت ملی اور وہیں مشاعرہ منعقد ہوا۔

شہر والوں کو تو قریب قریب اس مقام کی اطلاع ہوگئی تھی مگر باہر والوں کو اسکی اطلاع نہ ہو سکی کئی صاحب تو اس وجہ سے نہ آسکے نہ تھا مشاعرہ کی اجازت ہی نہ ملی۔ لیکن جناب آثر لکھنوی۔ جناب ... وان جناب فرخ بنارسی آگرہ سے تشریف لائے اور شرکت مشاعرہ فرمائی۔ جناب فرخ کو بمشکل مکان کی تلاش میں بڑی دقت ہوئی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح پہونچ گئے اور مجھے ممنون کرم بنایا۔ ان اصحاب کی تکلیف فرمائی کا میں خصوصیت سے شکر گزار ہوں۔

اصحاب لکھنؤ میں سے قریب قریب تمام مشہور شعرا نے اپنے خاص لطف و کرم سے زحمت فرما کر مشاعرہ کو زینت دی اور اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ اور مجھے رہین منت بنایا۔ جناب مولانا شہید انصاری۔ جناب صفی۔ جناب یوسف۔ جناب شفیقہ۔ جناب صبا۔ ... شدہ صاحبان سے شرکت نہ کر سکے۔ باہر والوں میں جناب شاکر۔ جناب عزیز کانپوری اور جناب تسلیم بھی تشریف نہ لا سکے جسکا مجھے افسوس ہے۔

مصرع طرح کے لئے زمین بھی جناب اصغر گونڈوی کی مشہور غزل سے منتخب کی گئی تھی ؎

"جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے"

مشاعرے میں خوب خوب غزلیں پڑھی گئیں اور خوب داد ملی۔

مخدومی و محترمی لسان الملک حضرت ریاض مدظلہ نے ایک زمانے سے مشاعروں میں شرکت ترک فرما دی ہے۔ میرے اصرار سے اتنا ضرور مجھ پر کرم فرمایا کہ مشاعرے کی طرح میں غزل عطا فرمائی جسکو ہم شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اسی طرح میں جناب زرد لکھنوی جانشین حضرت جلال مرحوم لکھنوی نے بھی غزل عطا فرمائی ہے جو اسی نمبر میں انکے اصلی خط کے ساتھ صفحہ خاص پر درج ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے مخدوم ... جناب ... ناطق لکھنوی مدظلہ نے بھی غزل رقم فرمائی ہوگی جسکا مجھے انتظار ہے۔ غزل آنے پر انشاء اللہ ہدیہ ناظرین کیجائیگی۔

آخر میں ہم اپنے مکرم شفیق جناب بہار سکریٹری انجمن کے تہ دل سے شکر گزار ہیں جنہوں نے مجھے ہر قسم کی مدد دی اور مشاعرے کے کامیاب بنانے میں میرے معاون رہے اور اسکے اہتمام میں جو کامیابی ہوئی انہیں کی وجہ سے ہوئی۔ ہمارا ارادہ ہے کہ مشاعرے کی غزلیں ناظرین مرقع کی نذر طبع کے لئے درج کریں۔ جن صاحب نے اپنی غزلیں عنایت نہیں فرمائی ہیں وہ جلد بھیجدیں۔ مخدومی جناب ... شرکت مشاعرہ سے مجبور رہے لیکن میرے اصرار سے غزل فرمائی اور خوب فرمائی۔ وہ غزل مجھے ابھی نہیں ملی ہے۔ جو وقت مل گئی انشاء اللہ درج کیجائیگی۔

وصل بلگرامی

جب گنبد خضرا کا سایا نظر آتا ہے
جنت میں مدینے کی طوبیٰ نظر آتا ہے

اللہ کی قدرت ہے جسکو وہ شرف بخشے
ہر ذرہ مدینے کا کعبا نظر آتا ہے

کثرت سے معاصی کی اعمال کی شامت سے
عالم مری آنکھوں میں تیرا نظر آتا ہے

ہر قلب میں سینے میں کعبے میں مدینے میں
صدقے ترے سو مولا کیا نظر آتا ہے

اللہ بصارت دے اللہ بصیرت دے
سمجھے تو جسے بینا اندھا نظر آتا ہے

آنکھ تو ہی ظاہر میں قسمت ترے روضے کی
خورشید ترے در کا ذرا نظر آتا ہے

ذرے ہیں جبین میں کچھ خاک در انور کے
اونچا مری قسمت کا تارا نظر آتا ہے

پیچھے گرو محشر میں اشک ہا معاصی کے
ہر ہاتھ میں ... نظر آتا ہے

تھوڑی سی بصارت ہے تھوڑی سی بصیرت ہے
ہر شے میں یا حق اسکا جلوا نظر آتا ہے

تمام ماہران فن نے اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے عطر کو بہترین تسلیم کیا ہے

کیا پردہ ہے، پردے سے، جلوا نظر آتا ہے
جلوہ ہی ترا سب کو پردا نظر آتا ہے

خُم عرش سے بھی ہم کو، اونچا نظر آتا ہے
دو گھونٹ اُترتے ہی کیا کیا نظر آتا ہے

نازک سی کلی سوکھا کانٹا نظر آتا ہے
مجنون مرے صحرا مین لیلےٰ نظر آتا ہے

کوچہ ہو ترا ظالم یا دل ہو مرا ظالم
اِک حشر یہان ہر دم، برپا نظر آتا ہے

مین ضبط جو کرتا ہون، ہنس ہنس کے وہ کہتے ہین
بند آنکھ کے کوزے مین دریا نظر آتا ہے

مژگان نے مرے حق مین بوئے یہ بُرے کانٹے
تا حدِّ نظر مجھ کو، صحرا نظر آتا ہے

صیّاد کے گھر مجھکو۔ بجلی کے شرر اچھے
اِس باغ کا ہر غنچہ کانٹا نظر آتا ہے

گیسو ہی نہین برہم ہے نیند بھی آنکھو مین
کچھ آج تو چہرا بھی اُترا نظر آتا ہے

اُٹھتی نظر آئی ہے ساون کی گھٹا شاید
جھکتا سوئے پیمانہ مینا نظر آتا ہے

صدقے کفِ رنگین کے نازک کفِ رنگین مین
ٹوٹا سا مرے دل کا شیشا نظر آتا ہے

توڑا ہے ستم کس نے تصویرِ خیالی پر
نازک سا ترا چہرہ اُترا نظر آتا ہے

محفل سے گیا تو اب، وہ دَور گیا دُور اب
جامِ سرِ خُم ساقی تارا نظر آتا ہے

سب کچھ نظر آ جائے روشن ہو اگر دل بھی
اِس آنکھ کے پردے مین کیا کیا نظر آتا ہے

کیا چیز ہے ذات اسکی کیا شے ہین صفات اُسکے
کثرت مین بھی گھر کر وہ تنہا نظر آتا ہے

تربت مین ریاضؔ آکر اچھے رہے گھر سے بھی
دن رات حسینون کا میلا نظر آتا ہے

زندگی کا اصلی مذہب

مشرقی اور مغربی فلسفہ کا تصادم

(از جناب سید عزیز احمد خان صاحب بی اے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

"ذیل کا مضمون اُس ملاقات کو بیان کرتا ہے جو بمقام ڈٹرائٹ مسٹر ہنری فورڈ اور مشہور مشرقی فلسفی، صوفی شاعر اور مصنف عنایت خان کے درمیان واقع ہوئی جو مرشد عنایت خان کے نام سے مشہور ہیں۔ اور آجکل امریکہ کی سیاحت کر رہے ہیں اور لکچروں کے ذریعہ سے مغربی دنیا کے سامنے اپنی "عالمگیر دانش" کا پیام پیش کر رہے ہیں۔ ان کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ایک عالمگیر واحد پرستش کے ذریعہ سے دنیا کے مختلف مذاہب کے پیرووں کے درمیان ایک زیادہ بہتر اتحاد قائم کیا جائے۔

مسٹر فورڈ نے جنھیں فورڈ موٹر کی تجارت کے باعث عالمگیر شہرت و مقبولیت حاصل ہے اپنا یہ عقیدہ بیان کیا کہ انسانوں کی روحیں برباد نہیں ہو سکتیں۔ ہنری یہ کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو ضائع ہو جائے"

مشرقی تصوف کے ایک پیکر ذہانت اور مغربی مادیت کے ایک مجسمۂ ذکاوت کے درمیان بمقام ڈٹرائٹ ایک نہایت پر مغز اور دلچسپ تبادلۂ خیالات ہوا دونوں نے ایکدوسرے کا غائر نظر سے مطالعہ کیا اور تقریباً ایک گھنٹہ تک سبب آفرینش، عالم مادیت، انسانی وجود، آدمیوں کی روحیں اور اس دنیوی مختصر زندگی سے قبل اور بعد ابدی وسعت جیسے اہم مسائل پر ایک گرانبہا بحث کی۔ اور جیسے جیسے ان دونوں میں مذکورہ مسائل پر جو نسلاً بعد نسلاً مذاہب عالم کے مرکز غور و فکر رہے ہیں شدت انہماک کے ساتھ گفتگو ہوتی گئی ہر ایک کے لبوں پر اسطرح مسکراہٹ نمودار ہوتی گئی گویا مدت دراز کے بچھڑے ہوئے ہم خیال ایکدوسرے کو پا لیتے ہیں "مجھے آپ کے خیالات سے اتفاق ہے" ہنری فورڈ نے کہا۔ "اور میں بھی آپ سے متفق ہوں" مرشد عنایت خان نے جواباً کہا۔

مرشد عنایت خان جو اُس قدیم تصوف کے علمبردار ہیں جس نے کوہ ہمالیہ کے سایہ دار دامن میں عالم بیخودی میں نشو و نما پائی ہے اور جو گزشتہ چند سال تک یورپ کے ہر گوشہ میں اپنے "استغراق خود فراموشی" کے مذہب کی تبلیغ کر چکے ہیں اپنے معتقدین کے ساتھ بمقام ڈیربارن فورڈ موٹر کمپنی کے آفس کے کتبخانہ میں مسٹر فورڈ کی آمد کے کچھ دیر منتظر رہے۔ اس انتظار کے دوران میں انھوں نے مسٹر فورڈ کے فلسفۂ مذہب کا بیان ایک حال کے رسالہ میں پڑھا۔ پڑھنے کے بعد انھوں نے رسالہ میز پر رکھدیا اور مسٹر فورڈ کے عقائد کے اس بیان پر غور کرنے لگے کہ عہد عتیق میں انسان کو اُس روحانی حقیقت کا اچھی طرح علم تھا جو مادیت سے لبریز مابعد زمانہ میں اس کشمکش میں جسے وہ ترقی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں معدوم ہو چکا ہے

"یہ مبلغ اعظم جسکی ہر تقریر اور برتاؤ میں دور اندیشی اور تدبر کا جوہر نمایاں تھا عالم غور و فکر میں بیٹھا ہوا تھا لیکن اسکی سیاہ آنکھوں میں استفہام کی جھلک نمودار تھی مذکورہ مختصر مضمون سے نفس مضمون کی گہرائیوں پر پوری طرح روشنی نہیں پڑتی تھی۔

ایک کاروباری شخص کی تیز رفتاری کے ساتھ مسٹر فورڈ کمرہ میں داخل ہوا یہاں یقینی طور پر ذہنوں اور نظریوں کا تصادم وقوع پذیر ہوا۔

میں آپ سے نیاز حاصل کرنے کا بہت مشتاق تھا" مسٹر فورڈ نے کہا۔ "آپ درحقیقت میرے لئے کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں"۔

کچھ دیر بعد یہ واقعہ معلوم ہوا کہ چونکہ مسٹر فورڈ عنایت خان کے لکچروں میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے انھوں نے ایک مختصر نویس کو اس امر کے لئے ملازم رکھا تھا کہ وہ ان لکچروں کو لفظ بہ لفظ قلمبند کر کے ان کے سامنے پیش کیا کرے۔

مسٹر فورڈ نے وہ کاغذات برآمد کئے جن پر وہ لکچر تحریر شدہ تھے جن کا وہ عدیم الفرصتی کے باعث مطالعہ نہ کر سکے تھے۔

"اور اب" مسٹر فورڈ نے کہا "آئیے ہم اپنی تحریروں کا مقابلہ کریں میں اپنے مذہبی عقائد پر بہت کم کسی سے بحث کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہر قسم کا مذہب کسی نہ کسی خوبی کا ضرور حامل ہے"۔

"میرا بھی یہی عقیدہ ہے" عنایت خان نے جواب دیا "لیکن میرے خیال میں ہم سب کو سانس لینے کا موقعہ ملنا چاہئے، ہمارے

پاس اتنا وقت ہونا چاہیئے کہ ہم غور کرین زیادہ گہرے امور پر بہ نسبت"۔

"بہ نسبت موٹرون کے"، مسٹر فورڈ نے دل سے ہنستے ہوئے کہا۔ لیکن وہ طاقت جو موٹرون کے چلنے کا باعث ہے آخر نا دیدہ ہی ہے اور یہی حالت ہر چیز کے ساتھ ہے۔ میرے خیال مین انسانی زندگیون کی اصلی قوت روح مین مضمر ہے بلکہ اس سے بھی آگے۔ ہمارے اطراف حقیقی وجود ہین۔ طاقت کا وجود، ادراک کا وجود، یا آپ انہین چاہین تو برقی لہر بھی کہہ سکتے ہین جب کوئی شخص کوئی نیک کام کرنے پر آمادہ ہوتا ہے تو یہی قوتین اسکی مدد کرنے کیلئے اس سے وابستہ ہو جاتی ہین۔

میری نظر مین مختصر ترین نا قابل تقسیم حقیقت جو وجود رکھتی ہے ادراک ہے اور اس امر کی منتظر ہے کہ انسانی روح اسکو حاصل کرکے اپنے کام مین لائے۔ ہم کانپتے ہوئے ہاتھون اور پریشان دلون سے عجلت کرنے مین بہت زیادتی کرتے ہین ہم نتائج کے لئے مضطرب ہوتے ہین۔ جس چیز کی ہمین ضرورت ہے اور جسے ہم حاصل کر سکتے ہین وہ اس نادیدہ قوت سے ہمارے روح کا آراستہ ہونا ہے جو ہمارے استعمال کی منتظر

"بس یہی" مرشد عنایت خان نے کہا "میرے فلسفۂ روح کی کڑی کی تکمیل کرتا ہے۔ میرے خیال مین صرف ایک واحد ذات ہے جو سب پر چھائی ہوئی ہے اور جس کے باعث اس کائنات کے ہر ذرہ مین ادراک ظہور پذیر نظر آتا ہے اور اس روحانی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے اور اس سے وابستہ ہونے کا طریقہ موجود ہے"۔

"اور آپ کا طریقہ تو بذریعۂ استغراق ہے نہ" مسٹر فورڈ نے دریافت کیا۔ "استغراق" "ہان!۔ وہ اوقات جبکہ دنیا کی مادی اشیاء سے آنکھین بند کر لی جاتی ہین اور نہایت قوت قلب سے بالتکرار اپنی اور کائنات کی روح کی وحدانیت پر غور کیا جاتا ہے" عنایت خان نے جواب دیا۔

"میرے نزدیک" مسٹر فورڈ نے کہا "ذاتی مذہب کا جوہر ہے مین کئی سال تک مذہب کے مسئلہ کو حل کرنے مین کوشان رہا لیکن مجھے یقین ہے کہ بنی نوع انسان کیلئے اس زمانہ مین مذہب ان دروازون کو کھول دیتا ہے جن کے ذریعہ سے روح اور اس حقیقی قوت کے مابین جو ہر چیز کے اندر اپنا کام کر لیتی ہے ارتباط قائم کیا جا سکتا ہے"۔

"لیکن مین اس نتیجہ پر پہونچا جس طرح کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر مین خاموشی کے ساتھ اضطرابی کیفیتون، ایجادون اور اس کاروبار سے جو مجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اپنے کو علٰحدہ کر لون تو اس خیال و احساس سے قوت کی تجدید ہو گی کہ اس نادیدہ طاقت عظم کا ایک جزو ہون جسے آپ چاہے خدا کہین یا ادراک، مین محسوس کرتا ہون کہ عامۃ الناس اس سے زیادہ کار آمد اور تسلی بخش کوئی چیز نہین پا سکتے

"سوائے اس کے" عنایت خان نے کہا "کہ اگر کوئی خود فراموش وحدانیت سے پیوستگی کا کامل احساس کرے اس تجربہ مین یقینی طور پر سکون خاطر اور گہری مسرت موجود ہے اور انسانی روح اس درجہ پر آ کر حقیقی طور پر تخلیق کی قوت حاصل کر لیتی ہے۔

"یہ مثل ایک مصوّر کے ہے جو تصویر کے نقش اتارتا ہے جو کبھی انجام مین اس طرح نہین ہوا جیسا کہ اس نے ابتدا مین اسکا خاکہ اپنی ذہن مین کھینچا تھا تخلیقی القا اسے اسوقت ہوتا ہے جب وہ اپنے کو اس کام مین گم کر دیتا ہے اپنی مصروفیت مین کامل طور پر جذب ہونے کے بعد، اپنی ہستی سے انتہائی طور پر فراموش ہونے کے بعد، باقی دنیا سے اپنے کو بند کرنے کے بعد اسکا ختم کیا ہوا کام، آخر کار، اس خودی کا حقیقی طور پر تخلیقی اظہار ہے جسے وہ بالکل فراموش کر چکا ہے۔

"اور بعینہ یہی حالت مطرب کی ہے۔ اگر وہ اپنی موسیقی مین گم ہو جائے تو فوراً ہی وہ موسیقی ہم آہنگی کے حسن سے آراستہ ہونے لگتی ہے جسکا اس نے اس سے پہلے تصور نہین کیا تھا۔ تو پھر یہ ہم آہنگی کہان سے حاصل ہوتی ہے جسکا اسے اس سے قبل علم نہ تھا؟ بہترین موسیقی کا نقش کاغذ کی سطح پر کبھی نہین اتر سکا اور نہ اتر سکتا ہے اس لئے کہ وہ اس روح کی ایک فوری تخلیق ہے جو ہم آہنگی کے حسن دل آویز

کے انہماک تصور مین اپنے کو کھو چکا ہے۔

یہ ایک بہترین تمثیلی بیان ہے جو مین روح اور حسن صداقت کے سرچشمۂ اعلیٰ کے درمیان حقیقی ارتباط کے متعلق پیش کرسکتا ہون۔ جو کچھ حقیقی سطرب پر طاری ہوتا ہے اسکا تجربہ زیادہ وسیع معنون مین ہر انسانی روح کو زندگی، طاقت، حسن، صداقت، سکون و آسودگی کے ابدی سرچشمہ سے وابستہ ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ وابستگی صرف خود فراموشی سے ممکن ہو سکتی ہے مین علم النفس کی کسی ایسی اصطلاح سے واقف نہین ہون جس کے ذریعہ سے یہ کیفیت بیان یا شرح کی جائے۔ لیکن آپ کا مطرب، صناع، شاعر اس کیفیت کے کم از کم سرحدی فطرت سے ضرور واقف ہے۔"

اس کے بعد کچھ دیر خاموشی طاری رہی

"مرشد خان" مسٹر فورڈ نے کہا "میرے خیال مین آپ ایک ایسے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہین جسے ہر ملت کے پیرو سمجھ سکتے ہین۔ اس سے بحث نہین کہ یہ اصول کونسی شکل اختیار کرین لیکن یہی چیز ہے جسکی اہل امریکہ کو ضرورت ہے۔

"مین ذاتی طور پر روح اور مادہ مین کوئی فرق نہین پاتا۔ یہ دونون ایک ہین مین بہت کم "روح" کہتا ہون اس لئے کہ اس سے اس چیز کے اظہار کے خلاف تعصب مترشح ہوتا ہے جسے ہم مادہ کہتے ہین۔

"یہ ضرور نہین کہ ہمارا مادی دنیا کے استعمال اور اس مین کمال حاصل کرنے مین ترقی کرنا ہمارے علو روحانی مین دخل انداز ہو۔"

"کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ انسانی ارواح ناقابل تخریب ہین۔"

ہر چیز ناقابل تخریب ہے، کوئی چیز کبھی برباد نہین ہو سکتی" مسٹر فورڈ نے جواب دیا "روحین عالم وجود مین آتی ہین اور چلی جاتی ہین لیکن وہ پھر اس طرح واپس آتی ہین کہ گزشتہ تجربات کی بناء پر زیادہ عظیم الشان کارنامے انجام دین اور اس حقیقت کے ادراک مین مزید فہم و دانش سے کام لین کہ ایک ابدی زندگی کے سرمایہ سے ان کے لئے کیا مراد ہے۔"

"یہ روحون کی زندگی کا ختم نہونے والا ایک حلقہ ہے" عنایت خان نے کہا "ہمارا مشرقی خیال ہے کہ وہ جملہ اشیاء کا ابدی سرچشمہ ہے جو ہر چیز کی ہستی مین اپنی جھلک دکھاتا ہے اور ہر روح مین نور کی شکل مین جلوہ ریز ہے۔ اس سرچشمۂ عظمیٰ کے قریب ملائک کی قلمرو ہے۔ اس کے بعد ذہانت کا اقتدار ہے جو اس زندگی مین بعض روحون کے اندر ہی پرتو فگن ہے۔ بعد ازان اس سرچشمہ کے کم درجے کے ظہور کے اشکال ہین مثلاً آفتاب کی کرنین جو کائنات کے بعید ترین گوشہ تک پہونچتی ہین اور جو رقیق ہین لیکن یہ ہمہ اصلی ہین۔ اس ادراک کے ظہور مین ہر انفرادی روح جو کچھ حصہ لے سکتی ہے وہ اس ارتباط کے پیمانہ پر منحصر ہے جسے وہ وجود کے سرچشمہ سے قائم کر سکتی ہے۔

"تاہم یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے" مسٹر فورڈ نے کہا "اور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ روح کے کارنامے بیان، اور کہین، بلا پھر بیان لامتناہی ہین میرا یقین ہے کہ اگر کوئی استغراق مین زیادہ وقت صرف کرے تو اس سے کوئی زیادہ کارآمد نتیجہ نہین نکل سکتا۔"

"لیکن اگر کوئی تھوڑا سا مراقبہ کرے" عنایت خان نے جواب دیا۔

"تو یقیناً" اس سے کہین زیادہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر بہتر طریقہ پر کیا جائے تو مسرت اور سکون اس کے جلو مین ہون گے مین اپنی تبلیغ مین عالم امکان کی ہستی کو پیش نہین کرتا اور نہ مین دنیوی کارنامون کو بری نظر سے دیکھتا ہون۔ مین صرف اس امر کی تبلیغ کرتا ہون کہ ان مصروفیتون کے ساتھ ساتھ جو ہمین دنیا مین گھیرے ہوئے ہین ہمین عالم روحانی مین بھی ترقی کرنی چاہیے۔"

"یہ صحیح ہے" مسٹر فورڈ نے جواب دیا "زندگی کا اصلی مذہب یہی ہے اور ہم سب کو اسکی ضرورت ہے۔" (عزیز احمد خان حیدرآبادی)

فلسفۂ مذہب

(بسلسلۂ گزشتہ)

مسٹر ایڈورڈ خان ہارٹ مل کی راے کہ انسان نے سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ جس دنیا مین رہتا ہون وہ کس قسم کی ہے اور اسکا وجود کس طرح پر ہوا اور خالق اس کا کون ہے اور اسی کے ساتھ زندگی کی ضرورتون اور اس کے بقا کے فکر و خیال نے رفتہ رفتہ اس کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ ہر شخص کو اس قوت کا تابع فرمان رہنا ضروری ہے جو سب سے افضل و بالا ہو اور اس راے سے وہ متفق نہین ہین (کہ مذہب انسان کی ذات مین ودیعت کیا گیا ہے) اس راے کی تائید جرمنی کے مصنف مسٹر اوٹو لال مینڈ ولی نے بھی کی ہے۔

اپنے خالق کی عبادت اور اسکی تعظیم کرنا انسانی فطرت کا ایک ضروری جزو ہے۔علم و عقل کی کمی اور مشاہدات کی وسیع النظری کے فقدان نے درخت۔پہاڑ۔دریا۔سیارے۔آفتاب۔ماہتاب۔زمین و آسمان اور آگ کو انسان نے پہلے اپنا معبود سمجھا مگر جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی انقلابات عالم کے محکوم ہین تو پھر وہ اس سے بہتر وجود کی تلاش کرنے لگا اور رفتہ رفتہ علم اور ادراک کی امداد نے اس خالق حقیقی کی بارگاہ تک رسائی کی فکر کی۔جسکی تعظیم کا تقاضہ ہر وقت اس کی فطرت کیا کرتی ہے۔حقیقت مین آفتاب و ماہتاب وغیرہ کی تعظیم مین انسان نے اس لامحدود قوت کی تلاش شروع کر دی تھی جسکے علم کا براہ راست کوئی ذریعہ اس کے پاس نہین تھا۔مسٹر ریوال کی یہ راے ہے کہ سب سے پہلے انسان نے درخت۔پتھر اور ایسی ہی موجودات عالم کی چھوٹی چھوٹی چیزون کی اور اس کے بعد بڑی بڑی چیزون کی پرستش کی ہے مسٹر میکمولر اور فرانس کے علمار کا بھی یہی خیال ہے اور جب ارتقاء کا خیال انسان کے دماغ مین نہین آیا تو اس نے اس کی بھی پرستش شروع کی مگر جرمنی کے علمار کی یہ راے ہے کہ سب سے پہلے موجودات عالم کی بڑی چیزون کی پرستش انسان نے شروع کی اس کے بعد جب وہ اس غلط فہمی مین مبتلا ہوا کہ چھوٹی چھوٹی چیزون مین بھی قوت و اقتدار ہے تو اس نے بھی پرستش شروع کی۔

(ایڈورڈ خان ہارٹ من) کی یہ راے ہے کہ سب سے پہلے انسان نے اجرام فلکی کو اپنا معبود سمجھا اور اس کی پرستش شروع کی مسٹر میکسمولر کی یہ تحقیق ہے کہ خارجی اشیاء نے جو اثر انسان کے دل پر پیدا کیا اس کے ذریعہ سے رفتہ رفتہ انسان کو اس لامحدود ذات کی قدرت کا یہ پتہ ملنے لگا جس کے وجود کی طرف انکا دل ہمیشہ اشارہ کیا کرتا تھا اور اس سے وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ جس احساس نے انسان کو زمین و آسمان کی بڑی بڑی چیزون اور قوتون کو معبود سمجھنے کی تحریک کی وہ احساس حیوانی نہین تھا بلکہ ایک صاحب عقل و دانش کی دماغی تحریک تھی۔اب گو کہ اکثر علمار نے تمام مذاہب عالم کو دو جماعتون مین تقسیم کیا ہے مگر حقیقت مین یہ تقسیم صحیح نہین ہے کیونکہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور ان کا مقصود بھی ایک ہی نظر آتا ہے محض ظاہری مراسم کی وجہ سے جھوٹا اور سچا مذہب یا قدرتی اور الہامی مذہب یا قدرتی اور ایجادی مذہب نام رکھ لینا صحیح نہین ہے۔اب مین یہان پر ان چند مذاہب عالم کا نہایت مختصر لکھتا ہون جو سب سے پہلے انسانی دل و دماغ مین وجود پذیر ہوئے۔(بابل اور اسوریہ مذہب کے عقاید و مراسم) ان دونون مذہبون کے ظاہری اصولون مین کوئی فرق نہین ہے یہ مذہب چین اور مصر کے مذاہب سے بھی قدیم تر ہے۔

مگر باوجود ان سب باتون کے وہ موجودات عالم کی ہر حرکت کو کسی روح کی حرکت جانتے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ منزل مقصود پر پہونچنے کے واسطے یہ لوگ بھی سرگردان ہین - اور ان دونون مذہب والون کا علم ادب جادو اور منترون سے بھرا پڑا ہے - چنانچہ ہر زمانہ مین جدید منتر ایجاد ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ ایک انبار جادو منترون کا اکٹھا ہو گیا تمام مرکبہ درد اور ہر قسم کے امراض کا سبب شیطان اور ان تمام بدروحون کو سمجھتے تھے جو تمام کائنات عالم مین ہر جگہ پائے جاتے تھے اور اسکا یہ عقیدہ تھا کہ ان منترون کے ذریعہ سے ہم ان بدروحون کی ضرررسانی سے محفوظ رہ سکتے ہین اور ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ سب روحین نیک اور طاقت ور بھی ہین جن مین بدروحون کی سزا دینے کی قوت بھی ہے اس لیے ان روحون سے شیطان اور بدروحون کو سزا دلانے کی استدعا کرتے تھے - ان مذاہب کی ابتدا بہت قدیم زمانہ سے ہوئی ہے اور بوجہ علحدہ اور دور افتادہ ملک مین ہونے کے آزادی اور خودمختاری کے ساتھ ترقی کرتا رہا - جب ۳۷۵۰ قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شامی قوم نے شہر بابل کو فتح کیا تو بابل کے مذہبی عقائد مین چند عقاید شامی مذہب کے بھی شامل ہو گئے بابل مذہب کے عقائد مین شامی مذہب کے عقائد ممزوج ہونے کی وجہ سے بابل مذہب کا اثر مغربی ایشیا اور یورپ کے ان مقامات پر جن مین غیر شامی قومین آباد تھین پڑا بنی اسرائیل تو قبل ہی سے بابل مذہب کے عقائد سے متاثر ہو چکے تھے مگر یونان بھی اہل فن کی وجہ سے متاثر ہوئے - مسٹر لوکر کی رائے ہے کہ اہل مصر نے مندرون کی تعمیر کے متعلق علم نجوم اہل بابل سے حاصل کیا ہے -

اہل بابل علاوہ ارواح پرست ہونے کے حیوانات پرست بھی تھے وہ اجرام فلکی کو بھی اپنا معبود سمجھتے تھے اور اصنام پرست بھی تھے

(مصریون کے مذہبی عقائد و مراسم)

اہل مصر کی تہذیب و شایستگی اہل چین کی تہذیب و شایستگی سے بھی زیادہ قدیم ہے مغربی اقوام کی علم و تہذیب ابتداءً زیادہ تر اہل مصر ہی کے مذہب و علوم و فنون سے ہوئی ہے - محققین کی یہ رائے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار ہزار سال قبل بھی اہل مصر مہذب و شایستہ و دولتمند تھے ایسی حالت مین اس نتیجہ پر پہونچنا کہ اہل مصر کا ابتدائی مذہب کیا تھا اور ان کے کیا عقائد تھے بہت مشکل ہے - کسی محقق کی رائے ہے کہ اہل مصر موحد تھے بعض نے یہ لکھا ہے کہ حیوان پرست تھے ہان اسقدر ضرور یہ پتہ چلتا ہے کہ مختلف اوقات مین مختلف اشیاء عالم کی اہل مصر نے پرستش کی ہے - کسی زمانہ مین حیوانات کی اور کسی زمانہ مین اجرام فلکی کی اور کبھی حیوان اور انسان دونون کی اصنام کے ذریعہ سے کیونکہ وہ تصویرین جو مندرون مین پائی گئی ہین اور جو بطور معبود کے رکھی ہوئی تھین ان مین علاوہ مختلف جانورون کے شکلون کے مردون اور عورتون کی تصویرین بھی تھین مگر اسی کے ساتھ خاص خاص علامتین بھی ہوتی تھین مثلاً دیوی ہاتھور کی تمام شکل عورت کی سی بنائی جاتی تھی مگر اس کے سر پر گائے کے سینگ لگا دی جاتی تھی اسی طرح سیب دیوی کے سر پر بطخ بنائی جاتی تھی بعض تصویرین ایسی بھی ملی تھین جس مین نصف حصہ جسم کا انسان کے جسم کا بنایا گیا ہے اور بقیہ نصف حصہ حیوان کا چنانچہ ہورس دیوتا کا دھڑ مرد کا اور سر باز کا بنا ہوا ہے - امون دیوتا کا دھڑ مرد کا اور سر مینڈھے کا بنایا جاتا تھا - مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ ان تصویرون کی پرستش مثل معبود کے نہین کیجاتی تھی بلکہ ان حیوانون کی عظمت ان اوصاف کی وجہ سے کیجاتی تھی جو ان مین ہوئے تھے - مثلاً کتے کی عظمت وفاداری

اور ہوشیاری باز کی تیز پروازی اور گائے کے مہربان والدہ کی طرح دودھ دینے کی وجہ سے ان سب عقائد کے علاوہ تمام محققین اس بات کے بھی قایل ہین کہ اہل مصر کے یہ بھی عقاید تھے کہ زمین و آسمان آگ و پانی انسان و حیوان چرند و پرند وغیرہ کی پیدا کرنے والی ایک دوسری قوت یا شے ہے اور اس بات کے بھی قایل تھے کہ اس نے انسان کے فائدہ کے واسطے تمام کائنات عالم کو خلق کیا ہے روح کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ روح جسم سے جدا ہو کر فنا نہین ہوتی ہے۔ بلکہ وہ زندہ رہتی ہے اور غیر فانی ہے اور پھر کچھ دن کے بعد وہ کسی جسم مین آجاتی ہے۔ ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ مردون کی روحون کو آفتاب کے دیوتا کے ساتھ سمندر کی انتہائی گہرائی کے نیچے جانا پڑتا ہے۔

(شامی النسل اقوام کے مذہب کے عقاید و مراسم)

شامی النسل اقوام مین اہل عرب۔ عبرانی۔ کنعانی۔ فنیکنی۔ شامی ارمنی۔ اہل بابل۔ اور سوریہ شامل ہین محققین کی یہ راے ہے کہ شامی النسل گروہ ملک عرب سے چل کر چارون طرف اطراف عالم مین پھیل گئے۔ گو اس نسل کی لوگون نے ابتدا مین کوئی ایسی سلطنت نہین قائم کی جو مدتون تک قائم رہی ہو۔ اور نہ شروع مین علوم و فنون کی طرف توجہ کی مگر مذہب مین اس قوم نے ایسی ایسی تحقیقاتین اور جدتین کی ہین جو ہمیشہ عالم مین یادگار رہین گی گو کہ ایسے عقائد جو تمام شامی النسل اقوام کے لیے یکسان ہون کہین نہین پائے جاتے ہین مگر اس مسئلہ مین تمام محققین متفق ہین کہ ابتدا مین یہ قوم ایک دیوی کی پرستش کرتی تھی اور کل عالم کو ارواح سے معمور سمجھتی تھی سب سے پہلے جادو اور منتر سے انھون نے کام لیا اس کے بعد بتون کی عظمت شروع کی پہلے بزرگون کی ارواح کی امداد حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا مگر جلدی اس عقیدے مین ترمیم کی اور سمجھ لیا کہ بزرگون کی ارواح مین طاقت اور امداد سے محروم ہین۔ ان مین حیوان کی قربانی کا بھی رواج تھا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ قربانی کی دعوت مین ہمارا معبود شریک ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا حصہ قربان گاہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ مگر جب یہ خیال ہوا کہ ہمارا معبود عالم بالا مین رہتا ہے تو اسکا حصہ آگ کے نذر کیے جانے لگا اور اس ذریعہ سے معبود کی خدمت مین اسکا حصہ بھیجا جانے لگا ہے ہر دعوت کے بعد معبود کے سامنے ناچنے اور گانے کا بھی دستور تھا۔ یہ عقائد گو کہ مذہب کے اولین زینے تھے مگر ان عقائد سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان شروع ہی سے منزل مقصود پر پہونچنے کے لیے اپنے علم اور عقل و تجربہ کے حدود کے اندر معقول جد و جہد کرتا رہا ہے۔

کنعانیون اور فنیکینیون کے مذہبی عقائد و مراسم

جب اسرائیل کی اولاد دریاے یردن کو پار کرکے سراین فلسطین مین پہونچی تو وہان اس نے ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو انھین کی سی زبان بولتے تھے اور جو آن سے زیادہ شایستہ اور مہذب تھی گو کہ بعد مین اسرائیل کنعانیون کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور ان کو ذلیل قوم سمجھنے لگے مگر حقیقت مین یہ دونون ایک ہی نسل سے تھے کنعانیون کے مذہب کے عقائد یہ ہین کہ ان کا معبود ایک ایسی ہستی کا ہے جو نظر نہین آسکتی۔ مگر اس ہستی کی پرستش کے لیے ایک عبادت گاہ بنائی جاتی تھی جہان عبادت کرنے والے نذر یا قربانی کے ذریعہ سے شرف سعادت حاصل کرتے تھے عبادتگاہ شہر یا گاؤن کے باہر ہوتی تھی۔ عبادت گاہ ایسی جگہ پر بنائی جاتی تھی۔ جو یا تو قدرتی طور پر بلند ہوتی تھی۔ یا وہ جگہ اونچی کردی جاتی تھی۔ عبادت گاہ مین ایک پتھر رکھدیا جاتا تھا ان کا یہ اعتقاد تھا کہ

ہمارا معبود اس پتھر پر آکر بیٹھے گا نذر کی چیزین یا قربانی کا خون اس پتھر پر رکھا یا ڈالا جاتا تھا - اس کے علاوہ ایک موٹی پیڈ کا درخت نصب کیا جاتا تھا جو اب تک بعض بعض عبادت گاہون مین پایا جاتا ہے - ایک دیوی اس معبود کی رفیق و ہمدم سمجھی جاتی تھی جسکا لقب عُشیرہ تھا - ان کے یہان بھی عبادت کے وقت ناچنے اور گانے کا دستور تھا - فینکینیون کے مذہبی عقائد کی بنیاد شامی النسل اقوام کے مذہب پر قائم ہوئی ہے - مگر ان لوگون کے عقاید دوسرے مذاہب کے لوگون کے میل جول سے کسی قدر علٰحدہ ہو گئے تھے - فینکی ایک سلطنت اور ایک مذہب کے قائم کرنے کے بڑے شائق تھے اور اس کے لیے اُنھون بہت کوششین بھی کین جسکی وجہ سے اُن مین ایک جمہوری سلطنت اور ایک با اقتدار امامت کے آثار پائے جاتے ہین - فینکی اگرچہ ایک دیوتا اور عشیرہ یعنی ایک دیوی کے قائل تھے مگر اصلی عقیدہ ان کا یہ تھا کہ ہمارا معبود ایک ہی ہے - یہ لوگ انسان کی قربانی بھی کرتے تھے اور مندر کے پوجاری کنوارے اور پارسا عورتین اور مجرد و متقی مرد ہوتے تھے - وہ بعض مواقع پر مذہبی رسومات ادا کرنے کے وقت اپنے پہلوٹھی کے بچون کو آگ پر سے چلایا کرتے تھے - جسمین سے اکثر نذر آتش ہو جاتے تھے اس کے علاوہ فینکی اجرام فلکی کی بھی عظمت کیا کرتے تھے وہ آفتاب و ماہتاب کو اپنے معبود کا مظہر سمجھتے تھے - آفتاب کو دیوتا اور ماہتاب کو دیوی سمجھتے تھے - اور کبھی زمین کو دیوی سمجھتے تھے - یروشلم کی عورتین اسکے نام کی روٹیان پکاتی تھین اور اسے آسمان کی ملکہ سمجھ کر اس کے نام پر خوشبو جلاتین - اور روٹی کے ساتھ پانی کی دھار چڑھاتی تھین - فینکی قوم مین ایک قسم کی اور عبادت کا رواج تھا جسکو کابیری کی عبادت کہتے تھے - کابیری کے معبد تو اکثر شہرون مین بنے ہوئے تھے - مگر ان کی عبادت خفیہ ہوا کرتی تھی - اس لیے اس قسم کی عبادت کا طریقہ کسی غیر قوم کو نہین معلوم ہو سکا مگر اسقدر معلوم ہوا ہے کہ کابیری تعداد مین سات تھین جن کا تعلق علم ہیئت کے سات طبقات فلکی سے تھا -

چینی مذہب کے عقائد و مراسم

چینی قوم ہمیشہ دیگر اقوام سے علٰحدہ رہتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ان کی تخئیل اور ان کی دنیا سب سے الگ ہے تاہم اس قوم کا دنیا کی تہذیب و تمدن پر بڑا احسان ہے - اس قوم نے بارود کی ایجاد کی ہے - کاغذ اور مطبع کی ایجاد کا سہرہ اسی قوم کے سر پر قدرت نے باندھا ہے - چینی دراصل منگولین قوم کی نسل سے ہین - اس ملک مین اسوقت علاوہ اہل اسلام کے تین مذاہب مروج ہین - حکیم کیفوش کا مذہب - حکیم طاؤ صاحب کا مذہب اور بدھ مذہب - ان تینون مذاہب مین سے حکیم کیفوشش کے مذہب کا اثر سب سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ یہ مذہب خود منگولین قوم کا ہے اور اُن تجربات اور خیالات کا مجموعہ ہے جو منگولین قوم کے دل و دماغ سے نکلے تھے - برعکس اس کے بدھ مذہب غیر ملک سے چین مین لایا گیا ہے اور چونکہ حکیم طاؤ صاحب کا مذہب فلسفیانہ تھا - اس لیے اس مذہب نے بھی بلا کسی کی امداد کے اہل چین کے دل و دماغ مین ایک معقول جگہ حاصل کر لی ہے - چینی قوم دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مغرب سے آکر چین مین آباد ہوئی ہے - چین کے ابتدائی حکمران نہایت نیک طینت پاکباز اور ہر قسم علم و فن کے حامی تھے - لیکن جب چین مین چو خاندان نے زور پکڑا تو یہ حالت باقی نہ تھی - چو خاندان کے کمزور ہونے پر شن خاندان نے جگہ لی - اس خاندان مین (سی ہوانگ تی) ایک بڑا زبردست حکمران رہا گزرا ہے - اس نے ملک کے قدیم علم و ادب کو پھر

زندہ کیا۔ اس کے وقت مین ان کتابون کا مرتب یا جمع کرنے والا حکیم کیفوشش نامی ایک شخص تھا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابین کی تصنیف کیفوشش نے کی ہے گو کہ وہ کتابین الہامی نہین مانی جاتی ہین مگر اس کی وقعت مثل الہامی کتابون کے اس وجہ سے کیجاتی ہے کہ ان مین ذی فہم اور عقلمند لوگون کے اقوال اور تجربات درج ہین حکیم کیفوشش کی مستند علم و ادب کی نو کتابین ہین جن مین سے پانچ کتابون کا مصنف خود کیفوشش ہے اور چار کا اسکا شاگرد مینشش ہے مگر اول الذکر پانچ کتابین زیادہ مقدس سمجھی جاتی ہین۔ اور انھین کتابون سے اس مذہب کے عقائد اچھی طرح معلوم ہوسکتے ہین۔

(۱) (امیہ کینگ وتفسیرات) (۲) شعر کینگ (تاریخ)
(۳) سی کینگ (نظم) اس کتاب مین تخمیناً بیس ہزار نظمین ہین
(۴) لی کی (رسم و رواج) اس کتاب کو شاہزادہ چَو نے بارہ سو صدی قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام مین تصنیف کیا تھا اس کتاب مین قدیم ملکی مذہب کا ذکر ہے۔ اور اس کتاب مین علاوہ مذہبی اذکار کے تمدن و معاشرت کا بھی تذکرہ ہے جو آج تک اہل چین کے تمدن و معاشرت کے لیے بطور ایک دستور العمل کے دیتی ہے۔
(۵) حس لمو (موسم خزان و موسم بہار کا تذکرہ) علاوہ ان پانچ کتابون کے ایک کتاب اور بھی حکیم کیفوشش کی تصنیف کردہ ہے جس کا نام (سیا دکینگ) مکالمۂ محبت فرزندی) ہے جو حکیم کیفوشش اور اس کے شاگردوں سے ہوا تھا۔ بقیہ چار کتابین جنکا مصنف مینس ہے یہ ہین۔
(۶) نس لو یا (استاد کی گفتگو) (۲) تاسو (علم عظیم) (۳) جنگ ینگ (چھوٹی چھوٹی مثالین) (۴) سگ سر من (مینس کی تعلیمات) حکیم کیفوشش نے چین کے قدیم مذہبی رسم و رواج مین کوئی تبدیلی نہین کی۔ اس مذہب مین بت پرستی نہین ہے گو کہ اس مذہب مین آسمان کے ساتھ زمین کی شادی کا قصہ تسلیم کرلیا گیا ہے مگر مجسم دیوتاؤن کے متعلق کوئی قصہ درج نہین ہے۔ اس مذہب مین تین چیزون کی پرستش کیجاتی ہے (۱) آسمان (۲) مردہ بزرگون کی روحین۔ آسمان کے متعلق ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ سب سے بڑا معبود ہے ابر و باد کے متعلق نہین بلکہ جو نیلگون رنگ کا آسمان نظر آتا ہے اُسکو وہ بہت بڑا طاقتور معبود سمجھتے ہین۔ جو تمام عالم پر حکمرانی کرتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آسمان گو کہ بات چیت نہین کرتا ہے مگر اسکی گفتگو اس طرح پر ہوتی ہے کہ جب وہ بارش کا حکم دیتا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اہل عالم پر اسوقت مہربان ہے اور جب خشک سالی ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا والون سے وہ ناراض ہے۔ ایسی حالت مین بادشاہ وقت کا فرض ہوجاتا ہے کہ اسکو کچھ نذر دے۔

بزرگون کی روحون کے متعلق ان کا یہ اعتقاد ہے کہ روح غیر فانی ہے۔ وہ کبھی فنا نہین ہوتی ہے۔ ہر خاندان مین بزرگون کی ارواح کا ایک خاص کمرہ مخصوص ہوتا ہے جس مین وہ ہمیشہ اُن کو دعوت دیا کرتے ہین۔ جب تیوہارون کے مواقع پر عمدہ کھانا تیار کیا جاتا ہے تو وہ کھانا بزرگون کے کمرون مین بھی رکھا جاتا ہے اور وہان جاکر اس خاندان کے زندہ لوگ کھانا کھاتے ہین جس کے یہ معنی ہین کہ بزرگون کی روحین بھی کھانے مین شریک ہین۔ اور روحون کے متعلق ان کے اعتقاد کی یہ وسعت ہے کہ آفتاب ماہتاب سیارے بادل۔ ہوا۔ پہاڑ۔ دریا وغیرہ کے بھی ذی روح ہونے کے وہ قائل ہین۔ مگر ان سب روحون کی وہ یکجائی پرستش کرتے ہین علحدہ علحدہ پرستش نہین کرتے۔ مگر باوجود ان سب عقاید اور رسومات کے ان کے مذہب مین بھی وہی یک رنگی نظر آتی ہے جو اور مذاہب مین ملتی ہے۔ یعنی یہ لوگ بھی اسبات کے قائل ہین کہ کائنات عالم کے

تمام اجزا اور موجودات عالم کی تمام ترتیب ایک ہی سلسلہ مین منسلک ہے - انسان کا فرض ہے کہ وہ اس ترتیب سے واقفیت حاصل کرے اور اسپر غور کرے - طاؤ ۶۰۰ قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوا ہے - اس کے مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ خالق عالم تمام چیزون کا سبب اور نتیجہ ہے - اور کل اشیائے عالم اس سے پیدا ہوئین اور وہ سب اس کی مطیع ہین - اور بالآخر وہ سب اسی کی طرف مراجعت کرینگی - وہ سب چیزون کا سرچشمہ ہے اور اُسی پر ہوکر تمام چیزون کو اور تمام ہستیون کو گزرنا پڑتا ہے اور بالآخر مختلف گردشین کرکے اُسی ذات مین وصل اور جذب ہوجاتی ہین - کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا - اخلاقیات کی تعلیم اُسنے یہ دی ہے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے دو اور نقصان کا عوض مہربانی سے - جو شخص دوسرون پر غالب آتا ہے وہ بہادر و طاقتور ہے اور جو اپنے نفس پر غالب آتا ہے وہ سورما ہے - مگر یہ عقائد چونکہ محض روحانی اور غیر مرئی تھے اسوجہ سے ان کا دائرۂ اثر وسیع نہ ہو سکا - مگر غور سے دیکھا جائے تو اس مذہب کے عقائد حقیقت مین آخری زینہ ہین مذہب حقیقی کے بدھ مذہب کا مقصد حصول یزدان ہے جس مین روح کو کامل سکون و آرام حاصل ہوتا ہے - اس مذہب نے بے غرضانہ انفرادی اور مجموعی زندگی کی تعلیم دی ہے - اور اس طریقہ سے انسانی زندگی کو بہت بلند کر دیا ہے -

اسرائیلیون کے مذہبی عقائد و مراسم

قوم بنی اسرائیل ابتدا مین مختلف فرقون مین تقسیم تھی یہ قوم پہلے ملک مصر مین غلامی کی زندگی بسر کرتی رہی - مگر ایک شخص کی وجہ سے جس نے ان کو مذہبی واقعات سنا کر اُن کی شجاعت و دلیری کی آگ کو برانگیختہ کر دیا تھا - غلامی کی زنجیرون سے نجات دلائی - اسی شخص کی معیت مین یہ قوم مصر سے روانہ ہوکر خاکنائے سینا چلی گئی اور اُس ملک کے شمالی حصہ تک پھیل گئی - اور بالآخر اُس نے اس ملک کو بھی فتح کرلیا - جو دریائے یردن کے مشرق مین واقع تھا جب یہ قوم اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگی تب اُسنے مذہب کی طرف جو اسی حالت کا قدرتی خاصہ ہے توجہ کی - اگرچہ ہر فرقہ کا طریقۂ پرستش جداگانہ تھا مگر بالعموم یہ لوگ (یہوداہ) کو اپنا رہبر حیات سمجھے ہوئے تھے - جسکا تعلق یہ لوگ طوفان - آندھی - پانی اور بادلون کی گرج سے سمجھتے تھے اور یہوداہ کا مسکن کوہ سینا قرار دیا گیا تھا یہوداہ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ وہ ان لوگون کے ہر شعبۂ حیات مین مدد کرنے کی اہلیت و قدرت رکھتا ہے - اس لیے انھون نے یہوداہ کے بت بنائے اور اُس کی پرستش شروع کردی - گو بعض بتون کو خرقیاہ نبی نے تباہ بھی کر دیا مگر پھر بھی بنی اسرائیل چھوٹے چھوٹے بت ہمیشہ بناتے رہے اور جنگ کے وقت اُن کو ہمراہ رکھتے رہے کیونکہ اُن یہ عقیدہ تھا کہ جنگ مین یہ ہماری مدد کرینگے - قوم بنی اسرائیل مین بہت سے ایسے بہادر گزرے ہین جنھون نے اکثر لڑائی کے وقت یہوداہ کے نام سے لوگون کو جمع کیا اور چونکہ ان کے خیال اور دماغ مین یہوداہ کی جنگی عظمت جاگزین ہو چلی تھی اس لیے ان کے دلون مین یہوداہ کے نام سے جوش کا پیدا ہوتا قدرتی تھا اور اس جوش کیوجہ سے وہ اکثر جنگ کے معرکون مین کامیاب بھی ہوتے رہے جسکا نتیجہ ہوا کہ یہوداہ کی عظمت اس قوم کے دل سے کبھی نہ مٹ سکی - یہوداہ کے معبد مین بھی قربانی دیجاتی تھی - اور یہوداہ کی نذر کا حصہ آگ کے سپرد کیا جاتا تھا کہ وہ آسمان پر یہوداہ

کے پاس پہونچاوے - ان عقائد سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اصل معبود بت کو نہین سمجھتے تھے - بلکہ اسکو اپنے معبود کا ایک خیالی مجسمہ سمجھتے تھے - زراعت پیشہ لوگ غلہ و بیل نذر دیا کرتے تھے - ایک جنگ مین شموئیل نے شاہ اگاگ کی قربانی تک کردی تھی جنگ مین جو مال غنیمت ملا کرتا تھا اُس مین سے جو عمدہ عمدہ چیزین ہوتی تھین وہ یہوداہ کے نذر کیجاتی تھین - اس قوم مین ابتدا مین عابدون کا ایک ایسا فرقہ نکلا تھا جو ناچتا گاتا اور مجذوبون کی سی حرکتین کرتا تھا - ان کے متعلق اس قوم کا خیال تھا کہ اس طریقہ سے وہ ان کے معبود کا مقرب بارگاہ بن جاتا تھا - یہ قوم جادو منتر کی بھی قائل تھی اس قوم مین جو پیغمبر و نبی گزرے ہین وہ بھی یہوداہ کی عظمت کو نہ مٹا سکے - اکثر نبیون نے اس قوم کو ہدایت کی کہ خدا قربانی سے خوش نہین ہوتا ہے بلکہ رحم و انصاف و انکساری و سچائی سے خوش ہوتا ہے - مگر ان کے کہنے کا اثر اس قوم پر کبھی نہ ہوا - اس قوم کے امرا نہایت بے رحمی و سنگدلی کا برتاؤ غربا کے ساتھ کیا کرتے تھے ظلم و رشوت ستانی قتل و غارت گری اور عیش پرستی کا دور دورہ تھا اور یہ سب باتین یہوداہ کی خیالی امداد پر کیجاتی ہین گو کہ انبیا و پیغمبرون نے سمجھایا کہ یہوداہ معبود نہین ہے بلکہ وہ اخلاق کا حاکم ہے وہ سچائی اور رحم و انصاف سے خوش ہوتا ہے اور ظلم و بے رحمی و عیش پرستی سے ناراض ہوتا ہے وہ انسان سے کسی بات کا طالب نہین ہے سوائے نیکی اور سچائی کے اس کے نزدیک سچی قربانی دل کی ہے اور اعمال و افعال کی - وہ تمھارے رنج و غم پر اسطرح سے کڑھتا ہے جس طرح سے باپ اپنی اولاد کے واسطے وہ چاہتا ہے کہ ہمارا قانون تمھارے دلون پر نقش ہوجائے - تاکہ تمھارے اور ہمارے درمیان جس صحیح تعلقات کی ضرورت ہے وہ قائم ہوجائے - اور یہ بھی بتایا کہ یہوداہ تمام عالم کا حاکم اخلاق ہے - وہی قوم اس سے امداد حاصل کرسکے گی جو راست باز ہو اور جسکا شعار صداقت پر ہو اور وہ دن اب قریب آتا جاتا ہے جب وہ تمام عالم کی قومون کے ساتھ انصاف کریگا اس لیے تم لوگون کو کوشش کرنا چاہیے کہ اپنے اعمال درست کرلو تاکہ کہین تمکو وہ سخت ترین سزا کا مستوجب نہ قرار دے - مگر جتنا اثر کہ ہونا چاہیے اتنا کبھی نہ ہوا مگر یہ ضرور ہوا کہ اس طریقہ سے انبیا نے مسئلۂ وحدانیت کی بنیاد انکے دلون مین قائم کردی - یہ ضرور ہے کہ پیغمبرون نے ہدایتین تو کین جو ہونی چاہیئے مگر ان کو عملی صورت مین نہ لاسکے اس لیے اس قوم کی اس وقت تک معقول اصلاح نہ ہوسکی جب تک ان کو بابل مین غلامی کی زندگی سے واسطہ نہ پڑا گو کہ حضرت حزقیاہ نے یہوداہ کی مورتون کو تباہ کیا اور جسقدر معبد تھے ان کی اصلاح کی تاکہ بت پرستی کا رواج اس قوم سے جاتا رہے مگر حضرت حزقیاہ کے انتقال کے بعد انکے جانشین نے تمام احکامات کو پلٹ دیا اور یہان تک پلٹا کہ یروشلم مین انسان کی قربانی ہونے لگی - اس کے بعد حضرت یوسیاہ نے تمام مقامی مندرون کو جن مین یہوداہ کی عبادت ہوتی تھی بند کردیا اور اس طرح پر ملک و قوم سے بت پرستی کی بنیاد تک کھود کر پھینکدی یہودی مذہب کے عقائد اُن عقائد پر مبنی نہین ہین جو ابتدائی زمانہ کے لوگون مین پائے جاتے تھے کیونکہ حضرت حزقیاہ نے اپنے ہم وطنون سے کہدیا تھا کہ ہر شخص کو اپنے افعال کی سزا ملے گی اور اس خطرے سے جو لوگون کو گھیرے ہوا تھا آگاہ کردیا تھا - چنانچہ ان کی اس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ گناہ کے احساس نے یہودیون کے دلون مین گہرا نقش پیدا کردیا - ہر یہودی اسبات کا

یقین رکھتا ہے کہ دنیا کی تمام رطب و یابس اور تمام قوانین توریت مین درج ہین اس مذہب مین روحانی عنصر زیادہ پایا جاتا ہے - عبادت کے وقت پاکیزگی اور طہارت کا بہت خیال رکھتے ہین - چنانچہ یہوداہ کی نیاز وہی شخص دے سکتا تھا جس نے سور کا گوشت کبھی نہ کھایا ہو - یوم سبت کو اپنی دوکان نہ کھولی ہو - نہ اسدن کوئی دنیاوی کام کیا ہو - نہ کسی نعش کو چھوا ہو اور نہ غیر قوم کی کسی چیز کو مس کیا ہو - بنی اسرائیل کے قید بابل سے واپسی کے بعد مزامیر مرتب کیے گئے گو اس کے قبل بھی کچھ مزامیر کی ترتیب ہوئی تھی مگر زیادہ تر قید سے واپسی کے بعد مرتب ہوئے ہین - مگر یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ مزامیر دس انبیا کے بعد ہوئے ہین - اس قوم کے علماء و عقلا جسقدر کائنات عالم مین ترتیب و ضوابط اور اُسکی بعض باتون کو بجز العقول پائے گئے اُسیقدر اپنے معبود کی مدح و ثنا مین رطب اللسان ہوتے گئے اور مختلف اقسام کے ترانے عبادت گاہون مین تصنیف کرکے گایا کرتے تھے - مزامیر مین رسم و رواج اور فقہ اور شریعت کا بہت کم ذکر ہے زیادہ تر یہوداہ کی مافوق الفطرت قوتون اور اس کی رحمتون اور عطیون کا ذکر ہے ان کے نزدیک ان مزامیر کا گایا جانا ایک بہت بڑی عبادت سمجھی جاتی تھی - اس کے علاوہ مزامیر مین - زہد و تقوٰی - توبہ و استغفار - اضطراب قلب خانگی آلام - جسمانی کمزوری - اور تصور و مراقبہ کے متعلق مناجاتین بھی درج ہین - ان لوگون کو اس بات کا یقین ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب یہوداہ دنیا مین آکر تمام نزاعات عالم اور ہر قسم کے ظلم و ستم کا فیصلہ کرے گا اور ہر قوم اور ہر شخص کو ان کے اعمال و افعال کی سزا دیگا - اُس وقت بنی اسرائیل کا زمانہ اوج پر ہوگا اور وہ آزاد ہون گے اور اُس وقت اُن کا مذہب تمام عالم مین پھیل جائے گا اور تمام دنیا اس مذہب کو قبول کرے گی - وحشی اور خونخوار حیوان و درندے حلیم و بے ضرر ہو جائین گے - عالم سے تمام بُرائیان مفقود ہو جائینگی اور یروشلم ان باتون کا مرکز ہوگا - مگر تمام عقائد کی تہ مین وہی تجسس و تلاش ذات واجب الوجود کا نظر آئے گا جو ہر مذہب کا منتہائے نظر ہے -

اِنکا مذہب والون کے عقائد و مراسم

یہ مذہب شمالی و جنوبی امریکہ مین پایا جاتا ہے اور بالخصوص مکسیکو اور پیرو مین - ایک شخص (انکا گارسلا سوڈی لاڈیگا) نامی نے ایک کتاب سولہوین صدی عیسوی مین تصنیف کی ہے جسکا نام (رائل کمنٹریز آف دی انکاز) رکھا ہے اس کتاب سے اس مذہب کے تفصیلی حالات معلوم ہوسکتے ہین اس مذہب کے لوگ آفتاب کی پرستش کرتے ہین - اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ آفتاب نے ان کے کسی بزرگ کو دنیا مین اُن باتون کے تعلیم دینے کی غرض سے بھیجا تھا جو اُن کی زندگی کی رہبری کے لیے ضروری تھین مگر اسی کے ساتھ اس مذہب کے لوگ ایک اور قوت کو بھی جانتے ہین جسے وہ (نچا کا مک) یعنی (دنیا کی روح) لکھتے ہین نچا کا مک کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہی وہ روح (یا قوت ہے) جو تمام دنیا کو زندگی بخشتی ہے - اس معبود کا نہ کوئی مندر بنایا جاتا ہے نہ اسکو کوئی نذر دیجاتی ہے بلکہ اسکی عبادت دل کے اندر کی جاتی ہے -

محمود ظیفان از الہ آباد　　(باقی آیندہ)

لسان العصر اور شاد عظیم آبادی

(از جناب راز بلگرامی)

اپریل کے "نگار" مین "اکبر الہ آبادی و شاد عظیم آبادی" کے عنوان سے جناب ولی صاحب بی اے کاکوری نے جو موازنہ حوالۂ قلم کیا ہے اُس کے بعض پہلوؤن نے مجھے محسوس کرایا کہ مولودۂ "مصنفۂ نگار" سے نہین کیا گیا بلکہ کسی کے محاسن دکھا کر بلا وجہ اسے دوسرے پر فوقیت دیدی لہذا مین نے ہارے ہوئے فریق کی فطرتاً مدد کی اس اخلاقی فرض کو مدنظر رکھتے ہوئے حقیقت کو بے نقاب کیا۔ جناب ولی صاحب میری اس دوستانہ جسارت کو معاف فرمائین گے کہ آپ کے حرفون پر نقطے لگا کے "

راز بلگرامی

مصنف بہ نسبت شاعر ہونے کے بہت زیادہ ایک متفکر (سوچنے والا صاحب فکر) یا فلاسفر ہے جس نے اپنے خیالات کو خوبی کے ساتھ نظم کر دیے۔

یہ وہ راے ہے جو کلیات اکبر کے پہلے اڈیشن کے شایع ہونے پر کسی ناقد نے ظاہر کی تھی جسکو مرحوم نے یہان تک پسند کیا تھا کہ وہ اسے اپنی حقیقی داد سمجھنے لگے۔ ہے بھی یونہین کہ غزل گو شاعر کی حیثیت سے اکبر کو شہرت عام کبھی حاصل ہی نہین ہوئی پھر بھی جہان اپنے رنگ سے الگ ہو کر "کہا" ہے وہ ایسا نہین کہ جناب ولی صاحب شاد عظیم آبادی کے مقابلہ مین اُسے پہلو بہ پہلو رکھکر شاد کو فوقیت دیتے۔

یہ دو شاعر صنعت انسان مشیت نے ایک ہی دنیا مین پیدا کیے۔ ایک ہی ہوا مین سانس لینے کا پابند کیا۔ آنکھون کے سامنے ایک ہی مناظر پیش کیے۔ بہار و خزان کی داستانین دونو کو ساتھ ساتھ سنائین۔ ماہتاب و آفتاب کے گرم و سرد اثرات ایک ہی

لفظون مین بتائے۔ ہجر و وصال کی واقعی کیفیات۔ عاشق و معشوق کے فطری جذبات۔ قاتل و بسمل کے وقتی محسوسات۔ فراق محبوب کے پرسکون تصورات۔ گل و بلبل کے ایشائی تعلقات۔ رند و محتسب کے بے بنیاد تنازعات۔ چشم ساقی کے پرکیف اشارات۔ غرضکہ ضروریات شاعری کا ہر خیال بڑی وسعت کے ساتھ فطرت نے دونون کیلئے بیان تک مہیا کر دیا تھا۔ کہ معمورۂ ہستی کا ذرہ ذرہ دونون کے لیے ایک بولتی زبان اور محسوسات شاعری کی ایک تصویر نظر آنے لگی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان جملہ کیفیات کا اثر۔ اکبر و شاد کے فطری مذاق شاعری پر بحیثیت مجموعی۔ کیا اور کہان تک پڑا اور جناب ولی کے دو مرد میدان اپنے خیالون مین کہان تک متفق و متحد رہے۔ کلیات اول جو ۱۹۰۹ء مین شایع ہوا تھا۔ اُس مین حضرت اکبر نے اپنی غزل گوئی کے تین دور قائم کیے ہین جس کے دیکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر دور مین حضرت اکبر کیا "تھے"

حضرت اکبر نے اپنے خیالات شاعری کے ہر دور کو جس کامیابی اور فتحمندی سے طے کیا ہے اُس کی مثالین اگر پیش کی جائین تو گویا تحریر کا ایک دوسرا موضوع قائم کرنا ہے جس سے مضمون کی غایت بلاوجہ نذر التوا ہو گی۔ اکبر کے ہر دور شاعری پر نظر ڈالتے ہوئے جب ہم آخری دور پر جو اُن کے ارتقاے شاعری کا زمانہ معراج ہے پہونچتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ تغزل کا رنگ ہلکا پڑ گیا ہے عموماً سیاسی۔ اخلاقی۔ عارفانہ۔ غزلین اور نظمین کہی گئی ہین کلیات مین غزلیات کے عنوان سے جتنے صحائف وقف کیے گئے ہین۔ تعداد مین زائد ہین لیکن درحقیقت غزلیت کا

عنصر اُن مین بہت کم ہے عموماً کیفیات حاضرہ شاعر کے خیالات و افکار غزل کی موزون صورت مین نظر آتے ہین - بااین ہمہ جب کبھی غزل سرائی پر آتے ہین تو عاشق کیا بلکہ پورے عاشق بنگئے ہین جو کچھ بھی عاشقانہ رنگ مین کہا ہے خوب کہا ہے اپنے مرتبہ کمال سخن کو اس رنگ مین بھی قائم رکھا ہے اور درجۂ استادی کہین ہاتھ سے جانے نہین دیا لطف زبان سلاست بیان اظہار واقعات - انکشاف جذبات ان کے کلام کی روح اور غزل کی جان ہے جناب اکبر عموماً وہی کہتے ہین جو دل مین محسوس اور محفوظ کر سکتے ہین ان کا کلام واردات قلب کا آئینہ نما عکس ہے جو گزرتی ہے وہ دوسرون کے سامنے بیتحاشا کہہ گزرتے ہین ان خصوصیات کو ایک شعر مین یون ظاہر کرتے ہین شعر

شعر اکبر مین کوئی کشف و کرامات نہین
دل پہ گزری ہوئی ہے اور کوئی بات نہین

اب رہا یہ مسئلہ کہ شاد و اکبر کا موازنہ ہو سکتا ہے یا نہین اسکے جواب کے لیے کہ جناب شاد عظیم آبادی کے رنگ تغزل اور خصوصیات شاعری پر روشنی ڈالی جائے مین مختصراً عرض کرون گا -

فطرت کی فیاضیان گنگا جمنا کے سنگم سے بڑھتی ہوئی ایک اجتماعی شان کیساتھ عظیم آباد کے سبزہ زار مین بہتے دریا کے مانند تشنہ کامون کو سیراب کرنے لگین تو معلوم ہوا کہ سرزمین الہ آباد کے شاداب کرنے کے بعد جو قطرات بچ کھچ گئے تھے وہ عظیم آباد کیلئے نعمت تھے وہان شاد جیسی قابل قدر ہستی نے پیدا ہو کر ثابت کر دیا کہ وہ خاک جو ازل سے بجس ہو ایک دن اپنے عناصر کو مرکز پر لا کر مجھ جیسا "مجسمۂ جذبات" پیدا کر دیتی ہے اے ارض عظیم آباد - ناز کر - قدر کر - فخر کر کہ تجھ پر اب دوسرا شاد پھر نہ پیدا ہوگا مولانا شاد کا مسلم الثبوت استاد ہونا ہمارے نزدیک کیا بلکہ موجودہ مشاہیر نے تسلیم کر لیا ہے اور یہ بھی یونہین - ان کی قادر الکلامی ہماری وسعت شاعری کی ایک دلیل لاانکار رنگ تغزل ہمارے لطف شاعری کی روح - اُن کے پاکیزہ خیالات - عالی جذبات حکیمانہ محسوسات اچھوتے مضامین - دلآویز ترکیبین ہمارے سرمایۂ شاعری کا لازوال اضافہ غرضکہ ایک اعلیٰ شاعر مین جو خوبیان ہونا چاہئین وہ حضرت شاد کی مغتنم ہستی مین بدرجۂ اتم موجود ہین

ان دو حساس طبیعتون مین وہی طاقتین موجود ہین جنکا ذکر ولی صاحب فرما چکے ہین - مگر ان دونون حضرات نے ہر طاقت کا استعمال مختلف طریقہ سے کیا - ہر کیفیت کو مختلف نگاہ سے دیکھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر شاعر کے ساتھ فلاسفر کہلائے اور شاد صرف شاعر ہو گئے -

واعظ اپنے کلام مین لاکھ شیرینی پیدا کرے مگر سننے والے کو وہی تلخی محسوس ہوگی اسی کلیہ پر نظر رکھتے ہوئے اکبر نے اپنی دلخراش باتون کو ظریفانہ رنگ مین بدل کر سنایا ہنسا کے ہنسایا - ہنسا کے رلایا - اکبر نے اس رنگ مین وہ کچھ کیا جو ایک "مصلح قوم" کر سکتا ہے شاد اس رنگ کے خلاف استاد ہو گئے -

ان سب امور پر نظر رکھتے ہوئے مین بلا خوف تردید کہہ سکتا ہون کہ یہ ولی صاحب کی ستم ظریفی ہے کہ دو مختلف راہون کے جانے والے کسی نہ کسی طرح سر پھوڑ مرین - مین یہ نہین کہتا کہ ولی صاحب نے شاد و اکبر کا موازنہ بیکار کیا - کیونکہ جب تک اس قسم کے مقابلے نہ ہون گے فریقین اپنی خامیون کو محسوس کر کے دور نہ کر سکین گے - مگر اتنا ضرور کہون گا کہ ولی صاحب کی نکمہ انتخاب اور اُن کے مذاق نے مرحوم کی روح کو شرمایا - اور آگ و پانی کا مقابلہ جو کسی عنوان ہو ہی نہین سکتا تھا - اس مین ناکام کوششین کر کے ملک کے ایک مخصوص طبقہ کو اپنا مخالف بنا لیا -

مندرجۂ ذیل سطروں مین موازنہ کی خامیان دکھائی گئی ہین ملاحظہ ہو۔

اکبر
حباب آسا اُٹھایا بحر ہستی مین جو سر اپنا
بنایا بس وہین موج سفر نے ہمسفر اپنا

شاد
موج فنا مٹا نہ دے نام و نشان وجود کا
دیکھ حباب کی طرح شوق نہ کر نمود کا

خیالات ولی - اکبر کا شعر محض اظہار حقیقت ہے بر خلاف اسکے شاد کے ہان واقعے کے ساتھ عبرت پزیری و سبق آموزی کا پہلو موجود ہے طرز ادا نے اور چمکا دیا۔

عرض راز کاش ولی صاحب شاد کے شعر کے مقابلہ مین اکبر کا یہ شعر لکھ کر موازنہ کرتے مگر جو کسی کی اداؤن کا مارا ہو اُسے غیر کی ادا کیون بھائے۔ ستم ہے کہ اظہار حقیقت بھی جرم ہے شعر ملاحظہ ہو

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گزرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی مین

ہوا کا پانی مین گرہ دینا کتنا بلیغ استعارہ ہے۔ جدت تخیل کے یہ معنی ہین۔ لفظ ”تماشا“ درس عبرت بنا ہوا ہی منصف دیکھین۔

اکبر
پروانہ جلکے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیر حسن و عشق جو ہونا تھی ہو چکی

شاد
پروانہ کی میت جب یون آگ مین جلتی ہے۔
گو سخت ہے ظاہر مین پھر شمع پگھلتی ہے

خیالات ولی - اکبر کا شعر بے نیاز تعریف ہے۔ اس کے مقابلہ مین شعر نکالنا شاد ہی کا کام ہے انکے شعر سے یہ بلاغت بھی نمایان ہے شمع صورتاً و معناً سنگدل معلوم ہوتی ہے مگر پروانہ کے حال زار سے متاثر ہو کر گھل گھل کر فنا ہو جاتی ہے۔

عرض راز اکبر کا بے بنا د مطلع ایسا ہے کہ شاد کا مطلع کسی صورت مقابلہ کر ہی نہین سکتا نگاہ دقیقہ بین دیکھے کہ ایک مضمون کو دونون مطلع کی حیثیت سے کہان تک لکھ رہے ہین شاد نے ایک نئی بات خلاف واقع لکھی ہے کہ پروانہ مرنے کے بعد (بصورت میت) جلتا ہے لفظ ”پھر“ سے ”مگر“ کا مفہوم کسی طرح واضح ہی نہین ہوتا ”جب یون“ کی غرض استعمال بالکل مفقود نہ نشست الفاظ جسکی تعریف کرون نہ زور بیان، جسکو سراہون اسکے ساتھ ساتھ اکبر نے شمع و پروانہ کے ”افسانۂ عشق“ کو بالکل ختم کر دیا۔

اکبر
اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا
مگر محل نہین ہے ساقی سے بدگمانی کا

شاد
دیکھے تہی سبو مجھے صبر کا حوصلہ دیا
جس کی طلب تھی ساقیا ہن سے کہین سوا دیا

خیالات ولی مفہوم دونون کا ایک ہے اکبر کے دوسرے مصرع کا تیور دلآویز ہے۔ یہ زندگی کی تلخی پر قضا و قدر کے شاکی ہین شاد میدان رضا مین ایک قدم آگے ہین ناکامی و نامرادی پر عدم شکایت کے بجائے شکر ادا کرتے ہین طرز ادا کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین دی جا سکتی ۔

عرض راز کسی جانبدار فیصلہ کن کا دونون حریفون کے مقابلہ مین اتنا لکھ دینا ہی تعریف ہے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین۔ شاد کے دوسرے مصرع مین یہ ٹکڑا ”اس سے کہین سوا دیا“ ظاہر کرتا ہے کہ مانگنے والے نے کسی چیز کی مقدار مقرر کر دی ہے جسکے لیے لفظ ”جسکی“ ”جتنی“ کا مفہوم نہین ادا کرتا۔ اس کے علاوہ جب خالی سبو دیا گیا تو صبر کس کا کیا جائے جوہر صبر تو یہ ہے کہ ساقی سے ”اگرچہ جام تلخ ملا“ مگر اب کچھ نہین کہہ سکتے ہین صبر کر کے پیتے ہین - بہر حال اکبر کا شعر اپنے مطالب مین

ہر پہلو سے کامیاب اور شاد سے افضل ہے۔

اکبر
اگرچہ تکلیف نزع میں ہوں سکون خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امید میں کسی کے چھٹنے کا غم نہیں ہے

شاد
آخر ہے غم ضیق میں دل بھی ہے جان بھی
مردانہ باش ختم ہے یہ امتحان بھی

خیالات ولی۔ اکبر کا مفہوم یہ ہے امید وصل میں نزع و سکرات کی تمام تکالیف گوارا ہیں اور مسرت و اطمینان حاصل ہے شاد کے شعر کا مفہوم بہت بلیغ و ارفع ہے زندگی کے تمام مصائب بطور بطور امتحان عشق و محبت کے تھے جنکے سہنے پر وصل کی شاد کامی منحصر ہے نزع کی بے چینی کرب و الم کا استقلال کے ساتھ برداشت کرنا صرف امتحان محبت ہے۔ ظاہر ہے کہ شاد کے شعر میں جو حقائق اسرار۔ اسالیب بلاغت اور جوش بیان موجود ہے اکبر کے شعر میں نہیں

عرض راز۔ دونوں حضرات کے شعروں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاد تکالیف محبت سے برداشتہ خاطر ہو کر وہ الفاظ استعمال کر رہے ہیں جو استقلال اور پامردی سے کہیں دور ہیں مجبوراً ہارے ہوئے دل کی ہمت لفظ مردانہ باش سے بڑھا کر امتحان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے کہ اکبر ان جملہ تکالیف کو "سکون خاطر" کہہ رہے ہیں شاد کا استاد ایسا لطیف ہے کہ ذوق سلیم سجدہ کرے دوسرے مصرع میں علائق دنیا سے بیزاری کا اظہار کسی کے ملنے کی تمنا میں جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ اکبر کے استادانہ اور کاملانہ انداز سخن کا بہترین نمونہ ہے اکبر کا مطلع وہ مطلع ہے کہ اسکو جتنا در دکیا جذب طاری ہوتا ہے شاد کا مطلع اسکی گرد کو بھی نہیں پہونچتا۔

اکبر
دل ہے ملول فرقت قامت و روئے یار میں
جھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں

شاکد۔ میں اور سیر لالہ و گل ہجر یار میں + کیسی بہار آگ لگا دوں بہار میں

خیالات ولی۔ شاد کے شعر کا طرز ادا۔ صفائی زبان چستی بندش بے ساختگی اور تیور محتاج بیان نہیں اکبر کا شعر اُسکے مقابلہ میں بہت سُست ہے لفظی رعایت نے اُسکو اور بے مزہ کر دیا۔

عرض راز۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ولی صاحب نے اکبر کے لبریز جذبات شعر کو اس بُری طرح پامال کیا جس کو صاحب نظر بغیر نگاہ نفرت سے دیکھے باز نہیں آسکتا عالم خیال میں فرقت یار کے اثر سے ایک خاص حالت میں جو کچھ منھ سے نکل گیا ہے سچی شاعری ہے جو حضرات مرحوم شوق قدوائی کی مشہور نظم "عالم خیال" پڑھ چکے ہیں وہ سمجھیں گے کہ اکبر نے کیا کہا۔

اکبر
دل بیتاب نے کیا کیا دکھائے ہیں مجھے عالم
یہ پرزہ بھی قیامت ہے خدا کے کارخانہ کا

شاد
سرکار دل کی ہوش ربا سے زمانہ ہے
وسعت تو کچھ نہیں ہے مگر کارخانہ ہے

خیالات ولی۔ اکبر کا شعر صاف ہے۔ شاد دل کی طلسمی کیفیت کے متعلق جو بیان کر رہے ہیں۔ اس طرز ادا اور جوش بیان کو اکبر کا شعر نہیں پہونچتا معنوی محاسن کے لحاظ سے بھی شاد کا شعر کہیں مرجح ہے

عرض راز۔ میری رائے میں نہ اکبر کے شعر میں کوئی نقص نہ شاد کے شعر میں کوئی لطف۔ اسی مضمون کو اکبر نے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

صورت ظاہر میں دل اک قطرۂ خون تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفان ہو گیا

اکبر
خلوت ناز میں کیا شان خود آرائی ہے
حسن خود عالم حیرت میں تماشائی ہے

شاد
دیدنی تھا یہ سماں تیرے نکھرنے کی قسم
سکتہ آئینہ کا جلوہ ترا حیرت میری

خیالات ولی۔ اکبر نے مطلع خوب کہا ہے الفاظ نہایت رنگین آئے ہیں۔ شاد نے معشوق کی آرائش کی تصویر کشی نہایت خوبی کی ہے۔ اس شعر کا ایک ایک لفظ ایک ایک ٹکڑا حسن تخیل کا آئینہ ہے تیرے نکھرنے کی قسم کان ملاحت کا ایک جوہر ہے اسکے محاسن ضبط تحریر میں نہیں آسکتے۔ ذوق سلیم خود لذت اندوز ہوسکتا ہے۔

عرض راز۔ شاد کے شعر میں البتہ "تیرے نکھرنے کی قسم" ایک دلچسپ ٹکڑا ضرور ہے۔ مگر اکبر نے مضامین کے اعتبار سے حسن انداز کیساتھ نظم کر دیا ہے اسکا احساس ولی صاحب کو بھی ہے کہ مطلع کو محض رنگین کہکر چپ ہو رہے۔ خلوت میں شان خود آرائی کا مضمون کتنا سچا اور موثر ہے۔ دوسرے مصرع میں خود حسن کا عالم حیرت میں تماشائی ہونا کتنا پر کیف منظر ہے اکبر کے شعر کے مقابلہ میں شاد کا شعر بالکل بے مزہ ہے اکبر نے ایک مطلع میں معشوق کا اپنے حسن اور خود آرائی سے اپنا نظیر تلاش کرنا جس اعلیٰ اور ارفع خیالات کے ساتھ نظم کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

نگاہ اُٹھتی ہے احساس ماسوا کیلئے
کہاں ہے دل زر زار و کے اسے خدا کیلئے

اکبر
کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست
ہے ابھی پردہ میں پنہان آفتاب روئے دوست

شاد
جو آنکھیں ہوں تو چشم غور سے اوراق گل دیکھو
کسی کے حسن کی شرحیں لکھی ہیں ان سا ئین

خیالات ولی۔ اکبر کہتے ہیں کہ مظاہرۂ فطرت کے پردہ میں شاہد حقیقی کا حسن و جمال مستور ہے۔ اسی مسئلہ کو شاد دلآویز انداز میں بیان کرتے ہیں اوراق گل جرائد فطرت ہیں پھولوں کا رسالہ قرار دینا کتنا معنی خیز ہے۔ شاد کا شعر اکبر کے شعر سے بہرحال بہتر ہے۔

عرض راز۔ شاد نے مظاہرۂ فطرت کو محض پھولوں تک محدود کر دیا ہے اس شعر کو اکبر کے وسعت خیال کے مقابلہ میں ہرگز پیش نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو مولانا اکبر نے جس حسن کے ساتھ نظم کیا ہے اس کی داد مشاہیر سخن دینگے ملاحظہ ہو۔ موازنہ کیلئے یہ شعر کافی تھا۔ کیا ولی صاحب کی نظر انتخاب یہاں تک نہ پہونچ سکی؟

ہر جنبش نگاہ خرد اک حجاب ہے
عارض پہ انکے جلوۂ ہستی نقاب ہے

شاد کے جرائد فطرت کے مقابلہ میں اکبر اپنا صحیفہ قدرت یوں پیش کرتے ہیں۔

اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا
اگر سمجھو تو ہر پتی بیان راز کرتی ہے

اکبر
بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشان ہوکر
چمن میں بوے گل پھیلی ہے تیری داستان ہوکر

شاد
مہک اٹھا چمن دہر کا پتا پتا
راز چھپنے نہیں دیتی تری خوشبو تیرا

خیالات ولی۔ اکبر نے بہار کو آئینۂ معنی نشان قرار دیا ہے جو نہایت خوش اسلوب و بلیغ ہے۔ بوے گل کے انتشار کو داستان معشوق کی تشہیر ثابت کرنا بھی کتنا [illegible] شاد کا بھی وہی مضمون ہے اور نہایت خوبی سے بندھا ہے۔ دوسرے مصرع کی ترکیب کتنی پیاری ہے۔ شاد کا ذوق نظر نہایت وسیع ہے وہ کائنات کے ذرہ ذرہ میں معشوق کے جلوہ پیرائی کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اکبر نے اس کو صرف موسم بہار تک محدود رکھا۔

عرض راز۔ ولی صاحب نے اکبر پر ایسا کرم کیا کہ شاد کے محاسن شاعری بیان کرتے ہوئے جب کچھ نہ چلی تو لکھکر شاد کو فوقیت دینا چاہی

اکبر نے اسکو صرف موسم بہار تک محدود کر دیا ہی حالانکہ اسکے پہلے شعر مین خود شاد نے اکبر کے ایک شعر کے مقابلہ مین انھین خیالات کو اوراق گل تک محدود کر دیا ہی اس سے صریحی جانبداری کا پتہ چلتا ہی ناظرین دونون شعرون مین انصاف کرین۔

اکبر
آج پھر آرائش گیسوے دوتا ہوتی ہی
پھر مری جان گرفتار بلا ہوتی ہی

شاد
چشم سیاہ مین سرمہ دیے زلف رسا مین شانہ کر
قتل جہان کے واسطے تانہ پھر اک بہانہ کر

خیالات ولی- اکبر کے شعر کا مضمون سامنے کا ہی اور کوئی جدت نہین پائی جاتی شاد کا شعر محشرستان تخیل ہی جوستی جوش - دلآویزی - بلاغت پائی جاتی ہی اکبر کے شعر مین نہین

عرض راز- جسطرح اکبر کے شعر مین کوئی جدت نہین پائی جاتی اسیطرح شاد کے شعر مین وہی پرانی کنگھی چوٹی - اور وہی گھر کا تیار کردہ سرمہ ہی جسے قتل جہان کے واسطے تلوار بنایا جارہا ہی برخلاف اسکے اکبر نے لفظ "پھر" کے ساتھ جس سلاست سے وقتی احساس کو ظاہر کیا ہی جو کسی اہم وقت مین بے ساختہ منھ سے نکل جاتا ہی انکی کہنہ مشقی کی بین دلیل ہی۔

اکبر
یہ ادائین یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
مین تو کیا ضبط فرشتون سے بھی والله نہو

شاد
ہاے وہ جادو بھری آنکھین وہ کافر چتونین
وہ بڑا مومن تھا قائم جسکا ایمان رہگیا

خیالات ولی دونون معشوق کے طلائک فریب معجزۂ حسن کی تصویر کھینچ رہے ہین - میرے خیال مین شاد کا شعر زیادہ مستانہ ہی دوسرے مصرع مین لفظ "مومن" کتنا بلیغ و ارفع ہے خصوصاً کافر کے مقابلہ مین اسکا بے اختیار برمحل استعمال نہایت کیف انگیز ہی۔

عرض راز- یہ غلط ہی کہ دونون نے طلائک فریب حسن کی تصویر کھینچی ہی - یہ خیال کی وسعت محض اکبر کے ہان ہی شاد اپنے مضمون سے زیادہ نہ بڑھ سکے ولی صاحب نے "مومن" و "کافر" کی رعایت برمحل قرار دیکر کیف انگیز کہا اسیطرح اکبر کے شعر کی لفظی رعایت کو بے مزہ قرار دیا جو بعید از انصاف ہی

اکبر
حیرت مین ختم ہوگئی انشاے زندگی
حل ہو سکا نہ ہم سے معماے زندگی

شاد
ہزار دل آرزوئین ساتھ ہین اسیر اکیلی ہی
ہماری روح بے بوجھی ہوئی اتبک پہیلی ہی

خیالات ولی- دونون اشعار کا مضمون فلسفیانہ ہی جسکا نتیجہ ایک ہی معنویت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین دیجا سکتی شاد نے اس فلسفہ کو رنگ تغزل مین ادا کیا ہی جس سے شعر مین زیادہ کیف پیدا ہوگیا ہی

عرض راز- جس فلسفیانہ انداز سے جناب اکبر نے اس شعر کو نظم کیا ہی وہ انھین کا رنگ ہی - شاد کے شعر مین اگر ولی صاحب نے صرف "آرزوٴن" سے کیف پیدا کر دیا تو یہ غزل کی پہیلیان انھین کو مبارک رہین

اکبر
امتیاز حسرت و رنج و الم جاتا رہا
غم ہوا اتنا کہ اب احساس غم جاتا رہا

شاد
خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہی
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہی

خیالات ولی- اکبر کا شعر غالب کے شعر کا ماخذ ہو - شاد قلب کی ایک دوسری کیفیت کی مصوری کر رہے ہین - دونون شعرون کا فلسفہ جداگانہ ہی - اپنی جگہ پر دونون شعر خوب ہین - مگر اکبر کا شعر مستعار ہی - اور شاد کا اور تخیل اسلیے شاد کے شعر کو ترجیح دینی چاہیے

عرض راز- جب دونون شعرونکا فلسفہ جداگانہ ہی تو موازنہ کیا معنی رہا ہے اکبر کا

شعر مستعار ہو یا شاد کا شعر دماغی کاوش کا نتیجہ ہو دیکھنا یہ ہے کہ دونون اپنی اپنی خصوصیات شعری مین کہانتک کامیاب رہے میری رائے مین دونون نے اپنے اپنے مضامین صفائی کیساتھ لکھے اکبر ایک کیفیت کا مرقع یون کھینچتے ہین

غم ہے اتنا کہ دل زار پہ قابو ہی نہین
ضبط یہ ہے کہ کہین آنکھ مین آنسو ہی نہین

اکبر
یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا
مین نہ سمجھا کہ یہ جینا مرے کس کام آیا

شاد
اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑدے پیچھا مرا مین باز آیا

خیالات ولی ۔ دونون کا مضمون فلسفۂ زندگی کے متعلق جداگانہ ہے۔ شاد کا شعر ایک وسیع تخیل پیش کرتا ہے۔ اس شعر سے اکبر کے شعر کو کوئی نسبت نہین یہ حسن تغزل کا بہترین نمونہ ہے اور تمام محاسن شعری کا گنجینہ ہے۔

عرض ساز جب دونونکا فلسفہ جدا تو موازنہ بیکار۔ یہ دو مطلع البتہ اتنے چست ہین کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح محال۔

اکبر
سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہو

شاد
جسم خاکی کے تعلق نے گرانبار کیا
کاش مین راہ مین تیری تن تنہا ہوتا

خیالات ولی اکبر کہتے ہین کہ ہوش و خرد سالک کیلئے سد راہ ہین۔ شاد کہتے ہین کہ چونکہ جسم خاکی بھی روح سے وابستہ ہے اسلیے ہزارہا علائق دنیا کا سامنا ہے منزل مقصود تک رسائی نہین۔ شاد کے شعر کو ترجیح ہے

عرض ساز اکبر نے سالک راہ کی تن تنہا رہنے کی خواہش حسن بلیغ انداز سے بیان کی ہے وہ اکبر کا حسن بلاغت ہے خود ہوش کا ہمراہ نہونا کتنا پیارا ٹکڑا ہے

اکبر
اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن
تم روز یہ کہدیتے ہو اب اور کسی دن

شاد
بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہوگئے
تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہوگئے

خیالات ولی ۔ دونون شعرونکی صفائی زبان انداز بیان چستی ترکیب نہایت دلآویز ہے میرے خیال مین ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو شاد کا شعر زیادہ پر معنی اور پرتخیل ہے۔ شاد کے شعر سے دنیائے تخیل سامنے آجاتی ہے خصوصا اسکا دوسرا مصرع غضب ہے۔

عرض ساز شاد کے شعر سے چاہے دنیائے تخیل سامنے آجائے یا شعر کا ہر نقطہ جہان معنی ہوجائے دونون مین جو فرق ہے وہ نمایان طور سے نظر آئیگا شاد کے دوسرے مصرع مین لفظ "شباب" نے مذاق سخن عریان کردیا

اکبر
نشتر لگائے جاے رنج ناامیدی
دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوش خون کی

شاد
یون ہی رہ رہ کے تو اے ناامیدی دلکو چھیڑے جا
یہی مہمیز رخش عمر کو چالاک کرتی ہے

خیالات ولی شاد کے دونون مصرع نہایت متوازن متقابل ہین۔ مفہوم پاکیزہ ہے تخیل مین جدت ہے۔ ترکیب پرجوش و پراثر ہے اکبر کا شعر بھی خوب ہے۔

عرض ساز میری راے مین نشتر کی چھیڑ چھاڑ مہمیز کی ٹھوکر دینے سے پرلطف ہے۔ اکبر کے دوسرے مصرع کی توصیف تو ممکن ہی نہین شاد کے دوسرے مصرع مین ان مضامین کیساتھ "رخش عمر" ایک تعقید سا ہے۔

اکبر
سینہ کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا
اچھا ہوا مزہ تو محبت کا مل گیا

شاد یون ہی راتونکو تڑپینگے یون ہی جان اپنی کھوئینگے
تری مرضی نہین اے درد دل اچھا نہ سوئینگے

خیالات ولی مضمون دونون شعرونکا جداگانہ ہے لیکن دونون کا تعلق جذبات سے ہے لہذا موازنہ کیلئے منتخب کرلیا شاد کا شعر حسن تغزل کا بہترین نمونہ ہے۔ اس بات کو کہ درد دل کے ہاتھون خواب و آرام حرام ہے۔ کس پرکیف پرجوش انداز مین بیان کرتے ہین میر کے نشتر اس شعر مین بدرجۂ اتم موجود ہین

عرض راز ولی صاحب کو اگر میر کے نشتر کی خلش یاد تھی تو اکبر کے اس شعر کو منتخب کرتے ؂

دن رات کی یہ بیچینی ہے آٹھ پہر کا رونا ہے — آثار برے ہین فرقت مین معلوم نہین کیا ہونا ہے

قطع نظر اسکے اکبر کا پہلا شعر جو ملک مین مقبولیت عام حاصل کرچکا ہے وہ اُنکے کمال شاعری کی ایک دلیل ہے

اکبر زندہ ہون مگر زیست کی لذت نہین باقی
ہر چند کہ ہون ہوش مین ہشیار نہین ہون

شاد پیری مین امنگین وہ نہین جوش نہین ہے
آپ اپنے کو سمجھون مجھے یہ ہوش نہین ہے

خیالات ولی ۔ دونون شعرا اپنے اپنے انداز مین خوب ہین تاہم شاد کا مصرعۂ ثانی نہایت برجستہ اور بے ساختہ ہے۔ یون بھی انکا شعر پُرنوع جذبات سے بھرا ہے۔

عرض راز شاد نے پیری کے اظہار سے وسعت خیال کو تنگ کر دیا اکبر کا پہلا مصرع کتنا برجستہ و پرلطف ہے بہر حال اکبر کا شعر مجموعی حیثیت سے اچھا ہے

اکبر حسن بت یہ ہے تو اچھا وہ خدا کی نہین خیر
یہ ادا ہے تو نمازون کی قضا آئی ہے

شاد اب تو جا نکلے مسجد کی طرف وہ کافر
گر یہ سچ ہے تو شہادت ہے مسلمانون کی

خیالات ولی ۔ اکبر کے دونون مصرعون کا تناسب و تقابل خوب ہے اور اداکو نماز کی قضا ٹھہرانا نہایت پرلطف ہے۔ شاد کا شعر بھی بہت خوب ہے "مسجد" "کافر" اور "مسلمانون" کی رعایت لفظی نہایت پرلطف ہے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہین دیجا سکتی۔

عرض راز کاش جناب ولی صاحب شاد کی ان لفظی رعایتون سے تنافر ظاہر کرکے شعر کو بے مزہ قرار دیتے جیسا کہ اکبر کے لئے ان اداؤن سے خنجر آزما ہوتے ہین۔

گو طوالت کے لحاظ سے موازنہ کے بہت سے اشعار ترک کر دئے ہین مگر پھر بھی مضمون کی وسعت کافی سے سوا ہوگئی۔ بالائی سطرین بتا سکینگی کہ موازنہ کے خاص پہلوون کو کہان تک دبایا۔ حیرت انگیز تعجب ہے کہ ولی صاحب کے "مذاق سلیم" نے انتخاب کا کونسا معیار قائم کیا ہے

کلام اکبر کا مختصر انتخاب درج کیا جاتا ہے جس سے آسانی کیساتھ اندازہ ہوسکیگا کہ ولی صاحب نے اکبر کے کس کلام کا موازنہ کیا اور اور اُنکے نگاہ انتخاب کی رسائی کہانتک ہے

اکبر کا وہ کلام جس پر کلام میر کا دھوکا یقین کیساتھ ہوسکتا ہے ملاحظہ ہو ؂

انتخاب کلام اکبر

دن رات کی بیچینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے — آثار برے ہین فرقت مین معلوم نہین کیا ہونا ہے

دنیا کیلئے ہنگامہ ہے خلق ایکطرف آپ ایکطرف — اب شہر خموشان عالم ہو بیٹھی ہے لحد کا کونا ہے

کیون پست ہوئی ہے ہمت دل کیون رک رہی ہے مایوسی
کوشش تو ہم اپنی سی کرلین ہوگا تو وہی جو ہوتا ہے

جب یاس ہوئی تو آہون نے سینہ سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خنک مزاج آنکھین بھی ہوئین دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا
ناوک فگنی سے ظالم کے جنگل مین ہو اک سناٹا سا
مرغان خوش الحان ہو گئے خاموش آہو نے اچھلنا چھوڑ دیا
وہ سوز و گداز اس محفل مین باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانون نے جلنا چھوڑ دیا شمع نے پگھلنا چھوڑ دیا

زندگی کا صحیح نصب العین ایک فلاسفر شاعر کے زبان سے سنئے

مسرت ہوئی ہنس لیے دو گھڑی مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
اسی طور سے کٹ گیا روز زیست سلایا شب گور نے سو رہے

ذیل کے دو شعرون مین آخری شعر اس پایہ کا ہو کہ کہنے والے کی نجات کو کافی ہو۔

گھٹتا جاتا ہو میری نظرون مین میرا مقدور
بڑھتا جاتا ہو شمار اُنکے خریدارون کا
فطرت اُٹھی ہو شفاعت کو ملائک مین خروش
حشر ہو عشق و محبت کے گنہگارون کا

مختلف اشعار جو موازنہ کے قابل تھے ملاحظہ ہون

مقام شوق مین ایدل وہ رنگ پیدا کر نظر زبان بنے عرض مدعا کیلئے
یہ پروانہ ہو جسنے دیدہ بازیکا ہنر جانا اسیکا کام ہو ذوق نظر مین جل کے مرجانا
یارب ایسا کوئی بتخانہ عطا کر جسمین ایسی گزرے کہ تصور بھی گنہگار نہو
اے شوق وہی مے پی اے ہوش ذرا سو جا
مہمان نظر اس دم اک برق تجلی ہے
تیز رفتار ہو اسقدر ای موج ہوا تجھ مین کچھ قطرے ہوا سے ہین ابھرنیوالے

سنبھالین دل کو کہ ہم حالت جگر دیکھین
تمام آگ لگی ہو کدھر کدھر دیکھین
وہ ساری امیدین ملین خاک مین جو بجلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی
دل مین سوزش ہو آنکھ مین آنسو عشق ہو کھیل آگ پانی کا
منظور مجھے شکوۂ بیداد بتان ہے للہ بتلائے کوئی اسد کہان ہے

اِن اشعار کے ملاحظہ سے معلوم ہو گا کہ زبان کی سلاست اسالیب بلاغت۔ حسن بندش۔ اجتماع الفاظ۔ مطالب کی بلندی۔ اظہار حقیقت۔ انکشاف جذبات۔ غرض کہ محاسن شعری کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت اکبر کے مذاق طبیعت مین فطرت نے کہان تک ودیعت کر دی ہے۔ یہی وہ امانتین ہین جو مشیت دیکھ بھال کر تقسیم کرتی ہے۔

ہر جنبش نگاہ خرد اک حجاب ہے
عارض پہ اُنکے جلوۂ ہستی نقاب ہے
آرام کی تلاش نے رکھا ہو بے قرار
ہر خواہش سکون سبب اضطراب ہے

مذکورۂ بالا دونون شعر اپنے اپنے مطالب مین جس انداز کیساتھ کامیاب ہین وہ حقیقت بین نگاہون سے چھپے نہین۔ دوسرے شعر کا دوسرا مصرع اپنی خوبیون مین فرد اپنے خیالات مین اپنے اثرات مین اعلی و ارفع ہو۔

اکبر مرحوم ہو چکے ہین اُنکے صاحبزادے سید عشرت حسین صاحب ایک جلسہ مین تشریف رکھتے ہین دوران گفتگو مین اکبر کے مذاق سخن کی تعریفون کے بعد یہ شعر پڑھتے ہین جو اُنکے دیوان مین ابھی تک شامل نہو سکا۔ اکبر کے بھی وہ محتذل ہین جنکو سنکر کہنا پڑتا ہو کہ اکبر دیر

کے دل و زبان ایک ہی ہین شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

کمزور ہی مری صحت بھی کمزور مری بیماری بھی
اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا بیمار ہوا تو مر نہ سکا

باتون ہی باتون مضمون طویل ہوگیا۔ اسلیے اکبر کے انھین چند شعرون پر اکتفا کی جاتی ہی۔ سخن فہم کلیات اکبر مین مجھسے زیادہ انتخاب کر سکتے ہین۔ اگر زمانہ نے فرصت دی دل و دماغ اپنا رہا تو انشاء اللہ "کلام شاد" کی خوبیان دکھاکر ثابت کرونگا کہ کلام شاد کے محاسن ایسے نہین ہین کہ ایک بدمذاق انسان تعلیم یافتہ ہوکر لطف سخن کا اظہار اپنی زبان یا قلم سے کرسکے۔

بہرحال اکبر کا رخ نقاب پوش ہی۔ اسکی وہی حضرت نقاب کشائی کرسکتے ہین جن کے ہاتھون کی رسائی وہان تک ہو۔ زبان اردو پر اکبر کے جو غیر معمولی احسانات ہین وہ ایسے نہین ہین کہ دوسرا حسن اپنا پلہ اُنکے مقابلہ مین گران کرلے۔

اکبر دنیا کے شاعرون کے سامنے اپنی مخصوص شان ایک خاص انداز سے یون دکھا کر چپ ہوجاتے ہین ؎

زور رندی ہی نصیب دیگران شاعری کی صرف قوت ہی مجھے

فقط

راز بلگرامی

مرقع مرقومۂ بالا مضمون ہمارے ہموطن بھائی جناب راز بلگرامی کے زور قلم اور نکتہ رس طبیعت کا نتیجہ ہی رسالۂ اکبر الٰہ آباد کے اپریل و مئی نمبر مین بعنوان **اکبر الٰہ آبادی و شاد عظیم آبادی** جناب افضال احمد صاحب سجادن مدیر کا بھی ایک مضمون شائع ہوا ہی۔

نتیجہ ان دونون مضمونون کا ایک ہی صرف الفاظ و عبارت مین فرق ہی۔ ہم یہان پر جناب افضال احمد صاحب کا بھی مضمون درج کیے دیتے ہین تاکہ ناظرین کو لطف کامل حاصل ہو۔ وصل بلگرامی

اکبر الٰہ آبادی و شاد عظیم آبادی

"نگار" کے اپریل نمبر مین ایک تنقیدی مضمون اکبر و شاد کی خصوصیات شاعری پر شائع ہوا ہی۔ مضمون نگار نے دونون استادون کے اشعار بالمقابل درج کرکے موازنہ کا حق ادا کرنا چاہا ہے عنوان ہی سے جیساکہ قابل مقالہ نگار کا خیال تھا ہم بلا متحیر ہوئے نہین رہ سکے۔ واقعی عوام کیلئے اکبر و شاد کا تقابل جسقدر بھی حیرت انگیز ہو کم ہی۔ سید شاہ ولی الرحمن صاحب کی یہ کوشش قابل ستائش ضرور ہی کہ آپ نے دو مختلف رنگ کے کہنے والون مین موازنہ کی زحمت گوارا فرمائی۔ شاہ صاحب نے اکبر و شاد کی شاعری پر ضمنی بحث فرماتے ہوئے دونون کے امتیانات ذاتی کو نمایان کیا ہی۔ اسکے بعد چند دفعات قائم کرکے اکبر و شاد کی بالاشتراک کیفیات کا مجمل خاکہ کھینچا ہی۔

قبل اسکے کہ مین شاہ صاحب کے مبحث کے متعلق کچھ عرض کرون دونون کی شاعری پر چند سطور اپنے نقطۂ نظر سے پیش کرتا ہون

حضرت اکبر کی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے ہوئی تھی لہذا یہ رنگ جناب کے اوائل شباب سے عمر کے درمیانی حصہ تک پہونچا وفات کے پندرہ بیس سال قبل مرحوم نے غزلگوئی بالکل ترک کردی تھی مگر حد کمال کو پہونچاکر۔ اور دو شاعر کیلئے غزل گوئی پیلا درجہ ہو اگر وہ اور اصناف سخن مین کمال حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکو

سب سے پہلے غزل ہی مین مہارت نامہ بہم پہونچائی ہی چنانچہ حضرت اکبر مرحوم اسکی بہترین مثال ہین ۔ مرحوم نے جب تک تغزل کو پایۂ تکمیل تک نہین پہونچا لیا دوسری طرف قدم اُٹھانے کی جرأت نہین فرمائی جسکا ثبوت مرحوم کے دواوین سے بخوبی مل سکتا ہے

حضرت شاد مدظلہ کی عمر اسوقت نوے برس سے بھی متجاوز ہے حسب بیان تذکرہ شعرا لہندآپ کی شاعری عنفوان شباب ہی سے شروع ہوگئی ۔ اس حساب سے جناب کی مشق سخن کا زمانہ ستر سال سے زیادہ ہوتا ہی ۔ حضرت شاد کی شاعری پر جن خیالات کا اظہار شاہ صاحب نے فرمایا ہی ہم اُنکے ماننے کے تیار ہین ۔ مگر موازنہ مین شاہ صاحب کا حسن ظن حضرت شاد کے متعلق بہت کچھ پردہ پوش حقیقت ہوا جسکی وجہ سے حضرت اکبر بے انصافی یا تنگ نظری کے شکار ہوئے ۔

اب مین شاہ صاحب سے چند جگہون پر ان کی راے سے اختلاف کرنیکی جرأت کرتا ہون امید ہی کہ وہ مجھے ایک نادیدہ نیازمند خیال فرمائین گے ۔

شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ حضرت اکبر محض اپنے ظریفانہ رنگ سے مواکبر ہین ایک قادر الکلام ہمہ گیر شاعر کی شان مین سراسر گستاخی ہی شاہ صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت اکبر کی جولانگاہ تنہا ... جناب کے حد خیال سے کوسون دور ہی اگر شاہ صاحب کو حضرت شاد سے حسن ظن تھا تو اسکا یہ مطلب نہین کہ خواہ مخواہ انصاف کا گلا چھری سے کاٹا جائے ۔

آگے چل کر شاہ صاحب لکھتے ہین کہ "باوجود خصوصیات مشترکہ کے دونون کی راہین جداگانہ ہین حضرت اکبر کی جولانگاہ ظرافت آمیز کلام ہی . . . . . حضرت شاد کا رنگ تغزل عجیب وغریب ہی "

سطور بالا کا صاف مطلب ہی کہ شاہ صاحب حضرت اکبر کو محض ظرافت وغیرہ مین یگانۂ فن تسلیم کرتے ہین اور حضرت شاد کے تو اسقدر مداح ہین کہ جناب اشہب خامہ سرزمین ہند سے گزر کر خاک پاک شیراز تک پہونچا ۔ چنانچہ حضرت شاد کے مجازی طرز کلام مین آپ کے نزدیک ایک دنیاے حقیقت مضمر ہی ۔ اس خصوصیت مین وہ خواجۂ شیراز سے مناسبت رکھتے ہین ۔ آفرین باد برین ہمت مردانۂ تو ۔

یہ ہین وہ اعتقادات جنکو شاہ صاحب نے موازنہ مین بھی جابجا نمایان کیا ہی ۔ ہمارے خیال مین ایسے عقیدتمند کیلئے تو موازنہ کی ضرورت نہ تھی ۔ موازنہ سے اس مدح سرائی کو تقویت پہونچانا خوب نہ تھا کیا ایسے پکے مرید کے بارہ مین ہمارا یہ خیال بیجا ہی کہ اس نے موازنہ مین کیفیت قلبی سے مجبور ہوکر انتخاب کلام مین اپنے اعتقادات محکمہ کو ملحوظ رکھا ہو ۔ تعجب ہی کہ چند جگہون پر کیونکر جناب اکبر کی روح کی خوشنودی مد نظر رکھی گئی ہی

اب مین شاہ صاحب کے انتخاب موازنہ پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہون جس سے ناظرین اندازہ کرلین گے کہ کہان تک اظہار حقیقت سے چشم پوشی کی گئی ہی

اکبر

حباب آسا اُٹھایا موج ہستی مین جو سر اپنا
بنایا بس وہین موج فنا نے ہمسفر اپنا

شاد

موج فنا مٹا نہ دے نام ونشان وجود کا
دیکھ حباب کی طرح شوق نہ کر نمود کا

دونون شعرون مین یہ اخلاقی حقیقت بیان کی گئی ہی کہ زندگی کا انجام موت ہی ۔ غرور وخود بینی کا نتیجہ فنا ہی ۔ اکبر کا شعر محض اظہار حقیقت ہی بخلاف شاد کے شعر مین بیان واقعہ کے ساتھ عبرت پذیری و سبق آموزی کا پہلو موجود ہی اور طرز ادا نے اس شعر کو اور چمکا دیا ہے عقیدتمندی ملاحظہ ہو ۔ حضرت اکبر کا شعر بجاے خود اسقدر مکمل ہی کہ

زیادہ کہنے کی ضرورت نہین تاہم کچھ عرض کرو نیا دلچسپی سے خالی نہوگا

(۱) حباب کے ساتھ بحر ہستی کی مناسبت نہایت موزون ہی جناب شاد نے اسکا التزام نہین فرمایا۔

(۲) حضرت اکبر کے دوسرے مصرع اور جناب شاد مدظلہ کے پہلے مصرع کا مضمون بالکل متحد ہی۔ مگر لطف و پاکیزگی مین زمین و آسمان کا فرق ہی۔ موج فنا کا ہمسفر ہوتا ایجاز بلیغ ہی جسمین بے ساختگی کا پہلو غالب ہی۔ برخلاف اسکے جناب شاد محض اس خطرہ کا اظہار فرما رہے ہین جو حباب کو موج فنا سے پیش آنیوالا ہی۔

(۳) حضرت اکبر کے شعر کی معنویت بدرجہا بڑھی ہوئی ہی حضرت اکبر کا شعر علی التعلیم کا بہترین نمونہ ہی اور جناب شاد کا شعر ایک خیالی خاکہ ہے جس کی وجہ سے شعر مین تکلف پیدا ہوگیا ہی اور طرز ادا کی خوبی جاتی رہی۔ ــ ۵

اکبر
پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیر حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

شاد
پروانہ کی میت جب یون آگ مین جلتی ہی
گو سخت ہی ظاہر مین پھر شمع پگھلتی ہی

شاہ صاحب حضرت اکبر کے شعر کو بے نیاز تعریف قرار دیتے ہوئے حضرت شاد کی بلاغت کے مداح ہین کہ وہ مضمون آفرینی مین جناب اکبر سے کم نہین رہے۔ سبحان اللہ

حضرت اکبر نے جس اختصار لطیف سے کام لیا ہی اسکی تصویر الفاظ سے کھینچنا ناممکن ہی۔ شعر کیا ہی حسن و عشق کا ایک عظیم الشان مرقع ہی۔ جتنا ہی سوچئے اتنا ہی لطف دوبالا ہوگا سلاست الفاظ عبرت معنی کے ساتھ محبت کی داستان کو ایک شعر مین اسطرح ادا کرنا گویا دریا کو کوزہ مین بند کرنا ہی

حضرت شاد کے شعر کی بندش حضرت اکبر کے شعر کے مقابلہ مین سست ہی۔ پہلے مصرع مین "یون" زائد ہی دوسرے مصرع مین "پھر" کے بعد "بھی" کا لفظ حشو کریہ ہی۔

اکبر
اگرچہ تکلیف نزع مین ہو سکون خاطر بھی کم نہین ہی
کسی سے ملنے کی ہین امیدین کہے سے چھٹنے کا غم نہین ہی

شاد
آخر ہی عمر ضیق مین دل بھی ہی جان بھی
مردانہ باش ختم ہی یہ امتحان بھی

شاہ صاحب فرماتے ہین کہ اکبر کے شعر کا مفہوم یہ ہی کہ معشوق حقیقی کے وصال کی امید ہی اور زوال دنیا سے مفارقت کا رنج مطلق نہین شاہ صاحب کے شعر کا مفہوم بہت بلیغ اور ارفع ہی وہ کہتے ہین کہ عالم وجود مین آنا معشوق حقیقی سے دور ہونا تھا زندگی کی تمام تکالیف و مصائب بطور امتحان عشق و محبت کے تھے "اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہین کہ "ظاہر ہی کہ شاد کے شعر مین جو حقائق و اسرار، اسالیب بلاغت اور جوش بیان موجود ہی۔ اکبر کے شعر مین نہین۔ پیران نمی پرند مریدان می پرانند

حضرت اکبر کا شعر چند وجوہ سے حضرت شاد کے شعر سے اعلی ہی

(۱) حضرت اکبر کا شعر صنعت تضاد کی بہترین مثال ہی۔ تکلیف سکون۔ ملنا۔ چھٹنا کے اجتماع سے جو لطف پیدا ہوگیا ہی اہل ذوق سے پوشیدہ نہین

(۲) بقول شاہ صاحب حضرت شاد اگرچہ اس وجود دنیاوی کو ایک امتحان محبت سمجھتے اور معشوق حقیقی کے قرب کا ذریعہ خیال کرتے ہین، تاہم آخری وقت مین دل و جان کی بے چینی سے گھبرا کر "مردانہ باش" پکار اٹھے ہین برخلاف اسکے حضرت اکبر شاہد حقیقی کے خیال مین اسقدر محو ہین کہ انھین نزع کی تکلیف کا احساس نہین ہوتا اور سکون خاطر مین کمی نہین ہوتی اور کیون نہو فنا فی العشق کی آخری منزل یہی ہی

(۳) حضرت اکبر کا شعر استدلالی شان لیے ہوئے ہی مرحوم نے تکلیف نزع کی بے حسی اور سکون خاطر کی مکمل توجیہ دوسرے مصرع مین پیش کردی ہی حضرت شاد مدظلہٗ کا شعر الفاظ کا بے ربط مجموعہ ہی "یہ امتحان" کو امتحان محبت پر محمول کرنا شاہ صاحب ہی کا کام تھا مدعی سست گواہ چست -

اکبر
آنے دو مصیبت کو ذرا خانۂ دل پر
جو بند ہی غفلت مین وہ عبرت مین کھلیگا

شاد
جو دیکھے غور سے سارا بھرم کھلتا ہی دنیا کا
مصیبت آدمی کو صاحب ادراک کرتی ہی

"انگریزی کا ایک فلسفیانہ مقولہ ہی "ادبار بہترین مدرسۂ تربیت ہی" اسی مفہوم کو دونون نے نظم کیا ہی شاد کے شعر کو قطعی ترجیح ہی انکا دوسرا مصرع تو مقولۂ مذکور کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتا ہی" ناظرین انصاف فرمائین کیا شاہ صاحب کی ترجیح بلا مرجح نہین ہی اکبر کا شعر کئی حیثیتون سے بڑھا ہوا ہی

(۱) لفظی اعتبار سے حضرت اکبر کا شعر بے نظیر ہی - خانہ - بند ہونا کھلنا غفلت - عبرت ان رعایات لفظی کے ساتھ معنویت پر قابو رکھنا اکبر ہی سے قادر الکلام استاد کا کام تھا - اسکے مقابلہ مین شاہ صاحب نے ایک ایسے شعر کو پیش کیا ہی جسکے دونون مصرعے آپسمین مربوط بھی نہین،

(۲) اکبر کے شعر کا تیور بھی نرالا ہی "آنے دو" سے زجر و تخویف کا پہلو نمایاں ہی " خدا نے مصرع مین جان ڈالدی ہے -

حضرت شاد نے دوسرے مصرع مین تصریح کو زیادہ ملحوظ رکھا اسلئے لطف جاتا رہا حضرت اکبر نے اس امر کو کنایہ سے ادا کیا ہی

اکبر
آئیگی مجھکو نظر قدرت صانع کی جھلک
سامنے کچھ نہ رکھ آئینہ فطرت کے سوا

شاد
صانع کو دیکھنا ہی تو عالم پہ نظر کر
آئینہ آئینہ ہی خود آئینہ ساز کا

شاہ صاحب کا خیال ہی کہ شاد کے شعر کو اکبر کے شعر پر فوقیت ہی خصوصاً مصرعۂ ثانی کا زور بیان طرز ادا اور حسن بندش قابل داد ہی؛ حسب معمول شاہ صاحب یہان ترجیح بلا مرجح دینے سے باز نہ آئے شاہ صاحب کو معلوم نہین کہ جسے وہ زور بیان اور حسن بندش سمجھتے ہین فی الحقیقة تنافر لفظی ہی

اکبر
دل ہی ملول فرقت و قامت دروے یار مین
بھاڑ مین جائین سرو و گل آگ لگے بہار مین

شاد
مین اور اسیر لالہ و گل ہجر یار مین
کیسی بہار آگ لگا دو بہار مین

شاد کے شعر کا طرز ادا، صفائی زبان، چستی بندش بے ساختگی اور تیور محتاج بیان نہین اکبر کا شعر اسکے مقابلہ بہت سست ہی اور رعایت لفظی نے اسکو بھی بیمزہ کر دیا "چہ خوش محتاج بیان نہین" لکھکر فرض تنقید سے سبکدوش ہو گئے "اکبر کا شعر اسکے مقابلہ مین بہت سست ہی" کیون؟ نہین بتاتے "لفظی رعایت نے اسکو بھی بیمزہ کر دیا" اچھا معلوم ہوا کہ شاد صاحب رعایت لفظی کے بارہ مین آنکھ بند کر کے کفر کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہین خواہ اس سے حسن بیان مین چاشنی ہی کیون نہ پیدا ہو جائے

اکبر
دل بتیاب نے کیا کیا دکھائے ہین مجھے عالم
یہ پرزہ بھی قیامت ہی خدا کے کارخانے مین

شاد
سرکار دل کی ہوش ربائے زمانہ ہی
وسعت تو کچھ نہین مگر اک کارخانہ ہی

اکبر کا شعر صاف ہی شاد دل کی کیفیت کے متعلق فرماتے ہین کہ دیکھنے مین دل تو ایک مختصر مضغۂ گوشت ہی مگر اسکے اندر ایک وسیع کارخانہ قدرت نظر آتا ہی - وہ جذبات کا جلوہ گاہ دل ہی اس شعر کے طرز ادا اور جوش بیان کو اکبر کا شعر نہین پہونچتا اور معنوی محاسن کے لحاظ سے بھی شاد کا شعر کہین مرجح ہی" شاہ صاحب نے حضرت شاد کے شعر کو ترجیح تو دیدی مگر کوئی معقول توجیہ نہ کر سکے - حضرت اکبر کا شعر جناب شاد کے شعر سے کہین اچھا ہے

اکبر

دل بیتاب نے کیا کیا دکھلائے ہین سب مجھے عالم
یہ پرزہ بھی قیامت ہی خدا کے کارخانے مین

شاد

سرکار دل کی ہوش رُبا بے زمانہ ہے
وسعت تو کچھ نہین مگر اک کارخانہ ہے

"اکبر کا شعر صاف ہی شاد دل کی کیفیت کے متعلق فرماتے ہین کہ دیکھنے مین دل تو ایک مختصر مضغہ گوشت ہی مگر اُسکے اندر ایک وسیع کارخانہ قدرت نظر آتا ہی کیونکہ تخیلات و جذبات کا جلوہ گاہ دل ہی اس شعر کے طرز ادا اور جوش بیان کو اکبر کا شعر نہین پہونچتا او معنوی محاسن کے لحاظ سے بھی شاد کا شعر کہین مرجح ہی شاہ صاحب نے حضرت شاد کے شعر کو ترجیح تو دیدی مگر کوئی معقول توجیہ نہ کرسکے حضرت اکبر کا شعر جناب شاد کے شعر سے کہین اچھا ہی اکبر نے پہلے مصرع مین لفظ "عالم" سے جو صنعت ایہام کی لطف پیدا کردی ہے محتاج بیان نہین برخلاف اسکے شاد کا مصرع اول بہت کمزور ہی بندش بھی سست ہے ہوش ربا مین اشباعی کیفیت ہی جو کراہت پیدا ہوگئی ہے اُسنے سارا مزا کرکرا کردیا حضرت شاد نے دلکو محض ایک کارخانہ کہکر وسعت کو محدود کردیا ہی لیکن حضرت اکبر نے دل بیتاب کی مناسبت سے قیامت کا لفظ استعمال کیا ہی جسکی شورش کی وسعت کا اندازہ مشکل ہی

اکبر

کہتے ہین فطرت جسے یہ ہی نقاب روے دوست
ہے اسی پردہ مین پنہان آفتاب روے دوست

شاد

جو آنکھین ہون تو چشم غور سے اوراق گل دیکھو
کسی کے حسن کی شرحین لکھی ہین ان رسالون مین

اکبر کہتے ہین کہ بظاہر قدرت کے پردہ مین شاہد حقیقی کا جمال مستور ہی اسی مسئلہ کو شاد دلآویز انداز مین بیان کرتے ہین کہ اوراق گل جراید فطرت ہین جسمین حسن کی شرحین مرقوم ہین پھولونکو رسالہ قرار دینا معنی خیز ہی اور لفظ کسی مین کتنی بلاغت مستور ہی شاد کا شعر اکبر کے شعر سے بہرحال بہتر ہی شاہ صاحب کہتے ہین کہ پھولونکو رسالہ قرار دینا کتنا معنی خیز ہے حالانکہ شاہ صاحب کا ماخذ فارسی کا یہ بازاری شعر ہی

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

فرمایئے اب وہ دلآویز انداز کہان گیا اکبر کا مطلع اسقدر خوب اور حقیقت کا پہلو لئے ہوئے ہی جسکی تعریف نہین ہوسکتی حضرت شاد نے محض اوراق گل ہی تک حسن حقیقی کی شرح محدود کردی ہی مگر اکبر کی وسعت نظر ملاحظہ فرمایئے کہ وہ تمام فطرت کو حسن ازلی کی جلوہ گاہ سمجھتے ہین سچ پوچھئے تو اکبر نے وحدت شہود کے متعلق مسئلہ حسن لطیف پیرایہ مین بیان کیا ہی کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جو ذوق سلیم سے متصف ہین شاہد حقیقی کا حسن اوراق گل ہی مین نہین وہ تو فطرت کے ذرہ ذرہ مین تابان ہی

اکبر

بہار آئی ہی اک آئینہ معنی نشان ہوکر
چمن مین بوے گل پھیلی ہی تیری داستان ہوکر

شاد

مہک اُٹھا چمن دہر کا پتا پتا
راز چھپنے نہین دیتی تری خوشبو تیرا

شاہ صاحب فرماتے ہین کہ شاد کا ذوق نظر نہایت وسیع ہی وہ کائنات کے ذرہ ذرہ مین معشوق کی جلوہ نمائی کا تماشا دیکھ رہے ہین اکبر نے اسکو صرف موسم بہار تک محدود کردیا ہی نہین معلوم شاہ صاحب نے اکبر کو محدود کرنیکا کیسے مرتکب ہوئے بہار آئی سے تو ہرگز یہ مترشح نہین ہوتا اور اگر تھوڑی دیر کیلئے ہم یہ بھی تسلیم کرلین تو حضرت شاد کا پہلا مصرع بھی اسکو ظاہر کررہا ہی اہل زبان پر پوشیدہ نہین کہ مہک اٹھا سے استمراری یا دوامی کیفیت نہین مراد لی جا سکتی اکبر کا شعر نہایت خوش سلوب بلیغ ہی اسکے مقابلہ مین شاد کا شعر نہایت پھیکا ہی شاد کے دوسرے مصرع مین تعقید لفظی نے تو غضب ہی کردیا۔

اکبر

یہ ادائین یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
مین تو کیا ضبط فرشتون سے بھی ہو العظمۃ

شاد

ہائے وہ جادو بھری آنکھین وہ کافر چتونین
وہ بڑا مومن تھا قائم جس کا ایمان رہ گیا

میرے خیال مین شاد کا شعر زیادہ مستانہ ہی دوسرے مصرع مین

لفظوں میں کتنا بلیغ واقع ہوا ہے اور خصوصاً کافر کے مقابلے میں حقیقت یہ ہے کہ
شاہ صاحب نے بیان پر بڑی خوش اعتقادی سے زیادہ کام لیا ہے ورنہ اکبر کا شعر بہت
اعلیٰ و ارفع ہے۔ اکبر کے شعر میں محاکات جس قدر مکمل ہے شاد کے ہاں نہیں
حضرت اکبر نے پہلے ہی مصرع میں معشوق کی کیفیتوں کا نقشہ کھینچا ہے
اور شاہ صاحب صرف آنکھوں ہی کے بیان تک رہ گئے
حضرت اکبر کا شعر اثرات حسن کا کامل ترین ترجمان ہے معصوم فرشتوں سے بھی
ضبط نہ ہونا حسن معشوق کا انتہائی معرف ہے شاہ صاحب کی نگاہ دوڑ نازک تر
موہن تک گئی۔

اکبر
امتیاز حسرت رنج و الم جاتا رہا
غم ہوا اتنا کہ اب احساس غم جاتا رہا

شاد
خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

شاہ صاحب یا د ہونے کے قائل ہیں کہ دونوں شعروں کا فلسفہ جدا گانہ ہے"
لیکن حیرت ہے کہ پھر بھی موازنہ کی الجھن میں پھنس گئے۔

اکبر
بہار بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی
بجا ہے حیرت نرگس کہ گل کی یہ ہنسی کیسی

شاد
یہاں نہ نشو و نما کا حاصل نہ کوئی ثمرہ ہے رنگ و بو کا
ہنسو گے خود اس چمن میں غنچو زمانہ آنے دو نمو کا

دونوں شعروں میں دنیا کی بے ثباتی اور عبرت پذیری کی تلقین ہے اکبر کہتے ہیں کہ
پھولوں کی ہنسی کو دیکھکر نرگس حیرت زدہ ہے، شاد کہتے ہیں کہ گلشن عالم
کی عشرت کسی کو راس نہیں آتی ابھی کمسنی کی وجہ سے غنچے تم لوگ اپنے رنگ و بو
پر مسرت ہے مگر جب نمو پذیر ہونگے تو محسوس کرینگے کہ نشو و نما کا کوئی حاصل
نہیں لہٰذا وہ خود بہار و باغ کے وجود پر ہنسینگے شاد کے شعر کو اکبر کے شعر
پر فوقیت ہے مضمون دونوں کا ایک ہے مگر بلاغت کے پہلو شاد کے شعر میں زیادہ ہیں
افسوس کہ شاہ صاحب نے شاد کے شعر کا مطلب خود اس قدر ضبط کر دیا ہے کہ رہی
سہی خوبی بھی جاتی رہی ع شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا۔ شاہ صاحب
فرماتے ہیں کہ "ابھی کمسنی کی وجہ سے غنچو تم لوگ اپنے رنگ و بو پر مسرت ہو نہیں معلوم کہ یہ مطلب
شعر کے کس ٹکڑے سے اخذ کیا گیا ہے ہاں اگر اسکا تعلق مطلع شاعر سے ہو تو دوسری بات ہے
"اس چمن پر ہنسنے" سے اس چمن پر ہنسنے کا مطلب پیدا کرنا گمان کا محاورہ ہے اصل
میں حضرت شاد کے شعر کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اس چمن میں نشو و نما کا کوئی حاصل
نہیں ہے اسلئے جب غنچوں کے نمو کا زمانہ آئیگا تو وہ خود اپنی غفلت پر ہنسینگے مگر یہ
مطلب شعر کے الفاظ سے اچھی طرح حاصل نہیں ہوتا اگر شعر یوں ہوتا تو بہتر تھا

یہاں نہ نشو و نما کا حاصل نہ کوئی ثمرہ ہے رنگ و بو کا
ہنسو گے غفلت پہ اپنی غنچو زمانہ آنے دو ذرا نمو کا

شعر سابق کے دوسرے مصرع میں "اس چمن" کا ٹکڑا بالکل فضول تھا پہلے مصرع میں لفظ
یہاں بذات خود مکمل تھا یہ میں شاہ صاحب ہی کے انصاف پر چھوڑتا ہوں کہ
ان دونوں شعروں میں کونسا شعر بہتر ہے۔

اکبر
یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا
میں نہ سمجھا کہ یہ جینا مرے کس کام آیا

شاد
اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

اکبر زندگی کی ہیچ انجامی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ موت کے وقت سوائے یاس و حرمان کے
اور کچھ نہیں شاد کا شعر وسیع تخیل پیش کرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک عمر طویل گزارنے پر
بھی نصب العین حیات کی تکمیل ہوئی نہ زندگی کو مفید اسلوب میں صرف کرنے کا سلیقہ آیا
اس شعر سے اکبر کے شعر کو کوئی نسبت نہیں"
سچ ہے عادت طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے شاہ صاحب کو چند جملے یاد ہیں اس شعر سے اکبر کے
شعر کو کوئی نسبت نہیں شاد کا شعر بہر حال بہتر ہے وغیرہ وغیرہ اکبر کا شعر شاد کے شعر سے
کسی حیثیت سے کم نہیں ہے اکبر کہتے ہیں کہ جب موت آئی تو سوائے یاس کے کچھ نہ تھا اسلئے
انھیں اپنی غفلت کا احساس ہوتا ہے اور بیساختہ کہہ اٹھتے ہیں ع میں نہ سمجھا کہ یہ
جینا مرے کس کام آیا برخلاف ایک طویل عمر بسر کرنے پر بھی زندگی کی شکایت
کرتے ہیں اور اس سے پناہ مانگتے ہیں ظاہر ہے کہ اکبر کا شعر بیخبری و غفلت کا بہترین نمونہ ہے

جب آپ دیسی عطریات کا استعمال شروع کریں کارخانہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے طلب فرمائیں

اکبر

اِس وعدہ خلافی پہ گردغور کسے دن
ہر روز یہ کہدیتے ہو اب د کسی دن

شاد

بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے
تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے

شاہ صاحب اسکے معترف ہین کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے تاہم تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے کہ شاد کا شعر زیادہ پرمعنی و متخیل ہے"

اسمین شک نہین کہ شاد کا شعر اکبر کے شعر سے معنویت مین فائق ہے مگر شوخی ادا زبان کی صفائی مین کہین کم ہے اب د کسی دن مین ایک نیا سے حقیقت عمر ہے

اکبر

نشتر لگائے جاے رنج نا امیدی
دلکو ابھی شکایت باقی ہے جوش خون کی

شاد

یون ہی رہ رہ کے تو اے ناامیدی دلکو چھیڑے جا
یہی مہمیز رخش عمر کو چالاک کرتی ہے

بزرگون نے کہا ہے دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوتا ہے شاہ صاحب شاد کے معتقد تو ہین مگر بری طرح وہ جوش عقیدت مین حضرت شاد کے شعرونکا مفہوم بھی خود نہین سمجھتے شاہ صاحب شاد کے شعر کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ ناامیدی کی چھیڑ دل کیلئے نہایت امید افزا ہے کیونکہ اسی مہمیز سے توسن عمر تیزگام ہو جاتا ہے" اگر شاد کے شعر کا یہی مطلب ہے تو اکبر کا شعر بدرجہا بڑھا ہوا ہے اصل یہ ہے کہ رخش عمر کی چالاکی سے اسکی تیزگامی مراد نہین ہے اسلیے کہ عمر کی رفتار گھوڑے کی طرح مختلف نہین ہوتی کہ کبھی قدم چلے کبھی پویہ رخش عمر کی چالاکی کا مفہوم متعارف ہے کشمکش ہے شاہ صاحب کے بیان مین ... الکر دیکھین کہ کس کا شعر بہتر ہے

اکبر

زندہ ہون مگر زیست کی لذت نہین باقی
ہرچند کہ ہون ہوش مین ہشیار نہین ہون

شاد

پیری مین امنگین نہین وہ جوش نہین ہے
آپ اپنے کو سمجھون مجھے یہ ہوش نہین ہے

شاہ صاحب تسلیم کرتے ہوئے کہ محاسن شعری دونومین تقریباً یکسان ہین"
تاہم شاد کا مصرعہ ثانی نہایت برجستہ و بیساختہ پرجوش پر اثر ہے یون ہی اکا ہر شعر جذبات سے لبریز ہے" اکبر کا شعر شاد کے شعر سے کہین اعلیٰ ہے حضرت شاد نے عالم ہوش کو محض پیری تک محدود کر دیا ہے اور اکبر کا شعر قید زمان سے آزاد ہے۔ شاد کہتے ہین کہ مجھے یہ بھی ہوش نہین کہ اپنے کو سمجھون اسکو اکبر نے بھی ادا کیا ہے مگر بلیغ طریقہ سے ہوش مین ہو کر ہشیار نہونا سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے

اکبر

عجب فتنہ خرام نازک قاتل سے اٹھتا ہے
سنبھلتا ہی نہین دامن قدم مشکل سے اٹھتا ہے

شاد

خرام ناز مین [illegible] گردن کا کھتا ہے
نہین اٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا

شاہ صاحب اکبر کے شعر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ شاد کا شعر کم لطف نہین اکبر کا شعر مکمل محاکات پیش کرتا ہے دوسرا مصرع ایک تصویر ہے جس سے خرام ناز کا نقشہ آپ ہی آپ آنکھون مین کھنچ آتا ہے شاد کے شعر مین لفاظی کے سوا کچھ نہین مراز یہ ختم کرنیکے بعد شاہ صاحب حضرت شاد کی پر زور الفاظ مین مدح سرائی کرتے ہوئے فرماتے ہین کہ شاد کی نگاہ دوربین جن جذبات و خیالات عالیہ کے نکات تک پہنچتی ہے اکبر کے تخیل کی رسائی وہان تک نہین ہین بلاخوف تردید کہہ سکتا ہون کہ موجودہ دور مین کوئی شاعر رنگ تغزل مین مولانا شاد کا ہمعصر نہین حسن اعتقاد کی جو جھلک ان الفاظ مین نمایان ہے اسکا تقاضا تو یہ تھا کہ مرحوم اکبر موازنہ کی انجمن مین نہ پھنسائے جاتے کیونکہ موازنہ و مقابلہ تو مقابل و حریف مین ہوا کرتا شاہ صاحب نے اسی پر اکتفا نہین کی آگے چلکر دونون اساتذہ کی دو دو غزلین درج فرما کر ارباب نظر سے اپیل کرتے ہین کہ وہ دیکھین کہ اکبر کو شاد سے کیا نسبت ہے شاہ صاحب نے ان دونون ہمطرح غزلون مین موازنہ کی زحمت نہین گوارا کی اسلیے ہم بھی خاموش ہین کہ ہماری کوشش ایک افسانہ ہوا قدم شاہ صاحب ہی کے حصہ مین آئے تاہم یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہوگا کہ انھون نے دونون غزلین اکبر کی غزلون سے لی ہین چنانچہ اکبر کی یہ دونون غزلین رسالہ معارف مین شائع ہو چکی ہین

(افضال)

محبت کے دو رُخ

ازجناب خنجر لکھنوی

(۱۰)

خاداب و فرحت بخش باغ کے وسط میں، خوب صورت دو منزلی
عمارت کے سامنے مرمرین تالاب کے کنارے، پری جمال کرونا سیڑھیوں
پر بیٹھی ہوئی سطح آب کو حنائی انگلیوں سے متحرک کر رہی ہے۔ مسرور کن
نگاہیں قوی انہماک اور مستقل محویت کے ساتھ گرد و پیش کے مناظر سے
غافل ہو کر صرف، اور صرف تالاب کے مرتعش پانی پر جمی ہوئی ہیں۔ اُسکی
ربودگی کسی ایسے دلی خیال کی دلیل مستحکم ہے، جو اُس کے حواس خمسہ پر
یوں چھا گیا ہے، جیسے مطلع پر سحاب برشگالی!

اشجارِ زمردین ساکت، آبِ رواں کا ترنم سامعہ نواز موقوف،
اور روشہائے چمن پر خاموشی حکومت کر رہی ہے۔

اِس سکوت مطلق میں حسینۂ بنگال کرونا، اپنے شبستانِ عیش سے نکل کر
سیر آب و لطف تخیل میں مستغرق ہے۔ اُس کے لمبے نرم و سیاہ گیسو، شانوں اور
بازوؤں پر بکھرے ہیں، اور اُن کے درمیان سے چہرۂ رنگین بعینہٖ اس طرح
نمایاں ہے، جیسے ابر سیاہ سے بدر کامل!

وہ ناظورۂ عدیم المثال، ماہتاب کی نور پاشیوں سے چمک اُٹھنے
والے خاموش منظر کا نظارہ کر رہی ہے۔ اور چاند اُس کے نظر فریب تماشہ
میں ایسا محو ہے کہ سطح فلک پر ایک جگہ نقش کی طرح جم کر رہ گیا ہے شاید
اِس صنعت حسن کے نمونہ فائقہ نے اُس کی وہ کشش جذب کر لی ہے جس
کے بل پر وہ گردش محوری کا رقص جلوہ افروز پیش نگاہ کرتا رہتا ہے
کرونا حقیقت میں حسین تھی، ایسی حسین! کہ دنیا کی تاریخ حُسن کے
حسین اوراق، اِس لطافت و خوبی کی کوئی تمثیل پیش نہیں کر سکتے۔ وہ
خصوصیات نسائی کا مکمل مرقع تھی، اُس کے بلوری سینے میں حسیات
شباب کی سرور بخش و بیتاب کن لہریں اُٹھا کرتی تھیں، کیونکہ اُسکا
دبانیوالا کچھ عرصہ کے لئے جُدا ہو گیا تھا۔

روشن راتوں کی بہاریں اپنی کیفیات دکھا دکھا کر اُس کے پُرشباب
جذبات میں ناقابل ضبط تلاطم پیدا کر دیتی تھیں، اُسی حالتِ اضطراب
میں تالاب کے کنارے، تنہا اور گھر والوں سے مخفی طور پر کچھ اچھوتے
نغموں سے تسلّی حاصل کر رہی تھی!"

وہ گھنٹوں اِس دل حسب خیال میں خاموش رہتی کہ ٹھیک اسی جگہ
اِسی تالاب کے کنارے پریم ناتھ! چاند کی نرم اور ٹھنڈی روشنی میں، اپنی
میٹھی میٹھی باتوں سے اُس کے پاک و معصومانہ حسیات شباب جذبات
محبت کو گدگدا گُدگُدا کر لطیف و باکیف بے چینیوں میں مبتلا کر دیتا تھا"

کرونا، پریم ناتھ کی زوجہ تھی اور ہندو دھرم کے موافق اُس کی ذات
میں وہ تمام صفات، بدرجۂ اتم موجود تھیں، جو عفت مآب، وفا شعار
بہوؤں میں شانِ امتیازی نمایاں کر دیتی ہیں، واقعہ تو یہ ہے، کرونا
جسقدر حسین تھی، اُس سے کچھ زیادہ شوہر پرست سلیقہ مند و طاعت گزار

بمشکل کرونا کی رخصتی کو ایک سال گزرا ہوگا، کہ پریم ناتھ اُس سے جدا
کر لیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ پریم ناتھ کے والد سرکاری فوج کے کنٹریکٹر تھے، اُنھیں
رسالے کے ساتھ پشاور جانا پڑا، مسن آدمی، کاموں کی کثرت، قیامت
یہ کہ صحت بھی جواب دے چکی تھی، ناچار ہی درجہ اُنھوں نے پریم ناتھ کو
اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے طلب کر لیا۔ وہ گیا، اور ایک نامعلوم مدت تک
کے لئے گیا!"

کرونا! شرم و حیا کی دیوی کرونا!! اِس کے سوا کچھ نہ کر سکی کہ، اپنا کلیجہ
مسوس کر رہ جائے۔ شوق! پریم ناتھ کی تنگ آغوش تلاش کرے،
آنکھیں اُس کی محبت پاش آنکھوں سے دوچار ہونا چاہیں کان پھر اُسی

صوتِ سامعہ نواز کے مشتاق ہوں، جسے، فاصلۂ بعید سے اُس تک پہنچانے مین ٹیلیفون کے برقی آثر تار بھی غیر مفید ثابت ہون، اور وہ نغمے سوزان کو سینے کے آتش خانے مین گھونٹ گھونٹ کر خاموش ہو جائے "

تالاب کی ننھی ننھی، نازک لہرین، کرونا کی نگاہ کو اپنی جاذبیت مین جذب کر رہی تھین، اور وہ عالمِ سکوت مین بُقعۂ نور ہو رہی تھی۔ چاندنی مین اُس کے حُسنِ طلائی نے مل جُل کر، فضا کو گنگا جمنی رنگ مین رنگ دیا تھا"

یکایک، بالکل مخفی طور پر کسی نے پُشت کی طرف سے آکر دُونون ہاتون سے اُس کی چشمہائے سیگون، بند کر دین، وہ فطرت نسائی کے بموجب اُچھل پڑی دل دھڑکنے لگا، اور ہاتھ پاؤن مین خفیف سی لرزش محسوس ہوئی"

آنکھین بند کرنیوالا اُس کا خوف محسوس کرتے ہوئے نادم ہو گیا اور دیر تک اُن غرفون کو جن سے افسون محبت نکل نکل کر فضاؤن کو متاثر کرتے رہتے ہین، بند نہ رکھ سکا! ہاتون کو ہٹاتے ہوئے محبت آمیز لہجہ مین کہا"

کرونا! تم ڈر گئین؟ مین تو سمجھتا تھا پہچان لوگی"

کرونا نے پریم ناتھ کو، بالکل غیر توقع، محض خلاف اُمید، اپنے پہلو مین مُسکراتا ہوا پایا، اُس کی شادمانی کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے؟ تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے آپ کو بھول گئی! گویا اس نے فرحناک خواب دیکھا!! اب سے ایک گھنٹہ پہلے اُس کے وہم و گمان مین بھی نہ تھا، کہ پریم ناتھ اچانک اپنے حُسنِ مردانہ کی جوت سے، آنکھون مین خیرگی پیدا کر دے گا! عالم استعجاب مین اُس کی زبان پر جاری ہو گیا"

کون، کون، تم؟"

پریم ناتھ" کرونا کو آغوشِ شوق مین دبا کر" ہان، میری محبت شعار کرونا! مین ہی ہون، کیسی مبارک ہے یہ ساعت جس نے ہمین ملا دیا؟ دیکھو، چاند کی سیمین کرنین مسکرا مسکرا کر مژدۂ وصال سُنانے مین کس درجہ جری ہین! معلوم ہوتا ہے، انھین ہم سے ہمدردی ہے! پُورے چھ ماہ ہماری بے قراریون کے مطالعہ نے اِن کے دل مین درد پیدا کر دیا ہے، اور اب ہماری صورتون پر لا انتہا مسرتون کا غازہ دیکھ کر قلبی طمانیت کا اظہار کر رہی ہین مگر (دستِ سیمین چوم کر) کرونا! مجھے شک ہوتا ہے! کیا دیکھتی نہین؟ کہ چودھوین رات کا چاند کیسی للچائی نظرون سے، تمھین گھور رہا ہے؟ اُف! کہین نظر نہ لگ جائے! ساری کا آنچل، چہرۂ رنگین پر ڈال کر، تم منہ چھُپا لو! ہین! یہ کرنین بھی ظالم، میری رقابت پر آمادہ ہین!! اور تمھاری مُشک فام زلفون کو ہوا کی امداد سے پریشان کر رہی ہین، اُٹھو اُٹھو! آؤ، اندر چل کے بیٹھین"

کون کہہ سکتا ہے، کہ ان جذبات محبت نے، پیکر حُسن و لطافت، مجسمۂ وفا و عصمت کرونا کے قلب پر کیا اثر کیا؟ وہ اپنے سینے کے اندر دریائے مسرت، موجزن پاتی تھی۔ اُس کی دونون آنکھون سے آثار شکر گزاری عیان تھے۔ گویا پرماتما نے دنیا کو اُس کے واسطے جنت ارضی بنا دیا تھا! موجودہ سرور، اُس کے علم و یقین مین، تمام گزشتہ شادمانیون پر فوق رکھتی تھین، کیون کہ وہ پریم ناتھ کو شوہر جان کر، صرف محبت ہی نہین کرتی تھی بلکہ اپنے مذہبی عقیدے کی رُو سے دیوتا سمجھ کر مرتاض برہمنون کی طرح پرستش بھی کرتی تھی۔ اُس کے ایک ایک جلوے کو فردوس نگاہ تصور کر کے، بار بار دیکھنے کی آرزومند تھی۔ جدائی کے چند مہینون مین کوئی ساعت ایسی نہین گزری، جس مین وہ پریم ناتھ کے خیال سے خالی رہی ہو! اُس نے ایک ایک روز نہین، ایک ایک گھڑی گن گن کر گزاری! مگر اب! جب کہ پریم ناتھ اُس کے پہلو مین موجود ہے، اُس الم ناک زندگی کا خیال تک نہین! گویا پریم ناتھ سے کبھی مفارقت ہی نہ ہوئی تھی!! اُس کا حسین دل۔ شادمانیون سے اِتنا معمور تھا کہ

لفظوں مین اُس کا اظہار نہ کرسکی۔ پریم ناتھ نے جو کچھ کہا تھا سُن تو لیا، لیکن جواب دینے کے بدلے، بڑی بڑی سحر آفرین آنکھیں اُٹھا کر اُس کا چہرہ دیکھا اور خاموش رہ گئی! تیز تیز نگاہین، جو شراب محبت مین ڈوب کر نکلی تھین ململین آنچل سے چھنتی ہوئی پریم ناتھ کے جیتے رخسار پر جم گئین۔

اُن نگاہون مین سب کچھ تھا، محبت اور لگاوٹ بھی عفت وحیا بھی، وفا و مروت بھی شکر و امتنان بھی پریم ناتھ نے صرف دیکھا ہی نہین، اُن کا مفہوم بھی سمجھا، اور مسحور ہو گیا، اُس وقت اُس سے جو کچھ بھی وقوع پذیر ہوا، وہ سب کچھ ارادی نہ تھا بلکہ غیر ارادی تھا!

(۲)

آہ! کلفت زار دنیا کی نیرنگیان، سرد مہریان پناہ بخدا! کم کو زیادہ، زیادہ کو کم، ادنیٰ کو اعلیٰ، اعلیٰ کو ادنیٰ کر دینا معمولی سا کرشمہ ہے، بقول ؎

زمانہ چاہتا ہے وزن ہر شے کا برابر ہو — گھٹا دیتا ہے اعلیٰ کو بڑھا دیتا ہے ادنیٰ کو

زمین کا ایک ایک ذرہ متزلزل! عالم موجودات کی ادنیٰ ادنیٰ چیز زوال پذیر ہے۔ فلک شکوہ پہاڑ زلزلون کی زحمت سے زمین بوس ہو جاتے ہین، دریاؤن کا مد رفتہ رفتہ جزر سے بدل جاتا ہے۔ ہلال سے بدر کامل اور بدر کامل سے ہلال ہونا لازم ملزوم ہے۔ پھر قلوب انسانی کا تغیر حیرت انگیز کیون ہے؟ گزرنے والے ایام اپنے پہلو مین بغض و عداوت کو خس و خاشاک کی طرح بہائے جاتے ہین۔ جو دل آج کسی کی محبت کا مسکن ہے، کل اُسی دل مین کینے کا وجود بھی لازمات سے ہے، کیونکہ محبت کو محو کر دینا بھی ایک دشمنی ہے اور خطرناک دشمنی!

کرونا کے ایام تعیش بھی قائم نہ رکھ سکے! حوادث زمانہ نے اپنا دست ستم دراز کیا، اور ایک معمولی سے جھٹکے مین اُس کی تمام آسائشون کا گھروندا توڑ کر پھینک دیا! ہنوز پریم ناتھ کو اُس کے پاس ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ قضائے مبرم کی طرح اُس کے خسر کی دفعتہً وفات کا تار آپہنچا۔

تمام کاروبار، اور معیشت کی آئندہ اور موجودہ اُمیدین اور ہی تھین، اُن کو سنبھالنا اور قائم رکھنا پریم ناتھ کے لئے ضروری تھا۔ باپ کا کریا کرم بھی واجبات اور جملہ کامون پر مقدم تھا، جس طرح خلاف اُمید آنا ہوا تھا بالکل اُسی طرح خلاف توقع جانا ہوا، چلتے وقت اُس نے کرونا کو گلے لگا کر تسلی دی، اور بہت جلد کوئی انتظام کر کے اُس کو پشاور بلا لینے کا وعدہ کیا۔ وہ آنسوؤن آنسوؤن روئی، لیکن اِس طرح کہ رخسارون پر نمی محسوس نہ ہو، بلکہ اُس کی قرمزی ساری مین، گلابی گلابی اشک جذب ہوتے رہین، کیونکہ رخصت کرتے وقت رونا بدشگونی کی دلیل خیال کی جاتی ہے۔

پریم ناتھ پشاور پہنچ گیا، باپ کے کامون سے فارغ ہو کر کاروبار کو صاف کیا، دفعتہً اُس پر بہت سی ذمہ داریان عائد ہو گئی تھین، اِس واسطے وہ اپنے فرائض کی ادائیگی مین کامل سات ماہ ایسا مشغول رہا کہ خط تو خط، اپنی دل نواز بیوی کی یاد بھی نہ کر سکا!

زمانہ سازگار تھا! اور مقسوم یاور! کام خوب چلا، باپ کے زمانے سے دس گنی بیس گنی آمدنی ہونے لگی، اور اُس کو ضرورت پڑی کہ اسٹاک رکھنے کو ذاتی گودام اور رہنے کو گھر کا مکان تعمیر کرائے روپیہ تو مینہ کی طرح برس ہی رہا تھا، صرف ارادے کی دیر تھی قصد کرتے ہی فوراً گودام اور مکان بن کر تیار ہو گیا!

افراط دولت، عیاشی یا آزاد منشی کا پیش خیمہ ہے، سواری کو موٹر کار اور داد خرچی دینے کو کثرت سے دوست احباب پیدا ہو گئے اِس صورت مین غریب زوجہ کی یاد کہان! اور آئے بھی تو کیونکر آئے؟ صبح سے شام اور شام سے صبح تک حسن فروش نازنینون کا جمگھٹ شریک راحت، یارون کا ساتھ خوشامدیون کی چاپلوسیا تھین اور پریم ناتھ!

اُس کو کاروبار کی طرف سے بھی کچھ لاپرواہی سی ہو گئی تھی منیمون
نے اول اول تو نہایت دیانت داری سے کام لیا، کاروبار بحُسن و خوبی
چلاتے رہے، لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ اُن کی روش ایمان داری
بھی بدلنے لگی، مالک تباہ کاریون مین مشغول ہے تو خادم مفت کی
دولت پاکر کیون اِس نعمت سے محروم رہین؟ انھون نے پہلے تو پریم ناتھ
کے مزاج مین رسوخ پیدا کیا، محفل عیش و نشاط مین پہلو بہ پہلو ہو کر رنگ
رو یہ دیکھا، اور پھر رفتہ رفتہ ہر کارندہ، بجائے خود رنگ رلیان منانے لگا!

پورے دو سال یون بھی گزر گئے، اِس درمیان مین، بلا مبالغہ
دو سو خطوط گھر سے آئے، مگر جواب ایک کا بھی نہ گیا! یہ بھی غیب کی خدا ترسی
تھی کہ وہ گھر کے خرچ کو سو روپیہ ماہوار منی آڈر کر دیا کرتا تھا، ورنہ خود دولت
کو تو ایسا نشہ سوار تھا کہ دنیا و ما فیہا کی خبر نہ تھی! ایک دن تھا، جب
کردنا کو چاند کی بدنظری سے بچانے کے لئے، ساری کے آنچل سے اُس کا مُنھ
چھپا دیا گیا تھا! مگر آج اُن آنسوؤن کی، جو اُس کے خون دل مین رنگ
رنگ کر دامن کو رنگین کرتے رہتے ہین اتنی بھی پروا نہین، جو اُقتبان
خود فروش کی ادنیٰ افسردگیٔ غلط سے متعلق ہے!!

زمانہ اتنی بے احتیاطیون پر بھی ساتھ دینے کو کمر بستہ تھا، جس کام
مین ہاتھ ڈالا فائدہ ہی فائدہ ہوا! روپیہ بے غل و غش اُڑ رہا تھا،
کاش اِس دورِ فراغت مین پریم ناتھ مظلومون کی آہون سے حذر بھی کرتا

محبت! محبت کا مسکن، جنس لطیف (عورت) کے بلورین سینون
سے بہتر نہین، اور پھر کوئی قدر شناس ہو تو اُس کا کیا کہنا!

کردنا جانتی تھی کہ محبت کو کیونکر محفوظ رکھنا چاہئے! ہرچند
آسائشون نے اُس سے آنکھین پھیر لی تھین، زندگی کی تمام مسرتین
پریم ناتھ کے تغافل مین جذب ہو کر فنا ہو چکی تھین لیکن آتش محبت
اُس کے حسین سینے مین پہلے سے زیادہ مشتعل و شعلہ زن تھی، اُس نے
اُس نے اپنے محبوب مشاغل ترک کر دیئے تھے، زینتون سے نفرت ہو چکی
تھی۔ آئینہ برسون سے صورت دیکھنے کو ترس گیا تھا، تالاب کا پانی
اُس کے پُر از محبت اور اُن نغمی نغمون پر گوش بر آواز تھا جو ہمیشہ سرون
مین، رنگین و نازک انگلیون سے اُسے چھیڑتے ہوئے الاپے جاتے تھے
چاندا رات رات بھر حسرتِ دیدار مین، مکان کی چھت پر نگاہین جمائے
اَڑا رہتا کہ کردنا کی ایک جھلک نظر آجائے! لیکن اُس کی یہ تمنا
پوری نہ ہوئی۔ کیونکہ کردنا خلوت نشین تھی اور غرق تخیل! اب اُس کے
دل بہلانے کو یادِ ایام کے سوا کچھ نہ تھا!!

تنہائی مین پہرون غور کرتی، اور اس تغافل کا سبب یافت
کرنا چاہتی، مگر کوئی وجہ تسلی بخش سمجھ مین نہ آتی۔ شوہر کی طرف سے بدظن
کرنا اُس کے مذہب مین گناہ عظیم تھا، اگر چاند پر گرد پڑ سکتی ہے، اگر
دیوتاؤن سے ناپاک عمل ہو سکتے ہین، تو پریم ناتھ پر بھی بدظنی کرنے کا
حق حاصل ہے۔ اُس کی معصوم طبیعت آخر الامر اس نکتہ پر جمتی کہ
کہ معلوم ہوتا ہے مجھ سے کوئی نادانستہ قصور سرزد ہوا ہے، جس کی سزا
بھگوان نے اس صورت مین دی ہے!

اس خیال کے ساتھ ہی، وہ جہان اور جس حال مین ہوتی گھنٹے
ٹیک اور ہاتھ جوڑ کر بہ خشوع و خضوع حضور قلب سے عفو کی خواستگار
ہوتی، آہ! وہ رخسارے جنھین گلاب سے تشبیہ دینا گستاخی ہے آنسوؤن
سے تر بتر ہو جاتے، لبِ حاجت ہلنے لگتے اور غیب سے ایک آواز آتی:
اے وفائے مجسم صبر کر صبر! عنقریب تیرا سرتاج، تیرے تڑپتے ہوئے
دل کو تسلی و تسکین دینے کے واسطے آنے والا ہے، وہ آواز سنتی اور
سجدۂ شکر کے ساتھ کھڑی ہو جاتی!

ڈھائی تین برس کی جان فرسا مدت اسی طرح بسر ہوئی، اُسنے
غم و الم کے مقابلے مین پورے پورے استقلال کا ثبوت دیا، گھر کے بوڑھے
بڑے حتیٰ کہ پریم ناتھ کی مان تک نے پریم ناتھ کو سخت ذلت الفاظ
مین یاد کرتی، اُس کی نالائقی پر نفرین کرتی، لیکن ایک محبت پرست

ایک فاشعار نفس تھا جو اب بھی پریم ناتھ کا کلمہ گو تھا، اب بھی اُس کی خیالی مورت پر گل اشک چڑھاتا تھا اور وہ کردنا کا نفس تھا۔

زمانے نے دوسری صورت اختیار کر لی، دولت اوڑ گئی، کاروبار بگڑ گیا، اور پریم ناتھ کو مجبوراً دیوالہ قبول کرنا پڑا۔ موٹر بکا، گھر نیلام ہوا عملہ مستعفی! دوست متفرق! نازنینان پنجاب اُن چڑیون کی طرح اوڑ گئیں جو کھیت تباہ کرنے کے بعد دہقان کی بدقسمتی پر متاسف ہونے کے بدلے چہچہاتی ہوئی غول در غول پرواز کر جاتی ہین۔

عالم بیکسی مین پریم ناتھ کو گھر کی یاد آئی، کردنا کی دبی دبائی محبت مان کا خیال، وطن کا اُنس پھر اُسی طرح چمک اُٹھا، اور وہ بیک بینی و دو گوش کسی نہ کسی طرح وطن پہنچ گیا۔ اس کی حالت ردی، کپڑے شکستہ اور جیب مین ایک پیسہ نہ تھا۔ تمام دن منھ چھپائے کسی گوشہ مین دبکا رہا۔ شام کو با پیادہ مکان پہنچا، کردنا اسیوقت بھی تالاب کے کنارے بیٹھی ہوئی اپنے پاک اور پُر از محبت آنسو ملا ملا کر اُس کے شفاف پانی کو طیب و طاہر کر رہی تھی۔ یکایک اُس کے قدمون پر ایک فلاکت زدہ کا سر تھا! اس نے گھبرا کر اُس کا سر اُٹھایا، آہ! دل بھر آیا، کیا وہ اپنے سرتاج کو اس طرح دیکھ سکتی تھی؟ وہ اُسے اُٹھا کر بے چینی سے روئی، روتے ہوے اس کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے، یہ تھے۔

پران ناتھ! تم آ گئے؟ مجھے گنہ گار کیون کرتے ہو؟ یہ سر تو پوجنے کے قابل ہے!

(خنجر لکھنوی)

کلام اثر

(از جناب مرزا محمد جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی بی اے ڈپٹی کلکٹر)

دل کا ہے رونا کھیل نہین ہے مُنہ کو کلیجا آنے دو
تھمتے ہی تھمتے اشک تھمین گے ناصح کو سمجھانے دو

بادل چھائین تیرہ تیرہ بجلیان چمکین خیرہ خیرہ
نازسے اُسکو چہرہ پر اپنے زلفین تو بکھرانے دو

بزم طرب مین دیکھکے مجھکو پھیر لین آنکھین ساقی نے
میرے لئے تھے زہر ہلاہل رس کے بھرے پیمانے دو

ہم بھی اُسی کے دل بھی اُسی کا جان وہی ایمان وہی
مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ خاک مین ہمکو ملانے دو

اُٹھ گئین شرطین مٹ گئین قیدین طاقت دل جب طاق ہوئی
ضبط کی آخر حد بھی ہے کوئی ایسے یہ پردہ اُٹھانے دو

یاد دل گم گشتہ مین مین ٹھنڈی سانسین بھرتا تھا
ہنس کے ستمگر کہتا کیا ہے بات ہی کیا ہے جانے دو

خود سے گریبان پھٹتے تھے اکثر چاک ہوا مین اُڑتے تھے
اب وہ جنون کا جوش نہین ہے آئی بہار تو آنے دو

حکم فغان ہے دَورِ خزان مین قید نئی صیاد دنیا
موسم گل مین تھی یہ تقید شور نہ ان کو مچانے دو

مجھکو تڑپتا چھوڑ نہ جائے ایسی کوئی تدبیر کرو
زخمی تیغ ناز و ادا سے ہاتھ نہ اُس کو اُٹھانے دو

کہتے کہتے حال کہین گے بیٹھو ایسی جلدی کیا ہے
دل تو ٹھکانے ہونے دو اور آپ مین ہمکو آنے دو

صورت منزل کیا نظر آئے ثبت ہین دل پر نقش خودی کے
عقل ہے دشمن نفس ہے رہزن ٹھوکرین کچھ دن کھانے دو

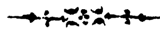
دل کو اثر کے لوٹ لیا ہے ایک وفا کے دشمن نے
کوئی نہ اُسکو رونے سے روکو آگ لگی ہے بجھانے دو

جناب حکیم سید مہدی حسن صاحب احسن لکھنوی

کے

دست و قلم کی لکھی ہوئی نظم

(دربارۂ "مرقع")



الحسن فی کلام کالملح فی طعامی

این ذوق فصاحت این نامۂ گرامی
فرخندہ یادگاری از وصی بلگرامی

بہر نثار یاری با ناز و افتخاری
از دوست وام گیرم این مصرع گرامی

آمد عزیز ہر دل قول عزیز کامل
من اہل افتخارم من سادۂ گرامی

دیدہ فریب و دلجو نیرنگ مرقع او
صہبا ز جام جامی گنجینہ از نظامی

نغمہ طراز الفت معیار راز الفت
مضراب ساز الفت داردی تلخکامی

ہر نظم او گزینست چون شاہد حسینت
الحسن فی کلام کالملح فی الطعامی

از اہل دل معانی از دوست ارمغانی
دلچسپ داستانی از شاعران نامی

این دشمن وفا را پرسد کسی خدا را
ای شاہد خود آرا از کیستی گرامی

از موج بوی کاکل عنبر فشان چو سنبل
یا مثل نکہت گل تازہ کن مشامی

تعریف اہل جوہر نامد ز فکر ناقص
بالا کشید ما را ذوق بلند نامی

این طرفہ تر کہ احسن بر خط خویش نازد
با این شکستگیہا با این بدی و خامی

احسن لکھنوی احسن اللہ

یکم جولائی سنہ ۲۶ء

جناب سید انور حسین صاحب آرزو لکھنوی - جانشین حضرت جلال مرحوم
کے
دست و قلم کا لکھا ہوا صحیفہ و غزل برطرح مشاعرۂ انجمن معین الادب لکھنؤ
منعقدہ ۲۶ جون سنہ ۱۹۲۶ء

حبیب لنواز حضرت وصل بلگرامی - تسلیم

میں اپنی مصروفیتوں کے باعث مشاعروں سے تو قطع تعلق کر چکا - لیکن دوستوں سے دلی تعلقات قطع نہیں کر سکتا لہذا آپکے مشاعرہ کی طرح میں غزل کہہ لی ہے جو آپکی خوشی کے لئے ارسال ہے -

آرزو لکھنوی
۲۵ جون ۱۹۲۶ء

ظاہر وہ نہیں پھر بھی - ہر جا نظر آتا ہے
پردہ کہ ادھر ہی سے - کیا کیا نظر آتا ہے

خنجر کی تو بے آبی - ہے شاق تجھے قاتل
مشتاق شہادت بھی - پیاسا نظر آتا ہے

رسوائے لیلیٰ پر - اے قیس بہا آنسو
بھیگا ہوا محمل کا - پردا نظر آتا ہے

کیا اس میں بھی پردے ہیں - یعقوب کی آنکھوں کے
اب دل کو ہر آئینہ - اندھا نظر آتا ہے

کیا برق تجلی بھی اک پردہ کی شوخی تھی
جھپکی ہوئی آنکھوں کو - دھوکا نظر آتا ہے

اس گریۂ وحشت کو - دیکھو مری آنکھوں سے
ہر قطرہ میں خاک اڑتا - صحرا نظر آتا ہے

ناکام رہے سالک - سرگشتہ بھی جا بیٹھے
اس دشت کا ہر جادہ - الٹا نظر آتا ہے

وحدت میں بھی یہ کثرت - اک کھیل ہے قدرت کا
وہ ایک ہے اور پھر بھی - ہر جا نظر آتا ہے

دیکھا ہے جسے دل نے - اس جلوہ کو دل جانے
آنکھوں کو تو پردہ ہی - پردا نظر آتا ہے

جو دیکھ لے یہ جانے - ہے رحم کا اک تکیہ
کاش ایسا تو ہوتا - جیسا نظر آتا ہے

ہے آرزو آنکھوں میں - وہ کچھ نہیں اور سمجھے
جب دیکھ نہیں سکتے - کیا کیا نظر آتا ہے

بے پردگی

(ایک عبرت انگیز اور سبق آموز افسانہ)

از جناب مولوی عبداللہ صاحب عبد۔ منیجر اسکول (الہ آباد کراچی)

احمد ایک اچھے خاندان کا رکن اور وجاہت پسند آدمی تھا اچھی ملازمت ملنے کے لیے جتنے علوم اور جن جن باتون کی ضرورت ہوتی ہے اُن سے وہ محروم نہ تھا مگر افسوس مذہبی تعلیم سے وہ قطعًا نا آشنا تھا مغربیت اس کے تمام رگ وپے مین سرایت کر چکی تھی وہ ایک آفس مین کلارک تھا۔ اس کی تنخواہ سے کے سوا دو سو روپے اس کے اخراجات کے لحاظ سے زیادہ تھے اس سبب سے فیشن پرستی کو اور تقویت پہونچتی رہی۔ اچھے اچھے بوٹ۔ کوٹ، کالر غرض ہر وہ لباس جو ایک فیشن ایبل آدمی کے لیے موزدن ہو سکتا ہے اس کے لیے ڈریسنگ روم مین تیار رہتا۔ وہ ہارمونیم اور گراموفون کا بھی دلدادہ تھا ہر روز شام کو بے تکلفانہ اپنی بیوی کو پہلو بہ پہلو موٹر مین بٹھائے ہوئے ناٹک سینما اور کلب گھر مین ناچنے کے لیے لے جایا کرتا اس کے کمرہ کی دیوارون کی زینت وہ حیا سوز عریان تصویرین تھین جنھین دیکھکر بے شرمی بھی کان پکڑتی۔ وہ گھر کے حالات سے بالکل بیخبر اور بے پرواہ رہا کرتا اور اکثر رات کو دیر دیر تک اُن صحبتون مین بیٹھنے کا عادی تھا۔ جہان ہوس پرست عشاق عمومًا شریک ہوکر اپنی جذبات نوازی کرتے ہین۔

(۲)

حیرت ایک دولتمند مگر عیاش آدمی تھا۔ اس کے والد نے اس کے لیے لاکھون کڑورون کی جائداد چھوڑی تھی اس دولت نے جو بغیر کسی محنت و جانفشانی کے اس کے ہاتھ آئی اس کے ناپاک اور حرص و آز سے بھرے ہوئے خیالات کو اور ترقی دی کسی عورت کو فریب دیکر پیسے کا لالچ دکھا کر یا کسی قسم کا رعب ڈالکر اپنے ناجائز مطالبات پورے کرنا اس کا معمولی کام تھا۔ شہر بھر کی وہ عورتین جنھین حیرت کی سوسائیٹی جامع المتفرقین کے نام سے پکارتی ہے اس کی معاون اور ایسے کامون کے لیے آلۂ کار تھین۔ اس کے ناپاک خیالات اور حریص طبع کے ارادون کو کامیاب اور بار آور بنانے مین ان کا بڑا حصہ ہوتا۔ ان کا فرصت کا وقت بجائے اس کے کہ کسی اچھے اور نیک کام مین خرچ ہوتا شہر بھر کی کنواری لڑکیون کے حالات دریافت کرنے پھنسانے کی ترکیبون مین صرف ہوتا۔ وہ اپنے ہر ارادے کو کامیاب بنانے کی انتہائی کوشش کرتا اور ہر طریقہ سے حصول مدعا مین ساعی رہتا۔ وہ ایک حیوان تھا انسان نہ تھا کیونکہ وہ مغلوب تھا اور شہوت اس پر غالب۔ وہ اپنے نفس کے پھندے مین پورا پورا قید تھا اور اس کے ہر حکم پر قطع نظر اس کے کہ وہ اچھا ہے یا بُرا سب کچھ کرنے کو مستعد اور تیار رہتا تھا۔

(۳)

احمد کی بیٹی عاجزہ طفولیت کی منزلین طے کر چکی ہے اور اب پورے پورے عالم شباب مین ہے۔ ایام طفولیت مین کبھی کبھی والدین کے ساتھ کلب گھر کا تماشہ دیکھنا اُسے یاد آجاتا ہے اور اب وہ بھی چاہتی ہے کہ ایسی مجلسون مین شریک ہو کر حصہ لے۔ وہ اپنے والدین کے ہر فعل و حرکت کو

اچھی طرح دیکھتی ہے۔ ایسی نازک حالت مین اسے ناول دیکھنے کا شوق بھی بے حد ہے۔ وہ ایسے ناول جس مین حسن وعشق کے قصہ دکھائے جاتے ہین اور جو یقیناً اس لیے لکھے جاتے ہین کہ ان کے لیے جو عشق ومحبت کرنا نہین جانتے رہنما بنین عاجزہ پر پورا اثر کر گئے۔ اس کے والد کے کمرہ کا نظارہ اسے اور مشتعل کر رہا تھا۔ اس کی جلتی ہوئی آگ پر اس کے والدین کا بے حجابانہ کلب گھر مین ناچنے کے لیے جانا اور اس کا تذکرہ بے شرمی سے کرنا تیل کا کام کر گیا۔ وہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے سے قاصر تھی جو ہر ایک عورت مین ودیعت کر دی گئی ہے اور جسے ایسے مناظر بڑھانے کے لیے کافی ہین۔ یہ حالات جو خیالات اس کے دماغ مین پیدا کرتے انھین دبانے سے وہ قاصر ومجبور تھی۔ اس سے ڈر ہا گیا اس کی نیکی کو شکست ہوئی اور اب اُس نے تہیہ کر لیا کہ خادماؤن مین سے کسی کو رازدار بنائے اور اس سے صلاح مشورہ لے۔ اس کام کے لیے اُس نے نظیرن کو انتخاب کیا اور اُسے اپنی حقیقت سے واقف کیا۔

(۴)

نظیرن حیرت کا دست وبازو تھی اور یقیناً وہ عاجزہ کو ہی پھنسلانے کے لیے ملازم ہوئی تھی۔ مدت سے اسی ادھیڑبُن مین تھی مگر آج تک اس کا کوئی چارہ نہین چلا تھا۔ مکارہ وعیارہ نظیرن کا یہ پیشہ تھا اور یہی ایک ذریعہ معاش تھا کہ وہ عصمت مآب لڑکیون کو عبرت کی نذر کرتی۔ اس نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور ایسی چاپلوسی کی باتین کین کہ عاجزہ کی نظر مین اُس کی خیرخواہ بن گئی۔ اُسے ترغیب دلائی کہ وہ آج ہی اپنے والدین سے سیر کی اجازت لے۔ عاجزہ نے آزادانہ سیر وتفریح کی اجازت مانگی اور بدقسمتی سے مل بھی گئی کیونکہ اس کے والدین اس مین کچھ قباحت نہین سمجھتے تھے۔

(۵)

حیرت کو نظیرن سے یہ سن کر بے انتہا مسرت ہوئی کہ ایک اور عصمت مآب کی عصمت اس کے حرص وآز کی قربانگاہ پر قربان ہونے والی ہے۔ نظیرن اپنی کارگزاری نہایت مبالغہ آمیز الفاظ مین بیان کر رہی ہے اور حیرت ہے کہ سراپا گوش بنا ہوا سن رہا ہے۔ آخر حیرت نے اس جان بازی کے صلہ مین ۵ روپے کا نوٹ فی الحال نظیرن کی نذر کیا اور یہ ٹھہرا کہ شام کو عاجزہ کو لیکر آئے۔

شام ہوئی گاڑی تیار کی گئی۔ عاجزہ آج دولت حسن لٹانے کے لیے جا رہی ہے۔ گاڑی حیرت کے دروازہ پر روک لی گئی۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ عاجزہ اتری۔ مگر نظیرن اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس کو قعر مذلت مین گرانے کے لیے اس کی رہنمائی کر رہی ہے۔ افسوس نظیرن کو اب بھی اس کا احساس ہوتا کہ جو کام وہ کرنا چاہتی ہے اس سے زمین وآسمان اُس پر لعنت کر رہے ہین کاش عاجزہ بجائے اس کے کہ نظیرن کو رازدار بنا یا کسی ایسے کو رازدان کیا ہوتا جو اُسے راہ راست پر لاتا اور ان ناپاک خیالون کو اس کے دماغ سے نکال دیتا۔

ایک سجا ہوا کمرہ۔ جس کی زیبائش وآرایش مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا گیا تھا عاجزہ کو بٹھایا گیا۔ وہ کمرہ کو دیکھنے ہی مین مشغول تھی کہ حیرت آ پہونچا۔ عاجزہ ایک غیر مرد کو سامنے دیکھکر شرمائی مگر حیرت سرعت پسند حیرت نے اسے اتنا موقع ہی نہین دیا کہ وہ کچھ غور کر سکتی اور اپنا مستقبل دیکھکر ان خیالات سے باز رہتی جس کے لیے وہ یہان لائی گئی ہے۔ اب حیرت سے

مانوس ہو چکی ہے اتنا ہی نہیں وہ اس سے محبت بھی کرتی ہے مگر مکار و عیار حیرت فقط اس وقت تک اس پھول کی خوشبو لینے کے لیے تیار تھا جب تک وہ اپنی اصلی بہار پر ہے۔ روزانہ کمبخت نظیرن کے طفیل سے یہ ملاقات ہوتی رہی۔

(۶)

نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا اور اب وہ وقت آ گیا کہ راز خود طشت از بام ہو جائے۔ پہلے عاجزہ کو اس آنے والی بدنامی کا احساس ہوا جس سے اب تک وہ بے خبر تھی۔ اس نے یہ سمجھکر کہ میری مدد کی جائیگی پہلے نظیرن اور پھر حیرت کو اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ یہ معلوم ہوتے ہی حیرت کے چہرہ پر بے رحمی اور نفرت کے آثار نمایاں ہونے لگے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد شہید ستم عاجزہ حیرت کا منہ دیکھنے کو ترستی تھی۔ نظیرن کو بھی آنیوالی آفت کو مد نظر رکھتے ہوئے مجبوراً نوکری سے مستعفی ہونا پڑا۔ اور اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کیلئے تن تنہا عاجزہ رہ گئی۔ اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کر رہی تھی مگر اب کیا بن سکتا تھا۔ افسوس اب وہ غمخوار نظیرن اور مکار حیرت فقط تسلی دینے کیلئے بھی نہیں ہیں۔ یہ راز کب تک چھپا رہنے کا تھا۔ عاجزہ کو اپنے خاندانی وقار کا پاس ہوا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ کسی طرح وہ اپنے آپ کو ہلاک کر کے اپنے خاندانی ناموس کو داغ لگانے سے بچائے۔

(۷)

رات ہوئی اور یہی رات عاجزہ کی موت کا پیغام تھی۔ عاجزہ اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں سعی کر رہی تھی۔ اور کسیکو خیال تک بھی نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے والدین بدستور ناچ گھر میں گئے اور عاجزہ نے اس تنہائی سے فائدہ اٹھایا۔

صبح ہوئی مگر عاجزہ کے زندگی کی شام ہو چکی تھی۔ عاجزہ اپنے بستر پر مردہ پائی گئی۔ ڈاکٹری معائنہ سے معلوم ہوا کہ اس نے زہر پی لیا ہے۔۔ زہر پینے کی وجہ بھی ڈاکٹر سے معلوم ہوئی افسوس عاجزہ کو دفن کر دیا گیا۔

کاش! اس کے والدین اپنی غلطی کا احساس کریں کہ یہ فقط انہیں کی تعلیم تھی جس نے عاجزہ کے دماغ میں ایسے ناپاک خیالات پیدا کیے۔ یہ کلب گھر میں جا کر ناچنے کا نتیجہ ہے۔ جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ اگر وہ بے پردگی اور بے حجابی سے کام نہ لیتے تو بیچاری عاجزہ کی جان یوں ضائع نہ ہوتی۔ حیرت اور نظیرن آئیں اور دیکھیں کہ ان کے نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے خیال نے ایک انسان کی جان لی۔ وہ اب بھی سمجھیں اور اس افسانہ کے آئینہ میں اپنا عکس اور اپنی سیہ کاریوں کا نتیجہ دیکھیں اور ہمیشہ کے لیے ایسے ناپاک خیالات کو دماغ سے نکال کر پھینک دیں۔

(عبداللہ۔ عبد)

رباعیات

(از جناب ظہیر رضوی ایم اے۔ (علیگ)

(۱)

گرداب فنا زیست کا طوفان نکلا — ہستی میں عدم جزو نمایاں نکلا
سمجھے تھے کوئی چیز ہے نیرنگ وجود — دیکھا تو بس اک خواب پریشان نکلا

(۲)

دنیا میں نہ راحت کی نشانی پائی — ڈھونڈھی تو کچھ اور سرگرانی پائی
جب تجھ سے اسے اے موت جگایا تو نے — آغوش لحد میں زندگانی پائی

تاریخ السلف پر ہماری رائے

تاریخ السلف ایک حسین و خوبصورت مجموعہ کا نام ہی، جس کو نفیس کاغذ پر صاف و پاکیزہ لکھائی چھپائی کے ساتھ آستانۂ قدس **اجمیر شریف** کے صاحب علم و فضل، روشن خیال اور ہونہار صاحبزادے ہمارے مخدوم و مکرم جناب مولوی **عبد الباری** صاحب **معنی** نے حضرت سلطان الہند **خواجۂ اجمیری** قدس سرہٗ کے حالات مبارک اور اپنے اسلاف کرام کا اجمالی تذکرہ مبصرانہ، محققانہ اور مورخانہ انداز سے مرتب کر کے ملک کے سامنے پیش کیا ہی۔ شروع مین جناب مولانا سید **سلیمان** صاحب ندوی کا دیباچہ اور جناب مولانا محمد قیام الدین **عبد الباری فرنگی محلی** رحمۃ اللہ علیہ کا اس مجموعہ کے بارے مین اظہار راے ہی،

اسکے بعد ساتوین صفحہ سے حمد و نعت کے ساتھ مجموعہ کا آغاز ہی۔ آٹھوین صفحہ سے **جہت ترتیب** کا عنوان اور دسوین صفحہ مین **اپنا نقطۂ نگاہ** دوسرا عنوان اور گیارھوین صفحہ مین **فن تاریخ** تیسرا عنوان ہی۔ چوتھا عنوان **تاریخ و تذکرہ** مین چودھوین صفحہ سے شروع ہو کر سولھوین صفحہ پر ختم ہوا ہی۔ یہ چارون عنوان تمہید کے طور پر ہین۔

اصل مین سترھوین صفحہ سے "**سلطان الہند کی روداد حیات اور تذکرون کے متضاد بیانات**" کے عنوان کے تحت مین بڑی محنت و جانفشانی سے کام لیا گیا ہی جو ۸۰ صفحہ پر ختم ہی اور انھین صفحات کے اندر مؤلف کی تمام دماغ سوزی بالتحقیق و تدقیق اور صحت و عدم صحت کے ثبوت کا دارو مدار ہی۔

تذکرون مین (۱) **سیر العارفین** شیخ حامد عرف مولانا جمالیؒ ابن شیخ فضل اللہ سہروردیؒ (۲) **اخبار الاخیار** شیخ المحدثین مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ (۳) **سیر الاقطاب** مولانا الہدیہ (۴) **اقتباس الانوار** مولانا شیخ اکرم مرحوم (۵) **معین الاولیا** امام الدین علیخان (۶) **تذکرة المعین** مولانا سید زین العابدین (۷) **سوانحعمری خواجہ معین الدین چشتی** سید محمد الیاس رضوی۔

ملفوظات مین (۱) **انیس الارواح** حضرت سلطان الہند عطاے رسول غریب نوازؒ (۲) **دلیل العارفین** حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (۳) **فوائد السالکین** خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ (۴) **راحۃ القلوب** حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخؒ (۵) **فوائد الفواد** حضرت حسن علا سنجریؒ (۶) **افضل الفوائد** حضرت امیر خسروؒ (۷) **خیر المجالس** مولانا حمید قلندرؒ (۸) **سیر الاولیاء** پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہی۔ آٹھوین صفحہ سے **قول فیصل** کے عنوان کے تحت مین ۱۱۱ صفحہ تک (یعنی ۱۳۱ صفحون مین) مؤلف نے حضرت سلطان الہند خواجۂ اجمیریؒ قدس سرہٗ کے حالات مبارک اپنی صحت کے مطابق درج کئے ہین ۱۱۲ صفحہ سے ۱۱۸ صفحہ تک **اسلاف کرام** کے عنوان کی تمہید ہی۔ اور صفحہ ۱۱۹ سے مؤلف نے اپنے جد بزرگوار خواجہ فخر الدین گردیزی رحمۃ اللہ علیہ (جنکی اولاد مین آستانۂ حضرت سلطان الہند قدس سرہٗ کے صاحبزادگان یا خدام ہین) کا تذکرہ شروع کیا ہی جو ۱۳۶ صفحہ پر ختم ہوا ہی ۱۳۷ صفحہ سے ۱۵۶ صفحہ یعنی اختتام مجموعہ **تاریخ السلف** تک کے عنوان **اولاد امجاد** ایک مفصل و محققانہ بحث ہی جس مین **غلط فہمی کی اصلاح** اور **خطاب صاحبزادہ** اور **خادمان نائب النبی نائب النبی کی اولاد** مین یہ عنوانات بھی شامل ہین اور آخری چند سطرون مین **خاتمہ** ہی۔

ٹائٹل پیج کے تیسرے صفحہ پر مؤلف کے دست و قلم کا لکھا ہوا ایک **چیلنج** ہی جسکا خلاصہ یہ ہی کہ:-

"نافہم اور غلط بین نکتہ چینون کو مین چیلنج دیتا ہون کہ اگر انکا

باطل نواز تخیل غلط نگاری اور بیجا حاشیہ آرائی کی پرورش
کرے تو وہ بہ امکانی کوشش کے ساتھ اسپر تنقید کرینگے مین
بھی اصلاح خیال کرنے مین دریغ نکرونگا اور اگر اتفاق سے
اغلاط بر ہشت زند تیرے کے مطابق کوئی صحیح
ترمیم کیگئی تو اسکی تسلیم سے مجھے کسی وقت بھی عار نہوگا
اسلیے کہ مجھے تحقیق حق مقصود ہے اور ابطال باطل"

یہ لب لباب ہے اس مجموعۂ نادرہ تاریخ السلف کا۔

مین نے حضرت سلطان الہند خواجۂ اجمیری قدس سرہ کے فارسی وارد و مین کئی تذکرے پڑھے ہین اور کئی ملفوظات کا مطالعہ کیا ہے اور اب تاریخ السلف سے مستفیض ہوا ہون۔

تاریخ السلف پر مکمل تبصرہ لکھنے کیلئے وقت کی ضرورت ہے۔ اور کم سے کم اُن تمام کتابونکا و اہم ہونا لازمی ہے جنکا اسمین حوالہ دیا گیا ہے اور جنپر نظر نقد ڈالی گئی ہے لیکن اسمین کوئی شک نہین کہ قدیم تذکرون اور ملفوظات وغیرہ مین اسقدر اختلاف روایات وبیانات ہے کہ اگر اُنپر درایت کی روشنی ڈالی جائے تو صحت اور عدم صحت کا حال معلوم ہوسکتا ہے اسلیے ضروری تھا کہ کوئی ان تذکرون وغیرہ پر غائر نظر ڈالتا اور حقیقت حال اظہار کر دیتا اس کمی کو جناب معنی نے کتاب السلف لکھکر پورا کر دیا۔

تاریخ السلف سے قبل محترمی جناب مولانا عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی نے بھی حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سوانحعمری خواجہ معین الدین چشتی کے نام سے شائع کی ہے جسمین انھون نے تحقیق و تدقیق مین بہت کافی وقت صرف فرمایا ہے جسمین صرف آپ ہی کے حالات ۱/۲ ۲۶ کے ۲۹ صفحون پر ختم کیے ہین جو ایک ممتاز محققانہ اور تاریخی مجموعہ ہے۔

قدیم تذکرون اور ملفوظات پر جناب معنی کا تبصرہ بہت ہی قابل داد ہے

لیکن اگر لہجہ اور طرز تخاطب ذرا اور نرم ہوتا تو ایک خوبی بھی ایسی نہ ہوتی جو اسمین نہ پائی جاتی۔ کیونکہ انکو یقین کر لینا چاہئیے کہ جن تذکرون کا انھون نے ذکر فرمایا ہے انمین کوئی بھی صاحب تذکرہ ایسا نہین جسنے جان بوجھکر غلطی کی یا کسی ذاتی غرض سے اس غلطی کا ارتکاب اُن سے ہوا ہو۔ نہین بلکہ انسان ہونیکی حیثیت سے وہ غلطی و سہو سے مبرا نہ تھے۔ انھون نے جو لکھا اپنے خیال مین صحت و تحقیق سے لکھا روایات و بیانات پر اُنکے خیال نے اعتبار کر لیا۔ لیکن ہر کتاب کی صحت و عدم صحت اسکی اشاعت کے بعد ہوتی ہے۔ اور نظر ثانی کے وقت اسکی صحت کر دیجاتی ہے لیکن اسوقت نہ مطبع تھے اور نہ اشاعت کے ایسے ذرائع جو آجکل موجود ہین اسوجہ سے انکو نوری اور کافی مواقع اُنکے دوبارہ صحت کے نہین مل سکے اور ملے بھی تو بہت کم اسکے علاوہ جتنے تذکرے یا ملفوظات ہین وہ مولف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہین۔ اصل نسخہ سے کسی نے نقل کیا اور پھر نقل در نقل ہوتے ہوتے نہ معلوم کسقدر تغیر ہوا اور کیا کیا تبدیلیان واقع ہوگئین اسلیے موجودہ زمانہ مین اُنکی صحت تو لازمی ہے لیکن اُنپر خصوصیت کیساتھ غلط اندراج کرنیکا الزام لگانا مناسب نہین یہی کیا کم غنیمت ہے کہ آپ کے نقد و تبصرہ اور تحقیق و تدقیق کیلئے وہ کچھ ایسا سرمایہ چھوڑ گئے جو آج آپکو بہت کچھ مدد دے رہا ہے۔ اب آپ انکی صحت اپنے عمدہ الفاظ مین کیجئے اور اسطرح کیجیے کہ آپکی اخلاقی کمزوری کا اظہار نہ ہونے پائے۔

جناب معنی کے طرز تخاطب کے چند نمونہ معافی مانگتے ہوئے ادب کیساتھ پیش کرتا ہون:۔

مؤلف سیر العارفین کی نسبت ۔ "انکی غلط بیانی ایک بداہت ہے جس سے کسی شخص کو بھی انکار نہین ہوسکتا"......

"مصنف مرحوم نے کسی واقعہ کا سنہ و تاریخ لکھنے کی تو گویا قسم کھائی ہے صرف روایات کی تحریر پر اکتفا کیا ہے تاکہ غلط بیانی کا راز فاش نہو جائے

لیکن کیا حقیقت چھپائے سے چھپ سکتی ہی بالآخر آشکارا ہوکر رہی۔
فی الحال اس سے بحث نہین کہ اس غلط بیانی کا مقصد اصل کیا ہی خدا نے چاہا تو اپنے وقت پر یہ بھی بیان کردیا جائے گا"......

"کتاب بہ ثقاہت کے اعتبار سے ایک عجیب چیز ہی"......

"لیکن تذکرہ کی شان کہ غلط بیانی تو برطرف......

صاحب اخبار الاخیار شیخ المحققین مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی نسبت

"ہمین حیرت ہی کہ احادیث نبوی کے ایسے نقاد اور مبصر کے قلم سے یہ لغزشین کیسے ہوئین"

اسکے ساتھ ہی "غرضکہ یہ ایک بسیط بحث ہی اور ہم قلت وقت کیوجہ سے اسپر تفصیلی گفتگو کرنے سے قاصر ہین"......

مؤلف سیر الاقطاب کی نسبت "ہمین اسکا اعتراف ہی کہ اگر صاحب **سیر الاقطاب** اس افسانہ نویسی کی حالت مین"

"شروع سے آخر تک پوری کتاب پہیلی نامہ سے زیادہ حقیقت نہین رکھتی" وغیرہ وغیرہ وغیرہ

قول فیصل کے بحث مین "تذکرونکی متضاد بیانی کا راز فاش کیا جائیگا حقیقت بے نقاب آشکارا ہو چکی غلط بیان واقعہ نگاران سلف کا معیار اعتبار معلوم ہو گیا"

کہان ہین پرستاران تصانیف دیرینہ دیدۂ عبرت سے ملاحظہ فرمائین اور خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا کی تصدیق کرین

کہان ہین شخصیت کے پوجنے والے آنکھین کھولین اور خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم کی واقفیت کو تسلیم کرین،

کہان ہین زبان درازان طعن و ملامت اگر گوش ہوش رکھتے ہین تو آئین اور مصنف کا حال ہم سے سنین"

اسکے آگے بعض تذکرہ نویسون کا شکریہ ادا کیا ہی اور لکھا ہی کہ

اگر آج یہ تذکرے بھی دنیا سے محو ہو جاتے تو غالباً پھر کوئی ذریعہ ایسا نہوتا جس سے سلطان الہند کے حالات صداقت کیساتھ معلوم کئے جا سکتے"

مجھے اُن کی رائے سے بحث نہین نہ مین یہ کہتا ہون کہ جو کچھ اُنھون نے لکھا غلط ہی بلکہ میری رائے ہی کہ اگر اس خیال کو دوسرے عمدہ پیرائے مین ادا کیا جاتا تو بہت مناسب تھا جس سے خلاف ادب لکھنے کا شائبہ بھی نہوتا۔ یہ طرز ایسے گرامی آستانہ کے ایسے صاحب علم و فضل صاحبزادے کے شان کے شایان نہین۔ **کتاب السلف** اور جناب شرر کے تذکرہ مین بجز اختلاف چند سنین۔ طرز انشا اور کسی واقعہ کے اختصار و تفصیل سے بیان کرنے کے کوئی تضاد نہین ہی مثلاً:۔

جناب شرر نے سنہ ولادت حضرت خواجہؒ جب سلطان سنجر کو ترکان غزد کے مقابل مین بہت بڑی شکست ہوئی تھی ۵۳۶ھ تحریر فرمایا ہی اور جناب مفتی دو مستند روایتوں کی بنا پر ۵۳۰ھ یہ استدلال کرتے ہین جناب شرر آپکے والد کا سنہ وفات ۵۵۱ھ تحریر فرماتے ہین جب حضرت خواجہؒ کی عمر شریف ۵۳۶ھ کے حساب سے پندرہ سال کی تھی جناب مفتی نے بھی ۵۳۰ھ کے حساب سے جب حضرت خواجہ کی عمر مبارک پندرہ سال کی تھی آپکے والد کا سنہ وفات ۵۴۴ھ تحریر کیا ہی۔

مولانا شرر نے لکھا ہی کہ ۱۰ شوال روز پنجشنبہ ۵۶۰ھ کو اپنے مرشد کے حلقۂ مریدین مین شامل ہوئے اور اُنکے چشمۂ فیض سے کمالات باطنی حاصل کرکے آپ نے سفر اختیار کیا۔"

لیکن جناب مفتی یہ واقعہ ۵۶۲ھ کا تحریر فرماتے ہین۔ وغیرہ وغیرہ۔

تاریخ السلف مین جو ۱۸/۸×۲۲ کی تقطیع پر طبع ہوئی ہی حضرت خواجہ اجمیریؒ کے حالات کل ۱۳ صفحون مین لکھے گئے ہین اور جناب شرر نے ۲۶/۸×۲۲ کے ۹۳ صفحون پر تحریر فرمائے ہین اسلیے حضرت خواجہؒ کے حالات مقدسہ کے

اعتبار سے کتاب السلف کو کوئی خاص امتیاز نہین لیکن دو ایسی ضروری چیزون کا اہم اضافہ جو جناب مصنف نے اپنے تذکرے مین کیا اور کسی تذکرے مین بھی نہین ایک تو ان تذکرون پر نقد و تبصرہ جنمین حضرت خواجہ رح کے حالات مبارک کا دار و مدار ہی دوسرا اہم ترین اضافہ جو میرے خیال مین اس کتاب کی تالیف کی بنا ہی وہ آخر کے ۴۴ صفحات ہین یعنی ۱۱۲ سے ۱۵۶ تک اسلاف کرام کے عنوان کے بعد سے جسکی نسبت حضرت مولانا محمد قیام الدین عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہی کہ:۔

جو کچھ اس کے متعلق مکرمی مولانا سید سلیمان ندوی عم فیضہ نے لکھا ہے مجھے اسپر اضافہ کی حاجت نہین"

اسی کے ساتھ تحریر فرماتے ہین کہ:۔

"مین اسکے دوسرے حصہ کے بارہ مین اپنی طرف سے اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہون کہ صاحبزادہ سعادت نشان با محل تحقیق نسب صاحبزادگان عرف خادمان بارگاہ سید الاولیا کثرت اشالہم کرکے ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہی جو دشمنون نے پھیلا رکھی تھی اور جس سے دوستون کو تکلیف ہو رہی تھی۔ یقیناً مجال گفتگو معاندین کو باقی نہین رہی اور اگر ہو تو ضروری تدارک فوراً کیا جا سکتا ہی"

یہ حصہ اس مجموعہ کا اسقدر اہم ضروری اور مفید ہی کہ اسکے نتائج پر غور کرنے کے بعد اسکی اہمیت اور حقیقت معلوم ہوتی ہی جسکے لیے تمام صاحبزادگان آستانہ کو اپنے بھائی جناب معنی کا ممنون ہونا چاہیئے صاحبزادگان آستانہ اور وہ اصحاب جو کتاب معین الاولیا، اور مرآۃ الاسرار کے مطالعہ سے غلط فہمی مین پڑ گئے ہین انکو کتاب السلف کو بغور پڑھنا چاہیئے بالخصوص غلط فہمی کی اصلاح کا عنوان جہان سے قائم کیا گیا ہی اور جسمین بڑی اہم حقیقت سے مؤلف نے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہی۔

جناب معنی کے بیان کے مطابق عہد سلطنت شاہجہان کے ایک بزرگ صوفی عبدالرحمن نے ایک کتاب مرآۃ الاسرار تالیف فرمائی جسکے حوالہ سے کتاب معین الاولیا مین اسطرح درج ہی کہ "مجاوران آن آستانہ متبرکہ خواجہ بزرگ نیز منسوب اند کہ اولاد سید فخر الدین میگویند کہ سید فخر الدین از گڑھ مانکپور بودہ است و از غلبۂ اعتقاد و محبت روحانیت خواجہ بزرگ وطن گزاشتہ در اجمیر اقامت اختیار نمود چنانچہ فرزندان او ہنوز در خدمت آستانۂ متبرکہ موجود اند"

اور صاحب اقتباس الانوار نے اس روایت کو مرآۃ الاسرار سے ان الفاظ مین نقل کیا ہی۔

"مجاوران آن آستانہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ از اولاد میر سید فخر الدین ساکن قصبہ گڑھ مانکپور کہ نزدیک الہ آباد است معلوم شد کہ سید فخر الدین از اکابر سادات عالی نسب قصبۂ مذکور بود و ما بسبب روحانیت پاک حضرت خواجہ بزرگ از وطن منتقل شدہ در حضرت اجمیر سکونت اختیار کرد چنانچہ فرزندان او ہنوز بخدمت آن آستانہ متبرکہ موجود اند"

دونون کتابون مین نفس عبارت مرآۃ الاسرار سے نقل ہی لیکن مرآۃ الاسرار کا قلمی نسخہ جناب امام جی صاحب امام مسجد حضرت محبوب الہی کے پاس موجود ہی اسمین یہ عبارت ہی:۔

"مجاوران آستانۂ متبرکہ خواجہ بزرگ منسوب اند باولاد سید فخر الدین و گویند کہ سید فخر الدین از اولاد سید ابو الحسن ساکن گڑھ مانکپور بودہ است و از غلبۂ اعتقاد و محبت روحانیت خواجہ بزرگ وطن را گزاشتہ در اجمیر آمدہ استقامت اختیار نمود چنانچہ فرزندان او ہنوز در خدمت آستانۂ متبرکہ موجود اند"

جناب معنی ان حوالہ جات کے بعد تاریخ گڑھ مانکپور کی عبارت اور نسب نامہ نقل کرتے ہوئے اور دیگر دلائل سے ان غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے تحریر کرتے ہین کہ:۔

وہ سید ابو الحسن کے جد بزرگوار کے جد بزرگوار حضرت سید محمد نور اور خواجہ فخر الدین دونوں برادران حقیقی ہین اور خواجہ احمد کے فرزند ارجمند ہین "

پس اولاد حضرت سید ابو الحسن اور اولاد حضرت فخر الدین یقیناً ہم جد ہین چنانچہ ہمارے آبار اجداد کی زبانی روایت یہ تھی کہ اولاد سید ابو الحسن جو کرہ مین آباد ہی نسبا ہمارے ہم جد ہی مصنف مرآۃ الاسرار عبد الرحمن مرحوم کو اس باب مین غلط فہمی ہوئی اور انھون نے غلطی سے یہ سمجھا کہ جب خادمان خواجہ بزرگ اور اولاد سید ابو الحسن دونون ہم جد ہین تو گویا یہ لوگ بھی سید ابو الحسن ساکن کرہ کی اولاد ہین جیسا کہ انکی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے نفس واقعہ اس حیثیت سے قطعاً صحیح ہی کہ اولاد سید ابو الحسن ہمارے برادران ہم جد ہین البتہ یہ غلط ہی کہ ابو الحسن ہمارے مورث اعلی۔

اسکے بعد اور عبارت مدلل لکھی ہے جس سے صاحبزادگان آستانہ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کی صحیح تاریخ و شجرہ و حال نسب پر محققانہ شان سے روشنی پڑتی ہی جناب معنی نے ان تمام دلائل کو تاریخی بغیر نقطہ نظر سے پیش کرتے ہوئے آیندہ صرافت کے دعوے پر اس بحث اور ضروری مجموعہ کو ختم فرمایا ہی۔

اس تالیف کے مرتب کرنے مین مخدومی جناب معنی نے کافی وسعت نظر سے کام لیا ہی انکی جستجو و تلاش کا میدان بھی بہت معتبر و مستند کتب کا نتیجہ ہی۔ معنی صاحب نے ایک آزاد مورخ کی طرح تمام حالات کو جانچا اور انپر نقد و تبصرہ کیا۔ ہم آپکو اس تالیف پر مبارکباد دیتے ہین اور دعا کرتے ہین کہ یہ کتاب ہر طرح مقبول ہو اور مخالفین و موافقین دونون اسکو سند قرار دین۔ باوجود عمدہ لکھائی چھپائی اور نفیس کاغذ کے اسکی قیمت صرف ایکروپیہ ہی اور جناب صاحبزادہ مولوی عبد الباری صاحب معنی شرقی دروازہ آستانہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر کے پتہ سے مل سکتی ہے۔ (اڈیٹر)

کلام تازہ

از جناب شاکر کانپوری

سوز جگر کے ساتھ سحر تک جلا کرے / آنسو تو شمع ساتھ بہا دیا کرے
ہر بات مین جو نام تمہارا لیا کرے / ایسی سے زبان دہن کو عطا کرے
اب تو جنون عشق نے بیخود بنا دیا / جو جسکے جی مین آئے وہ مجھکو کہا کرے
آنکھین تو محو دید ہین اور دل ہے بیقرار / اے بدنصیب دل اسے اب کوئی کیا کرے
کافی ہی مجھکو اس نگہ مست کا خیال / میکش وہ کیا شراب جو ہر دم پیا کرے
بیوجہ خاک کیون کسی کوچہ کی چھانتا / دل کا پتہ تو مل گیا دنیا ہنسا کرے
ملجائے مجھکو زندگی و موت کا صلہ / آجائے کوئی قبر پہ اک دن خدا کرے
فریاد کرکے دیکھ تو اسکے کرم کو تو / یہ وہ عمل نہین ہی جو بیدل خطا کرے
کہتے ہین سب فضول ہی شاکر ترا ملال / سچ ہی کوئی کسی لئے غم وہ فغا کرے

از جناب مولوی محمد حسین صاحب صوفی شاہجہانپوری ثم کانپور

حیات چند روزہ کا مین جب افسانہ سمجھا تھا / یہ عالم تھا کہ ہر سانس کو بیگانہ سمجھا تھا
غم بیم سے آخر مٹ گیا دل ٹوٹنے ناکامی / یہی اک شے تھی جسکو قابل نذرانہ سمجھا تھا
نہ بھولا عالم امکان مین پیمان دل مجھکو / کہ مین دنیا کو حسن یار کا افسانہ سمجھا تھا
خضو یا ردم چھوڑا کسی محو تمنا نے / کیا وہ پیشکش جو قابل نذرانہ سمجھا تھا
نہین معلوم کیا مقصود تھا ہستی عاشق سے / کوئی مفہوم بے حاصل کوئی افسانہ سمجھا تھا
کجا بادہ کجا ساغر نگہ تک اب نہین ملتی / مین اے ساقی اسکو حاصل میخانہ سمجھا تھا
دعا کچھ واسطہ دیر و حرم کی جبہ سائی سے / مین خلوت خانۂ دل کو ترا کاشانہ سمجھا تھا
مرے جوش وفا پر اعتماد اتنا تھا ظالم کو / تڑپنے کو بھی گویا سجدۂ شکرانہ سمجھا تھا
غذا جانے مین کیا کیا اٹھا تھا جوش مین صوفی / غنیمت تھا جو وہ ظالم مجھے دیوانہ سمجھا تھا

بلگرامی بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

سے

ہر مصنف و مؤلف اور ہر قسم کی مطبوعہ کتابیں فرمایش آنے پر روانہ کی جاتی ہیں

مختصر فہرست بلگرامی بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
مولانا شبلی مرحوم		**مولانا شبلی مرحوم**		**مولانا شرر لکھنوی**		**مولانا شرر لکھنوی**		**مولانا شرر لکھنوی**	
سیرۃ النبی مجلد حصہ ۱	سے/	علم الکلام	عہر/	امام شافعی	۴/	عزیزہ مصر	عہر/	فردوس بریں	۸/
” حصہ ۲	سے/	الکلام عا/و	عیر/	ابوبکر شبلی	عہ/	فاتح مفتوح	عہر/	شہید وفا	۸/
” حصہ ۳	مے/	سفرنامۂ روم و شام عا/	عیر/	جنید بغدادی	عہ/	بابک خرمی کامل	عیر/	حسن بن صباح	۴/
الغزالی	عہ/	مقالات شبلی عا/ و عہ/	عہ/	خواجہ معین الدین	۶/	الفانسو	۱۲/	افسانۂ قیس	۲/
سوانح مولانا روم	عیر/	رسائل شبلی	عہر/	سکینہ بنت حسین	۶/	ایام عرب کامل	عا/	شب وصل	۲/
الانتقاد علی	عہ/	المامون	عہر/	ملکہ زنوبیہ	۳/	فتح اندلس	عا/	شب فراق	۲/
دیوان شبلی فارسی	عہ/	سیرۃ النعمان	عہر/	قرۃ العین	۳/	ماہ ملک	عا/	اسیری بابل	۴/
کلیات شبلی	عا/	مضامین عالمگیر	عہ/	شیریں ملکہ عجم	۴/	قیس و لبنیٰ	عہر/	زمانہ اور اسلام	۳/
مکاتیب شبلی حصہ ۱	عا/	” ” دوم	۸/	مخدرات	عیر/	یوسف نجمہ کامل	عیر/	الحکم الرفاعیہ	۳/
” حصہ ۲	عا/	مجموعہ کلام شبلی	۱۲/	مخدرات تیموریہ	عا/	زوال بغداد	عیر/	ہندوستان کی موسیقی	۴/
مثنوی صبح امید	۴/	” ” ” [illegible]	۸/	صد پارۂ دل حصہ ۱	عہر/	درگیش نندنی	۸/	ہندوؤں کا تعلق اردو سے	۴
اسلامی مدارس	۴/	مسلمانوں کی تعلیم	۱۰/	” ” حصہ ۲	عہر/	طاہرہ	عہر/	حسن کا ڈاکو	عہر/
اسلامی حکومت	۲/	آغاز اسلام قسم اول	۱۲/	تاریخ سندھ حصہ ۱	عیر/	مینا بازار	عہ/	دربار حرام پور	۱۰/
جہانگیر	۲/	بیان خسرو	۱۰/	عصر قدیم	عیر/	مقدس نازنین	عیر/	آغا صادق کی شادی	۱۰/
زیب النساء	۱/	موازنۂ انیس و دبیر	عا/	مسیح اور مسیحیت (نایاب)	ے/	رومۃ الکبریٰ	عیر/	غیب دان دلہن	عہ/
الفاروق قسم اول	سے/	برگ گل	۴/	عرب قبل اسلام (نایاب)	عا/	فلپانا	عیر/	دلچسپ کامل	۱۲/
” قسم دوم	عا/	دستۂ گل	۴/	صقلیہ میں اسلام	۴/	شوقین ملکہ	عہ/	دلکش	عہ/
شعر العجم حصہ ۱ سے/و	عا/	حیات جامی	۸	تاریخ خلافت	۴/	فلورا فلورنڈا	عیر/	میوۂ تلخ	۸/
” حصہ ۲ عا/و	عا/	حیات حافظ	۸/	اقوام کرد	۴	منصور و موہنا	۸/	بدر النساء کی مصیبت	۳/
” حصہ ۳ عا/و	عا/			جویائے حق کامل	للعہ/	حسن انجلینا	۸/	خوفناک محبت	عہ/
” حصہ ۴ عا/و	عا/			لعبت چین	عہ/	ملک العزیز ورجنا	۱۲/	[illegible]	۳/
” حصہ ۵ عا/	عہ/								

ڈاکٹر سر اقبال } شکوہ ۲/ جواب شکوہ ۴/ نالۂ یتیم ۲/ اکبری اقبال ۳/ بلال ۱/ شمع و شاعر ۲/ فریاد امت ۳/ تکمیل ترانہ ۲/
تصویر درد ۴/ خضر راہ ۴/ طلوع اسلام ۴/ بانگ درا مجلد عہ/ اسرار خودی وغیرہ عا/ پیام مشرق ہے/

مطبوعہ مقبول المطابع نظیرآباد لکھنؤ باہتمام سید مقبول حسین وصل بلگرامی

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم، ورنہ
عشق کارے است کہ بے آہ و فغان نیز کنند
(عطیۂ علامہ سر اقبال)

مرقعِ

دار الادب لکھنؤ کا مقبول جہان عزیز جریدہ
۱۳۴۴ھ

مرتبہ
سید مقبول حسین وصل بلگرامی

"مرقع" کے قواعد و ضوابط

(۱) مرقع ہر انگریزی مہینے کی ۵ تاریخ کو دار الادب لکھنؤ سے شایع ہوگا۔

(۲) مرقع کی قیمت عام خریدارون کے لئے پانچ روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک مقرر ہے، جو پیشگی وصول ہونا چاہئے۔

(۳) مرقع کا نمونہ بغیر ۲؍ نقد وصول ہوئے روانہ نہین ہو سکتا۔

(۴) مرقع کی قیمت رؤسا، و دیگر معزز اصحاب و اُسکے مربیون سے اُنکی ہمت افزائی پر منحصر ہے۔

(۵) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا لازمی ہے۔

(۶) خط و کتابت کے سلسلہ مین خریداری کا نمبر لکھنا ضروری ہے۔

(۷) رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہئے۔

(۸) کوئی مضمون ایسا شایع نہ ہوگا جو مخرب اخلاق ہو یا کوئی خراب اثر پیدا کر سکے۔

(۹) تعلیم یافتہ خواتین کے صرف وہ مضامین نظم و نثر درج ہونگے جو خوبیون کے لحاظ سے بہترین اور اپنے اثرات کے لحاظ سے نہایت خوشگوار ہونگے۔

(۱۰) مرقع کو موجودہ پالٹیکس یا مذہبی مباحثے سے کوئی سروکار نہوگا۔

(۱۱) تنقیدی مضامین بھی اس مین شایع ہونگے، مگر وہی جنمین خلوص ہوگا، باہمی نزاعات یا کسی قسم کے تعصب یا کسی بغض کی بنا پر لکھے ہوئے مضامین سے احتراز کیا جائیگا۔

(۱۲) ایسے مضامین جن مین کسی شخص پر چوٹ کی گئی ہو یا اُس مین ایسے مضامین ہون جن سے دوسرے کو رنج کا شائبہ بھی پیدا ہو ہرگز شایع نہونگے۔

(۱۳) جس نظم و نثر کے مضمون مین زبان، لغت، یا فن کی غلطیان ہونگی اُسوقت تک شایع نہ ہوگا جب تک اُسکی مناسب ترمیم اطلاع پانے پر خود صاحب مضمون نہ کر دین۔

(۱۴) مرقع کا مسلک صلح کل ہے وہ انشاءاللہ کبھی دل آزار یا متعصب نہ ثابت ہوگا۔

(۱۵) مرقع کو ذاتیات سے کبھی تعلق نہ ہوگا، وہ اپنے معاصرین سے خواہ وہ اہل جرائد ہون یا اہل اخبار اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریگا اور انشاءاللہ وہ ہمیشہ اسمین ثابت قدم رہیگا۔

"مدیر مرقع لکھنؤ"

مرقع مین اشتہارات بھیجتے وقت
ذیل کا نرخنامہ ملاحظہ فرمالیجئے

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک سال کے لئے	سہ	صسہ	عسہ
چھ ماہ کے لئے	صسہ	عسہ	ےلعہ
تین ماہ کے لئے	عسہ	صلعہ	سعے ر
ایک ماہ کے لئے	سعے	صر	سعے ر

ضروری نوٹ

ٹائٹل پیج کے صفحہ ۲ و ۳ و ۴ کی اُجرت کا نرخ اسکے علاوہ ہے جو خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ اُجرت کا پیشگی آنا ضروری ہے۔

منیجر مرقع لکھنؤ

جہان مرقع تصویر حسن اوست تمام — بہ حیرتم کہ بہ بندم دل از کہ بردارم

فہرست مضامین

قیمت سالانہ محصول ڈاک
پانچ روپیہ

نمونہ کا پرچہ
آٹھ آنے (۸/)

اگست ۱۹۲۶ء



نقد و تبصرہ

(۱) **تاریخ دریا آباد** - یہ ضخیم کتاب جو ۲۰x۲۶/۸ کے ۳۲۴ صفحون پر ختم ہوئی ہے - جناب منشی برج بھوکن لال صاحب محب دریا آبادی کی تالیف ہے جناب محب نے گیارہ سال کی مسلسل کوششون سے اس بیبہا سرمایہ کو جمع کر کے اپنے وطن اور اہل وطن پر احسان کیا ہے اور یقین ہے کہ صنف تاریخ مین یہ ایک گرانقدر اضافہ ہے اگر ہر قصبہ اور ان مقامات کے لوگ جہان سے کچھ بھی تاریخی سرمایہ بہم ہو سکتا ہے کوشش کر کے کچھ نہ کچھ لکھ ڈالین تو اسطرح آئندہ نسلون کے لئے وہ بہت کچھ معلومات کا ذخیرہ چھوڑ جائینگے اور انکی نسلین گمنامی کے میدان سے نکل کر ہمیشہ شاہراہ وجود پر دکھائی دینگی - مولف نے ۷۶ کتابون اور متفرق کاغذات و فرامین وغیرہ سے اسمین مدد لی ہے - اس کے پہلے اور دوسرے باب مین دریا آباد کی وجہ تسمیہ - اسکے بانی اور تاریخ بنائے آبادی وغیرہ کا بیان ہے سنسکرت دان پنڈتون - اسلامی عالمون - سنسکرت بھاشا - فارسی - انگریزی اور اردو شعراء وید دون - حکیمون - اور ڈاکٹرون - وکیلون - سادھوؤن اور فقیرون کا تذکرہ ہے - تیسرے سے چھٹے باب تک رئیسون - شرفاء - معززین - سپاہیون - پہلوانون - ماہرین فن خاص موسیقی دانون - مہاجنون - کارخانہ دارون - دوکانداروں - عام پیشہ ورون - عمارتون - باغون - محلون - بازارون - دھرم شالون - سراؤن - میلون - عرسون - اور کتب خانون کا ذکر ہے - ساتوین باب مین موجودہ مشاہیر کا مختصر حال لکھکر پیشہ ورلوگون کا تذکرہ بھی لکھا ہے - سب سے آخر یعنی آٹھوین باب مین پرگنہ دریا آباد کا بیان ہے جسمین پرگنہ کی وسعت آبادی وغیرہ - پرگنہ کی مشہور ریاستون - مشہور دیہات و مقامات کا ذکر اور پرگنہ کے نامور اصحاب کا تذکرہ ہے - یہ خلاصہ ہے اس کتاب کا ان عنوانات ہی کے دیکھنے سے پتہ مل سکتا ہے کہ مولف نے کس قدر جانفشانی کی ہوگی عبارت سلیس ہے - بہرحال مولف کی یہ محنت ضرور قابل داد ہے - اہل وطن کو اسکی خصوصیت کے ساتھ قدر اور جناب محب کی ہمت افزائی کرنا چاہیئے - لکھائی - چھپائی نفیس اور کاغذ عمدہ ہے - قیمت فی جلد سے

ملنے کا پتہ (منشی لکھن بہاری لال صاحب آنریری سکریٹری گوشالہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی)

(۲) **رسالہ طالب علم لکھنؤ** - یہ رسالہ اپریل ۱۹۲۶ء سے ماہوار مولوی گنج لکھنؤ سے جناب مولوی فتح اللہ صاحب آزاد کی سرپرستی مین شایع ہو رہا ہے - یہ رسالہ خاص بچون اور نوعمر طلبہ کے شوق اور جد و جہد کا کارنامہ ہے - اسکے اعزازی چیف اڈیٹر (۱) انصار الحق صاحب ہارونی خلف چودہری سراج الحق صاحب رئیس ردولی بی - اے - ال - ال - بی وکیل لکھنؤ (۲) سعید احمد صاحب صدیقی خلف مولوی ظہور احمد صاحب بی - اے - ال - ال - بی - وکیل و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ - اور اڈیٹرز (۱) قمر الاسلام صاحب برادر زادہ مولوی فتح اللہ صاحب آزاد (۲) عبد القوی صاحب خلف مولوی عبد المجید صاحب دریا بادی ڈپٹی کلکٹر و برادر زادہ جناب مولوی عبد الماجد صاحب بی - اے - دریا آبادی (۳) اسرار الحق صاحب صدیقی برادر حقیقی انصار الحق صاحب ہارونی چیف اڈیٹر رسالہ ہذا ہین یہ سب علم کے دلدادہ - ادب کے مفتون - زبان اردو کے شیدائی اور نظم و نثر مین مہارت پیدا کرنے کے شائق ہین - ان بچون کی عمر پندرہ اور بارہ برس کے درمیان ہے مگر اس سے کیا انکی باتین سنکر ان کے خیالات انکی امنگون - ان کے جوش اور آگے بڑھنے والی امیدون اور توقعات کو دیکھکر بیحد دل خوش ہوتا ہے لطف یہ ہے کہ یہ سب بچے جو کچھ ان سے ہو سکتا ہے خود ہی اسمین لکھتے ہین اور جتنا کام ایک مدیر کر سکتا ہے اسکو اپنے سن کے موافق بدرجۂ اتم انجام دینے کی کوشش کرتے ہین ہان اتنا ضرور ہے کہ جناب مولوی عبد الماجد صاحب بی - اے دریا آبادی اور جناب مولانا آزاد انکے مضامین وغیرہ کی اصلاح کر دیتے ہین اور ترتیب بھی جناب آزاد کی نگرانی مین ہوتی ہے - اسکے اجرا کی سب سے بڑی غرض بچون مین علمی اور اخباری شوق پیدا کرنا - اور ان امور کی اصلاح کرنا ہے جو طالب علم کی زندگی کے لئے نقصان دہ ہین - مضامین کے لحاظ سے بھی یہ رسالہ اچھا ہے اور امید ہے کہ اگر یہ اسی طرح ترقی کرتا رہا تو آگے چلکر انشاء اللہ اسکو خاص درجہ امتیاز حاصل ہوگا ۲۰x۲۶/۸ کے ۴۴ صفحون کا اسکا حجم ہے قیمت عوام سے ۱۲/ طلبہ سے ۱۲/ سالانہ ہے فی پرچہ ۴ ر کو فرید احمد صاحب نقوی منیجر رسالہ طالب علم مولوی گنج لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتا ہے - ہم دعا کرتے ہین کہ ان بچون کی محنت مفید ثابت ہو - ان مین استقلال کے ساتھ شوق جاری رہے - ملک اسکی قدر کرے طلبہ لبیک کہین - اور ہمیشہ یہ ترقی کرتا ہوا نظر آئے

اڈیٹر

جلد | اگست سنہ ۱۹۲۶ء | نمبر ۸

مرقع

ناطق ۱۹۲۶ء لکھنوی

کلام الملوک ملوک الکلام

نعت شریف

طبعزاد اعلیحضرت ہز اگزالٹیڈ ہائینس سپہ سالار مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب میر عثمان علیخان
بہادر فتح جنگ جی سی ایس آئی تاجدار دولت آصفیہ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و اقبالہ

درد دل را چون دوائی یا حبیب
چون [illegible] دل [illegible] یا حبیب

از ہزاران [illegible] بر تو دیدہ ام
بر در تو جبہہ سائی یا حبیب

وقت مردن جان بآسانی دہم
روئے خود را گر نمائی یا حبیب

باعث آہ و فغانِ من شدہ
بیکسی و نارسائی یا حبیب




چون تو شافع داد عثمان را بحشر
ہست این شانِ خدائی یا حبیب

سے بھی قلم اس لئے مونث نہین کہ تانیث کی علامت سے وہ معرا ہے اور مقررہ قواعد کی رو سے اُسکے لیے مونث کا اطلاق بھی روا نہین ہوسکتا۔

ب۔ وہ غیر ذی روح اشیا جنمین منجملہ علامات تذکیر و تانیث کے کوئی علامت موجود نہین اور اُنکی تذکیر و تانیث کیلیے کوئی قاعدہ بھی مقرر نہین، مگر استعمالاً وہ بعض مذکر۔ اور بعض مونث ہین اُنہین کو مذکر اور مونث سماعی کہتے ہین۔ اور یہی مذکر و مونث کی وہ قسم ہے۔ جسکے تحت مین قلم کی تذکیر و تانیث کی یہ بحث بھی آسکتی ہے۔

اس سے ہم بے خبر نہین ہین۔ کہ ملک کی جن آبادیون کی زبان اُردو نہین ہے لیکن اُنہین اُردو بولی۔ اور سمجھی جاتی ہے، زیادہ تر اُنہین مین ایسے لوگ موجود ہین جنکی زبانین قلم کو مونث بولتی ہین۔ لیکن وہ ٹکسال باہر عوام کا فرقہ ہے۔ زبان کیلیے اُنکی بول چال سنداً استعمال نہین کیجا سکتی سند کیلیے جو زبان معتبر ہے وہ صرف ثقات کی زبان فصحا کی بول چال۔ اور مستند شعرا کا کلام ہے۔

ہم لغت کیلئے سند میں [illegible] فصحا کی زبان لیتے ہین دہلی کی زمین اُردو کی پرورش کا گہوارہ۔ اور لکھنؤ کی فضا اُسکی نشوونما کا مرکز ہے۔ اور ان دونون مقامات کے مشاہیر اور مستند اساتذہ نے قلم کو بالاتفاق مذکر کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔

منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی مرحوم۔ اور نواب مرزا خان صاحب داغ دہلوی مغفور شعر و سخن کے دور آخر مین سپہر سخن کے آفتاب و مہتاب اور فن کے مسلم الثبوت امام تھے۔ زبان کیلئے انکا کلام بالاتفاق مستند اور بالکل صحیح معیار کا حکم رکھتا ہے۔ بزم سخن کے ان دونون محترم اور باکمال صدرنشینون نے قلم کا استعمال مذکر کی حیثیت سے کیا ہے۔ مثالین اسکی اُنہین کے کلام سے یہ ہین۔

امیر مینائی

صفحۂ دہر پہ صورت گر قدرت نے امیر اسکی صورت وہ بنائی کہ قلم توڑ دیا

داغ دہلوی

عدوے سامری فن دیکھے اعجاز رقم میرا عصائے موسوی ہے حمد خالق مین قلم میرا

(۲) مونث سماعی کی جمع کا ایک عام قاعدہ یہ ہے کہ اسم واحد کے اخیر مین یائے مجہول۔ اور نون غُنہ کے اضافہ سے اُسکی جمع بن جاتی ہے۔ اسی قاعدہ سے تلوار کی جمع تلوارین۔ اور بندوق کی جمع بندوقین بنائی گئی ہے۔ جو لوگ قلم کو مونث سماعی کہتے ہین اُنکی راے مین اسی قاعدہ کے تحت مین قلم کے جمع (قلمین) ہوسکتی ہے۔ مگر وہ اہل زبان نہین۔ زباندان نہین۔ اُنکی زبان۔ زبان کیلیے معیار نہین۔ وہ عوام اور مرفوع القلم لوگون کا ناقابل اعتنا گروہ ہے۔ ثقات کی بول چال مین فصحا کے محاورہ مین۔ اور مشاہیر شعرا کے مستند کلام مین۔ قلم کو مونث نہین مذکر کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ وہ مذکور ہے۔ اور مذکر بھی سماعی ہے۔ یہی زبان ہے۔ اور اسی پر اہل زبان کا عمل ہے۔

اسم جنس۔ واحد مذکر سماعی کی جمع کا ایک عام قاعدہ یہ مقرر ہے کہ اُس پر جب حرف عامل یا تابع عامل آتا ہے۔ تو واؤ مجہول۔ اور نون غُنہ جمع کی علامت ہوتی ہے۔ اسی قاعدہ سے واؤ مجہول اور نون غُنہ کے اضافہ سے قلم کے لفظ مین تصرف کرکے اُسکی جمع (قلمون) بنائی جاتی ہے۔

لیکن اگر حرف عامل۔ یا تابع عامل کی وجود کی یہ صورت نہو تو واحد اور جمع کی حالت استعمالاً بالکل یکسان ہے۔ اور تذکیر کی شکل مین جمع کی ضرورت ہرگز شرط نہین۔

اسلئے بقاعدہ تانیث یائے مجہول۔ اور نون غُنہ کے اضافہ سے اسم جنس واحد مذکر کے لفظ مین تصرف کرکے قلم کی جمع (قلمین) بنانیکی ضرورت نہ تھی۔ اور درحالیکہ فقرہ زیر نظر مین حرف عامل یا تابع عامل موجود نہ تھا تو اُسکی صحیح

عبارت اس طرح ہو سکتی تھی۔

مختلف قلم مرتب کرینگے

جناب ساغر سے اور اُنکی ادبی قابلیت سے ہم واقف ہین اور ہم یہ جانتے ہین۔ کہ وہ رنگین طبع، مرصع فکر۔ اور اپنے رنگ کے جدید طرز نگارش ہین۔ اُردو کے ایک شگفتہ نگار ادیب ہین۔ حسن ظن کیلئے گنجائش ہے۔ کہ قلم کی تانیث کا یہ اجتہاد اُن کا ادبی اعتقاد نہو۔ اور پیمانہ بکف رسالہ کے رئیس تحریر کے باکیف قلم کی یہ محض ایک لغزش مستانہ ہو۔ اور بسبب اُس کا موسم کا یہ فردوس نثار منظر ہو۔

ابر است و بہار است و ہوا ہم مزہ دارد   برخیز کہ لغزیدن پا ہم مزہ دارد

لفظ کی جمع کے متعلق مین نے صراحت کے ساتھ کچھ اس لئے نہین لکھا کہ قلم اور لفظ کی حالت بالکل یکسان ہے اور یہی جواب اُس سوال کا بھی ہو سکتا ہے جس کا تعلق لفظ۔ اور اُسکی جمع سے ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران   گفتہ آید در حدیث دیگران

افکار تازہ

جناب سید اسرار حسین صاحب رضوی بلگرامی متخلص بہ اثرؔ

کچھ اور ہی عارف کو جلوا نظر آتا ہے   دنیا کا ہر اک ذرہ دنیا نظر آتا ہے

دل جانے جو کچھ دیکھا اُسنے تری خلوت مین   آنکھونکو تو پردا ہی پردا نظر آتا ہے

کچھ بوندین لہو کی ہین یون تو دل عاشق مین   طوفان مین ہر قطرہ دریا نظر آتا ہے

وحشت کے مناظر یون آنکھون مین سما ہین   یان عرصۂ محشر بھی صحرا نظر آتا ہے

جس نقش کو بھی دیکھین صورت ہے مصور کی   انداز نگر کچھ کچھ بدلا نظر آتا ہے

وہ دیکھتے ہین پہرون اب مجکو کنکھیون سے   ان وزن مقدر کچھ سیدھا نظر آتا ہے

دنیا نہین اک مین ہی عالم ہی الگ مین نہین دنیا   اُف کیا نظر آتا ہے۔ کیا کیا نظر آتا ہے

دم توڑ دیا شاید دنیا کی امنگون نے   جس دل پہ نظر کیجے لاشا نظر آتا ہے

حسرت ہے لگا ہو مین اک زہر ہے آہو مین   تیور سے اثرؔ مجکو شیدا نظر آتا ہے

جناب فرخ بنارسی

رہ رہ کے چھیڑتی ہے کسی کی نظر مجھے   ملنے لگی ہے لذت دردِ جگر مجھے

اب ہون وہان جہان نہین اپنی خبر مجھے   عالم وہ ہے کہ کچھ نہین آتا نظر مجھے

ہر گام پر ہے جلوۂ رنگین کی دلکشی   کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے

دیکھا اُٹھا کے پردۂ دیر و حرم مگر   آیا نظر نہ جلوۂ حیرت اثر مجھے

پا کر فریب خوردۂ نیرنگی بہار   آ آ کے چھیڑتی ہے نسیم سحر مجھے

تو ہی بتا قریب ہون یا تجھ سے دور ہون   اب تیری جستجو مین نہین کچھ خبر مجھے

رسوا نہ میرے ذوق تماشہ کو کیجیے   دکھلائیے جمال جو دی ہے نظر مجھے

مین گر رہا ہون آج کسی کی نگاہ سے   اٹھکر ذرا سنبھال لے دردِ جگر مجھے

فرخؔ فریب جان ہے حسن مجاز کو   بیتاب کیون کرے مرا ذوقِ نظر مجھے

غزل مسجّع

از نتائج افکار

جناب حاجی محمد مصطفا خان صاحب اصطفا مالک رسالہ نظر

کارخانۂ اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

دل جو مرا فگار رہے محوِ رخِ نگار رہے — چشم جو اشکبار رہے حسرتِ دیدیار رہی

جس پہ چمن نثار رہے وہ مرا گلعذار رہے — جو مرے دل کے پار رہے تیرِ نگاہِ یار رہی

اُسکو نہو گی کیا خبر عشق مین ہی بڑا اثر — جس نے پھرایا در بدر جس پہ یہ دل نثار رہی

صبر سے کام گو لیا پھر بھی یہ راز کھل گیا — تیری جفا مری وفا دہر مین آشکار رہی

ملتا ہی کون بے سبب عشق کے ہین شریک سب — وقت پڑا جو آکے اب کوئی نہی غمگسار رہی

دل مین چھپا ہو جب کوئی پھر ہو پسند کیون دوئی — روح لطیف جب ہوئی جسم بھی اُسکو بار رہی

آتشِ غم سے دل جگر جل گئے جب نہ لی خبر — اب مرے حالِ زار پر کیون کوئی اشکبار رہی

کہتا ہین اپنے منھ سے کیا تمنے نہ غور خود کیا — کوئی تو بات ہی بھلا یون جو یہ بیقرار رہی

منھ جو کفن سے ہی چھپا عاشقِ نامراد کا — آپ کہین گے بیوفا اس لئے شرمسار رہی

درد سے ہون مین بیقرار زیست ہوئی ہی ناگوار — تیر نگاہِ نازِ یار جب سے جگر کے پار رہی

جلنے دیا جو اصطفا تم نے بڑا غضب کیا
قول و قرار کا بھلا یار کے اعتبار رہی

اضغاث احلام

وحدتِ وجود اور تصوف اسلام

جمعے متفکر اند در مذہب و دین ☆ جمعے متحیر اند در شک و یقین
ناگاہ منادی برآید ز کمین ☆ کاے بیخبران راہ نہ آنست و نہ این

انسانی ارتقاء کی تاریخ مین فلسفۂ مذاہب کی کشمکش اور بالخصوص فلسفۂ الہیات کا غائر مطالعہ انسانی دماغ کے واسطے گوناگون دلچسپی اور حیرت انگیز بحث کا موضوع ہے ابتدائے آفرینش سے یا یون کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کہ اس زمانہ سے جبکہ انسان کو اپنے متقدمین کے حالات کا علم ہوا۔ انسانی ادراک نے اس وادی بے پایان کی صحرا نوردی مین مختلف پُرخار و دشوار گزار مدارج و منازل کو طے کرنیکے بعد جہان وہ اپنی قوت متخیلہ کے انتہائی پرواز سے عاجز آکر لا احصی کہنے پر مجبور ہوا ہے۔ اپنی اور محض اپنی تسلی اور جذبۂ دقیقہ کاوی کی تسکین کے واسطے ایک خاص عقیدہ ضرور تسلیم کر لیا ہے۔ گو وہ اپنی نوعیت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے دیگر اشخاص کے عقائد و خیالات سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہی کیون نہ ہو۔ ہر فلسفی اسرار عالم کی تفصیل مین بمصداق ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔ ایک جداگانہ مسلک رکھتا ہے۔ اور محض اپنی خودسری کیوجہ سے اپنے مخالفین کو جو اس کے خیال سے متفق نہین ہین۔ گمراہ اور بیوقوف سمجھتا ہے۔ بعض عرفی شیرازی کی آواز مین صرف اتنا کہدیتے ہین کہ ؎ صد کنہ تو با درک نباید دانست۔ این سخن نیز باندازۂ ادراکِ من است۔ یا اس کے آگے بڑھے تو حافظ شیرازی کی زبان سے یہ ادا کرتے ہین کہ ؎ برو اے زاہد خود بین کہ ز چشم من و تو۔ راز این پردہ نہان است و نہان خواہد ماند۔ ہمکو اسوقت فرقۂ لا ادریہ کے خیالات سے بحث نہین جو اپنے انتہائی تحقیق و تجسس کے بعد صرف اسقدر پر پہنچے ہین کہ معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد یا فرقۂ سوفسطائی سے جو کہ اعیانِ عالم کی حقیقت ہی مین کسی بات کا وثوق و یقین کے ساتھ پتہ نہین دیتے۔ بلکہ ہر بات کا مشکوک اور شبہہ آمیز جواب دیتے ہین۔ بلکہ ہم کو اُس طبقہ کے خیالات سے غرض ہے۔ جو اپنے عقائد کو مسلمہ طور سے بالاعلان بنی نوع انسان پر تلقین کرنیکے لئے تیار ہے۔ بلکہ اصلی مضمون مین ہمکو اسوقت صرف اپنے ان خیالات کا جنکو اضغاث احلام سے موسوم کرنا انسب و اولیٰ ہے۔ اظہار کرنا مقصود ہے۔ ہماری یہ غرض ہرگز نہین کہ ہم اس تحریر سے کسی خاص مسلک کی تبلیغ یا دوسرے کی تردید کرین چونکہ اس روش کو ہم اپنے منزل ارتقاء سے فروتر سمجھتے ہین بلکہ محض آن اصحاب کی تفریح کے لئے جن پر عالم تنہائی مین اس قسم کے خیالات کا تلاطم ہوتا ہے۔ اور جو بالطبع فرض تحقیق و معاملہ کاوی مین مبتلا ہونیکی وجہ سے اس بات پر مجبور ہین۔ کہ کسی بات کو کافی غور و خوض کے ساتھ اپنی فہم و ادراک کے مطابق کئے بغیر تسلیم نہ کرین۔ ہم ذات باری تعالی کے متعلق جس کے سمجھنے پر تمام مذاہب کے اختلاف کا انحصار ہے مسئلہ وحدت وجود پر خامہ فرسائی کرتے ہین۔ ہمارے مخاطبین طبقۂ انام کے صرف وہ معدود اشخاص ہین۔ جن کو ایزد تعالی نے فلسفیانہ دماغ ودیعت کیا ہے۔ چونکہ دیگر حضرات کے واسطے ہماری تحریر ایسی ہی قابل تمسخر اور مضحکہ آمیز ہوگی جس طرح کسی شعر کا مفہوم اُس شخص کے واسطے جو جذبۂ سخن فہمی و حسن پرستی سے نابلد ہو۔

تمام مذاہب کا موضوع مشترکہ خدا یا ایک ایسی ہستی کا وجود ہے۔ جو سب سے بالاتر اور موجودات عالم کا اصل اصول مانا جاتا ہے۔ خدا کی ذات و صفات کو مختلف طریقون پر تسلیم کرنیسے مذاہب کے عقائد مین تباین و تغائر واقع ہوتا ہے۔ خدا اور بندے کی ہستی کو متحد خیال کرنا یا ان دونون کو جدا تسلیم کرنا تمام مسالک کی جنگ و جدال کا راز ہے۔

کسی مذہب کے فلسفہ مین جس قدر اعتراضات اور شکوک پیدا ہوتے ہین وہ
اکثر خدا کی ہستی کو کسی خاص طریقہ سے تسلیم کرنے پر ہوتے ہین۔ سب سے زیادہ
اہم اور دقیق مسئلہ ہر مذہب کے اعتقادات کے لحاظ سے مسئلہ جبر و قدر ہے
جسکی بنا پر خیر و شر جزا و سزا کی حدود قائم کیجاتی ہین۔ خدا اور بندے کے درمیان
ایک خاص امتیازی حالت بتائی جاتی ہے۔ فرقۂ جبریہ و قدریہ کے درمیان
جن کا وجود ہر قوم و مذہب مین مختلف نامون کے ساتھ پایا جاتا ہے عجیب
کشمکش رہی ہے۔ مگر فلسفیون کا زیادہ قابل قدر گروہ اپنے تحقیقات
کے انتہائی نزل پر بالآخر مسئلۂ جبر کو تسلیم کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو بظاہر
عوام کے معیار فہم سے خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔ مگر استدلال کی حد الحدود
پر پہونچنے سے انسان یہین پر آکر قیام کرتا ہے۔ چونکہ اس بات کو ہر شخص
مانتا ہے کہ انسان کا ہر فعل اس کے ارادے کا ماتحت ہے سب سے پہلے کسی
کام کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد عمل کی صورت اختیار کی جاتی
ہے۔ سب طبائع انسانی کا غائر مشاہدہ اور فلسفۂ جذبات کا عملی پہلو اس
امر پر کافی دلالت کرتا ہے۔ کہ انسان کا کوئی خاص ارادہ اس کے خاص
ماحول خاص اسباب و ذرائع اور خاص دماغی ساخت کے زیر اثر
ہوتا ہے۔ اور وہ دراصل اپنے ارادے پیدا کرنے پر بلا ان خاص وجوہ
کے قادر نہین۔ پس اسکے تمام افعال و اعمال اس کے اجزائے المو طبیعی
مین ہر معمولی سے معمولی حرکت کسی خاص قوت کے ماتحت ہے جامیان
وحدت وجود سے بہتر اس مسئلہ جبر کا قائل کوئی اور شخص نہین ہو سکتا۔

وحدت وجود کا خیال فلسفۂ ہند کی ویدانت فلاسفی مین بہت
وضاحت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جسکا مقولہ "اہم برہم ودیتے ماستے"
بالکل اسی خیال کا ترجمہ ہے۔ فلسفۂ یونان مین بھی اسکی کافی جھلک
نظر آتی ہے۔ اور فلسفیان یورپ بھی اپنی مادہ پرستی کے عقیدے
مین اسی کے ہمخیال معلوم ہوتے ہین۔ ہم اس وقت ان مختلف گروہون
کے عقائد سے بحث نہین کرتے۔ چونکہ فلسفۂ مذاہب پر تبصرہ کرنا غیر معمولی
طوالت سے خالی نہوگا۔ جو مضمون ہذا کے موضوع سے غیر متعلق ہے۔
ہم اسوقت صرف اسلام کے اُن متقدر اصحاب کے خیالات کا ذکر کرتے
ہین۔ جو خدا کی ہستی کو محض وحدت وجود کی صورت مین تسلیم کرتے تھے۔
اور جو اپنے خیالات کی تلقین مسلمانون کی کافی تعداد کو کرنیکے بعد اپنی
شخصیت کا اثر دنیائے اسلام پر مذہبی رکن ہونیکی حیثیت سے چھوڑ گئے
ہین نہ فلسفۂ شریعت اسلام مسئلۂ وحدت وجود کے بالکل خلاف ہے،
اور قرآن و حدیث اور فقہ مین اس کے مطابق کہین تعلیم نہین پائی جاتی
مگر تاہم سالکان طریقت کا ایک بڑا گروہ قرآن و حدیث کی تعلیم پر
ایمان رکھتے ہوئے وحدت وجود مین راسخ العقیدت نظر آتا ہے دراصل
شریعت و طریقت کا خاص خدا کی ہستی کے متعلق جو مذہبی عقائد کا
پہلا زینہ ہے۔ اتنا زبردست تباین و تضاد چشم حقیقت بین کے نزدیک
خالی از علت نظر نہین آتا۔ مگر بقول حافظ شیرازیؒ کے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز　　ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

نظام عالم و تمدن کے مصلحت سے عوام کو اسرار موجودات کی بابت
تعلیم دینے کا طریقہ حقیقت اور خاصان بارگاہ کے اصول باطنی سے
بالکل مختلف اور متغائر نوعیت کا ہوتا ہے۔ چونکہ تمام دنیا کے گوناگون
طبائع کے واسطے کسی بات کو ایک ہی طرح سمجھانے سے اصلی مطلب کے
فوت ہونیکا اندیشہ ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کے بعد بچہ کے دماغی
اور ذہنی ارتقاء کے مختلف مدارج و منازل کو چشم حقیقت بین سے فلسفہ
جذبات کے دقیق ترین اصول کے مطابق معائنہ و مشاہدہ کرنا جس سے
بچہ کے مختلف خیالات و عقائد کا پتہ چلتا ہے۔ اس امر کی بین دلیل
ہے۔ کہ انسان اپنے دماغی نشو و نما کی ابتدائی حالت مین اپنے جذبات
خوف و خطر کو محض فرضی ہیبت ناک موجودات کے تصور سے اور
جذبات امید و رجا کو صرف معمولی اور ادنیٰ ماکولات ملبوسات کی
طمع سے برانگیختہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بچہ کو ڈرانیکے واسطے کسی فرضی

خوفناک نام کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ اور اسکو کسی کام پر آمادہ کرنیکے لئے معمولی کھانے پینے کی چیز کا لالچ دینا بہترین تدبیر ہے۔ مگر جس قدر تجاوز عمر واضافۂ تجربہ و معلومات کے ساتھ ذہنی قوا مین ترقی ہوتی جاتی ہے۔ وہ اپنے گزشتہ خیالات کو خیرباد کہتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر ہر درجۂ ارتقاء پر اسکو اپنے دیرینہ عقائد قابل تمسخر و مضحکہ معلوم ہوتے ہین۔ خدا کی ہستی کا خیال بھی انسان کے دماغ مین صدہا مختلف طریقون سے آتا رہا ہے۔ اور ہر وہ چیز جو اُس کے دل مین حیرت و استعجاب کا ولولہ پیدا کرتی تھی۔ اس کے نزدیک خدا کہلاتی تھی۔ مثلاً زمانہ قدیم مین پہلے انسان نے سورج کو جو اپنی عالمگیر ضیاء و منفعت کے لحاظ سے ایک نہایت تعجب خیز چیز تھی اپنا خدا تسلیم کرنا شروع کیا۔ اسکی طرف قرآن پاک مین بھی اشارہ ہے۔ فلما رای الشمس بازغا قال ھذا ربی ھذا اکبر اس کے بعد آگ ہوا۔ پانی۔ بادل۔ بجلی۔ پہاڑ۔ مختلف حیوانات و انسانات غرض بے شمار صورتون مین اس ہستی کا وجود تسلیم کیا گیا مگر جب دنیا نے اپنے عالم طفولیت سے نکل کر سن شعور و تمیز مین قدم رکھا۔ تو خدا کی ہستی مرئیات کے حدود سے بالاتر ہو کر غیر مرئیات کے دائرہ سے وابستہ ہوئی۔ اور مادہ کے ساتھ روح کا خیال بھی پیدا ہوا۔ اور اس سے بھی زیادہ لطیف و غیر محسوس حالت مین خدا کا وجود تسلیم کیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد صدہا قابل قدر انسانون کے طویل و مدید مغز کاوی نے ازل و ابد کا راز سمجھنے اور سمجھانیکے لئے بے شمار خاکے کھینچے۔ جن مین سے اکثر نقش بر آب ہو کر رہ گئے۔ اور اکثر موجودہ زمانہ تک اپنے منصوبون کا نشان زندہ دماغون مین دیتے ہین۔ مگر ؎

کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معما را

فغانی شیرازی نے خوب کہا ہے۔

آنکہ این نامۂ سربستہ نوشتہ است نخست		گرہے سخت بہ سر رشتۂ مضمون زدہ است

حافظ شیرازی بھی یہی خیال رکھتے ہین۔

کس ندانست کہ منزلگہ مقصود کجا است		این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

بہرحال حقیقت جسکی تلاش مین تمام مذاہب سرگردان ہین۔ ایک سے زیادہ نہین ہو سکتی۔ مگر ہر مذہب اپنی حقیقت مفہومہ کو حقیقی سمجھتا ہے اور اسکے مخالفین کو جہالت اور لاعلمی سے متہم کرکے قابل نفرت و حقارت خیال کرتا ہے۔ حالانکہ تجسس و تفتیش کی غائر نظر سے دیکھنے پر دنیا مین کوئی دو شخص حقیقی معنون مین ایک مذہب کے ماننے والے نہین مل سکتے چونکہ ہر انسان کا مطمح نظر نقطۂ خیال اور دماغی ساخت دوسرون سے اسقدر جداگانہ واقع ہوئی ہے۔ کہ کسی چیز کا ایک اور بالکل ایک طریقہ سے دیکھنا یا سمجھنا قطعی ناممکنات سے ہے۔ بدینوجہ مختلف مذاہب کی جنگ و جدل اور باہمی نزاع و تفرقہ کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا مولانا روم نے چار مختلف زبانون کے مسافرون کی جنگ کا ذکر اپنی مثنوی مین انگور خریدنے کی بناپر کیا ہے۔ یا یون سمجھئے کہ مختلف شیشون کے عینک لگا کر کسی مرئی چیز پر رائے قایم کرنے سے جو اختلافات مختلف آدمیون مین ہو سکتے ہین وہی حالت مذاہب کے اختلافات کی ہے ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ		چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

مذہبی اختلافات کے ذمہ دار زیادہ تر وہ اصحاب ہین جو محض اپنے خود غرضی شہرت پسندی اور جاہ طلبی کے جذبہ سے مجبور ہو کر قوم کی فلاح و بہبودی اور عوام کی اصلاح و نجات ابدی کے مغالطہ مین اپنے زمانہ کے طرز خیالات مین کسی نئی تبدیلی کا باعث ہوئے ہین۔ کسی فلسفی شاعر نے تنگ آکر خوب کہا ہے ؎

کفر و دین رابہر از یاد کہ بین فتنہ گران		در بر آموزی مصلحت اندیش خود اند

اور بجائے اسکے کہ وہ نظام عالم کو درست تر کرنے کے لئے مختلف گروہون کو متحد و متفق بنانے مین کامیاب ہوئے ہون۔ وہ اپنے دعوے کے خلاف موجودہ فرقون مین ایک اور فرقہ کا اضافہ کر گئے ہین اور ہر ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھ رکھنے والا مذہبی مقلد اپنے مفہومات ذہنی کے متعلق ایسا ہی یقین واثق رکھتا ہے جس طرح محسوسات خارجی کے بابتہ۔ حالانکہ فلسفہ کے انتہائی مدارج مین

معمولی سی معمولی چیز کی بھی حقیقت سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

مگر وحدت وجود کے مسئلہ کو تسلیم کرنے پر انسان فلسفۂ الٰہیات کی بہت سی پیچیدگیون سے نجات پالیتا ہے۔ اور بالخصوص جبر و قدر اور خیر و شر کا عقیدۂ لاینحل ایک حد تک معقول طریقہ سے حل ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل جس خوبی کے ساتھ مسلمان صوفیائے کرام کے فارسی کلام مین پائی جاتی ہے وہ اس موضوع پر مفصل اور مبسوط کتابون کی تحریر سے زیادہ واضح اور موثر ہے۔ چنانچہ تصوف کی آخری منزل فنافی اللہ بالکل اسی خیال کی یقینی حالت کا نام ہے حضرات موصوف نے اپنی متبرک اور قابل قدر شخصیت و روحانی تصرف سے اپنی زمانہ مین اور اپنے بعد دنیا پر جو حیرت انگیز اثر پیدا کر کے اکثر طبقات انام کو اپنا مسخر و معتقد بنا یا۔ اس سے ہمکو اسوقت کچھ بحث نہین۔ چونکہ عوام کی تقلید و کثرت رائے ہمارے نزدیک کسی مسئلہ کی تصدیق و تکذیب کے واسطے کوئی طمانیت بخش ثبوت نہین ہے ؎

زبسکہ پیروی خلق گمرہی آرد   نمی زدیم براہے کہ کاروان رفتہ است

بلکہ ہم اسوقت ان بزرگان قوم کے خیالات کو فلسفہ کے معیار پر تولکر ان کے معقول و نامعقول ہونیکا ذکر کرتے ہین۔

فلسفۂ تصوف کے مطابق دنیا مین صرف ایک ہستی کا وجود ہے۔ سوائے اوس کے کسی دوسری چیز کا وجود ناممکن ہے۔ صرف وہی ایک واجب الوجود ہستی جو خدا کے نام سے موسوم کیجاتی ہے۔ تمام موجودات عالم مین اپنا جلوہ مختلف مظاہر اور صور مین اور اپنا اثر بے شمار گوناگون محسوسات و مدرکات مین ظاہر کرتی ہے مادہ۔ روح اور خدا تینون ایک ہی وجود کی مختلف حالتون کے نام ہین۔ تمام عالم مین صرف خدا کا وجود ہے۔ اور اسکی کوئی خاص جگہ معین نہین وہ خود انسانون کے قالب مین اپنے مختلف حالتون کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور خود اپنی بابت بے تعداد خیالات کی صورت مین مبدل اور متغیر ہوتا ہے غرض اس قسم کے عقائد جن کا اصل اصول صرف ایک ہستی کا وجود تسلیم کرنا ہے۔ فلسفۂ تصوف کے بنیاد ہین۔ فارسی کے اکثر شعرا جو صوفی اور ولی کامل ہونیکے علاوہ اپنی ابتدائی زمانہ مین فلسفہ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اپنے کلام مین نہایت وضاحت کے ساتھ وحدت وجود کی تلقین کرتے ہین حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر، حکیم سنائی، اوحدی اصفہانی۔ خواجہ فریدالدین عطار۔ عمر خیام۔ مولانائے روم۔ شیخ سعدی عراقی۔ حافظ شیرازی۔ امیر خسرو۔ نظامی گنجوی۔ جامی فارسی کے فلسفی شعرا کی فہرست مین سے چند وہ نفوس قدسیہ ہین۔ جن کے کلام مین وحدت وجود کی ایسی طول تفصیل ہے کہ محض اون کے اشعار سے اس بحث پر متعدد کتابین لکھی جاسکتی ہین۔

قانون شریعت کے مطابق حضرت منصور کو محض اسوجہ سے سزائے صلیب کا مستوجب قرار دیا کہ انہون نے انا الحق کہکر اپنی ہستی اور خدا کی ہستی کو واحد ہونے کا ثبوت دیا اور اسی خیال نے حضرت شمس تبریز کو قم باذنی کہنے پر مجبور کیا مگر خواجہ فریدالدین کے نزدیک اس مین کچھ عیب نہ تھا چونکہ قم باذنی و قم باذن اللہ۔ ہر دو یک نغمہ آمد از لب یار۔ بلکہ اس سے تجاوز کر کے یہانتک پہونچے ہین کہ

ہر کہ از وے نزد انا الحق سر   او بود از جماعت کفار

ایک قانون کے مطابق ایک شخص ایک عمل پر واجب القتل قرار دیا جاتا ہے مگر دوسرا قانون اوسی عمل کے ترک کرنے پر سزا تجویز کرتا ہے۔ جو بات شریعت مین کفر ہے فلسفۂ تصوف مین ثواب ہے۔ جو شریعت مین شرک ہے طریقت مین عبادت ہے۔ اپنی حقیقت کا معلوم کرلینا جسکا نتیجہ اپنی ہستی کو فنافی اللہ کر کے خدا سے وصال حاصل کرنا ہے دراصل وحدت وجود کی تسلیم کا عملی پہلو ہے۔ خواجہ عطار کہتے ہین۔

آنچہ می جوئید بیرون دو عالم آن شمائید   خویش را یابید چون این پردہ از ہم برکنید

خالق و مخلوق۔ بندہ و خدا کی تفریق اسوقت تک قائم رہتی ہے جب تک انسان قوانین و رسوم ظاہری کے پابندی کو جو مصلحتاً محض عوام کو ایک سلسلہ مین منضبط و منسلک کر کے جذبۂ عمل کو ترقی دینے کے واسطے ایجاد

عاید کی گئی تھی راز کونین کی اصلیت قرار دیتا ہے مگر جب غور وفکر کی انتہائی منزل تک رسائی ہو جاتی ہے تو دنیا مین صرف ایک ہستی کا وجود طاری وساری معلوم ہوتا ہے اور یہی تصوف وطریقت کی روحانی ترقی مین آخری مرتبہ ہے۔ اس وجہ پر ہو بجکر وہ سب کچھ جانتا ہے اور کچھ نہین جانتا خدا کی ہستی کا ایک جزو ہے مگر عوام کی فہم کے موافق مکان وزمان کا تعین کرنے سے عاری ہے اور بیساختہ یہی کہتا ہے کہ ؎

جہان از تو پُر و تو در جہان نہ   ہمہ در تو گم و تو درمیان نہ
خموشی تو از گویائی تست   نہانی تو از پیدائی تست
ترا با ذرہ ذرہ راہ بینم   دو عالم تم وجہ اللہ بینم
خدا را جز خدا ایک دست کش نیست   کہ در خورد خدا ہم اوست کش نیست
درین معنی کہ من گفتم شکے نیست   تو بے چشمی و عالم جز یکے نیست

(خواجہ عطار) وحدتِ وجود کی اصلی تعلیم یہی ہے فلسفان عالم تمام عمر اسی تجسس مین سرگردان رہے کہ خدا کے متعلق کوئی تسلی بخش تحقیق کر سکین مگر فلسفۂ تصوف مین اسکی ترکیب نہایت آسان ہے یعنی اپنی ذات کے متعلق تحقیق کرنا دراصل خدا کی تحقیق کرنا ہے چنانچہ کہا ہے۔

گویند کہ کنہِ ذاتِ او نتوان یافت   ما یافتہ ایم این کہ کنہش مائیم

وحدت وجود کی تسلیم کا یہی نتیجہ ہے۔ وحدتِ وجود کی مثال عوام کی سطحِ فہم کے موافق آفتاب کی روشنی کی مانند ہے جو ہونے کے باوجود مختلف مقامات اور متفرق عکس پذیر مادیات۔ مثلاً پانی۔ شیشہ وغیرہ پر گوناگون طریقہ سے ضیا افگن ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کا وجود ایک اور بالکل ایک ہونے پر بھی اعیان موجودات کی بوقلمون اشکال وصور مین ظہور پذیر ہوتا ہے جس طرح روح انسان کے تمام جسم مین ہر ادنی سے ادنیٰ جزو بدن مین ساری وموثر ہے اور کوئی سر مو بھی اس کے وجود سے خالی نہ ہونیکے علاوہ کسی خاص مقام پر اسکا قطعی وجود متعین نہین اُسی طرح خدا کی ہستی دنیا کے ہر ذرہ مین موجود ہو کر اپنی تجلی کا مختلف انواع مین اظہار کرتی ہے اس سے بہتر توحید کا مفہوم دوسرا نہین ہو سکتا ایسی مضمون کو کسی صوفی شاعر نے نظم کیا ہے ؎

حق جانِ جہان است وجہان جملہ بدن   ارواح و ملائکہ حواس این تن
افلاک وعناصر و موالید اعضا   توحید ہمین است دگرہا ہمہ فن

فنا وبقا کا خیال اس سے زیادہ نہین کہ ؎

ہر دم بلباس دگر آن یار بر آمد   ہر لحظہ بشکل آن بتِ عیار بر آمد

ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت مین اپنے جلوہ کا اظہار کرنا عوام کے نزدیک انتقال ووفات ہے۔ مگر تصوف مین اسی حیات ہی کی دوسری حالت ہے۔ وحدت وجود کی تعلیم کے مطابق خیر وشر کا اطلاق مشہور معنون مین کسی عمل انسانی پر نہین ہوتا اور کسی چیز کو اچھا یا برا کہنا اس مسلک سے منحرف ہونے کا جرم کرنا ہے۔ سزا وجزا۔ ثواب وعذاب۔ نیک وبد محض ایک چیز کے مختلف نام ہین۔ جن سے ایک ہستی کے مختلف نیرنگیون کا پتہ چلتا ہے۔ جبر وقدر کا عقدۂ لاینحل اس خیال سے بڑی آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے شیطان ونفس امارہ کا خالق ومحرک ہی انہلے استدلال پر تمام علم اعمال سیئہ کا بانی قرار پاتا ہے۔ اس جبر وبیچارگی کی حالت کو تصوف اسلام مین، اس طرح ادا کیا ہے۔

ہر قطرہ کہ زد حکیم در بارۂ ما   کردیم و نبود غیر او چارۂ ما
بے حکمش نیست ہر چہ سر زد از ما   مامورۂ اوست نفس امارۂ ما
ابلیس چو در آدم و حوا نگریست   بنشست بہا و ہوئے بر خود بگریست
وانگہ بزبانِ حال با آدم گفت   ابلیس تو من بگو کہ ابلیس کیست

دنیا مین ہر عمل کا ایک سبب ضرور ہوتا ہے اور ہر سبب کسی دوسرے سبب کا ماتحت ہوتا ہے دوسرا سبب تیسرے سبب سے وابستہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح علل واسباب کی انتہائی حد وہ ہے جہ ہر آخری نتیجہ کا ذمہ دار سبب اولین یا سبب الاسباب قرار دیا جاتا ہے۔ پس بمقتضائے

والیہ ترجع الامور انسان کے ہر فعل کی ابتدائی وجہ مشیت ایزدی کے سوا دوسری چیز نہین ہوسکتی - مگر مذہبی اصول سے اس مسئلہ خیر و شر کو عوام کے سامنے مندرجہ بالا صورت مین پیش کرنا نظام عمل مین خلل ڈالنا ہے اسوجہ سے بیشتر ادیان و مذاہب نے اسکی تلقین ایک معقول تاویل کے ساتھ کی ہے اور پھر اس تاویل کو بے چون و چرا تسلیم کرکے مصلحت عمل کا اس قسم کے الفاظ مین اظہار بھی کر دیا ہے۔

حقیقت ہاے نیک و بد بہ شیر خفتہ می ماند　　　کہ عالم را زند برہم اگر دستے نہی براو

مگر عمر و خیام جیسے رند مشرب فلسفی اس راز کو فاش کئے بغیر نہ رہ سکے اور اپنے کلام مین بدین الفاظ اپنی معصومیت کا اظہار کر گئے ہے

از آب و گلم سرشتۂ من چہ کنم　　　دین پشم و قصب تو رشتۂ من چہ کنم

ہر نیک و بد کہ از من آید بوجود　　　تو بر سر من نوشتۂ من چہ کنم

سازندۂ کار مردہ و زندہ توئی　　　دارندۂ این چرخ پراگندہ توئی

من گرچہ بدم صاحب این بندہ توئی　　　کس راچہ گنہ چو آفرینندہ توئی

مسئلۂ جبر کی تائید مین حافظ شیرازی بھی اپنے جذبات کو ضبط نہ کرسکے مندرجۂ ذیل اشعار اس معاملہ مین کس قدر واضح ہین ہے

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست　　　انچہ استاد ازل گفت بکن آن کردم

برو اے ناصح و بر دُرد کشان خوردہ مگیر　　　کارفرمائے قدر می کند این من چہ کنم

مرا روز ازل کارے بجز رندی نفرمودند　　　ہران قسمت کہ آنجا شد کم و افزون نخواہد شد

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　　آنچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

وحدت وجود کے ہمہ گیر فلسفہ مین تمام عالم کے مختلف مذاہب ایک مسالک مین منضبط معلوم ہوتے ہین فلسفیانہ ارتقاء کی اس آخری منزل پر دیر و حرم کے اختلافات ہرگز بنائے مخاصمت ثابت نہین ہوتے بلکہ ہر انسان کا جداگانہ خیال و عمل حق کی تلاش و تسلیم کی مختلف صورتین معلوم ہوتی ہین اور ایک ہی سبب کا نتیجہ ہونیکی وجہ سے کسی تحسین یا نفرین کی مستحق نہین - مذہبی نزاع صوفی کی نگاہ مین کوئی وقعت نہین رکھتی وہ ہمیشہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے کہ ہے

در حیرتم کہ دشمنی کفر و دین چراست　　　از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

عارف ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر　　　پروانہ چراغ حرم و دیر ندانند

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　　چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

مجموعہ حقیقت کی محیر العقول پردہ نشینی جو اپنے حیلہ گزینی کے دور نامتناہی مین ہمیشہ اپنے ساتھ انسانی ادراک کے مساس کو بھی اپنی عفت پرستی کی پردہ دری خیال کرتی رہی ہے اور جو اپنے فداکاران جنون کیش کی لاعلمی و باہمی جدال کو اپنی تفریح و دلچسپی کا ذریعہ سمجھتی رہی ہے تمام موجودہ و گزشتہ اختلافات عقائد کا راز سربستہ ہے چونکہ دنیا کا وجود ہی اختلافات کی صورت پر منحصر ہے اسوجہ سے بادیۂ تحقیق و عرفان کا منزل شناس ان متلون کرشمہ سنجیون سے تنگ آکر بے ساختہ چلا اٹھتا ہے کہ۔

فقیہان دفترے رامی پرستند　　　حرم جویان رادیے رامی پرستند

بیفگن پردہ تا معلوم گردد　　　کہ یاران دیگرے رامی پرستند

سید عباس علی سبزواری (علیگ)

کلام شمیم

از جناب سید خلیل احمد صاحب ترمذی خلف حضرت وسیم خیرآبادی

سر قبر آکر گھٹا رو گئی　　　مری بیکسی کی بھی حد ہو گئی

شب غم سے بڑھکر ہے روز فراق　　　مجھے کیا خوشی جو سحر ہو گئی

وہ آئے ہوئے تھے مرے خواب مین　　　مین جاگا تو قسمت مری سو گئی

محبت مین کرتے ہی رسوا ہوا　　　مری ابتدا انتہا ہو گئی

شب غم اسے کیا لگی تھی شمیم　　　مرے حال پر شمع کیون رو گئی

تحقیقاتِ امیر

فن شاعری اور تحقیق مین جو کمال جناب منشی امیر احمد امیر مینائی مرحوم کو حاصل تھا اس سے ارباب علم و فن اچھی طرح واقف ہین اُسکی تصریح کی ضرورت نہین - امیر اللغات کی دو جلدین جو شائع ہو چکی ہین میرے اِس دعوے کی بین دلیل ہین لیکن افسوس منشی صاحب مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ لغت ناتمام رہگئی اور اُنکی تحقیقات زمانہ کے سامنے نہ آسکی -

میرا عرصہ سے خیال تھا کہ منشی صاحب مرحوم سے فن شاعری کے متعلق جو لوگون نے استفسار کئے ہین اور آپ نے اپنی تحقیقات جو جوابات دیے ہین اگر ملجائین تو ایک جگہ جمع کرکے شائع کردیجائین اتفاق سے میری نظر سے مکاتیب امیر مینائی مرتبہ جناب مولوی احسن اللہ خان صاحب ثاقب سابق مدیر رسالہ قند پارسی و پروفیسر وکٹوریا کالج گوالیار (حال مدیر رسالہ جامعہ دہلی) جو جناب منشی صاحب مرحوم کے نامور اور نہایت قابل تلامذہ سے ہین - گزرے اِس کتاب مین جناب ثاقب نے اپنے استاد جناب امیر مرحوم کے خطوط جمع فرماکر شائع کئے ہین جسکا دوسرا ایڈیشن بھی مع اضافہ و تہذیب و ترتیب جدید سنہ ۱۹۲۲ع مین شائع ہو چکا ہے

اِس کتاب کے مطالعہ کے بعد مجھے بہت سے ایسے خطوط ملے جنکا تحقیقات فن سے تعلق ہے - مین نے اس کتاب سے اُن خطوط کا انتخاب کرلیا جنمین اس قسم کے مضامین موجود تھے اور خطوط مین سے بھی صرف اُس عبارت کو لے لیا جسکی ضرورت تھی -

آج مین ناظرین مرقع کی خدمت مین اُس تحفہ کو پیش کرتا ہون مجھے امید ہے کہ اس سے بہت کچھ صاحبان فن و تحقیق کو فائدہ پہونچے اور میرا یہ انتخاب ملک کے لیے کار آمد ثابت ہو -

انشاء اللہ تعالی کسی اور نمبر مین اِسی قسم کے ہندوستان کے اگلے اساتذہ کی تحقیقات کا انتخاب پیش کرونگا -

وصل بلگرامی

نمبر ۱۹ صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲ -

بنام حکیم برہم صاحب ایڈیٹر مشرق گورکھپور -

حیدر آباد دکن - ۳ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ع -

داغ دل کے مرہم پیارے برہم - دعا سلام - اپنے سوالونکا جواب لو - بحر متقارب کی تخصیص نہین، ہر بحر سالم مین تسبیغ کراہت سے خالی نہین - محقق نصیر الدین طوسی نے معیار الاشعار مین اسکی تصریح کی ہے اور یہی محقق - بحر متقارب مین یہ شعر ؎

بیا لا نگارا چو آزادہ سروی ولیکن بر رخسار ما ننگ گلنار

لکھکر کہتے ہین " و این ناپسندیدہ است چہ حرف آخر از دائرہ بیرون ست "

اور متقارب مزاحف مین اہل فارس اور اہل اُردو نے تسبیغ کا استعمال کیا ہے اور اُسکو کسی نے مکروہ نہین جانا - حافظ ؎

گر تیغ بارد در کوی آن ماہ گردن نہادیم الحکم للہ

تقطیع مصرع اول فعلن فعولن فعلن فعولان تقطیع مصرع ثانی فعلن فعولان فعلن فعولان -

---

میر ؎ اب حال اپنا اُسکے ہی دلخواہ
کیا پوچھتے ہو الحمد للہ

مشقت کو محنت کو جو عار سمجھین — ھنر اور پیشے کو جو خوار سمجھین
میری راے مین یہ سالم ہی نہ مسبغ۔

قرَن بفتحتین صحیح ہی۔

انوری ؎ دو قرن از کرمت بر دو جہان برگ و نوا
تو چہ دانی کہ جہان بیتو چہ بی برگ تو ست

ما یُعَر کا استعمال خط و کتابت کیساتھ ہی جیسے کہین فلان شخص ما یعرہ ہی خوشنویس نہین اور کسی چیز کے ساتھ استعمال مین نے نہین سُنا۔

بحر نے جو ایک شعر مین ؎
اب مجھ سے الیتام کی باتین نہ کیجئے — دل تم سے چھٹ گیا جگر افگار ہو گیا
مصرع اولیٰ مین کیجئے کیساتھ خطاب کیا ہی اور دوسرے مصرع مین تم سے یہ بحر پر موقوف نہین بلکہ اُس زمانے تک اکثر معاصرین بحر جن کا شمار اساتذہ مین ہی اسکے تارک تھے، اِن کے بعد متاخرین نے اس اختلاف خطابات سے احتراز کیا۔ مین بھی اُنھین تارکین مین ہون ۔۔۔ امیر فقیر

بنام جناب حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی
نمبر ۲۷ صفحہ ۱۲۹

پیارے کوثر۔ سلام و دعا کے بعد مدعا نگار ہون۔۔۔۔۔۔۔
"گھرَٹنا" اور "گرٹھنا" دونون صحیح ہی۔ مگر گرٹھنا" شعراء کے کلام مین نہین پایا۔ فصحاے لکھنؤ گھرٹنا کو ترجیح دیتے ہین
رشک مرحوم نے جب گھرٹی نہین اور چھرٹی نہین طرح کی تھی۔ تو مجھے یاد آتا ہی کہ شعراء نے گھرٹی نہین بھی ان معنون مین کہا تھا۔
رشک مرحوم کا شعر یہ ہی ؎
ڈھالے ہوئے ہین سانچے مین یہ بھی بدن کی طرح
ہرگز سُنار نے ترے زیور گھرٹے نہین

اور چھرٹے بمعنی تنہا البتہ مین نے لکھنؤ مین فصحاء سے نہین سُنا۔ اور کلام مین بھی نہین دیکھا۔
"موتی کی لڑی" کی سند آپ نے ایسی دی ہی کہ اب مین اسمین کچھ کلام نہین کرسکتا۔ جنھون نے مجھکو منع کیا تھا جب اُنھین کے یہان موجود ہی تو مجھے کیا تامل ہی۔ ۔ ۔ ۔ امیر فقیر۔ بقلم دیگرے

بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی
نمبر ۳۲ صفحہ ۱۳۷

رام پور۔ ۹۔ اگست سنہ ۹۳ء
محبی و مشفقی زاد عنایتکم۔ سلام مسنون اخلاص و دعا مشحون۔۔۔۔۔
آپ نے جو امیر اللغات کو شروع سے آخر تک دیکھا اور اُسکی بعض فرو گزاشتون سے مجھے مطلع کیا مین اسکا شکر گزار ہون۔ بیشک کاتب نے غلطی کی اور تصحیح کرنیوالے بھی چوک گئے۔ جو بحر کے شعر مین بچھوا کی جگہ پہونچا چھپ گیا۔
اچھا اچھا کی مثال سخی کا شعر بیشک بہت مناسب اور اچھا تھا مگر اول تو سخی مستند اُستادون مین نہین ہین دوسرے آجتک اُنکا کلام لغت مین نہین دیا گیا
"ایک تنکے کا شرمندہ ہونا" مین منیر کا شعر ضرور دیا جاتا۔ اگر پہلے سے ملتا۔ اتفاق کی بات ہی کہ استقرار سے یہ شعر رہ گیا۔
"ماویر سویر" فصل الف مع الواو مین لکھا گیا ہی۔ آپکی نظر اُس پر نہین پڑی اب ملاحظہ کر لیجئے۔ امیر۔ فقیر

بنام جناب حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی
نمبر ۲۹ صفحہ ۱۳۳

پیارے کوثر۔۔۔۔۔۔۔۔
محاورات و لغات کی تحقیق کیواسطے مخزن المحاورات و گلشن فیض کسی قدر مفید ضرور ہین مگر غیر محقق کو دھوکا دینے مین بھی یہ کتابین اُستاد ہین۔۔۔۔
امیر فقیر

بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر خیرآبادی

نمبر ۳ صفحہ ۱۴۴　　رام پور ۸ مارچ ۱۸۹۸ء

بھئی حکیم صاحب۔ سلام مسنون دعا مشحون......

"بھانا" پسند آنا کے معنی مین اگلی زبان ہی اب میرے نزدیک بھی مستحسن الترک ہی۔

"مہین" مین ہی کی جگہ بول چال مین چاہے آجاتا ہو مگر کسی معتبر کلام مین اب تک نظر سے نہین گزرا حکم اسکو استعمال کا نہین دیا جاسکتا حضرت اسیر مرحوم کی نظر سے آپ کے شعر مین نہین معلوم کیونکر رہگیا۔ اور مین نے بھی اِسے دیکھا تو سوا اپنے سہو نظر کے اور کیا کہا جائے۔

"انکھڑیان" چشم معشوق کیلئے مخصوص ہی اور یہ لفظ مجھے پسند نہین ہے

"بھدنا" لفظ نہین ہی بلکہ بدھنا ہی اور سرایت کرنے کے معنی مین مستعمل ہی، صبا ؎

شو جسکا ہی وہ ہی عشق جنون زا دلین　　بدھ گیا ہی نمکین حسن کا سودا دلین

"ایجاد" مذکر ہی سند کے شعر ذیل مین دیکھئے۔ آجکل اس لفظ کی تذکیر و تانیث مین بحث چھڑی ہوئی ہی، اخبارون مین مضامین دیکھے جاتے ہین جابجا سے میرے پاس استفتے آتے ہین، سنا جاتا ہی کہ نواب مرزا خان صاحب داغ کا قول ہی کہ دلی مین مونث ہی مگر کلام مین کہین مونث کا پتا نہین چلتا۔ اگر ایک معتبر شاعر نے بھی مونث کہا ہوتا تو کہا جاتا کہ مختلف فیہ ہی اور بغیر کلام مین آئے ہوئے کہین کہین بول چال مین ہونا کافی نہین ہی نسیم دہلوی ؎

قمریہ آیا ہی دینے کو مبارکباد گل　　یہ نیا ایجاد ہی میرے ستم ایجاد کا

میر ؎　　یہ تازہ لگا ہونے ایجاد گلستان مین

راتون کو گیا ہے صبا دگلستان مین

اگرچہ اس شعر مین ایجاد کا لفظ جس صورت سے آیا ہی وہ سند کے لیے پورے طور سے کافی نہین ہوسکتا مگر دیوان مین اسی طرح چھپا ہی اور ثقات کو بھی اسی طرح پڑھتے سُنا ہی

غافل لکھنوی ؎　　اتنی بینائی کہان دیکھین جو سیر جزو و کل

عالم ایجاد مین تو سیکڑون ایجاد ہین

"دشنام" زیادہ مونث ہی مگر ایک جگہ ظفر نے مذکر کہا ہی لہٰذا مختلف فیہ کہا جاسکتا ہی۔

ناسخ ؎　　کسی نے جو حیدر کو دشنام دی

تو گویا پیمبر کو دشنام دی

〃 ؎　　بارہا مین گیا ہون نزد امام

کبھی مجھکو نہ دی کوئی دشنام

ظفر ؎　　ہمکو پوشیدہ ہین پیغام کسو کے آتے

خط پہ خط روز ہین بے نام کسو کے آتے

ہجر مین سہ اگر کھینچ نہ لاتی ہمکو　　کاہیکو سننے کو دشنام کسو کے آتے

...... اسیر فقیر

بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر خیرآبادی

نمبر ۱۴۴ صفحہ ۱۴۷

پیارے کوثر.........

"مدفن" بکسر فا لغتہً صحیح ہو پھر موزون کرنیکو کون منع کرتا ہی۔ اچھا نہ معلوم ہو تو کہئے۔ مین نے بھی کبھی نہین کہا۔ خلد آشیان نے موزون کیا تھا بہت پر چار ہا مگر بہت سُنی ہون گی کوئی لفظ صحیح ہی۔

"چپقلش" بمعنی جنگ شمشیر غیاث مین بفتح لام ہی اور اُردو مین بکسر لام ہی انہوں کے معنون مین

"خانہ کعبہ" کا ترجمہ کعبہ کا گھر بالکل مستعمل نہین ہی نہایت بُرا معلوم ہوتا ہی۔ وجہ یہ ہی کہ خانہ کعبہ ترکیب اضافی نہین ہی ترکیب توصیفی یا بدل مبدل منہ ہی پھر کعبے کا گھر کیونکر درست ہوگا آپ کسی سے تو یہ نہین سمجھئے کہ غلط ہی۔ ان معتبرین کے کلام مین نکلے تو تغیر کر دوئی

آپ سے پوچھا ہو تو سمجھا دیجئے کہ میرا تو یہ خیال ہے پھر وہ تاویلات کے
تو چپ ہو رہئے۔

امیر۔ فقیر

بنام حکیم عابد علی صاحب کوثر۔ خیر آبادی

نمبر ۴۴ صفحہ ۱۵۰

محب سامی کوثر سلامت .... واضح ہو کہ
"کھائے پھرتے اُدھار ہم بھی ہین" محاورہ فصحاء کا نہین اور
بندش بھی تعقید سے خالی نہین۔
"کھائے پھرتے"، اِدھر اُدھر ہین "اُدھر اور بیچ مین "اُدھار
ہم بھی" خوشنما نہین چاہو رہنے دو۔
"سیہ بختی مین عدیم المثل"، "سیہ بختی مین یائے تحتانی کا اسقاط
نہ چاہئے ترکیب فارسی ہے اگرچہ بعض اساتذۂ اُردو کے کلام مین سند
ملتی ہے مگر کیا ضرور ہے
"نباشد جز بتوائے شوخ عیار"، اسمین اگر "جز بتو" پسند نہین
تو "غیر تو" رکھنے کچھ مضائقہ نہین۔ ....

امیر فقیر

بنام جناب زاہد۔ سہارنپوری

نمبر ۶۴ صفحہ ۱۶۹ - ۲۶ - جولائی سنہ ۱۸۹۱ء

دلنواز ....
"ڈھونڈھتا ہے" کی جگہ "ڈھونڈھے ہے" اب زبان نہین ہے
قدما لکھتے ہین متاخرین نے ترک کر دیا ہے۔
"خور و نوش مستعمل ہے فقط نوش اِس محل پر زبان نہین ہے
.....

امیر فقیر

بنام جناب زاہد۔ سہارنپوری

نمبر ۶۵ صفحہ ۱۶۸ و ۱۶۹ و ۱۷۰ - ۲۶ - ستمبر سنہ ۱۸۹۱ء

محب دلنواز۔ سلام و دعا .... تم نے انگریزی الفاظ
امیر اللغات مین کم پلٹ اسکی وجہ یہ ہے کہ کمیٹی مین باتفاق یہ رائے
قرار پائی کہ امیر اللغات مین وہی الفاظ انگریزی کے داخل کئے
جائین جنکی جگہ اُردو مین کوئی فصیح مختصر اور ٹھیک انھین معنون مین
لفظ موجود نہین ہین۔
آفس۔ آفسر۔ آرڈر وغیرہ لکھے لکھائے مسودے سے خارج کر دیئے
گئے کیونکہ آفس کی جگہ کچہری اور "دفتر" اور "آفسر" کی جگہ "منصف
اور "آرڈر" کی جگہ "حکم" موجود ہے۔
آنر۔ آنریبل۔ آنریری وغیرہ لکھے گئے ہین ....

امیر فقیر

بنام جناب زاہد۔ سہارنپوری

نمبر ۶۶ صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱

پیارے زاہد۔ دعائین لو .... اگر نجم الامثال کے
سوا کوئی ذخیرہ مثلون اور شان امثال کا ملے تو بڑا کام نکلے مثلین تو
خزینۃ الامثال مین ملتی ہین۔ شان امثال نہین ملتی۔ امیر فقیر

بنام جناب زاہد۔ سہارنپوری

نمبر ۶۷ صفحہ ۱۷۲

پیارے زاہد زہد مشرب ....
تم سے اگر ممکن ہو تو زبان کی اصلیت کہ ابتداءً کہان سے یہ زبان
پیدا ہوئی اور کن کن تغیرات کے بعد اپنی حد کو پہونچی وغیرہ وغیرہ
تذکرۂ آبحیات مین آزاد نے اور جلوۂ خضر مین صفیر نے اور
گلستان سخن مین مرزا صابر بخش۔ شاہزادہ دہلی نے کچھ کچھ
اس بحث کو لکھا ہے۔ مین چاہتا ہون کہ امیر اللغات مین یہ بحث ان سے
الگ اور نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی جائے۔ مگر اسکے مادے کا
پتا نہین لگتا کہ کہان سے اخذ کیا جائے۔ تم کہین سے ڈھونڈھ لگاؤ مین
بھی فکر مین ہون۔ جو کچھ آزاد و صفیر وغیرہ نے لکھا ہے امیر اللغات

مین اُسکی نقل کر دینے کو توجی نہین چاہتا۔ نئی باتین بھی پیدا ہون گی۔
اُنکے ضمن مین یہ سب باتین بھی آجائین اور عنوان تحریر کا ان سے
الگ ہو تو مضائقہ نہین۔
الف کا گرنا جائز نہین ہندی کا الف جو آخر مین ہو وہ گرتا ہی۔ بعض شعرا
نے جو ایسا کیا ہی وہ قابل استناد نہین ہی کیونکہ اساتذہ کی طرف سے
وہ ہمیشہ مورد ایرادات رہے ہین۔
مطلع مین مین نے دخل دیا ہی ؎

ہاتھ تک اُسکے جو ہو دسترس جام شراب
کیون نہ اُس ہاتھ سے ہو بہرہ رس جام شراب

دوسرے مصرع مین "اس ہاتھ" کی جگہ "میخوارون" کو بنا دیا ہے
کیونکہ لطف اسی قدر مضمون مین ہی کہ جب جام شراب کو یہ فخر حاصل ہی
تو اسکے ہاتھ تک پہونچائے تو ایسے جام شراب کی ہوس میخوارون کو
کیون نہو اور جب "اسی ہاتھ سے" رکھئے گا تو جام شراب کے اس ہاتھ
تک پہونچنے کا فائدہ کچھ نہ رہیگا۔
"جرس کا کھڑکنا" فصحا نہین کہتے۔ مقطع بھی بدل دیجیے

امیر۔ فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۲ صفحہ ۱۷۵ - ۲۷ - ستمبر سنہ ۱۸۹۲ء - رامپور اسٹیٹ

سید و رشید عارین عزیزی سید زاہد حسین کو ترقی عمر و اقبال کی دعا

. . . .

آزردگی - آسودگی - آشفتگی - آوارگی - یہ سب قاعدے
کی بنا پر چھوڑ دئے گئے۔ اور آزادہ رو - آفس - آفیسر -
آوارہ مزاج - آنچل ڈھلنا - بیشک امیر اللغات مین
نہین ہین۔ بعض تو اختلاف راے کی وجہ سے عاجز ہوکر چھوڑ دئے
گئے مثلاً آفس کہ اسکی جگہ کچہری اور دفتر کا لفظ موجود ہی جو آدھی
انگریزی اور آدھی اُردو بولتے ہین زیادہ افلین کی زبانون پر یہ لفظ ہی
اور آفیسر لکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی افسر موجود ہی۔ اور اس دوسرے
حصہ مین لکھا گیا ہی۔ اور بعض نقص استقرا سے رہ گئے . . . . . .

امیر احمد عفی عنہ

نمبر ۶ صفحہ ۱۸۱

۱۲ - فروری سنہ ۱۸۹۳ء روز یکشنبہ - رام پور - مراد آباد -

الٰہی پیارے زاہد کو مکروہات سے محفوظ اور مرغوبات سے محظوظ رکھیو
دعا ہو چکی - مدعا یہ ہی . . . .
الفاظ مثلثہ مین ساکن کو متحرک کرنیکا قاعدہ عام نہین ہی بلکہ جسقدر
اساتذہ نے تصرف کر لیا اُسی قدر جائز ہی۔ اور خواجہ نصیر مرحوم کا
کلام استناد کیلئے کافی نہین ہی۔ قادر سخان فارس نے کہا ہوتا تو
مضائقہ نہ تھا۔ معہذا خواجہ نصیر نے "قدس" یعنی پاک نہین
کہا ہو بلکہ قدس ایک شہر کا نام تھا۔ وہان کے دشت کو کہا ہی ۔ ع

اور وحشی نے ترے دشت قدس کی تلیان

مستون کی چشم مست کو نگس جام شراب سے تشبیہ دیسکتے ہین
لیکن ایسی تشبیہات میرے نزدیک کراہت سے خالی نہین شعرا نے
خال کو مگس سے تشبیہ دی ہی اور بحر نے باعتبار نیش کے نیزہ
کے ساتھ تشبیہ دے لی ہی . . . .

تمھاری محبت کا منت پذیر۔ امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۸ صفحہ ۱۸۳ ۱۹ - مئی سنہ ۱۸۹۳ء - ریاست رامپور

محبی زاد اخلاقکم۔ سلام مسنون۔ اخلاص و دعا مشحون . . . .
اُردو مین راہ باٹ تو کوئی بولتا بھی ہی۔ فقط باٹ بمعنی انتظار
تو زرا بھی مستعمل نہین ہی . . . .

امیر۔ فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۸۲ - صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ - رامپور - ۹ - دسمبر ۱۸۹۳ء

محب دلنواز - سلام ودعا . . . .

"تو" کی تذکیر و تانیث ہی کیا - مگر جس محل استعمال کی رو سے آپ پوچھتے ہین اُس جگہ تو یہی کہین گے کہ "اُس نے مجھے تو کہا" - لیکن اُس سے تذکیر و تانیث "تو" کی نہین پیدا ہوئی - بلکہ اس جگہ لفظ "لفظ" مقدر ہوتا ہی جیسے اُسنے مجھے عورت کہا - دیکھئے عورت کو قطعی مونث ہی وقس علی ہذا . . . .

امیر - فقیر

بنام جناب زاہد - سہارن پوری

نمبر ۹۹ صفحہ ۲۱۱ - ۱۹ - ستمبر ۱۸۹۵ء رامپور

پیارے زاہد اللہ تعالیٰ آپکو خوش رکھے - . . . .

"ابر کی بوند" بیشک شعرا نے کہا ہی - اس سے یہ غلط نہین کہا جا سکتا - لیکن اپنی اپنی پسند ہی - زبانون سے مستعمل نہونے سے میری طبیعت اسکو پسند نہین کرتی - اور اگر آپ اپنے کلام مین لکھنا چاہتے ہین تو چندان مضائقہ بھی نہین

"کردے گی" کی یاے اول کا گرنا ناپسند کرکے اسکی جگہ "کریگی" بنانا ٹھیک ہی - آپ اپنے وجدان سلیم سے کام لیجئے اور اس مصرع کو یون ہی رکھئے جیسا مین نے بنایا ہی -

"باٹ دیکھنا" راہ دیکھنے کے معنی مین فصحاے لکھنؤ و دہلی کی زبان نہین - میر کا کہنا اسوقت سند نہین ہو سکتا - اُسوقت بولتے ہونگے اب کوئی نہین بولتا - اور مخزن المحاورات جرنجی لال کا کیا اعتبار اسمین ہزارون محاورے گنوارون کے لکھے ہین منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہی - بہر حال "باٹ دیکھنا" کسی طرح صحیح نہین

مین بھی آپ سے متفق ہون - داعی خیر - امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۰۷ صفحہ ۲۱۹ - ۲۶ - ستمبر ۱۸۹۶ء رام پور

محبی وسعیدی - سلام مسنون اخلاص ودعا مشحون - محبت نامہ آیا دل بڑھا لیا

"زکریا" بفتحتین بکسر را و تشدید یا ہی - اسمین کوئی تغیر اسکا نہین ہوا اور نہ ہو سکتا ہی - جو لوگ ذکریا ذال سے بالکسر لکھتے ہین اور سکون ثانی و تخفیف یا کیساتھ بولتے ہین محض غلط ہی خواہ دہلی والے ہون یا لکھنؤ والے . . . . امیر - فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۰۸ صفحہ ۲۱۹ - ۳۰ - ستمبر ۱۸۹۶ء - رام پور

محبی وسعیدی - سلام مسنون - دعا مشحون "زکریا" کی تحقیق مین اسوقت آپکا دوسرا کارڈ پہونچا - تعجب ہی کہ میرا کارڈ جو پہلے کارڈ کے جواب مین گیا ہی آپکو نہ پہونچا - مین لکھ چکا ہون اور پھر لکھتا ہون کہ "زکریا" زے سے ہی - ذال سے کسی طرح صحیح نہین ہو سکتا اور اسکے اعراب مین تغیر ممکن نہین ہی - آپ کا جواب بالکل باصواب ہی اور اسکا مدعی خطا پر ہی - زیادہ دعا - فقط آمیر - فقیر

نمبر ۱۱۳ صفحہ ۲۲۳ ۱۴ - جولائی ۱۸۹۷ء - رامپور

پیارے زاہد - تم ہو اور دونون جہان کا عیش . . . .

الفاظ ہندیہ مین سے آخر کا حرف گرتا ہی بیچ کا نہین گرتا

"نستے" مین ی سے پہلے ہمزہ مقرر ہونا چاہئے

"قرار" بمعنی اقرار عربی و فارسی مین نہین ملتا - بغیر واو عطف "قول قرار" کو جسطرح آپنے اردو کر لیا ہی اسکا مضائقہ نہین - اضافت کی حالت مین اعلان نون جائز نہین . . . . . امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۱۳ - صفحہ ۲۲۵ و ۲۲۶ - ۱۱ - اگست سنہ ۱۸۹۶ء - رامپور

محب دلنواز - سلام و دعا۔

"دیا" اب بالکل متروک ہی اسکی جگہ صرف "یا" بولتے ہین "یا ہمدگر" کی صحت مین کلام ہی - بایکدیگر ہوسکتا ہی - یا محض "ہمدگر" چاہیئے لکھنے -

"پر" بمعنی لیکن و مگر - واجب الترک ہی - بجاے پر جو ہر جگہ مستعمل ہی "پرلے" لکھنؤ مین بالکل متروک ہی - اور دلی مین بھی افصحائے کے کلام مین پایا نہین جاتا - آپ چاہیئے لکھئے -

"پیار" بروزن فاع ہی فقط

امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۱۶ صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۷ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۹۶ء - رامپور

عین الانسان و انسان العین - پیارے زاہد حسین صانکم اللہ تعالے عن کل شین . . . .

"دُنَّل" لفظ عربی ہی "دمامیل" اسکی جمع ہی - "دنبل" صحیح نہین - آپ کے قلم سے کسی جگہ یو نہین نکلا لہذا اطلاعاً لکھ گیا

امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۱۸ صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ ۵ - دسمبر سنہ ۱۸۹۶ء - رامپور

محب دلنواز - سلام دعا انضمام . . . .

"دنبل" کا فارسی مین صحیح ہونا آپ کی اس تحریر سے معلوم ہوا آپ نے جن لغات کا یعنی ہفت قلزم - تتمہ برہان قاطع کا حوالہ دیا ہے - مین بھی اس مین انشاء اللہ تعالے دیکھون گا - فقط

امیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۰۵ صفحہ ۲۲۴ - ۱۲ - مارچ سنہ ۱۸۹۶ء - رامپور

پیارے زاہد - سلام و دعا . . . . اب بتانیکی بات یہ رہی کہ "مشتری ستارہ" مذکر یا مؤنث؟

واضح ہو کہ یہ ستارہ مؤنث ہی - اور جہان کہین سخندانون او سخنورون نے استعمال بتذکیر کیا ہی وہان ستارہ مقصود نہین ہی جبکو مشتری سے تشبیہ دی ہی - جیسے ناسخ کے اس مطلع پر ؎

بلبل ہون بوستان جناب امیر کا
روح القدس ہی نام مرے ہمصفیر کا

ان کے شاگرد رشید مرزا محمد رضا برق نے جو مصرعے لگائے ہین اسمین قمری کو جسکی تانیث مین کسی کو اختلاف نہین بتذکیر استعمال کیا ہی - تو بات یہی ہی کہ وہان قمری کا مقصود نہین ہی وہ تضمین یہ ہی

قمری ہون سرو باغ علی کبیر کا	پروانہ ہون ازل سے سراج منیر کا
بلبل ہون بوستان جناب امیر کا	مین نغمہ سنج ہون چمن بے نظیر کا

جہان تاریخ مین زہرہ کے ساتھ مشتری کا لفظ آئے گا وہان مشتری سے دولہا ہی مقصود ہوگا - جیسے قمری سے برق کے شعر مین عاشق یا خود متکلم و مصنف مراد ہی -

زیادہ آپ سے ذکی اور فہیدہ سخنور کو لکھنے کی حاجت نہین - اگر تتبع کلام اساتذہ سے آپ کوئی سند مشتری کوکب کی تذکیر کی پائیے تو مجھے بھی لکھئے - تمام ہوئی یہ بحث . . . . . . آمیر فقیر

بنام جناب زاہد سہارنپوری

نمبر ۱۲۶ صفحہ ۲۳۵ ۴ - اپریل سنہ ۱۸۹۹ء رامپور

پیارے زاہد - دعا - دعا -

مادۂ تاریخ مین لفظ "ایجاب" محض اور بجاے "قران" لفظ "وصل" لاتا اور اس سے معنی ایجاب و قبول اور قران و اجتماع مراد لینا بہت ہی تکلف ہی - اس باب مین مجھے بھی آپکی

رائے سے اتفاق کلی ہے۔ . . . .

لفظ "ساگا" کی اصل "ساگھا" بمعنی جنگ جدل ہے میر تقی مرحوم کے شعر میں بھی یہی معنی ہیں۔ قدما کے سوا متوسطین و متاخرین کے کلام میں یہ لفظ نہیں دیکھا گیا۔

"بھاکا" اصل میں "بھاشا" ہے اور بہت سی جگہ "شا" اور "کھا" کا بدلا ہوتا ہے۔ اردو میں فصحا کی زبان پر بیشتر "بھاکا" اکثر "بھاشا" مستعمل ہے۔

امیر۔ فقیر

جناب مولوی احسن اللہ خان صاحب ثاقب مرتب مکاتیب امیر مینائی کے نام

نمبر ۱۴۱ صفحہ ۲۴۸ و ۲۴۹ — ۳ مارچ ۱۸۹۲ء

. . . . . . عروض عربی کے رسائل بہت ہیں۔ بعض چھپ بھی گئے ہیں۔ معیار الاشعار محقق نصیر الدین طوسی جامع عروض عربی و عروض پارسی ہے۔ اگر عروض عربی زبان میں مقصود ہو تو شرح قصیدۂ خزرجیہ دیکھئے اور مولوی محمد سعد اللہ صاحب مرحوم نے عروض باقافیہ ایک متن مع شرح لکھا ہے وہ چھپ گیا ہے۔ وہاں نسخے ملے تو میں تلاش کر کے بھیجدوں . . . . . راقم آثم امیر احمد عفا عنہ

ایضاً

نمبر ۱۶۰ صفحہ ۱۶۴

. . . . . . "شلنوا" بسکون نون اگر کلام میں ہو تو بدل دیجئے . . . .

جناب مولوی محمد نوح صاحب نیس آنریری مجسٹریٹ مچھلی شہر ضلع جونپور کے نام

نمبر ۱۶۲ صفحہ ۲۶۵

محبی حضرت شہیر سلمہ اللہ القدیر

"پیرنا" اور "تیرنا" میں آپ کی رائے صحیح ہے۔ میرے ایک شعر کا مصرع تھا۔ ع تیراک پانی جیسے سن سے نکل گیا۔

میرے استاد مرحوم نے "پیراک" بنادیا تھا . . . . . فقیر امیر

جناب مولوی نور الحسن صاحب بی اے ایل ایل بی خلف اکبر حضرت محسن کاکوروی کے نام

نمبر ۱۴۰ صفحہ ۲۶۹ ، دفتر امیر اللغات ریاست رامپور — ۰ اگست ۱۸۹۱ء

. . . .

"آری" میرے نزدیک ہندی ہے اسلئے عماری نچ و تنگ عاجز کے معنوں میں فارسی عربی میں کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ ہندی میں عین سے لکھنا خلاف اصول ہے۔ ہندی میں عین کہاں

"مسالا" معلوم ہوتا ہے کہ مصالح کا مستند ہے جو عربی میں مصلحت کی جمع ہے اور فارسی والے ہر چیز کی تیاری کے لوازم اور ضروریات کے معنی استعمال کرتے ہیں۔ اور یہی محل استعمال ہندیوں کے یہاں بھی ہے۔

عمارت کے لئے چونا سرخی وغیرہ۔

تالیف کے لئے وہ کتابیں وغیرہ جن سے اس تالیف میں مدد مل سکے

کپڑوں کی رونق اور چمک دمک کیلئے۔ گوٹا پٹھا بنت مکیش

کھانے کیلئے۔ لونگ۔ الائچی۔ دھنیا مرچ۔

بال دھونیکا مسالا۔

محرم کا مسالا۔

مسالے کا تیل

دلی والے اصل کی طرف جاتے ہیں مگر چونکہ زبانوں میں مصالح نہیں ہے یعنی یہ کوئی نہیں بولتا کہ گوشت کا مصالح پیس لیا۔ گرم مصالح ہو گیا۔ کڑی میں مصالح کم پڑا۔ اب کے محرم کا مصالح ہم کو نہیں ملا۔

اسلئے میری رائے ہے کہ اردو میں جو بولیں وہی لکھیں۔ جسطرح مسالا بولتے ہیں اسی طرح لکھا جائے۔ اور یہی مشرب متوسطین و متاخرین شعرائے لکھنؤ کا ہے جیسا رشک نے اپنی لغت میں لکھا ہے

سالا میم مفتوح سین مہملہ و لام بالف کشیدہ ضروریات ہر چیز باشد کہ بلان ضرورت ضروریات رونق و زینت آن چیز شود ظاہراً این لغت از مصالح باشد

اور اسی کی تقلید جلال نے بھی اپنے لغت گلشن فیض مین کی ہو منیر مرحوم نے بھی یہی مشرب اختیار کیا ہے ؎

نمک چھڑکنے کو مانگے جراحت دل پر
جو دیکھے آپکے موباف کا مسالا سانپ

کالا سانپ اور بالا سانپ زمین ہی - اور جان صاحب کے ایک شعر سے یہ بھی پتا چلتا ہو کہ محلات لکھنؤ مین بھی یہی بول چال تھی

؎ اے جان ایسا چھاتی سے لپٹا یا بھینچ کر
انگیا کا میری سارا مسالا مسل گیا

جناب مولوی نعیم الحق صاحب آزاد شیخپوری کے نام

(نمبر ۱۸۹ صفحہ ۲۹۴) ۱۴ - نومبر سنہ ۹۱ء

مجی . . . . . . رشک مرحوم نے کس کتاب مین تانیث و تذکیر حروف تہجی کا ذکر کیا ہی - اس کتاب کا نام و نشان ضرور لکھئے اور اگر آپ کے پاس ہو تو چند روز کیلئے مستعار مجھے بھیجدیجے میرے نزدیک میم ضرور مذکر ہو اور مین نے مذکر ہی کہا ہی -

"سن" بمعنی سال کہین نہین نکلا - فارسی مین بہت تلاش کیا کوئی سند قابل اعتبار نہ ملی - اسکے معنی ہین "سنہ" ہی اور دمین بغیر ترکیب اگر "سن" بمعنی سال کوئی کہے تو تاویل ہوسکتی ہو محققین اسکی جگہ سال کہتے ہین -

مرحوم دیدہ مذکر ہی

ایضاً

(نمبر ۱۹۳ صفحہ ۲۹۷ رامپور اسٹیٹ معہ تمر امیر اللغات - ۲۱ اپریل سنہ ۹۳ء)

مجی زاد لطفکم - سلام مسنون . . . . . .

مین نے اب یہی مشرب اختیار کرلیا ہو کہ "آئی" اور "آئے" اور "گئی" اور "گئے" سب مین دوہری "ی" خیال کی جائے اور ۲۰ عدد لیے جائین -

پہلے میرا خیال تھا کہ "آئے" مین ۱۰ عدد اور "آئی" مین ۲۰ عدد شمار کئے جائین مگر اب بعض وجوہ سے یاے معروف و مجہول دونون کے ۲۰ قرار دئے ہین -

اگر آپکو یہ مشرب پسند آئے تو آپ بھی اختیار کیجئے اور جلال نے "آئی" مین ۱۰ عدد نہین لیے ہین بلکہ ۲۰ عدد لئے ہین البتہ "بوسے" مین "ی" نہین لکھا ہو واو کو اضافت دی ہی - چنانچہ دیوان مین بھی بغیر "ی" کے چھپوایا ہی - اور "افادۂ تاریخ" مین بھی اس سے بحث کی ہی مگر مین اسکو پسند نہین کرتا -

امیر فقیر

جناب قاضی محمد خلیل صاحب حیران رئیس بریلی کے نام

(نمبر ۲۰۵ صفحہ ۳۰۶)

سعید سرمد خلیل قاضی محمد خلیل صاحب سلمہ اللہ الجلیل سلام شوق کارڈ آیا - ممنون یاد آوری کیا -

"آنچل" اور "دامن" کے جھگڑے مین میری راے یہ ہی کہ دوپٹے اور اوڑھنی وغیرہ اوڑھنے کی چیزون مین "آنچل" کہنا چاہئے اور قبا - عبا وغیرہ پہننے کی چیزون مین دامن کہنا چاہئے - مگر شعر مبحوث عنہ کی تصحیح یون ہوسکتی ہی کہ شعرا نے گوشۂ دامن کو بھی آنچل کہا ہی - چنانچہ اسکو مین نے امیر اللغات مین کسی قدر تفصیل سے لکھا ہی - اور یہ دو شعر سند کے بھی آنچل کے لغت مین

درج کیے ہین۔

میر ؎ آنچل اُس دامن کا ہاتھ آتا نہین
میر دریا کا سا اُس کا پھیر ہے

نسیم ؎ دھیان دانتون کا جو آیا تو یہ سوجھی تشبیہ
صبح نے منھ پہ لیا دامن شب کا آنچل

"ساعت" اور "گھڑی ساعت" کے قافیے مین احتیاط تو مقتضی اسی کی ہی کہ .... شاعر بلا ضرورت شدید اہم التباس سے بھی بچے۔ مگر جواز ثابت کرنیکے لیے بہت سے اشعار شعرائے فارسی و اُردو کے ملین گے جن مین اُنھون نے جائز کر لیا ہی جیسا کہ بحر نے یہ مطلع کہا ہی ؎

بحر درویشی طریقہ ہی رسول اللہ کا
باندھئے تسمہ کمر مین بسم اللہ کا

.... امیر احمد عفی عنہ

جناب منشی بشیر احمد خان صاحب رئیس ملیح آباد کے نام

(نمبر ۲۴۸ صفحہ ۲۴۸) رامپور - ۸ - مارچ ۱۸۹۷ء

مجبی - سلام مسنون - اخلاص و دعا شوق ....

"کسر" بفتحتین - اُردو ہی - اور اسی طرح مستعمل ہی جس طرح داغ نے کہا ہی "ایک آنچ کی کسر رہ گئی"، "تھوڑی کسر باقی ہی" بے تکلف زبان ہی۔

"کسر" بفتح اول و سکون ثانی عربی ہی۔ جو بمعنی شکستن ہی جیسے "کسر شان" "کسر نفس" وہ اِس جگہ مستعمل نہین ہی جس جگہ بحث کیگئی ہی اور نہ اِسکے معنی یہان چسپان ہوتے ہین۔ بہرکیف "کسر" اپنے مقام پر صحیح اور بول چال مین داخل ہی

.... امیر فقیر

جناب مولوی مظہر الاسلام صاحب کے نام

(نمبر ۲۶۰ صفحہ ۳۵۹) ۲ - فروری ۱۹۰۰ء

....

تقریظ جو آپ نے اُنکے دیوان کی لکھی ہی وہ میری اصلاح سے مستغنی ہی۔ مجھے نثر مین مزاولت نہین۔ اور تاریخ جو آپ نے کہی ہی اُسمین لفظ "بلند مکان" محض بغرض تاریخ ہی دیوان کی تاریخ مین شاعری کی صفت بلند خیال چاہیے نہ بلند مکان۔ اور یا اِتنی تکلف بھی باعتبار اعداد تاریخ پوری نہین کہ سر امتثال سے ایک عدد کا تعمیہ کیا گیا۔ تقریظ یا تاریخ غرض تو اس سے یہی ہوتی ہی کہ اہل سخن پسند کرین اگر بھرتی ہوئی تو اس سے نہ ہونا اچھا۔ فقیر امیر احمد امیر مینائی۔

رباعیات

(از جناب ظہیر رضوی - ایم - اے علیگ)

ہر قطرے مین قدرت نظر آئی تیری
ہر ذرے مین ہی جلوہ نمائی تیری
اُسپیر بھی کسی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے
کیا طرفہ تماشا ہی خدائی تیری

جو سانس ہی چلنے کی خبر لاتی ہے
دنیا اسی جینے پہ مری جاتی ہے
رُکنے کا نہین قافلۂ عمر روان
سینے سے مرے بانگ جرس آتی ہے

جناب ابوالعلا مولانا حکیم سید محمد صاحب ناطق لکھنوی
کے
دست قلم کی لکھی ہوئی غزل

برطرح مشاعرہ "انجمن معین الادب لکھنؤ" منعقدہ ۲۶- جون سنہ ۱۹۲۶ء

کلکتہ ۳ اگست ۲۶ء

محب قدیم

سلام نیاز

نظم و تحریر کے لیے آپکا اصرار جو کہ
متواتر کئی ہفتوں سے ہے مجبور کرتا ہے
کہ میں تعمیل کروں ورنہ جو شخص اہل
وطن اور اہل بزم سے اتنے زمانہ سے
دور ہو اور افکار و عدیم
الفرصتی سے معذور وہ کہاں تک
اپنے خیالات میں دلچسپی اور
حسن پیدا کر سکتا ہے خصوصاً
اس طرح میں جو مشاعرہ لکھنؤ
کیا باقی رکھا ہوگا کہ میں آپکی
فرمایش میں فکر کروں لہذا
بجز امتثال امر اور کوئی امید
اس غزل پر نہ رکھیے گا

نیازمند ابوالعلا الناطق

[illegible]

جناب منشی واحد علی صاحب آبؔ قدوائی، برادر جناب منشی احمد علی صاحب شوقؔ قدوائی مرحوم

کے

دست و قلم کی لکھی ہوئی غزل

برطرح مشاعرۂ "انجمن معین الادب لکھنؤ" منعقدہ ۲۹ر جون سنہ ۱۹۲۶ء

گر عہد وفا ہے تو لب پہ تبسم کیوں
دھوکا نہیں لیکن وہ دھوکا نظر آتا ہے

اکبر کی شاعری

(از جناب مولانا صبغتہ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی لکھنوی)

ذیل کا مضمون ہمارے مکرم شفیق جناب مولانا صبغتہ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی کے زور قلم کا نتیجہ ہے یہ مضمون آپ نے مسلم اکاڈمی مین پڑہا تھا جس کو حاضرین جلسہ نے بیحد پسند کیا تھا۔

جناب شہید انصاری کے نام نامی سے علمی دنیا بخوبی واقف ہے آپ کا مشہور رسالہ و اخبار جریدۃ "النظامیہ" جو عرصہ تک آپ کی ادارت مین شائع ہوتا رہا آپ کی قابلیت اور آپکے علمی۔ ذوق کے واسطے کافی دلیل ہے۔ آپ خاندان فرنگی محل کے ایک رخشندہ گوہر ہین اور مین تو یہ کہون گا کہ اصحاب فرنگی محل مین ایک آپ کی ذات خاص ہے جس کو ادب اور بالخصوص اردو ادب سے خاص ذوق و ہمدردی ہے۔ "اکبر کی شاعری" کے عنوان سے جو مضمون اس وقت پیش کیا جا رہا ہے ناظرین اُس کو ملاحظہ فرما کر خود ہمارے قول کی تصدیق کرلین گے۔ اور آپکی محنت و جانفشانی کی دل سے داد دین گے۔

(اڈیٹر)

انسان باوجود ادعاے دانائی و قوت احساس فطرتاً انہ کان ظلوماً جہولا اور خود فراموش واقع ہوا ہے کہ اگر اس چیز کو دلائل قطعی سے ثابت بھی کردیا جائے تو ہم مین کا منصف ترین فرد بھی اس کے قبول کرنیکے لیے تیار نہ ہوگا اور سچ یہ ہے کہ فطرت خود ایسی زبردست مشعبد و بازیگر ہے کہ اس کے شطارتین اور نظر بندیان انسان کو اسقدر زیادہ مسخر کیے ہوے ہین کہ انسان اس کی بدولت بہت کچھ معذور سا ہے، ایک دنی سادہ لوح کسان سے لیکر وہ فلسفی تک جس کا دماغ کئی درجن کتب فلسفہ کی بدولت لائبریری بنا ہوا ہے۔ جب اپنے شکستہ بوریے یا آراستہ میز پر کھانا کھانیکے لیے بیٹھتا ہے تو مشکل سے اسکا تصور کرتا ہے کہ کھانا کھانے مین نفس پروری ہے یا تقاضاے فطرت کا پورا کرنا اور اس طرح مین اپنے اوپر احسان کر رہا ہون یا فطرت کو منت پذیر کر رہا ہون مگر واقعہ یہی ہے کہ کھانا کھانا ہو یا اس قسم کی دیگر فطری فرائض کو پورا کرنا در اصل اسکی ہم سے زیادہ طلب فطرت کو ہے اس لیے کہ فطرت اصلح کو باقی رکھنے، شل کو حاصل کرنے اور بدل ما یتحلل کو پہونچانیکے لیے ہمارے معدہ سے زیادہ اسکی محتاج ہے لیکن اسکا کید دیکھو کہ اپنی تمنا ہمارے لب سے ظاہر کرتی اور اپنی ضرورت ہم سے اس اشتیاق اور شیفتگی کے ساتھ حاصل کرتی ہے کہ ہم سمجھتے ہین کہ ہمکو اسکی حاجت ہے

آج کتنے شاعر ہین کہ قافیہ پیمائی اور ردیف کو استوار کرتے ہوئے اُنکے حاشیۂ خیال مین بھی یہ آتا ہو کہ یہ چیز وہ ہے کہ زبان کی حفاظت، جذبات اندرونی کے اظہار اور دوسرے کو مؤثر کرنیکے لیے فطرت اسکی طلب گار ہے اور اگر اس فرض کفایہ کو تمام ناطق ہستیان ترک کردین تو فطرت انسانی کو کیسی شدید روحانی اذیت ہو؟

تو حقیقت یہ ہے کہ انسان فطرتاً شاعر ہے اور اس لیے قطعیت کے ساتھ نہین بتایا جا سکتا کہ شعر کی ابتدا کب سے ہے مین تو یہ سمجھتا ہون کہ جب سے انسان ہے شاعر ہے لیکن اسی کیساتھ اس سے بھی انکار نہین کہ جس طرح تدریجاً خورد و نوش اور دیگر ضروریات فطری زمانہ کے تغیرات کے ہاتھون تکلفات و تصنعات کے آماجگاہ رہے شاعری کی بھی یہی کیفیت ہوئی اور وہ سادہ بے تکلف چیز ان تصنعات کے بدولت زیادہ نقاب پوش ہوتی گئی

آج کی صحبت مین یہ چیز میرے موضوع سخن سے خارج ہے کہ شاعری

کی حقیقت اسکی ماہیت اس کے اجزائے ترکیبی اور اسکی تاریخ پر کوئی ہلکی سی بھی روشنی ڈالون لیکن اس حقیقت کو مجھے دھرانے دیجئے کہ جسطرح ضروریات زمانہ نے اس انسان کو جس کے مان باپ اور خالق ایک تھا مختلف قبائل اور جماعتون مین تقسیم کرکے باہمی امتیازات اور تفریقین قائم کر دین اسی طرح اقتضائے فطرت اور قوائے فطری کے اشتراک کے باوجود انسان شاعر و غیر شاعر مین ایک چھا خاصا فرق نمایان ہو گیا۔ اور فطرت کی اس سپوت اولاد یعنی شاعر نے فطرت کی خدمت، فطرت نگاری اور فطرت کی نمایندگی اپنے ذمہ لے لی۔

کوئی مناسبت نہین مگر یہی ایک شکر کا ملک التجار ہے اس سے دو شخص ملتے ہین ایک وائسرائے کی کونسل کا ممبر اور ایک حلوائی لیکن دونون کا مرکز دلچسپی اور سبب کشش قطعاً جداگانہ ہوتے ہین والی لاز کر مارچ مین پیش ہونے والی بجٹ پر گفتگو کے لئے اس سے اس امر کے متعلق معلومات حاصل کریگا کہ اس نے اس سال کتنی ملک کی بنی ہوئی شکر فروخت کی اور کتنی جاوا اور امریکہ کے مقررہ ٹکس نے اسکی تجارت پر کیا اثر ڈالا ہے لیکن حلوائی اسکو صرف اس لئے محبوب رکھتا اور اس سے ملنا چاہتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اسکے اوپر بہت کچھ میرے کاروبار کا انحصار ہے اور شاید اسکی زبان سے یہ مژدۂ جانفزا حاصل ہو جائے کہ شکر روپیہ کی سولہ سیر ہو جانیوالی ہے۔ بعینہٖ یہی فرق عام انسان اور شاعر مین ہے کہ شاعر موجودات خارجی کو دیکھکر اس سے نفع اندوز ہوتا ہے اور اسکا عطر اپنے تخیل مین کھینچکر شعر کے خوبصورت کنٹرون مین آپ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور دوسرے ہنگامی ضرورتون کے لئے انپر سرسری نظر ڈال لیتے ہین۔ دوسرے لفظون مین یون بھی کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے لوگ دنیا اپنے لیے دیکھتے ہین اور شاعر دوسرون کے لئے شاعر ایک جذبہ اور اثر کو لیکر اپنے تخیلہ کے حوالہ کرتا ہے اور وہان کٹ چھٹ کر اور درست ہو کر وہ خوبصورت لباس مین

منظر عام پر آجائے اس طرح قوت تخیلہ اس مصالحہ کو جو اسے باہر سے ملتا ہے آراستہ کرکے اپنا کر لیتی ہے اس لئے بقول مولانا حالی مغفور شاعر کی ذات مین تین وصف ہونا چاہئے ایک وہبی یعنی تخیل یا قوت تخیلہ اور دو کسبی یعنی صحیفۂ فطرت کے عمیق مطالعہ کی عادت اور الفاظ کا وافر ذخیرہ اور انکا دلکش انداز مین ترتیب دے لینا اب جبکہ یہ صحیح اور مسلم ہو چکا ہے کہ شاعر جو میٹریل حاصل کرتا ہے وہ بیرونی و خارجی دنیا ہے اسیلیے خارجی دنیا کا جو ماحول ہوتا ہے اور جو اثرات اس پر طاری ہوتے ہین ان سے شاعر اثر پذیر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا ابھی ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء مین جب عام طریقہ سے فضائے ہند نغمہائے آزادی و استقلال سے گونج رہی اور تسلط حکومت کی فریاد سے معمور تھی اوس وقت زلف و کمر کے شاعر تک زلف سے بند غلامی اور معدوم کمر سے عدل و انصاف ہی مراد لیکر شعر کہتے تھے اسی لیے یہ کوئی شکایت اور تعجب کی بات نہین ہے کہ سوائے چند کے بیشتر شعرائے لکھنؤ مین انکے آدم شاعری مصحفی سے لیکر جلال مغفور تک معیار شعر خالص بازاری اور بیباک اور بے شرم و بے غیرت معشوق کے اداؤن کی تصویر کشی ہو۔ یہ شعرا زلف و رخ کی یاد مین دن رات مست رہتے اس کے جوبن اور محرم کے تصور مین بلند پروازیان کرتے اور اسکے پازیب کی جھنکار اور اوسکی بیباک محفل آرائیون کی دُھن مین رقصان اور اپنی گوشۂ عزلت کو رشک بزم خسروی بنائے ہوئے تھے اس لیئے کہ دور شاہی مین لکھنؤ کا مذاق عام طریقہ سے پست تھا اور اچھی خاصی جماعت کے پیش نظر شاہد ان آزادی کی رضا جوئی اور حصول تھا جس طرح آج کے ترقی یافتہ دور مین بھوتون کے افسانہ آوٹ آف پرنٹ ہین اسی طرح اگر اس دور مین شعرا اس چیز کو محاکات نہ کرتے تو انکے اشعار ٹکسال سے باہر کر دیئے جاتے اور شعر کے جوہری اسکو کھوٹے دامون بھی نہ خریدتے۔

اسی پستی مذاق کا یہ کرشمہ تھا کہ بازاری روزمرہ کو نظم کر لیجانا سوقیانہ محاورونکو استعمال کر لیجانا اور لفظی مناسبات اور ضلع جگت اور معاملہ بندی کو جو عریان فحاشی شعر کا آخری اور بلند ترین معیار سمجھا جاتا تھا۔

میرے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کسی خاص دلیل کی ضرورت نہین ورنہ اس شائستہ صحبت کو ان استادون کے فحاشانہ اور سوقیانہ نمونون سے گندہ کر دون گا لیکن واقعہ یہی ہے کہ صرف چند تخیلات تھے جنکو مختلف تغیرات اور مختلف پہلوؤن سے باستثنائے بعض ہمارے شعرائے لکھنؤ نظم کرتے رہے ہین۔ اردو مین جب ناول نویسی کی ابتدا ہوئی تو صرف ایک پلاٹ تھا جس کو مختلف صورتون مین ہمارے ابتدائی افسانہ نگار بنیاد فسانہ بتلاتے تھے یعنی راہ چلتے ہوئے ایک شک حور کو کسی طرح دیکھ پانا اسکے بعد اٹوائی کھٹوائی لیکر پڑ رہنا پھر ایک دوست پر کسی طرح افشائے راز ہونا اور ایک چالاک بڑھیا کے ذریعہ سے خط و کتابت اور تدابیر وصل ہونا اور آخر مین کامیاب ہونا یہ حالت اوسوقت تھی جب ہماری فسانہ نگاری عہد طفلی مین تھی اور ہمارے ناولسٹ ماشاء اللہ بسم اللہ کے گنبد مین تھے لیکن جب نظرین وسیع ہوئین اور معلومات اور ذخیرۂ الفاظ مین جس تناسب سے اضافہ ہوتا گیا اسی تناسب سے ہمارے فسانون مین بوقلمونی، جدت اور دلآویزیون کا برابر اضافہ ہوتا رہا لیکن بدقسمتی سے عہد عیش و عشرت و شاہد پرستی کے ختم ہوجانیکے باوجود بھی ہمارے شعرا کے سامنے ساون کے اندھے کی طرح ابھی تک وہی منظر ہے اور دائرۂ تصویر کشی بدستور محدود و تنگ ہے۔ اس لیے چند فرسودہ تخیلات ہی کے دائرہ مین پرکار کی طرح وہ گردش کرتے اور فطرت کے عطیہ کو برباد کرتے رہتے ہین حالانکہ بقول ملٹن شعر کا معیار خوبی یہ ہے۔

وہ سادہ ہو جوش سے بھرا ہوا ہو اور سب سے زیادہ اصلیت پر مبنی ہو مولانا اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ جن کی شاعری پر آج کی صحبت مین مجھکو ایک سرسری نظر ڈالنا ہے میرے نزدیک اردو شعراء مین صف اول مین جگہ پانے کے مستحق اور سب سے زیادہ ممتاز اور وقیع اسی لئے ہین کہ انہون نے شعر کو شعر بنایا اور جو منافع اور اثرات اس صنعت شریف سے حاصل ہونا چاہیے بہت کچھ اون کے کلام سے ہوتے ہین اور ہوتے رہے ہین۔

اکبرؒ کی مختصر سیرت

آپ سنہ ۱۸۴۶ء مین الہ آباد کی مشہور مردم خیز بستی بارہ مین پیدا ہوئے۔ عہد طفلی سے ذہانت اور اقبال مندی آپ کے چہرے سے نمایان تھی سنہ ۱۸۶۷ء مین آپ نے درجۂ سوم کی وکالت کا امتحان پاس کیا سنہ ۱۸۶۹ء مین نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ایک سال کے بعد ہائیکورٹ کے مسلخوان ہو گئے انکی بحث بلند اور ذکاوت فطری کے لئے مسلخوانی ایک زینہ بن گئی چنانچہ اس کے تین ہی سال کے بعد وکالت درجہ اعلیٰ پاس کرکے وہ منصف مقرر ہوگئے انگریزی انھون نے پرائیوٹ طریقہ سے کچھ پڑھی تھی لیکن تجربہ اور ذہانت کی مدد سے شستہ انگریزی مین کئی کئی جزو کے طویل فیصلہ انکے قلم سے نکلے ہین حد یہ ہے کہ انگریزی نظمون کا بے تکلف نظم مین ترجمہ کر لیتے اور انگریزی کی دقیق حکمت الٰہیہ کی کتابونکو وہ بے تکلف سمجھ لیتے تھے اور یہی انگریزی کی قابلیت تھی جس کی بدولت چند سال کے بعد سب آرڈنیٹ ججی کرنیکے بعد اعلیٰ حکام نے انکو سشن ججی کے لیے منتخب کیا اور برسون قائم مقام سشن جج رہے آخر مین ہائیکورٹ کی ججی کے لئے وہ زیر نظر ہی تھے کہ سنہ ۱۹۰۳ء مین وہ اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ الہ آباد سے رٹائر ہو گئے۔ مگر ان دماغ سوز سرکاری پابندیون مین اکبر اپنے کلام کے ذریعہ سے دین مذہب قوم اور ادب فاضلہ کی خدمت مین برابر مصروف رہے اور سنہ ۱۸۹۸ء مین ان ہی جوڈیشنل خدمات کے صلہ مین اون کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی تھے اور

علاوہ تین ضخیم دوادین کے انکی متعدد علمی تصانیف بھی ہین جن مین متعدد قانونی کتابین اور مسٹر بلینٹ کی کتاب فیوچر آف اسلام کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ وہ علاوہ بہترین شاعر ہونیکے بہترین نثار بھی تھے اور اس زمانہ کے مؤقر ادبی رسالہ ان کے مضامین سے مزین ہوا کرتے تھے افسوس ۱۹۲۱ء کے منحوس دور مین انکا چراغ حیات گل ہو گیا اور اس طرح روحانیت، تصوف، اصلاح ملت اور ادب اُردو کی وہ شمع بجھ گئی جسکی روشنی سرمدی و غیر فانی ہے"۔

اکبر کا دور نشو و نما

قبل اس کے کہ انکی شاعری پر کوئی تبصرہ کیا جائے انکی فطرت نگاری اور اصلاح امت و وطن کی صحیح واقفیت کے لیے ضرورت ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اکبر مرحوم کا دور نشو و نما اور میدان عمل کیا تھا۔

مرحوم نے اُنیسوین صدی کے وسط مین آنکھ کھولی جبکہ ہندوستان سے مسلمانون کا جاہ و جلال ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکا تھا اور اسی کے ساتھ قدیم مشرقی تمدن، تہذیب آداب اور علوم کا دم احتضار تھا۔ انگریزی حکومت کی عظمت کے ساتھ برطانوی علوم و فنون کے خیرہ کن جلوون اور انکی ترقی و دولت کا احساس ہوا تو منطقی طریقہ سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا کہ بس ہمارے علوم و آداب ہی اس پستی کا راز ہین اس لیے جہانتک ممکن ہو اسی کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور جلد سے جلد انگریز نہین تو طرز بود و باند اور زبان کے اعتبار سے انگریزین جانا چاہیے اس دور کے مصلحین اور قائدین کی تحریرون اور مساعی قومی پر سرسری نظر ڈالیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ انکا آخری قبلۂ امید لندن اور آخری وسیلہ بقول اکبر اللہ نہین تنخواہ تھا۔

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہین تو کچھ بھی نہین یارون نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہین تو کچھ بھی نہین اس کے ساتھ زیادہ تر علمائے مذہبی ہادیان امت اپنی پگڑی سنبھالنے اور اپنی مسند مقتدائی کی حفاظت کی دھن مین اتنے مدہوش تھے کہ قوم مسلمین کی راہ نمائی اور ہدایت سے بے پروا ہو گئے تھے اور اگر کبھی گوشۂ جمود و خمول سے نکلتے تو ارشادات قرآن کی نہین ابو حنیفۃ النعمان کے اقوال کی تبلیغ کے لیے اور شہنشاہ مدینہ کے نصائح کی نہین بلکہ عالمگیری کے نظائر کی اسکا قدرتی نتیجہ یہ تھا جزئیات فقہ پر اسلام و کفر کا دارو مدار ہو گیا تھا ان اثرات سے متأثر ہونیوالون نے ان غیر ضروری اور حد سے زیادہ سخت تقیدات سے تنگ آکر جب کنز و ہدایہ کے بتائے ہوئے مذہب اور اسکے مبلغین سے نان کو آپریشن شروع کیا تو بجائے اسکے کہ ان کے ساتھ ملاطفت و مجادلۂ احسن کیا جاتا ان پر تکفیر کا شدید مارشل لا جاری کر دیا گیا اور اس طرح بد قسمتی سے خدائے واحد کے پرستار دو جماعتون مین منقسم ہو گئے جس مین ایک تعلیم یافتہ کہلاتا اور دوسرا غیر تعلیم یافتہ اور ان دونون جماعتون مین مشکل سے عید کے دن بھی ملاقات ہوتی غرض ایک عام تشتت اور پراگندگی تھی دین کے دوست بھی دین کو تباہ کر رہے تھے اور دشمن تو دشمن تھے ہی۔

. کے ساتھ شعرا کا گروہ سب سے زیادہ ناکارہ، مخرب اخلاق اور قطعاً بیکار تھا تقریباً اُنکی شاعری زیادہ تر صرف الفاظ اور معاملہ بندی کی تھی اور اس طرح اس گندہ لٹریچر کی اشاعت ہو رہی تھی جو کسی شائستہ صحبت کیا کسی غیر متمدن جماعت کے لئے بھی مایۂ افتخار نہین ہو سکتا۔

ان کا میدان عمل

اکبر ہادی ملل رہنمائے جہان آقائے مدینہ کے جگر گوشہ تھے اس لیے قدرتاً قوم کی اس زبون حالی اور پستی سے وہ متاثر ہوئے مگر اُنھون نے یہ دیکھا کہ علماء کا عصائے تکفیر و تفسیق اب بجائے قوم پر اثر نہین کرتا اور انکی ڈانٹ ڈپٹ سے اُلٹا اثر ہو رہا ہے، مولوی حالی مرحوم ان کے قبل قوم کا دردناک

مرثیہ بھی رو رو کر سنا چکے تھے لیکن وہ بھی مجالس عزا کی طرح ہنگامی اثر سے زیادہ کوئی انفعال قلوب میں نہ پیدا کر سکا تھا اس لیے مرحوم نے دونوں سے الگ اپنے لیے راہ عمل تلاش کی یعنی ہنسا کر ہنسا کر رولانا اور سوتی قوم کو گدگدا کر جگانا یہ تدبیر کارگر ہوئی اور قوم کے پیران نابالغ بھی اس سے اسوقت متاثر نہ ہوتے تو بجاے زہرخند کے اس پر مسکرا ضرور دیتے۔ اور اس طرح انھوں نے چند ہی دن میں دیکھ لیا کہ ان کا مشن کامیاب ہو رہا ہے کہ دیوبند کی خانقاہ تقشف سے لیکر علیگڈھ کے کلیساے تفریح تک میں اور کانفرنس کے اسٹیجون سے لیکر بردہ نشین عفاف کے حریم راز تک میں ان کے اشعار کا عام طریقہ سے چرچا ہو رہا ہے اور اس طرح کم سے کم تخم پاشی بند و وعظ کے لیے قوم کی زمین اچھی طرح تیار ہو گئی ہے۔

اکبر کی شاعری کے تین دور ہین دور اول غزل گوئی کا دور دوم ہنسا ہنسا کر رولانے اور صحیح معنون مین بنانے کا دور سوم وہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ استاد شفیق جو ابھی شاگرد کی غلط شعاری پر ہنس ہنسکر اوسکو بنا رہا تھا دفعتًا اپنا لہجہ بدل دیتا ہے اور پوری قوت وغضب کے ساتھ اسکو متنبہ اور منفعل کر رہا ہے اور جس تناسب سے ذوق نغمہ بڑھتا جا رہا ہے اسکی ساتھ حدی خوانی تیز تر ہوتی جاتی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ تینون دورون مین ایک چیز مشترک ہے یعنی خدا پرستی کی ترغیب اور مادہ پرستی اور تفریح کی مذمت حد یہ ہے کہ وہ غزلین جن کو خالص عاشقانہ کہا جاسکتا ہے اس رنگ سے خالی نہین ہین۔

اکبر بحیثیت مجدد کتب سیر مین مجدد کی علامتون مین سے ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ایک صدی کے آخری اور دوسری صدی کے ابتدائی دور مین وہ منظر عام اور مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوا ہمارے اکبر سے دنیا انیسوین صدی کے اواخر اور بیسوین صدی کے اوائل مین روشناس ہوئی اور اکبر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملک کے سب سے زیادہ بےضرورت اور ناپاک چیز کو باکار اور سرمایۂ ہدایت بنا دیا اور وہی اُردو شاعری جو اپنی پستی مذاق اور ذہانت کی بدولت سوسائٹی سے خارج کی جاچکی تھی اکبر کے ہاتھون اس طرح کندن بن گئی کہ آنکھون کو چکاچوندہ کرنیکے بدلے اس نے دماغون کو روشن اور دلون کو منور کر دیا۔ اس طرح وہ شاعری کے مجدد بن گئے۔

اکبر کے کلام کا مطالعہ کرنیوالے اس بات کی تصدیق کر سکتے ہین کہ اکبر نہ صرف ایک خاص اسٹائل بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ ایک خاص زبان کے مالک تھے۔ اونٹ، سید، انجن، ماسٹر، ریل، کمسریٹ، ہوٹل، شیخ اور اس قسم کے بہت سے الفاظ ہین جن کے انکی ڈکشنری مین خاص معانی ہین۔

مثلاً مادہ پرستی اور انگریزی علوم مین غلو کی طرف انکو اشارہ کرنا ہوتا ہے تو اسکے لیے ان کو لغت مین انجن اور ریل کا لفظ ہے فرماتے ہین۔ ؎

شیخ جی کی منتروں کا کیا پتہ۔ اونٹ صاحب خود لدے ہین ریل پر

اونٹ بھی انکی زبان مین دین عربی اور اسلامی تمدن کو کہا جاتا ہے اور اس طرح وہ سر دلبران کو حدیث دیگران کی صورت مین اس بلاغت کے ساتھ کہہ جاتے ہین کہ سچ یہ ہے کہ یہ چیز دوسرے کے بس کی نہین۔

لکھنؤ کا اُن پر عتاب لکھنؤ "زلف دکمر کا شاعر" لکھنؤ پیرویون مین بھی بیر نازک بدن ملتا نہین، بھیٹرئیے ملتے ہین آنکھین تیری گرگابی پر، شامی کباب ہو کے پسند اہل ہنو، پر سر دھننے والا اور یا الٰہی حلال ہون واعظ، دخت رز کو حرام کہتے ہین پر لوٹنے والا لکھنؤ، اکبر مرحوم کو کس قدر نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہو گا وہ واضح ہے۔ انکو مسخرہ ہزال، گو، بےاصول سبھی کچھ کہا گیا مگر اکبر کو جب معلوم ہوا کہ انکا شعر مدرسۂ لکھنؤ مین پہونچ گیا

توانھون نے صاف اعلان کر دیا۔

قافیون مین حسن معنی گم کرو　　شعر مین کہتا ہون ہجے تم کرو

ایک بار وہ امین آباد پارک مین حافظ عبدالحق صاحب کے مہمان تھے لکھنؤ کے استادون نے اپنی طرح انکو بھی دادخواہی کا مشتاق اور پرگوئی مین مشاق سمجھکر ایسی یورش کی تو ان کے پیہم اصرار کے بعد جو پہلا شعر مرحوم نے پڑھا وہ یہ تھا۔

تمسے استادون مین میری شاعری بیکار ہے　　ساتھ سارنگی کا بلبل کیلیے دشوار ہے

مرحوم نے اس طرح اپنے فطری شاعر ہونے اور انکی تصنع آمیز شاعری کی طرف بلیغ اشارہ کیا تھا اور آورد و آمد کے باہمی امتیاز پر روشنی ڈالی تھی مگر ہمارے اساتذہ، استاد اور سارنگی کے تلازمہ پر پھڑک اٹھے۔

قربان اس تغافل کے ایک موقع پر اس سے زیادہ اپنے مسلک شاعری اور عام روشن سے علحدگی یون صاف صاف فرماتے ہین۔

اکبر کے کلام مین مزا کچھ بھی نہین　　گو اس نے بہت کہا، کہا کچھ بھی نہین
زلف و کمر بتان کا مفقود ہے ذکر　　شیطان پہ طعن کے سوا کچھ بھی نہین

پھر جب ان کے جدید محاورات نئے انداز کلام اور نوایجاد استعارات پر حد سے زیادہ چہ می گوئیان ہونے لگین تو آذر کدۂ شاعری کے اس آہیم نے ان لفظون مین رجز خوانی کی۔

اشعار غیر سے تو سب مجھے کم سند ملی　　من گفتم و محاورہ شد سی سند ملی

مین نے دعوی کیا تھا کہ فطرت نگاری اور تاثرات قلبی کے نظم مین اکبر اُردو شعرا مین دل ہین۔ چنانچہ خود فرماتے ہین۔

شعر اکبر مین کوئی کشف و کرامات نہین　　دل پہ گزری ہوئی ہے اور کوئی بات نہین

ان کے کلام کے بعض خصوصیات

مین شاعری کا مذاق کچھ نہ کچھ تو ضرور رکھتا ہون اور کسی زمانہ مین چند غزلین بھی کہی تھین اور مرحوم سے علاوہ کافی اور طویل نیاز مندی کے مجھے شرف تلمذ بھی حاصل ہے لیکن آپ باور فرمائین کہ جس طرح ایک ملائک فریب دوشیزہ کے جمال سے مسحور ہو کر انسان کی قدرت مین یہ نہین رہتا کہ وہ کھڑا ہو کر اسکی شان مین قصائد خوانی کرے بلکہ خاموشی از ثنائی تو حد ثنائے تو کے اصول پر ایسے موقع پر سکوت ہی ایک بیان بلیغ اور کچھ اشارہ کر دینا ایک طویل مدحیہ ایڈریس ہو جاتا ہے اسی طرح اکبر مرحوم کے کلام کے اگر بعض خصوصیات پر ایک ہلکی سی بھی روشنی ڈال سکون تو مین اسکو کافی سمجھونگا۔

مرحوم کا کلام گوناگون خصوصیات کا معدن ہے علاوہ ان خاص اصطلاحی الفاظ کے جو انکی شاعری کی جان ہین ان کے کلام مین نامنحانہ تقیدات اور ارباب لکھنؤ کی تنگ نظرانہ متروکات سے آزاد ہو سکنے باوجود بھی آپکو وہ الفاظ نہ ملین گے جو لکھنؤ کی شاعری کی جان ہین مگر مذاق سلیم کے لیے جانگداز ہین، محرم، انگیہ، جوبن، گلے مین باہین ڈالنا صبح وصال کی لجائی اور شرمائی ہا صورت رخ محبوب پر کچھ بوسون کے نشانات، جوانی کی راتین، گھنگرو کی جھنکار، رقیب رو سیہ کا خوف، اور اسکے معاملہ مین معشوق پر آوازین کسنا آپکو ان کے تین ضخیم دواوین مین کہین نہ ملیگا اور تغیرات زمانہ نے ان کا معشوق بت کافر، ترک، ہندو بچہ نہین بلکہ بنت الانگریز، یعنی مس لی کو کر دیا ہے، استعارون اور تشبیہون مین بھی بہت کچھ آزاد ہین چشم مخمور کو اس کے تاثیرات دمے پاشی کیوجہ سے جام ساغر کی طرح حافظ کی غزل سے بھی تشبیہ دیدیتے ہین۔ فرماتے ہین۔

انکی نگہ مست ہے لبریز معانی　　ملتی ہوئی تاثیر مین حافظ کی غزل سے

اسی طرح شیخ صاحب قبلہ کے تقدس اور سادہ لوحی کی بنا پر وہ انکو چاہ زمزم کا مینڈھک بھی کہدینے مین آزاد ہین اسی کے ساتھ اردو اور فارسی الفاظ کے ہم وزن قافیہ انگریزی الفاظ وہ بے تکلف استعمال کر لیتے ہین اسکی اور کسکی کا قافیہ ان کے یہان وسکی بھی ہے لو اور تو کے قافیہ مین وہ تھینک یو خوبصورتی سے نظم کر جاتے ہین اور

اس چیز مین یقیناً وہ شعرائے اردو مین سب پر فوقیت رکھتے ہین اور پست مضامین اور قوافی کو بلند کرنے مین اردو کا کوئی شاعر انکا ہمدوش نہین۔

میری دقتین استاد محترم جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے کے اصرار کے وقت اگر مجھے اپنی کوتاہ دامنی اور حضرت اکبر کی کثرت گل پاشی کا صحیح احساس ہوتا تو یقین فرمایئے کہ مین ایسا ظلوم و جہول نہ تھا کہ اس بار عظیم کو اپنے سر لے لیتا اور جناب اکبر پر کوئی مضمون پڑھنے کی آمادگی ظاہر کر دیتا۔ مین کوتاہ قلم ہون اور ادبیانہ صنائع و بدائع پر پوری بصیرت نہین رکھتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک ثریف نگاہ اور دقیقہ سنج سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے ایسے ہمہ دان کو مجھ سے زیادہ کلام اکبر کے انتخاب مین وہی دقت ہو گی جو ایک متقی مسلمان کو اسوقت ہو سکتی ہے جب اسکو حور عین کی اس جماعت مین جن مین سب کی سب کانھن الیاقوت والمرجان ہین رضوان حق انتخاب دیدے۔

صورت یہ ہے کہ عاشقانہ غزل ہو یا تصوف، حمد ہو یا نعت، ظرافت ہو یا فطرت نگاری پند و نصیحت ہو یا اعتراض، اکبر جو کچھ فرما گئے ہین وہ منتخب روزگار ہے اور شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ مین رنگا اور ایک ہی سانچہ مین ڈھلا ہوا ہے اس لیے آج کی صحبت مین بلالحاظ ترتیب ان کے اسی حصہ کلام پر اکتفا کرونگا جسکا زیادہ حصہ مجھکو زبانی یاد ہے یا خود انکی زبان مبارک سے انکو سن چکا ہون۔

توحید سچ یہ ہے کہ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اس مادہ پرست دور مین جبکہ سائنس کی کرشمہ سازیون نے آنکھون کو خیرہ اور قلوب کو مرعوب کر رکھا تھا۔ صرف اس لیے عالم شہود مین آئے تھے کہ وحدت اور خدا پرستی کی تعلیم دے کر خدا کی یاد، خدا پر توکل، خدا ہی کی محبت اور اسی کی دھن مین مست رہنے کا درس دین اور یہی چیز ہے جسکی تبلیغ کا تمغائے امتیاز مرحوم کو حاصل ہے ہر نظم و غزل کا خلاصہ صرف یہی تھا۔ تحریک علیگڑھ اور جدید تعلیم کو وہ ناپسند کرتے تھے مگر اسی حد تک کہ وہ خدا کی راہ مین حجاب تھین، حد یہ ہے کہ برٹش گورنمنٹ کی ملازمت کو باوجودیکہ خود وفادار ملازم تھے ایک نان کو آپریٹر کی طرح نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر یہ بعض صحیح معنون مین صرف "للہ" تھا یعنی اس لیے کہ یہ چیزان کے خیال مین روح اسلامی و خدا پرستی کو فنا کرنیوالی تھی۔ چنانچہ سر دیوان یہ غزل آپکو گوہر بار ملیگی۔

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا — بت کے بندہ ملے اللہ کا بندا نہ ملا
بزم یاران سے پھری باد بہاری مایوس — ایک سر بھی اسے آمادۂ سودا نہ ملا
ولہ کیا راہ دکھائی ہے ہمین مرشد نے — کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا
رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم — رنگ باطن مین مگر باپ سے بیٹا نہ ملا
سید اٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھون لائے — شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسا نہ ملا

ایک جگہ اس شاہد حقیقی کی غیر مشرکانہ محبت کی یون ہدایت فرماتے اور نماز کی صحیح فلاسفی بتاتے ہین۔

جو لیئے راز حسن ازل سے کہے کوئی — من صوت سرمدی کو کلام مبین کو دیکھ
ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ — مطلب ہے کسی کو نہ دیکھ اور ہمین کو دیکھ

وجود باری کی نزاکت اور استدلال و مشاعر کے حدود سے بلند تر ہونے کی طرف یون ارشاد فرماتے ہین۔

اثبات خدا کو منطقی اٹھ نہ سکا — خاک حیرت سے ذہن بھی اٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکت وجود باری — ثابت ہونے کا بار بھی اٹھ نہ سکا

اسی مضمون کو ایک مطلع مین یون فرماتے ہین ؎

ذہن مین جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا — جو سمجھ مین آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

نعت حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جہانتک مدح و ستائش کا تعلق ہے اکبر مرحوم نے اسکو محض عام شاعرون کے دستور کے مطابق قافیہ پیمائی کے سلسلہ مین زیب کلام نہین کیا بلکہ آپکی اصلی محبت یعنی اتباع کی ترغیب اور آپ کی تشریف آوری کی عظمت و برکت کو ذہن نشین کرنیکے لیے چنانچہ ایک جگہ ان برکات کی طرف یون

اشارہ فرماتے ہین ۔

درفشانی نے تبری قطرون کو دریا کردیا ۔ دلکو روشن کردیا آنکھون کو بینا کردیا
جو نہ تھے خود راہ پر اورون کے ہادی بن گئے ۔ کیا نظر تھی جس نے مردون کو مسیحا کردیا

قومون کو زندہ کردینا، بیمارون کی مسیحائی کرنا سب ہی نظم کرتے ہین لیکن مردون کو اس حد تک ترقی دینا کہ وہ مسیحا ہوجائین یقیناً بالکل نیا اور نہایت بلیغ استعارہ ہے ۔

اس سلسلہ مین ایک غیر مطبوع نظم پر اکتفا کرتا ہون جو خود انھون نے مجھے عنایت فرمائی تھی یہ نظم مرثیہ کے انداز پر بند دار ہے اس مین انھون نے اپنے مشق کمال شاعری اور شیفتگی رسول کا وہ ثبوت دیا ہے جسکی نظیر اردو شاعری مین ملنا محال ہے یہ نظم بہت طویل ہے اس کے چند بند بلا ترتیب سنیے اور درود پڑھ پڑھکر مرحوم شاعر کے لیے دعائے مغفرت کیجیے ۔

مدیح سرور کونین مین خامہ اٹھاتا ہون ۔ خیال کفر کی ظلمت پر اک بجلی گراتا ہون
شب اوہام ہے شمع یقین محفل مین لاتا ہون ۔ چراغ طور ایمن کو وہ معنی پر جلاتا ہون

الٰہی شوخی برق تجلی دہ زبانم را
قبول خاطر موسیٰ نگاہان کن بیانم را

محمد پیشوا اور رہنمائے خلق و عالم ہین ۔ معزز ہین مقدس ہین معظم ہین مکرم ہین
فروغ محفل ہستی ہین نیر عرش اعظم ہین ۔ حبیب حق ہین ممدوح ملک ہین فخر آدم ہین

انہین کے رنگ سے رنگ گل ہستی کو زینت ہے
انہین کی بو سے عطر آگین بنی آدم کی طینت ہے

جواہر خانہ اس چشم کرم سے سینہ بنتا تھا ۔ حقائق کا خرد کا علم کا گنجینہ بنتا تھا
لطافت سے صفائے نور سے آئینہ بنتا تھا ۔ علوی فکر سے عرش بریں کا زینہ بنتا تھا

مریدان کے نہ تھے مشتاق دنیا کی تگ و دو کے
قدم افلاک پر پڑتے تھے اس ہادی کے پیرو کے

قلوب انکی نظر کے رعب حشر افزا سے ہلتے تھے ۔ چمن انکے سخن کے فیض بے ہمتا سے کھلتے تھے
ہجوم خلق تھا بوطلب مین شانے چھلتے تھے ۔ بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے جھک کے ملتے تھے

فلک تھا دم بخود باد مخالف چل نہ سکتی تھی
خدا کی بات تھی ٹالے کسی کے ٹل نہ سکتی تھی

قرآن کی تعلیم قرآن ہی مسلمانون کی فلاح دینی و دنیوی کا تنہا ضامن ہے مگر اس دور مین جب ملٹن اور شکسپیر دلون کی بستی پر چھاپے مار رہے تھے قرآن کی آواز پہونچانا کسقدر مشکل تھا مرحوم نے ہنسی ہنسی مین اس کام کو خوب کرلیا انھون نے قرآن بڑی خوبصورتی سے ان بدبختون کو سنا دیا جو اس کو تیرہ سو برس کا فرسودہ اور قابل تغیر قانون سمجھتے تھے ۔

کرم حق پہ رکھ نظر اپنی ۔ جو عقیدہ ترا نہ ہو ڈھیلا
آسرا اس کا چھوڑ دے اکبر ۔ وتبتل الیہ تبتیلا
مجھکو بیدل کرے ایسا کوئی ہے ۔ یاد مجھکو انتم الاعلون ہے

تضمین و اقتباس اسی طرح اگلے اساتذہ و حکمائے اسلام کے ارشادات کی تضمین کرلینا اور ان مین جزوی تغیر کرکے ضروریات زمانہ کے مطابق صفائی کے ساتھ اپنا کرلینا اکبر مرحوم کا خاص حصہ ہے ایک جگہ شیخ کے دور تعطل اور ناکارگی پر یون تنبہ کرتے ہین ۔

بی شخانی بھی ہین نری ذیہوش ۔ کہتی ہے شیخ سے بجوش و خروش
خواہ لنگی ہو خواہ ہو تہمد ۔ درعمل کوش ہر چہ خواہی پوش

ایک جگہ علیگڑھ کی تعلیم تفریح پر یون زہرخند فرماتے ہین ۔

الا یا ایہا الطفلک بچہ راحت بنا و لہا ۔ کہ قرآن سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن تزئین بابے خود ز بوٹ و اس تیلون ۔ کہ سرسید خبردار د ز راہ و رسم منزلہا

جنگ یورپ پورے شباب پر تھی جرمنی آندھی کی طرح بڑھا چلا آتا تھا انگلش چینل اور کیلے تک پر اسکی زد تھی اسوقت مسٹر چرچل وزیر

بجری تھے ان کو یون چونکاتے ہین ۔

چو جرمن جانب کیلئے معین کرد منزلہا — زڈو ور شد بر با فغان برلت اندولہا
الا یا ایہا الجرمن نظر کن سوے ساحلہا — کہ جنگ آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

چند دن کی بھرمار سے تنگ آکر فرماتے ہین ۔

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست — بعد ہر اسپیچ آخر چندہ ایست
یاد دار این قول مولانا ے روم — مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

مشرق و مغرب دونون کو ایک ساتھ نباہ لیجانیکے متعلق فرماتے ہین

پاے در پتلون و ل در پیشواز — چند روزے باہمی جانت بساز

انگریزی محاورات عربی فارسی کی طرح وہ انگریزی محاورات و اصطلاحات بھی نرمی صفائی اور لطافت کے ساتھ نظم کر جاتے ہین یہ چند اشعار اسکا روشن ثبوت ہین ۔

کوٹھی مین جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بینک مین — قلاش کر دیا مجھے دو چار ٹینکس نے
جب مین کہتا ہون کہ گوڈ بکس ڈیر — سر جھکا کر کہتے ہو مے ٹھیک ہین

عجیب معمولہ ملاحظہ ہو ۔

اُن کے دست نازنین سے پائی ٹی — اب کہان باقی ہے ہم مین پارٹی

صاحبزادے سے فرماتے ہین ۔

لندن مین بگڑ جاؤ گے وسواس یہی ہے — تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

انٹرنس کی بلاغت کی داد دیجئے ۔

ہم سے شب وصال وہ بے سیل ہو گئے — افسوس انٹرنس مین ہم فیل ہو گئے
لیا صبح شب وصل اسکا بوسہ مین نے یہ سچ ہے — اسی پر بولا اٹھ کے وہ شوخ مس یا فائنل ٹچ ہے
مذکر کے لیے بھی ہے مؤنث کے لیے شی ہے — مگر حضرت مخنث ہین تو ہیون ہین نہ شی ہین

تفریح مرحوم اکبر گو کہ علیگڑھ کی تحریک کے دل سے حامی تھے لیکن وہ اصلاح نما تخریب جو خداوندان کالج نے دین مین کی تھی اور جو اثر اس تعلیمگاہ کا ملک مین پھیل گیا تھا اسکے خلاف بڑی پامردی سے وہ جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے مگر انکا یہ مجاہدانہ جوش بالتی ہی احسن کے حدود سے ایک انچ بھی باہر نہ تھا۔ تفریح، تہذیب اسلامی سے نفرت مادہ پرستی، آزادی مذہب اور عورتون کی بے پردگی یہ انکی مستقل مصاف جنگ تھے جن مین انکا قلم شمشیر و سنان کا کام کرتا دکھائی دیتا ہے ۔ مادہ پرستی اور طلب دنیا اسکی اصل تھی اس لئے اس قلعہ پر یون زور لگاتے ہین ۔

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج — تو خوشی پھر انکی کیا ہے کوئی جنٹ کو ہے جج
عہدے جو سو پچاس کو اچھے ملے تو کیا — قائم نہ ہوگی قوم کبھی سو پچاس سے

ہر ایک کو خوش کرو نہین کیونکر ہو صاحب — اپنی ہی طرف بلاتے ہین سب ہر صاحب
آسائش عمر کے لئے کافی ہے — بی بی راضی ہون کلکٹر صاحب

اور بھی دور فلک ہین ابھی آنے والے — ناز اتنا نہ کرین ہم کو مٹانے والے
آپ منکر ہین غلامی بھی نہین ملتی ہے — سلطنت کر گئے غصے سے ڈرانیوالے

تعلیم جدید تعلیم جدید نے جو ایک تام دینی جمود اور مذہبی بے حسی پیدا کر دی ہے اسکی طرف یون اشارہ فرماتے ہین ۔

قفل دل محو طلسم رنگ کالج ہو گیا — ذہن کو تپ آ گئی مذہب کو فالج ہو گیا

انگریزی تمدن اور علوم کی شرمناک فتح پر یون ماتم کرتے ہین ۔

فخریہ مین نے جو اشعار پڑھے سعدی کے — فخریہ آپ سنانے لگے نظم ملٹن
شیخ سعدی تو بزرگ نہین مرے تھے اے دوست — آپکے کون ہین ملٹن یہ سنون حضرت

تعلیم جدید نے جو دلون مین کفر اور اعمال کفریہ کی طرف قیمت اور کفر سے کی نفرت پیدا کر دی ہے اسکا یون مرثیہ پڑھتے ہین ۔

ہم مین وہ خوبی دلکوئی نہ رہی — پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
تعلیم جدید سے ہوا کیا حاصل — ہان کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

انسان خواہ کتنا ہی سخت دل ہو موت خواہ کسی کی بھی ہو اسکے دل پر کم سے کم ایک ہنگامی اثر ضرور کرتی ہے لیکن تعلیم جدید نے طلبہ مین جو سنگدلی و قساوت پیدا کر دی ہے اسکا یہ دردناک منظر ہے ۔

زندگی تھی ہی مصیبت موت بھی برباد ہے
کسقدر بگڑا ہوا اس دور مین ہے دین باپ کے

ماسٹرین نزع مین لڑکون کی شامت دیکھیے
انکا فوٹو لیتے ہین پڑھتے نہین یٰسین باپ کے

تعلیم جدید نے جو عام بیباکی اور گستاخی کی اسپرٹ پیدا کی ہے اس کا یہ کرشمہ ہے۔

حکام پہ بم گولے ہین ادہر دیوتون پر گالی ہے
کالج نے کیسے سانچون مین لڑکون کی طبیعت ڈھالی ہے

اس جماعت کی عام مذہبی حالت یہ ہے۔

گذرا انکا ہوا اک عالم اللہ اکبر مین
رہے کالج کے چکر مین مرے صاحب کے دفتر مین

اس عالم اللہ اکبر کی بلاغت کی داد نہین دی جاسکتی اور سچ یہ ہے مذہبی تغافل کی اس سے بہتر تصویر نہین کھینچی جاسکتی۔ مشرقی تمدن اور اقربا و اہل خاندان کے ساتھ انکو صلۂ رحم سے کیا تعلق ہے

ہوے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منھ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلون مین مرے اسپتال جاکر

جدید تعلیم جو اپنے اثرات پھیلا رہی تھی اور روز بروز قوم اسکی بدولت خدا اور مذہب اسلام سے بے نیاز اور گستاخ ہوتی جاتی تھی اسکو محسوس کرکے ایک طویل قطعہ مین آیندہ کی دردناک اور شرمناک حالت کے متعلق یہ مومن صادق اپنی فراست سے کام لیکر یون پیشین گوئی فرماتا ہے۔

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے سامان بہم ہونگے

نئے عنوان سے زینت دکھائینگی حسین اپنی
نہ ایسا پیچ زلفون مین نہ گیسو مین یہ خم ہونگے

نہ خاتونون مین رہ جائیگی پردہ کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجب روئے صنم ہونگے

بدل جائیگا انداز طبائع دور گردون سے
نئی صورت کی خوشیان اور نئے سامان غم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلیے بے تال و سم ہونگے

ہماری اصطلاحون سے زبان نا آشنا ہوگی
لغات مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

بدل جائیگا معیار شرافت چشم دنیا مین
زیادہ تھے جو اپنے زعم مین وہ سب سے کم ہونگے

گزشتہ عظمتون کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابون ہی مین دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوے جس ساز سے پیدا اوسی کے زیر و بم ہونگے

تمھین اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہین وہ دن تم ہوگے نہ ہم ہونگے

سچ یہ ہے کہ ایک یہ غیبی آواز تھی جو دنیا نے اکبر مرحوم کی زبان سے سنی اور کہنے کو دل نہین چاہتا مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس مرد خدا کی یہ پیشین گوئی غلط ہے یا آیندہ غلط ثابت ہوگی۔

پردۂ نسوان

تعلیم جدید کے اثرات کے پھیلتے ہی نوجوانان قوم نے سب سے پہلے پردہ کو حبس بیجا سمجھکر اس پر وار شروع کردیے اور ہر طرف سے یہ آواز بلند ہونے لگی کہ عورتون کو گھر سے نکالو کالج مین پڑھاین کمیٹیون مین چمکین اور قومی اجتماعات مین مردون کے دوش بدوش نام آور ہون اکبر مرحوم مسلمانون کی اس مٹتی ہوئی حالت مین اس بیحجابی کو مسلمانون کے عزت ناموس کے خاتمہ کے مرادف سمجھتے تھے اس لیے انہون نے ان پردہ درون کی توضیح اور اس جذبۂ آزادی کی مذمت اور اس کے سوشل اور مذہبی مضرات کے سمجھانے مین اپنی پوری قوت صرف کردی اور سچ یہ ہے کہ مرحوم سب سے پہلے اسی سے ملک مین روشناس ہوئے اور اس سلسلہ مین انہون نے اس کثرت سے گلفشانیان فرمائی ہین کہ اگر اس پر ایک معمولی تبصرہ کیا جائے تو آج کی پوری صحبت اسی کی نذر ہو جائیگی مختصراً یہ سن لیجیے ایک ٹھری ردیف مین مقید ہوکر دیکھیے اس مضمون کو کس بلاغت و پاکیزگی و تاثیر سے ادا کرتے ہین پوری غزل مرصع اور ایک ہی سانچہ مین ڈھلی ہوئی ہے۔

بٹھائی جائینگی پردہ مین بیبیان کبتک
بنے رہوگے تم اس ملک مین میان کبتک

ہائے کیا شعر فرمایا ہے۔

حرم سرا کی حفاظت کی تیغ ہی نہ رہی
تو کام دینگی یہ چلمن کی تیلیان کبتک

طبیعتون کا نمو ہے ہوائے مغرب مین
یہ غیرتین یہ حرارت یہ گرمیان کبتک

تمھین سے اٹھ گیا مردون کی شرم کا پردہ
تو پھر بقائے حجاب رخ زنان کبتک

آخری شعر ہے اور جو بلیغ استعارہ رونمائی کی رسمون سے کیا ہے

سچ یہ ہے کہ اس پر اُردو لٹریچر کو ناز کرنا چاہیئے پھر ابلیس اور حوا کی مناسبت بھی قابل غور ہے۔

جو رونمائی کی ہوں پہ مُصر ہیں ابلیس — چھینیگی حضرت حوا کی بیٹیاں کب تک

مقطع کتنا درد ناک اور پر کیف ہے فرماتے ہیں۔

جناب حضرت اکبر ہیں حامی پردہ — مگر وہ کب تک رہینگی باعیان کب تک

ایک جگہ پردہ پر معترضین کے ساتھ یوں اظہار کرتے ہیں۔

پردے کا کیا ہے خود اسکا پیدا — خود ہم نے کیا ازار و اسکا پیدا

کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے — نیچر نے کیا ہے ہمکو ننگا پیدا

اس امر کو کہ بے حجابی کا تخیل (MADE IN EUROPE) میڈان یورپ ہے اور وہ بوقت گو کہ ظاہر میں خوشگوار اور راحت بخش ہے لیکن ولائتی سگرٹ کی طرح نتیجہ کے اعتبار سے اندرونی مضرت بہت رکھتا ہے اس طرح ذہن نشین کرتے ہیں۔

پردہ میں ضرور ہے طوالت بیشک — انصاف پسند کو نہیں چاہیئے ہٹ

تشبیہ بری نہیں ہے اکبر ہیں کہوں — بیگم ہیں حقہ اور لیڈی سگرٹ

اس بے حجابی سے قوم کی جو بے حرمتی اور اخلاقی مضرت اور رسوائی ہوگی اسکو ایک قطعہ کے پہلے شعر میں بڑی خوبی سے واضح کرتے ہیں اس ایک شعر کے سلسلہ میں یہ پورا قطعہ سن لیجیے

پردہ اٹھا ہے ترقی کے یہ سامان ہیں — [illegible]

کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا — [illegible]

خاصدان آگے بڑھا آدری [illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible]

آخر میں [illegible] پردہ [illegible]

پردہ در دانایان قوم [illegible]

پردہ در کی یہ سگرٹ بیبیان [illegible] — اب [illegible]

سچ یہ ہے کہ گوشہ کا ایک لفظ ایک دیوان ہے جس میں ان مردوں کی بے تکلیفی اور سچ مغربی جدید اثرات کے ہاتھوں مجبوری سب کچھ مضمون اسی مضمون کو اس سے زیادہ پر لطف طریقہ سے اس شعر میں ادا کرتے ہیں۔

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم — اللہ کی مار اس پہ علیگڑھ کے حوالے

اس سلسلہ میں ایک مطلع اور سن لیجیے جسکی خوبی اور نزاکت استعارہ حسن بندش کی داد دینا کم سے کم میرے بس کی بات نہیں ہے

حامد کی نہ تھی بگلش سے جب بیگانہ تھی — اب شمع انجمن ہے پہلے چراغ خانہ تھی

شمع انجمن اور چراغ خانہ کا باہمی تقابل اور اسکے ساتھ ہی بالکل اچھوتا تخیل ہے اور اسی قسم کی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اکبر کا ایسا پڑتا ہے کہ اس وقت تک ان کے دو شعر ایسے [illegible] شائع نہیں کر رہا اور اپنے متعدد خصوصیات [illegible] ہیں۔

چلتے چلتے دو ایک شعر [illegible] لیجیے [illegible]

سگرٹ دشمنان پردہ [illegible]

بے پردہ [illegible] — [illegible] غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو [illegible] پردہ وہ کیا ہوا — [illegible] پڑ گیا

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

[illegible] تعلیم

[illegible]

[illegible]

[illegible] تعلیم [illegible]

[illegible]

[illegible] — خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری ہوں

ذی علم متقی ہون جو ہون انکے منتظم   استاد ایسے ہون مگر استاد جی نہ ہون

سبھاکی پری سے جو لطیف اشارہ اسکی آوارگی پر کیا ہے اور استادجی سے معلمون کے دنائت اور حیا باختگی اور خلاف شرافت افعال پر ترغیب دینے کا اشارہ ہے اسکو ارباب ذوق ہی سمجھ سکتے ہین۔ ایک مقام پر بالکل صاف لفظون مین لڑکیون کی تعلیم اور اسکے نصاب کو یون فرماتے ہین۔

تعلیم عورتون کو بھی دینی ضرور ہے   لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے

حسن معاشرت مین سراسر فتور ہے   اور اسمین والدین کا بیشک قصور ہے

لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت   جس سے برادری مین بڑھے قدر و منزلت

ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ   شوہر کی ہو مرید تو بچون کی خادمہ

ایک جگہ اس بارے مین آخری اور مختصر طریقہ سے اپنا مسلک یون ظاہر کرتے ہین۔

دو اُسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم   قوم کے واسطے تعلیم نہ دو لڑکی کو

مسلمانان در گور مسلمانی در کتاب

حدیث شریف مین آخر زمانہ کے متعلق ہے لایبقی من الاسلام الا اسمہ صرف نام کا اسلام باقی رہ جائیگا اور جہانتک ہندوستان کا تعلق ہے یہ بھی نہین رہا کمنڈو۔ خان۔ اے۔ آر۔ رحمان۔ کیو۔ اے۔ رضوی۔ اسلوح کے سیکڑون نام اس نفرت کو ظاہر کرتے ہین جو اسلامی ترکیب اور اسلامی زبان سے دلون مین پیدا ہو گئی ہے اکبر مرحوم اس چیز کو دیکھ رہے تھے اور اسکا ماتم کیا کرتے تھے فرماتے ہین۔

مزہ کا جشن تھا کل ایک شراب خانہ مین   کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے مین

خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلمان ہین   وگرنہ جیسے رہتے نہ اس زمانہ مین

نئے تعلیم یافتہ جماعت کے مرشد اعظم کی جو دینی حالت ہے اسکا فوٹو یون کھینچا ہے۔

اہل یورپ کے ساتھ ہوٹل مین   چکھی سید نے ایکدن کاری

خانساماں نے کان مین یہ کہا   آپ تو علم سے نہین عاری

پڑھیے کوئی دعاے اکل طعام   دین سے بھی رہے وفاداری

تب یہ اشعار حضرت سعدی   ہوئے اُن کی زبان پر جاری

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب   گبر و ترسا وظیفہ خورداری

دوستان را کجا کنی محروم   تو کہ با دشمنان نظر داری

ایک طویل نظم مین مسلمانون کی جس عبرت ناک اور حد سے زیادہ افسوسناک حالت کا چربہ کھینچا ہے۔ اور اس مین علاوہ غیرت و عبرت کے گران بہا ذخیرہ کے جو انہون نے کمالات شاعری و ادب ودیعت رکھے ہین اسکی داد وہ چند آنسو ہو سکتے ہین جو دل کے اضطراب سے آنکھون سے برس پڑین اسی کے ساتھ جن اچھوتی اور دلآویز تشبیہون سے ایک جمال رعنا کا فوٹو کھینچا اور حکمران جماعت کی جو ذہنیت مسلمانون کے متعلق ہین اُنکی جس خوبی سے تصویر کشی کی ہے وہ بے مثل و نظیر ہے۔

برق کلیسا

رات اوس مس سے کلیسا مین ہوا مین جو دو چار   ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ بہار

زلف پیچان مین وہ سج دھج کہ بلائین بھی مرید   قد رعنا مین وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھین وہ فتنۂ دوران کہ گنہگار کرین   گال وہ صبح درخشان کہ ملک پیار کرین

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے   دلکش آواز کہ سنکر جسے بلبل چہکے

دلکشی چال مین ایسی کہ ستارے رک جائین   سرکشی ناز مین ایسی کہ گورنر جھک جائین

آتش حسن سے تقوی کو جلانے والی   بجلیان لطف تبسم سے گرانے والی

پیلوے حسن بیان شوخی تقریر مین غرق   ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات مین برق

پس گیا لوٹ گیا دل مین سکت ہی نہ رہی   سر تھے تمکین کے جس مین وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اسوقت اثر کچھ نہوا   یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا!

عرض کی مین نے کہ اے گلشن فطرت کی بہار   دولت و عزت و ایمان ترے قدمون پہ نثار

تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے   ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش مین مین نے جو زبان یون کھولی   ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانون سے   بوے خون آتی ہے اس قوم کے افسانون سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بنکر | حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بنکر
گل کھلائے کوئی سید انہیں تو اترا جائیں | پائیں سلمان ائمہ امت تو قیامت ڈھائیں
مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد | ہے ہنوز انکی رگوں میں اثر حکم جہاد
دشمن صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی | کامیابی کی دل زار نے آہٹ پائی
عرض کی میں نے کہ اے لذت جاں راحت روح | اب زمانہ پہ نہیں ہے اثر آدم و نوح
شجر طور کا اس باغ میں بودا ہی نہیں | گیسوے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں
اب نہ سینوں میں باقی ہیں براق و رفرف | ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف
ہم میں باقی نہیں اب خالد جانباز کا رنگ | دل پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ
یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوش سپاہ | سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ
جوہر تیغ مجاہد ترے ابرو پہ نثار | نور ایمان کا ترے آئینۂ رخ پہ نثار
اٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحث بد و نیک | وہ دوئی ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک
موج کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد | میں تو تہذیب میں ہوں پیر مغاں کا شاگرد

علی العموم پیر مغاں کا اشارہ بانیان علیگڑھ کالج کی طرف ہوتا ہے۔

مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپکو اے جان نہیں | نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں
جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحب فہم | تو نکالو دل نازک سے یہ شبہہ یہ وہم
میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنسکے بولی کہ تو پھر مجھکو بھی راضی سمجھو

خاص اصطلاحات

اسی دردناک مضمون کو دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں۔

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں | قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیال فردا کس کو | جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے بعض الفاظ ہیں جو اکبر کی اصطلاح میں خاص مفہوم رکھتے ہیں۔ چنانچہ انجن، ریل اور کل سے علی العموم انکی مراد عالم مادیت دنیا پرستی اور انگریزی تمدن کے اثرات ہوتے ہیں اسی طرح کمسریٹ سے مراد انگریزوں کی غلامی ہوا کرتی ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

عجب کیا شیخ گر کمسریٹ میں مشتاق غلامی ہیں | ہمارے اونٹ صاحب خود بھی کمسریٹ کے حامی ہیں

اسی طرح اونٹ سے انکی اصطلاح میں اسلامی تمدن، تہذیب عربی اور اسلام تک مراد ہوتا ہے اسی طرح گاے سے وہ علی العموم ہندو قوم اور بعض دفعات ہندوستان مراد لیتے ہیں۔

اونٹ لے گایوں کو صدر شہر کو ساجھی کیا | پھر تو مینڈھک سے بھی بدتر نے پایا اونٹ کو

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس | اونٹ گنگا میں بہ گیا افسوس
دیکھ کر ہم کو ایسی دلدل میں | راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

ابھی حال میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے سلسلہ میں ذبح بقر ترک کرکے اپنے قدیم حقوق اور مذہبی روایات کی جو قربانی مسلمانوں نے کی تھی اوس پر کس لطیف پیرایہ میں اظہار افسوس کرتے ہیں۔

چھوٹ میں جو گاے ماتا کہہ کے اونٹ بولے | افسوس شیخ جی ہم کو پتا نہ سمجھا

ماتا اور پتا کی باہمی نسبت کی غالباً مولد استاد امانت کے لینے والے ضرور داد دینگے۔

مسلمانوں کی مادہ پرستی

اکبر عقیدتاً نان کو آپریٹر تھے لیکن انکا یہ نان کو آپریشن اس لئے تھا کہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ انگریزوں کی یہ غلامی اعضا کو چھوڑ کر دماغ، قلب بلکہ ایمان کو بھی متاثر کر رہی ہے اور اس سے دین کی بنیاد ڈھکول ہوتی جاتی ہے صاحب یاد ہیں خدا بھولا جاتا ہے تنخواہ کے آگے اللہ کو کوئی نہیں جانتا۔ وصول کے مقابل رسول کی عظمت نہیں رہی اور حجاز کو چھوڑ کر لندن قبلہ مجازی ہوا جا رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

مقابل کفر کے وہ نمود اسلام کی اکبر | مگر اب انقلاب دہر سے باقی کہاں کافر
نصاریٰ قبلۂ مقصود ہیں ہندو برادر ہیں | زمیں شعر ہی میں رہ گئی ہے لف تباں کافر

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

یورپین علوم اور سائنس کے مقابلہ مین علوم اسلامی کو جو شکست ہوتی جاتی ہے اس کا یہ حال ہے۔

دلوں پہ مارتے جاتے ہین چپا بہ سپر   پڑھو گے حضرت سعدی کی بوستان کب تک
آگے انجن کے دین ہے کیا چیز   بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

اس شعر مین اس امر کی طرف بھی ایک اشارۂ بلیغ ہے کہ دین کی حالت مین کی ایسی ہے جس سے محض روح کی لذت ہے اور سائنس کی بدولت مالی نفع بھینس کی طرح حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ مین یہ عجیب پر لطف شعر فرماتے ہین۔

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہین تو کچھ بھی نہین   یارون نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہین تو کچھ بھی نہین

جناب شیخ ایشیا کے دیگر شاعرون کی طرح ہمارے حضرت اکبر بھی شیخ سے سخت ناخوش ہین لیکن اس لیے نہین کہ وہ شراب کی مذمت کرتا، ساغر و مینا کا دشمن اور شاہد پرستی کا مخالف ہے بلکہ اسلیے کہ وہ انبیا کی اس وراثت سے محروم ہے جو اسکو اسکے علم نے دلائی ہے اور اسلیے کہ اپنی مسند ہدایت پر بیٹھکر ارشاد و تبلیغ کرنیکے بدلے جدید اثرات سے متاثر ہوتا جاتا ہے فرماتے ہین۔

نہین اب شیخ صاحب کی وہ عادت   وضو کی اور مناجات سحر کی
مگر ہان جا سے بیکر حسب دستور   تلاوت کرتے ہین وہ پانیر کی

ایک جگہ شیخ کی بے ضرورت گوشہ نشینی اور بزدلی و غفلت برتنے کی طرف یون اشارہ کرتے ہین۔

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے ہین کچھ   گھر مین بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہین۔

تثلیث اور والتین کی مناسبت کے ساتھ یہ بھی لحاظ خاطر رہے کہ بندۂ شکم اور عبد المعدہ شیخ نے قرآن کے پورے تیس سیپارون مین اسی سورۃ کو منتخب کیا جس مین دو دو کھانیکی چیزون کا ذکر ہے یعنی انجیر اور زیتون شیخ کی عام ظاہری حالت کا یہ خاکہ ہے۔

شیخ کی وہ وضع نہین وہ شیخ کی داڑھی نہین   دوستی مذہب سے ہے پر بقدر داڑھی نہین

شیخ کی اخلاقی پستی اور دنائت و بیباکی کا یہ عالم ہے۔

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہین   مگر اندھیرے اجالے مین چوکتا بھی نہین

شیخ کی زن پرستی کی طرف یون اشارہ فرماتے ہین۔

شیخ صاحب کو نہین شاعر دلی بات سے کام   حسن کی قید نہین ان کو ہے مستورات سے کام

دوسرے شعر مین شیخ کی زن مریدی کے ساتھ اس امر کی طرف بھی لطیف اشارہ فرماتے ہین کہ انگریزی تعلیم یافتہ جماعت اور علماء کے درمیان جو خلیج مغائرت حائل ہو گئی اسکو جلد پٹ جانا چاہیے اور یہ جماعت جو سب سے زیادہ علماء امت کی توجہ کی محتاج ہے انکی طرف علماء کا جلد متوجہ نہ ہونا ملک و قوم کی بڑی سیہ بختی ہے۔

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھے کہدیا   آپ بی۔اے پاس ہین اور بندہ بی بی پاس ہے

ہادیان ملت جس طرح گولر کے بھنگے بنے رہتے ہین اور سیاسیات حاضرہ اور دنیا کے موجودہ تغیرات سے بے خبر ہین لیکن اسکے ساتھ اپنے قدیم اصول و وضع پر جو انکو متعصبانہ ضد ہے اور تکفیر و تفسیق امت اور سب و شتم مین یہ لوگ جس قدر آزاد مین اسکا فوٹو یہ ہے۔

حال دنیا سے بیخبر ہین آپ   گو تقدس مآب بیشک ہین
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے   چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہین
شیخ جی کو جو آ گیا غصہ   لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید   تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمھاری نمود بس اتنی   جس طرح ہو پڑی پرید پہ لید

علم و علماء کی ناقدری جہان شیوخ امت اور علماء دین کی تغافل شعاریون اور تعطل کے وہ ماتم گسار تھے وہان انکو اس ناقدری اور رسوائی سے بھی سخت اذیت تھی جو نوخیز جماعت اور حکومت حاضرہ کے ہاتھون اس مقدس اور واجب الاحترام جماعت کی ہو رہی ہے۔

شرکت شاتمانہ قلیون کی اور دھتون کی   کچھ نہین مطلب ہے گر کچھ ہے تو ٹٹون کی

نہیں ہے قدر تو بس علم و دین و تقوی کی — خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی
سید اٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے — شیخ قرآن دکھاتے رہے پیسا نہ ملے

اغیار تک اس دردناک بے غیرتی پر تمسخر کرتے ہیں۔

شیطان نے دیا یہ شیخ جی کو نوٹس — بالکل ہی گیا زور آپ کا ٹوٹ
آئندہ پڑھیں گے آپ لاحول اگر — فوراً دونگا انگریزی [illegible]

سرسید نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا تھا کہ [illegible] باطل کرنا قوم کی ترقی کے [illegible] ہے مرحوم اس خیال [illegible] کی یہاں تردید کرتے ہیں

ہم نے وعظ کی خوب [illegible] — یہ بات مگر [illegible]
[illegible] — [illegible]

لیڈران قوم علماء کی جو کچھ حالت ہے وہ آپ سن چکے ہیں لیکن وہ [illegible] اور جو اپنے کو قوم کی قیادت کا اہل سمجھتے تھے انکی حالت ان سے بھی بدتر ہے انکی غرض [illegible] قومی [illegible] رہی ہے

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ — رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

یہ حالت مسلمانوں کی راہ نما بنکر اسلام سے اسقدر بے نیاز ہے۔

[illegible] — مگر نماز و دعا کا نہیں ذوق انہیں
بغیر طاعت حق ہے خیال [illegible] — خدا کے [illegible] فوق انہیں

انکی حالت [illegible] جعلی اور مصنوعی ہے

لیڈری چاہو تو لفظوں میں [illegible] — [illegible] اور اہل میز کو راضی کرو

ان کے اصلاح قلبی اور درد قومی سے محرومی کا یہ عالم ہے۔

آنے والے [illegible] انجمن دل گیر ہے — کوئی کالج کی طرف [illegible] کونسل کی طرف

مسلمانوں کی عام حالت اگر اسپیچ اور اسکیم بازی سے قومیں ترقی کر سکتی ہیں تو یقیناً اس وقت موجودہ دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ کوئی ترقی یافتہ قوم نہیں لیکن اس شور و شغب اور بلند ہنگاموں کے باوجود انگریزی تعلیم تک میں جسکو امراض قومی کا واحد علاج سمجھا جاتا ہے جو مسلمانوں کی پستی اور غفلت ہے اسکی یہ حالت ہے۔

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر — مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں — نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تمکو اک فرضی لطیفہ — کیا ہے جس کو میں نے زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے — کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم۔ اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے — بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی — کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت — کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے — ہرن پہ لادی جاتی ہے کہیں گھاس

مسلمانوں کی اس ذہنیت کو کہ ہم حکومت کر چکے ہیں اس لئے ریاضی و سائنس میں وقت ضائع کرنا ہماری قومی اہانت ہے یہ ہندو لوگ کیسے کس بلاغت سے ادا کرتے ہیں۔

یہ ابھی قدر دانی آپ نے کی — مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچنداس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود — نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ — تو استعفا مرا با حسرت و یاس

سیرت انسانی کا تاریک ترین پہلو یہ ہے کہ وہی زبان جو دوسروں کے سامنے صاعقہ پاش ہوتی ہے گھر والوں کے مقابلہ میں حرف ہو جاتی ہے اور وہی قلم جو اغیار کے لئے تیر و سنان بن سکتا ہے اپنے پارہ ہائے جگر کی شاخ شکستہ ہو جاتا ہے اس لئے دنیا کے سب سے بڑے ہادی کو پہلا حکم یہ ملا تھا "اپنے اقربا کو ڈراؤ"

صاحبزادہ کو نصیحت سید عشرت حسین صاحب (خدا انکو زندہ رکھے) آپکے اکلوتے بیٹے یورپ تحصیل علوم کے لئے گئے ہوئے تھے اس خیال سے کہ یورپ کے مسموم اثرات سے ان کا متاثر ہونا نیچرل ہے اکثر اپنے خطوط میں انکو مختلف ہدایتیں لکھکر بھیجا کرتے تھے اور ان خطوط میں جس دلآویز انداز میں انکو نصائح فرماتے ہیں وہ اس قدر

ضروری اور موثر ہین کہ ہر مسلمان کو انھین حفظ کر لینا چاہیے ان مین جو لطیف اشارہ، نازک استعارہ بے مثل تشبیہین اور لطف زبان ہین انکی لذت سے مذاق سلیم ہی لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

عشرتی گھر کی محبت کا مزا بھول گئے   کھا کے لندن کی ہوا عہد وفا بھول گئے
جو بچے ہوٹل مین تو پھر عید کی پروا نہ رہی   کیک کو چکھ کے سوئیون کا مزا بھول گئے
بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچون مین وہان   سایہ کفر پڑا نور خدا بھول گئے

بالکل نئی تشبیہ ملاحظہ ہو۔

موم کی پتلیون پر ایسی طبیعت پگھلی   چمن ہند کی پریون کی ادا بھول گئے
کیسے کیسے دل نازک کو دکھایا تمنے   خبر فیصلۂ روز جزا بھول گئے
بخل ہے اہل وطن سے جو وفا مین تمکو   کیا بزرگون کے وہ سب جود و عطا بھول گئے
نقل مغرب کی ترنگ آئی تمھارے دلمین   اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکون نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روش دین خدا بھول گئے

گھر سے بلاوے کے خط پر خط جا رہے ہین مگر صاحبزادے ہین کہ وطن کا گویا نام ہی بھول گئے ہین اس موقع پر ایک خاص اثر سے انکو شفقت نامہ بھیجتے ہین۔

لندن کو چھوڑ لڑکے اب ہند کی خبر لے   بنتی رہین گی باتین آباد گھر تو کر لے
راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کر کے چلدے   اپنے وطن کا رخ کر اور رخصت سفر لے
انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ ناپی   دینی طریق مین بھی اپنے قدم کو دھر لے
نیچر پکارتا ہے ہم اصل نسل تیری   کہتی ہے ہسٹری بھی بس جا اور اپنا گھر لے
واپس نہین جو آتا کیا منتظر ہے اسکا   مان خستہ حال ہووے بیچارہ باپ مر لے
مغرب کے مرشدون سے تو پڑھ چکا بہت کچھ   پیران شرقی سے اب فیض کی نظر لے
مین بھی ہون اک سخنور آ سن کلام اکبر   ان موتیون سے آ کر دامن کو اپنے بھر لے

حکومت وسیاست

مرحوم خان بہادر تھے جزو حکومت تھے اور برٹش راج کے خیر خواہ بھی تھے لیکن اسی کے ساتھ حکومت کی بہت پالیسیون اور روشون کو نظر نفرت سے دیکھتے تھے اور وہ اس حکومت کا سب سے بڑا ظلم اور تباہ کن اثر یہ سمجھتے تھے کہ اسکے ہاتھون دین کی عمارت ڈھا رہی ہے اور گورنمنٹ کے کالج اور ہسپتال مادی ظاہری نفع پہونچا کر ہمارے مذہب اور تہذیب کو ضرر پہونچا رہے ہین اور مشرقی تہذیب و تمدن جو ایشیا کا مایۂ ناز ہے انکی وجہ سے ختم ہوا جا رہا ہے سنہ ء کا واقعہ ہے کہ الہ آباد مین ملک کے تمام رہنمایان قوم تحریک نان کو آپریشن کی سنگ بنیاد رکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے راقم الحروف کا معمول تھا جب الہ آباد جاتا عشرت منزل مین حضرت مرحوم سے ضرور قدمبوس ہوتا تھا اور اپنے خالی اوقات کا بڑا حصہ ان ہی سے استفاضہ مین گزارتا چنانچہ مین بھی اس جلسہ کے لیے الہ آباد گیا تھا چار بجے کے قریب جلسہ برخاست ہوا واپسی مین ان کے در دولت پر حاضر ہوا مجھسے پوچھا کہ کیا طے ہوا مین نے عرض کیا ترک موالات اصولی حیثیت سے طے ہو گیا فرمانے لگے تم سمجھتے ہو اس کا کیا سبب ہے؟ مین نے عرض کیا خلافت کی تباہی اور پنجاب کے مظالم فرمانے لگے یہ جواب سطحی ہے مین اسکا سبب گورنمنٹ ہی کو سمجھتا ہون پھر یہ نو تصنیف قطعہ سنایا۔

یہ جو ہنگامہ ہے جسکی ہر طرف تائید ہے   آپکی تعلیم ہے اور آپکی تقلید ہے
مستحقان ادب کو آپ نے رسوا کیا   آپکے دعوی عظمت کی بھی اب تردید ہے

اس کے بعد فرمایا انھون نے اللہ رسول، پیر امام، استاد اور باپ سے لڑکون کو گستاخ کیا اس لیے قدرتاً اب انکا نمبر آنا چاہیئے۔

گورنمنٹ کی مالی پالیسی جس قدر شرمناک ہے اور جس طرح غریب ہندوستانیون کو گرانبار ٹکسون سے دبا رکھا ہے اس پر وہ ہمیشہ لطیف پیرایون مین اعتراض کیا کرتے تھے۔

عہد اسلام و عہد انگلش مین   سنئے قول اکبر سخن گو کا
پہلے توحید تھی تو اب چندہ   آگے غل ایک کا تھا اب دو کا
خدا رکھے سلامت اس نظر کو   کہ جس نے سیم کو رکھا نہ زر کو

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند   یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
ہم سب ہین مطیع و خیر خواہ انگلش   یورپ کے لیے بس ایک گدام ہے ہند

مذہبون کی تباہی جو اس حکومت کے ہاتھون ہوئی اس کے اعلان مین وہ سرخیل احرار سے بھی زیادہ آزاد ہین چنانچہ فرماتے ہین۔

پنڈت نے خوب بات کہی جوش طبع مین   ناحق گزشتہ عہد پہ یون طعنہ زن ہین آپ
پتھر کے بدلے اب تو دھرم ٹوٹنے لگا   محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہین آپ

مسلمانون کی جو دینی تباہی اور فساد عقائد اس دور کی سبز قدمی سے ہوئی اسکو اس فصیح و بلیغ قطعہ مین یون ظاہر فرماتے ہین۔

کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت   نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہین
نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہین مدد   نہ فاتحہ کے طریق ادا کو مانتے ہین
نظر تو کیجیے اس بات پر جو ہین ہندو   بصد خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہین
بہت وہ ہین جو عناصر پرست ہین دل سے   وہ آگ جلتے ہین یا ہوا کو مانتے ہین
کرشچین بھی فدائی ہین نام مریم کے   بدل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہین
خود آپ ہی مین جو ہین شیعیان با تمکین   وہ اہل بیت کو آل عبا کو مانتے ہین
وہ لوگ جو ہین ملقب بہ صوفیائے کرام   فدا قبور پہ ہین اولیا کو مانتے ہین
مرادین مانگتے ہین لوگ پاک روحون سے   کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہین
پھر آپ مین یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ   نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہین
جواب انھون نے دیا ہم ہین پیرو قرآن   ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہین
سند ہماری ہے ایاک نستعین اے دوست   اسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہین
اسی کا نام زبان پر ہے حی اور قیوم   اسی کی قدرت بے انتہا کو مانتے ہین
یہ بولے شرک ہی ہے جنگ اختلاف کی جڑ   تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہین
جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر   ہم انکے قول درست و بجا کو مانتے ہین
ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر   خدا کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہین
زبانی کہتے ہین سب کچھ مگر حقیقت مین   وہ صرف قوت فرمانروا کو مانتے ہین

مگر اس کا ذمہ دار کون ہے؟ جواب سنیے۔

چلے چرچے رہے مذہب کے نہ وہ قصہ دل ہے   پرچے ہین اب اخبار کے اور آرٹیکل ہے
اس عہد مین مائل سوئے ایجاد جو دل ہے   اسکی تو گورنمنٹ ہی سیا نسبل ہے

ہندو مسلم اختلاف ہندو مسلمانون مین بنائے اختلاف اردو ہندی کا مسئلہ بنا تھا جو سر انیٹی میکڈانلڈ کا ایک معمولی شوشہ ہے اکبر مرحوم اس احمقانہ مخالفت کو بڑی نفرت کی نظر سے دیکھتے ہین اور اس نادانی پر عجب دلکش انداز سے قوم کو ہشیار کرتے ہین

علم پہ بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی   تخلیہ کی بات پبلک کے دلون مین گڑ گئی
وصل کی شب مین نے اس بت سے لڑائی مول لی   یہ اثر اس کا ہوا اردو سے ہندی لڑ گئی

دوسری بنائے مخاصمت گائے ہے ایک قطعہ مین ان دونون کی طرف یون اشارہ کرتے ہین۔

وہ لطف اب ہندو و مسلمان مین کہان   اغیار ان پر گزرتے ہین خندہ زنان
جھگڑا کبھی گائے کا زبان کی کبھی بحث   ہے سخت مضر یہ نسخہ گاؤ زبان

سیاسی اشتباہ اتنے قدیم خدمات و وفاداری اور اعلی حکام سے گہرے نیاز مندانہ تعلقات کے باوجود اکبر مرحوم اپنی اسلام دوستی کی بنا پر ایک کافی مدت تک حکومت کی نظر مین مشتبہ رہے اور یہ آج کی بات نہین ابتدائی عہد حکومت سے انگریز اپنی قوم کے سوا کسی کو اپنا دوست نہین سمجھتے اس سیاسی اشتباہ کو ایک مطلع مین کس پاکیزگی سے بیان کرتے ہین

رقیبون نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ مین   کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانہ مین

واضح ہے اس زمین حکومت کا کلمہ پڑھنا چاہیے پھر اکبر کیون خدا کا ذکر کرتے ہین ایک موقع پر زیادہ صاف صاف فرماتے ہین۔

تمدن پہ ہے شبہہ اور حقارت کی نظر   تیاون پہ ہے غصہ و شرارت کی نظر

ایک موقع پر اس بیجا اشتباہ کی وجہ سے اپنی پوزیشن کی نزاکت کا یون اظہار فرماتے ہین۔

مذہب کے جو ہو رہو تو سرکار کا خوف   مذہب سے اگر پھرین تو پھٹکار کا خوف
دونون سے اگر پھرین تو اغیار کو ہے   بیرونقی دوکان و دربار کا خوف

کچھ ادبی چاشنی

اس وقت تک آپکے سامنے اس کان کمال سے وہی جواہر پیش کیئے گئے ہین جن مین تبلیغ اسلام، اصلاح معاشرت اور محبت اسلام وخدا اسلام کی ضیاء تھی ہان کہین کہین سیاست کی ہلکی کرن بھی جلوہ پاش تھی اس لیئے خطرہ ہوتا ہے کہ اس خشک مضمون نے آپکو بدذل نہ کردیا ہو اس لیئے آہ کے ساتھ کچھ واہ کا بھی سامان ہونا چاہیئے وقت کافی گذر چکا ہے اور حکایت اپنی دلچسپی کی وجہہ سے دراز تر ہوتی جاتی ہے ابھی اکبر مرحوم کا فارسی کلام بے نظیر غزلین استادانہ قطعہ اور مشاقانہ رباعیان باقی ہین بلکہ ان کے کلام کا ایک ہی حصہ جو زیادہ تر ایک ہی دور کا ہے اور تقریباً ایک ہی مقصد سے متعلق تھا جستہ جستہ سنایا گیا وہ میدان جس مین انکا شہب قلم تمام اقران اور بہت سے اکابر سے بازی لیجا چکا ہے آپ سے بہت دور ہے لیکن اسکو آیندہ کی فرصت ومشیت ایزدی پر محول کرکے ان کے اسکے دلچسپ رخ کمال کے ایک سامعہ نواز وراحت جان حصہ کے ایک کونے کو بے نقاب کرنا چاہتا ہون جس کے متعلق وہ کہہ سکتے ہین فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ یعنی قافیہ پیمائی سچ یہ ہے کہ اکبر قافیہ کے بادشاہ تھے انوکھے اور بے تکے سے بے تکے قافیہ جو عام شاعرون کے تخیل مین بھی نہین آتے اکبر انکو نظم کرتے ہین اور پھر کیا مجال کہ یہ احساس ہوسکے کہ استادہ لکھنؤ کی طرح محض قافیہ کی خانہ پری کے لیئے بلکہ اس لطافت کے ساتھ کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی لفظ بیان کے لیے ضروری تھا۔

مثلاً نوج روزمرہ ہم اپنے گھرون مین سنتے ہین اسکو نظم کرنا کجا شعر کہتے وقت اس کا تخیل بھی نہین آتا مگر استاد مرحوم کیا خوب فرماتے ہین

اکبر دبے نہین کسی سلطان کی فوج سے — لیکن شہید ہوگئے بیگم کی نوج سے

یہان پر نوج کا لفظ ایک ایسا نگینہ ہے جسکو بدلنے کے معنی شعر کو مسخ کردینا ہے۔

حکیم عبدالعزیز صاحب ہمارے لکھنؤ کے حاذق اور ہر دلعزیز طبیب تھے انکے نام کو ایک عجیب قافیہ سے باندھا ہے۔

نہین مناسب کہ ہو یہ محو ابھی لطیف موزون حب — بجا ہے فرما رہے ہین جو کچھ حکیم عبدالعزیز صاحب

مرشدی حضرت مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کے شان مین ایک مطلع مرحوم نے فرمایا تھا سچ یہ ہے کہ مطلع الہامی اور عام انسانی قوت ان سے بلند ہے فرماتے ہین۔

اے چرخ ہوا شوق چلے شاخ عمل گلباری کر — کچھ کام کرین کچھ سعی کرین شیخ کو عبدالباری کر

دیکھیے عبدالباری کا قافیہ گلباری کھتا اور شاخ عمل کی گلباری مرحوم کو بزم شعر مین مسند صدارت دلا رہی ہے اور سنیے

عادت جو پڑی ہو بچپن سے وہ بھلا کب چھوٹی ہے — رکھی ہے چھوٹی پاکٹ مین تلون کے نیچے دھوتی ہے

پکا لین سیکڑون دیشیان ہوٹے سے جو لانا — ہماری کیا ہے بھائی نہ مسٹر ہین نہ مولانا

اس زمانہ مین اڑنگے دیکھکر قانون کے — شیخ نے تقدس کی ہجرت طرف پتلون کے

مین کہتا ہون جاتے ہو لاہور بلا قوت — وہ اسکو سمجھتے ہین لا حول ولا قوت

فضل خدا سے عزت پائی آج ہوئے ہم سی ایس آئی — شیخ نے سمجھے لفظ انگریزی لجے ہین یہ عیسائی

ہم ایسی سب کتابین لائق ضبطی سمجھتے ہین — کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہین

کچھ الہ آباد مین سامان نہین بہبود کے — یان دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

بھائی مجھے کل یہ بات بری لگتی کی — تفریق اڑا دو شیعہ، وسنی کی

جیسا موقع ہو بس بٹھا دو وہ نگین — ہیرے کی نہ شرط ہو نہ ضد چینی کی

کمال کیا ہے کہ اجمیر شریف مین اجمیر کو قافیہ اور شریف کو ردیف بناکر ایک پرلطف قطعہ یون فرماتے ہین۔

او نچے ہین رذیل اور نیچے ہین شریف — قسمت کا یہ دیکھتے ہین اب پھیر شریف

اکبر کو یہ مجتبے نے دی خوب صلاح　　چلد یجئے بھائی صاحب اجمیر شریف

۱۹۰۳ء مین لارڈ کرزن کی وائسرائلٹی کے زمانہ مین ایک عظیم الشان دربار دہلی مین منعقد ہوا تھا اکبر مرحوم نے اسکے مختصر واقعات کو نظم کرنے مین عجب حسن قوافی دکھلایا ہے اور لطف یہ ہے کہ جس منظر کی انھون نے تصویر کشی کی ہے وہ انھون نے اپنی آنکھ سے نہین دیکھا تھا اکبر کی یہ نظم اونکی ماسٹرپیس ہے جس کی نظیر اردو کی سیکڑون مثنویون اور قصیدون مین آجتک نظر نہین آئی۔

سر مین شوق کا سودا دیکھا　　دہلی کو بھی ہم نے جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا　　کیا بتلائین کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھکو بادۂ صافی　　شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہون یارون سے معافی　　خیر اب دیکھیے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا　　اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا　　حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے　　گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینین اور بھالے دیکھے　　بینڈ بجانے والے دیکھے

خیمون کا اک جنگل دیکھا　　اس جنگل مین منگل دیکھا
برمھا اور ورنگل دیکھا　　عزت خواہون کا دنگل دیکھا

سڑکین تھین ہر کمپ سے جاری　　پانی تھا ہر پمپ سے جاری
ور کی موجین لیمپ سے جاری　　تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہرون پر مردی دیکھی　　کچھ چہرون پر زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی　　دل نے جو حالت کردی دیکھی

ڈالی مین نارنگی دیکھی　　محفل مین سارنگی دیکھی
بیرنگی بارنگی دیکھی　　دھر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھون کو بھٹکا دیکھا　　بھیڑ مین کھاتے جھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا　　دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم　　ان کا چلنا کم کم تھم تھم
زرین جھولین نور کا عالم　　میلون تک وہ چم چم چم چم

پر تھا پہلوئے مسجد جامع　　روشنیان تھین ہر سو لامع
کوئی نہین تھا کسی کا سامع　　سب کے سب تھے دید کے طامع

سرخی سڑک پر کٹتی دیکھی　　سانس بھی بھیڑ مین گھٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی　　لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چوکھی دیکھی　　خوب ہی چلھی پکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی　　شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا　　ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا　　میرا حصہ دور کا جلوا

اوج برٹش راج کا دیکھا　　پرتو تخت و تاج کا دیکھا

رنگ زمانہ آج کا دیکھا رُخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہونچے چاند کے سات سمندر تحت میں ان کے بیسیوں بندر
حکمت و دانش ان کے اندر اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقی اُن کا چرخ ہفت طباقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو ان کے خیر طلب ہیں ہم کیا ایسے سب کے سب ہیں
ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں سب سامانِ عیش و طرب ہیں

اگزیبیشن کی شان انوکھی ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی
اقلیدس کی ناپی جوکھی من بھر سونے کی لاگت سوکھی

جشن عظیم اس سال ہوا ہے شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کوچۂ و برزن بال میں ناچیں لیڈی کرزن
طائر ہوش تھے سب کے پرزن رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آکے یکایک زریں تھی پوشاک جھکا جھک
محو تھا ان کا اوج سماتک چرخ پہ زہرا انکی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوج فلک تھی اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی بزم عشرت صبح تلک تھی

کی ہے یہ بندش ذہن رسا نے کوئی مانے خواہ نہ مانے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے جسنے دیکھا ہو وہ جانے

غزل

(از جناب بابو حسن احمد صاحب حسن چھپروی)

جب سے جدا ہوں اُس بتِ گل پیرہن سے دور فرقت سے ہو گئی ہے طاقت بدن سے دور
اپنی خوشی سے کون ہوا ہے وطن سے دور خود عندلیب رہ نہیں سکتی چمن سے دور
تسکین ہو گئی ہے تجھے تو قلبِ زار کو ہو اس خیال یار نہ مجھ خستہ تن سے دور
انداز جفا یار نے ثابت یہ کر دیا ممکن نہیں کہ ہو کبھی خستہ بدن سے دور
عاشق سے کوئے یار چھٹے یہ محال ہے ہستی نہیں ہے بلبل شیدا چمن سے دور
دیکھا جدا ہوئے کہ مری موت آگئی وہ دور کیا ہوئے کہ ہوئی جان تن سے دور
دل میں ہو تیری یاد زباں پر رہے ترا نام یارب ہماری روح ہو جب اس بدن سے دور
تیرِ قضا سے کم نہیں تیرِ نظر کی چوٹ اے مرغ دل نشانۂ ناوک فگن سے دور
مر کر بھی اضطرابِ محبت نہ جائے گا ہو گی تڑپ کے لاش ہماری کفن سے دور
گلچیں ہوئے باغباں کی بدولت ہزار حیف بلبل بہار میں ہوئی اپنے چمن سے دور
دنیائے پرفریب کی اللہ ری دلکشی رہتے نہیں جوان بھی اس پیرزن سے دور
کوشش ملاپ کی تو بہت کی گئی مگر رہتا ہے وہ حسین ہمیشہ حسن سے دور

غزلہائے مشاعرۂ انجمن معین الادب لکھنو

منعقدۂ ۲۶ جولائی ۱۹۲۶ء

(بحساب حروف تہجی تخلص)

آثم۔ جناب ماسٹر چھوٹے لال صاحب لکھنوی

جس غنچے کو دیکھا وہ کانٹا نظر آتا ہے　　وحشت مین ہمین گلشن صحرا نظر آتا ہے

برگشتہ رہا کرتی ہے مجھسے مری قسمت　　آہون کا اثر میری الٹا نظر آتا ہے

اک جام مجھے دیدے قربان ترے ساقی　　گلشن پر ابھی بادل چھایا نظر آتا ہے

مرہم کی نہین حاجت میرے دل زخمی کو　　ہر داغ مرا دل پر بہتا ہا نظر آتا ہے

انداز مسرت کا ممکن نہین اے آثم

دیوانیکو جیب کوئی صحرا نظر آتا ہے

آسی۔ جناب مولوی عبد الباری صاحب ایڈیٹر رسالہ خصوصی نظر لکھنؤ

دیوانہ کو جب تیرا جلوا نظر آتا ہے　　امروز مین آشوب فردا نظر آتا ہے

ذرہ بھی مصیبت مین صحرا نظر آتا ہے　　دریا کا ہر اک قطرہ دریا نظر آتا ہے

یان دیر سے ممکن ہے کعبہ کا بدل جانا　　تو حد تعین سے یا لا نظر آتا ہے

پہلو سے چلا تھا دل تو خون کا قطرہ تھا　　آنکھون مین پہونچتے ہی دریا نظر آتا ہے

رنگ چمن حسرت پھرتا ہے نگاہون مین　　جو خون کا دامن پر دہبا نظر آتا ہے

مستغرق وحدت ہے یہ عالم کثرت بھی　　ہر شخص بجائے خود تنہا نظر آتا ہے

اوہام مصیبت مین دشمن مری راحت کے　　ہر گل مجھے گلشن مین کانٹا نظر آتا ہے

طے جسنے کیا غم مین ہستی کے مراحل کو　　ہر نقش قدم اوسکا دنیا نظر آتا ہے

بے ہوش بھی کر دینا اے جلوۂ جانانہ　　اتنا تو سمجھنے دے جلوا نظر آتا ہے

حیرت نے مری پردہ ڈالا ہے زمانہ پر　　دنیا مین وہی مجھکو تنہا نظر آتا ہے

تھا کتنا جنون افزا یارب غم رسوائی　　اب مجھکو زمانہ بھر رسوا نظر آتا ہے

ہے عشق حقیقی تو ارمان کو جدا کر دے　　آغوش تجلی مین سایا نظر آتا ہے

حیرت مجھے اے آسی کس بزم مین لے آئی

پردہ نہین اور پھر بھی پردا نظر آتا ہے

آشفتہ۔ جناب حکیم سید علی رضا صاحب لکھنوی

ہر ذرے مین اک محشر برپا نظر آتا ہے　　دل مٹ کے حقیقت کی دنیا نظر آتا ہے

خاموش ہین یہ عالم ہر خاک کے ذرے مین　　تم غور سے دیکھو تو کیا کیا نظر آتا ہے

اللہ وہی دل جو دنیا سے قیامت تھا　　تا دل یہ ستمگر کے دھبا نظر آتا ہے

اے ذوق وفا اتنا آہون کی حرارت سے　　خاموش بھی جب ہنا شکوہ نظر آتا ہے

کیا جانئے اس دل نے کیا کہدیا پیکان سے　　رگ رگ مین لہو بنکر پھرتا نظر آتا ہے

اللہ ری بربادی اللہ ری ویرانی　　ہر گوشۂ دل اب تو صحرا نظر آتا ہے

ہین ایک حقیقت مین ہستی و عدم دونون　　یہ بیچ مین پردا ہی پردا نظر آتا ہے

کب آئے ہو بالین پر جب ڈوب چلین نبضین　　بیمار محبت کو اب کیا نظر آتا ہے

جب غور سے دیکھا ہے ٹوٹی ہوئی قبرون کو　　اجڑی ہوئی دنیا کا نقشا نظر آتا ہے

کیونکر سے تھمین آنسو زہراب محبت سے　　دل تا بہ جگر خون کا دریا نظر آتا ہے

اک دھوم تھی آشفتہ ہنگامۂ محشر کی

دھندلا سا مرے دل کا نقشا نظر آتا ہے

آفتاب جناب حکیم میرزا علی ظفر صاحب حکیم منے آغا صاحب پروفیسر تکمیل الطب کالج لکھنؤ

ہر حسن مین بینا کو یکتا نظر آتا ہے / وہ ساتھ کمالون کے تنہا نظر آتا ہے

دیوانہ کو وہ جلوہ ہر جا نظر آتا ہے / آباد ہر اک کوہ و صحرا نظر آتا ہے

آئینۂ طلسمی ہے یا جام ہے جمشیدی / دلمین مرے دنیا کا نقشا نظر آتا ہے

ناکامی قسمت مین سیراب ہو کیا تشنہ / ملتی ہے سراب اوسکو دریا نظر آتا ہے

بیمار محبت کو آئینہ دکھاؤ کیون / اب اور ہی کچھ اوسکو نقشا نظر آتا ہے

محرومی ساغر کا رندونکو گلہ اب کیا / ساقی کی خود آنکھونمین نشا نظر آتا ہے

مانع ہے حجاب اوسکا یا نور ہے خود حائل / کوئی دم نظارہ پردا نظر آتا ہے

گھر جب سے بنایا ہے اس عشق کی وحشت نے / ہر گوشۂ دل اپنا صحرا نظر آتا ہے

زندہ جسے دیکھے سے ہوتا ہے دل مردہ / قاتل ہی نکیون ہو وہ عیسا نظر آتا ہے

پر آب جو رہتی ہین آنکھین غم فرقت مین / عالم مجھے دریا ہی دریا نظر آتا ہے

کیون رونے پہ ہنستے ہو ہنسنے پہ تعجب کیا / دیوانہ کو کیا جانے کیا کیا نظر آتا ہے

سنکر مرے مرنیکو ہونے لگی آرائش / اب اوسکے اوٹھنے مین عرصا نظر آتا ہے

وہ کیا ہین خفا اونیا اندھیر ہے آنکھونمین / بگڑا ہوا عالم کا نقشا نظر آتا ہے

ارمانونکے مرنے نے ویران اگر ہو دل / دنیا مین جدہر دیکھو صحرا نظر آتا ہے

جس عاشق صادق کا مطلوب ہے طالب خود / معراج ہے اوسکی گر پردا نظر آتا ہے

موقوف نہین دل پر آنکھ جدہر اُٹھے / اک لفظ وفا خون سے لکھا نظر آتا ہے

جمعیّت خاطر ہے تمہید پریشانی / شیرازہ ہر اک گل کا بکھرا نظر آتا ہے

پھر یاد کوئی آیا پھر ٹھیس لگی دلکو / پھر دیدۂ خون بستہ رستا نظر آتا ہے

اے ہم قفسو شاید گلشن مین بہار آئی / تاریک بہت داغ سودا نظر آتا ہے

وہ اپنے ہی جلوون مین مستور ہوا ایسا / خود حسن حقیقت کا پردا نظر آتا ہے

اللہ ری کیفیت ساقی تری آنکھونکی / نظارہ بھی اک موج صہبا نظر آتا ہے

اُسوقت کوئی دیکھے جب نیند سے وہ اُٹھے / یہ نجم سحر آنکھین مَلتا نظر آتا ہے

افسانۂ و افسون ہے جلوون کی فراوانی / جب تو نظر آتا ہے تنہا نظر آتا ہے

کچھ بھی نہ نظر آئے یون محو تماشا ہو
پھر دیکھ اثر تجھکو کیا کیا نظر آتا ہے

احسن جناب حکیم سید مہدی حسن صاحب لکھنوی

نشتر جو رگ دل تک ڈوبا نظر آتا ہے / کچھ اور ترقی پر سودا نظر آتا ہے

مشکل شب فرقت کا کٹنا نظر آتا ہے / کچھ آج عجب عالم دل کا نظر آتا ہے

ہر تار نفس احسن جلتا نظر آتا ہے / آہونکا اثر شاید اُلٹا نظر آتا ہے

جو اشک دُر افشان کا قطرا نظر آتا ہے / ٹوٹا ہوا گردون سے تارا نظر آتا ہے

واعظ کی نصیحت مین ہو کا نظر آتا ہے / یہ شخص گرفتار دنیا نظر آتا ہے

جو دل تھا جوانی مین پیمانۂ عشرت / وہ آج لہو کا اک دھبا نظر آتا ہے

بیرنگ ہے اے واعظ یہ تنگ سخن سازی / الفاظ کی شوکت مین ہو کا نظر آتا ہے

ہے ماہ سحرگاہی تصویر ندامت کی / اُترا ہوا قاتل کا چہرا نظر آتا ہے

خاطر شکنی کرکے تعریف کے خواہان ہین / یہہ طرز زمانہ سے اُلٹا نظر آتا ہے

نینداونکی اڑاتی ہے فکر ستم ایجادی / بیکار مرا نالہ رُسوا نظر آتا ہے

اے طاقت نظارہ کچھ اور بھی کر ہمت / باریک سا وحدت کا پردا نظر آتا ہے

ہے فکر تخیل کو زندان مین بھی آزادی / زنجیر کے حلقونمین صحرا نظر آتا ہے

اثر جناب مرزا جعفر علی خان صاحب لکھنوی بی اے ڈپٹی کلکٹر

پھر دل سے وہی شعلہ اُٹھتا نظر آتا ہے / پھر چاک گریبان سے صحرا نظر آتا ہے

لب حسن خود آرا کا جلوا نظر آتا ہے / ہان ذوق نظر رسوا ہوتا نظر آتا ہے

بن مثل حباب اپنی ہستی کا ہون آئینہ / قطرہ مری آنکھون مین دریا نظر آتا ہے

دشت محبت سے کون آبلہ پا گزرا / ہر نقش قدم جس کا دریا نظر آتا ہے

سیر فقط اتنی اس گلشن ہستی کی / کچھ رنگ ہر اک جانب اُڑتا نظر آتا ہے

اے دلشکن فطرت اخلاق کی حد پر آ
پھر دیکھ کہ دنیا مین تو کیا نظر آتا ہے

اے ہمت مردانہ امداد کا ہے موقع
دل معرکۂ غم مین تنہا نظر آتا ہے

وا دیدۂ عبرت ہین پھر بھی ہی نظر بندی
یہ شعبدۂ ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے

احسنؔ جناب سید محمد حسن صاحب لکھنوی

دل سے مجھے اب پردہ اُٹھتا نظر آتا ہے
آنکھون کو مری اُنکا جلوا نظر آتا ہے

کب موسی عمران کو تنہا نظر آتا ہے
تا حد نظر سب کو جلوا نظر آتا ہے

ہر قطرہ مین اب مجھکو دریا نظر آتا ہے
ہر ذرہ مین خالق کا جلوا نظر آتا ہے

یاد آتی ہے مجنون کی آشفتہ سری مجھکو
صحرا مین بگولا جب اُٹھتا نظر آتا ہے

پیدا کیا الفت نے اک عالم نظارہ
ان آنکھون سے اب مجھکو کیا کیا نظر آتا ہے

پھر فصل بہار آئی پیغام جنون لائی
ہر برگ شجر وحشت افزا نظر آتا ہے

اعجاز تخیل سے زندان مین بھی وحشی کو
گلشن نظر آتا ہے صحرا نظر آتا ہے

آباد مرے دل مین دنیائے محبت ہے
اس قطرہ مین دریا کا جلوا نظر آتا ہے

کھلتے ہوئے پھولون مین چھلکے ہوئے ساغر مین
اللہ کی قدرت کا جلوا نظر آتا ہے

وصلت کی تمنا ہے تصفیہ فنا کو شی
ارمانون سے دل مجھکو مٹتا نظر آتا ہے

اندھیر ہوئی دنیا تاریکی زندان مین
دل شمع سحر اب ہے بجھتا نظر آتا ہے

کہتے ہین یہین ہوگی تربت مری وحشی کی
کچھ مجھکو غبار ایسا اُٹھتا نظر آتا ہے

ہر قبر شہیدان بھی گنجینۂ عرفان ہے
عبرت کا سبق یانسے ملتا نظر آتا ہے

حساد کے ہاتھون سے صد شکر مجھے احسنؔ
سامان مری بخشش کا ہوتا نظر آتا ہے

اشہرؔ جناب مولوی سید منیر آغا صاحب لکھنوی

اللہ رے اثر پیر اکس کا نظر آتا ہے
سمٹا ہوا خلوت کا پردا نظر آتا ہے

تا ہون ابھی دلمین کچھ کیف جنون باقی
ابتک تو مری حد مین صحرا نظر آتا ہے

اور اس سے زیادہ کیا جوشش دل خون گشتہ
سینے مین لئے طوفان قطرا نظر آتا ہے

جابجا کے سایہ مین کچھ آنکھ جھپکتی ہے
ساغر نظر آتا ہے شیشا نظر آتا ہے

ہر رنگ یہ قدرت ہے اوس ذات کے جلوے کو
جو چاہتا ہے جیسا ویسا نظر آتا ہے

مُنہ دیکھتی ہے قدرت آئینہ گلشن مین
جب وقت سحر پانی ٹھہرا نظر آتا ہے

جب دل کوئی جلتا ہے یاد آتا ہے دل مجھکو
ذرہ جو چمکتا ہے ذرا نظر آتا ہے

جب تک کہ کوئی دلسے بھرتا نہین دم اوسکا
اشہرؔ یہ جہان سارا سونا نظر آتا ہے

امیدؔ جناب ابوالکمال امید امیٹھوی

ہر رنگ مین گو تیرا جلوا نظر آتا ہے
قسمت کہ مجھے پھر بھی دھوکا نظر آتا ہے

مین سب سے جدا ہو کر خالی نہوا تجھسے
تو مجھسے جدا ہو کر تنہا نظر آتا ہے

اب حال مرے دلکا آئینہ ہوا تو کیا
وہ آپ ہی جب پناخید نظر آتا ہے

ویرانگی قسمت آباد رہے یارب
مجکو تو مرا گھر ہی صحرا نظر آتا ہے

طعنون سے بچا اپنے ناکام تماشہ کو
تجھکو بھی اگر تیرا جلوا نظر آتا ہے

اے پردہ نشین آخر اس پردے سے کیا حاصل
جتنا ہی تو چھپتا ہے اُتنا نظر آتا ہے

مینے تو جسے دیکھا تجھسا نہ نظر آیا
جسنے بھی تجھے دیکھا مجسا نظر آتا ہے

دیکھون تو بھلا تجکو جاتا ہے کہان چھپکر
تو دیکھ ذرا مجکو کیسا نظر آتا ہے

مین سب سے برا ہو کر اچھا نرہا تجھسے
تو مجھسے برا ہو کر اچھا نظر آتا ہے

ہر شاخ نشیمن پر چادر سی ہے پھولونکی
لٹکے تو گلستان ہی بدلا نظر آتا ہے

وہ تیغ نظر دیکھے اس کر ادب کو بھی
ہر زخم مرے دلکا ہنستا نظر آتا ہے

دنیا سے برا ہونا اچھا نہین اے نادان
جب خود وہ سے برا ہو تو اچھا نظر آتا ہے

اب تنگ مرا مجکو ممکن ہے نہ جینے دے
وہ ساتھ مرے مجکو تنہا نظر آتا ہے

بے مایگی دلکا رونا ہے کوئی رونا
تھا قطرہ کبھی اب تو دریا نظر آتا ہے

اُمیدؔ وہ اچھا ہے جو خود کو برا جانے
اچھونکو تو اچھا ہی اچھا نظر آتا ہے

امین ۔ جناب امین سلونوی ایڈیٹر رسالہ نظر لکھنؤ

پردہ ہی فقط تیرا جلوا نظر آتا ہے ۔ جو پردہ اُٹھاتا ہوں پردا نظر آتا ہے
دربار محبت کے آئین نرالے ہیں ۔ محمود کہاں آکر بندا نظر آتا ہے
گلشن ہے نہ صحرا ہے کچھ گل ہیں نہ کانٹے ہیں ۔ سب حسن تخیل کا دھوکا نظر آتا ہے
تعریف کے قابل ہے حسن نظر عاشق ۔ اب سب کو ترا جلوہ جلوا نظر آتا ہے
زخم دل بلبل پر پڑتی ہے نظر پہلے ۔ جو پھول کہیں مجھکو ہنستا نظر آتا ہے
اے تمکنت حسن بے پردہ میں باز آیا ۔ انجام تمنا کا خاکا نظر آتا ہے
پھر دور تمنا نے بیتاب کیا دل کو ۔ پھر اشک کے قطروں میں دریا نظر آتا ہے
ایذا طلبی میری غالب ہے مسرت پر ۔ اب درد کا ہر پہلو اچھا نظر آتا ہے
ہے معنی بے صورت ہستی مرے مقصد کی ۔ نظارہ نہ دارد ہے جلوا نظر آتا ہے
پھر طور پر جاتا ہوں اب ارنی کہنے ۔ دیکھوں کہ وہاں جاکر اب کیا نظر آتا ہے
یا جذب محبت ہے یا اہل جہاں محسن ۔ چہرے سے مرے تیرا نقشا نظر آتا ہے
اے غم کے ادا فہمو انصاف سے بتلاؤ ۔ یہ زخم ہے دلبر کیسا نظر آتا ہے
صحرا میں بگولے جب کچھ خاک اڑاتے ہیں ۔ برباد شدہ دل کا نقشا نظر آتا ہے

بلیغ ۔ جناب نواب سید عسکری مرزا صاحب خاں صاحب عرف جناب نواب ابن صاحب لکھنوی

مرکر بھی جنون افزا نقشا نظر آتا ہے ۔ ذرہ مری تربت کا صحرا نظر آتا ہے
حق بینوں کو بد بین کا دھوکا نظر آتا ہے ۔ تو جبکہ ہر اک دل میں تنہا نظر آتا ہے
انداز سے وحشت کا دھوکا نظر آتا ہے ۔ جسکو ترا دیوانہ تنہا نظر آتا ہے
اُس دست حنائی پر آنسو جو بہا میرا ۔ فرماتے ہیں خونابہ دریا نظر آتا ہے
یارب کسی دشمن کا بھی دل نہ جلے ایسا ۔ ہر آہ کے ساتھ اب تو شعلا نظر آتا ہے
کافی ہے زمانے میں طوفان اُٹھانے کو ۔ ہر قطرہ مرے خون کا دریا نظر آتا ہے
اے دشت جنون اتنے وحشت میں چبھے کانٹے ۔ اب گوشہ دامن بھی صحرا نظر آتا ہے
امید نے دل ایسا آئینہ بنایا ہے ۔ جسمیں کہ زمانے کا نقشا نظر آتا ہے
رکھے نہ قدم انساں گر چشم حقیقت ہو ۔ ہر ذرے میں خالق کا جلوا نظر آتا ہے
آخر دل سوزاں کی جلنے کی کوئی حد ہے ۔ اسوقت تو بجھتا سا شعلا نظر آتا ہے
تم نے کبھی وہ باتیں کیں ہمسے نہ خوش ہوکر ۔ جب دیکھا تو غصہ ہی غصا نظر آتا ہے

دل طور نہیں لیکن بجلی سی چمکتی ہے ۔ اللہ یہاں جلوہ کس کا نظر آتا ہے
مہمان کا لانے یوں اعزاز بڑھاتے ہیں ۔ تا جلوہ گہہ اک کچا جلسا نظر آتا ہے
آنے بھی تو کب آئے عجب نزع کا عالم ہے ۔ وہ وقت ہے دنیا پر پردا نظر آتا ہے
مشتاق تو نکی آنکھوں میں بجلی سی چمکتی ہے ۔ آتا ہے تو یوں تیرا سایا نظر آتا ہے

بہار ۔ جناب سید محمد جعفر حسین صاحب عرف محمد صاحب سکریٹری انجمن معین الادب لکھنؤ

ادبار کا عالم بھی دھوکا نظر آتا ہے ۔ دل جب نظر آتا ہے تنہا نظر آتا ہے
ہر نقش زمانہ میں دھندلا نظر آتا ہے ۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ کیا نظر آتا ہے
مشتاق نگاہوں کی اللہ ری سرگرمی ۔ دیکھا اوسے یوں ہم نے گویا نظر آتا ہے
دیکھا تو مگر کچھ بھی گویا کہ نہیں دیکھا ۔ دفتر مری قسمت کا سادا نظر آتا ہے
حسرت زدہ دل ہے اور روتی ہوئی آنکھیں ہیں ۔ عالم ہیں پردا ہی پردا نظر آتا ہے
مشتاق نگاہیں اب یوں تک رہی ہیں ۔ جب کیا نظر آتا تھا اب کیا نظر آتا ہے

ثروت ۔ جناب نواب احمد علی خاں صاحب عرف نواب تین صاحب لکھنوی

اے حسن ہر اک تیرا شیدا نظر آتا ہے ۔ پتھر مجھے مٹی کا پتلا نظر آتا ہے
اللہ ری تری وسعت اے قطرۂ خون دل ۔ ہر تیر حوادث پر دھبا نظر آتا ہے
وہ تیر ترا جس سے کانٹوں سے بھرا جنگل ۔ داماں نظر جسمیں الجھا نظر آتا ہے
آنکھوں میں مری جلوہ ہے طور کی بجلی کا ۔ اک موج سے بہا آتش دریا نظر آتا ہے
خاک اہل فنا کی ہے کچھ روح پسند ایسی ۔ ہر ذرہ نگاہوں میں تارا نظر آتا ہے
دنیا کی ادا انکا ہر ایک ہے دیوانہ ۔ ہشیار ہے وہ جسکو دھوکا نظر آتا ہے
ہے تم میں سواد شب اے شعشعۂ عالم ۔ نظر ہے چلے پھر او ٹھتی ہیں پردا نظر آتا ہے
آ قافلہ الفت ہے جادہ ہی پہ منزل ۔ ہر ایک رگ دل میں چھالا نظر آتا ہے
اللہ ری تری حسرت پھر غصب قاتل ۔ ملبوس کا رنگ اب تو پھیکا نظر آتا ہے
اوس کے مقابل میں جسمیں تری الفت ہے ۔ ویران قیامت کا صحرا نظر آتا ہے
اے آہ عبث نکلی دل سے کہ دھواں تیرا ۔ اک ضبط کے دامن پر دھبا نظر آتا ہے
ذرے نہ سمجھ دل کے اوراق پریشاں ہیں ۔ افسانہ مرا اُن پر لکھا نظر آتا ہے
اس باغ سے جاتا ہے اک دشت میں جنکے ۔ اب خط طلب پتا پتا نظر آتا ہے
میں صبح جو کرتا ہوں روئے دل مضطر کے ۔ انبوہ قیامت کا یکجا نظر آتا ہے
ہے شمع مری تن میں اک کاکل خرمائی ۔ اور سر نفس لے ثروت کانٹا نظر آتا ہے

مطبوعہ مقبول المطابع نظیر آباد لکھنؤ باہتمام مقبول حسین وصل بلگرامی

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

(عطیۂ علامہ سر اقبال)

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا مقبول و جہان عزیز جریدہ

۱۳۴۴ھ

مرتبہ
سید مقبول حسین وصل بلگرامی

جہان مرقع تصویر حسن دوست تمام   بہ حیرتم بہ کہ بندم دل از کہ بردارم



فہرست مضامین

قیمت سالانہ مع محصولڈاک صہ
پانچ روپیہ

نومبر ۱۹۲۶ع

نمونے کا پرچہ ۸
آٹھ آنے



نوٹ - مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اس مہینہ مین بھی کاتب کی غلطی سے صفحہ ۴۱ پر عنوان مضمون تشنۂ الفت (فسانہ) بسلسلہ ماہ اکتوبر از جناب قیسی اجمیری درج ہونے سے رہگیا- جسکا ذکر اکتوبر کے مرقع مین بھی ہو چکا ہے- (اڈیٹر)

حیاتِ حضرتِ رشید ۱۹۲۲

تبصرہ

(از لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی)

مغرب نے اپنے مردون کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور کامیاب ہوا مشرق نے یہ سعی کی کہ اپنے زندہ افراد کو مردہ ثابت کرے - کوئی قوم ایسی غافل نہ ہوگی جیسے مسلمان اور مسلمانون مین مخصوص طبقۂ شیعان کے مساجد انکے امام باڑے ان کے بزرگون کے مقابر اونکی تصنیفات تالیفات انکے تبرکات سب ایسی حالت مین ہین جنکی طرف آنکھ اُٹھاکے دیکھنے کو نہین جی چاہتا یہ ہین ہماری قوم کے کارنامے اور انکی سعادت کے آثار فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَار ایسے ناشناس عہد مین اگر کوئی شخص اپنا گرانمایہ وقت صرف کرکے کسی بزرگ قوم کو زندہ رکھنے کی کوشش کرے تو میرے نزدیک وہ بڑی قدر و منزلت کا مستحق ہے -

دور حاضر کے شعرا مین جناب رشید مرحوم ایک ممتاز صنف مین تھے بیشک ان کے واقعات زندگی آیندہ نسلون کے لیے سبق آموز ہین مجھے جناب سید میرزا آغا صاحب مشہر منشی فاضل کے سحر کار قلم نے یہ حق ادا کیا اور نہایت کوشش و جانفشانی سے جناب رشید کے حالات زندگی کو جمع کرکے کتابی صورت مین شایع کیا - اس کتاب کے خصوصیات حسب ذیل ہین - زبان اور واقعات کا انداز نہایت سادہ اور دلچسپ -

ایک مختصر مقدمہ کے بعد شاعری پر نہایت پر مغز مضمون لکھا ہے جسمین شاعری اور تاریخ مصوری و شاعری کا فرق دکھایا ہے - صحت خیال - قوت اظہار - تناسب الفاظ - اطلاع فن کے متعلق نہایت مفید باتین لکھی ہین اسکے بعد اصل کتاب سید ذوالفقار علی میرزا کے حالات سے شروع ہوتی ہے جو جناب رشید کے جدِ اعلیٰ تھے کشمیر سے دہلی آنا اور سلسلۂ اولاد سے لکھنؤ کا فیضیاب ہونا یہ باب تقریبًا دو جزو مین ہے جسمین رشید کے تمام بزرگون کے حالات اور نہایت دلچسپ واقعات ہین اسکے بعد حضرت رشید کے آخر عہد کا ایک عکس ہے اور سوانح عمری مین حسب ذیل عنوان ہین -

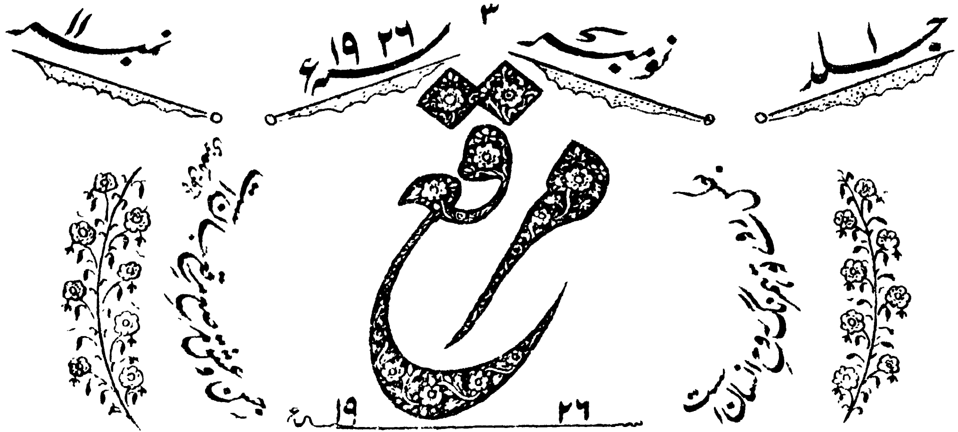
سال ولادت - وضع و لباس - استعداد علمی - اخلاق - اوقات ملاقات - زینت دنیوی سے احتراز - نازک مزاجی - مذہب - تقریر و تحریر - خودداری خاموشی - رشید اور اولاد - بجلی اور رشید - استغنا - رشید اور غزل - سلسلۂ تلمذ - لکھنؤ کے مشاعرے اور رشید - انصاف پسندی - رشید و شعرائے لکھنؤ - انتخاب غزلیات - رشید و مرثیہ - نفیس و رشید - رشید کی ترقی - بہار و ساقی نامہ - رشید و عارف - طرز مرثیہ خوانی - انتخاب مراثی - رشید اور قصیدہ - انتخاب قصائد - رباعیات و سلام رشید شیخ پورہ مین - رشید رامپور مین - رشید عظیم آباد مین - رشید حیدرآباد مین - رشید کلکتہ مین - رشید کانپور و سلیم پور مین - تلامذۂ رشید - وفات و دفن -

ان عنوانون کے ضمن مین بہت سے دلچسپ واقعات ہین جنکا لطف مطالعۂ کتاب پر منحصر ہے - کتاب پر اگر انتقادی حیثیت سے نظر کیجاے تو ایک بڑا حصہ مولف نے تنقید کلام کا نظر انداز کردیا ہے ایسی کتابون مین یہی ایک جزو ہوتا ہے جس سے مولف کی دماغی نشو و نما کا پتہ چلتا ہے لیکن میرا خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ شاید موجودہ طبایع کا رنگ اور یہاں کی آب و ہوا کا اختلاف دیکھکر مولف نے اس پہلو کو بچا یا - اسکے علاوہ مولف کو خود بھی صاحب ترجمہ سے فخر تلمذ حاصل ہے

غرضکہ مجموعی حیثیت سے یہ سوانح عمری مولف کے زور قلم اور جناب رشید کے کمالات کی مدعی ہے کتاب کی مقبولیت کے واسطے یہ بات کافی ہے کہ اسکا انتخاب الہ آباد یونیورسٹی کے انٹرنس کورس مین بھی شامل ہوگیا ہے - قابل مولف نے اسکو اسقدر دلچسپ بنایا ہے کہ چند سطرین پڑھنے کے بعد صاحب ذوق کتاب کو آخر تک پڑھنے پر مجبور ہین یہ کتاب ۱۵۲ صفحہ پر ختم ہوئی ہے ٹائٹل نہایت عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب ۱۹۲۲ء کا یہ نادر تحفہ پڑھیے اور ضرور پڑھیے - تذکرۃ الاولین مواعظ الاخرین ہے

(عزیز - لکھنوی)

ملنے کا پتہ :- ۱ - خواجہ عبدالرؤف عشرت چوک لکھنؤ - ۲ - دفتر اودھ پنچ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ - ۳ - بلگرامی بک ایجنسی نظیر آباد - لکھنؤ - قیمت فی جلد ایک روپیہ (عہ)



لمعات صفی

(از لسان القوم جناب مولانا صفی لکھنوی)

مشکل ہے پھر آزادی دلبستگی آسان ہے
غفلت کدۂ ہستی اک بھول بھلیان ہے

جب دل نہ پریشان ہو جمعیت سامان ہے
ہر غنچۂ نورس کی مٹھی مین گلستان ہے

دل سوز تپ غم سے آتشکدہ سامان ہے
ہر آہ شرر افشان اک سرو چراغان ہے

افسانۂ یوسف مین تصویر کے دو رخ ہین
اک دست بدامان ہے اک سر بگریبان ہے

زنجیر نظر چلتی پھرتی ہوئی تصویرین
محویت نظارہ دل کے لیے زندان ہے

جو بوند لہو کی ہے اک نوک ہے نشتر کی
منظور نظر غم کو تشریح رگ جان ہے

ہر شعلۂ جوالہ ہمرنگ گل و لالہ
قدمون سے مرے دوزخ فردوس بدامان ہے

اک اوج تقرب ہے پستی مین یہان حاصل
معراج سر عاشق سنگ در جانان ہے

مایوس ہے ایفا سے اک منتظر وعدہ
مضمر خم گیسو مین طول شب ہجران ہے

تم وعدہ وفائی پر آمادہ سہی لیکن
انداز خود آرائی سنگ رہ پیمان ہے

مجنون کی رگ و پے مین لیلی کا اثر دوڑا
ناقہ پہ خدا جانے یہ کون حدی خوان ہے

داغون کا ہجوم اُس پر یہ نوحہ گری دل کی
اک شمع تنک پرتو اور گور غریبان ہے

آکر جو نہین جاتی وہ ہے شب تنہائی
جا کر جو نہین آتی وہ عمر گریزان ہے

توبہ کے برابر ہے توبہ شکنی میری
اک ہاتھ مین پیمانہ اک ہاتھ مین قرآن ہے

باتون مین صفی دل کی زنہار نہ آنا تم
باطن مین یہ کافر ہے ظاہر مین مسلمان ہے

ادرنہ

(از جناب مولوی مسعود الرحمٰن خان صاحب ندوی)

اپنی گزشتہ یادگارون پر ایک سال مین ایک بار بھی ہم نظر ڈالتے رہین تو گئی ہوئی عزت و عروج کا صحیح احساس قلب مین موجود رہے۔ بہت سے خزینہ ہاے اقبال تھے جنکو ہم اپنی بدبختی سے کھو اور برباد کر چکے ان ہی خزینۂ اقبال مین سے ایک ادرنہ ہے۔ یورپ مین یوروپین ٹرکی اور یوروپین ٹرکی مین ادرنہ اُن مقامات مین ہے جن کے لیے قدرت نے اپنے فیوض کے سرچشمے وا کردیئے ہین۔ دامن ہاے کوہ لذیذ میوون، عطر بیز پھولون اور خوش منظر درختون کے کنج اور نظر کش و باصرہ افزا مرغزارون سے معمور ہین۔ پہاڑون سے گرنے والے لطف انگیز و نغمہ طراز آبشارون کے علاوہ شیرین خوشگوار اور شفاف پانی کی لہرون کا ایک روپہلی جال ہے۔ جو تمام صوبے مین بچھا ہوا ہے۔ اور ہر ہر گوشے کو سیراب و شاداب کرتا رہتا ہے ہوا بھی معتدل مگر لطیف و خوشگوار ہے۔ مختصراً یہ کہ یہان کے مناظر طبعی بے حد صحت پرور فرحت انگیز اور لطف آگین ہین۔

خاک ادرنہ جس طرح فرحت پرور اور نظر نواز ہے۔ اسی طرح مایہ دار و زر خیز بھی ہے۔ نباتات مین روئی، افیون۔ بادام۔ فندق۔ سیب۔ ناشپاتی خربزہ۔ اور جمادات مین پشمینہ۔ لوہا۔ اور سنگ مرمر پیدا ہوتا ہے۔

صنعت و حرفت کبھی اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ اصناف صنعت مین یہان پشمینہ و پنبہ بافی اور اسلحہ سازی زیادہ رائج ہین۔ تینون قسم کے کارخانون کی ایک تعداد وافر موجود ہے جو کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے۔ یہان کے مصنوعات مین سے جانماز مین پرتے۔ اور عبائین اپنی گلکاری۔ خوش رنگی اور شانداری کیوجہ سے مشہور ہین۔ غرضکہ ادرنہ ایک شاداب و سرمایہ دار صوبہ ہے اسی لیے یوروپین ٹرکی مین قسطنطنیہ کے بعد اسی کا نمبر ہے قسطنطنیہ سے شمال و مغرب ۱۳۰ میل دور اول سنگم پر واقع ہے جہان ٹرکی کی مشہور نہرین مرچ طنجہ اور واردا واقع ہین۔ یہ منظر ایسا دلکش اور حسین منظر ہے جس سے ایک نظارہ باسطح آب پیدا ہوتی ہے تمام شہر دلکش باغون اسلامی و غیر اسلامی تاریخی عمارات سے معمور ہے جو زبان حال سے گزشتہ دورون کی داستان بیان کرتی ہین۔ ادرنہ مین چالیس سے زاید مساجد ہین جنمین ۹ خاص سلاطین عثمانیہ کی بنوائی ہوئی ہین یہین وہ بلند عظیم الشان قصر بھی ہے جو عوام کی اصطلاح مین سراے سے تعبیر کیا جاتا ہے جہان سلاطین عثمان متمکن رہتے اور مسیحیت کے خلاف جہادی ارادون کی تکمیل فرماتے تھے۔ مساجد مین سب سے زیادہ قابل دید و ذکر "جامع سلیم" ہے۔ اسکا بانی سلطان سلیم ثانی تھا جو خاندان عثمانیہ کا گیارھوان تاجدار تھا اور ۹۷۴ھ سے ۹۸۲ ہجری تک حکمران رہا۔

اس مسجد کی رفعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ جامع ایاصوفیا سے ۲۰ قدم بلند تر ہے اسمین ایک عظیم الشان گنبد ہے جو سنگ سماق کے دو ستونون پر لگا ہوا ہے، چار مینارے ہین ہر منارے مین ایک زینہ ہے صحن کے تین گوشون مین قبے ہین جو مسجد کی عظمت و جلال کو افزون کرتے ہین۔

اپنی خوبصورتی۔ استحکام و مضبوطی کے لحاظ سے جامع سلیم کا شمار عثمانی فن تعمیر و تمدن کے بہترین نمونون مین ہے۔ ان مساجد کے علاوہ خوبصورت اور وسیع بازار ہین جنمین سے خوشنما اور بہتر بازار وہ ہے جو "علی پاشا" بازار کے نام سے موسوم ہے یہ اسقدر طویل ہے کہ ایک متوسط رفتار آدمی ۱۵ منٹ سے کم مین پورے بازار کا چکر نہین لگا سکتا۔ ادرنہ مین بڑے فندق (ہوٹل) ۵۲ ہین نہر طنجہ پر ایک پل بھی ہے ان عمارتون کے علاوہ متعدد حمام مدارس۔ قہوہ خانے اور شفاخانے ہین۔ ایک مطبع بھی ہے سرکاری پارچہ بافی کے متعدد کارخانے بھی ہین جسمین ریشمی و اونی کپڑے بنے جاتے ہین۔ زمین نہایت درجہ خوبصورت و زرخیز ہے۔ باغات کی یہ کثرت ہے کہ ادرنہ گلشن آباد معلوم ہوتا ہے صرف نہر مرچ کے ساحل پر ۵۰ باغات ہین۔ ان مین کے اکثر باغات صرف گلاب کے ہین۔ یہان کا عطر روح گلاب تمام دنیا مین بہترین مانا جاتا ہے۔ ادرنہ کی آبادی ۱۵۰۰۰ ہے

یہ ہے مختصر تاریخ ولایت ادرنہ کی جسکی چپہ چپہ زمین تاریخی اقبال و عروج کی حال اور مسلمانون کی گزشتہ عظمت و جلال کی سرمایہ دار ہے۔

(مسعود الرحمٰن خان ندوی۔ ساکن پیلی بھیت)

کارِ ثواب

(فسانہ)

(عطیۂ حضرت نیاز فتحپوری اڈیٹر "نگار" بھوپال)

(خاص مرقع کے لیے)

شیخ محمد حسین پُرانے تعلیم یافتہ بزرگ تھے اور اپنے اخلاق کے لحاظ سے ایک مرنجان مرنج انسان، کامل تیس سال تک ججی گونڈہ میں ناظر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور پنشن لیکر اپنے گانوں محبت پور میں آگئے جہاں چند بیگہ زمین موروثی شاہی زمانہ سے اُن کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ انھوں نے جس خاموشی و سکون لیکن اسی کے ساتھ جس چلن کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی اس کا ثبوت یہ ہے کہ افسروں نے ہمیشہ اُنھیں عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس قلیل تنخواہ پر انھوں نے اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کو ایل۔ ایل۔ بی اور دوسرے کو زراعتی کالج میں تعلیم دلا کر قانونگو کرا دیا۔

اِس وقت اِن کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہے لیکن قوا ر مضبوط ہیں جیسا کہ عام طور پر پُرانے لوگوں کے ہُوا کرتے ہیں اور اب بھی دن میں چھ گھنٹے کھیتوں پر بسر کرنا اور اِدھر اُدھر چل پھر کر ہرواہوں کی نگرانی کرنا ان کا معمول ہے۔ نماز روزہ کے ہمیشہ سے پابند تھے لیکن اب انحطاط عمر کی وجہ سے اس میں اور زیادہ شدت ہو گئی ہے، کوئی موسم ہو صبح صادق کے وقت اُٹھنا اور ضروریات سے فارغ ہو کر محلہ کی مسجد میں جا کر نماز پڑھنا، کلام مجید کی تلاوت کرنا اور سورج نکلتے نکلتے گھر واپس آکر کچھ ناشتہ کرنا اور پھر کھیتوں پر چلا جانا کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ دوپہر کو جب واپس آتے تھے اور کھانا کھا کر باہر کی نشستگاہ میں بیٹھتے تو محلہ کے کچھ لوگ جمع ہو جاتے اور مختلف باتوں میں وقت صرف کرتے یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آجاتا اور یہ صحبت ختم ہو جاتی۔ شام کو نماز مغرب کے بعد پھر یہ صحبت قائم ہوتی تھی اور عشا کے وقت تک جاری رہتی تھی۔

شیخ صاحب کی ہمدردی اور آڑے وقت میں لوگوں کے کام آنا گانوں بھر میں مشہور تھا اور جب کسی شخص کو ہندو ہو یا مسلمان کسی مشورہ یا امداد کی ضرورت ہوتی تو وہ ضرور شیخ صاحب کے پاس آتا اور اُنکے خلوص سے فائدہ اُٹھاتا۔

اِن کا چھوٹا بیٹا احمد حسن کانپور میں قانونگو تھا اور اپنی خاموش زندگی کے لحاظ سے صحیح معنی میں اپنے باپ کا بیٹا تھا، محنت و دیانت سے خدمت ملازمت کو انجام دینا اور شام کو امن و سکون کے ساتھ بیوی بچوں میں زندگی بسر کرنے کے سوا اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ بڑا بیٹا محمد حسن جو الٰہ آباد میں وکالت کر رہا تھا البتہ ایک باخبر اور تیز انسان تھا، وہ قومی تحریکات میں بھی حصہ لیتا۔ تقریریں بھی کرتا، اور کونسل کی ممبری کا بھی امیدوار تھا، اس کا کام اس کی ذہانت کی وجہ سے اچھا چل رہا تھا۔ دونوں بیٹوں کا معمول تھا کہ بقرعید میں وطن آتے تھے اور محرم کرکے اپنی اپنی جگہ واپس جاتے تھے

چنانچہ جس سال کا یہ واقعہ ہے اس سال بھی یہ دونوں مع بیوی بچوں کے بقرعید سے چار دن پہلے آ گئے تھے اور شیخ صاحب بھی کاشت وغیرہ کے کاموں سے فارغ ہو کر اطمینان سے گھر میں بیٹھے تھے۔

شام کا وقت تھا اور شیخ صاحب نشستگاہ کے سامنے چبوترہ پر مونڈھا بچھائے بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے سامنے ہی چارپائی پر ان کے دونوں بیٹے اور ایک بنچ پر محلہ کے دو تین معمر مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔ موضوع گفتگو یہ تھا کہ ہندو مسلمان کی موجودہ کشمکش کا سبب کیا ہے اور اسے کیونکر دور کر سکتے ہیں؟

محمد حسن الہ آباد کی حالت بیان کر رہا تھا اور شیخ صاحب نہایت غور سے سن رہے تھے۔ جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو شیخ صاحب نے کہا "**میاں ممدو**" (وہ محمد حسن کو اس کے بچپنے کے نام سے اب بھی پکارتے تھے) تم ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہو، ہم لوگوں سے زیادہ سمجھ رکھتے ہو اور خیر سے چھوٹے موٹے لیڈروں میں بھی تمہارا شمار ہوتا ہے مجھے یہ بتاؤ کہ اس سے قبل ہندو مسلمان کیوں اسقدر محبت وارتباط سے زندگی بسر کرتے تھے، اور اب وہ کون سی نئی بات پیدا ہو گئی ہے جس نے اتنی تفریق پیدا کر دی ہے"؟

محمد حسن۔ اس کا فیصلہ بہت دشوار ہے، لیکن بظاہر اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں اس امر کا احساس پیدا ہو گیا ہے کہ ملک اُنکا ہے، اور انھیں کا اقتدار یہاں قائم ہونا چاہیے برخلاف اس کے مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی آبادی گھٹ رہی ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر آبادی کے گھٹنے بڑھنے کا بھی یہی اوسط رہا تو ایک زمانہ آئیگا جب ہندوستان میں مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں گے اور ہندو بہت کم ہو جائیں گے۔ اس کا سبب اُنھوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہندو زیادہ تعداد میں مسلمان ہوتے جاتے ہیں اور اسی لیے اُنھوں نے شدھی کے طریقہ کو رائج کیا تاکہ وہ مسلمان ہو جانے والے ہندوؤں کو پھر اپنے مذہب میں لے آئیں اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کو بھی ہندو بنا سکیں جس طرح مسلمان ہندوؤں کو مسلمان بنا لیتے ہیں۔

شیخ صاحب۔ خیر ملک ان کا ہو یا نہ ہو لیکن اُن کی یہ خواہش کہ انکا اقتدار قائم ہو ناجائز نہیں ہے، جب کسی ملک میں کوئی غیر قوم حکمراں ہو گی تو محکوم قوموں میں سے ہر قوم کی یہی خواہش ہونی چاہیے کہ اس کا اقتدار بڑھے۔ لیکن ان کی آبادی کے گھٹنے اور مسلمانوں کی آبادی بڑھنے کا سبب میرے خیال میں وہ نہیں ہے جو اُنھوں نے سمجھا ہے، اس سے قبل مسلمانوں کے دور حکومت میں جتنے مسلمان بھی ہو گئے ہوں، ہو گئے ہوں، لیکن اب تو یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ اگر سال میں ہزار دو ہزار ہندو مسلمان بھی ہو گئے تو کیا، میرے خیال میں اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ ہندوؤں میں بیوہ کی شادی نہیں ہوتی اور مسلمانو میں ہوتی ہے، ہندو ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھتے اور مسلمان چار چار رکھ سکتے ہیں اور اگر ہمارا رمضانی (چرواہا) سچ کہتا ہے کہ اللہ مفلسی میں اولاد بھی زیادہ دیتا ہے تو تیسرا سبب اس کو بھی قرار دے لو کیونکہ مسلمان خیر سے مفلسی میں بھی کافی ہیں۔

بہرحال سبب جو کچھ بھی ہو، میں ایک بات پوچھتا ہوں کہ جتنے ہندو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے آتے ہیں کیا ان میں سے ہر شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے اس لیے ان کو مار کر کم کر دینا چاہیے؟"

محمد حسن۔ ایسا تو نہیں ہے کیونکہ عوام تو خود خواص کے ہاتھ میں ہیں اور بغیر سوچے سمجھے اُن کے احکام کی پیروی کرنے لگتے ہیں

شیخ صاحب۔ میرے نزدیک تم نے لفظ خواص صحیح استعمال نہیں کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عوام بعض شریر لوگوں کے کہنے میں آجاتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے لڑ بیٹھتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے قربانی بھی ہوتی تھی، باراتیں بھی نکلتی تھیں، باجہ بھی بجتا تھا، لیکن نہ کبھی ہندو مخالفت کرتے تھے اور نہ مسلمان برہم ہوتے تھے

جب سے یہ قومی تحریکیں شروع ہوئی ہیں اور تم سے نا تجربہ کار لوگ لیڈر بنے ہیں مصیبتیں نازل ہونی شروع ہوئی ہیں ورنہ اس سے پہلے ہندو مسلمان جس خلوص سے باہم زندگی بسر کرتے تھے، وہ اب خود مسلمانوں میں باہم کم نظر نہیں آتا، اس لیے ضرورت ہے کہ ایسے شریر لوگوں کا علاج کیا جائے تاکہ فساد کا عنصر ہی مٹ جائے"

احمد حسن (چھوٹا بیٹا) مگر مجھ سے شیخ تہور علی صاحب کہہ رہے تھے کہ ابکی بقرعید میں ہمارا گاؤں بھی فساد سے محفوظ نہ رہے گا۔ جب سے دھرمشالہ میں سوامی پرمانند اور پنڈت مدن موہن جی اور گھسیٹا قصائی کے ہاں اس کے پیر بسم اللہ شاہ آئے ہیں یہاں کے ہندو مسلمانوں میں بھی کشیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ اُدھر سوامی جی اور پنڈت جی ٹھاکروں کو سکھا رہے ہیں کہ گئو ماتا کی قربانی نہونے دینا۔ اِدھر بسم اللہ شاہ قصائیوں سے کہہ رہے ہیں کہ گائے کا جلوس ضرور نکالنا، اِدھر کی خبریں اُدھر اور اُدھر کی خبریں اِدھر پہونچتی ہیں اور پروپیگنڈا کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے"

احمد خاں (شیخ سے) آپ صرف اشتعال کہہ رہے ہیں، وہاں تیاریاں بھی ہو چکیں، الہ آباد سے دو تین سو لاٹھیاں پرسوں ہی آئی ہیں اور چاروں طرف کے گاؤں میں یہ پیغام جا چکا ہے کہ بقرعید کی شام کو سب لوگ تیار ہو کر یہاں آ جائیں۔ اِدھر گائے کے جلوس کے ساتھ نکالنے کا سارا سامان ہو چکا ہے اور باجے والوں کو بیعانہ دیا جا چکا ہے"

شیخ صاحب۔ ہاں یہ باتیں میرے کان میں بھی پڑ چکی ہیں اور میں فکر میں ہوں کہ کیونکر اس فتنہ کا انسداد کیا جائے کل شام کو ٹھاکر گھنشیام سنگھ مجھے ملے تھے اور میں نے ان سے ذکر کیا تھا، لیکن انھوں نے کہا کہ وہ خود فکرمند ہیں لیکن شریر لڑکے اور سوامی جی کے چیلے فساد پر آمادہ ہیں۔ بہرحال ابھی تین دن باقی ہیں اور کوئی تدبیر سوچنا چاہیے آج تک ہمارے ہاں یہ جھگڑا کبھی نہیں اُٹھا اور اگر ایک مرتبہ بھی اس کی بنیاد پڑ گئی تو پھر ہمیشہ کیلیے یہ آگ مشتعل ہو جائیگی محمدو میاں تمھاری کیا رائے ہے۔

محمد حسن۔ میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ ایک جلسہ کر کے پنڈت جی سوامی جی اور بسم اللہ شاہ کو بلایا جائے اور انھیں کے ساتھ گاؤں کے تمام بڑے آدمیوں کو اکٹھا کر کے آپس میں فیصلہ کر لیا جائے مجھے تو یقین ہے کہ یہاں کے مسلمان آپ کے کہنے کو مان لیں گے اور ہندوؤں پر بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہو گا"

تھوڑی دیر تک اور گفتگو ہوئی اور آخرکار دوسرے دن جلسہ کا انعقاد قرار پا گیا۔

(۲)

اس قسم کے جلسوں میں جو کچھ ہوا کرتا ہے، یہاں بھی ہوا، تقریریں ہوئیں، لوگوں کو امن و سکون کے برکات سے آگاہ کیا گیا، اور اُس زمانہ کی یاد دلائی گئی جب ہندو مسلمان باہم نہایت محبت و خلوص سے زندگی بسر کرتے تھے، سوامی جی اور پنڈت جی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی، بسم اللہ شاہ نے بھی اتفاق کیا، لیکن شام کو جب اپنے اپنے گھروں میں پہونچے، تو شیطان بدستور سروں پر سوار تھا اور یہ امن شکن درندے اسی طرح اپنی خونخوارانہ تدابیر میں مصروف تھے،

جلسہ میں یہ امر قرار پایا تھا کہ نہ مسلمان گائے کا جلوس نکالیں اور نہ ہندو اُن قربانیوں کو روکیں جو ہمیشہ سے ہوتی چلی آ رہی ہیں لیکن نہ بسم اللہ شاہ نے اس پر عمل کیا اور نہ ہندوؤں نے، خفیہ تیاریاں جاری رکھیں اور بقرعید سے ایک دن پہلے دونوں جانب سے وہ تمام انتظام مکمل ہو گیا جو دو فوجوں کے مقابلہ کے لیے کیا جاتا ہے، شیخ صاحب کو بھی اس کی خبریں معلوم ہوئیں اور ان کی فکریں بہت بڑھ گئیں، اُن کے لیے ممکن تھا کہ وہ دو چار دن کے لیے گاؤں چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جاتے، لیکن اسے ان کی

غیرت نے گوارا نہ کیا اور ہرچند وہ گاے کی قربانی کرنے والے نہ تھے، لیکن وہ سمجھتے تھے کہ گاؤں کا سربرآوردہ شخص ہونے کی حیثیت سے ان پر بھی ضرور الزام آئیگا اور ممکن ہے کہ اس ہنگامہ میں انکو کوئی ضرر بھی پہونچ جائے۔ آخرکار انھوں نے مجبور ہوکر متعلقہ تھانہ کو تمام حالات سے اطلاع دی اور چونکہ الٰہ آباد بھی چند میل کے فاصلہ پر تھا اس لیے مفصل تحریر کلکٹر ضلع کے پاس اپنے چھوٹے بیٹے کے ذریعہ سے بھیجدی تھانہ دار نے تو خیر زیادہ توجہ نہیں کی اور وہ دوسرے دن بہت دیر میں پہونچا لیکن کلکٹر نے رات ہی رات مسلح پولیس کا ایک دستہ وہاں بھیجدیا اور افسر متعینہ کو حکم دیا کہ سوامی جی، پنڈت جی اور بسم اللہ شاہ کو جاکر فوراً گرفتار کرلیا جائے، لیکن یہ بہت زیادہ ہوشیار تھے اور پولیس کی آمد سے پہلے ہی سارا انتظام کرکے چلدیے تھے اس لیے وہ تو گرفتار نہ ہو سکے، البتہ گاؤں والے ضرور ڈر گئے اور بقرعید بغیر کسی غیر معمولی واقعہ کے خیریت سے گزر گئی، گاے کا جلوس بھی نہ نکل سکا اور نہ کسی ہندو نے گاے کی قربانی کی مخالفت کی

(۳)

بقرعید کو گزرے ہوئے ایک ہفتہ ہوچکا ہے اور گانوں میں بظاہر امن وسکون ہے، لیکن اندرونی خلشیں بہت بڑھ گئی ہیں اور محرم کے زمانہ میں فساد کا ہونا یقینی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ پنڈت جی اور سوامی جی بھی واپس آگئے ہیں اور بسم اللہ شاہ تشریف لے آئے ہیں۔ تعزیہ نکلنے کے راستہ میں مندر کا چبوترہ بڑھا یا گیا ہے اور تعزیہ نسبتاً زیادہ بلند بنایا جارہا ہے تاکہ مندر کے سامنے پیپل کی شاخیں اس کو روکیں اور اس طرح فساد کی ابتدا ہو۔

شیخ صاحب مع اپنے دونوں بیٹوں اور چند مسلمانوں کے اپنے مکان میں بیٹھے ہیں اور اسی مسئلہ کے متعلق گفتگو ہورہی ہے

شیخ صاحب "ممکن ہے کہ محرم میں بھی حکومت کی مدد سے امن قائم رہے لیکن آخر یہ کب تک سلسلہ جاری رہ سکتا ہے جب دلوں کا یہ حال ہے تو یوں بھی کسی دن فساد ہوجائیگا محرم اور بقرعید پر کیا منحصر ہے، علاوہ اسکے کس قدر شرمناک بات ہے کہ ہکو بار بار حکومت سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم خود اپاہجوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔ میاں محمدو بولو، تم کو کافی تجربہ ہے، کیا کرنا چاہیے"

محمد حسن - یہ بالکل صحیح ہے کہ جب ہمارے دلوں میں خلش پیدا ہوگئی ہے تو حکومت اسکا انسداد کب تک کرسکتی ہے، لیکن یہ خلش اُس وقت تک نہیں مٹ سکتی، جب تک دونوں طرف کے دعویٰ کرنیوالوں کو ہموار نہ کیا جائے"

شیخ صاحب "وہ کیونکر ہموار ہوسکتے ہیں"

محمد حسن "اُن کو پھر بلائیے اور سمجھائیے، شاید مان جائیں، ہم زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتے ہیں"

شیخ صاحب کو اوّل تو کسی بات پر غصہ نہ آتا تھا، لیکن جب آجاتا تھا تو بے پناہ ہوتا تھا، محمد حسن کا یہ جواب سنکر انکا چہرہ سُرخ ہوگیا اور وہ انتہائی برہمی کے ساتھ بولے کہ "محمدو میاں" میں سمجھتا تھا کہ تعلیم حاصل کرکے تمھیں کچھ عقل کا حصہ بھی ملا ہوگا، لیکن اسوقت مجھے یقین آگیا کہ تم سے زیادہ احمق کوئی نہیں ہوسکتا۔ بلانے اور سمجھانے کا نتیجہ کیا ایک دفعہ تم دیکھ چکے ہو اور تمھارے اس مشورہ پر عمل کرکے میں اپنی توہین پہلے بھی کراچکا ہوں، کیا دوبارہ تم مجھے ذلیل کرانا چاہتے ہو۔ ناممکن ہے۔ اور ہاں یہ تم نے کیا کہا کہ "ہم زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتے ہیں" مہربانی کرکے آپ لوگ جائیں میں بتادونگا کہ زیادہ سے زیادہ کیا کیا جاسکتا ہے اور یہ کہ فتنہ فرو کرنے کے لیے، اپنی عزت قائم رکھنے کے لیے اور امن وسکون پیدا کرنے کے لیے اس وقت ملک کو جس تدبیر کی ضرورت ہے وہ کیا ہوسکتی ہے"

دوسرے دن آدھی رات کا وقت ہے، سارے گاؤں میں

سناٹا چھایا ہوا ہے اور ہر شخص مصروف خواب ہے، لیکن شیخ صاحب باہر نشستگاہ میں چاروں طرف کا دروازہ بند کیے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کے قریب ہی انکا چھوٹا بیٹا احمد حسن اور رمضانی ہرواہا بھی موجود ہے۔ نہایت آہستہ آہستہ گفتگو ہو رہی ہے اور کبھی کبھی خاموش ہو کر آہٹ لے لی جاتی ہے کہ کوئی شخص باہر کھڑا ہوا سُن تو نہیں رہا ہے۔

شیخ صاحب: "احمد حسن، تم اگرچہ خاموش انسان ہو لیکن بزدل و نامرد نہیں ہو اس کا مجھے ہمیشہ سے یقین ہے، میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے گاؤں سے فساد کے خطرہ کو ہمیشہ کے لیے مٹا دوں۔ اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے میں اپنی جان تک دینے کی پرواہ نہیں کروں گا، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ تم بھی میرا ساتھ نہ دو۔"

احمد حسن: "آپ کو یہی یقین کرنا چاہیے، بلکہ میں تو یہ عرض کرونگا کہ آپ حکم دیجیے میں تعمیل کرونگا، آپ خود کیوں کسی بات کی تکلیف اُٹھائیں۔"

شیخ صاحب: "نہیں، جب تک میں تمھارے ساتھ نہ ہونگا مجھے کیونکر یقین آئے گا کہ تم میری خواہش کے مطابق کام کروگے (رمضانی سے مخاطب ہو کر) کیوں رمضانی، وہ وقت یاد ہے کہ جب ہم تم دونوں ساتھ کھیلا کرتے تھے، پھر کیا ہم تم دونوں ایک ساتھ مرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔"

رمضانی: "شیخ جی، یہ کیا کہتے ہو، کوئی حکم دے کے دیکھو، جان دینے سے زیادہ کوئی بات ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو۔ عذر کروں تو مسلمان نہیں۔"

شیخ صاحب: "مجھے تم سے یہی امید ہے، اچھا تو پھر کل رات کو ٹھیک ۱۲ بجے میرے پاس آجانا اور یہ سمجھ کے آنا کہ شاید صبح دیکھنا نصیب نہ ہوگی۔"

(۴)

رات کا پچھلا پہر ہے، سرد ہوا نے سب کو افسون خواب میں مبتلا کر رکھا ہے اور ہر شخص غافل نیند سو رہا ہے، پنڈت جی اور سوامی جی بھی دھرم شالہ میں جو آبادی سے ذرا فاصلہ پر واقع ہے، صحن میں سو رہے ہیں کہ دو آدمی چار دیواری پھاند کر اندر آتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کے پلنگوں کے پاس پہونچکر مُنھ سے چادر ہٹاتے ہیں، ایسے وقت میں فوری خیال ہمیشہ چور کا ہوا کرتا ہے اور اس خیال کے ساتھ ہی آدمی چیخ اٹھتا ہے، لیکن جب قبل اس کے کہ ان کی آواز مُنھ سے نکلے دو ہاتھ دونوں کے گلے پر تھے۔ جب ذرا حواس درست ہوئے، آنکھوں اور کانوں نے دیکھنے اور سننے کی قوت مجتمع کرلی تو ان حملہ کرنے والوں میں سے ایک شخص نے جو معمر تھا کہا کہ "پنڈت جی، سوامی جی شور کی کوشش نہ کرنا ورنہ (چھُری دکھا کر) فوراً یہ تمھارے حلق کے اندر ہوگی، اس لیے ہم لوگ تمھارا گلا چھوڑے دیتے ہیں، آہستہ سے اٹھو اور دو باتیں ہماری سن لو۔"

یہ کہکر اُنھوں نے اپنے اپنے ہاتھ ہٹا لیے اور پنڈت جی اور سوامی جی کو ایک ہی چارپائی پر بٹھلا کر اور خود ان کے سامنے ہو کر ایک شخص بولا "تم کو معلوم ہے کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟ اگر نہیں معلوم تو ہم بتاتے ہیں کہ اس گاؤں سے فتنہ و فساد کو ہمیشہ کے لیے دور کرنے آئے ہیں۔ یہ بالکل ممکن تھا کہ ہم سوتے میں تمھیں ہلاک کر ڈالتے، لیکن مردی کے خلاف تھا اس لیے اس کو گوارا نہ کیا۔ چونکہ تم لوگ سنگھٹن کے طرفدار ہو اور خود بھی فن سپہ گری کے ماہر ہو گئے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ غریب گاؤں کے لوگ آپس میں لڑیں، تم ہم آپس میں فیصلہ کر لیں۔ تم بھی دو ہو اور ہم بھی دو ہیں، اگر تمھارے پاس کوئی ہتھیار نہو، تو یہ دو تلواریں لو اور ہمارے مقابلہ میں آجاؤ۔"

یہ سنکر پنڈت جی اور سوامی جی کے حواس خراب ہو گئے،

تھر تھر کانپنے لگے اور ہاتھ جوڑ کر بولے کہ آپ جو چاہیں کہیں، لیکن فساد کا الزام ہمپر نہ رکھیئے، اگر آپ کہیے تو ہم اسوقت گانوں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور قسم کھاکر وعدہ کرتے ہیں کہ پھر کبھی اس طرف کا رُخ نہ کریں گے"

حملہ آور (ہنسکر) "اے نامردو، تمھیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ جو شخص اس حد تک پہونچ جاتا ہے، پھر اس کے لیے دو ہی صورتیں ہوتی ہیں، اپنی جان دیدے، یا دوسرے کی لے لے، اس لیے عذر و معذرت کا وقت تو گزر گیا، بقرعید کے موقع پر میں نے تمھیں سمجھایا تھا کہ خدا کے لیے ہمارے گانوں میں فساد کی آگ مشتعل نہ کرو، لیکن تم نے پرواہ نہ کی - اب میں دوبارہ تجربہ کرکے گانوں کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں چاہتا، اٹھو جلد اٹھو وقت کم ہے، ڈرتے کیوں ہو، تم لوگ ہم سے زیادہ قوی ہو، کثرت کرتے ہو، تلوار کی مشق ہے، پھر کیا اندیشہ - اس سے بہتر موقع تمھارے لیے اور کیا ہوگا دو مسلمانوں کی جان لو اور ہماری آبادی کم کرو"

اس شخص کے تیور ایسے نہ تھے کہ بہادر سا بہادر انسان بھی دیکھ ایک مرتبہ سہم نہ جاتا، چہ جائیکہ پنڈت جی اور سوامی جی جنھوں نے شاید کسی معرکہ میں دور سے بھی حصہ نہ لیا تھا - دونوں ہاتھ جوڑ کر قدموں پر گر پڑے اور اپنے قصور کی معافی چاہی - لیکن حملہ آور ہٹ گیا اور بولا کہ اب میں آخری مرتبہ پھر کہتا ہوں اگر تم نے اسکے جواب میں ہمارا مقابلہ نہ کیا تو تمھاری جان ہمارے لیے حلال ہو جائیگی یہ سنتے ہی دونوں پھر بد حواس ہوکر گر پڑے لیکن یہ گر پڑنا پھر اٹھنے کے لیے نہ تھا، کیونکہ اس کے بعد ہی دو تلواریں ان دونوں کے سینوں میں پیوست ہوگئیں اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے

. . . .

یہ دونوں حملہ آور یہاں سے واپس ہوکر جس وقت گانوں کے تالاب کے کنارے پہونچے تو سامنے سے ایک آدمی اور آتا ہوا نظر آیا یہ اُسکو دیکھ کر رک گئے اور جب وہ قریب پہونچا تو انھوں نے پوچھا کہ "کیا ہوا" اس نے اس کے جواب میں اپنی تلوار میان سے نکالکر کہا کہ "اُس نے کوئی مقابلہ نہیں کیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ جان دیدی"

یہ سُنکر تینوں نے اپنی تلواریں تالاب میں نہایت اطمینان سے دھوئیں، کپڑے صاف کیے اور پھر گانوں میں داخل ہوگئے"

(۵)

صبح ہوئی تو چوبے پور میں برہمی کی آگ لگی ہوئی تھی اور ہندو سیکڑوں کی تعداد میں اپنے رہبروں کے قتل سے متأثر ہوکر مسلمانوں پر حملہ کرنیکی تیاریاں کر رہے تھے لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ بسم اللہ شاہ بھی رات کو اسی طرح قتل ہو چکے ہیں، تو انکا جذبۂ انتقام کچھ سرد ہوا اور یہ دیکھکر کہ مسلمان بھی اپنے پیر کے واقعۂ قتل سے کم متأثر نہیں ہیں، دونوں فریق اپنی اپنی جگہ خاموش ہوگئے"

پولیس کو اطلاع ہوئی اور شام تک ایک کافی تعداد سپاہیوں اور پولیس افسروں کی وہاں جمع ہوگئی تفتیش شروع ہوئی لوگوں کے بیانات قلمبند ہونے لگے، قدموں کے نشانات کا سراغ لگایا جانے لگا، لیکن پتہ نہ چلا کہ یہ حرکت کس کی ہے - اس کے بعد انسپکٹر پولیس، سپرنٹنڈنٹ، کلکٹر، خفیہ پولیس کے لوگ سبھی نے آکر کوششیں کیں کہ کسی طرح قاتلوں کا پتہ چلے لیکن کامیابی نہ ہوئی - اور نہ اس واقعہ کے بعد کسی اور لیڈر نے یہاں آنے کی جرأت کی

اسکے بعد ضلع کے اکثر مقامات میں فساد ہوا، مسلمان ہندوؤں میں جنگ ہوئی، لیکن چوبے پور میں پھر کبھی فتنہ نہ اٹھا اور وہاں کے ہندو مسلمانوں میں وہی رشتۂ اخوت قائم ہوگیا جو پہلے کبھی پایا جاتا تھا شیخ صاحب کی صحبت میں جب کبھی اس واقعہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اظہار خیرت کے ساتھ یہ ضرور کہتے ہیں کہ:-

" یہ جرم کیسا ہی سنگین کیوں نہ ہو لیکن مجھے یہ شک نہیں کہ اس سے زیادہ کار ثواب اور کوئی نہیں ہوسکتا"

نیاز فتحپوری

محبت کے عریان جذبات

(از جناب مولوی عبد الحمید صاحب، نعمانی ناظم دائرۂ ادبیہ مالیگاؤن)

امیرہ امیلیا کا مکتوب جنرل فتزروی کے نام

امیرہ امیلیا جارج ثالث شاہ انگلستان کی اولاد مین سب سے چھوٹی تھی، اور اپنے بلند اوصاف اور دلکش جمال کی بنا پر مشہور ہو چکی تھی، جارج موصوف سلطنت کے افکار اور کثرت مشاغل سے پریشان رہتا، اور چونکہ اس کے کل شہزادے عوام کی لڑکیون سے منسوب تھے اس لئے امیرہ امیلیا بادشاہ کی عنایتون اور شفقتون کا مرکز بن گئی، جارج کو اس سے شدید محبت تھی، مگر اس کا دل جنرل فتزروی کی محبت کا شکار ہو چکا تھا، جو جارج کے مقرب مصاحبون مین تھا، بادشاہ کا تقرب اور اس کے ساتھ اخلاص وصداقت نے جنرل موصوف کو لب کشائی سے مجبور رکھا، ورنہ "دونون طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی"۔

آخر جنرل کی خاموشی نے امیرہ کو بیمار کر دیا، اور وہ گھلتے گھلتے بستر علالت سے آغوش قبر مین جا پہونچی، امیرہ نے امیرہ ماری کو وصیت کی تھی کہ وہ جنرل کو اس کا آخری سلام پہونچا دے، موصوفہ کا ایک خط ملاحظہ ہو۔

جے پی شارل!

کل کی شب مین بہت بے چینی رہی، فرش پر کسی کروٹ قرار نہ آتا اور نہ آنکھین سکون کے ساتھ بند ہوتین ہین ہرچند چاہتی تھی کہ آنکھین بند کر لون لیکن آپ کے آخری خطوط میرے اضطراب مین اضافہ کرتے رہے، اور نیند مجھسے بھگاتے رہے، اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ ان خطوط کا مجھ پر کیا اثر ہوگا، تو یقیناً ایک حرف بھی تحریر نہ فرماتے،

کاش آج آپ میرے پاس ہوتے، اور دیکھتے کہ آپ کی محبت نے میرے پہلو مین ایک پگھلنے والے دل اور مایوسی کی برداشت نکرنے والے جگر کے سوا کیا باقی رکھا ہے! اب بھی اگر آپ کے دل مین شکوک وشبہات کی تاریک لکیرین موجود ہین، تو کیون مجھے ایسی محبت کے پردے مین دھوکہ دیتے ہین، جسکی ہستی موسم سرما کے بادلون سے زیادہ وقیع نہین کہ ابھی فضا کو محیط ہے اور ابھی پاش پاش ہے، کیون مجھے ایسی حالت مین رکھتے ہین کہ مین غلط امیدون سے اپنا دل بہلاؤن! کیا مین نے اپنا دل چیر کر نہین بتا دیا ہے کہ اس مین محبت ہے اور امیدین، پھر کیون آپ مجھسے اپنا ما فی الضمیر چھپاتے ہین؟

آپ کے ہاتھون مین عذاب مین ہون، اگر یہ عذاب میری محبت کی جزا ہے تو یہ بہترین جزا ہے مین اس جزا مین فراق کے سوا کل عذاب برداشت کر سکتی ہون، اگر عذاب مفارقت کا حکم بھی نافذ ہو چکا ہے تو میرے دل کی بدبختی کی جو محبت کے بوجھون سے دبا ہوا ہے انتہا ہو چکی،

آج میری تسلی اسی مین ہے کہ ماضی کی یاد سے لطف اندوز رہون، چنانچہ فرصت کے اوقات مین آپ کے گزشتہ خطوط کے پڑھنے مین صرف کرتی ہون، حتی کہ بعض خطوط کثرت تلاوت کی بنا پر ... سے قریب ہو چکے ہین، اور یہ سب اس سے کہ میرا دل تشنہ ہے، اے محبت کی تکلیفون سے بے خبر! میرا دل تشنہ ہے،

مین آپ کو یاد کرتی ہون اور آپ مجھسے روپوش ہین، آپ نے اپنے کان بند کر لئے ہین، اس لئے میرے دل کی دھڑک نہین سن سکتے اور میری لاغری اور نقاہت کی طرف توجہ نہین فرما سکتے، کیا یہ حرام نہین کہ آپ پہلے ایک خالی دل کو کمند الفت مین گرفتار کرین اور

پھر اس سے اعراض فرمائین خدا کے حوالے وہ شخص جسکو مین ہر وقت یاد کرتی ہون اور جو میرا محبوب ہے،

میرے سامنے آپ کا بھیجا ہوا فوٹو ہے، جب مین اسے دیکھتی ہون اندر سے میرے جذبات ہیجان مین آتے ہین، اور مین آپ کی طرف بہنے لگتی ہون، آپنے مجھے عادی بنا دیا تھا کہ خود کو آپ کے پہلو مین ڈالدون، آج مین اس عادت کی تکمیل کس پہلو مین کرون، کاش ابد تک (دفنا) کا منہ کھلا ہوتا اور مین اس مین کود پڑتی، اور اس زندگی سے جو سراپا شقاوت ہے نجات پا جاتی،

کس قدر روکھا پھیکا ہوتا اگر عالم کائنات کا دسترخوان محبت کے نمک سے خالی ہوتا، ابدیت کی طویل مدت محبت ہی کے ہاتھون مختصر ہوجاتی ہے، محبت درحقیقت آسمان پر رہنے والون کے لئے فرشتون کا سلام ہے، کیا آفتاب کی کرنون اور محبت کی شعاعون سے قلوب روشن نہین ہین، اور کیا ان دونون کا سرچشمہ معبودون کا تبسم نہین؟ اگر انسان پر معبودون کی عبادت فرض ہے تو اسکی یہی وجہ ہے کہ عبادت محبت کا چشمہ ہے عبادت اور محبت دونون مین نفس ایک ایسے معبود کے آگے جھکتا ہے، جس کا ادراک نہین ہوسکتا، دونون حالتون مین ایک نفس دوسرے نفس سے مخاطب اور سرگوشی کرتا ہے، اور دونون حالتون مین خاموشی گفتگو سے زیادہ بلاغت رکھتی ہے،

بہت کچھ قابل ذکر خبرین ہین، اور جی چاہتا ہے کہ لکھون، لیکن غم والم لکھنے نہین دیتا اور پھر آج آپکو میرے متعلق خبرون کی اہمیت کیون؟ جب کہ ماضی کی داستان آپنے بھلا دی، اور گزشتہ واقعات کی یاد آپکے قلب سے محو ہوچکی، کیا مردون کی محبت بنفشہ کے دنون سے بھی کم ہوتی ہے، کیا اس قدر جلد یہ روحانی شعلہ سرد ہوجاتا ہے اور دل کو ظلمت کی گہرائیون مین چھوڑ جاتا ہے۔

آج صبح مین باغ مین گئی، اور جس درخت کے سایے مین ہم آخری مرتبہ جمع ہوئے تھے، اسی کے نیچے پتھر پر بیٹھی، پتھر پر ایک گہری نظر ڈالتے ہی میرے جذبات مین ہیجان پیدا ہوا اور دل کی حرکت نہایت سرعت کے ساتھ بڑھنے لگی، اس نے کہ مجھے ماضی کا مبارک وقت یاد آگیا، کیا آپ کو یاد ہے کہ وہ موسم بہار کا تھا، نسیم بہار تھی، اور فطرت کی ہر چیز مصروف تبسم نظر آتی تھی، آہ اس بہار اور اس خزان کی یہ پامالی شکستہ دلون پر کس قدر شدید ہے اس منظر سے گلستان زندگی کا وہ دور خزان یاد آتا ہے، جب کہ محبت کے پھول افسردہ ہوچکے ہون، دل کی بیتابانہ دھڑک سکون پزیر ہورہی ہو، محبت کا ترنم جو ملائکہ کا نغمہ ہے خاموش ہوچکا ہو،

آپ غمگین اور دلگیر کیون ہین؟ اگر غم والم ضروری ہے تو اسکی اولین مستحق مین ہون آپ کیون شاکی ہین، اور اس زندگی مین آپ کے لئے وجہ ملال کیا ہے؟

ایام شباب، حسن وجمال، علم وعقل اور ہر وہ چیز جسکی ایک انسان اس عالم مین تمنا کرسکتا ہے کیا خدا نے آپ کو عطا نہین کی، مجد و بزرگی کا میدان آپ کے قدمون کے سامنے وسیع، اور ہر عورت کا دل آپ پر نثار ہے پس آپ کو خوش ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ زندگی کے دن پھول سے بھی کم ہوتے ہین، اس لئے کہ آپ کی ترشروئی اس دنیا کی تاریکیون مین ترقی کررہی ہے، اس لئے کہ تبسم کی شعاع ملال کے بادلون کو چھانٹ سکتی ہے اس لئے کہ میری احد تسلی یہی ہے کہ مین آپکو اس زندگی مین خوش بخت دیکھون۔ آپکو سوتے دل، اور پگھلتے پہلو کا سلام، زخمی جگر اور خونین آنکھو نکا سلام، شاید آپکو یہ میرا آخری نیازنامہ ہے اس سے کہ ڈاکٹرون نے مجھے سخت تاکید کی ہے کہ مین ان مناظر اور مشاغل سے دور رہون جنسے مجھے آپ کی اور گزشتہ ایام کی یاد آتی ہو۔

اور ہر حال مین آپ کی محبت پر مستقل طور پر ثابت قدم ہون اور قسم کھا چکی ہون کہ آپ کو نہ بھولونگی،

"امیلیا"

عورت ہندوستان مین

(از جناب محمد صادق حسین صاحب ۔ بی اے علیگ)

عورت کیا ہے اور دنیا مین کیون آئی ؟

اس کا مختصر اور جامع جواب شاید یہ ہوسکتا ہے کہ "عورت محبت کی چیز ہے اور دنیا مین محض اسی لئے آئی" عام اس سے کہ وہ محبت براہ راست ذات سے تعلق رکھتی ہو یا افزائش نسل انسانی سے ۔

زرا اور وسعت نظر سے کام لیا جا ے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا وجود ۔ وجود ذاتی نہین بلکہ محض اضافی ہے ۔ یعنی مقصد تخلیق مرد ہے نہ کہ عورت ۔

اگر مرد ایک ہستی مطلق ہے تو عورت ایک وجود مخصر ۔ اگر
تکمیل فطرت کے لیے عورت کا ہونا لازمی ہے ! بلکہ

"عورت"، شیکسپیر کے الفاظ مین "مجسم عشوہ گری ہے اور بے فوج کی سلطنت صرف اسی کا حصہ ہے"

"عورت"، اسلامی نکتۂ خیال سے "رفیق زندگی اور نازک آبگینہ ہے" اور فضلاے مسیح کے زاویۂ نظر سے فساد کی جڑ ۔ عیوب کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے"

عورت مرد کے مقابلہ مین زیادہ پُر کیف ہوتی ہے ۔

عورت بلا چاہنے والے کے زندہ نہین رہ سکتی ۔

عورت کا حسن اور بالخصوص شباب جسقدر زیادہ نمایان ۔ نظر فریب اور دل آویز ہے' اسیقدر زیادہ عارضی سریع الزوال اور چشمک برق ۔

جہانتک قدرت منصف مزاج کا دائرۂ عمل متعلق ہے ۔ متذکرہ صدر اصول ۔ آب وہوا اور رنگ وروپ کے بلا لحاظ ہر زمانہ اور ہر طبقہ مین جاری وساری ہین ۔

کچھ مثالین مین اور ضرور ہین جہان انسان قدرت سے دست وگریبان نظر آتا ہے ۔ کھلم کھلا اسکی مخالفت کرتا ہے اور اُس کے مقررہ قوانین کے خلاف عمل پیرا ہے اور تاج فتح بھی اسی کے سر ہے ۔ گو مجھے بذات خود اس طبقۂ خیال سے مطلق اتفاق نہین ۔ لیکن صنف نازک کے تعلقات باہمی ہین اگر اسی اصول کو روا رکھا جاتا ہے تو نتائج نہایت مذموم ۔ مضرت رسان اور ناقابل تلافی پائے جاتے ہین ۔

بقاے نسل کے لیے دنیاے حیوانات مین نر و مادہ کا اتصال ایک خاص وقت اور زمانہ کا پابند ہے ۔ اور اشرف المخلوقات کے علاوہ کوئی حیوان زمانۂ مقررہ کے خلاف اس فعل اتصال کے جرم کا ارتکاب کبھی نہین کرتا ۔ انسان ہی صرف ایک ایسا ناقص العقل حیوان ہے جو اپنے تعلق مستقل یا اتصال باہمی کے نازک اور اہم معاملہ مین عمر موزون اور سن مناسب کا لحاظ اکثر نہین کرتا ۔

جس طرح ہندوستان علوم موجودہ سے ناواقفیت ۔ تہی دستی اور طوق غلامی کو طوق زرین سمجھنے مین دُنیا کی کسی قوم وملت سے پیچھے نہین اسی طرح وہ اس غفلت ۔ کورانہ روش اور اصولاً اور عقلاً ناپسندیدہ عمل درآمد مین بھی سب کے آگے ہے ۔ نا اتفاقی ۔ ہماری ایک ممتاز صفت ہے ۔ اگر اہل ہنود کی روش عموماً یہ ہے کہ وہ اپنی کنثیاؤن کا گٹھ بندھن مناسب وقت سے کہین پیشتر کرتے ہین تو اہل اسلام کا رویہ یہ ہے کہ وہ اکثر اپنی لڑکیونکو بالغ ہو نیکے بہت بعد زوجیت مین دیتے ہین ۔ یہ دونون ملک عام اس سے کہ ان مین سے کس پر کون گروہ عامل ہے اور ہو ۔ جس قدر زیادہ تلخ کام ہین ۔ اُسیقدر زیادہ عام !

قبل از وقت شادی

۱- عالم امکان کی کوئی شے ہو اور کوئی ہستی اگر وہ مناسب وقت اور موزون زمانہ سے پہلے استعمال کیجائے تو اُسکی قبل از وقت خستگی لازمی ہے اور یقینی - عورت کا حسن و شباب جو فی الحقیقت اُسکی تخلیق مقصد کی کامیابی کا اگر مطلقًا نہین تو بہت بڑا ذریعہ ہے - اس قبل از وقت استعمال سے اپنی فطرتی نکھار اور لطافت کو ہرگز نہین پہنچ سکتا - اور یہہ ایک ایسی پامالی ہے جسکی مثال مادیات مین قریب قریب ناممکن اور محال !!

نیا دانہ اور نیا پانی ! نئے گرد و پیش اور اُنکے اثرات ؟ حفظ مراتب اور امور خانہ داری کی قابل تحسین انجام دہی ! ساس نندون کے دلخراش طعنہ سسرال کے بچہ بچہ کی نکتہ چینی - آئے گئے کی پھبتیان اور ان سب پر خاموشی ! والدین اور اعزا کی مفارقت اور اسکا رنج !! یہ سب کچھ اور ایک ناسمجھ - ناتجربہ کار اور کم سن لڑکی !!!

ماہران اخلاق چشم حقیقت سے ملاحظہ فرمائین کہ ان امور کی انجام دہی اور بوجہہ احسن انجام دہی کا بار عظیم ایک مختصر سن و سال لڑکی کس حد تک اُٹھا سکتی ہے اور پھر اس یقینی ناکامیابی کے ناگزیر تلخ نتائج کا اثر ماحول متعلقہ پر کیا ہوگا -

شوہر اگر جوان ہونے کے علاوہ انسان بھی ہے تو وہ ایک مذاق صحیح لطف صحبت اور مخصوص دلچسپی کا بھی متلاشی ہوگا ! کیا ایک کم سن بچی اس تلاش کو پورا کر سکتی ہے ؟

یہی نہین - اُسے شوہر کا مزاج دان ہونا چاہئے اور اُسکا غمگسار - لیکن افسوس وہ ابھی کمسن ہے اور بہت کم سن اور اس مین طفلانہ حرکات موجود ہین - اور کیون نہون ابھی اسکا عالم طفولیت ہے - ابھی اس کے کھیلنے کھانے کے دن ہین نہ کہ بیوی بننے کے -

اس رسم قبیح کے اثرات اگر غور سے دیکھا جائے تو متعدی دیرپا بلکہ مستقل ہین -

۲- فرض کیجئے آج کی سیر گلشن مین ایک قسم کے بظاہر ہم عمر تین پودون کی نرم اور نازک پتیون کو آپ نے نوچا اور اُنکے نرم اور کمزور ڈنٹھلون کو لاپروائی اور بیدردی سے توڑا مروڑا "زندگی تجربات اور مشاہدات کا مجموعہ ہے" آپ نے اپنی اُس شام کی شوخی طبع کے کرشمہ ملاحظہ فرمائے "قدرت بہ زبان بیزبانی کیا معنی خیز سبق دیتی ہے اور کیسے عبرت انگیز اصول بتاتی ہے" ! سب سے کنارہ والا پودہ باوجود آپکی دست درازی کے ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب موجود ہے - اسکے بعد والا یعنی درمیانی پودہ جو آپ کے تصرف سے آزاد رہا تھا تر و تازہ - فضاے بسیط مین انگڑائیان لے رہا ہے - تیسرا یا آخری پودہ آپکی دست برد کے نذر ہو گیا - نہ اُس مین وہ تری ہے نہ وہ تازگی اور نہ وہ قوت نمو جو پہلے اور درمیانی یعنی علی الذکر اور ثانی الذکر پودے مین - وہ زندہ تو ہے مگر حقیقتًا مردہ اور مقابلتًا زندہ درگور - آیئے غور کرین کہ اثرات مین اختلاف اور تفریق کس پوشیدہ قوت کی کارفرمائی ہے اور کن اصول کا کرشمہ !!

پہلا پودہ تیسرے پودہ کے مقابلہ مین ایسے سن و سال کو پہنچ چکا تھا اور اُسکے رگ و ریشہ - شاخ اور پتے اسقدر قوی ہو چکے تھے کہ آپ کی شوخی و شرارت اس پر کوئی اثر بد مرتب نکر سکی - وہ اگر دوسرے پودے کے مقابلہ مین جو آپ کی جولانی طبع کا شکار نہین ہوا تھا - بیش نہ لیجا سکا اور اُس سے بہتر ہاتھ پیر نہ نکال سکا تاہم اُسکی ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرسکتا ہے - تیسرے یا آخری پودے کی تو مٹی ہی برباد ہوئی - آپ نے اُسے اُس شادابی اور تازگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جو اُسکی جوانی کے وقت اور شباب صحیح کے وقت انکا لازمی اور فطری حصہ تھی یا جو چڑھتی جوانی مین جوبن کے نکھار پر اس درخت کی قسمت ہو گی جو آپ کے دست تطاول سے محفوظ رہگیا - یہی نہین بلکہ اب تو خدا ہی مالک کہ اسکا شباب شباب صحیح کہا جاسکے اور اُنکی جوانی واقعی جوانی کہے جانیکے لایق بھی ہوسکے - اس خرابی و تباہی مین یہہ راز

مضر ہے کہ اسے قبل از وقت استعمال کیا گیا۔ اور مناسب ماہ و سال سے پہلے استعمال کیا گیا۔ اس کے پتے اور شاخیں تمام عمر اس نا عاقبت بین دست درازی کا نوحہ پڑھیں گی اور اسکی مظلومیت تمام عمر اس کی بد قسمتی کا ماتم کریگی۔

دوسرے الفاظ میں قبل از وقت شادی عورت کو اُس حسن و شباب پر اُس آب و تاب کے ساتھ جو اُنکا لازمی اور فطری جوہر تھا نہیں پہنچنے دیتی اور کبھی ہرگز نہیں پہنچنے دیتی۔ وہ اُس کے رنگ و روپ کو تباہ کر دیتی ہے اور مستقل طور پر تباہ کر دیتی ہے اور اُس میں وہ کیفیت اور لذت نہیں آنے دیتی جو خزانۂ قدرت سے اُسکا حصہ تھی۔ آپ اسکی ترقی حسن کو اور روز افزوں ترقی حسن کو محض روک ہی نہیں دیتے بلکہ کچل دیتے ہیں اور ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔

۳۔ اس سے پھر بس نہیں بلکہ عورت کی تندرستی خراب ہو جاتی ہے اور اُسکی صحت میں گھن لگ جاتا ہے! اس کے اعضائے نسائی غیر معمولی طور پر متاثر اور کمزور ہو جاتے ہیں اور اُسکے اعضا و جوارح میں طبعی تک پہنچنے سے پہلے ہی انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ کتنے جنین زمانۂ حمل کی تکمیل سے پہلے ہی ضایع ہو جاتے ہیں۔ کتنی کمسن مائیں بنتے بنتے دنیا کو خیرباد کہہ دیتی ہیں۔ اور کتنی ایک نوزائیدہ نحیف و نزار معصوم کو سوسائٹی کی کج فہمی، نا عاقبت اندیشی اور اپنی نامراد موت کی یادگار چھوڑ جاتی ہیں کتنے ہی واقعات ایسے ہیں جن میں ماں اور ماں کی آغوش کا تمنی دونوں پیوند خاک کرنا پڑتے ہیں۔ ماں کی جسمانی اور دماغی کمزوری کا اثر اولاد پر منتقل ہوتا ہے۔ بچے دُبلے پتلے کمزور و ضعیف۔ ابتدا ہی سے مختلف امراض کا شکار رہتے ہیں جسم و دماغ کا انحطاط اور عمر کا اختصار ہماری نسلوں کی آبائی میراث بن جاتا ہے۔

بعد از وقت شادی

جس طرح یہ عقل و فطرت کے مترادف ہے کہ عورت مناسب سن و سال سے پہلے "بیوی" بنا دیجائے اُسی طرح یہ بھی صریحی ظلم ہے کہ اُسکو مناسب اور مقررہ عمر کے بعد تزویج کیا جائے۔

۱۔ شباب اور چڑھتا ہوا شباب عورت کی عمر کا وہ حصہ ہے جس پر اُسکو خود، خواہ وہ کسی طبقہ کی ہو۔ ناز ہوتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اُسکی کافرادائی اور فتوحات کا دائرہ۔ اگر آپ مبالغہ نہ سمجھیں۔ غیر محدود ہوتا ہے۔ اور یہی وہ ممتاز وقت ہے جب وہ اپنی تخلیق کی غرض بدرجۂ احسن بلکہ بدرجۂ اتم پوری کر سکتی ہے۔ اِس زمانہ میں سے گھر بٹھائے رکھنا۔ اور زینتِ پہلو ہونے کے بجائے ناکتخدا رکھنا قدرت کی منشا اور اُسکی مقصد خلقت کے کس درجہ برعکس ہے! یہ ایک ایسا ناقابل تلافی ظلم ہے جس کے لئے عورت آپکی کثرت غفلت اور صریحی جہالت کی شکار عورت۔ تمام عمر کفِ افسوس ملتی ہے۔ اور سوائے حسرتِ حاصل اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسکی عمر کے بہترین حصہ کو اسکی تکمیل مقصد کے بغیر سیر و گردش لیل و نہار کر دنیا عورت کے ساتھ عورت کے محسوسات کے ساتھ اور عورت کی نسائیت کے ساتھ ایک ایسا دوامی اور عظیم احسان ہے جس کے لئے اسے تمام عمر منفعل اور محجوب ہونا پڑیگا۔ صرف اپنی ہی نظروں میں نہیں بلکہ اپنے شوہر کی امیدوار نظروں میں بھی اور پھر بھی وہ اِس احسان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

وہ سوچتی ہوگی اور ضرور سوچتی ہوگی کہ اسکی دولتِ حسن بیٹھے بٹھائے لٹ گئی۔ اُسکی جوانی رائیگاں گئی اور اُسکا شباب بیکار گزر گیا۔ وہ محسوس کرتی ہے۔ قدم قدم پھر محسوس کرتی ہے اور ناقابل بیان رنج و تاسف کے ساتھ محسوس کرتی ہے کہ اسکی قدر و قیمت گھٹ گئی اُسکے حسن کی گرم بازاری کافور ہو گئی۔ اور اُسکی مقناطیسی کشش اسکا ساتھ چھوڑ گئی۔ چھوڑ گئی اور ایسے وقت میں چھوڑ گئی جب اُسکی ضرورت بدرجۂ اولیٰ ہے۔ وہ اپنی اس بیرنگی اور بے قیمتی پر کڑھتی ہے اور خون کے آنسو روتی ہے۔

اُسکی ناقدری و بے قیمتی کا عذاب۔ اُسکے غم و الم کا بار اُسکے حسن و شباب کا خون۔ یاد رکھیئے۔ آپ کی گردن پر ہے اور صرف آپکی گردن پر!!!

۲۔ اِس فعل ناپسندیدہ کے اثرات بھی لازمی نہین بلکہ متعدی ہین۔ اگر چشم حقیقت نگر سے دیکھا جائے تو صاف نظر آئیگا کہ عورت کو اُسکی مقررہ عمر کے بعد منسلک کرنیکے نتائج عورت کی ذات سے متجاوز ہوکر شوہر تک پہنچتے ہین۔ اور جب عورت۔ اور مرد دونون کا علیٰ قدر کیف متاثر ہونا لازم تو دونون کے تعلقات کا اثر پزیر ہونا مستقلاً اثر پزیر ہونا لازم تر۔ شوہر شریف اور عقیل شوہر جس مین جذبۂ حیوانیت کی بجلی موجود ہے۔ عورت کی بیرنگی و بے قیمتی سے متاثر نہو۔ ناممکن اور محال!! عورت کچھ ہی کرے وہ اُس جذب و کیف کو نہین پیدا کرسکتی جو قدرتی اور فطرتی تھی۔ شوہر کی مایوسی۔ ابتدائی مایوسی اور ایک حد تک دوامی مایوسی ظاہر ہے کہ عورت کی قدر۔ قسمت اور قیمت کے ساتھ کیا کریگی!!!

اکثر مثالین ایسی ہین جہان عورت کے حُسن کی تارون بھری چاندنی سفیدی سحر سے مبدل ہو جاتی ہے اور اس کے حسن و شباب اور جذب و کیف کا سویرا ہو چکتا ہے۔ مرد مین قوت و قابلیت کی موجودگی اور عورت مین اُنکی قلت یا عدم موجودگی!!! صورت واقعات کیا ہوگی اور کیا ہوتی ہے!!!

۳۔ فضلاے طب کی تحقیق ہے کہ بلوغ کے بعد قدرت عورت مین حمل کی قابلیت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اِس قابلیت یا کیفیت کی ابتدا اور انتہا کے لیے کچھ واضح نشانات اور علامات۔ عورت ایک خاص اور مقررہ عمر تک حاملہ ہوسکتی ہے۔ اور اِس قابلیت اور ناقابلیت کا وجود و عدم اُن علامات کی موجودگی اور غیر موجودگی پر کلیتہً منحصر اور مبنی! اگر مقررہ عمر کے اندر وہ حاملہ نہو تو یہ علامات غائب اور مفقود ہو جاتی ہین اور اُنکی مفقودگی کے اثرات عورت کے جسم اور جسم کی ساخت پر تمام تر مرتب ہوتے ہین۔ اِس تحقیقات سے بادی النظر مین اور واضح نتائج مرتب ہوتے ہین۔ اول تو یہ کہ قدرت نے عورت کے حاملہ ہونے کے لیے ایک زمانہ متعین اور مخصوص کیا ہے۔ اور اِس مقررہ زمانہ کو غالباً ہماری سہولت کے لیے کچھ واضح علامات سے ظاہر کر دیا ہے!

دوسرے یہ کہ ان علامات کے غائب ہوجانیکے بعد استقرار حمل کی امید عبث۔ اولاد کی تمنا بیکار۔ اور قیام النسل کی آرزو۔ خیال!! عورت کو ایسی عمر تک ناکتخدا رکھنا کہ اُسکی قبول حمل کی قابلیت یا اُسکی تکمیل آفرنیش۔ معرض خطر مین آجائے یا بلکلیہ کالعدم ہو جائے۔ ایسا گناہ عظیم ہے کہ اُسکا کفارہ نہ دنیا مین ممکن نہ عقبیٰ مین!!

تجربات کا خزانہ۔ (بیوقوفی کا پوٹ) اور عقل کا مجسمہ (پیر نابالغ) ہونے کے باوجود عقل اور آنکھون پر جہالت۔ غفلت اور حق فراموشی کے موٹے موٹے پردے! اجوان۔ جذبات صحیح سے سرسبز اور فطرتی احساسات سے مکلف لڑکی کو گھر بٹھائے رکھنا! اپنے کو اِس عظیم ترین حق و بار سے مستغنی اور آزاد سمجھنا اور پدر مشفق کے بھیس مین جذبات کشی اور دختر کشی کی ظالمانہ۔ جاہلانہ اور کورانہ روش اپنی نوعِ انسان کے ساتھ سب سے بڑا اور وحشیانہ ظلم اور آخرت کا ناقابل عفو گناہ ہے۔ مظلوم اور مجبور لڑکی کی ہر آنے جانیوالی سانس تو آپ کے لیے آہ مظلوم کا کام کریگی مگر یاد رہے کہ قدرت منصف مزاج (خواہ آپ کسی ملّت و مذہب کے ہون) اِس صریحی غفلت اور فرائض و حقوق کے عدم تکمیل کے لیے ممکن سختی اور شدت کے ساتھ آپ سے پرسش فرمائیگی۔

نظر حقیقت بین اور حق پسند کے لیے ہولناک سبق آموز مین دہ وجود اور متنفر انگیز اور عبرت خیز ہین وہ افراد جو گھرون کی

چار دیواری مین اپنی جوان لڑکیون کو زندہ در گور کے دنیاے دون کے معاملات اور لغویات مین مستغرق - اس نازک اور اہم ترین حق اور فرض سے غافل ہین -

مجھے اقرار ہے کہ میرے الفاظ قبل از وقت شادی اور بعد از وقت شادی کی قبیح - تلخ اور مضر رسم کی مکمل تصویر نہین پیش کر سکے "انشاے عریان" کے خوف کی وجہہ سے یا بعض مطالب پر تو مطلق نظر ہی نہین کیجا سکی اور یا اشارے اور کنایہ سے کام لینا پڑا مین محسوس کرتا ہون کہ ایک ایسی خشک بحث جو "ادب لطیف" تو در کنار ادب کی چاشنی سے بھی عاری ہے کسقدر دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھی جائیگی -

ازہردوئی

محمد صادق حسین علیگ
بی - اے -

نغمہ شہید

(ازجناب مولانا مولوی محمد صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی لکھنوی)

فکر دارین سوا سب سے ہے دیوانے کو ۔۔۔ وہ بقا موت کو، گھر کہتا ہے ویرانے کو
اوٹھتے ہی ابر بہاری نے بڑہایا یہ جوش ۔۔۔ گھر سے صحرا نظر آنے لگا دیوانے کو
ختم ہونے کے قریب آ گئی روداد حیات ۔۔۔ آپ اب آئے ہین سننے مرے افسانے کو
دیدے تلچھٹ ہی مجھے بھیک سمجھکر ساقی ۔۔۔ بھر دے پھولون سے خدا اس ترے میخانے کو
فکر امروز ہے اس کو نہ غم فردا ہے ۔۔۔ لوگ دیوانہ نہ سمجھین ترے دیوانے کو
دوستون کے نہ کرم ہین نہ ستم دشمن کے ۔۔۔ شام غربت نے کیا ختم اس افسانے کو
اب نہ ہے شکر و شکایت نہ وہ ذکر من و تو ۔۔۔ آ گیا لیجیئے ہوش آپ کے دیوانے کو
وہ بھلا دے دیے اون کی نگہ شوخ نے آج ۔۔۔ پھر سے دُھرانے لگا مین اسی افسانے کو
جس کے پرتو سے ضیا پاش ہوئے شمس و قمر ۔۔۔ کاش روشن وہ کرے میرے سیہ خانے کو
دن بدن ناز سے بڑھتی ہی رہی شان نیاز ۔۔۔ دیدیا طول تمھین نے مرے افسانے کو

آیئے چل کے بسین کوچۂ جانان مین شہید
موڑیے کعبہ سے منہ، چھوڑیے بتخانے کو

شعر اور علم

(از جناب مولانا شاہ محمد فاخر صاحب بیخود - الہ آبادی مدظلہ)

شعر گوئی اگر محض خیالات - واردات - مناظر - اور باصطلاح حاضر - جذبات کی تفسیر کا نام ہے - تو زیادہ علم کی محتاجی سے آزاد ہے - اور اگر حقائق - معارف - حکم - اسرار - فلسفۂ درد - تاثیر جمال کیف عشق کے بیان صحیح کو بھی کہتے ہین تو یقیناً - وسعت علم - اور قوت اظہار مقصد واقفیت زبان پر موقوف ہے -

جس طرح حروف کی ترکیب سے الفاظ اور الفاظ کی ترتیب وترکیب سے جملے بنتے ہین - جملون کی تنظیم وتہذیب سے شعر بنتا ہے حروف کے تنافر سے الفاظ کا پاک ہونا فصاحت لفظ ہے - اور الفاظ کے تنافر سے خالی ہونا شعر کو فصیح بنا دیتا ہے - غیر مانوس الفاظ - قلیل الاستعمال تراکیب سے کلام بلیغ نہین ہو جاتا - جو لغات زبانون پر زیادہ چڑھے نہین - انھین اگر کسی شعر مین آجکل لوگ دیکھ لیتے ہین تو بلیغ - بلیغ ہے - کے غل سے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہین - جس طرح پر کلام بلیغ فصیح ہوتا ہے - فصاحت مین بھی بلاغت سے لچک اور چمک پیدا ہو جاتی ہے -

دنیا کی تمام زبانین حاجتمند وسعت ہین - عربی باوجود بے حد وسیع ہونے کے اب بھی دوسری زبانون سے امداد پاتی جاتی ہے - پھر ہماری اُردو کا کیا کہنا ہے - جس کا وجود ہی تمام زبانون کی آمیزش اور اعانت وشرکت سے ہوا - یہان ایک انوکھی بات اور کہنے کو جی چاہتا ہے - حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اشیاے موجودہ وآیندہ کے اسما سکھا سے گئے تھے - اور انکا ہبوط ہندوستان مین ہوا - فلسفہ کا قول ہے - ہر چیز اپنے خیر کو جاتی ہے - اگر ہندوستان مین ہمہ گیری - ہمہ دانی کا مادہ فطرتاً نہ ہوتا تو حضرت آدم کسی اور جگہ اوترتے - اس لئے - ایک عرب - ایک انگریز - ایک ترک - ایک افغانی - ایک چینی ایک جاپانی - ایک فرنچ ایک روسی - اُردو نہ صحیح بول سکتا ہے نہ صحیح وفصیح لکھ سکتا ہے - مگر ہندوستانی عربون کی طرح عربی - انگریزون کے مانند انگریزی - ترکون جیسی ترکی - افغانیون کے برابر افغانی - چینیون کے مشابہ چینی - جاپانیون کے مثل جاپانی - ایک فرانسیسی سے کلہ بکلہ فرنچ - روس والون سے صحیح روسی بولتے ہین - بلکہ اہل زبان کو اپنی زباندانی - گویائی - عبور محاورات چکر مین ڈالدیتے ہین -

زبان اظہار مافی الضمیر اور بیان مقصد کا ذریعہ ہے - اشارون کے بعد صوت کا نمبر آتا ہے - صوت سے حروف کی خلقت ہوتی ہے - مختلف مواقع کیلیے - تنوع اصوات الفاظ پیدا کرتا ہے - ضرورت الفاظ سے جملے - عبارتین بناتی ہے - جب اپنے ملک کے الفاظ - لغات - محاورات - بیان مدعا مین کافی نہین ہوتے - دوسرے ممالک سے عاریت لی جاتی ہے - مستعار کے بعد قرض - قرض کے بعد خریداری کی نوبت آتی ہے - یا غصب وزبردستی کی جاتی ہے - اس طرح روزانہ بڑھتی پھیلتی اور وسیع الذیل ہو جاتی ہے - اُردو جیسے ایجاد کے زمانہ مین مہمان نواز تھی - آج بھی الفاظ کو اپنے کنار عاطفت مین لیتی ہے - اور انھین اپنا بناتی جاتی ہے - یہ مشکل البتہ پیدا ہو گئی ہے کہ اکثر لوگ بے ضرورت بھی دوسری زبانون سے الفاظ صدقے کر اُردو کے دامن کو کشکول گدا بنا رہے ہین -

جس کا سبب اکثر اپنی زبان سے عدم واقفیت - اور اپنے

الفاظ پر عدم عبور ہے - روزمرہ کی بول چال الگ رہی - نفیس نثر مین
عمدہ شعر مین - غیر مانوس الفاظ - نامستعمل تراکیب سے اطلس مین ٹاٹ کا
پیوند جڑنا خدا جانے کیونکر پسند طبع ہے - ہان الفاظ کی نامونسیت
کا اعتراض بیشتر بے علمی اور جہل سے بھی ہوتا ہے - اس لیے نظم
ونثر لکھنے والے کو علم اللسان - ترکیب الفاظ - اصول بدیع - قواعد
بیان پر ایسا عبور ہونا چاہیے کہ غیر مانوس بھی مانوس بنجاے جیسے
امام الشعرا حضرت شیخ ناسخ کو تھا مثلاً اُن کے اس شعر مین ؎

طمع ہے انصاف دوستان سے کہ اتنا فرمائین زبان سے
کیا ہے ناسخ نے آسمان سے بلند تر رتبہ اس زمین کا

لفظ طمع - ثقیل ہے - لیکن دوسرا کوئی لفظ اس وزن کا طمع
سے زیادہ لطیف - شعر کے مناسب مل نہین سکتا - اس صنف خاص
مین غالب کو قدرت نے خاص سلیقہ مرحمت فرمایا تھا -

لغات کو صحیح معنی مین استعمال کرنا - حضرت رشک اور اکثر
تلامذۂ خاندان ناسخ کا طغرۂ امتیاز ہے - ذیل کے دو شعر جناب رشک
کے ملاحظہ ہون ؎

وقت حساب کثرت اغیار وصل مین　　کہتے ہین بات ٹال کے گنتی غلت ہوئی
سودا ہے حاسبانِ قیامت کا آپ کے　　تعداد جرم اہل معاصی غلت ہوئی

لفظ "غلت" کو تاے قرشت کے ساتھ استعمال فرماکر
مقطع ترتیب دیتے ہین ؎

پروا سے حرف گیری اہل سخن نہین
اے رشک مستند جو کتاب لغت ہوئی

اصل یون ہے کہ جس طرح کثرت حروف کثرت معنی پر دلیل
ہے - تغیر حروف - تغیر معنی پر دلالت کرتا ہے "غلط" طاے حطی
سے عام غلطی کلام مین مستعمل ہے - اور "غلت" تاے قرشت
سے حساب مین غلطی کے لیے آتا ہے - متنبی نے کہا ہے ؎

غلت الذی حسب الشعور بآیۃ
ترتیلك السورات من آیاتھا

مدت ہوئی - ریاض الاخبار گورکھپور مین لفظ "ایجاد"
کی تذکیر و تانیث پر بحث کرتے ہوئے مضمون نگار نے ان دونون
شعرون کو لکھکر تحریر فرمایا تھا کہ صاحب زبان کو اختیار ہوتا ہے
جو لفظ چاہے اور جس طرح چاہے لکھ جاے - اس پر ایک
اور صاحب نے جواباً تحریر کیا تھا کہ یہ "غلت" "غلط" کا ہم
معنی نہین - بلکہ "غلو" سے نکلا ہے - اس سے بڑھکر کمال یہ کیا
کہ "صراح" کا حوالہ بھی دیدیا مجھے بیحد حیرت ہوئی کہ "غلو"
سے "غلت" کیونکر بن گیا - "عِدَۃ - زِنَۃ" "وعد"
اور "وزن" سے نہین ہین - اگر "وغل" ہوتا تو "غلت"
بنجاتا - متنبی کا شعر یاد آگیا - پھر مقطع مین "کتاب لغت" کا
لفظ دیکھکر اوراق گردانی کی صاف نکلا - "غلت" اور "غلط"
ہم معنی ہین - عند الجمہور - بعض کے نزدیک "غلت" حساب
کی غلطی - اور "غلط" کلام کی غلطی مین مستعمل ہے -

آج کل ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے - جو شاعر جذبات
ہونے کا مدعی ہے - اس جماعت مین چند پڑھے لکھے لوگ
بھی ہین - مین اپنے قصور فہم کا اقراری مجرم بنکر - جذبات
کی شاعری کے سمجھنے سے مجبور ہون -

واصلان کبریا کے دو گروہ تھے - ایک مجذوب ایک
سالک - یا سالک مجذوب - یا مجذوب سالک - جذبات
کون سا صیغہ ہے اسکا وزن کیا ہے - اس کا ترجمہ کیا ہے
اسکا معنی کیا ہے - جس جگہ لوگ اسے استعمال کررہے ہین
وہ کس معنی مین مستعمل ہوتا ہے - قاعدہ صرفی سے کیا
قرار پاتا ہے - حرکات حرفیہ کیا ہین - ارباب لغت نے

کیا تحقیق کی ہے - ایک ایک لفظ کے لئے کم سے کم اتنی باتین دریافت طلب ہوتی ہین -

ملک کی بدقسمتی سے جہل مذہبی کا اتنا شیوع ہوگیا ہے کہ ہر شخص تفسیر قرآنی - توضیح احادیث - استخراج مسائل کی قابلیت کا مدعی ہے عبارۃ النص - دلالۃ النص - اشارۃ النص - اقتضاء النص - کلام کے سیاق - سباق - مقتضائے حال - ناسخ منسوخ - مجمل مفصل - محکم - متشابہ - تاریخ شان نزول - فلسفہ لغت - محاورات عرب - معانی - بیان بدیع - اسالیب کلام - اصول فقہ - اصول حدیث - اصول تفسیر - اسماے رجال - کلام جاہلیت پر عبور - قلت واسطہ جات روایت - تقوی - زہد - تاریخ لغت - عرب العربا کے طرز ادا - اصطلاحات خداوندی - سیرت نبوی کا علم اتم - فہم صحابہ کا ادراک کامل - عمل اہلبیت کا وقوف صحیح - ذہن ثاقب - رائے صائب - تجربۂ عالم - آگاہی کائنات علم الحیوان - جغرافیہ وغیرہ وغیرہ ہزارون باتین ہین - جنکے جاننے والے علٰحدہ علٰحدہ تو ملتے نہین - نہ کہ کسی ایک شخص مین اتنا کمال اور قوت اجتہاد کا اعلان - اسی طرح - چند الفاظ کے الٹ پھیر تغیر ترکیب کا نام شاعری ہے - جدت مضامین تو کہان - جدت ادا الفاظ نوی کا ملنا محال ہے

علی حزین نے - میرافضل ثابت الہ آبادی کے ایک شعر کو سرقہ کہا تھا - میرافضل ثبات نے حزین کے پانسو اشعار سرقہ کے نکال کر رکھدیئے حزین سے کوئی جواب بن نہ آیا - عادت کے خلاف ساکت رہنے پر مجبور ہوے -

بہر حال شاعری کو جن لوگون نے کھیل سمجھ لیا ہے اُن سے گزارش ہے - کسی اور طرف توجہ فرمائین - اس غریب کو اپنے توجہات سے محروم ہی رہنے دین - یا تحقیق الفاظ - تدقیق معانی مین سعی ہو تو سے دریغ نہ کرین - اساتذہ کے کلام پر استفادہ کے لیے نظر رکھین - علوم ضروریہ ضروریہ صرف و نحو - معنی بیان بدیع - اسالیب ادا مین مہارت پیدا کرین - یہ مانا کہ قواعد و عروض - ایجاد زبان کے بعد بنے - مگر اب تو پابندی لازم ہوگئی ہے - کسی شاعر کو اسکا حق نہین کہ منضبط قواعد اور مسلمہ اصول سے انحراف کرکے - من مانی ترکیبون سے شعر کہے اور اُسے مجمع کملا مین مقبولیت کی بھی طمع ہو -

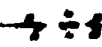
فقیر سید محمد فاخر مجوّد محمدی اجملی
الہ آبادی عفی عنہ

ہندوستان کی عریان نویس خواتین

(مرقومہ جناب کنیز فاطمہ علی احمد صاحبہ از کلاؤٹھی)



بیبیانہ مضامین پہ صلواتین ہین
شدتِ پردہ کی پرہے چلے جاتے ہین



جناب اڈیٹر صاحب - تسلیم - مندرجۂ بالا عنوان سے آپکے مقتدر رسالہ "مرقع" مین چند لکھنے والی مسلمان خواتین پر لعنت کی بوچھار میری نظر سے بھی گزری - مین اس پر اپنے خیالات مرسل خدمت کرتی ہون - امید ہے جب ایک مضمون آپنے شایع فرمایا ہے تو اسکو بھی نومبر نمبر "مرقع" مین جگہ دے کر مشکور کرین گے -

جناب مولانا مسعود الرحمن خان صاحب ندوی کا بیش بہا عطیۂ خیالات جو اُنھون نے اپنی ہندی پردہ نشین مسلمان خواتین کو عنایت کیا ہے، ہماری صنف کے لئے بہت کچھ باعث مشکوری ہے اگر کسی کام مین زمانہ مخالفت نہ کرے تو کام کرنے والون کی ہمتین نہ بڑھین - اور مولانا صاحب نے کوئی نرالی مخالفت بھی نہین کی صرف آزاد نویس بے شرم خواتین" کو ذرا نصیحت فرمائی ہے کہ آیندہ ایسا نہ کرین - یہ ہر ایک کو حق حاصل ہے کہ اپنا اپنا خیال ظاہر کرے کوئی معترض نہین ہو سکتا - مجھے اس وقت جو عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ غصے مین مولانا مدظلہ نے بعض ایسے الفاظ لکھدئے ہین جو نہ چاہئیے تھے اور یہ کہ نذر سجاد حیدر صاحبہ کی طرف سے مولانا ممدوح کو غلط فہمی بھی ہوئی ہو - ورنہ نذر سجاد حیدر صاحبہ کا کوئی لفظ اُن ہر دو مضامین مین قابل اعتراض یا حیا سوز نہین ہے - مین نے بھی "حرم" کے وہ دونون مضمون پڑھے ہین - بیشک موجودہ سخت پردے کے خلاف وہ ضرور ہین اور غالباً یہی امر مولاناؤن کو کھٹکتا ہے - اب سے کئی برس پہلے ایک اور ندوی مولانا مدظلہ نے نذر سجاد حیدر صاحبہ کے ایک مضمون پر "معارف" مین بہت کچھ تنبیہ کی تھی یہ کوئی نیا عطیہ نہین ہے - اِس فرقے سے ہمیشہ آزاد خیال لوگون کو ایسا ہی انعام ملا کرتا ہے - اِس وقت بھی مولانا موصوف کو اُنکی آزاد خیالی پردہ شکنی کا اظہار بذریعۂ افسانہ ناگوار گزرا ہے - اسی کو "بے شرمی حیا سوزی" لکھکر ظاہر کیا ہے - ورنہ اُنکے افسانون مین کبھی ایسا ایک لفظ بھی نہین ہوتا، جو قابل اعتراض ہو - ہان وہ پردے کے خلاف ہین - اور پردے کو مانع ترقی و تعلیم نسوان خیال کرتی ہین سو یہ اپنا اپنا خیال ہے ہر ایک مختار ہے - مگر ایک عرصۂ دراز سے مین اُنکے مضامین دیکھ رہی ہون، جب مین بھی لڑکی تھی اور اُنکی بھی شادی نہین ہوئی تھی، گو اُس وقت وہ آزادانہ نہین لکھتی تھین مگر بعد شادی انکو شوہر بھی آزاد خیال ملا جس نے اُن کا وہ پہلا شدید پردہ بھی نہ رکھا - اسی پر مجھکو خیال آیا ہے کہ آپکا یہ شعر کہ ؎ "بیٹھکر پردے مین بے پردہ ہوئی جاتی ہین"

مسز سجاد حیدر کے لئے صحیح نہین ہے وہ پردے
مین نہین ہین کبکی بے پردہ ہین - رہی "عریان نویسی" اسکی بابت
ایک مین نہین، سیکڑون ہزارون اُنکے مضامین اور افسانے
پڑھنے والے اس امر کی تردید کرسکتے ہین - وہ یورپین طرز معاشرت
اور یورپین تربیت کے نمونے دکھاتی ہین، جیسے کہ فی زمانہ
پانچ فیصدی ترقی یافتہ مسلمان گھر موجود ہین مگر بے شرمی، حیا
سوزی کبھی کسی لفظ سے ظاہر نہین ہوتی ہے - اُنکے مضامین
کی ادبی دنیا مین مقبولیت اِفتراسھی، مگر اتنا تو مین بھی جانتی
ہون کہ صرف ایک مضمون کے لئے اڈیٹر لوگ برسون سے اپنے
اخبار دیتے ہین اور زنانہ رسائل اُنکا نامقبول نام اپنے جرائد کے
سرورق پر لکھنے کے متمنی رہتے ہین - یہ اور بات ہے کہ وہ
رسائل کوئی علمی مذہبی پرچے نہین ہین نہ اُنکی اڈیٹر بیبیان
ہی عالمہ فاضلہ ندوی - جس پایہ کے اڈیٹر ہین اسی قابلیت
کی مسز سجاد حیدر ہین - سو ندوی صاحب کے خیال مین
وہی کب قابل ستایش ہین - بیچاری اڈیٹر صاحبہ "حرم" کو
بھی لے ڈالا ہے، حالانکہ وہ بہت ہی سمجھدار محتاط بی بی ہین اور
باوجود ڈاکٹر ہونے کے سُنا جاتا ہے کہ پردہ نشین ہین - مگر چونکہ
مسز سجاد حیدر صاحبہ کا مضمون شایع کردیا، گناہگار ہوگئین -

بیشک مسز سجاد حیدر صاحبہ کو آنسہ مصری و خالدہ ترکی
لکھنا اُنکی قدردانی تھی ورنہ وہ اس قابل نہین - وہ کیا ہندوستان
بھر مین سوا ایک ہندو خاتون مسز نائیڈو کے کوئی بھی خالدہ خانم
کے ہم پایہ نہین ہے - مگر ہم بخوبی جانتے ہین کہ انہین وجوہ سے ان
مولاناؤن کو خالدہ ہی کب پسند ہین - انکے لکھے ہوئے آزادانہ افسانے
ہمارے مُلّا صاحبان دیکھین تو کانپ اُٹھین - ہم نے کسی کسی افسانہ کا
ترجمہ مرحوم نواب صاحب اسمٰعیل آگرہ کے یہان دیکھا تھا - کون پسند
کرسکتا ہے کہ شریف باعزت خاتون ایسا کھلا کھلا اظہار جذبات کرے
رہا یہ کہ خالدہ خانم علاوہ اس ناپسندیدہ و نقصان دہ کام یعنی
"عریان نویسی" کے اور قومی کام تو اچھے کررہی ہین - اسکا جواب
یہ ہے کہ انکو موقعہ دیا گیا ہے، تعلیم دی گئی ہے - آزادی دی گئی
ہے - اگر ایسی ہی تعلیم اور اسی قدر آزادی ہم ہندی پردہ نشینون کو بھی
دیجائے تو ہم بھی کچھ کر دکھائین - ایک جاہل بی بی وزیر تعلیم
نہین ہوسکتی اور پھر پردہ نشین - ایک جاہل عورت فوج کی کمان
نہین کرسکتی برقع پہن کر -

اب ہادیان دین ! پہلے اِس قدر آزادی تو جائز کردین
کہ خالدہ خانم کی طرح بے پردہ ہوکر دوسرے ممالک مین جاکر تعلیم
تو حاصل کرائین، پھر اُن سے اُنکے کامون کے متوقع ہون - فی الحال
زراسی اُردو سیکھی ہے اسی مین اپنے اپنے خیالات کے موافق اناب
شناپ لکھ دیتی ہین -

اِس فرقے نے ہمیشہ بُرا کہا اور کہے گا - مگر زمانہ کی رفتار اور
ہی چیز ہے - اسے کوئی نہین روک سکتا - پردہ اب دُنیا سے نابود ہو
رہا ہے اور انشاءاللہ ہوکر رہیگا - تب ہی ہمارے دن پھرین گے
اور ہم بھی مصری ترکی بہنون کی طرح ترقی کرین گے - اسی ہندوستانی
پردے نے تباہ کردیا، ہمین انسان سے حیوان بنادیا - اور ایک
فرقہ ہے کہ بجائے رہنمائی کے ہمین اور اندھیرے کنوئین مین
ڈھکیل رہا ہے، مگر انشاءاللہ جیت ہماری ہوگی - ترکی مصری
خواتین کو بھی رکاوٹین ایسی ہی ہوئی تھین - مگر وہ شاہراہ ترقی پر
پہنچکر رہین - یہان مردون کی ہمتین پست ہین - مین اپنی ہی کیون
نہ کہون - میرے وارث اب آزاد ہین - پردے کے مخالف ہین
مگر بُرا کہنے والون سے ڈرتے ہین - یہان تک پست ہمت ہین
کہ مجھکو تعلیم کے لئے گھر سے باہر نہ بھیج سکے - مگر وہ دن دور نہین

کہ سب مراحل طے ہو جائیں گے - ہاں وہ میں بھول گئی ؛ جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں - یہ لکھنا یاد نہ رہا کہ مولانا موصوف نے نذر سجاد حیدر صاحبہ کے بعد جب چند عریاں مضامین نثر و نظم کا نمونہ دکھایا ہے - ہم اُن سے سوال کرتے ہیں کہ مولانا کو اس کے زنانہ ہونے کا کیونکر یقین ہوا ؟ کیا ثبوت ہے ؟ ہم نے سُنا ہے کہ اسی قسم کے بیباکانہ تحریریں چند مخالف تعلیم نسواں لکھ لکھ کر مستورات پر لعن طعن کرا کے خوش ہوتے ہیں - اسکے سوا کچھ حقیقت نہیں ہے - ممکن ہے یہ غلط ہو - مگر سُنا یہی ہے - پہلے تحقیق کر لینی چاہیئے - کہ واقعی ایسے بیباکانہ الفاظ زنانہ قلم سے نکلے ہیں ؟ یا یہ سب خواتین رسالہ "نقاد" کی مضمون نگاری بھی قمر الزمانی صاحبہ (چند مردوں کی ایک کمیٹی عقی دہلی میں) کے مصداق ہیں پہلے اسکی تحقیق کر لی جائے پھر تنبیہ کی ضرورت ہے -

خاکسار

کنیز فاطمہ علی احمد" از گلاؤٹھی -

گلاب کا پھول

(از جناب عزیز بلگرامی)

چمن میں ہر طرف آیا نظر گلاب کا پھول ادھر گلاب کا پھول اور اُدھر گلاب کا پھول
شگفتہ ہو گیا میں دیکھ کر گلاب کا پھول کچھ ایسا کر گیا دل پر اثر گلاب کا پھول
میں کہہ اُٹھا کہ ہے رشکِ قمر گلاب کا پھول

یہ بلبلیں ہیں دمِ صبح چہچہا اٹھیں کہ مل کے کرتی ہوئی ذکرِ کبریا اٹھیں
ذرا سی چھیڑ میں کلیاں بھی مسکرا اٹھیں جو گدگدایا صبا نے تو کھلکھلا اٹھیں
نہ کیوں چمن میں ہو نورِ نظر گلاب کا پھول

جو پنکھڑی ہے بظاہر زبانِ ناطق ہے مگر خموش ہے یہ بھی تو شانِ خالق ہے
ہزار جان سے بلبل فدا ہے عاشق ہے چمن کی ایسی کچھ آب و ہوا موافق ہے
کہ ہے ہر ایک کو نورِ نظر گلاب کا پھول

عجب سماں ہے تبسم کی طرفہ حالت ہے کہ دیکھتی جسے نرگس ہے چشمِ حیرت سے
ہیں پھول پتوں میں پایا حق نے اپنی رحمت سے جڑے عقیق زمرد پہ دستِ قدرت سے
نہ سب گلوں میں ہو کیوں خوب تر گلاب کا پھول

ہزاروں رنگ کے گرچہ ہیں پھول محفل میں نہ ہوگا اسکے مگر ایک بھی مقابل میں
عجب ہے کیا نہ رہے تابِ جانِ بسمل میں سمجھ کے داروئے غم رکھ لے شیشۂ دل میں
ذرا بھی دیکھ لے بلبل اگر گلاب کا پھول

وہ ہلکی ہلکی سی رنگت وہ بھینی بھینی بو نہ یاسمن ہے کوئی شے نہ کچھ گلِ شب بو
بہت ہی اسکی حسینوں میں چاہ ہے ہر سو کہیں ہے سینے کی زینت کہیں ہے زیبِ گلو
بنا ہوا ہے ہر اک سیم بر گلاب کا پھول

یہ رنگ و روپ بھی اک شانِ کبریائی ہے ہزار جان سے جس پر فدا خدائی ہے
تمام پھولوں پہ فوقیت اُسنے پائی ہے ادا ہر ایک کو اسکی پسند آئی ہے
لئے ہے ہاتھ میں ہر سیم بر گلاب کا پھول

گلوں سے دیکھ کے باہم گلوں کو پیوستہ ہے آرزو کہ یہ آجائے ہاتھ گلدستہ
دکھائے قدر کوئی کس طرح بندھی دستہ (?) کھڑے ہیں سرو درِ باغ پہ کمر بستہ
بنا ہے بادشہ حسن ہر گلاب کا پھول

یہی تو باعثِ آہ و فغانِ بلبل ہے یہی تو ہجر میں وردِ زبانِ بلبل ہے
بہار میں تو یہی میہمانِ بلبل ہے یہی حیاتِ دو روزہ میں جانِ بلبل ہے
غرض ہے مرہمِ زخمِ جگر گلاب کا پھول

نہ کس طرح یہ زمانے کو آئے دل سے پسند کہ قند میں بھی ہے دل جل کے بن گیا گلقند
ہر ایک گل سے نہ کیوں مرتبہ ہو اسکا بلند دلِ حزیں بھی کرتی ہے اسکی بو خرسند
دوائے دل میں ہے شیر و شکر گلاب کا پھول

عزیز وقتِ سحر اک ہی نور کا عالم ہیں گل پہ گوہرِ نایاب قطرۂ شبنم
چمن میں بلبلوں کو دیکھ کر خوش و خرم ہوا نہ ضبط تو فوراً پکار اُٹھے ہم
دلہن بنا ہے بوقتِ سحر گلاب کا پھول

گمراہ رہبر

(از جناب مرزا جعفر علی خان صاحب بی اے اثر لکھنوی ڈپٹی کلکٹر)

جناب اصغر کے دیوان "روح نشاط" کے شایع ہوتے ہی میرے خیال میں سب سے پہلے اگر کسی رسالہ میں تبصرہ شایع ہوا تو وہ مرقع ہے اور سب سے پہلے جس نے تبصرہ کیا وہ جناب مرزا جعفر علی خان صاحب اثر بی اے لکھنوی (ڈپٹی کلکٹر) ہیں۔

جناب اثر سے جو لوگ پورے طور سے واقف ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی طبیعت بالکل مرنج و مرنجان واقع ہوئی ہے۔ آپ کو کبھی ذاتیات سے تعلق نہیں رہا۔ آپ میں انکسار و اخلاق اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ اگر آپ کو سراپا انکسار و اخلاق کہا جائے تو بیجا نہیں آپ کو کسی قسم کا دنیوی خیال وجاہت و امارت، یا اپنی لیاقت و شاعری و نقادی پر کوئی گھمنڈ نہیں۔ جن اصحاب نے آپ کے نقادانہ مضامین پڑھے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب اثر کی وہ ذات ہے کہ جس پر اخلاق و تہذیب ادب و طرز تبصرہ نویسی کو ناز ہو سکتا ہے،

مرقع کا مسلک شروع ہی سے ایسا رہا (اور انشاءاللہ ہمیشہ رہے گا) کہ ذاتیات سے اس نے کبھی کوئی تعلق رکھا نہ اس میں اس قسم کی بحثیں شائع ہوئیں جن میں کسی کی ذات پر حملہ ہو یا اُن سے کسی کو رنج پہونچے۔

روح نشاط پر مدیر مرقع نے اپنی کوئی رائے ایک ظاہر نہ کی نہ جناب اثر کے نقد و تبصرہ پر کوئی اظہار خیال کیا۔ جناب اثر نے روح نشاط کے متعلق دو مضمون لکھے ہیں ایک میں جناب اصغر کے کلام کے تمام محاسن اور خوبیاں دکھائی ہیں اور اُنکی انتہائی داد دی ہے اور یہ کہنا ہرگز بیجا نہ ہوگا کہ اس سے زیادہ پورے دیوان پر مکمل داد دوسرا شاید ہی کوئی دے سکا ہو۔

دوسرے رخ میں اُنھوں نے صرف اپنے خیال کی بنا پر جس کے وہ بذات خود ذمہ دار ہیں جو خامیاں نظر آئیں ظاہر کیں۔ اور ان خامیوں کو اپنی ذاتی رائے پر جا بجا تبدیل بھی کیا۔ جس میں بجز نیک نیتی اور کس چیز کو دخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ شخص جو جناب اصغر کے کلام کی اس قدر داد دے چکا ہو جو اس سے پہلے اور کسی سے شاید نہیں ملی وہ کبھی بدنیتی سے اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ نہ جو تبدیلیاں اُس نے کی ہیں اُن کو اُسنے اصلاح سمجھکر تبدیل کیا ہے نہ اُس کو یہ دعوی ہے کہ اس سے بہتر تغیر و تبدیل غیر ممکن ہے۔ یہ ترمیم اُس کا صرف خیال ہے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط اور جو خامیاں اُس نے دکھائی ہیں ممکن ہے وہ بھی کم و بیش نادرست ہوں۔

"خود جناب اثر کے قلم سے" روح نشاط پر ایک نظر" کے تحت میں اختتام مضمون پر محاسن کلام سے متاثر اور خوبیوں سے لذت یاب ہو کر بیساختہ یہ الفاظ نکل جاتے ہیں۔

"بہت کچھ لکھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں لکھا۔ مجبوراً اس مضمون کو ختم کرتا ہوں لیکن اُسکے قبل یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے حضرت اصغر کے کلام میں لغزشیں بھی نظر آئیں گو اُنکی وقعت اس سے زیادہ نہیں جیسے شاہدان رعنا کے جُھرمٹ میں بعض کے رخسار پر کوئی بدنما خال ہو میں نے ایسے معشوقوں کی طرف سے منھ پھیر کر دوسروں کے جمال بے مثال سے آنکھیں سینکیں۔

لوگون کو تنقید کی طرف سے رغبت ہو چلی ہے - ذیل مین ڈرائڈن کی ایک عبارت کا ترجمہ حاضر ہے جو غالبًا مفید اور دلچسپ ثابت ہو۔

"وہ لوگ تنقید کی حقیقت ہی نہین سمجھتے جن کا یہ خیال ہے کہ اس کا خاص منصب خوردہ گیری ہے - تنقید کا موجد ارسطو ہے اُسکا یہ مقصد تھا کہ کلام کی خوبیان ذہن نشین کرنے کا ایک معیار قائم ہو جائے جسکا فرض اولین یہ ہو کہ کلام کے محاسن، پڑھنے والے کی سمجھ مین آجائین اور موجبِ انبساط ہون - اگر کسی نظم کی ترتیب تخئیل اور انداز بیان اچھا ہے جو ایک حقیقی شاعر کے طغرائے امتیاز ہین تو نقاد کو چاہیے کہ مصنف کے موافق راے قائم کرے معمولی الفاظ پر ناک بھون چڑھانا خباثت نفس اور نامردی کی دلیل ہے کیونکہ ایسے تسامحات سے درجل کا کلام بھی پاک نہین ہارِیس تسلیم کرتا ہے کہ مستعد اور کیل کانٹے سے لیس ہومر بھی بعض وقت اونگھ جاتا ہے اُسکی نظم کی ہر سطر خوبیون سے لبریز نہین ہے تاہم ہارِیس ہومر کے کلام کو کمال شاعری کا مستقل نمونہ بتاتا ہے لانگینس جو ارسطو کے بعد یونانیون مین عظیم ترین نقاد ہوا اُس گرانپایہ شاعری کو جس مین لغزشین ہون اُس خنک یا معتدل شاعری پر ترجیح دیتا ہے جس مین غلطیان تو نہین ہین مگر ترفع بھی نہین قسم اول کو اُس نے ایک ایسے شخص سے مشابہ کیا ہے جسکی دولت کثیر ہے جسکو اتنی فرصت نہین کہ چھوٹے چھوٹے مصارف کی نگرانی کرے اُسکے واسطے جزئیات کی نگہداشت کسرِ شان ہے اسکی کفایت شعاری کے بہترین نمونے فروعات مین نہین مل سکتے بلکہ ان مین اکثر اسراف پایا جاتا ہے مگر وہ اپنی مجموعی دولت کی محافظت مین کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھتا - برخلاف اسکے وہ شاعری جو جادۂ اعتدال سے آگے قدم نہین بڑھاتی اُسکی مثال ایسے شخص کی ہے جو اپنا اندوختہ نہایت احتیاط بلکہ بخل سے صرف کرتا ہے اور اس خوف سے کہ مبادا اسراف کا مرتکب ہو شاندار زندگی کبھی نہین بسر کرتا - ایسا شخص صحیح عبارت ضرور لکھتا ہے - صرف و نحو سے چاق چوبند، متروکات کا ماہر، ممنوعات سے واقف اور بال کی کھال کھینچنے والا ہوتا ہے کوئی اس سے بہتر نہین جانتا کہ کیا نہ لکھنا چاہیے وہ کبھی اتنا دوڑ کر نہین چلتا کہ گر پڑے بلکہ پھونک پھونک کے قدم رکھتا ہے اور جیسا کہ ایک سنجیدہ شخص کے شایان ہے پہلے عصا ٹیکتا ہے پھر پاؤن جماتا ہے - غرضکہ وہ اپنے کام مین بہت منہمک رہتا اور حیرت انگیز احتیاط برتتا ہے ایسے شخص کی نہ تو کوئی تعریف کرتا ہے نہ مذمت - لانگینس کہتا ہے کہ مجھے ہومر مین معمولی غلطیان مل سکتی ہین لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ غلطیان محض انسانی کمزوری کی نشانیان ہین - ادنیٰ فروگزاشتین ہین جو جوش تحریر مین نظر انداز ہو گئین مگر اسکی روح کی عظمت باوجود ان تسامحات کے مجھ پر غالب آجاتی ہے اور اگرچہ اور مصنفین کا کلام نسبتًا غلطیون سے پاک ہے - مگر شاید ہی کوئی شخص ایسا کج فہم ہو جو مثلاً اپیولونیس یا تھیاکرٹیز کو ہومر پر ترجیح دے -

مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مندرجہ بالا اقوال مبسوط مسلسل نظم کے بارے مین ہین - غزل کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے لہذا اس کے معائب بھی زیادہ نمایان ہوتے ہین اور زیادہ کھٹکتے ہین - ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے شاید راقم کی راے زیادہ مفید ہو گی -

"کوئی صناع ہیرے کو جلا نہ کرے اگر اُسے خیال ہو کہ اُس کے سوا جوہر پر کسی کی نظر نہ پڑیگی - اسی طرح شاعر بے پروا ہو جائین اگر نقاد خوردہ گیری پر نہ تلے رہین"

رہگیا وہ مضمون جو "روح نشاط کا دوسرا رخ" کے عنوان سے شایع ہوا ہے اور جس مین خامیان دکھائی گئی ہین اور کچھ ترمیم بھی ہوئی اس کے متعلق جناب آشر اُسی مضمون کی ابتدا مین وجہ تحریر مضمون یہ تحریر فرماتے ہین کہ:-

"مین ہرگز آمادہ نہ ہوتا اگر یہ امید نہ ہوتی کہ مضمون مفید ثابت ہوگا۔ جو ترمیم جہان سمجھ مین آئی درج کر دی گئی حاشا اسکا مقصود اصلاح دینا نہین ہے۔ - - - - - - - - - - - مگر مین پھر نہایت آزادی اور سچے دل سے کہتا ہون کہ اگر وہ تمام معائب جو روح نشاط مین مجھے نظر آئے معائب مان لئے جائین تو بھی مصنف کے کمال مین فرق نہین آتا۔

حضرت اصغر نے بکثرت ایسے اشعار کہے ہین۔ جن کے مثل کوئی دوسرا دس برس بھی کہہ لے تو کوس لمن الملک الیوم بجانے کا مستحق ہو جائے۔ تسامحات سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اصغر انسان ہیں۔ فرشتہ نہین۔"

جناب آشر کے اس دوسرے مضمون کے شائع ہوتے ہی ہمارے خاص کرمفرما جناب صفدر مرزاپوری کو افسوس ہوا کہ مین نے جناب اصغر کے کلام پر اصلاح کیون نہین دی دوسرے کو ترمیم پیش کرنے کا کیا حق تھا۔

آپ جناب آشر کے اس مضمون کے خلاف ایک مضمون لکھ کر میرے پاس لائے مضمون کو پڑھکر مین نے محبت وخلوص سے کہا کہ اسکو رہنے دیجیے۔ اس کے شائع کرانے سے آپ کو کوئی خاص فائدہ نہین۔ نہ جناب اصغر سے آپ کو خراج تحسین مل سکتا ہے اور نہ جناب آشر ہی کے دل پر آپ اپنی نقادی کا سکہ بٹھا سکتے ہین۔ اگر آپ نے جناب اصغر کے دیوان کو اول سے آخر تک بغور پڑھا ہوتا اور اُن مطالب پر عبور حاصل کرلیا ہوتا جن کو وہ اپنے اشعار مین ادا کرتے ہین اُسوقت آپ کو اسپر کچھ لکھنے کا حق حاصل تھا۔ لیکن سطحی طور پر صرف وہ اشعار جن کو جناب آشر نے دوسرے رخ مین درج کیا ہے پڑھکر ترمیم پر ترمیم کرنا مناسب نہین ہان اگر جناب آشر سے کسی کسی جگہ کوئی کج رنگی ہو تو اُسکو دوستانہ پیرایہ مین عمدہ الفاظ مین ظاہر کر دیجیے تو مضایقہ نہین۔ لیکن آپنے تو اس مضمون مین ایک طول طویل تمہید لکھکر اپنی شان استادی دکھاتے ہوئے اصلاح مزید دی ہے۔ بہت جگہ نامناسب پیرایہ مین تخاطب کیا ہے اور جناب آشر کے استاذ المعظم لسان الملک جناب عزیز کے کلام پر بھی نکتہ چینی کی اور اصلاح دی ہے جن کے ہمیشہ آپ رہین منت رہے ہین۔

جناب صفدر اس مضمون کو واپس لیگئے۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد صلاے عام دہلی کے جون۔ جولائی نمبر مین جناب ممدوح کا ایک مضمون "روح نشاط کے دوسرے رخ پر ایک نظر" نظر پڑا۔ اس مضمون مین پہلے مضمون سے بہت کچھ اضافہ پایا۔ اپنی نسبت بھی کچھ گلفشانیان دیکھین۔ مرقع کی نسبت بھی کچھ پیشین گوئی نظر آئی۔ اور سب سے زیادہ طرفہ تماشا یہ نظر آیا کہ آخر مین مخدومی ومحترمی جناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی مدظلہ کی ایک تحریر سنداً اُس مضمون کی تائید مین درج تھی۔

مجھے جناب صفدر کی اس تحریر پر کوئی خیال ہی نہین ہوا۔ کیونکہ جو شخص جناب صفدر سے واقف ہے وہ ایسی باتین اکثر دیکھ چکا اور سن چکا ہوگا۔ جو امر کسی کی عادت مین داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اس سے مجبور ہے اور اُسکی شکایت بیکار۔ ہان جو کچھ خیال اور تعجب ہوا وہ حضرت شرر مدظلہ کی تحریر سے ہوا کیونکہ ایسے مسلم الثبوت نقاد وادیب کے قلم سے وہ خیالات جنکا کوئی وجود نہ ہو نکل جانا۔ اور پھر جن سے دوسرون کو رنج وافسوس ہو۔ نہایت حیرت کی بات ہے اور مجھے زمانہ دراز سے حضرت شرر مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ شرف نیاز

حاصل ہے۔ اور مین اون کی طبیعت اور مزاج سے واقف ہون اور یہ بھی معلوم ہے کہ جناب اثر اور مولانا سے کوئی ملاقات بھی نہین جو باعث رنج ہوتا پھر خواہ مخواہ ایسی تحریر لکھدینا تعجب نہین تو کیا ہے۔

مین نے اپنے ایک دوست کے ذریعے سے جناب اثر سے اس امر کی حقیقت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ جناب صفدر کی یہ کارگزاری تھی اُسکے بعد جناب مولانا ممدوح نے میرے پاس ایک تحریر بھیجی جس مین حقیقت حال کو ظاہر کیا ہے۔ اور حضرت عزیز اور جناب اثر سے معذرت کی ہے۔
یہ تحریر مین نے حضرت عزیز اور جناب اثر کو دکھادی ہے اور یہانتک نہین بلکہ جناب صفدر کو بھی اسکا مضمون سنا دیا۔ یہ تحریر میرے پاس محفوظ ہے۔ اس تحریر کے شایع کرنے کی کوئی خاص ضرورت معلوم نہین ہوتی۔ اس تحریر مین جناب مولانا نے جس ایثار سے کام لیا ہے وہ انہین کا حصہ ہے۔ اس کے بعد اب مولانا کی نسبت کسی قسم کی شکایت کا شائبہ بھی دل مین لانا ناقابل معافی جرم ہے۔

جناب صفدر کے مضمون کے جواب مین جو کچھ جناب اثر نے تحریر فرمایا ہے۔ میرے خیال مین جناب مولانا شرر کی اس تحریر کے بعد سکی بھی ضرورت نہ تھی لیکن جناب ڈیٹر صاحب صلاے عام دہلی اور دیگر حضرات کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا ضروری تھا اس لئے اگر میرا نوٹ اور جناب اثر کا جواب شایع ہوجاے تو مضائقہ نہین۔

جناب صفدر۔ نہایت نیک، نہایت سیدھے۔ ایک خاص خیال ایک خاص مزاج کے آدمی ہین اور اسقدر بھولے جسکا بیان ناممکن ہے۔ اُنکی کسی تحریر کا جواب لکھنا بیکار۔ اُن سے کسی قسم کی شکایت فضول۔ جو مضمون انہون نے لکھا ہے اگر اُسکی بنا ناظرین مرقع اور بالخصوص جناب ایڈیٹر صاحب صلاے عام دہلی ملاحظہ فرمائین گے تو اُنکے بھولے پن کا سب کو یقین آجائیگا اور اسکی حقیقت سب پر واضح ہوجاے گی۔

صلاے عام مین مضمون دیکھنے کے بعد سب سے پہلے مینے جناب صفدر سے پوچھا کہ مین نے اور مرقع نے کیا قصور کیا تھا جو آپنے عنایت فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ میری کوئی غزل مرقع مین آجتک درج نہین ہوئی اسلئے مینے مرقع اور مدیر مرقع کا نام لکھدیا۔
دوسرے موقع پر جناب اثر نے میرے یہان جناب صفدر سے پوچھا کہ آخر اس مضمون کے لکھنے سے آپکی غایت کیا تھی۔ فرمایا اور قسم کھاکر فرمایا کہ مین نے اس رنج مین یہ مضمون لکھدیا کہ آپ نے ایک دفعہ میرے سامنے کئی آدمیون کو اپنا دیوان اثرستان دیا اور نہ دیا تو مجھکو۔

جناب عزیز نے دریافت کیا کہ اور دن کی خطائین تو معلوم ہوگئین مجھے بھی تو اپنا قصور معلوم ہوجاے۔ جواب ملا۔ کہ میرا ایک راز آپنے جناب محشر لکھنوی سے کہدیا تھا اس رنج مین مینے آپکو بھی نہین چھوڑا۔
جناب صفدر کے مضمون کی یہہ بنا اور یہ حقیقت ہے۔

جس طرح مینے جناب صفدر کے اصل جواب کے متعلق ابتک کوئی اظہار راے نہین کیا جناب اثر کے اس مضمون کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا نہین چاہتا۔ ناظرین خود فیصلہ کرلین۔ اور جناب صفدر مجھے بے تعلق سمجھین۔ اور جو کچھ مین نے اُن کی نسبت لکھا وہ محبت اور خلوص سے لکھا کسی بدنیتی یا برائی سے نہین۔ صرف حقیقت حال کے اظہار کی وجہ سے اتنے پر لکھا اور مجبوراً لکھا

اس پر بھی اگر جناب صفدر کو کوئی صدمہ ہوا ہو تو معاف فرمائیں۔

وصل بلگرامی

روح نشاط پر میری تنقید مارچ اور مئی کے مرقع مین شایع ہوئی
ہم لوگون نے تنقید کو ہوا بنا رکھا ہے اور بدمذاقی کا یہہ عالم ہے کہ
نقاد چاہے جسقدر نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ نکتہ چینی کرے
ذاتی عناد و مخاصمت پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہی حشر میرے مضمون
کا ہوا "صلاے عام" کے مشترکہ نمبر بابت جون و جولائی مین
حضرت صفدر مرزاپوری نے اُسکا جواب تحریر فرمایا ہے
جس کے آخری حصہ مین ارشاد ہوتا ہے کہ:-

" سچ ہے جوش انتقام بڑے بڑے عقلا کی آنکھین بند
کردیتا ہے۔ مرزا صاحب بیچارے تو مفت مین مورد
الزام ہو رہے ہین مین خوب سمجھتا ہون۔ ع
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین

اس کے علاوہ اور دو ایک جگہہ حضرت صفدر نے کہا ہے
کہ مینے جو کچھ لکھا وہ محض حضرت اصغر کی دل آزاری کے
واسطے لکھا۔ سب سے زیادہ حیرت اُس وقت ہوئی جب مینے
مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کا نوٹ پڑھا جس مین وہ
تحریر فرماتے ہین کہ:

" مینے اس مضمون کو اول سے آخر تک دیکھا اور جناب
صفدر صاحب کے اس خیال کو بالکل صحیح پایا کہ
اصغر صاحب کے کلام پر اصلاح زبان کے مقصد سے
نہین بلکہ محض اعتراض کرنے کے شوق مین نکتہ چینی
کی گئی ہے"

میرے مضمون مین جسکی طرف حضرت صفدر و مولانا
شرر نے اشارہ کیا ہے کوئی صاحب ایک لفظ ایسا نہ پائین گے
جس مین ذاتیات پر حملہ ہو۔ صرف کلام کا نقد و تبصرہ ہے۔
ایسی صورت مین اگر یہہ شک بھی تھا کہ میرے اعتراضات
نیک نیتی پر مبنی نہین ہین بلکہ انکا محرک ذاتی بغض یا جذبۂ
انتقام ہے تو بھی اخلاق اسکا مقتضی تھا کہ اس خیال کا اظہار
نہ کیا جاتا بلکہ میرے اعتراضات کو غلط و بے بنیاد ثابت کرنے
کی کوشش کیجاتی۔ اظہار راے کا ہر شخص کو اختیار ہے اور
اختلاف طبائع کے ساتھ ساتھ اختلاف آراء ناگزیر ہے۔ البتہ
اگر تنقید کی عبارت یا حضرت اصغر کے اور میرے تعلقات
ایسے ہوتے جن سے یہہ باور کرنے کی وجہہ ہوتی کہ تنقید کے پردے
مین دل کا بخار نکالا گیا ہے تو مین بیشک قابل نفرین و ملامت
ہوتا۔ جو حضرات مجھسے واقف ہین وہ خوب جانتے ہین کہ
کسی کی بیجا طرفداری یا مخالفت میرے مشرب مین کفر ہے۔ اگر
بدنیتی کو دخل ہوتا تو ہینے مضمون مین حضرت اصغر کو اتنا
آسمان پر نہ چڑھاتا۔ مین نے اون کی جتنی تعریف کی
ہے آج تک کسی نے صحیح تعریف اسقدر کی ہوگی تو کیا وہ یا
اونکے بہی خواہ یہہ امید رکھتے تھے کہ ان کا دیوان آسمانی کتابونکی
طرح بے عیب نکلے گا اور اگر کوئی عیب ہوگا تو ایسی عام اور
وسیع عقیدتمندی اوس پر دائمی پردہ ڈالدیگی جیسی خدا کے
معتقدون مین بھی موجود نہین ہے" تنقید لکھتے وقت میرا
مطمح نظر محض اشعار تھے اور اُن کو بلا رو رعایت پرکھنا نہ کہ
شاعر یا اُسکی شخصیت پر حملہ کرنا۔ جو شعر پسند آیا اُسکی تعریف

کی جس مین کوئی عیب نظر آیا اُس کے اصلاح کی کوشش کی۔

حضرت صفدر نے مجھے انتقام کا توالزام دیدیا مگر یہہ نہین تحقیق فرمایا کہ مجھسے اور حضرت اصغر سے دشمنی کیا ہے۔ صرف دو مرتبہ جناب وصل کے یہان سرسری ملاقات ہوئی اُنکا کلام سنا جو شعر پسند آیا دل کھول کر داد دی اس کے علاوہ نہ مین اُن سے واقف اور نہ وہ مجھسے۔ نہ کوئی واسطہ نہ غرض۔

روح نشاط پر مین نے جو کچھ لکھا بغیر کسی کی مشورت یا عندیہ کے لکھا اور میرے سوا کوئی اُس تحریر کا ذمہ دار نہین۔ یہہ بھی صفدر صاحب کا افترا ہے کہ مین نے حضرت اصغر کے مخالفین کی تحریک سے تنقید لکھی۔ مجھے یہہ بھی علم نہین کہ اُنکا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے۔ تنقید لکھنے کا منشا صرف اسقدر تھا کہ پڑھنے والون کو اصغر صاحب کے کلام کا صحیح اندازہ ہوجائے اور اُسی کے ساتھ تنقید نگاری کی طرف توجہ ہو۔ اس خیال کی جو عام طور پر پھیلا ہوا ہے اصلاح ہو کہ شعر مین تخئیل سب کچھ ہے زبان کوئی چیز نہین۔ لوگون کو معلوم ہو کہ ایک لفظ کے اُلٹ پھیر مین شعر کیا سے کیا ہوجاتا ہے۔ اگر نظام لفظی درست نہو تو مافی الضمیر ادا ہونا صرف غیر ممکن ہی نہین ہے بلکہ دماغ مین اوس کا تخیل ہی محال ہے۔ اسی کے خلاف جو عامیانہ خیال ہے اُسکی اصلاح کے لیے ادبیات کے حسن و قبح کا اظہار کرتا ہون۔

ممکن ہے کہ حضرت اصغر کی شاعری کے متعلق جو رائے مین نے قائم کی غلط ہو۔ خطا و نسیان انسان کے خمیر مین ہے۔ مگر جس شخص نے میری تردید کا بیڑا اٹھایا ہے اُس نے یقیناً غلط راستہ اختیار کیا۔ جس بات کو وہ اپنی قوت سمجھتا ہے وہی اُسکی کمزوری ہے۔ اپنے جواب پر مولانا اثر سے نوٹ لکھوانا زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ حضرت صفدر کو اس امر کا احساس تھا کہ بغیر کسی سربرآوردہ شخص کی حمایت کے اُن کے جواب کی وقعت نہو گی۔ مگر یہہ نہ سوچے کہ ایسے مضمون کی کیا قدر ہو گی جو دوسرون کے سہارے کا محتاج ہو۔ مولانا اثر کو اس قسم کا نوٹ لکھنا چاہئے تھا یا نہین مجھے اس سے بحث نہین مگر جو نتائج خود اس نوٹ سے اخذ ہوتے ہین آگے چل کر دکھاؤنگا اس کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ مین حضرت صفدر کے مضمون کا جواب لکھنے پر آمادہ ہو گیا مین اپنا وقت رائگان نہ کرتا اگر حضرت اثر کی تقریظ سے وہ متجمل نہ ہوتا۔

سب سے پہلی بات یہہ ہے کہ مین نے اصغر صاحب کے چھپن(۵۶) اشعار پر اعتراض کئے تھے۔ ان مین سے صفدر صاحب نے صرف چوبیس(۲۴) کا جواب دیا ہے باقی اعتراضات کو صحیح مانا ہے۔ اُنکی عبارت یہہ ہے۔

> "اس سے مجھے یا کسی سخن فہم کو انکار نہین ہو سکتا کہ بعض بعض اعتراضات شاعرانہ اصول کی بنا پر حق بجانب ہین جن کا کوئی جواب نہین ہو سکتا۔ جناب اثر نے جابجا اشعار پر اصلاحین بھی دین ہین جن مین اکثر اصلاحین خوب سمجھکر دی ہین جن کی داد نہ دینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ بقسمتی سے مجھے تنقید کے بعض ٹکڑون سے اختلاف ہے"۔۔۔
>
> "مین صرف وہی اشعار جن پر بیجا اعتراضات کئے گئے یا جن پر اصلاحین ناقص دی گئین دکھاؤنگا"

اس عبارت سے یہہ واضح ہوتا ہے کہ ان ۲۴ اشعار مین بعض ایسے بھی ہین جن پر جو اعتراض ہے وہ تسلیم ہے مگر اصلاح پسند نہین۔ مین نے ایسے اشعار کا بھی انتخاب کیا تو شمار مین سات ہوئے۔ لہذا وہ اشعار جن پر حضرت صفدر کے نزدیک مین نے بیجا اعتراضات کئے ہین

صرف سترہ رہ گئے۔ اور صحیح طور پر قابل اعتراض اشعار کی تعداد منجملہ ۵۰ کے اُنتالیس ہوئی۔

تاہم مضمون کے آخری حصہ مین وہ تحریر فرماتے ہین کہ

"جناب نے صحیح اعتراضات تو دو چار ہی کئے ہین مگر غلط اعتراضات سے مرقع کے کئی صفحے سیاہ کئے گئے ہیں"!

حضرت صفدر کے مضمون مین دو قسم کی اصلاحین ہین۔ ایک حضرت اصغر اور دوسرے اُستاذی حضرت عزیز کے کلام پر۔ یہ اصلاحین صفدر صاحب کے فہم و فراست کا آئینہ ہین۔ اصغر صاحب کو اصلاح دے کر اُنھون نے اپنے تمام جوابون کو خود ہی رد کر دیا۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ اصغر صاحب کے کلام مین اصلاح کی گنجائش ہے۔ مجھے تو جذبۂ انتقام نے اندھا کر دیا تھا مگر صفدر صاحب کو کیا ہو گیا تھا۔ حضرت عزیز کو اصلاح دینے سے اُن پر یہ مثل صادق آئی۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے"۔ موخر الذکر اصلاحون کا مقصد سوا اس کے کچھ نہین ہو سکتا کہ میرے اور حضرت عزیز کے جذبات کو صدمہ پہونچایا جائے۔ جب صفدر صاحب مین خود نیش عقرب کی صلاحیت موجود ہے تو اُنھین دوسرون کو الزام دل آزاری دینے کا کوئی حق نہین۔ خود را فضیحت دیگران را نصیحت!

اب مین کچھ اُن جوابون کے متعلق لکھنا چاہتا ہون جو حضرت صفدر نے میری تنقید کی رد مین تحریر فرمائے ہین۔

نمبر ۱۔ حضرت اصغر کا شعر تھا ؎

اگر خموش رہون مین تو تو ہی سب کچھ ہے — جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود

مین نے مرقع کے نمبرون مین جناب اصغر کی خوبیون کو کس قدر تفصیل سے اور عیوب کو ذرا اجمال کے ساتھ دکھایا تھا کیونکہ مین عام نفسیات کی ان کمزوریون سے واقف ہون کہ لوگ زیادہ تحسین کا اثر کم لیتے ہین اور قلیل نکتہ چینی کا زیادہ، مگر اب جبکہ صفدر صاحب کو منظور یہی ہے کہ اپنی شہرت کے لئے خواہ اصغر صاحب کے شہرۂ اُستاذی مین کتنا ہی خلل کیون نہ آئے مجھے مجبوراً یہ اعلان کرنا پڑا کہ ادبی قابلیت کی کمی نے۔ اکثر جگہ اصغر صاحب کو اپنا مفہوم ادا کرنے سے معذور رکھا ہے،

یہ شعر بھی اونھین اشعار مین سے ہے۔

اگر خموش رہون مین تو تو ہی سب کچھ ہے — جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود

اس شعر کی ادبی کمزوریون مین شاعر کا مفہوم بدلکر بحر کو ذم سے آلودہ کر دیا ہے ع

اگر خموش رہون مین تو تو ہی سب کچھ ہے

پہلو یہ نکلتا ہے کہ اگر خموش نہ رہون تو تو کچھ بھی نہین ہے، یا کم سے کم یہ کہ "تو سب کچھ نہین ہے بلکہ کچھ ہے کیونکہ شرط و مشروط کا خلاصہ معانی و بیان مین بھی یہی ہے۔ اور یہی روزمرہ بولا جاتا ہے۔ الفاظ نا مناسب اور اسلوب بیان بیقاعدہ ہونیکی وجہ سے اس مصرع کا مطلب یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیرا سب کچھ ہونا میری خاموشی پر مشروط ہے اگر وہ الفاظ کی اہمیت کا علم رکھتے تو سمجھ جاتے کہ یہ مضمون کسی جملہ شرطیہ کے پیکر مین نہین آسکتا مین اگر اس مضمون کو خود نظم کرتا تو یون لکھتا ؎

رہون خموش کہ ہے تیری ذات مین سب کچھ — کہون جو کچھ بھی تو تیرے صفات ہون محدود

اصغر صاحب کے پہلے مصرع مین لفظ "اگر" نے معنوی فساد پیدا کر دیا اور تو تو ہی نے تو لٹیا ہی ڈبو دی۔ دوسرے مصرع مین ایک در تیسرا تو تشریف لا رہا تھا مگر زبردستی اوسکی گردن مین ہاتھ دیا گیا اوسکے بجاے کاف بیانیہ لایا گیا ع۔

جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود — ایک بچہ بھی سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے کہ اس جگہ کہ بالکل بے محل ہے اصلی جگہ تو صرف جزا کی ہے یعنی تو کی

مگر دو عدد، تو پہلے مصرع مین آچکے ہین اب تیسرا تو آتا تو تو تو تو کا ایک طومار ہوجاتا، مکمل اصلاح کے لئے ضرورت تھی کہ مصرع اولی کا اسلوب بالکل بدلدیا جائے یہہ بھی ایک طول امل تھا اس لئے مین نے اسی پر اکتفا کی تھی کہ جناب اصغر کو اشارۃً یہہ مطلع کردون کہ (بھی) (کہ) سے بہتر ہے اسی سے وہ اندازہ بقیہ الفاظ کا کرلین گے مگر خدا بھلا کرے جناب صفدر کا کہ اونھون نے ناسور کے اصل خزانہ کی طرف توجہ دلانے کیلئے پہلے مصرع پر بھی اصلاح دیدی اور شعر کے اس زخم کو چھیڑ دیا مگر ایک عجیب لطیفہ یہہ ہے کہ مین نے بھی کی خوبی اس موقع پر یہہ ظاہر کردی تھی کہ انگریزی مین بھی ایک صنعت ہے جسکو سینرورا کہتے ہین اوس مین (بھی) کے بعد قدرے توقف لازم ہے جس سے حسن کے محدود ہوجانیکی تصویر کھنچ جاتی ہے" حضرت صفدر نے یہہ پوری عبارت نقل تو کی مگر تنقید کے وقت الفاظ خط کشیدہ سے کوئی مطلب ہی نہین رکھا اور فرمایا کہ

"کہ کے بجائے "بھی" کی ترمیم کی مگر خود ہی تامل ہے - ارشاد ہوتا ہے کہ لفظ بھی ایسی جگہہ واقع ہوا ہے کہ اس کے بعد قدرے توقف لازم ہے - اصلاح کے معنی تو یہہ ہین کہ جس شعر پر اصلاح دیجائے پھر اس مین کوئی بات ایسی باقی نہ رہے کہ گنجائش کلام رہے"

مین نے جس توقف کو خوبی قرار دیا حضرت صفدر اُس کے یہہ معنی لگاتے ہین کہ مجھے ترمیم مین تامل ہے - اس سمجھ کے قربان!

مین نے مصرع اولی پر کوئی اعتراض نہین کیا تھا مگر صفدر صاحب نے اپنی طرف سے اضافہ کردیا اور پورے شعر کو یون اصلاح سے مزین فرمایا ؎

اگر خموش ہون مین تو آپ سمجھے ہین — جو کچھ کہا تو ہوا حسن آپ کا محدود

اصلاح کا فرق اہل بصیرت خود سمجھ لین گے - اول تو آپ کی تکرار مخل فصاحت دوسرے "جو کچھ کہا" کی سامعہ خراشی اُسی طرح موجود ہے - اور ممدوح کی منقصت جو رہگئی اوس سے جو کچھ واسطہ ہی نہین (واضح رہے کہ مین نے ترمیمی مصرع مین کہا جو کچھ ہی لکھا تھا مگر صفدر صاحب نے جو کچھ کہا نقل کیا ہے - عمداً یا سہواً وہ ہی بتا سکتے ہین)۔

بہر نوع خدا جانے اس اصلاح کا شکریہ حضرت اصغر کو ادا کرنا چاہئے یا مجھے۔

اصلاح دیگر حضرت صفدر پر غالبًا ایک وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور یہہ الفاظ "خامۂ رنگین نگار" سے صفحۂ قرطاس پر ٹپک پڑے۔

"گو آپ ایسے نقاد فن کے بنائے ہوئے شعر پر حرف رکھنا بے ادبی ہے مگر امر حق کہنے پر مجبور ہون - آپ یا اڈیٹر صاحب مرقع مجھے جو چاہین کہین مگر وہ نگاہین جو بحر سخن کے عمق تک پہونچ کر موتی نکال لاتی ہین میری بالغ النظری کی داد آنکھون سے دینگی"

یہہ آنکھون کی قید آپ نے بہت سخت لگادی ورنہ سب سے پہلے مین آپ کی بالغ نظری کا قصیدہ پڑھتا - (آنکھون سے داد دینا کیا معنی، اگر محاورہ ہے تو "سر آنکھون سے" ہونا چاہئے) لیکن اسکی تعریف کئے بغیر نہین رہ سکتا کہ آپ خودستائی کو امر حق کا اظہار سمجھتے ہین - اسی مضمون مین آپکا ایک اور فقرہ بھی کسقدر مضحکہ خیز ہے۔

"میرے احباب سمجھتے ہین کہ مین کچھ نہین جانتا"

نمبر ۲

زاہد نے مرا حاصل ایمان نہین دیکھا — رخ پر تری زلفونکو پریشان نہین دیکھا

مین نے پہلے مصرع مین "مرا" کی جگہہ "ابھی" بدل دیا تھا حضرت صفدر اصلاح کو غلط قرار دیتے اور آخر مین ارشاد فرماتے ہین کہ۔

"زاہد بحیثیت زاہد (مفہوم زاہد) کبھی بھی حاصل ایمان کو نہین دیکھ سکتا۔ شاعر کو ساری دنیا سے کیا غرض وہ حرف زاہد سے مخاطب ہے اور کہتا ہے کہ تو نے مرا حاصل ایمان نہین دیکھا۔"

مین اقرار کرتا ہون کہ میری نظر شعر کی اس باریکی پر نہین پہنچی تھی اب معلوم ہوا کہ اسکا مخاطب زاہد ہے۔ جناب صفدر کو اسس "بالغ النظری" (بالغ نظری) پر مبارکباد دیتا ہون۔ مگر ایک بات اور بتا دیجئے شعر مین دو ضمیرین ہین "مرا" اور "تری"۔ اس مین زاہد کی طرف کون پھرتی ہے؟"

ایک جواب حضرت صفدر کا یہہ بھی ہے کہ

"مرا" کے خلاف "ابھی" مین صرف زاہد پر طعن ہے شاعر جو چشم حال سے ایمان کو دیکھ رہا ہے محروم رہا جاتا ہے۔ پھر یہ مشکل کہ ابھی نہین دیکھا نہ لفظ ابھی مقتضی اسکا ہے کہ کبھی دیکھ سکے۔"

مین نے بہت کوشش کی مگر حضرت صفدر کا مطلب سمجھنے سے عاجز رہا۔

"شاعر جو چشم حال سے ایمان کو دیکھ رہا ہے محروم رہا جاتا ہے"۔ کس چیز سے محروم رہا جاتا ہے

ایمان سے! یہہ صحیح نہین کیونکہ خود فرماتے ہین کہ چشم حال سے دیکھ رہا ہے۔

دوسرا لفظ طعن ہے۔ شاعر طعن سے محروم رہا جاتا ہے یہہ ایک مہمل جملہ ہوگا کیونکہ طعن کرنے والا خود شاعر ہے۔ ایسی صورت مین زاہد کے سوا اور کسی پر طعن کا موقع ہی نہین۔ لفظ ابھی سے اس امر کا بالفرض مشتبہ رہنا کہ زاہد کبھی حاصل ایمان دیکھے گا شعر مین نقص نہین پیدا کرتا۔

وہ اگر حاصل ایمان یعنی معشوق کے رخ پر زلفون کو پریشان نہ دیکھے گا تو نہ سہی۔

لفظ "مرا" مین تخصیص ہے نہ خصوصیت صرف قائل کی طرف منسوب ہے "ابھی" مین طنز اور تعمیم ہے اور اس کی بلاغت کا لطف شاعر سمجھ سکتا ہے۔

نمبر ۳

نہ میرے ذوق طلب کی ہے مدعا سے غرض — نہ گام شوق کو پرواے منزل مقصود

مین نے اس شعر کو بالکل بدل دیا تھا اس طرح سے

نہ میرے شوق کو ہے عرض مدعا سے غرض — نہ میرے ذوق کو پرواے منزل مقصود

جو خاص اعتراض تھا اسے حضرت صفدر نے پس پشت ڈال دیا یعنی طلب کسی چیز کی ہوتی ہے اگر طلب ہوگی تو مدعا ضرور ہوگا البتہ یہہ ممکن ہے کہ عرض مدعا سے غرض نہو۔

دوسرا اعتراض یہہ کہ لفظ نہ کا ادغام لفظ گام سے کانون کو ناگوار ہے۔ حضرت صفدر نے قلق کی مثنوی کا ایک شعر نقل فرمایا اور مجھے سرزنش کی ہے کہ یہی شعر کاش دیکھ لیا ہوتا۔

نہ مجال سخن نہ تاب نگاہ — ضبط درد جگر نہ رخصت آہ

میرا اعتراض لفظ گام کے ساتھہ نہ کے اتصال کا تھا حضرت صفدر لفظ مجال وغیرہ سے سند پیش کرتے ہین یہہ عجیب منطق ہے کہ اگر کوئی لفظ ایک لفظ کے ساتھ برا معلوم ہو تو دوسرے کے ساتھ بھی کانون کو گران گزرے۔ اگر میرا یہہ مقصود ہوتا تو حضرت صفدر کے اسی شعر کے پہلے مصرع مین لفظ نہ موجود تھا (نہ میرے شوق الخ) اس پر بھی گرفت کرتا۔

نمبر ۴

اسیران بلا نے آہ کھینچی درد سے کھینچی — نگہبان چیخ اٹھے ہل گئی دیوار زندان کی

میرا اعتراض لفظ چیخ پر تھا اور اسکی جگہہ "کانپ اٹھے" تجویز کیا تھا۔

حضرت صفدر کانپ جانا اور ہل جانا کو ہم معنی قرار دیتے ہین حالانکہ
دونون کے محل استعمال مین بین فرق ہے ورنہ دیوار کانپ اٹھی اور
نگہبان ہل اٹھے کہہ سکتے۔

حضرت صفدر چھپنے سے منع کرنے پر اسقدر برافروختہ ہوئے کہ خواہ مخواہ
حضرت عزیز پر بخار اُتارا اور اُنکا ایک شعر لکھکر جھٹ اصلاح دیدی۔
شعر یہہ ہے ؎

آئے ہین اس روش سے تری جلوہ زار مین — بجلی چمک رہی ہے دل بے قرار مین

فرماتے ہین یون پڑہیئے ؎

ہم آئے ہین روش سے تری جلوہ زار مین — بجلی تڑپ رہی ہے دل بیقرار مین

سبحان اللہ! کیا کہنا! ذرا غور کیجئے اور گریبان مین منہ ڈالئے۔ مصرع
اولی مین اس وجہہ سے کہ مصرع ثانی مین صیغۂ حال ہے لفظ آئے کے بعد
"ہین" ضروری ہے۔ ہم اس روش سے تیری جلوہ زار مین آئے ہین دکہ
دل بیقرار مین بجلی تڑپ رہی ہے۔ اس کے علاوہ اگر آپ مین غور کا
مادہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آپ نے لفظ ہم سے شعر کی معنویت کا خون
کر دیا تعمیم سے جو ایک لطیف اشارہ حضرت موسیٰ کی طرف ہوتا
تھا اُسکی جگہہ فرعونیت نے لے لی (ہم آئے الخ)

نمبر ۵

یہہ ڈر ہے ہر بُن مو اب لہو نہ دے نکلے — کچھ ایسے زور پہ ہے آج کاوش جگری

مین نے "لہو نہ دے نکلے" کو غیر فصیح قرار دیکر "لہو نہ دیدے" کو ترجیح
دی تھی۔ کیونکہ بن مو کے لیے لہو دے نکلنا ایک حد تک صرف بے محل
ہے بجائے اسکے رگ دل یا موے تن کے لیے یہہ محاورہ انسب تھا مین
اب بھی اپنے قول پر قائم ہون۔ آپ سند مین جو شعر پیش کرتے ہین
اُس سے یہہ اندازہ مشکل ہے کہ لہو دے نکلا ردیف و قافیہ کی قید سے
مجبوراً نظم ہوا یا فی الحقیقت فصیح تصور کیا گیا۔

لطف یہہ ہے کہ حضرت صفدر نے خود لہو نہ دے نکلے کو زیادہ
پسند نہین فرمایا ہے۔ اُن کے الفاظ ملاحظہ ہون۔

"بفرض محال اگر لہو نہ دے نکلے آپ کے طبع نازک پر گران
تھا تو مصرع یون بھی ترمیم ہو سکتا تھا ع
یہہ ڈر ہے ہر بن مو اب لہو نہ دیجائے

اس محاورے کی فصاحت پر آپ صاد کرین مین تو صرف لہو دینے
کو فصیح سمجھتا ہون۔ اس کے بعد صفدر صاحب فرماتے ہین کہ۔

"افسوس اثر صاحب نے دوسرے مصرع پر غور نہین فرمایا
ورنہ جواب دینا مشکل ہوتا۔"

حضرت صفدر کے الفاظ پُر معنی ضرور ہین اور ماشاء اللہ طبیعت
زورون پر ہے مجھے امید ہے کہ آئندہ مضمون مین وہ اس علمی
وادی کے جواہر پارہ کو شائقین کے سامنے پیش کرینگے۔

نمبر ۶

اسیران بلا کی حسرتونکو آہ کیا کہئے — تڑپ کے ساتھ اونچی ہو گئی دیوار زندانکی

مین نے دوسرا مصرع یون بدل دیا تھا ع
ادہر تڑپے اُدہر اونچی ہوئی دیوار زندان کی

حضرت صفدر فرماتے ہین کہ۔

"اس طرح یہہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ اسیران بلا جدہر تڑپے
اُدہر دیوار ہی نہ تھی۔ یہہ اُنکی اُپج ہے مصرع سے ہرگز یہہ
معنی پیدا نہین ہوتے۔"

حضرت صفدر نے اپنے دست خاص سے مصرع کو یون بدلا ہے،
تڑپنا تھا کہ اونچی ہو گئی دیوار زندان کی

خوب اور بہت خوب! مگر اس اصلاح در اصلاح مین حضرت اصغر
کا کیا حشر ہوگا۔ مجھے تو آپ دل آزاری کا الزام دیتے ہین اور خود
(قصور معاف) کٹے پر نمک چھڑک رہے ہین (جس مین بھر مٹھی
لال مرچین بھی شامل ہین) یہہ اصلاحی مصرعے یا تو حضرت اصغر

کے مصرعون سے بلند ہین یا پست، اگر بلند ہین تو میرا مطلب حاصل ہوگیا
اگر پست ہین تو آپ نے فضول علم استادی بلند کیا۔

نمبر ۷

بہار آتے ہی وہ یکبارگی مرا تڑپ جانا — وہ جا پڑنا قفس کا آپ سے آپ آکے گلشن مین

مین نے تڑپ جانا پر تڑپ اٹھنا کو ترجیح دی تھی جس مین توت دنیا کی
زیادہ ہے۔ حضرت صفدر کو اصلاح نامنظور رہے۔ انکی خوشی۔

نمبر ۸

کچھ غنیمت ہوگئے یہہ پردہ ہائے آب و رنگ — حسن کو یون کون دیکھ سکتا تھا عریان دیکھکر

حضرت صفدر فرماتے ہین کہ مین نے حسن کو محض بازاری حسن سمجھ رکھا ہے
حالانکہ میرے الفاظ یہہ تھے "شاعر اپنے نزدیک عرش کے تارے توڑ لایا"
بد قسمتی سے ایک نہایت رکیک مضمون "شعر کے الفاظ سے پیدا ہوتا ہے"
ظاہر ہے کہ میرا مقصد یہہ نہین تھا کہ شاعر نے عمداً وہی مضمون باندھا
ہے بلکہ الفاظ کی ترکیب ایسی واقع ہوئی ہے کہ ذم کا پہلو بھی نکلتا ہے۔
کیا کوئی ماہر فن انکار کرے گا کہ شعر مین یہہ عیب نہین ہے اس سلسلے
مین حضرت صفدر نے ایک عجیب و غریب طریقۂ استدلال سے
کام لیا ہے کہ آتش و غالب و داغ وغیرہ کے بعض اشعار پیش
کئے ہین جن مین انکے خیال مین ابتذال ہے

نمبر ۹

ایک مشت خاک کا کیا ہو بیان اضطراب — ذرے ذرے مین نہان ہے اک جہان اضطراب

میرا اعتراض یہہ تھا کہ پہلا مصرع فصاحت سے گرا ہوا ہے بیان کی
اضافت غلط ہے اسکی نثر یون ہوگی۔

ایک مشت خاک کا اضطراب کیا بیان ہو

جس مین اضافت کو دخل نہین۔ میرا مطلب یہہ تھا کہ بیان کی
اضافت کو دخل نہین حضرت صفدر یہہ سمجھے کہ مین کہتا ہون کہ پورے
مصرع مین اضافت کو دخل نہین یہہ انکی زبان دانی ہے۔ ہندی کی
چندی کرنے کے لیے اول مجھے مصرع کی نثر دہی کرنا چاہیے تھی جو
حضرت صفدر نے کی یعنی ایک مشت خاک کے اضطراب کا کیا
بیان ہو اور اس کے بعد یہہ لکھنا چاہیے تھا کہ "ایک مشت خاک
کا اضطراب کیا بیان ہو صحیح ہے نہ کہ" ایک مشت خاک کے
اضطراب کا کیا بیان ہو۔ اس قدر طوالت و تفصیل کی ضرورت
جبھی ہو سکتی تھی کہ مین اپنا مخاطب حضرت صفدر کو سمجھتا دوسری
طرہ یہہ ہے کہ اصغر صاحب کے مصرع ثانی کو جو کہ مصرع اولی سے بھی
زیادہ صاف ہے جناب صفدر بالکل ہی نہین سمجھے کیونکہ اوسکی
نثر ان الفاظ مین کرتے ہین۔

ذرے ذرے مین ایک جہان کا اضطراب نہان ہے

حالانکہ اصغر یہہ کہہ رہے ہین کہ "ذرے ذرے مین ایک جہان اضطراب
کا نہان ہے" یعنی اضطراب مفرط جس طرح دنیائے اضطراب کہتے ہین۔
اس کے بعد حضرت صفدر نے ایک لطیفہ نقل کیا ہے جو انکی
خوش مذاقی پر دال ہے:۔

"مسٹر بیلی رزیڈنٹ اودہ تے جنھین اپنی فارسی دانی پر بہت
غرہ تھا نواب سعادت علی خان خلد اللہ ملکہ کے
دربار مین ایک دن گلستان کے اس مصرع کو شاید کہ پلنگ
خفتہ باشد" کے بجائے "شاید کہ پلنگ خفیہ باشد" قرار
دے کر یہہ معنی بتہائے کہ جنگل مین شیر چھپا ہوتا ہے اور
چھپ کر شکار کرتا ہے حسن اتفاق سے انشاء اللہ خان
بھی موجود تھے۔ نواب نے انکی طرف اشارہ کیا انہون نے
مسکرا کر فرمایا کہ جی ہان انہین قوافی مین دو مصرع مجھے
اور یاد آئے۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد — عیب و ہنرش خفیہ باشد

یہہ سن کے رزیڈنٹ دل مین نادم ہو کر خاموش ہو گئے"

حضرت صفدر نے تو یہہ لطیفہ صرف پڑہا ہے مین نے بہانڈون کو
اسکی نقل کرتے دیکھا ہے۔ مگر مین سچ کہتا ہون کہ اُن کا تمام سحر اِپن
مع بیلی صاحب کے خفیہ اور انشا اللہ خان کے گُفیہ و تھفیہ
کے ایک طرف اور آپ کا یہہ فقرہ ایک طرف "سعادت علی خان
خلد اللہ ملکہ" ظرافت کا یہہ گرما گرم فقرہ حضرت صفدر کو لافانی بنا دیگا
مگر قسمت نے ستم ظریفی سے کام لیا ہے کیونکہ سعادت علی خان خلد اللہ
ملکہ کے ساتھ ہی ساتھ لوگون کو یہہ شعر بھی یاد آئیگا ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد — عیب و ہنرش نہفتہ باشد

یہہ فقرہ اردو ادب مین ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ مردہ و زندہ کی
قید اُٹھ گئی۔ زندہ بادشاہون کے نام کے ساتھ نور اللہ مرقدہ یا طاب
ثراہ وغیرہ اور مرے ہوؤن کو جنکی نسل مین بھی سلطنت نہین رہی خلد اللہ
ملکہ کہنا جائز ہو گیا۔

نمبر ۱۰

آج خون گشتہ تمنا مین مجھے یاد آگئین — ہر طرف ہنگامہ جوش بہاران دیکھکر

مین نے آج کی جگہ لفظ "اپنی" رکھدیا تھا حضرت صفدر پسند نہین
فرماتے نہ سہی۔ مگر میرا خیال تھا اور ہے کہ ترمیم نے شعر کو ایک سر تیز
نشتر بنا دیا۔ اس لفظ سے تمناؤن کی دلکشی اُنکا محبوب ہونا اور
اُنکے خون ہونے سے جو دل پر گزری۔ ان تمام کیفیات کی تصویر
آنکھون مین پھر جاتی ہے۔

نمبر ۱۱

پھر گئی آنکھون کے نیچے وہ ادائے چین جبین — چیخ اٹھے سب مرا چاک گریبان دیکھکر

مین نے چیخ کا لفظ بدل کر یہان بھی کانپ اٹھے تجویز کیا تھا حضرت
صفدر نے یہہ مصرع تجویز کیا ع۔

دم بخود ہین سب مرا چاک گریبان دیکھکر

کیا برق حسن کا صرف یہی اثر ہونا چاہیے کہ دم بخود ہو کر لوگ رہ جائین
اس خاموش تاثیر سے خود اصغر صاحب کا چیخنا ہی بہتر تھا۔
مگر انہون نے شاہین مین لرزش برق حسن سے جو مناسبت پیدا ہوتی ہے اُس پر اُنہون نے
غور نہین فرمایا۔ افسوس اصغر صاحب کی زبان پر یہہ مصرع
جاری ہو گا ع۔

بیگانہ دوست نے مارا مجھے دشمن بنکر

اور اس کے مخاطب آپ ہونگے۔

نمبر ۱۲

گر پڑی خود روح قید عنصری مین ٹوٹکر — لذت فوق فنا ہر سو فراوان دیکھکر

مین نے ٹوٹ کر گر پڑی پر اعتراض کیا تھا حضرت صفدر کے نزدیک
یہٹہ "گر پڑی" روح کے لیے درست ہے۔ مجبوری!

نمبر ۱۳

ہائے وہ دن گزر گئے جوشش اضطراب کے — نیند قفس مین آگئی اب غم بال و پر کہان

قفس مین نیند آجانیکا محل قبل از وقت تھا پہلے مصائب قید کی طرف
سے مساوات ہونی چاہیے پھر نیند آئیگی۔ لہذا مین نے نیند کی جگہ
چین تجویز کیا تھا حضرت صفدر کو اختلاف ہے اور ایک نازک
گوشہ نکالا ہے یعنی یہان نیند کے معنی شاعر نازک خیال نے موت
کے لئے ہین۔ دلیل مین اکثر اساتذہ کے مصرعے نقل فرمائے ایڑی
چوٹی کا زور اس مسئلہ دقیق کے حل کرنے مین صرف کر دیا ہے نیند کے
معنی موت کے ہو سکتے ہین مجکو بھی ایک خواب سا یاد ہے کہ نیند سے
لوگون نے موت کا استعارہ کیا ہے مگر یہہ یاد نہ تھا کہ خواہ سیاق
و سباق دلالت کرے یا نہ کرے شعر زیر بحث مین یہہ مفہوم ہرگز نہین
ہو سکتا یا شاید مجھ مین "بالغ النظری" نہین ہے اور مضمون شعر
دقیق ہے کیونکہ قائل شعر (خدا نخواستہ) مر بھی گیا اور افسوس کر رہا
ہے کہ ہائے جوشش اضطراب کے دن گزر گئے اب تڑپنا پھڑکنا
کیسا اس کا بھی غم نہین رہا کہ رہائی کی سعی بے حاصل مین بال و پر

گھس گئے یا شکستہ ہو گئے۔ خوب اس موت کی نیند نے شعر کی مٹی پلید کی

نمبر ۱۴

صرف اک سوز تو مجھ مین ہے مگر ساز نہین　　مین فقط درد ہون جسمین کوئی آواز نہین

درد مین آواز کا امکان نہ تھا اہل درد کی آواز تو بارہا سنی ہے اس لیئے
مین نے دوسرا مصرع یون بدل دیا تھا ع۔

مین وہ نغمہ ہون کہ جس مین کوئی آواز نہین

حضرت صفدر نے اصلاح کا مضحکہ اڑایا ہے۔ اُنکے نزدیک نغمہ بالذات آواز ہے پھر اس مین آواز نہونا کیا معنی۔ مجھے ایک مصرع یاد آگیا عامیانہ ہے مگر اس موقع کے لیے نہایت موزون ع حالانکہ بے سُری ہی مگر چھپتی تو ہے۔ اگر نغمہ بالذات آواز ہو تو ہر آواز ہر چیخ پکار نغمہ ہو سنیئے نغمہ بالعرض آواز ہے بالذات نہین۔ نغمہ کی حقیقت کا صرف اظہار آواز کے ذریعہ سے ہوتا ہے یہہ ایک مشکل فلسفیانہ مسئلہ ہے آپ کے لیے صرف یہہ اشارہ کافی ہے کہ غالب کا شعر سمجھ لیجیے ؎

پُر ہون مین نغمہ سے مین راگ سے جیسے باجا　　اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

یعنی غالب نغمہ سے معمور تھا حالانکہ چھیڑا نہ گیا تھا آواز نہ تھی اور نغمہ تھا بعض وقت افسوس کرنا پڑتا ہے کہ شعر کے لیے صرف شعر کہہ لینا یا کچھ لکھ دینا کافی نہین ہوتا بلکہ چند در چند علوم کی ضرورت ہوتی ہے اب میری اصلاح کا مفہوم دیکھیے۔ میری زندگی کو عشق نے سوز سے لبریز کر دیا ہے لیکن پھر بھی اپنے مرکز سے جدا و بیگانہ ہون (ساز نہین) لہذا میری زندگی ایک نغمۂ شیرین ہے مگر خاموش۔ مکمل اُسوقت ہو گی۔ جب سوز کے ساتھ ساز بھی پیدا ہو جائے گا اور منصور کا ہم آہنگ ہو جاؤن گا۔

نمبر ۱۵

موج نسیم صبح کے قربان جائیے　　آئی ہے بوے زلف معنبر لئے ہوے

مین نے دوسرا مصرع لفظ "ہے" نکالنے کو اس طرح بدل دیا تھا۔ ع
آئی شمیم زلف معنبر لئے ہوئے۔ خاص اعتراض یہہ تھا کہ لفظ ہے کے سبب سے شعر کی تاثیر کم ہو گئی۔ ترمیم سے نسیم و شمیم کی ترصیع کے علاوہ کیف پیدا ہو گیا شوق و اضطراب کا اظہار ہونے لگا۔ مگر یہہ بات اُسکی سمجھ مین نہین آسکتی جس کے کان سدھے ہوئے اور ذوق شعر نابینا ہو۔

نمبر ۱۶

نالون سے مینے آگ لگا دی جہان مین　　صیاد جانتا تھا فقط مشت پر مجھے

مینے پہلا مصرع یون بدل دیا تھا ع نالون نے میرے آگ لگا دی جہان مین
اسکا مقصود یہہ تھا کہ حضرت اصغر نے جس طرح مصرع نظم کیا اس مین آگ لگانے کا فعل اختیاری تھا بقول شخصے جلے پھپھولے پھوڑے گئے تھے۔ مین نے جس طرح مصرع بنایا اسمین آگ لگانے کا فعل اب اضطراری ہو گیا ہے قائل کی قوت ارادی کو دخل نہ رہا ظاہر ہے کہ اس انداز بیان مین کسقدر بلاغت ہے۔

نمبر ۱۷

مانا حریم ناز کا پایہ بلند ہے　　لے جائیگا اُچھال کے درد جگر مجھے

مجھے یہہ اُچھل کود پسند نہ تھی لہذا ایک ذو معنی لفظ اُبھار "پایۂ بلند" کی رعایت سے رکھدیا تھا۔ حضرت صفدر نے اسے بھی نامنظور فرمایا اور یون اصلاح دی ع۔ لے جائیگی تڑپ تری درد جگر مجھے
اور وجد کے عالم مین فرمایا کہ:۔

"اب اس کے سامنے اُچھال و اُبھار دونون ایک گوشے مین آگئے"

اصل یہہ ہے کہ تڑپ مین جو "چلت پھرت" اور "دھر پٹک" ہے وہ اُچھال مین نہین اور اُبھار مین تو مطلق نہین۔

نمبر ۱۸

آشیانہ مین اب کسی صورت نہین پڑتا ہے چین　　تھی نظر تاثیر مین ڈوبی ہوئی صیاد کی

میرا اعتراض یہہ تھا کہ چین پڑنا سے چین آنا فصیح ہے۔ حضرت صفدر

کے نزدیک کوئی امتیاز نہین، اور مثنوی طلسم الفت کا ایک شعر نقل فرمایا ہے ؎

چین پڑتا نہین کسی صورت   ہر گھڑی ہے ترقی وحشت

مثنوی اور غزل کی زبان ایک نہین ہو سکتی۔ مثنوی مین روزمرہ اور بول چال کا زیادہ خیال، رکھا جاتا ہے اور غزل مین متانت و سنجیدگی کا۔ جن محاورون مین لفظ پڑنا اور آنا دونون سے مطلب نکلتا ہے ہمیشہ لفظ آنا کے ساتھ افصح ہوگا۔ مثلاً
آرام پڑنا سے آرام آنا۔ چین پڑنا سے چین آنا۔ نیند پڑنا سے نیند آنا وغیرہ وغیرہ۔ یہہ واضح رہے کہ چین پڑنا کو مین نے غلط نہین کہا تھا بلکہ فصاحت کے اعتبار سے چین آنا کو ترجیح دی تھی اور اس سے شاید ھی کوئی اہل زبان انکار کرے۔

اسی سلسلے مین حضرت صفدر کو پھر طیش آیا ہے اور پھر دل کی بھڑاس حضرت عزیز پر نکالی ہے۔ اس مرتبہ ایک کے بجاے دو شعرون کو لے ڈالا۔ پہلا شہید ؎

تا چند ضبط آہ کہ رکنے لگا ہے جی   یا آج آسمان نہین یا ہمین نہین

اس بیچارے شعر کی خطا یہہ تجویز کی گئی کہ اس مین رکنے لگا ہے جی کا ٹکڑا کسی قدر غیر فصیح ہے اگر بجاے اس کے گھٹنے لگا ہے دم بنا دیا جاے تو شعر مین جان پڑ جائے۔ خیال تو مجکو پہلے سے ہی تھا کہ آپ فصیح و غیر فصیح کے سمجھنے سے دور رہنا چاہتے ہین مگر اب یقین ہو گیا کیونکہ فصیح کا قضیہ ہمیشہ ہم معنی الفاظ مین پیش آتا ہے اور جی کنا دم گھٹنے سے معنًا بالکل علحدہ ہے اگر ان دونون مین کوئی نسبت ہے تو وہ عموم خصوص کی ہے، کیونکہ جی رکنا ایک وسیع المعنی لفظ ہے اور دم گھٹنا محض تنفس کے لئے کار آمد ہے جی رکنے مین دم گھٹنے کی تکلیف موجود ہے اور اسکے خلاف جو لطائف جی رکنے مین ہین وہ دم گھٹنے مین کہان جس شخص کو جی رکنے لگا اور دم گھٹنے لگا مین فرق نہ معلوم ہوا اور اُنکے محل صرف سے واقف نہو خدا کی شان ہے کہ وہ حضرت عزیز کو اصلاح دینے کی جسارت کرے۔ یہہ محاورہ جس خوبی سے اُنھون نے صرف کیا ہے اگر کوئی قدردان ہوتا تو موتیون سے منہ بھر دیتا۔ سنئے جناب صفدر صاحب مرزاپوری۔ دم گھٹنے مین صرف ضیق نفس کا مفہوم ہے۔ جی رکنے لگنے مین نہ صرف دم گھٹتا ہے بلکہ روح بھی تحلیل ہوتی ہے۔

جی رکنے لگا۔ یہہ ٹکڑا آسمان نہین یا ہمین نہین دونون پر حاوی ہے بخلاف دم گھٹنے کے جس کا اطلاق صرف ہمین نہین پر ہو سکتا ہے۔ مگر مجھے امید نہین کہ آپ یہہ نازک فرق سمجھین۔ دوسرا شکار ؎

اب بدنصیب قابل گفتار بھی نہین   وہ وقت ہے کہ پرسش بیمار بھی نہین

حضرت صفدر مرزاپوری نے لفظ اب کے بدلے مین تجویز کیا ہے اور بغلین بجائی ہین گویا دراصل شیر مارا۔ مگر بوکھلاہٹ مین یہہ خیال نہین رہا کہ مین بدنصیب قابل گفتار بھی نہین اور مین ہی یہہ کہہ رہا ہون نہ یہہ غور فرمایا کہ اس مین کے سبب سے دونون مصرعون مین ربط منقطع ہو گیا اور مزہ رہا نہ اثر بلکہ مہمل ہو گیا خوبی جبھی قائم رہ سکتی ہے جب اسکا قائل علاوہ مریض کے کوئی ایسا شخص بھی ہو سکے جو بیمار (عاشق) کی حالت دیکھ چکا ہے اور ایک دوسرے شخص (معشوق) سے بیان کر رہا ہے ؎

اب بدنصیب قابل گفتار بھی نہین   وہ وقت ہے کہ پرسش بیمار بھی نہین

مطلع کی اور معنوی خوبیان آپ سے بیان کرنا تضیع اوقات و باعث طوالت ہے، آپ اسی قدر سمجھ جائیے تو غنیمت ہے۔

نمبر ۱۹

اس سے زیادہ اور کیا شوخی نقش پا کہون   برق سی اک چمک گئی آج سر نیاز مین

حضرت صفدر کا قول جو میرا قول بھی سمجھنا چاہئے یہہ ہے:۔

سطحی طور پر شعر کو سمجھ لینا اور اُس پر اصلاح دینا تو آسان ہے مگر ہر شعر کے ہر پہلو پر غائر نظر ڈالنا اُس کا سمجھنا مشکل ہے۔ عقلا شعر گوئی سے شعر فہمی کو بہت مشکل قرار دئے ہوئے ہین"۔ مین آپ کے ایک ایک لفظ پر صاد کرتا ہون۔ (آشر)۔

"اس شعر مین نہ اک زائد ہے نہ آج بھرتی کا لفظ۔ چمک کے ساتھ اک ہی کی سخت ضرورت تھی۔ یہان کوندنے اور چمکنے مین ایک بہت نازک فرق ہے۔ سر نیاز پر ہوتا تو کوند اُٹھہ سکتے تھے مگر یہان سر نیاز مین ہے چونکہ درد مین چمک ہوتی ہے جسکا تعلق یہان سر سے ہے ایسی مناسبت سے شاعر نے یہان چمک کا لفظ رکھا ورنہ کوندنا سامنے کی بات تھی جسے کہنے والے نے دیدہ و دانستہ ترک کیا۔ اب ارباب نظر غور سے دیکھین کہ مین کیا بک رہا ہون اور جناب نواب صاحب کیا فرما رہے ہین" (ختم ہوئی حضرت صفدر کی عبارت)

یہہ حقیر ناچیز عرض کرتا ہے کہ حضرت آپ نے شعر کی مٹی پلید کر دی۔ سر مین درد اور چمک کا عنصر داخل کرنے کا نتیجہ یہہ ہوا کہ اب معشوق کے نقش قدم پر سجدہ کرنے سے عاشق کے سر نیاز مین نورانیت کی ایک لہر دوڑنے کے بجاے کسی راہگیر کی گورا شاہی ٹھوکر ہوئی جس نے بھیجا ہلا دیا اور دن کو تارے دکھائی دینے لگے۔ اور تو بظاہر درد سر کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔

نمبر ۳

وہ شوخیون سے جلوہ دکھا کر تو چل دئے اُنکی خبر کو جاؤن کہ اپنی خبر کو مین

مین نے چل دئے کو غیر فصیح قرار دیا تھا اور شوخیون (جمع) کی جگہہ شوخی (واحد) تجویز کیا تھا۔ حضرت صفدر فرماتے ہین کہ۔

"کیا قیامت ہے چل دئے کو غیر فصیح کہا جاتا ہے۔ افسوس تو یہہ ہوتا ہے کہ آپ کہنے کو تو اہل زبان ہین اور اپنی زبان سے اسقدر بیگانگی۔ چل دئے خاص ثقات کی زبان ہے چل دئے اور چلے گئے کے معنی مین فرق ہے چل دئے ایسے موقع پر مستعمل ہے کہ کوئی آنکھ بچا کر بعجلت و ناگہان نکل جاے اور شوخیون سے جلوہ دکھا کر فوراً ہٹ جانا۔ اس موقع پر یہی فقرہ مناسب و موزون ہے اور چلے گئے سنجیدگی کے ساتھ جانا کہنے والے کے علم مین وغیرہ کے لئے مستعمل ہے"

چل دئے اور چلے گئے مین جو فرق بیان کیا گیا صحیح ہے اور اسی کی بنا پر مین نے چلے گئے کو ترجیح دی تھی۔ معشوق نے شوخی سے جلوہ دکھایا جس کا اثر یہہ ہوا کہ عاشق کے خرمن عقل و ہوش پر ایک بجلی گری مدہوشی کا عالم طاری ہوا۔ ایسی حالت مین معشوق کو آنکھ بچا کر یا "بعجلت و ناگہان" یا اچانک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ شوخی کا تعلق جلوہ سے ہے نہ کہ جانے سے۔ "شوخیون سے جلوہ دکھانا" یہہ اُردو حضرت صفدر اور اُنکے اسکول کو مبارک رہے۔

ایک اور لطیف مضمون جو "چلے گئے" سے پیدا ہوتا ہے یہہ ہے کہ اگر چل دئے کہا جائے تو یہہ مطلب ہوگا کہ معشوق ابھی ابھی گیا ہے اور اُسکی تلاش ممکن ہے۔ دوسرا مصرع اسکا منافی ہے۔ عاشق کو اپنا ہی ہوش نہین رہا تو وہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ معشوق کو گئے ہوئے دیر ہوئی یا نہین۔ اس کے علاوہ جیسا حضرت صفدر نے خود تسلیم کیا چلے گئے مین متانت و سنجیدگی ہے۔ شوخی و متانت کے اجتماع نے صنعت تضاد پیدا کی جس نے شعر کی معنویت اور بلاغت کو بڑھا دیا۔

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

مین دوبارہ اعلان کرتا ہون کہ چل دئے ایک عامیانہ جملہ ہے جو بول چال مین مستعمل ہے مگر سنجیدہ ادب مین اس سے اجتناب لازم ہے۔

حضرت صفدر کا یہہ فرمانا درست ہے کہ اب ہم لوگ کہنے کو اہل زبان رہ گئے۔ خالص اہل زبان وہ اور اُنکے ہم جنس ہین۔ آج "چل دئے"

کو فصیح کہین کل "چلتے ہوئے" کو پرسون "جھپٹ ہوئے"، کہین گے اور فصاحت مُنہ چومیگی۔

نمبر ۲۱

جہان بیتاب پہ وہ چوٹ تری یاد کی دین		نفس بازپسین کو بھی فسوزان کردین

حضرت صفدر نے پہلے مصرع کو یون نقل کیا ہے ع

جان بیتاب پہ وہ چوٹ تری یاد کرین

اور فرماتے ہین "چوٹ دینا" اس کا وجود بھی شعر مین نہین ہے صرف چوٹ سے چوٹ دینا مراد ہے تو اس کا کوئی جواب ہی نہین ہوسکتا۔

مین نے روح نشاط کو دوبارہ دیکھکر اپنا اطمینان کرلیا شعر اُسی طرح درج ہے جس طرح مین نے نقل کیا۔ حضرت صفدر آنکھون مین خاک جھونکتے ہین یا شاید اس مہذب پیرایہ مین اصغر صاحب کو اصلاح دی ہے۔

نمبر ۲۲

نہین معلوم کتنے جلوہائے حسن پنہان ہین		کوئی پہونچا نہین گہرائیون مین اشک شبنم کی

مین نے "گہرائیون مین" کے بجائے "گہرائیون کو" تجویز کیا تھا حضرت صفدر فرماتے ہین کہ "کو" سے "تک" زیادہ فصیح ہے۔

"کو" کے یہہ معنی ہونگے کہ اشک شبنم کی حقیقت سے کوئی واقف نہین ہوا یا ادراک سے قاصر رہا "تک" مین معرفت حقیقت کا پہلو نہین ہے بلکہ صرف مشاہدہ و تجربہ ہے شعر کے الفاظ پہلے مطلب کی طرف رہنمائی کرتے ہین اسی سے مین نے "کو" تجویز کیا ورنہ "تک" بھی ذہن مین تھا۔

نمبر ۲۳

لالہ و گل پہ جو ہے قطرۂ شبنم کی بہار		رخ رنگین پہ جو آئے تو حیا ہوجائے

مین نے "پہ جو" کی تکرار پر اعتراض کیا تھا اور دوسرا مصرع یون بدل دیا تھا ع رخ رنگین پر اگر آئے حیا ہوجائے۔ حضرت صفدر فرماتے ہین کہ اصلاح شدہ مصرع بہ تکلف پڑھا جاتا ہے۔ یہہ انکا خیال ہی خیال ہے۔ پھر فرماتے ہین کہ جب پہلے مصرع مین لفظ "جو" موجود ہے تو دوسرے مصرع مین لفظ "تو" کا ہونا لازمی ہے شرط کے ساتھ جزا ہونا ضروری ہے اور مرزا صاحب کو لفظ "تو" ہی پر اعتراض ہے یہہ مصرع ایسا لگایا گیا کہ جو اسقدر غلط ہے کہ اگر ایسی غلطی کسی نوآموز سے بھی ہوتی تو وہ بھی قابل بازپرس تھا نہ کہ مرزا صاحب ایسے ماہر فن اور خوشگو شاعر سے۔ دیکھئے ایک ذرا سی ترمیم مین مصرع کے سارے عیوب مٹ جاتے ہین ع "رخ رنگین پہ وہ آئے تو حیا ہوجائے"۔

یہہ دعوی کہ شرط کے بعد حرف جزا یعنی تو کا ہونا لازمی ہے اس کا جواب حضرت اصغر کا یہہ مصرع دیگا ع		جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہوگیا محدود

حضرت صفدر بلاغت کے اس نکتہ سے شاید واقف نہین کہ شرط کے بعد حرف جزا کو اکثر حذف کردیتے ہین کبھی حرف جزا کا اعلان کرتے ہین اور شرط کو محذوف رکھتے ہین مثال مین یہہ اشعار لیجئے۔

ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہہ جان جھوٹ جانا		کہ خوشی سے مرنہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

(غالب)

ہم (جو) ترے وعدہ پر جئے تو الخ

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا		جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

(غالب)

جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا (تو) رگ سنگ سے الخ

تیغ کھینچے جو یار آتا ہے		اور بھی مجھکو پیار آتا ہے

(امیر)

تیغ کھینچے جو یار آتا ہے (تو) اور بھی مجھکو الخ

مین تو قابل بازپرس ہون غالب و امیر کی نسبت کیا ارشاد ہوتا ہے!

اب صرف و نحو کے قلمرو سے نکل کر مملکت معانی و بیان کی سیر کیجئے تو آپ کو معلوم ہو کہ مین نے جس طرح مصرع نظم کیا ہے اُسکا اسلوب ایسا ہے کہ قطرۂ شبنم حیا مین منتقل ہوگیا۔ فہو المراد۔ یہہ آپکے "وہ" "جو" "تو" نہین ہے۔ مگر یہہ نکات شاید آپکی سمجھ سے باہر ہین۔

نمبر ۲۴

فریب دامگہ رنگ و بو معاذاللہ		یہہ اہتمام ہے اور ایک مشت پر کے لئے

میں نے عرض کیا تھا کہ دوسرے مصرع میں فعل حذف کرنے سے
عجب خوبی پیدا ہوتی ہے اور یہہ مصرع تجویز کیا تھا ؎

یہہ اہتمام فقط ایک مشت پر کے لئے

حضرت صفدر نے بظاہر اس سے انکار نہیں کیا مگر یہہ فرمایا کہ
جو روانی و سلاست اصل مصرع میں ہے وہ اصلاحی مصرع میں نہیں
مدعا ایسی اصلاح کا کیا حاصل ؟" آپ کے لئے فی الحقیقت کچھ نہیں۔
چلتے چلتے حضرت صفدر فرماتے ہیں۔

"ہاں ایک بات اور یاد آئی۔ جناب اثر نے اسی تنقید میں
داغ مرحوم کے اس شعر کو ؎

دیتے مجھے سامنے اول تو خنجر رکھدیا ۔ پھر کلیجا رکھدیا دل رکھدیا سر رکھدیا

امیر مینائی کا شعر لکھا ہے۔ اللہ رے بے خبری"

اگر حضرت صفدر غور سے دیکھتے تو واضح ہوتا کہ میں نے امیر مرحوم
قوسین میں لکھکر علامت سوال (?) بنادی تھی جس سے ثابت ہوتا
ہے کہ مجھے خود شبہ تھا۔ آپ چاہیں تو اسے بے خبری سے منسوب
کریں۔

حضرت صفدر نے اپنے زعم میں میری "غلط تنقید کا لفافہ کھول دیا"
اس کا فیصلہ ارباب فن کریں گے۔ مگر حضرت صفدر کی طولانی
تحریر کا لب لباب صرف اتنا ہے کہ ۵۶ میں صرف ۲۴ اعتراضوں کا
جواب دینے کی ہمت ہوئی باقی تسلیم کرلئے۔ ان ۲۴ میں سے بھی
سات کو نہ صرف قابل اصلاح مان لیا بلکہ خود بھی اصلاح دی۔
تاہم حضرت صفدر کو دعوئے حق گوئی ہے اور میری تنقید کا مقصد
ادبی استفادہ نہیں بلکہ "دل آزاری کے لئے نکتہ چینی" قرار
دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ زبان اُردو کا دردناک مرثیہ کیا
ہوسکتا ہے۔

اثر لکھنوی
۳۰ اگست ۱۹۲۶ء

"مرقع"

نومبر ۱۹۲۶ء

عکسِ تحریر جناب شمس العلماء ڈاکٹر مولوی سید علی بلگرامی مرحوم

(مرسلۂ جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی)

معروضۂ خانگی بحضور عالیجناب سروقار الامرا بہادر مرحوم مدارالمہام حیدرآباد دکن



بلگرامی
معروضۂ خانگی

بعرض عالی برساند

سرکار پر روشن ہی کہ جناب شیخ محمد صاحب خلف صدق عالیجناب مرحوم شیخ زین العابدین
مازندرانی اعلی اللہ مقامہ تقریباً دو ماہ سے یہاں تشریف رکھتے ہیں اور
جس قدر ان کا شرف بحیثیت مجتہد اہل شیعہ اور نیز بحیثیت ایک عالم
متبحر کے ہے اس سے سرکار بخوبی واقف ہیں۔ ہندوستان و عراق اور
بہت بڑا حصہ ایران کا اس وقت اس خاندان کا مقلد اور پیرو ہے
اور جو کچھ عزت و شان ان کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

اتفاق وقت سے جناب شیخ کو زمانہ قیام میں کچھ اس قسم کی دقتیں پیش
رہیں جن کی وجہ ان کی تقریب کا موقع نہیں کی جا سکی اور اس ریاست ابد مدت
سے جس قسم کی مراعات ہمیشہ علما اور مجتہدین اور معزز اشخاص کے ساتھ
عادتاً ہوا کرتی ہیں اس کا ایک شمہ بھی جناب شیخ کے ساتھ نہ ہو سکا

لیکن سر دست ایک موقع اس قسم کا آگیا ہے کہ ان فروگزاشتوں کی کوتہ
تلافی ہو جائے اور جناب شیخ اس دولت ابد مدت سے کسی قدر منتفع ہو سکیں
اور اس باعث سے تمام عراق و ایران میں ہماری ریاست کا نام روشن ہو جائے
یعنی جو وظیفہ کہ مرحوم مولانا عبد الحق کے نام پر جاری تھا وہ سر دست خالی ہو گیا ہے
اور چونکہ سرکار ہر طرح پر فدوی کے بالا دست اور ملجا ہیں لہذا فدوی
درخواست کرتا ہے کہ سرکار جناب شیخ پر اس وظیفہ کے جاری ہونے کی
تحریک فرمائیں - فدوی کو یقین ہے کہ سرکار کی سفارش کارگر ہو گی
اور ہم شیعیان حیدر آباد اور نیز جملہ شیعیان ہندوستان و عراق سرکار کے
اس احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہوں گے اور سرکار کو ایک اجر عظیم ملیگا -
اس خاص موقع پر جب کہ فرقہ اثنا عشری کی بعض وجوہات
نہایت دل شکنی ہوئی ہے اس قسم کے وظیفہ کا جاری ہونا نہایت قرین مصلحت
ہے اور اس سے خاص و عام پر ظاہر ہو جائے گا کہ مسجد جعفری کا مقدمہ کچھ ہی
فیصلہ ہو مگر سرکار عالی کو کوئی تعصب مذہبی نہیں ہے - فدوی اس سے

[illegible]

[illegible]

لوسی - شکریہ! مین ضرور آؤنگی خواہ وہ کچھ ہی کہین۔

مارنی - وہ مجھ سے نفرت کرتی ہین - مین تمھاری پھوپھی کی نظرون مین بہت آزاد طبع ہون خیر - کچھ پرواہ نہین - تم مین، اپنی پھوپھی اور انکے گرانقدر مہمان کے چنگل سے نکلنے کی مقدرت حاصل ہے - ورنہ مین تمھین مطلع کیے دیتی ہون کہ تمھاری اس شخص سے زبردستی شادی کردی جایگی اور پھر تم کبھی نہ جان سکوگی کہ زندگی کیا ہے؟

لوسی - مین اس سے کبھی شادی نہین کرونگی۔

سہ پہر کو لوسی، کسی نہ کسی طرح مس سوسن کی نظر بچا کر مارنی کے مکان پر پہونچ گئی، جہان اسنے مارنی کو مع سامان دعوت بیٹھا پایا

مارنی - آؤ بیٹھو - میری سہیلی بھی آنے والی ہی ہوگی - اب تو وہ ایک مشہور سینما کی حسین ایکٹرس ہے - اسکا ارادہ شادی کرکے سیاحی کا ہے - لو وہ آ ہی گئی - یہی کیملی ہے۔

کیملی! - لوسی نے سانس روک لیا - وہ ایک پر شوق و متفکرانہ سوال کرنے کے لئے مڑی - لیکن مارنی اپنی سہیلی کا خیر مقدم کرنے کیلئے دروازہ تک پہونچ چکی تھی۔

دوسرے لمحہ مین کیملی کمرہ کے اندر تھی - خوفناک اشتباہات کے ساتھ لوسی نے گردن اٹھائی اور ایک چھریرے جسم کی پروقار لڑکی کو بے انتہا نفیس لباس مین دیکھا۔

وہ اپنے بدن کی ساخت اور صباحت کے اعتبار سے لوسی سے ملتی تھی - لیکن لوسی کا حسن اسکے دل کی صداقت و معصومیت کو منعکس کرتا تھا - کیملی کے وجود پر نقاب پڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی - وہ کسی سے آنکھ نہین ملا سکتی تھی۔

کیملی - (دستانہ اتارتے ہوئے - غصہ سے) تمام دنیا زیر و زبر ہو رہی ہے مین زندگی سے اسقدر اکتا چکی ہون کہ میرا ارادہ روپوش ہو جانیکا ہے - روپوش ہو جانے کا!! لوسی نے بے انتہا تعجب کے ساتھ دل ہی دل مین اس فقرہ کی تکرار کی - وہ سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی جو بظاہر کلائی فورڈ سے منسوب ہے، کسطرح ایسی سکر دہی کی باتین کررہی ہے - اسے کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا کہ یہ کلائی فورڈ سے منسوب نہین ہے مارنی کے منہ سے کیملی کا نام سنتے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ اسکا خواب محبت ختم ہوگیا!

آہ! مین احمقون کی جنت مین بسر کررہی تھی" اسنے سوچا" وہ مجھ پر اسلئے مہربان تھا کہ مین نے اسکے مجروح ہو جانے پر اسکی خدمت کی تھی - اور اس لئے بھی کہ اس پر راز طریقہ پر آنے اور پھر کبھی نہ بیان کرنے پر مین نے کوئی بازپرس و ملامت نہین کی"! اس کے رخسار، اسکے پیار کو یاد کرکے جلنے لگی - وہ پیار جسکا مقصود کیملی تھی! یہ ایک آتشین خیال تھا - ایک ہولناک طعنہ زن، امید سوز خیال!!! وہ اندر ہی اندر خاکستر ہوئی جارہی تھی - اسے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ اس شرمناک، دزدیدہ، غلط بوسہ کی علامت سوزان چہرہ پر مرئی ہے - جسے سب دیکھ سکتے ہین -!!

مارنی - کیملی، کیا ماجرا ہے - مین سمجھتی تھی کہ تم دنیا مین مسرور ترین لڑکی ہو تمھاری شادی بھی تو ہونے والی ہے -"

کیملی - تھی، کہو - کیونکہ اب مین نہین کرونگی - مین اس سے اپنا پیچھا چھڑاونگی

مارنی - یعنی تم اس سے انکار کردوگی -

کیملی - یہ اسی کی غلطی ہے - مین نے کچھ واقعات اس کے متعلق دریافت کیے ہین -

لوسی (کانپتی ہوئی آواز مین) تو پھر کیا اسکی ہستی راز تھی؟

کیملی - (ہنسکر) ہرگز نہین - کیا کسی مرد کی ہستی بھی راز ہو سکتی ہے - بلکہ وہ جاسوس ہے - درندہ ہے اور ہر وہ چیز جو بری ہو سکتی ہے -

لوسی - لیکن تم بالیقین کیسے کہہ سکتی ہو -

لوسی - کلائی فورڈ کی جنبہ داری مین وفور غضب سے کانپ
رہی تھی - اسکے متعلق یہ الزام صحیح نہین معلوم ہوتے تھے - لیکن
مس سوسن نے بھی تقریباً یہی اتہامات اسپر لگائے تھے -
کیملی - مجھے جب تک کسی بات کا تیقین کامل نہ ہوجاے' مین زبان پر
نہین لاتی - مین اسکو مسترد کرنا چاہتی ہون - اب تم دونون بتاؤ
کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے مین لکھ کر بھیجدون یا بالمشافہ نرمی کے ساتھ
کہون - نسبت کا توڑنا بہت نازک معاملہ ہے
لوسی - بہت مشکل ہے -
کیملی - لیکن یقیناً' تم یہ تو نہین چاہتی ہوگی کہ مین ایک فرومایہ
اوباش سے وابستہ ہوجاؤن - میرا دل ٹوٹ گیا ہے - مگر مجھے اپنی
آبرو کا خیال کرنا چاہیے
لوسی - تمھارا اوباش سے کیا مدعا ہے -
اسکے لیے یہ سمجھنا بہت ہی مشکل تھا کہ کلائی فورڈ کی شخصیت
وہ ہوسکتی ہے جو بعید از شرافت وعزت ہو -
کیملی - ایک شخص جو تمھین کبھی نہ بتائے کہ اسکی معاش کیا ہے
ایک شخص جسکے پاس ایک وقت مین تو انبار ند ہو اور دوسرے
وقت مین ایک دانگ بھی نہین -
لوسی - لیکن دولت ہی سب کچھ نہین ہے -!
کیملی - نہین ہے !! مین سمجھتی ہون وہ بڑی حد تک ہے -
مارنی - تمھارے پاس تو بہت دولت ہے - تم سیکڑون تو صرف
لباس پر صرف کردیتی ہو -
کیملی - کیا تمھین میرا یہ لباس پسند ہے ؟ یہ بہت گران قیمت ہے لیکن
اگر مین اپنی حسب خواہش' ہر چیز نہ خرید سکون تو زندہ نہین رہ سکتی
اسی وجہ سے تو مین نسبت توڑ رہی ہون -
لوسی - مگر مین اسے ظالمانہ وجہ سمجھتی ہون -

لوسی کا قلب کلائی فورڈ کے لئے دکھ رہا تھا اور کیملی
کا دنیا پرستانہ نقطۂ نظر اسکے لئے کرب آفرین تھا -
لیکن اسکا یہ جذبۂ ہمدردی مختصر الایام تھا - دوسرے
لمحہ وہ کلائی فورڈ کی فریب کاری پر غضبناک ہو رہی تھی - وہ
تقریباً اس سے نفرت کرنے لگی کہ باوجود کیملی سے منسوب ہونیکے
لئے اس نے اس سے اظہار محبت کیا - اور سب سے زیادہ -
لوسی اپنے پر غصہ ہورہی تھی کہ اسکے عشق مین اس شدت کے
ساتھ مبتلا ہوگئی -
کیملی - مین آج رات کو اس سے صاف صاف کہدونگی کہ مین اس
سے شادی کرنا نہین چاہتی اور پھر کسی دوسرے شہر مین کسی رئیس
سے شادی کرلونگی -
لوسی - مین ملازمت کرنا چاہتی ہون مارنی کہتی تھی کہ تم کبھی دفتر مین
کام کیا کرتی تھین -
کیملی - ہان لیکن یہ اسوقت کا ذکر ہے جب مین بہت کمسن تھی اور
نئی نئی تجارتی کالج سے نکلی تھی -
لوسی - اور مین نے کچھ بھی نہ سیکھا ہے مجھے حیرت ہے کہ مین کیا کرونگی
کیملی - کسی بیرونی شہزادے سے منسوب ہوجاؤ -
اور صرف یہ رائے تھی جو کیملی اسے دے سکتی تھی -
لوسی گھبرا گئی - اسکی سمجھ مین نہین آتا تھا کہ آیا اس بات پر وہ
خوش ہو یا رنجیدہ کہ کلائی فورڈ کو اسکی محبوبہ مسترد کردینے والی ہے
ایک خیال پر تو وہ حد درجہ شادکام ہوتی تھی کہ پھر کلائی فورڈ
آزاد ہوجائیگا اور لوسی کے ساتھ محبت ظاہر کرنے مین فریب کی
آلائش نہوگی - لیکن فوراً ہی وہ اپنے دل مین کہتی کہ اب وہ کبھی اسکی
پر محبت باتون پر کان نہ دھرے گی اور اگر کبھی اس سے ملنے کا اتفاق
ہوا تو اس سے کہیگی کہ وہ کیا دم محبت ہے - جیسے جاسوس فرومایہ اور

درندہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۔

اس رات جب وہ سونے کے لیے بستر پر لیٹی تو اسکی لانبی ریشمی پلکین، آنسوؤن سے نمناک تھین ۔

لیکن خواب مین کلائیٔ فورڈ پھر ویسا ہی نیک صادق، حسین اور برف کی طرح صحیح تھا ۔ !

(۷)

روبرٹ ۔ میرے نئے دستانہ مین سوراخ ہو گیا ہے ۔

سوسن ۔ کیون ؟ گزشتہ ہفتہ تو تم نے خریدا ہی تھا ۔

روبرٹ (قہقہہ لگا کر) مین نے نیلام مین سے لئے تھے ۔

سوسن ۔ اگر واقعی پھٹ گئے ہین تو مجھے یقین ہے لوسی بہت خوشی کے ساتھ رفو کر دے گی

لوسی (شگفتگی سے) کوئی خاص خوشی تو نہین حاصل ہوگی، لیکن مجھے رفو کرنے مین کچھ عذر نہین ۔

مس سوسن مسکرائی اور لوسی دستانہ سینے کے لیے جھکی اسوقت تک انتظار کیا، اور پھر روبرٹ کا بازو چھو کر سرگوشی مین یہ کہتی ہوئی کہ اب موقعہ ہے " کمرہ سے باہر نکل گئی ۔

لوسی نے کوئی حرکت نہ کی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ اس نے ان الفاظ کو سن لیا ہے ۔ مگر دل مین وہ غصہ کے مارے پھنک گئی ۔ اسے اپنی پھوپھی سے تقریبًا نفرت ہو گئی اور وہ اسطرح اس کی پشت پر کھڑی ہوئی سازش کر رہی ہے اور اس بات کی متوقع ہے کہ وہ اسکی منشاء پوری ہونے دیگی

"مین انھین بتاؤنگی کہ مین بچہ نہین ہون" اس نے سوچا مین ابنر یہ ثابت کر دونگی کہ مجھ مین وہی دلیری موجود ہے جو اس زمانہ مین تھی جب میرے والد بقید حیات تھے اور جب زندگی تمامتر نشاط و آزادی تھی"

روبرٹ ۔ (اپنی آواز کو رقیق بنانے کی کوشش کرتے ہوئے) درحقیقت یہ فردوسی منظر ہے !

لوسی ۔ کیا بات ہے ؟

روبرٹ ۔ مین یہ سوچ رہا ہون اور تمنا کر رہا ہون کہ اے کاش ہمیشہ ایسا ہو سکتا ۔ صرف تم اور مین ۔ تم میرے کپڑے درست کرتی ہوتین، میرے بٹن لگاتین، میرے لیے کھانا تیار کرتین ۔

لوسی ۔ اور تم اپنا پائپ پیتے اور کچھ نہ کرتے ۔ یہی تمھین فطری طور پر مرغوب ہے ۔ کیا تمھین کوئی ملازمت نہین مل سکتی ۔

روبرٹ ۔ بہت سی ملازمتین ہین ۔ اسکے علاوہ اور دیگر مشاغل ہین جو میرے لیے باعث دلچسپی ہین ۔

لوسی ۔ مگر مین نے تمھین کبھی مشغول نہین دیکھا

روبرٹ ۔ مین کسطرح کوئی کام کر سکتا ہون جب میرا دل و دماغ اس کشمکش مین ہے ۔

لوسی خاموش ہو گئی ۔ وہ اس فقرہ کی تشریح نہین چاہتی تھی اسنے ڈورا سوئی مین پرو دیا اور سینے لگی ۔

ہارڈ مین جلدی سے لوسی کی طرف بڑھا اور اسے اپنی آغوش مین لے لیا ۔

وہ اسکی آغوش مین سے تڑپ کر نکل گئی اور ہانپتے ہوئے کہا " مجھے جانے دو ۔ گھنٹی بج رہی ہے ۔ غالبًا کوئی آیا ہے ۔ مین دروازہ کھولون گی ۔

روبرٹ ۔ اسکی فکر مت کرو ۔ خالہ سوسن وہان ہین وہ دروازہ کھولینگی"

لوسی کا دل گز دن اچھل رہا تھا ۔ بڑے کمرے مین وزنی قدمونکی آواز آئی ۔ کوئی ملاقاتی گھر مین آیا ۔

" نہین تم اندر نہین جا سکتے " تھوڑی دیر کے بعد مس سوسن بلند آواز مین کہہ رہی تھی ۔ " اور لوسی میری بھتیجی منسوب ہو چکی ہے "۔

منسوب ہو چکی ہے ؟ "
یہ کلائی فورڈ کی آواز تھی۔۔ لوسی کا چہرہ زرد پڑ گیا اسکے ہونٹ کانپنے - اور اسکا دل بانسون اچھل گیا -
روبرٹ - باہر جو کچھ ہو رہا ہے اسکے سننے کی ضرورت نہین -میری سنو-لیکن لوسی نے اسکی بات نہ سنی کیونکہ کلائی فورڈ کہہ رہا تھا
" مین لوسی سے ملنا چاہتا ہون -اور تنہا ! "
اسکے بعد ہی دروازہ کھلا اور کلائی فورڈ اندر آیا اسکے حسین چہرہ پر سنجیدگی کے نقوش تھے - وہ آج ہارڈ مین کے مقابلہ مین زیادہ کشیدہ قامت معلوم ہو رہا تھا -
لوسی پر اہتزاز طاری ہو گیا -اسکی نبض سریع ہو گئی -ایک کہر اسکی آنکھون کے سامنے چھا گیا - افوہ ! وہ کسقدر اس سے محبت کرتی تھی - لیکن اس محبت کو اسے کچل ڈالنا پڑے گا -
لوسی ! کلائی فورڈ نے کہا - اسکی آنکھین سنجیدگی سے لوسی کی طرف نگران تھین - جیسے وہ اس سے کلیتہً بے خبر ہے کہ کوئی اور بھی کمرہ مین ہے "کیا تم مجھے چند لمحات دو گی "!
لوسی نے اپنے بدن کو سادہا اور آواز کو روکھی بنانے کی کوشش کی " مین یہان ہون تمھین کیا کہنا ہے "-
کلائی فورڈ - ایک بات صرف تمھارے کانون کے لیے -
تھوڑی دیر کے لیے اسکے انداز پر لوسی کا دل پسیجا - لیکن اسنے فوراً کیملی کے بیان کو یاد کیا - وہ کیملی کی محبت کا اہل نہ تھا وہ کسی لڑکی کی بھی توجہ کے قابل نہین - اس نے مجھ سے اظہار محبت کیا' اس حال مین کہ یہ اس سے منسوب تھا - اس نے میرا بوسہ لیا جس سے مقصود وہ تھی -"
یہ نیش ناقابل برداشت تھا اور لوسی کا دل پھر سخت ہو گیا
لوسی - اگر تمھین مجھ سے کچھ کہنا ہے تو یہان کہہ سکتے ہو ! "

کلائی فورڈ اسکے لہجہ پر سخت متحیر ہوا - اور اس نے تکلیف رسیدہ نظرون سے روبرٹ کے منوس چہرہ کو دیکھا اور پھر مس سوسن کی جانب جو اسکو باہر نکالدینے کیلئے مضطرب تھی
کلائی فورڈ (مس سوسن سے) کیا آپ معاف کرینگی اگر مین چند لمحون کے لیے آپ کی بھتیجی سے گفتگو کرنے کے لیے تخلیہ کی عرضداشت کرون !
مس سوسن - عجیب مضحکہ خیز بات ہے -
کلائی فورڈ مین بے انتہا متشکر ہونگا اگر آپ اور آپ کا بیٹا ..."
سوسن (چیخ کر) میرا بیٹا !!! مین غیر شادی شدہ ہون - اور اگر بفرض محال شادی شدہ ہوتی تو بھی میری عمر اتنی زیادہ نہین ہے کہ اتنے معمر شخص کی مان ہو سکتی -
کلائی فورڈ - مین معذرت کا خواستگار ہون - مجھے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے تھا - لیکن میرا دماغ دوسری باتون سے بھرا ہوا ہے" آواز تھرائی لیکن اسنے فوراً درست کرلی " اگر آپ بہت مہربانی کرکے اپنی بھتیجی کو میرے ساتھ چھوڑدین تو مین وعدہ کرتا ہون کہ مین آپ لوگون کو زیادہ منتظر نہ رکھون گا -
سوسن - تو پھر اسکا خیال رکھنا کہ تم زیادہ دیر نہ لگاؤ -آؤ روبرٹ یہ عجیب بات ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ ہمارا ان کو تنہا چھوڑ جانا کہانتک مناسب ہے -
روبرٹ - انھین باتین کرنے دو - انھین صرف تین منٹ کی اجازت ہے - زیادہ نہین - اتنا وقت کافی ہے -
جب تک یہ دونون دروازے کو بھڑا چھوڑ کر باہر نکل گئے کلائی فورڈ موقر خاموشی کے ساتھ انتظار کرتا رہا -
لوسی' اضطراب اور دیگر بے شمار جذبات کے زیر اثر پتے کی طرح کانپ رہی تھی - کیملی نے جو کچھ کلائی فورڈ کے متعلق کہا تھا

لوسی - شکریہ ! مین ضرور آؤ نگی خواہ وہ کچھ ہی کہین -
مارنی - وہ مجھ سے نفرت کرتی ہین - مین تمھاری پھوپھی کی نظرون مین بہت آزاد طبع ہون - خیر کچھ پرواہ نہین - تم مین، اپنی پھوپھی اور انکے گرانقدر مہمان کے چنگل سے نکلنے کی مقدرت حاصل ہے - ورنہ مین تمھین مطلع کیے دیتی ہون کہ تمھاری اس شخص سے زبردستی شادی کردی جائیگی اور پھر تم کبھی نہ جان سکو گی کہ زندگی کیا ہے؟
لوسی - مین اس سے کبھی شادی نہین کرونگی -

سہ پہر کو لوسی، کسی نہ کسی طرح مس سوسن کی نظر بچا کر مارنی کے مکان پر پہونچ گئی، جہان اسنے مارنی کو مع سامان دعوت بیٹھا پایا
مارنی - آؤ بیٹھو - میری سہیلی بھی آنے والی ہی ہوگی - اب تو وہ ایک مشہور سینما کی حسین ایکٹرس ہے - اسکا ارادہ شادی کرکے سیاحی کا ہے - لو وہ آ ہی گئی - یہی کیملی ہے -

کیملی ! - لوسی نے سانس روک لیا - وہ ایک پرشوق و متفکرانہ سوال کرنے کے لئے مڑی - لیکن مارنی اپنی سہیلی کا خیر مقدم کرنے کیلئے دروازہ تک پہونچ چکی تھی -

دوسرے لمحہ مین کیملی کمرہ کے اندر تھی - خوفناک اشتباہات کے ساتھ لوسی نے گردن اٹھائی اور ایک چھریرے جسم کی پروقار لڑکی کو بے انتہا نفیس لباس مین دیکھا -

وہ اپنے بدن کی ساخت اور صباحت کے اعتبار سے لوسی مین ملتی تھی - لیکن لوسی کا حسن اسکے دل کی صداقت و معصومیت کو منعکس کرتا تھا - کیملی کے وجود پر نقاب پڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی - وہ کسی سے آنکھ نہین ملا سکتی تھی -

کیملی - (دستانہ اتارتے ہوئے - غصہ سے) تمام دنیا زیر و زبر ہو رہی ہے مین زندگی سے اسقدر اکتا چکی ہون کہ میرا ارادہ روپوش ہوجانیکا ہے
روپوش ہوجانے کا !! لوسی نے بے انتہا تعجب کے ساتھ دل ہی دل مین اس فقرہ کی تکرار کی - وہ سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی جو بظاہر کلائی فورڈ سے منسوب ہے، کسطرح ایسی سبکروحی کی باتین کررہی ہے - اسے کوئی شبہ باقی نہ رہا تھا کہ یہ کلائی فورڈ سے منسوب نہین ہے مارنی کے منھ سے کیملی کا نام سنتے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ اسکا خواب محبّت ختم ہوگیا !

آہ ! مین احمقون کی جنت مین بسر کر رہی تھی" اسنے سوچا" وہ مجھ پر اسلئے مہربان تھا کہ مین نے اسکے مجروح ہو جانے پر اسکی خدمت کی تھی - اور اس لئے بھی کہ اس پر راز طریقہ پر آنے اور پھر کبھی نہ بیان کرنے پر مین نے کوئی بازپرس و ملامت نہین کی " اس کے رخسار، اسکے پیار کو یاد کرکے جلنے لگی - وہ پیار جسکا مقصود کیملی تھی!

یہ ایک آتشین خیال تھا - ایک ہولناک طعنہ زن، امید سوز خیال !!! وہ اندر ہی اندر خاکستر ہوئی جا رہی تھی - اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس شرمناک، دزدیدہ، غلط بوسہ کی علامت سوزان چہرہ پر مرئی ہے -

جسے سب دیکھ سکتے ہین - !!

مارنی - کیملی، کیا ماجرا ہے - مین سمجھتی تھی کہ تم دنیا مین مسرور ترین لڑکی ہو تمھاری شادی بھی تو ہونے والی ہے -"
کیملی - تھی، کہو - کیونکہ اب مین نہین کرونگی - مین اس سے اپنا پیچھا چھڑاؤنگی
مارنی - یعنی تم اس سے انکار کردو گی -
کیملی - یہ اسی کی غلطی ہے - مین نے کچھ واقعات اس کے متعلق دریافت کیے ہین -

لوسی (کانپتی ہوئی آواز مین) تو پھر کیا اسکی ہستی راز تھی؟
کیملی - (ہنسکر) ہرگز نہین - کیا کسی مرد کی ہستی بھی راز ہوسکتی ہے - بلکہ وہ جاسوس ہے - درندہ ہے اور ہر وہ چیز جو بری ہوسکتی ہے -
لوسی - لیکن تم بالیقین کیسے کہہ سکتی ہو -

منسوب ہوچکی ہے ؟ "

یہ کلائی فورڈ کی آواز تھی۔ لوسی کا چہرہ زرد پڑگیا اسکے ہونٹ کانپنے۔اور اسکا دل بانسون اچھل گیا۔

روبرٹ - باہر جو کچھ ہو رہا ہے اسکے سننے کی ضرورت نہین۔میری سنو۔لیکن لوسی نے اسکی بات نہ سنی کیونکہ کلائی فورڈ کہہ رہا تھا " مین لوسی سے ملنا چاہتا ہون -اور تنہا ! "

اسکے بعد ہی دروازہ کھلا اور کلائی فورڈ اندر آیا اسکے حسین چہرہ پر سنجیدگی کے نقوش تھے - وہ آج ہارڈمین کے مقابلہ مین زیادہ کشیدہ قامت معلوم ہو رہا تھا۔

لوسی پر اہتزاز طاری ہوگیا۔اسکی نبض سریع ہوگئی۔ ایک کہر اسکی آنکھون کے سامنے چھاگیا - افوہ! وہ کسقدر اس سے محبت کرتی تھی - لیکن اس محبت کو اسے کچل ڈالنا پڑے گا۔

لوسی ! کلائی فورڈ نے کہا - اسکی آنکھین سنجیدگی سے لوسی کی طرف نگران تھین۔ جیسے وہ اس سے کلیتہً بے خبر ہے کہ کوئی اور بھی کمرہ مین ہے " کیا تم مجھے چند لمحات دو گی "!

لوسی نے اپنے بدن کو سادہا اور آواز کو روکھی بنانے کی کوشش کی " مین یہان ہون تمھین کیا کہنا ہے "۔

کلائی فورڈ - ایک بات صرف تمھارے کانون کے لیے۔

تھوڑی دیر کے لیے اسکے انداز پر لوسی کا دل پسیجا - لیکن اسنے فوراً کیملی کے بیان کو یاد کیا - وہ کیملی کی محبت کا اہل نہ تھا وہ کسی لڑکی کی بھی توجہ کے قابل نہین - اس نے مجھ سے اظہار محبت کیا اس حال مین کہ یہ اس سے منسوب تھا - اس نے میرا بوسہ لیا جس سے مقصود وہ تھی۔"

یہ نیش ناقابل برداشت تھا اور لوسی کا دل پھر سخت ہوگیا لوسی - اگر تمھین مجھ سے کچھ کہنا ہے تو یہان کہہ سکتے ہو ! "

کلائی فورڈ اسکے لہجہ پر سخت متحیر ہوا - اور اس نے تکلیف رسیدہ نظرون سے روبرٹ کے منحوس چہرہ کو دیکھا اور پھر مس سوسن کی جانب جو اسکو باہر نکالدینے کیلئے مضطرب تھی

کلائی فورڈ (مس سوسن سے) کیا آپ معاف کرینگی اگر مین چند لمحون کے لیے آپ کی بھتیجی سے گفتگو کرنے کے لیے تخلیہ کی عرضداشت کرون !

مس سوسن - عجیب مضحکہ خیز بات ہے -

کلائی فورڈ مین بے انتہا متشکر ہونگا اگر آپ اور آپ کا بیٹا..."

سوسن (چیخ کر) میرا بیٹا !!! مین غیر شادی شدہ ہون - اور اگر بفرض محال شادی شدہ ہوتی تو بھی میری عمر اتنی زیادہ نہین ہے کہ اتنے معمر شخص کی مان ہو سکتی۔

کلائی فورڈ - مین معذرت کا خواستگار ہون - مجھے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے تھا - لیکن میرا دماغ دوسری باتون سے بھرا ہوا ہے آواز تھرائی لیکن اسنے فوراً درست کرلی " اگر آپ بہت مہربانی کرکے اپنی بھتیجی کو میرے ساتھ چھوڑ دین تو مین وعدہ کرتا ہون کہ مین آپ لوگون کو زیادہ منتظر نہ رکھون گا -

سوسن - تو پھر اسکا خیال رکھنا کہ تم زیادہ دیر نہ لگاؤ - آؤ روبرٹ یہ عجیب بات ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ ہمارا ان کو تنہا چھوڑ جانا کہانتک مناسب ہے -

روبرٹ - انھین باتین کرنے دو - انھین صرف تین منٹ کی اجازت ہے - زیادہ نہین - اتنا وقت کافی ہے -

جب تک یہ دونون دروازے کو بھڑا چھوڑ کر باہر نہ نکل گئے کلائی فورڈ موقر خاموشی کے ساتھ انتظار کرتا رہا -

لوسی، اضطراب اور دیگر بے شمار جذبات کے زیر اثر پتے کی طرح کانپ رہی تھی - کیملی نے جو کچھ کلائی فورڈ کے متعلق کہا تھا

وہ اسے نہ بھول سکتی تھی - اگر وہ رسب باتون کو غیر صحیح سمجھ بھی لیا جائے
تو اس نا فراموش شدنی رات کا خار کسطرح نکل سکتا تھا جب وہ
اس گھر مین یہ امید لئے ہوئے آیا کہ کیملی اسے ملیگی -
لوسی کو کیملی سمجھتے ہوئے۔ لیکن وہ کیملی سے منسوب نہ ہوگا کیونکہ اگر ایسا ہوتا
تو کیا وہ کیملی اور لوسی مین امتیاز نہ کر سکتا ؟ مگر اس نے صورت
حالات کو اور بد تر کر دیا لوسی کو یہ خیال ہوا کہ وہ اس سے محبت
کے دوران ہی مین کیملی سے بھی منسوب ہو گیا -

لوسی نے جب اس بوسہ کی نیرنگی کو یاد کیا تو اس کا خون
رگون مین دوڑنے لگا - مگر کیملی نے اسکی آنکھون پرسے پردہ اٹھا
دیا تھا - اور اب غالباً کیملی نے اپنا قول پورا کیا ہے اور وہ لوسی
کے پاس تسکین خاطر کی غرض سے آیا ہے - وہ تازہ ذلتین اسکے
سر پر لانا چاہتا ہے -

یہ تھے لوسی کے خیالات، یہ تھے اسکے اندیشے جب وہ اپنے
سپید چہرہ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اب بھی محبت کرتی
ہوئی کھڑی ہوئی تھی " مین برودت برتونگی - برف کی سی برودت!
مجھے یہ دل مین سمجھتے رہنا چاہیے کہ یہ خادع ہے - !"

کلائی فورڈ - لوسی، مجھے امید ہے کہ تم اس نامہذب اصرار ملاقات پر
مجھے معاف کر دوگی "

لوسی - خیر - خیر - کیا تم بیٹھو گے نہین -

کلائی فورڈ - لوسی یہ میری معمولی ملاقات نہین ہے - یہ تم نے اسی سے
سمجھ لیا ہوگا کہ مین نے تخلیہ چاہا -

اسکی گہری سیاہ ساحر آنکھین سنجیدگی سے لوسی پر جمی ہوئی تھین
لوسی اسکی آنکھونکی تیزی نہ برداشت کر سکی - اس نے فوراً آنکھین
دوسری طرف پھیر لین وہ اپنی ہمت قائم رکھنے لیے کشمکش مین تھی -
وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ یہ کہنے آیا ہے کہ وہ اپنی محبت کیملی سے
لوسی پر منتقل کرنے کیلیے آمادہ ہے تو وہ اسے غلطی سے متنبہ کریگی -
اور اگر اس اثنار مین اسنے کوئی ایسی دلشکنی کی بات کہی تو وہ فوراً
اسے رخصت کر دیگی - وہ اپنی خودداری نہین کھونا چاہتی تھی -

لیکن جب کلائی فورڈ پھر بولا تو اسکے لہجہ سے جذبات
رقیقہ کی بارش نہین ہو رہی تھی - اسکا انداز اتنا ہی برودت مآب
ومتین تھا جتنا خود لوسی کا !

کلائی فورڈ - کیونکہ ہمین صرف تین منٹ ملے ہین اسلیے کسی طولانی
تمہید کی ضرورت نہین - لوسی مین یہان صرف تمہین متنبہ کرنے آیا ہون -

لوسی (تعجب سے) مجھے متنبہ کرنے !! کس بات سے ؟

کلائی فورڈ - میرے لئے یہ تم سے کہنا بہت ہی مشکل ہے لوسی پیاری
یہان اسکی برودت دفعتہً محلول ہو گئی اور شدت تاثر سے اسکی آواز مین
لرزش " لیکن اگرچہ تمھارے لیے یہ تکلیف دہ ہی کیون نہ ہو مگر مین
تمھارے کانون تک یہ پہونچا دینا اپنا فرض سمجھتا ہون - مین نے
معلوم کیا ہے کہ یہ شخص روبرٹ ہارڈ مین قابل اعتماد شخص نہین ہے!"

لوسی - (حیرت سے) مین تمھارا مفہوم نہین سمجھی -

اور اسکے دل مین یہ گزرا کہ اگر کیملی کی باتون مین نصف بھی صحت ہے
تو کلائی فورڈ کو کوئی حق حاصل نہین ہے کہ ایک ایسے شخص کیلئے یہ باتین
کہے جسے وہ جانتا بھی نہین -

کلائی فورڈ - مجھے پہلے سے اندیشہ تھا کہ تمھین ناگوار گزرے گا او
فطرتاً تمھین گزرنا بھی چاہیے - اور مین کہانیون کے ساتھ تمھارے
پاس آنا پسند نہین کرتا ہون - لیکن یہ امر اہم ہے مین تمھین متنبہ کرنا چاہتا
ہون تاکہ تم ہوشیار رہو -

لوسی - لیکن - لیکن تمھارا اس معاملہ سے کیا تعلق ہے -

کلائی فورڈ - مین تمھاری عافیت دل سے چاہتا ہون - اور چاہتا ہون
کہ تم ایک خطرناک غلطی سے بچو - مین جانتا ہون یہ شخص روبرٹ تمھارے

قابل نہین ہے اور مین یہ دیکھکر متاسف ہون کہ تمھاری پھوپھی کھلم کھلا اسکی حوصلہ افزائی کرتی ہین ۔

لوسی کہنا چاہتی تھی کہ اسے روبرٹ سے کوئی دلچسپی نہین ہے مگر غرور نے اسے باز رکھا۔

لوسی۔ اس قسم کی گفتگو سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ ایسی باتین سننا میرے لیے ناجائز ہے۔ اور اگر تم ایسی آزادی حاصل کر رہی ہو تو یہ تمھاری ناقابل معافی غلطی ہے۔

کلائی فورڈ۔ نہین لوسی۔ مین ایک پر خلوص خیرخواہ کی حیثیت سے تمھین ہشیار کر رہا ہون کہ تم اپنے "عزیزان قلب" پر اعتماد کرنے مین محتاط رہو۔

لوسی۔ تم مجھے اپنی پھوپھی سے مخالفت پر آمادہ کر رہے ہو۔

کلائی فورڈ۔ وہ روبرٹ ہے جس سے ہشیار رہنے کی مین نے خواہش کی۔

لوسی (اصلی جذبات کو چھپا کر) روبرٹ وہ میری پھوپھی کا مہمان ہے۔

کلائی فورڈ نے المناک انداز مین مستفسرانہ نگاہ سے لوسی کو دیکھا یہ محسوس کرنے کیلئے کہ روبرٹ کی برائی سے کسقدر رنج لوسی کے دل مین چوٹ لگی ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ لوسی اپنا دل روبرٹ کو دے چکی ہے۔!

اور لوسی پوری شدت کے ساتھ کلائی فورڈ کو چاہتی تھی، تاہم اسکا یہ عقیدہ پختہ تھا کہ وہ درباب محبت دغاباز ہے۔ مغالطون اور غلط فہمیون کا یہ ہیبت ناک منظر تھا۔ ان دونون کی مسرت کا انحصار دونون کے ملجانے پر تھا، لیکن دونون مین سے ایک بھی اس خلیج کو جو دفعۃً حائل ہوگئی تھی، عبور نہ کرسکتا تھا۔

کلائی فورڈ۔ (حسرت سے) تم میری اطلاع کو نظر امتنان سے نہین دیکھتین۔ مگر کسی دن دیکھوگی!

لوسی۔ تم اس بات کے کیسے متوقع ہو کہ مین تمھارا شکریہ ادا کرون۔

کلائی فورڈ۔ خیر جو کچھ مجھے کہنا تھا۔ کہہ چکا۔ اب تین منٹ گزر چکے ہین۔ مجھے جانا چاہیے۔ لیکن کیا ہم اسطرح جدا ہونگے۔

لوسی۔ اور پھر کسطرح؟"

وہ اس سے آنکھین نہ ملاسکی۔

کلائی فورڈ۔ تم مجھ سے بدگمان ہو۔ میرا انتباہ بہت بعداز وقت رہا!

اب بھی وہ کچھ نہ بولی۔ وہ کوئی مناسب بات کہنے کے لئے سوچ رہی تھی مگر نہ سوجھی۔

کلائی فورڈ نے ایک نظر اسپر ڈالی۔ گویا سابقہ انس کے کسی شائبہ شیرین کا متلاشی ہے۔ لیکن وہان ایک بھی نہ تھا۔

وہ بھاری تنفس کے ساتھ دروازہ کی طرف گامزن ہوگیا۔ لوسی نے کلائی فورڈ کو سریع و مستقل قدمون کے ساتھ بڑے کمرے مین سے گزرتے سنا۔ کوئی چیز اسکے سینے مین مضطرب تھی اور ایک ویرانی و تنہائی کا احساس —— اُس ویرانی و تنہائی کا جسکو اسنے پہلے کبھی محسوس نہ کیا تھا، اسپر مستولی ہوگیا۔ اسکے دل مین ٹیسین اٹھنے لگین۔ وہ ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھی۔ اسکے ہونٹ متحرک ہوئے "کلائی فورڈ!" لیکن لوسی کی بھرائی ہوئی آواز اس تک نہ پہونچ سکی۔ یہ بہت بعد از وقت تھی۔ گھر کا دروازہ اس شخص پر جسے وہ چاہتی تھی بند ہوچکا تھا —— اسکا صحیح اجنبی اسکی حدود حیات سے باہر جاچکا تھا —— غالباً ہمیشہ کے لیے!

دفعۃً ہارڈی مین دروازہ کے پیچھے سے برآمد ہوا، جہان وہ ان دونون کی گفتگو سننے کے واسطے پوشیدہ ہوگیا تھا۔ وہ نہایت خوشی کے ساتھ کمرہ مین آیا اور لپک کر لوسی کو حلقۂ آغوش مین کھینچ لیا "میری پیاری اب مجھے معلوم ہوا کہ تم مجھے چاہتی ہو"

لوسی۔ (اپنے تئین چھڑانے کی سعی کرتے ہوئے غصہ سے) ہرگز نہین۔ کمینے کتے مجھے چھوڑ دے۔

ہارڈمین - تمھیں چھوڑ دوں ہرگز نہیں - تم مجھے اپنا دل دے چکی ہو - مین دروازہ کے پیچھے سے سب سن رہا تھا - میری پیاری مین نے سب کچھ سن لیا - مین اس بدمعاش کیساتھ تمھیں تنہا کسطرح چھوڑ دے سکتا تھا - تم نے میرے خلاف ایک لفظ کا بھی یقین نہ کیا - تم مجھ سے محبت کرتی ہو یقیناً کرتی ہو - اس بدمعاش سے تمھارے طرز عمل نے ثابت کر دیا - لاؤ تمھارے ہونٹ چوموں -

لوسی (چھوٹ جانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے) گدھے! ملعون!!

روبرٹ - شکریہ! صرف اسلیے کہ مین جانتا ہوں' تم یہ دل سے نہین کہہ رہی ہو - اب زیادہ چھپانے کی ضرورت نہین ہے - تمھارا طرز عمل اس عیار کے ساتھ قابل تعریف تھا - تم نے پوری پوری طرح میری طرفداری کی - اور یہ میرے لیے حیرت خیز انکشاف تھا - مجھے خیال بھی نہ تھا کہ تمھیں میرے ساتھ اسقدر محبت ہے - یہ بات بتاتی ہے کہ عورتین کیسی ایکٹرس ہوتی ہین - لیکن اب تم مجھے زیادہ دھوکا نہین دے سکتین تمھین مجھ سے محبت ہے -

لوسی - (غصہ سے کانپتے ہوئے) "گدھے"! اسنے اپنے تئین چھڑا لیا "مین بتاؤنگی کہ مجھے تجھ سے کیسی محبت ہے" اور اسنے دستانے اٹھا کر اسکے منھ پر کھینچ مارے -

روبرٹ - یہ سب بناوٹی باتین ہین - مین جانتا ہوں لو اب تم مجھے پیار کرنیوالی ہو

وہ **لوسی** پر دوڑا لیکن وہ دروازے تک پہونچ چکی تھی جلدی سے اسنے دروازہ کھولا اور کھولتے ہی مس سوسن سے مقابلہ ہوا -

روبرٹ (مذاق کے لہجہ مین) اسے روک لو - ہمنے سب معاملات طے کر لیے ہین لوسی میری بیوی بننے والی ہے

لوسی - تو دیوانہ ہو گیا ہے!

روبرٹ - ہان مگر تمھاری محبت مین - اور کون کہہ سکتا ہے کہ تمھین مجھ سے محبت نہین ہے - یہ دیکھتے ہوئے کہ تم نے اس عیار کو کیسے جواب دیے مس سوسن کاش تم سنتین - اسنے میری برائی نہ سنی - اس قسم کی بیوی ایک شخص کو چاہیے' جو سامنے تو سر دھری سے پیش آئے اور پیٹھ پیچھے اتنی محبت کا اظہار کرے -

لوسی - تو پاگل ہے اور اب مین مسٹر کلائی فورڈ کا ایک ایک لفظ یقین کرنے لگی ہوں -

سوسن - لوسی اب وقت ہے جب ہمین ایک مناہمت کر لینی چاہیے - اسطرح سے کام نہین چل سکتا

لوسی - یقیناً نہین چل سکتا - مین عرصہ دراز سے یہ سوچ رہی ہوں -

سوسن - مین زیادہ بدتمیزی نہین چاہتی ہین نے اپنی خواہشات بیان کر دی ہین اور اگر تم ان پر عمل پیرا ہونیکے لیے تیار نہین ہو تو مہربانی کر کے میرے گھر سے چلی جاؤ -

سوسن (نہایت خوشی سے) تو پھر بہت اچھا آج مین چلی جاؤنگی -

انکے چہرون پر ایک نظر ڈالتے ہی لوسی نے محسوس کیا کہ اسنے انکے توقعات کے یکسر خلاف جواب دیا ہے واقعہ یہ ہے کہ خود اسکے منھ سے غیر ارادی طور پر یہ الفاظ نکل گئے تھے مگر وہ جانتی تھی کہ اپنی سلامتی کی خاطر وہان سے چلا ہی جانا چاہیے اور اس خیال مین اور تقویت ہو گئی جب اسنے مس سوسن کو روبرٹ سے سرگوشی مین کہتے سنا "اطمینان رکھو وہ نہین جائیگی وہ نہین جا سکتی ہے - کیونکہ اس کے پاس روپیہ نہین ہے"

لوسی مسکرائی بہت دیر تک اسنے اپنے تئین کمرے مین بند رکھا جہان وہ اپنا سامان باندھتی رہی اسنے ارادہ کر لیا کہ اپنے سامان کا حصہ فروخت کر کے لندن اپنے باپ والے گھر مین چلی جائے وہان ضرور کوئی ملازمت مل جائیگی - لندن مین اسکے باپ کا بہت سا سامان فروخت کرنے کو تھا - علاوہ ازین کچھ تصاویر تھین جنھین ایک متعارف گاہک منھ مانگی قیمت پر خریدیگا - رات تک لوسی جانے کیلئے تیار ہو چکی تھی لیکن رات کو جانا مناسب تھا لہذا اسنے صبح تک انتظار کیا - اس نے تھوڑی سی چائے پی لیکن کھانا چھوا تک نہین - سوسن اور روبرٹ کا طرز عمل اسدن شریفانہ رہا وہ سمجھتے تھے کہ لوسی نہ جائیگی اور دل ہی دل مین مسکرا رہے تھے -

رات بھر **لوسی** کی آنکھ نہ جھپکی - اور صبح صادق کیوقت وہ خاموشی کے ساتھ گھر سے باہر چلی گئی - صبح کی ٹرین سے سوار ہوئی اور تین گھنٹہ بعد وہ لندن مین' اپنے پرانے گھر کے پاس ایک ہوٹل مین ناشتہ کر رہی تھی -

ناشتہ سے فارغ ہو کر وہ اپنے باپ کے چند پرانے دوستون سے ملنے کیلئے متعدد مقامات پر گئی مگر معلوم ہوا کہ وہ مکان چھوڑ کر چلے گئے ہین بہت سی تبدیلیان واقع ہو گئی تھین بہت سے شناسا بھی مفقود تھے بغیر کسی خاص مقام کو پیش نظر رکھے ہوئے وہ چلی جا رہی تھی اور ان صورتون کو یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو اسکے مصور باپ کے ماڈل رہی تھی - دفعتہً اسے اگنس کا خیال آیا جو تقریباً نصف درجن مواقع پر اسکے باپ کی ماڈل رہی تھین - اس زمانہ مین لوسی بالکل بچہ تھی -

ماڈل کلب مین پہونچنے پر معلوم ہوا کہ اگنس نے شادی کر لی ہے اور قریب ہی کسی مکان مین رہتی ہے لوسی نے ادھر ہی اپنے تھکے ہوئے قدم موڑ دئے لوسی نے مکان پر پہونچکر گھنٹی بجائی اگنس نے اوپر سے جھانکا اور متذبذب انداز مین کہا "جہانتک میرا خیال کام کرتا ہے ہم

مسٹر فریزر کی بیٹی ہو۔

لوسی۔ ہان مین یہان ملازمت تلاش کرنے آئی ہون اگنس کیا تم میری مدد کروگی۔

اگنس۔ خدا کی پناہ کیا تمھارا یہ مطلب ہے کہ تم نے سب روپیہ خرچ کر دیا۔

لوسی (ادبر جاکر) کیسا روپیہ؟ والد کے مرنے کے بعد سے میرے پاس ایک حبہ بھی نہین -

اگنس لیکن مین نے اخبار مین دیکھا ہے میں نے دیکھا ہے۔ اور وہ جاکر ایک پرانا اخبار اُٹھا لائی

اگنس -(اخبار دیکر) یہ دیکھو مسٹر ونڈرٹن مختار کا پتہ! کیا تم اس سے ملی ہی نہین۔

لوسی - نہین مجھے خیال بھی نہ تھا کہ میرے والد نے کچھ چھوڑا ہے۔

اگنس - تو پھر بجائے ملازمت کے ذکر کے' تم جاؤ اور اس سے ملو' تم کارکنی کیلیے نہین بلکہ کارفرمائی کیلیے ہو دنیا دو نصف حصون مین منقسم ہے - ایک وہ جو کام کرتے ہین اور دوسرے وہ جو کام دیتے ہین اور دونون ایک دوسرے کے بغیر کچھ نہین کر سکتے"۔۔ اگنس اور لوسی دونون مختار کے پاس گئین۔ مختار نے مسکرا کر کہا اسمین کچھ شک نہین کہ تم کمسن ہو لیکن میرا خیال تھا کہ تمھین اسکے متعلق معلوم ہوگا۔ تمھاری پھوپھی متعدد بار یہان آئی اور تمھارے نام سے روپیہ مانگا۔ مگر مین نے اس سے کہدیا کہ مین تمھاری اجازت بغیر ایک حبہ بھی نہین دے سکتا

لوسی اب مین سمجھی۔

لوسی کو ایسا معلوم ہوا جیسے ایک پردہ اسکی آنکھون کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ اسکی پھوپھی اسے روبرٹ سے شادی کرنے پر کیون مجبور کر رہی تھی ۔۔ اسلیے کہ وہ باہم روپیہ تقسیم کر لین۔ اسدن جو اسنے انکی کچھ باتین سن لی تھین انکی تشریح ہو گئی - مختار نے اسکی موجودہ ضروریات کیلیے کافی روپیہ دیدیا! ور اسکی زندگی راحت کے ساتھ گزرنے لگی۔ اسکے یہ دن بہت مسرت سے گزرتے اگر اسکو ایک الم مقیم کا خار نہوتا جو ہروقت اسکے دل مین کھٹکتا رہتا تھا اسنے ایک آراستہ و پیراستہ شاندار مکان لے لیا تھا جہان وہ غم بہلانیکے لیے تفریح مین مشغول رہتی اسنے بہت سے نئے دوست پیدا کر لیے تھے وہ مفلس اور بیکار لوگون کی امداد کرتی۔ لیکن وہ چھپ چھپ کر آنسو بھی بہایا کرتی تھی - ہان محبت کے پارہ پارہ شدہ خوابون پر اشکباری بھی کیا کرتی تھی -!

موسم بہار کے ایک دن جب مطلع صاف تھا اور زمین نور آفتاب سے تابناک تھی' لوسی کا دل چاہا کہ شہر سے باہر جاکر کسی گاؤن مین مناظر فطرت سے لطف اندوز ہو

ٹرین مین بیٹھکر وہ ایک گاؤن مین گئی جو اس گاؤن سے جہان مس سوسن رہتی تھی زیادہ دور نہ تھا - اور سرسبز لہلہاتے درختون مین غرق ہو گئی - دفعتہً اسنے ایک سوار کو اپنی طرف آتے دیکھا - دوسرے لمحہ وہ گھوڑے پر سے اُترا اور باگ پکڑے پکڑے آگے بڑھا -

لوسی آخرالامر ہم پھر ملے ! "کلائی فورڈ "

اسکا نام لوسی کے منھ سے ایک آہ سرد کی طرح نکلا۔ پھر غیر معلوم طریقہ پر اسکی طرف بڑھی - اور اسکی آغوش مین تھی -

کلائی فورڈ - لوسی میرا قلب اکثر تمھین پکارا کرتا تھا۔

لوسی (کانپتے ہونٹون سے) مگر میرا خیال تھا تم کیملی سے محبت کرتے ہو۔

کلائی فورڈ (تعجب سے) کیملی!! ایسا خیال کیونکر ہو سکتا ہے -

لوسی - اسنے خود مجھ سے کہا تھا وہ تم سے منسوب ہے'

کلائی فورڈ - مین ہرگز اس سے منسوب نہ تھا - اور وہ آخری عورت ہوگی جس سے مین شادی کرون' کیونکہ وہ ایک خوفناک گروہ کی مخبر ہے -

لوسی - مخبر!

کلائی فورڈ - ہان وہ پولیس تھی جسنے مجھے غلط فہمی دی - یہ اس گھر کی کنجی تھی جسمین کیملی رہتی تھی مجھے رقص مین اس سے ملنے کا اتفاق ہوا اور اسنے مجھے اپنے گھر پر دعوت دی اسے کیا خبر تھی کہ مین خفیہ پولیس کیطرف سے متعین ہون اور ہر وقت اسکے واسطے ہتکڑی تیار رکھتا ہون۔

لوسی - یہ خبر بہت سی باتون کو واضح کرتی ہے لیکن تمنے مجھے کیملی سمجھتے ہوئے اظہار محبت کیا۔

کلائی فورڈ - مجھے بوسہ لیتے ہی اس غلطی کا احساس ہوا تھا

لوسی - تمھین مجھ سے یہ سب باتین کہنی چاہیے تھین -

کلائی فورڈ - لوسی - مین یہ تم سے کسطرح کہہ سکتا تھا' جب مین یہ سمجھتا تھا کہ روبرٹ کیطرف ملتفت ہو

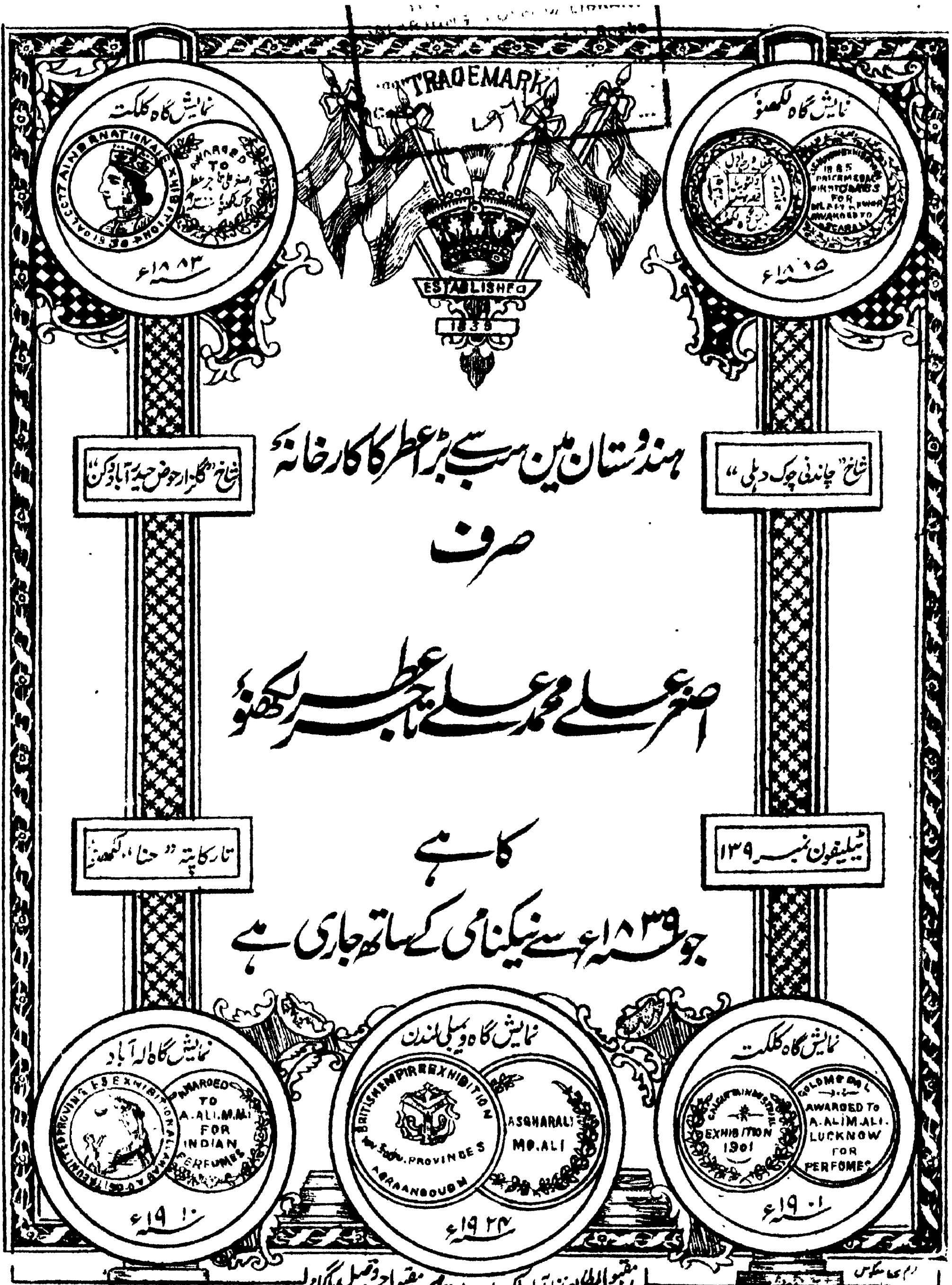
لوسی - ہرگز نہین! اور اگر تم یہ سمجھتے تھے تو پھر اسکے خلاف مجھے متنبہ کرنے کیون آئے تھے

کلائی فورڈ - کیونکہ مین نے سنا تھا کہ وہ تمھاری دولت غصب کرنے کی کوشش کر رہا ہے - اصل تو یہ تھا کہ وہ تمھاری پھوپھی سے کچھ روپیہ مانگتا تھا اور تمھاری پھوپھی نے یہ تدبیر کی کہ اسکی تم سے شادی کردے۔ سراغ رسانی کے دوران مین مختلف خبرین کانون مین پڑتی رہتی ہین -

لوسی (مسکرا کر) یہ بہت سخت کام ہے "

کلائی فورڈ - مگر اب مین اسے چھوڑ رہا ہون۔ مین اب اپنے والد کے ساتھ تجارت مین شرکت کرونگا اور اسکے ساتھ یہ امید کہ مین کسی نہ کسی دن اس لڑکی سے شادی کرنے کا میاب ہو سکونگا جسکو مین مجنونانہ طور پر چاہتا ہون ۔ اسنے لوسی کو سینہ سے لگا لیا اور پھر آہستہ سے اسکا سر پیچھے ہٹا کر اپنے ہونٹ اسکے ہونٹون پر جمادئے

رفیعی اجمیری



TRADEMARK
ESTABLISHED
1839
نمایش گاہ کلکتہ
سنہ ۱۸۸۳ء
نمایش گاہ لکھنؤ
سنہ ۱۸۸۵ء
ہندوستان مین سب سے بڑے عطر کا کارخانہ
شاخ "گلزار حوض حیدرآباد دکن"
شاخ "چاندنی چوک دہلی"
صرف
اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ
تار کا پتہ "حنا، لکھنؤ"
ٹیلیفون نمبر ۱۳۹
کا ہے
جو سنہ ۱۸۳۹ء سے نیکنامی کے ساتھ جاری ہے
نمایش گاہ الہ آباد
AWARDED TO A. ALI.M.M.ALI FOR INDIAN PERFUMES
سنہ ۱۹۱۰ء
نمایش گاہ ویمبلی لندن
BRITISH EMPIRE EXHIBITION
ASGHAR ALI MD. ALI
سنہ ۱۹۲۴ء
نمایش گاہ کلکتہ
GOLD MEDAL
EXHIBITION 1901
AWARDED TO A. ALI.M.ALI. LUCKNOW FOR PERFOMES
سنہ ۱۹۰۱ء
مطبوعہ افضل المطابع نظیر آباد لکھنؤ - باہتمام سید مقبول حسین بلگرامی

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

(عطیۂ علامہ سر اقبال)

مرقع

دار الادب لکھنؤ کا مقبول و جہان عزیز جریدہ

۱۳۴۴ھ

مرتبہ

سید مقبول حسین وصل بلگرامی

جہان مرقع تصویر محسن اوست تمام　　　　به حیرتم بہ کہ بندم دل از کہ بردارم

فہرست مضامین

دسمبر ۱۹۲۶ء

قیمت سالانہ مع محصولڈاک
پانچ روپیہ

نمونے کا پرچہ
آٹھ آنے

عرضِ حال

خدا کا شکر ہے کہ "مرقع" کا پہلا سال بخیر و خوبی ختم ہوا۔ میرا ارادہ تھا کہ معاونین اور قدردانانِ "مرقع" کا شکریہ خاص طور سے ادا کروں اور سال آئندہ کے لئے جو انتظام پیش نظر ہے اسکو پیش کروں لیکن ۵ دسمبر کو ایک تانگہ کا گھوڑا میرے پاؤں پر گر گیا جسکی وجہ سے پاؤں کے علاوہ سینہ اور کمر وغیرہ میں بھی چوٹ آئی اور ایسی چوٹ آئی کہ آج تک پلنگ پر پڑا ہوا ہوں اور اب تو اس قابل نہیں ہوں کہ چل پھر سکوں۔ خدا نے بچا لیا اور کچھ عرض نہیں کر سکتا جو کچھ لکھنا چاہتا تھا نہ لکھ سکا اور تمام منصوبے دل ہی میں رہ گئے۔ اور آج یہ حال ہے کہ نہ معلوم کس مشکل سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ تمام خط و کتابت اور تمام ضروری کام بند ہیں۔

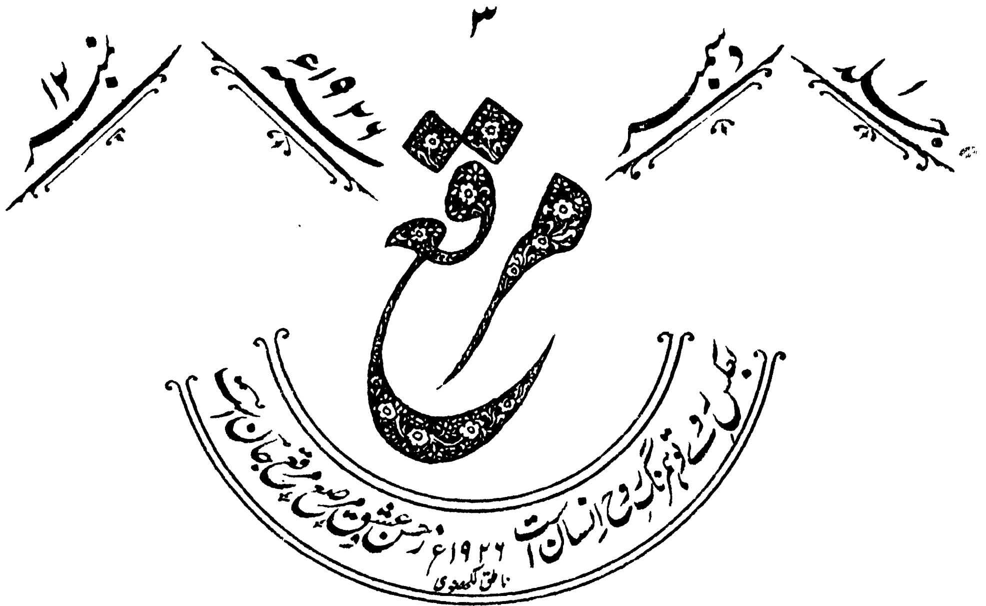
اخبار روزنامہ "ہمدم" و "حقیقت" لکھنؤ کے ذریعہ سے اسکی اطلاع اکثر اصحاب کو ہو چکی ہے۔ نہ معلوم کتنے خطوط اور تار میرے دریافت حال کے متعلق آئے۔ گو انکے جواب بھجوا دئے گئے لیکن ممکن ہے کہ ابھی کسی کا جواب باقی رہ گیا ہو۔ اور وہ خطوط جنکا تعلق خاص مرقع سے تھا انکے جوابات تو اب تک بھیجے ہی نہ جا سکے ہیں ان تمام حضرات کی ہمدردی محبت اور عیادت فرمائی کا دل سے ممنون ہوں اور جن اصحاب کی خدمت میں اس زمانہ میں انکے خطوط کے جواب نہ پہونچے ہوں انسے طالب معافی۔ امید کرتا ہوں کہ سب حضرات میری صحت کے لئے دعا فرمائینگے۔ انشاء اللہ میرے صحتیاب ہونے پر جنوری سنہ ۱۹۲۷ء کا مرقع ہر طرح سے خاص اہتمام کے ساتھ مرتب ہو کر قدردانان مرقع کی خدمت میں پیش ہوگا۔ اور جو کمی سال حال کے نمبروں میں رہ گئی ہے وہ رفع کیجائیگی۔ وصل بلگرامی

جنوری سنہ ۱۹۲۷ء
کا
مرقع

جو خاص اہتمام و انتظام کے ساتھ مرتب ہو رہا ہے

ان حضرات کی خدمت میں جنکا چندہ دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء میں ختم ہو گیا ہے بذریعہ وی۔ پی۔ روانہ ہوگا امید ہے کہ قدردانانِ "مرقع" اپنے قدیم لطف و کرم سے اسکو وصول فرما کر ممنون کرم بنائینگے اور جن حضرات کو کسی وجہ سے اسکے تامل ہو وہ قبل سے مطلع فرما دیں۔

خادم وصل بلگرامی



(افکار بسمل)

از عالیجناب مولوی سید امین الحسن صاحب رضوی بسمل موہانی

(ناظم ریاست عالیجناب معلی القاب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ)

عشق جب اشکبار ہوتا ہے — حسن خود شرمسار ہوتا ہے

کب وہ ملتے ہیں مجھسے خلوت مین — مجھپہ کب اعتبار ہوتا ہے

ہاے کیا چیز ہے جوانی بھی — موسم پُر بہار ہوتا ہے

وہ گھٹا ئین اُٹھین پلا ساقی — کس سے اب انتظار ہوتا ہے

نہین بنتی ہے کچھ بنائے سے — دل اگر بیقرار ہوتا ہے

کھول دیتا ہے میرے ضبط کا راز — دل جو تم پر نثار ہوتا ہے

گل سمجھتے ہین جس کو ظاہر بین — وہ حقیقت مین خار ہوتا ہے

پاے ساقی پہ رکھ کے سر بسمل
کس قدر افتخار ہوتا ہے

کلامِ بےنظیر

(از جناب مولانا سید بےنظیر شاہ صاحب وارثی کرّا مانکپوری)

ہوا ہی پی کے دو گل اور بھی شباب میں آگ
اگر نہیں نہ سہی ساغرِ شراب میں آگ
کہاں کباب میں ثابت ہے جو شراب میں آگ
نگاہِ ہوش رُبا برق وہ عتاب میں آگ
شرابِ سرخ ہوئی ساغرِ شراب میں آگ
اُنہیں کی گرم نظر سے لگی نقاب میں آگ
نہ پہنچی سوزِ محبت کو التہاب میں آگ
طلب پہ جام کی بھیجی پُرِ عتاب میں آگ
غضب کی آتش تر میں ہے پیئے گل کی لپٹ
ہٹی جو گردِ الم، سوزِ دل بھڑک اُٹھا
کہاں وہ گرمیِ عشق اب ہمارے ضعیفی میں
سمندِ عمر ہے تیزی سے نعل در آتش
وفورِ آہ سے کیونکر بجھے یہ شعلۂ غم
نہار ہا ہے وہ شعلہ عذار دریا میں
پڑی ہے گردِ الم سوزِ دل پہ چاہیے سرشک
وہ دل برشتہ ہوں جو ذکرِ صبحِ حشر سُنا
شرارِ غم کبھی دل سے نکل نہیں سکتا
ہمارے سوزِ محبت سے رشک ہے ایسا
رہِ طلب میں وہ آتش قدم ہیں ہم اے خضر
جوان و پیر سے کیا کام اُنکی شوخی کو
نشاطِ دل کے لئے ہم نے مُنہ لگایا تھا
دھواں ہے آہ میں بیشک مگر نہیں معلوم
نہ ہو جو سوزِ محبت تو کیا امیدِ فروغ
نہ کیوں بہار میں آتش مزاج ہو ہر رند
نہ چھیڑ خارِ بیاباں وہ گرم رو ہوں میں
ہمارے دل کی لگی کا مقابلہ کیسا
طلب ہے گردشِ دوراں سے آبِ حیواں کی
کمالِ ربط ہے یہ گرم و سردِ عالم کا
تمام رنج و مسرت ہیں اپنے ہی اعمال
غضب تھی توسنِ وحشت کی گرم جولانی

بھری تھی پھول کہ تھی شیشۂ شراب میں آگ
مجھے ہے برف بھی ساقی ترے عتاب میں آگ
کہ سرد ہو کے نہ قائم رہی کباب میں آگ
شراب آگ میں ہے اور ہے شراب میں آگ
کہاں یہ تاب ہے ہو لاکھ آفتاب میں آگ
وہ اور شعلہ مزاجی سے ہوں عتاب میں آگ
ہزار شعلہ بنی پڑ کے پیچ و تاب میں آگ
ادھر سوال میں پانی اُدھر جواب میں آگ
شراب ہے کہ بسائی ہوئی گلاب میں آگ
دبی ہوئی تھی یہ کب کی دلِ خراب میں آگ
کہ دل میں ہے لگی تو نے کچھ اور ہی شتاب میں آگ
سوار کو نہ ہو محسوس کیوں رکاب میں آگ
ہوا سے اور بھی بھڑکی ہے اضطراب میں آگ
کہ جل رہی ہے یہ دامانِ موجِ آب میں آگ
بجھا رہا ہوں میں مٹی سے اضطراب میں آگ
لگا دی رات ہی کو دفترِ حساب میں آگ
پڑی ہے آ کے مرے گھر یہ کس عذاب میں آگ
کہ جل رہا ہے جہنم تو کس حساب میں آگ
چلے تھے رکھ کے ازل سے ہی پا تراب میں آگ
لگا کے چھوڑیگی یہ تلبیسِ شیخ و شباب میں آگ
یہ کیا خبر تھی بھری ہے خمِ شراب میں آگ
کہاں سے آئی دلِ خانماں خراب میں آگ
کہ پہلے دیکھتے ہیں عشق کی جناب میں آگ
اِدھر کباب میں گرمی اِدھر شراب میں آگ
بھری ہے آبلۂ پا کے ہر حباب میں آگ
بھری ہو لاکھ جہنم میں آفتاب میں آگ
یہی بہت ہے ملے جو اِس انقلاب میں آگ
اُسی شراب میں پانی اُسی شراب میں آگ
یہی ثواب میں جنت یہی عذاب میں آگ
کہ ہر طرف تھی قدم رکھتے ہی رکاب میں آگ

حرارتِ مرضِ عشق خاک سوز نہ دے
بیانِ سوزِ جگر سُن کے کچھ نہ بن آیا
ازل میں سوزِ محبت ہی کو چُنا سب نے
چمک میں ایک ہیں دونوں مگر یہ کیا کم ہے
یہ آہِ سرد یہ گرمی شکایت ایک ہی شے میں
چلا ہوں دل پہ نئے داغ لے کے سوزِ فراق
وہی سوال عدو کا بھی ہے مگر وہ شوخ
تری نگاہ کی مستی میں یوں ہے شوخی بھی
محبت اُنکی وہی ساز میں ہے سوز میں بھی
خدا ہی خیر کرے تابِ صبحِ گلشن کی
جو مدعیِ محبت ہیں وہ جلیں گے ضرور
کسی کی حسن کی گرمی نے مجھکو پھونک دیا
اگر نہ جوش و حرارت ہوا نئے ہی دل میں
رُلا کے عشق میں دنیا جلاتی ہے دل کو
پڑا جو عکسِ رخِ آتشین ساقی کا
ترا غم اب دلِ پُر داغ و چشمِ تر سے ہو سیر
ملا ہے سازِ محبت سے سازِ بزمِ مُغاں
مجھے خیال ہوا اپنے قصۂ دل کا
نہ چھوٹے غیبتِ رندانِ باصفا ہرگز
تمہارے سوختہ دل پھر کے آئے دوزخ سے
یہ کیا جناب ہے اے سرد مہر زاہدِ خشک
یہ سوزِ دل یہ بیاں وہ کہاں سے لائیگی
غبارِ دل میں دمِ گریہ یوں ہے سوزشِ دل
نظر فریب ہے اے تشنہ کام زینتِ دہر
اب اپنے نالوں سے دیپک کے راگ پیدا ہیں
نہ چوم دستِ حنائی کسی کے تو اے شیخ
نگاہِ مست میں قہر آنکھ سرخ غصے سے
بہارِ نشو و نمائے گلستان ہے مستی میں

کہ پھول بھی نظر آتے ہیں مجھکو خواب میں آگ
تو اُس نے رکھدی زبان پر مری جواب میں آگ
سرے پہ درج تھی ہر فردِ انتخاب میں آگ
کہ جام میں ہے شراب اور آفتاب میں آگ
کہیں ہے آگ میں پانی کہیں ہے آب میں آگ
سُنا ہے ہوتی ہے گلزارِ اُس جناب میں آگ
کہیں جواب میں پانی کہیں جواب میں آگ
مزاج ہو کے ہے جس طرح شراب میں آگ
مگر سکون میں پانی ہے اضطراب میں آگ
کہ عندلیبِ چمن دیکھتی ہے خواب میں آگ
بہت ہی سنتے ہیں اِس عاشقی کے باب میں آگ
چھپی تھی پردۂ انوار کے حجاب میں آگ
نہ ہے کباب میں گرمی نہ ہو شراب میں آگ
یہ پیر قحبہ لگاتی ہے دل کے آب میں آگ
لگا دی شعلۂ مے نے دلِ خراب میں آگ
کہ دو کٹوروں میں پانی ہے اک قاب میں آگ
یہ سوزِ دل ہے نہیں نغمۂ رباب میں آگ
لکھی ہوئی نظر آئی جہاں کتاب میں آگ
ملیگی تجھکو بھی واعظ بہت ثواب میں آگ
نظر پڑی نہ اُنہیں ایک دن عذاب میں آگ
نہ اِس جناب میں پانی نہ اِس جناب میں آگ
زبان اپنی نہ کھولے مرے جواب میں آگ
کہ جس طرح ہو نہاں دامنِ سحاب میں آگ
بھری ہے ساری جدائی کی اس کتاب میں آگ
نہ رہ سکی لبِ خاموش کے حجاب میں آگ
لگا نہ دیں یہ تری ریش بے خضاب میں آگ
بنی ہے برقِ غضب ڈوب کر شراب میں آگ
بنی ہے پھول مرے دامنِ شباب میں آگ

تپِ فراق میں جلتا ہوں بےنظیر مگر
بجھے گی جا کے یہ درگاہِ بو تراب میں آگ

جذبات شعر کا اظہار

(از جناب مولنا آغا اشہر لکھنوی)

جذبات انسانی کی مختلف کیفیات کے اظہار کے لیے قدرت کی طرف سے بہت سے ذرائع یا قوتین عطا ہوئی ہین جنسے انسان مناسب موقع کام لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اُن کے محل استعمال کے ادراک سے قاصر ہے تو وہ کبھی اپنے کسی جذبے کو کماحقہ ظاہر نہین کر سکتا مثلاً کسی ایسے شخص کے سامنے ایک گھڑی کے پرزے کھول کے رکھ دیے جائین جو بالکل اس فن سے نابلد ہو تو وہ کبھی گھڑی کو اس قابل نہین بنا سکتا جو وقت بتانے کے لائق ہو سکے اسی طرح ایک جاہل کیفیات باوجود اپنی انتہائی کوشش کے دوسرون پر اپنے سچے جذبات کا اثر نہین ڈال سکتا برخلاف اسکے ایک ایسا مقرر، نثار، ناظم۔ یا شاعر۔ جسکو صحیح احساسات کی خداداد قوتون سے لاگ ہو۔ اپنے ہر لفظ کے ذریعہ سے اُن جذبات کی سچی تصویرین پیش کرسکتا ہے جو سننے والون کے دلون مین اُسکے حسب دلخواہ اثر پیدا کردین۔ ایسے ہی لوگ جلسون کی جان۔ قومی عزت کے ارکان محفل شعر کے نقاد و بیان کہلاتے ہین چنانچہ فردوسی ہند۔ انیس مرحوم بھی اسی فطرتی درسگاہ سے اظہار جذبات کا ایک معتدبہ حصہ اپنے ساتھ لائے تھے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ سننے والون کا بیان ہے بلکہ تذکرون سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مصرع کو ایک خاص ادا سے پڑھتے تھے جس سے خیال کی تصویر آنکھون کے سامنے کھنچ جاتی تھی۔

اظہار جذبات کی قوت فطرت نے پہلے معجزے کی صورت مین ایک نبی کو عنایت فرمائی جسکو ہم "لحن داودی" کے نام سے تعبیر کرتے ہین۔ اس طرز ادا یا لحن کا اثر انسانی دلون ہی تک محدود نہ تھا بلکہ حیوانات جو عقل سے عاری ہین اُس سے اثر پذیر ہوتے تھے علاوہ اسکے اگر جذبہ اعتقاد کو صرف کرکے لکھا جائے تو بہتے ہوئے دریا اپنی روانی بھول جاتے تھے۔ ہوا کی جنبش نرم ہو جاتی تھی سنسان جنگلون مین جان پڑ جاتی تھی۔ معلوم ہوا کہ انسان مین ایک ایسی قوت موجود ہے جسکا کمال ایک نبی کیلئے باعث ناز تھا جب سے بنی نوع انسان کو اپنی زبان و قلم سے کام لینا پڑا۔ اُسوقت سے اس دور جدید تک (فن موسیقی سے قطع نظر کرتے ہوئے) کوئی ایسا قاعدہ خاص نہ تھا جس سے ہر فرد کو عام احساسات کے ادا کرنے کا اصول سکھایا جاتا۔ زمانۂ قدیم مین صرف فطرتی اندازہ اُن لوگون کا سچا رہنما ہوتا تھا۔ مگر جب سے یورپ کی عملی ترقی نے تمدن انسانی کو ایک نئی رفتار پر لگا دیا اُسوقت سے دوسری ایجادات کی فہرست مین یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہو گئی وہان کے فطرت شناس فاضلون نے اظہار جذبات کے اصول بھی قائم کر دیے۔ چنانچہ آج یورپ مین اس قسم کی درسگاہین موجود ہین جہان تقریر کرنے کے اصول مجمع پر اثر ڈالنے کے طریقے۔ تقریر کو نرم یا گرم بنانے کی ترکیبین اور آواز کا اتار چڑھاؤ باقاعدہ سکھایا جاتا ہے۔ الفاظ کی طرز ادا کی نسبت۔ یا آواز کو مختلف طور سے نکالنے یا اسکو مفرح فرحت اثر یا غم انگیز بنانے کے متعلق جو انھون نے ایجاد کئے ہین اُن کو وہی شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے جو ذاتی تجربہ رکھتا ہو۔ ایک موقع پر مین جناب حامد علیخان صاحب بیرسٹر مغفور کی صحبت مین موجود تھا غزل خوانی کے متعلق گفتگو ہونے لگی مرحوم نے فرمایا کہ وہ لندن مین کچھ دنون ایک ایسے اسکول مین تعلیم پا چکے تھے جہان اس فن کی باقاعدہ تعلیم دیجاتی ہے۔ اور جہان مقررین یا وکالت پیشہ اصحاب کو تعلیم حاصل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

یہان اظہار جذبات کے اور اقسام سے قطع نظر کرکے صرف شعر کے قائم کردہ جذبات اور اُن کے اظہار کے مختلف طریقون سے بحث کرنا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شاعر نظم شعر کے وقت اپنی انتہائی قوت اُس کوشش مین صرف کرتا ہے کہ وہ شعر کو ایسے الفاظ سے مزین کرے جو اُسکے خیال کی سچی تصویر سامعین کے سامنے پیش کردین۔ جب یہ مرحلہ طے ہو چکتا ہے تو اس کو ایک اور دقت محسوس ہوتی ہے۔ جو میری رائے مین پہلے سے زیادہ اہم ہوتی ہے وہ کیا؟ وہ مناسب آواز سے الفاظ یا شعر کا ادا کرنا (یون تو روزانہ تجربات کرنے مین اگر الفاظ کو مناسب آواز سے ادا نہ کیا جائے تو سننے والا اکتا جائے یہان صرف شعر کی طرز ادا سے بحث ہے) یہی آخر الذکر مشکل ایسی ہوتی ہے جس سے بیشتر مجبور ہو جاتے ہین۔ کیا چارہ۔ عمدہ سے عمدہ اشعار جو اُن کے لیے مایۂ ناز ہو سکتے ہین سامعین سے خاطر خواہ داد نہین لے سکتے اگرچہ نکتہ رس ناظرین اُن اشعار کی خوبیان اُس نظر سے دیکھ لیتے ہین جس سے اُنھون نے اچھی طرح ادا ہونے کی حالت مین دیکھا ہوتا۔ مگر کیا اُس سے عوام شعرا خاطر خواہ مطمئن ہو سکتے ہین؟ کبھی نہین خواص کا ذکر نہین عوام تو یہ چاہتے ہین کہ جب وہ پڑھین طرف سے

واہ۔ واہ کی صدائیں بلند ہو جائیں بلکہ بیشتر شعرا کی غزل گوئی سے صرف یہ غرض ہوتی ہے کہ کچھ نہیں تو دربار نظم کچھ اُن کی تفریح خاطر ہو خیر چونکہ یہاں ایسے حضرات کے متعلق کچھ لکھنا ضروری نہیں لہذا یہ بحث نظر انداز کیا جاتا ہے۔

رنگ تغزل کی طرح مختلف زمانوں میں غزل خوانی کے طریقے بھی بدلتے گئے۔ اور بدلتے جاتے ہیں۔ ایرانی شعراء سے بحث نہیں۔ کیونکہ حضرات آل لحن کے پابند پہلے ہی تھے۔ سنا جاتا ہے کہ میر تقی علیہ الرحمۃ کے زمانے میں شعر کو طرز گفتگو کی طرح ادا کیا جاتا تھا اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ ہمارے قابل احترام پیش رو تکلفات سے آشنا نہ تھے جیسی وضع تھی ویسی ہی ادا جہاں بات بات پر نازک مزاجی جوش میں آ جاتی تھی وہاں بیباکی کا دخل کیونکر ہو سکتا تھا۔ بناوٹ کا اظہار بڑی جرأت کا کام ہے لیکن سادے سے سادہ طریقہ ادا کیوں نہ ہو جب بھی آواز کو متفرق طریقوں سے کم یا زیادہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ الفاظ کو کشش کے ساتھ ادا کرنا بھی اثر سے خالی نہیں میر درد مرحوم کے متعلق یہ سنا جاتا ہے کہ وہ ہر مصرع کو عملاً ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے یعنی اگر کسی شعر میں بسمل ہو جانے کا مضمون ہوتا تھا تو فرش مشاعرہ زمین قتلگاہ بن جاتی تھی یعنی لوٹ جاتے تھے لیکن یہ طرز کسی کو پسند آئی۔ اور اکثر مضحکہ آمیز نظروں سے دیکھی گئی۔

میر چونکہ سادہ پڑھتے تھے دوسرے شعراء نے بھی انھیں کی پیروی کی۔ اول تو اس وجہ سے کہ وہ استاد وقت تھے دوسرے یہ کہ ہمیشہ ایک نامور شخص کے اطوار کی عوام پیروی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں (اسکی توثیق ایک ایسے شخص سے ہوئی جس نے میر کلو عرش خلف میر تقی مرحوم کو یہ کہتے سنا تھا کہ وہ سادہ آواز اور کشش الفاظ کے ساتھ اشعار کو ادا کرتے تھے)

غالب کیونکر غزل پڑھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ زبان فارسی کے مستند فاضل تھے اور اس زبان کی ترکیبوں کے دلدادہ۔ لہذا زور خیال اور شکوہ الفاظ شاعر کو مجبور کرتا ہے کہ وہ آواز پر ایک خاص زور ڈال کے ادا کرے۔ مرزا صاحب بھی ایک خاص لہجے سے شعر پڑھتے ہونگے جس میں کچھ حصہ جوش آلود آواز کا اور کچھ حصہ شکوہ الفاظ ظاہر کرنے والی آواز کا شامل ہوتا ہوگا۔

سودا۔ کی شعر خوانی بھی اسی طرز سے ملتی جلتی ہوگی۔ مگر غزلخوانی اور قصیدہ خوانی میں انھوں نے کچھ فرق رکھا ہوگا کیونکہ جس طرح کہا جاتا ہے کہ شعر کی ہر صنف کو ایک خاص بحر سے علاقہ ہے اسی طرح شعر کے مختلف اصناف بھی علیحدہ علیحدہ طرز سے ادا کیے جانے چاہئیں۔

ذوق۔ چونکہ غزل میں سادہ گوئی اور محاورہ بندی کے استاد تھے لہذا اُن کو الفاظ پر ناگوار زور دینے کی ضرورت نہ تھی جیسی سادی بندش تھی ویسی ہی خواندگی بھی شگفتہ ہوگی۔ مگر اُن کے جزیل قصائد بے شک کسی خاص طرز ادا کے پابند ہونگے۔ ذوق مرحوم تک طرز شعر خوانی میں کوئی خاص بڑا تغیر پیدا نہ ہوا ہوگا جس طرح اساتذہ کو لوگ پڑھتے دیکھتے ہونگے اسی طرح خود بھی پڑھتے ہونگے

مومن۔ اُنکے حالات بتاتے ہیں کہ متانت سے شعر پڑھتے ہونگے لیکن کبھی کبھی طرز ادا سے شوخی اور بیباکی کی جھلک بھی پیدا ہو جاتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی میں انھوں نے بہت چلبلے انداز سے معاملات کو نظم کیا ہے

آتش۔ بانکے تو تھے ہی غزل خوانی میں بھی بانکپن ہاتھ سے نہ جانے دیتے ہونگے اور چونکہ کلام میں سوز و گداز ہوتا تھا لہذا ایک خاص اثر کرنیوالی آواز سے گا لیتے ہونگے جو سامعین کے مست کر دینے کیلئے سحر کا کام کرتی ہوگی سنا ہے کہ اکثر پڑھتے پڑھتے خود بھی کیف وجدانی طاری ہو جاتا تھا۔

ناسخ۔ جب کسی کا پایہ امتیاز نگاہوں میں بلند ہو جاتا ہے تو اسکا معمولی سے معمولی خیال ادنیٰ سے ادنیٰ انداز کلام پسندیدہ نظروں سے دیکھا جانے لگتا ہے شیخ صاحب ہرگز ہرگز کسی دلفریب طرز کے پابند نہ ہونگے ہاں اُن کے لہجے میں ایک ایسی دلربائی پائی جاتی ہوگی جس سے شان اُستادی کا اظہار ہوتا ہوگا کیونکہ وہ ورزش کے عادی تھے جسم میں کس بل ہو جو تھا اُنکے لیے مشاعرہ میں صحیح معنوں کا اکھاڑا ہوتا ہوگا۔ اُنکے اور آتش کے شاگردوں میں جوڑ پڑتے ہونگے کبھی یہ چت ہوا کبھی وہ گرا ایک عجیب لطف ہوتا ہوگا شیخ صاحب کے تمام تلامذہ ادائے شعر میں بلا کم و کاست اپنے استاد کے پیرو تھے۔

داغ نے جو جدت شعر میں پیدا کی اور جس خوبی سے محاورات کو نظم کیا ہے زمانہ جانتا ہے کہ ایسے انوکھے کلام کیلئے ایک خاص طرز ادا کی بھی ضرورت لاحق ہوئی۔ خود مرزا صاحب کو یہ بات محسوس ہوئی ہوگی لہذا اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس مقبول عام شاعر نے غزل خوانی کی بھی ایک طبع زاد طرز نکال لی۔ دہلی اور اس کے اطراف میں انھیں کا زمانہ طرز شعر خوانی کے بدلنے کی تاریخ ہے قریب قریب جناب داغ کے تمام شاگرد انھیں کی طرز پر پڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ بیخود دہلوی۔ نجم مرحوم۔ شاعر دہلوی۔ بیتاب۔ نوح ناروی۔ باغ سنبھلی۔ آغا شاعر دہلوی نے اپنے استاد کے تخیل اور طرز ادا میں حد درجہ کامیابی حاصل کی ہے جناب سائل دہلوی کے علاوہ دہلی اور مضافات دہلی کے بیشتر شعرا جناب داغ کے رنگ میں کہتے اور پڑھتے ہیں۔

منیر۔ امیر۔ جلال۔ آخر الذکر دونوں صاحبوں کے پڑھنے کا رنگ گو داغ مرحوم کا سا تو نہ تھا مگر مضامین چونکہ اس قسم کے ہوتے تھے لہذا طرز ادا بھی بیباکی پا جاتی تھی۔ جلال مرحوم

کو مین نے خود سنا ہے بہت بیباکی اور شوخی سے پڑھتے تھے۔ کوئی خاص بات تھی۔
منیر مرحوم بیشک الفاظ کو کشش کے ساتھ ادا کرتے تھے اور پڑھنے مین روانی اور زور تھا۔
یزدانی و بیان میرٹھی ایک مرتبہ مرحوم کے نامی گرامی شاگرد ضمیم مرحوم بلند شہری
سے مین نے اُن کی طرز شعر خوانی کے متعلق کچھ پوچھا تو انھون نے کہا کہ اُستاد مرحوم الفاظ پر
بہت زور دیکے پڑھتے تھے اور آواز سے بھی ایک خاص جذب کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔
اُس کے بعد ضمیم مرحوم نے اُس رنگ مین ایک شعر پڑھ کے سنایا سو واقعی بہت شیلی طرز ادا تھی
جہان تک خیال کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ خواندگی شعر کے طریقے مین دور آخر کے
شعرا یعنی داغ۔ امیر۔ جلال وغیرہم کے بعد سے تغیر کی بنا پڑی۔ یہ تغیر کیون ہوا؟ وجہ یہ ہے
کہ زمانہ ہمیشہ کا جدت پسند ہے اور خصوصاً دور حاضرہ۔ دور جدید کے سخن گویون نے
جہان شعر گوئی کی موجودہ روش اختیار کی وہان متروک الفاظ کے ساتھ پرانی طرز ادا کو
بھی متروکات کی فہرست مین لکھ لیا۔ دوسرے یہ کہ ہر شاعر کو پہلے اعتبار پیدا کرنے کی
ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا ضرور ہوا کہ وہ طریقہ اختیار کیا جائے جس سے سامعین پر اثر پڑے
اچھی آواز یا الفاظ کا ایک دوسرے سے مناسب لہجے مین تعلق ایسی چیزین ہین جو
قوت سامعہ پر فوراً اثر کرتی ہین۔ لہذا پہلے اس طرف ان لوگون نے توجہ کی جو باوجود
خوش گو ہونے کے آواز مین بھی تھوڑا سا گداز رکھتے تھے۔ جب دنیائے شاعری کے اور
نونہالون نے شعر خوانی کے اس نئے جادے کو دیکھا تو اُن کے قدم بھی ڈگمگائے حتی کہ
اب ہر ایسا شاعر جو دو مصرعے کہہ لیتا ہو کسی نہ کسی طرح بدقت یا بسہولت اس رنگ
غزل سرائی کی طرف اپنے آپ کو کھینچ لیتا ہے۔ گو چند نفوس مثال کے لئے ایسے بھی ملتے ہین
جو لحن کے پابند نہین بلکہ صرف حرکات یا (Motion) سے کام
لیتے ہین بہرحال کسی نہ کسی پہلو سے اُس مین بھی نئے رنگ کی جھلک ضرور پیدا ہو جاتی
ہے۔ آخر الذکر اصحاب مین آغا شاعر دہلوی ہین جو شعر پڑھنے کے وقت حرکات سے کام لیتے ہین
لکھنؤ مین شعر خوانی کو نیا جامہ پہنانے کے موجد موجودہ شعرا ہین گو کچھ دنون قبل جناب
مشتاق اور جناب مظہر مرحوم اس صنف کے بہترین افراد مین شمار ہوتے تھے میری ذاتی
رائے ہے خواہ اور حضرات اس سے متفق نہ ہون کہ حضرات لکھنؤ کو فطرت نے
اس معاملے مین کچھ زیادہ ذکاوت بخشی ہے۔ یون تو جہانتک اُن کی رسائی طبع کام
دیتی ہے ہر چیز مین ایجادات کی شاخین لگا دیتے ہین۔ کسی ایک شاعر نے
شعر کو روش مقررہ سے ہٹ کے ادا کیا ہوگا پھر کیا تھا ہر شاعر نے اپنی ایک نئی دھن
نکال لی ہوگی جو کم از کم اُس کے شاگردون یا دوستون کے حلقون مین مقبولیت کی
نظرون سے دیکھی گئی ہوگی۔ وہی رفتہ رفتہ اس حد تک پہونچ گئی کہ آج ہم دیکھتے
ہین کہ ہر شاعر اپنی طرز ادا کے نئے سوز و ساز کے ساتھ محفل مشاعرہ مین غزل سرا
نظر آتا ہے۔ اس قسم کی شعر خوانی نے لکھنؤ اور اُس کے اطراف ہی مین نہین بلکہ دور
دور اپنا تقلیدی اثر پھیلا دیا ہے۔ شاید اس امر مین دہلی کے مقلد کم نکلین گے
اور لکھنؤ کے زیادہ۔ بعض بعض طرزین تو ایسی ہین جنمین موسیقی کی اچھی خاصی کن
پائی جاتی ہے۔ موجودہ شعرائے اُردو مین حضرات ذیل غزلگوئی و غزل خوانی مین خاص
طور سے قابل ذکر ہین ۔

ڈاکٹر اقبال۔ متانت ظاہری کے ساتھ آواز بھی متین ہے اگرچہ بہت خوش
لحن نہین ہین مگر الفاظ سامعہ نواز ضرور ہوتے ہین۔ الفاظ کی طرز ادا مین حرکات
کی خاص جھلک پائی جاتی ہے۔ اجزائے لفظ کے اُتار چڑھاؤ کا لحاظ رکھتے ہین
جس طرح اُن کی فکر لطیف سطح معمولی سے بہت بلند اور جدا ہے۔ اسی طرح اُن کا طریقۂ
ادائے شعر بھی مردانہ اور انوکھا ہے۔

جناب سائل دہلوی۔ بہت سنبھل کے اور بہت سدھار کے شعر پڑھتے ہین اگرچہ
آواز مین نرمی نہین ہے مگر طرز ادا مین ایک شگفتگی ہے جو بے انتہا بھلی معلوم
ہوتی ہے۔ اس سن و سال مین اور اس طرح شعر کا ادا کرنا انھین کا حصہ ہے۔

جناب ریاض خیر آبادی۔ طرز ادا نہایت شگفتہ۔ زبان سے الفاظ نہایت صاف
ادا ہوتے ہین مشق کلام کے ساتھ مشق شعر خوانی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

جناب مضطر خیر آبادی۔ طبیعت چلبلے مضامین کی طرف مائل ہے۔ طرز ادا
بھی بہت سلجھا ہوا اور کچھ ترنم کے ساتھ۔ مذاق سخن وہی ہے جو داغ مرحوم کا
تھا۔ یعنی معاملات کی صفائی اور محاورات کی بندش ۔

جناب صفی لکھنوی۔ (Movement) یا حرکات اعضا کے
پابند ہین۔ اس کے ساتھ آواز کا اُتار چڑھاؤ۔ الفاظ کا مناسب شش کے ساتھ ملنا
پھر بے اختیارانہ ادا۔ یہ سب امور شعر کو تاثیر کا نیا جامہ پہنا دیتے ہین۔ میری رائے
مین بے انتہا غرق مضامین ہو کے غزل پڑھتے ہین۔ بعض اوقات شعر کو دلی قوت سے

کھینچ کے پڑھ دیتے ہین کہ ایک سمان پیش نظر ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب کوئی قومی نظم پڑھتے ہون تو جذبات سے خود متاثر ہونے کا بہتر ثبوت ملتا ہے۔

جناب ثاقب لکھنوی۔ کسی لحن کے پابند نہین مگر حرکات سے کام لیتے ہین اور چونکہ آواز مین فطرتاً نرمی بھی نہین ہے اسوجہ سے لحن سے پاک ایک خاص لہجہ اختیار کر لیا ہے۔ ممکن نہین کہ سامع پر اثر نہ پڑے۔ اول تو اُن کا زور تخیل دوسرے خود شعر کی تصویر بن جانا یہ دونون باتین ثاقب کے شعر کو پسند کا بہترین موقع دیتی ہین۔ حالت محویت مین سر و گردن کو ایک خاص حرکت دیتے ہین جو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

جناب ناطق لکھنوی۔ شعر کو ایک خاص متانت آمیز لحن سے ادا کرتے ہین جس سے قوت خیال کا اثر زیادہ ہو جاتا ہے بہت با حواس طرز ادا ہے۔

جناب عزیز لکھنوی۔ فطرتاً خوش آواز واقع ہوے ہین۔ اُن کی طرز ادا کو لحن سے تعبیر کر سکتے ہین۔ اس وجہ سے کہ ایرانی لہجہ کی جھلک پائی جاتی ہے کبھی کبھی بڑے جوش مین اور متاثر ہو کے پڑھتے ہین۔ شعر کے مصرع آخر کے لفظ کو ادا کرتے وقت آواز کو تھوڑی سی حرکت دیدیتے ہین جو شعر کو اور خوش آیند بنا دیتی ہے۔

جناب محشر لکھنوی انکی شعر خوانی کا رنگ سب سے علحدہ ہے نہ تو اسکو لحن ہی کہہ سکتے ہین نہ طرز سادہ واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب مصرع کے تین حصون کو بہت ٹھہر ٹھہر کے ادا کرتے ہین اور ایک خفیف وقفے کے بعد باقی حصہ جلدی سے ادا کر دیتے ہین اور یہ طرز ادا اُنھین کے لیے مخصوص ہے۔ اتباع بھی گویا کہ نہین ہوا۔

جناب بہار لکھنوی۔ بہت صاف پڑھتے ہین۔ الفاظ نہایت سادگی اور صفائی سے ادا ہوتے ہین۔ طرز ادا بہت مہذب۔ نوجوانون کے حلقۂ شعر مین چند افراد بحیثیت زبان و طرز ادا نہایت مقبول ہین اور جن کے متعلق لوگون کا خیال ہے کہ آیندہ اور زیادہ ترقی کرینگے۔ سراج صاحب شمس صاحب۔ قدیر صاحب منظر صاحب۔ گہر صاحب سحر صاحب۔ امین صاحب سلونوی مشاعرون کی گرمی وقت کے باعث ہو جاتے ہین۔

جناب اثر لکھنوی۔ اُن کا شعر بیشتر ترکیبات فارسی کا محل صرف ہوتا ہے لہذا ضرورت تھی کہ واضح طریقے سے ادا ہو۔ اس طرح پڑھتے ہین گویا باتین کر رہے ہین۔ نہ آواز مین نہ لہجے مین تغیر۔

جناب یاس عظیم آبادی۔ مرزا صاحب کی طرز ادا جو خود اُنکی طبعزاد ہے شعر کو ایک خاص شکل مین پیش کرتی ہے چونکہ آتش مغفور کی پیروی مضامین غزل مین ہوتی ہے لہذا انکی خوانندگی بھی ایک خاص طرز چاہتی ہے آواز کو سوز و ساز سے ایک قدرتی لگاؤ ہے دل بھی درد آشنا پایا ہے شعر پڑھتے وقت چہرے سے ایک کیفیت کا اظہار رہتا ہے اگر موجودہ طرز غزل سرائی کو نظر استحسان سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مرزا صاحب بے مثل پڑھنے والون مین ہین۔

جناب بیخود موہانی۔ آواز قدرتاً نرم ہے۔ اردو اشعار پڑھنے کے قبل اپنے چند فارسی اشعار اپنے لحن مین پڑھتے ہین۔ شعر کے ہر لفظ مین آواز کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ کشش ہوتی ہے

جناب اصغر گونڈوی۔ مینے آپ کو ابھی تک اتفاق سے نہین سنا ہے مگر لوگون سے معلوم ہوا ہے کہ شعر کو باوجود خوش آواز نہ ہونے کے ایک لحن سے ادا کرنا چاہتے ہین۔

جناب آسی نہایت سلیقے سے شعر ادا کرتے ہین بہت متاثر ہو کے پڑھتے ہین الفاظ بہ حسن ادا ہوتے ہین مگر کسیقدر ترنم کی بھی ہے

جناب وحشت (کلکتہ) آپکے متعلق بھی کچھ لکھا جاتا مگر افسوس کہ باوجود متواتر سفر کلکتہ کے مجھے کبھی اتفاق ملاقات نہین ہوا۔ مگر جہان تک قیاس ہو سکتا ہے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک خاص متانت و شکوہ سے شعر ادا کرتے ہونگے جس سے وقعت کلام ظاہر ہوتی ہوگی اول الذکر شعرا کی طرز شعر خوانی مین جناب صفی جناب سائل جناب عزیز اور جناب یاس کی تقلید اکثر کیجاتی ہے کچھ کامیاب ہوتے ہین اور کچھ بگڑ کے ایک نئی طرز مین پڑھنے لگتے ہین۔

شعر کو ایک حد تک اثر آمیز لہجے مین پڑھنے کی مخالفت شاید کوئی نہین کریگا جہان تک جس سے ہو سکے بہتر سے بہتر طریقہ ایجاد اور اختیار کرے۔ مگر بدنما اور ناقابل فخر ہے وہ طریقہ جسمین موسیقی کا رنگ شامل ہو۔ یا بیشتر آواز کی لہر سے مصرع ادا ہون۔ اگرچہ لوگ سنتے سنتے ان طرزون کے بھی عادی ہو گئے ہین مگر مذاق صحیح رکھنے والے حضرات کی محفلون مین اس طرز کے نامناسب ہونے کا ذکر ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اسی صدی کے وسط مین یہی طریقہ ادائے شعر کا عام ہو جائے اور دنیا نظر استحسان سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ اب لوگ فطرت کی طرف زیادہ جھکنے لگے ہین۔ اور وجہ یہ پیش کیجائے کہ اظہار جذبات انسانی سے جس طرح ممکن ہو کے جب تک آواز اور گلے کی حرکات سے کام نہ لیا جائیگا کیونکر اثر پڑ سکتا ہے موسیقی اسکی مجسم مثال ہے لیکن اس طرح کی طرز ادا بھی فطرت سے مدد لینے کی حاجتمند ہے۔ کیونکہ جس شخص کی آواز پیدایشی نرم اور سُریلی نہ واقع ہو وہ کیا کر سکتا ہے۔

نفس کی فریب کاریان

فسانہ

(ازجناب طالب باغپتی)

(۱)

کیونکر اُسکی نگہِ ناز سے جینا ہو گا
زہر دے اُسپہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا

حسن ظفر اپنے مغربی وضع کے آراستہ کمرے مین ایک کوچ پر بیٹھا ہوا ہارمونیم کی سریلی گتون کے ساتھ اس شعر کو الاپ رہا ہے اور الاپے چلا جا رہا ہے۔ اُسکا دوست مرزا سکوتِ مجسّم بنا ہوا موسیقی کے انتہائی اثرات اپنے قلب پر محسوس کر رہا ہے اور آنکھین بند کیے حسن ظفر کے سامنے ایک دوسرے سوفے پر دراز ہے۔۔۔ اس طرح کہ اگر کوئی اجنبی اُسے اس حالت مین دیکھے تو مطلق سوتا ہوا تصوّر کرے۔

حسن ظفر مرزا کی موجودگی کا احساس رکھنے کے باوجود اُسکی طرف سے بالکل بے خبر معلوم ہوتا ہے، اُسکی نگاہین کبھی چھت کی طرف، کبھی دیوارون کی جانب، بلا کسی خاص ارادے کے اُٹھتی ہین اور پھر پلٹ کر ہارمونیم کے پردون سے کھیلنے لگتی ہیں "کیونکر اُسکی نگہِ ناز سے جینا ہوگا،" اُسکے سُریلے گلے سے ہر مرتبہ ایک نئے انداز کے ساتھ نکل کر اخیر مین اس خوبصورتی سے اُس پہلی راگنی مین تبدیل ہو جاتا ہے جس کے ماتحت اُس نے گانا شروع کیا تھا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی اُسکی دلکش آواز کا ایک مخصوص درد۔۔۔ بعض اوقات تو بالکل یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ماحول کی ہر ایک چیز لرز رہی ہے، یا سینہ کے اندر کوئی خاص شے (جسے شاید طائر روح کہہ سکین) غیر ارادی طور پر تڑپ رہی ہے۔ آخر "کیونکر اُسکی نگہِ۔۔۔" محض اتنا مصرع پہلے کی بہ نسبت کسی قدر آہستگی اور وقفہ سے ادا ہوا، فضا مین گونجا اور پھر یکایک خاموشی۔"

اب نہ ہارمونیم کی ترنم ریزیان تھین نہ حسن ظفر کی دلکش نغمہ آفرینیان۔ کمرے مین یکسر سکوت تھا اور مرزا اُسی طرح محو خواب، شاید اُسکا دماغ ابھی تک گزشتہ نغمات کو بازگشت کر رہا تھا۔

جب تقریبًا دس منٹ اسی حالت مین گزر گئے تو مرزا نے یکایک آنکھین کھولین اور ہارمونیم کی طرف ایک مخصوص انداز سے دیکھکر کہا:۔

"ظفر آج تو تمنے کمال کر دیا، خدا معلوم تمھاری آواز مین وہ کونسی چیز تھی جس نے موسیقی "کا زندہ جادو" ہونا پورے طور سے ثابت کر دیا؟"

"شکریہ،" حسن ظفر نے متانت سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

مرزا۔ لیکن تم پھر بدستور خاموش ہو، آخر اس رنج و محن سے حاصل؟ مین تمسے کہہ چکا کہ "میمونہ" پر سوا تمھارے کسی کا حق نہین ہے، مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ تمھاری محبت کی قدر کرتی ہے، اس کا علم کہ اس کی والدہ (یعنی تمھاری چچی) اُسے عنقریب تمسے منسوب کرنا چاہتی ہین۔

حسن ظفر۔ یہ سب کچھ سہی لیکن دل تو کمبخت نہین مانتا،

مجھے چچا جان کی طرف سے پورا کھٹکا ہے، مرزا مین تمھین نہین بتلا سکتا کہ مین اس معاملہ مین کس قدر دہمی ہوگیا ہون کسی نے سچ کہا ہے۔
"یک عشق و ہزار بدگمانی"

"تم وہم کیا کرو، لیکن یہ ہم بتلائے دیتے ہین کہ ہے سب بیکار مجھے میمونہ سے تمھاری شادی ہونے کا اس قدر یقین ہے جسقدر سہ وقت دن کے ہونے کا، یہ تمھارا محض خیال ہے کہ اُسکے والد تمھین نہین چاہتے"

"تمھارا اسقدر یقین کے ساتھ کہنا تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمھین اس بارے مین کوئی خاص واقفیت ہے"

"جی ہان واقفیت ہے"، مرزا نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا "مجھے کل تمھارے چچازاد بھائی جمیل ملے تھے اُن سے بسبیل گفتگو معلوم ہوا کہ میمونہ کی شادی عنقریب ہونے والی ہے۔ اور چونکہ میری اُنکی کافی بے تکلفی ہے، یعنے جو کھود کھود کر دریافت کیا کہ کہان ہونے والی ہے تو اُنھون نے کچھ مبہم سے الفاظ مین یہ کہا کہ والدہ کا خیال تایا جان کے ہان کرنے کا ہے، اب تبلا یئے اسے کچھ اور معنی بھی پہنائے جا سکتے ہین؟"

"نہین، یہ تو مجھسے آج صبح خود میمونہ بھی کہتی تھی کہ والدہ جلدی کر رہی ہین، لیکن والد کچھ سوچ رہے ہین"

"تو آخر تمھین اسقدر عجلت کیون ہے؟ یہ سمجھ مین نہین آتا۔ ارے بھئی آج ہوئی تو، کل ہوئی تو شادی تمسے ہی ہوگی۔ یہ مین کہے دیتا ہون، البتہ یہ نہین کہا جا سکتا کہ شادی کے بعد بھی تم خوش رہو گے یا نہین"

"اُسکے بعد خوش نہ رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے"، حسن ظفر نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا "واللہ مین تو اپنی زندگی کی بہترین آرزو یا تمنا جو کچھ سمجھتا ہون وہ محض یہ کہ میمونہ میری اور صرف میری ہو جائے، اگر مین اس مین ناکام رہا تو مرزا تم یقین کر لو کہ میری زندگی محال ہے"۔

"یہ محض تمھارا موجودہ خیال ہے اور اس مین ہر وقت تبدیلی ممکن ہے۔ فی الحقیقت تمھین میمونہ سے محبت نہین"، مرزا نے ایک بے نیازانہ انداز سے یہ جملہ کہا اور حسن ظفر کو دیکھنے لگا۔

"آپ عجیب چیز ہین۔ مین کہتا ہون کہ اگر دنیا مین میری محبت کو محبت نہین کہہ سکتے تو پھر کسے کہسکتے ہین"

"کسی کو بھی نہین، محبت جسے صحیح معنون مین محبت کہتے ہین سچ پوچھئے تو دنیا سے مفقود ہو چکی آجکل آپ جسے محبت کہتے ہین وہ عبارت ہے درحقیقت انسان کی "ہوس رانی"، اور شباب پرستی سے ورنہ محبت تو ایک ایسے پاکیزہ جذبہ کا نام ہے جو ہجر و وصال کی کشمکشون سے متعلق ہی نہین"

"آپکا تو دماغ خراب ہوگیا ہے، مین اسوقت ایک متین موضوع (a serious topic) پر گفتگو کر رہا تھا اس مین مذاق کا کوئی پہلو نہ تھا"

"اور مذاق کیا کس نے؟"

"بہت اچھا مین اس معاملہ مین زیادہ بحث کرنا نہین چاہتا۔ مین سمجھ گیا آپ اسوقت جس حالت مین ہین، کسی نے سچ کہا ہے کہ ضرورت سے زیادہ فلسفی ہونا بھی انسان کو دین و دنیا دونون سے کھو دیتا ہے"

"شاید مین آپکو اسکا جواب دیتا، لیکن مین جانتا ہون کہ آپ ہر بات کے متعلق جو اپنی رائے قائم کر لیتے ہین اس مین کسی دوسرے کی رائے کی گنجائش ہی نہین چھوڑتے اسواسطے اس مین بحث و محض تضیع اوقات کے سوا کچھ نہین"

"استقلال کے تو آپ بھی خلاف نہ ہونگے"

"خلاف ہون بھی اور نہین بھی ہون - استقلال اُس جگہ جہان اُسکا اچھائی سے تعلق ہے میرے نزدیک اچھا ہے لیکن اُس موقع پر جس موقع پر کہ وہ بدی سے وابستہ ہے میرے خیال مین زبون ہے - فرض کیجئے ایک شخص فسق و فجور کرنے کے لئے یا کسی بے گناہ کو قتل کرنے کے لئے مستقل ارادہ کرلیتا ہے تو کیا آپ اُسکے اس استقلال کو مستحسن سمجھین گے"

"کبھی نہین، لیکن مینے تو کسی برائی کے لئے مستقل ارادہ نہین کیا"

حسن ظفر نے متانت سے سوال کیا "میرے نزدیک ایسا ہی ہے"

آپکی تو راے ہمیشہ ہی دنیا سے نرالی ہوتی ہے، اسی پر کیا انحصار ہے - خیر - - - چلئے برآمدہ مین بیٹھین، یہان تو گرمی بڑھتی جاتی ہے"

"مین اسوقت تو اجازت چاہتا ہون، ممکن ہوا تو بعد مغرب حاضر ہون گا"

"حسن ظفر نے رسمی اصرار کیا، لیکن مرزا نے معذوری ظاہر کی اور چلا گیا"

(۳)

حسن ظفر کی شادی ہوئے آج تقریبًا ایک مہینہ ہو گیا ہوگا، اس عرصہ مین اُسکی مسرتون اور شادمانیون کا اندازہ سواے میمونہ کے کون کرسکتا تھا، مختصرًا یہ سمجھ لیجئے کہ حسن ظفر اپنی دنیا کی موجودہ جنت کے مقابلہ مین فردوس کا خیال دل سے محو کرچکا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ ایک میمونہ کی موجودگی اُسکے لئے ہزار خیالی جنتون سے بالاتر ہے -

حسن ظفر اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، دولت کی اُسکے پاس کمی نہ تھی، دنیاوی تفکرات سے وہ ناآشنائے محض تھا، ہر دم اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا سامان تعیش اُسکے لئے فراہم رہتا - اُسکے ادنیٰ اشارے پر والدین اہم سے اہم بات کرنیکے لئے تیار رہتے - اس لئے اُسے کسی چیز کے لئے ضد یا اصرار کی ضرورت ہی نہ پڑی - وہ زندگی کا مفہوم محض عیش و عشرت سمجھتا اور دنیا اُس کے نزدیک نام تھا ایک مستقل طرب کدہ کا -

شادی کے بعد تو وہ بالخصوص عیش و طرب کے لئے وقف ہو گیا یا یون کہئے کہ عیش و طرب اُسکے لئے وقف ہو گئے - دن اور رات کے بیشتر گھنٹے وہ اپنے حسین پائین باغ مین "میمونہ در آغوش" گزار دیتا - اور اکثر کہا کرتا کہ "فطرت نے میمونہ کو میرے لئے اور مجھے میمونہ کے لئے تخلیق کیا ہے - اسلئے کوئی طاقت ہمین جدا نہین کرسکتی"

فطرت اُسکے اس خیال پر ہنستی اور فرشتے حیرت سے انگشت بدندان ہو جاتے -

تقریبًا ایک سال حسن ظفر نے ان ہی مسرتون اور شادمانیون مین ایسی صفائی سے گزار دئے کہ اُسکے لئے "ہر روز روز عید" کا پیغام لاتا اور "ہر شب شب برات" کا مژدہ سناتی - اس اثنا مین وہ کبھی کبھی مرزا سے بھی ملا لیکن ہمیشہ عدیم الفرصتی کی شکایت لئے ہوئے -

با این کار وہ زمانہ بھی آگیا جب رفتہ رفتہ حسن ظفر نے اپنے مشاغل مین کچھ یکسانیت MONOTONY اور اپنی تفریحات مین کسی قدر ندامت محسوس کرنا شروع کی اور بتدریج میمونہ کے پاس سے کچھ وقت نکالکر باہر کاروبار دیکھنے مین صرف کرنے لگا - یہ عین میمونہ کی مرضی کے مطابق ہوا اس لئے کہ وہ اکثر حسن ظفر سے اپنا کاروبار دیکھنے کے لئے اصرار کیا کرتی تھی - اس حد تک ہوتا تو غنیمت تھا لیکن حسن ظفر نے میمونہ کے اصرار سے ایسا نہ کیا تھا بلکہ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر جواب کچھ تبدیلی کی شائق نظر آتی تھی - وہ کچھ عرصہ کے بعد اتنا وقت باہر گزارنے لگا کہ میمونہ انتظار کرتے کرتے تھک جاتی، لیکن وہ یہ کہکر کہ "ہون گے کسی ضروری کام مین مصروف"

اکثر اپنی بدگمانی کو (جو کم از کم عورت کی فطرت ثانیہ ہے) دل سے دور کر دیتی اور پھر ایک بار انتظار کی کشمکشون مین پڑجاتی۔ ایک روز اسی طرح حسب معمول حسن ظفر باہر اپنے ملاقات کے کمرے مین بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا کہ مرزا آیا اور ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ سلام کرکے بیٹھ گیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ آج فرصت مین معلوم ہوتے ہین۔ ورنہ عدیم الفرصتی کا تو آپ کو ایک مستقل یا دائمی مرض سا ہو گیا تھا" مرزا نے تبسم بہ لب کہا۔

"جی ہان فرصت ہے بھی اور نہین بھی، اسوقت تو یونہی کچھ سوچ رہا تھا"

"تو یون کہیئے کہ آجکل آپ مصروفیت اور فرصت کی باہمی کشمکشون مین پھنسے ہوئے ہین۔ خدا کرے آپ کا فیصلہ اعتدال پسند کرے"

"اس سے آپکا کیا مطلب ہے"

"یہی کہ نہ آپ عدیم الفرصت ہی رہین اور نہ مکمل فرصت"

"مین سمجھتا واقعی آپکی شکایت حق بجانب ہے"

"آپ کچھ بھی نہین سمجھے، مجھے آپ سے نہ کبھی کوئی شکایت ہوئی ہے نہ"

"تو پھر آپ اپنے فقرے کی ذرا اور تشریح کرین"

"مین مصلحتاً زیادہ تشریح کرنا پسند نہین کرتا، صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہون کہ مین یا آپکا کوئی دوست ہرگز آپ سے اس بات کا خواہان نہین ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ وقت اُنکی صحبت مین گزارین، بلکہ آپکو اسکا تو نہین لیکن آئندہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ جیسے آپ شریک زندگی بنا چکے ہین اُسکا حق آپکے اوپر بہ نسبت دوستون کے زیادہ ہے"

"آپ کیسی اُلٹی اُلٹی باتین کر رہے ہین بیمونہ میری راحت روح ہے"

"خدا کرے یہ خیال آپکے دل مین ایک مستقل جگہ قائم کرے ایسی مستقل کہ وہ اسکے لئے مخصوص ہو جائے اسواسطے کہ جب تک آپ یہ سمجھتے ہین آپکی زندگی کو کوئی ناخوشگوار نہین بنا سکتا لیکن اگر ایک لمحہ کیلئے یہ خیال خدانخواستہ آپنے اپنے دل سے محو کر دیا تو سمجھ لیجئے کہ وہ لمحہ آپکو دنیا کی کسی چیز کے بدلے واپس نہین مل سکتا اور اُسی لمحہ سے ابتدا ہو جائیگی آپکی زندگی کی بربادی کی! اُس بربادی کی جس بربادی کا نتیجہ ایک عبرت آموز اور ناخوشگوار موت" کی صورت مین نکلتا ہے"

"نفسیات" (Psychology) کے مطالعہ نے آپکا دماغ تو مرزا صاحب کوڑی کام کا چھوڑا نہین۔ آپکے لئے تو میرے خیال مین بہتر یہ ہو کہ یا تو کسی کالج مین پروفیسری کر لین یا آجکل پیغمبری کی طرف لوگون کا زیادہ رُجحان ہے کہین باہر جا کر پیغمبری کا ہی اعلان کر دین"

"بہتر ہے مین تو پروفیسری کرونگا یا پیغمبری لیکن آپکے "ضدی مزاج"، یا "غیر مستقل استقلال" مین اصلاح کی سعی لاحاصل کرنے پھر کون آیا کریگا؟"

"مین تحریری مشورہ......"

اندر سے ایک ملازمہ آئی اور پانون کی تھالی کے ساتھ کاغذ کا ایک پرچہ چپکے سے حسن ظفر کو دیگئی۔ حسن ظفر نے مرزا سے بلا چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ پرچہ کو پڑھنا شروع کیا، پرچہ مین لکھا تھا۔

"آنکھون کی گردش سکنڈ کی سوئی، اور کانون کی ساعت
فضا کی سکون شکن آہٹون تک وقف ہو کر رہ گئین۔ پناہ بخدا!
تمھارا خیال کس درجہ بیقرار مسرت ہے!
"سچ کہنا تمنے میری صبر آزمائی کا کب سے ارادہ کر لیا ہے"

"م"

"مین تو اجازت چاہتا ہون"، مرزا نے پان کھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیون! ذرا تشریف رکھئے،"

"رسمی اصرار کی ضرورت نہین مین آپ سے پہلے عرض کرچکا ہون کہ اُنکے وقت مین میرا حصّہ نہین ہے بلکہ اگر مناسب سمجھئے تو اپنے اُس زائد وقت کے ضائع ہونیکا، جسکی وجہ میری موجودگی ہوئی، میری جانب سے بھابی صاحبہ سے افسوس بھی ظاہر کردیجئے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ معاف کردینگی۔"

یہ کہکر مرزا اُٹھ کھڑا ہوا اور حسن ظفر زنانخانہ مین داخل۔

(۳)

"آہ تم جب سے نینی تال گئے ہو، میری زندگی مین روحانی مصائب کا ایک نیا باب کھُل گیا، اندرونی تکالیف کا ایک طرفہ پہاڑ ٹوٹ پڑا خدا کے فضل وکرم سے جسمانی یا ظاہری تکلیفات سے مین ناآشنا ہون لیکن وہ نباتِ غنیمت تھین، عین راحت تھین اگر تم میرے پاس ہوتے مجھے تو تم اور محض تم درکار ہو۔"

"کاش تم میری حسیات کا اندازہ لگا سکتے!

"باور کرنا، اگر اسمین مین تصنع یا بناوٹ سے کام لیتی ہون تو خدا میرے آگے لائے، تمھارے بغیر میرے لیے رات آتی ہے لیکن اتنی بھیانک اور تاریک کہ خدا دشمن کو نہ دکھلائے، دن نکلتا ہے مگر اس درجہ بے کیف اور پھیکا کہ منہ ڈھک لینا پڑتا ہے، شام ہوتی ہے لیکن اسقدر مصائب وآلام کا مژدہ سناتی ہوئی کہ دل لرز جاتا ہے۔ غرض تمھاری میمونہ تم سے دور، خدا معلوم کس کس طرح دن کاٹ رہی ہے۔ دل بہلاؤ کی کوئی تدبیر ہے تو وہ تمھاری یاد اور گزشتہ صحبتون کا خیال جو اب محض ایک "خواب ہے" "دھندلا سا" اور ایک فسانہ ہے بھولا سا۔"

"اگر تم نہین آسکتے اور ضروری کامون کی وجہ سے وہان رُکے ہوئے ہو تو خدا کے لئے میری وہ خطا تو بتاؤ جس کی پاداش مین مجھے دوحرف بھی نہین لکھے جاتے۔ یہ بھی نہین کہا جاسکتا کہ تم اتنے مصروف ہو کہ خط تک نہین بھیج سکتے پرسون ہی تانے ابا کے پاس اور خالہ امان کے نام تمھارے خطوط آئے ہین اور سنتی ہون کہ اکثر آتے رہتے ہین۔ آہ اس سے زیادہ میری بدقسمتی، میری حرمان نصیبی اور کیا ہوگی کہ تم ناراض ہو۔ تم جسے مین اپنی مسرت سمجھتی ہون۔! تم جسے مین اپنی روح سے وابستہ پاتی ہون۔! تم جو یکسر میرا سرمایۂ عقل وہوش ہو۔!

"تم مجھسے ناخوش ہو، ناراض ہو اسکا مجھے یقین واثق ہے۔ اسے مین اُس وقت سے معلوم کرچکی ہون جسوقت تم یہان موجود تھے تمھین یاد ہوگا، ایک روز جب تم رات کو باہر سے کچھ دیر مین آئے تو مینے تمھارے مزاج کو نہ پاتے ہوئے دریافت کیا کہ اتنی رات کہان گزاری؟ تو تم خفا ہوگئے خدا معلوم مجھے کیا کیا کہا، جسے حاشا! نہ مینے یاد رکھنے کی کوشش کی نہ مجھے یاد۔ ہان اتنا ضرور یاد ہے کہ تب ہی سے تم مجھسے برہم ہوتے چلے گیے، اور تمھاری برہمی مین اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اب مجھے یہ آرزو ہے کہ تم برہم ہی رہتے لیکن رہتے تو میرے پاس اگر مجھسے ہوسکتا تو خود منا لیتی مگر تمھاری یہ سزا کہ مجھسے دور کالے کوسون جا بیٹھے واللہ ایک ایسا رنج ہے جو دن بدن روح کو تحلیل کررہا ہے۔ اس مین شبہ نہین کہ سزا دہی کا جو معیار تمنے رکھا ہے وہ باوجود اپنی تمام تر سختیون اور صبر آزمائیون کے آسان ہے

اگر تم معاف کر دیتے ہو لیکن نہ صرف دشوار ہے بلکہ بڑی حد تک
خطرناک اگر معافی نہین ملتی۔ کیا یہ ممکن نہین کہ تم خدا کیلیے
یا رسول کیلیے میری خطائین معاف کردو اور آئندہ کیلیے
اسکا عہد لیلو کہ کوئی بات خلاف مزاج نہو گی۔ یا اگر یہ بھی
نہین کر سکتے تو کم از کم ایک روز کے لیے ناراض ہی گھر چلے آؤ
پھر جیسا مجھسے ہو سکے گا عرض معروض کرونگی۔"

مکتوبہ "میمونہ"

یہ ہے وہ تحریر جو حسن ظفر نینی تال کی ایک جاذب نظر کوٹھی مین بیٹھا
ہوا البنور پڑھ رہا ہے۔ اُسکے چہرہ سے پریشانی کے آثار عیان ہین، اُس
پریشانی کے جس مین غصہ کا جزو غالب ہوتا ہے وہ بار بار منہ ہی
منہ مین کچھ کہکر خاموش ہوجاتا ہے اور تحریر کو میز کی دراز مین رکھ
دیتا ہے ۔ ۔ ۔ رکھ دیتا ہے اور پھر نکال کر پڑھنے لگتا ہے۔

آج اُسے نینی تال آئے کچھ دن کم دو مہینہ ہو چکے ہین، یہاں اُسکا
ورود گو بظاہر کسی "ضروری کام" کے سلسلے مین ہے لیکن فی الحقیقت
اُسکی وجہ غالب محض تفریح ہے اور میمونہ سے علیحدہ رہنے کی کوشش"
میمونہ کے ساتھ اب اُسکا وہ تعلق جسے وہ محبت کے نام سے موسوم کیا کرتا
تھا "نفرت" بلکہ "حقارت" کی صورت مین تبدیل ہو چکا ہے وہ
خود کو اُس سے بچانے کی کوشش مین مصروف ہے۔!

دن رات معروف اور ہر گھڑی مشغول، اُسکی بیداری کا کوئی لمحہ
ایسا گزرتا ہوگا جو اُسکے دل مین میمونہ کی طرف سے ایک تازہ نفرت
ایک طرفہ حقارت نہ پیدا کر جاتا ہو۔!

اُف ری انسانی فطرت تیری تلوّن پسندیان!

کل کی بات ہے کہ حسن ظفر اور میمونہ ایسے مرکب قالب سمجھے
جاتے تھے جن مین ایک ہی روح زندگیاں دوڑا رہی ہو۔ وہی حسن ظفر
جو کل میمونہ کو "راحت روح" اور "لذت جان" سمجھتا تھا آج وہی
حسن ظفر ہے کہ اُسے "کلفت دماغ" اور "ضغطۂ قلب" خیال
کرتا ہے!!۔

اُسکا مزاج ایک فوری تبدیلی چاہتا ہے اور بشرط امکان میمونہ
سے ایک مستقل علیحدگی بظاہر وہ ابتک خود اسے معلوم کرنے سے
قاصر ہے کہ اُسے اپنی جان نثار بیوی سے کیون نفرت ہوگئی جبکہ
وہ ہنوز اسکے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کیلیے تیار ہے!۔ اسکا
جواب حسن ظفر کے پاس کوئی نہین لیکن یہ کہ اُسے اُس سے
نفرت ہے اور رہنی چاہیے۔ ایک مستقل خیال ہے جو ہر وقت
اُسکے دماغ مین گونجا کرتا ہے۔

نینی تال مین اُس نے اپنی تفریحات کے ہزارہا سامان پیدا کرلیے
ہین یہانتک کہ اُسکا وہ مخصوص گوشۂ قلب جو کسی زمانہ مین میمونہ
کی محبت سے لبریز تھا، اُس سے نفرت ہوجانے کے بعد خالی ہی نہین
ہو گیا بلکہ اُسکی ہوس رانیون نے اُس مین ایک اور "تصویر شباب
ایک جدید" "دوشیزۂ مغرب" کو جگہ دینی شروع کردی!!

دولت ہرگز اندھی نہین ہوتی ہان اُس مین اُن لوگون کو اندھا
کر دینے کی قوت یقیناً موجود ہے جنھین "اہل دولت" کہا جاتا ہے
چنانچہ حسن ظفر کی تبدیلی مین علاوہ انسانی فطرت کے اُسکی فراوانی
دولت بھی شریک کار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے ایک معصوم دل کا
"شیشۂ نازک" توڑنے کے بعد پشیمانی نہین ہوئی بلکہ اس کی
کوشش کہ اُسے مکمل طور پر کیون نہ پیس ڈالے۔ ایک "مجسمۂ وفا"
ایک پیکر عصمت کو پامال کرنیکے بعد صبر نہ آیا بلکہ اسکی فکر کہ اپنی
سیہ کاریون کی یادگار کیون نہ قائم کیجائے! یون تو اس سے
قبل اُسے میمونہ کی ایک نہین بیسون تحریرین ملین اور اُس نے
اُنہین بلا کسی خاص توجہ کے ردّی کی ٹوکری کے حوالہ کردیا،
لیکن آج وہ ایسا نہین کر سکتا آج طرز تحریر مین اُس کے لیے

کوئی خاص ایسی کشش ضرور ہے جو بار بار مطالعہ پر مجبور کر رہی ہے غالباً وہ کسی خاص فیصلہ پر پہونچنا چاہتا ہے ۔ آخر کار اُس نے گھڑی دیکھی اور ایک لمحہ کے لئے کچھ سوچکر قلم اُٹھایا۔

"تمھارا غم و غصہ سے بھرا ہوا خط ملا۔ اس سے پہلے بھی کئی تحریرین مل چکی تھین مین تم سے دریافت کرتا ہون کہ آخر اس قسم کی لایعنی اور بیہودہ باتون سے تمھارا کیا منشا ہوا کرتا ہے، ہر ایک انسان دنیا مین تمھاری طرح بیکار پیدا نہین ہوتا۔ مین یقیناً کسی نہ کسی غرض سے یہان آیا ہون مجھے اُمید ہے کہ تم آئندہ ہرگز میرے پاس اس وضع کے فضول خطوط بھیجکر جواب کا انتظار نہ کرو گی۔ اس لئے کہ میرے پاس ان لغویات مین ضائع کرنے کے لیے وقت نہین ہے۔

"یہ تمنے قطعی درست لکھا کہ مین تمسے ناراض ہون، مین درحقیقت ناراض ہون اور ناراض رہنا چاہتا ہون عنقریب (غالباً دوسرے ہفتہ مین) دہان پہونچکر مین اس گورکھدندے کو قطعی سلجھا سکونگا"

"حسن ظفر"

لفافے مین یہ تحریر بند کرکے حسن ظفر نے ملازم کو دیدی اور خود سوٹ تبدیل کرکے کلب چلا گیا۔

(۴)

جون مین شمالی ہندوستان کی خیال سوز باد سموم اور اُسکے ساتھ نصف النہار پر پہونچ جانے والے سورج کی آتش فشانیان، زمین کی مسلسل تشنگی کے باعث شرار صفتی اور اُس پر فضا کی تمازت ریزیان گرمی کی شدت سے ہر ذی روح کی بیقراری اور اُس پر در و دیوار کی شعلہ سامانیان، خدا پناہ مین رکھے خلقت کے لیے یہ زمانہ بھی ایک "امتحان قیامت" ہوتا ہے!۔

بالکل اسی زمانہ مین اور ٹھیک اسی وقت حسن ظفر نینی تال سے ایک لمبا سفر کرنے کے بعد اپنے گھر آکر اُترا ہے۔ گھر بھر خوش ہو رہا ہے اور ہر فرد کا دل باغ باغ خصوصاً میمونہ کی خوشی شرمندۂ بیان نہین غالب کے الفاظ مین یہ کہا جا سکتا ہے کہ۔ "خمار شوق ساقی" اُسکے لیے "رستخیز اندازہ تھا" تاہم اسکا اندازہ کیا جا سکتا ہے اُسکی مسرت تو کچھ اس قسم کی تھی کہ جسکے "اندازہ" کا معیار قائم ہو سکے۔ حسن ظفر نے آکر فوراً غسل کیا اور لباس تبدیل کرکے پہلے اپنے والد کے پاس گیا اُسکے بعد اپنے چچا وغیرہ سے ملکر سیدھا اپنے سونے کے کمرے مین چلا آیا اور ہر طرف سے دروازے بند کرکے سو رہا ۔ میمونہ غریب بیکار شام تک اُس کے انتظار مین "سراپا دیدہ لبریز" بنی رہی شام کو اُٹھتے ہی حسن ظفر کلب چلا گیا وہان سے رات کو دس بجے کے قریب لوٹا تو میمونہ کی قسمت کھُلی۔ اُس نے زنانخانہ کا رُخ کیا۔

یون تو خدا معلوم کتنے قدمون کی چاپ میمونہ کو فریب انتظار مین ڈال چکی تھین یا بالفاظ دیگر یون کہیے اُسکی حسیات خوابیدہ مین بجلی دوڑا چکی تھین مگر ایکی بار اُسکی آنکھون نے دروازہ پر حسن ظفر کا خیالی نہین اصلی مجسمہ دیکھا!۔ وہ سرو قد تعظیم کو کھڑی ہو گئی، اُس نے نگاہین نیچی کرلین مگر اُنکی بیقرار مسرتون کو چھپانا اُس کے اختیار سے باہر تھا۔ کاش اس وقت حسن ظفر اُسے اپنی اُن آنکھون سے دیکھتا جن سے اُس نے محبت کی تھی تو وہ اُسے گلاب کا ایک نو دمیدہ پھول پاتا جو باوجود اپنی تمام پژمردگیون کے ایک وسیع چمنستان کی تنہا زینت ہو سکتا ہے۔ مگر قسمت کو کوئی کیا کرے، میمونہ کی زندگی مین شاید مسرت کا دَور اب ختم ہو چکا تھا اُسکا ملکوتی حسن کم از کم حسن ظفر سے خراج توجہ وصول کرنے کے ناقابل تھا۔ وہ بھوین چڑھائے اور تیوری مین بل ڈالے

ایک غصہ کے ساتھ میمونہ کی طرف سے پیٹھ پھیر کر مسہری پر بیٹھ گیا
اُس سے مخاطب ہونے مین وہ اپنی توہین سمجھتا تھا۔ کچھ دیر تو میمونہ
اُسی طرح خاموش اپنے پندار کو لیے اپنی جگہ کھڑی رہی مگر آخرکار
اُس سے ضبط نہو سکا اور وہ بلا کسی رسمی تقریب کے ظفر کے قدمون
پر جا گری۔

"حسن" مغلوب ہو چکا تھا اور اُسکے جملہ ہتھیار بیکار!

میمونہ کے جذبات خلوص مین تلاطم آگیا اور اُسکی آنکھون
سے آنسوؤن کا ایک دریا اُمنڈ پڑا، وہ "تصویر رشتۂ وفا" کی طرح
حسن ظفر کے قدمون کو مضبوط پکڑے ہوئے تھی! - اس موقع پر
اگر پتھر بھی ہوتا تو اس پیکر وفا کے نیاز پر پسیج جاتا لیکن وہ حسن ظفر
کا دل تھا جس نے مطلق اثر نہ لیا!

اُس نے ایک انداز برہمی سے اپنے پاؤن کو جھٹکا، ایک اظہار
نفرت کے ساتھ "حسن مجسم" کو ٹھکرا یا اور میمونہ کے ظرف محبت
کو بیدردی سے چور، چور کر دیا!

فطرت دیکھ رہی تھی کہ اُس نے صریحاً کفران نعمت کیا۔
آخرکار وہ خود کو میمونہ سے علیحدہ کرتے ہوئے اس طرح گرجا۔

"ان لغویات سے مجھے کوفت ہوتی ہے، مین اس قسم کے
بازاری اظہار محبت کو ناپسند کرتا ہون، تم مجھسے الگ رہو"

میمونہ کے دل پر یہ الفاظ بجلی کی طرح گرے، اُس بجلی کی طرح
جو کسی کے خرمن ہستی کو مکمل خاک سیاہ کر دینے کی قدرت رکھتی ہو
وہ نشتر کی ایک تیز خراش کی طرح یا زہر کے ایک تلخ گھونٹ کی
مانند اُسکے دل و جگر، دماغ و روح کو تڑپا گئے اور ایک ناقابل
برداشت خلش چھوڑ گیے —!

وہ ایک دم اُٹھی، مثل ایک زخمی پرندے کے، کچھ کہنا چاہا،
مثل ایک مایوس فریادی کے۔ لیکن آہ قسمت تیری ستم رانیان
"اظہار محسوسات" کے لئے اُسے "لفظ بھی" ابھی نہ ملنا تھے!!
.... مجبور وہ حسن ظفر کے سامنے اُسی طرح کھڑی رہی۔

ایکی مرتبہ حسن ظفر نے سلسلہ جنبانی کی اور کہا۔

"میمونہ مین تمسے آج کچھ خاص باتین کہنا چاہتا ہون، بشرطیکہ
تم اُنہین خاموشی کے ساتھ سننے کو تیار رہو"

وہ اُسکی مرضی معلوم کرنے کے لئے رُکا لیکن جواب نہ پاکر
پھر کہا۔

"تم نے بتلایا نہین۔ تم تیار رہو؟"

وہ بدستور خاموش رہی مگر سر کے اشارہ سے اُس نے اپنی
مرضی کا اظہار کیا۔

"بہت اچھا، تو مین تمسے یہ کہنے آیا ہون کہ میرا تمھارا نباہ
ممکن نہین، مین عنقریب دوسری شادی کرنا چاہتا ہون۔
مگر پہلے تمھین ...."

وہ جملہ ختم نہ کرنے پایا تھا کہ ہوا کا ایک تیز جھونکا لیمپ گل کر گیا
اور عین اُسی وقت اُس کے سامنے تاریکی مین کسی بھاری
چیز کے گرنے کی آواز آئی "یہ میمونہ کا بیہوش مجسمہ تھا"

اُف .... اُف !!

(۵)

حسن ظفر کا خیال اُس کے حلقۂ اعزا مین عام ہو چکا ہے،
سب جان گئے کہ وہ دوسری شادی کرنے والا ہے، لیکن کہان
اور کس سے؟ اس سے کوئی واقف نہین۔ خاندان کا خاندان
اُس کے اس خیال کا مخالف ہے مگر بیکار، وہ ہے کہ ٹس سے
مس نہین ہوتا۔

ایک روز صبح کے وقت وہ اپنے کمرے مین خاموش بیٹھا
مصروف مطالعہ تھا کہ مرزا آیا، سلام کرکے بیٹھ گیا حسن ظفر نے

کتاب میز پر رکھدی اور مزاج پرسی کے بعد کہنے لگا۔

"مرزا صاحب! آپ تو آجکل عید کا چاند بنے ہوئے ہین، کہ سر راہ کبھی مل گئے تو سلام ہو گیا ورنہ خیر سلا۔"

"جی ہان،" مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا "آپسے ملتے ہوئے آجکل ذرا خوف ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آپ ضرورت سے زیادہ خطرناک بنے ہوئے ہین،"

"خیریت! یہ "خطرناکی" کیسی؟"

"ایسی، جس کا تجزیہ محال ہے"

"کسی بنا پر"

"اس بنا پر کہ آپکو اُسکی بے پناہی کا احساس نہین،"

"آپ پھر معمون مین باتین کرنے لگے، اور میری اس سے طبیعت اُلجھتی ہے"

"بہت اچھا اگر آپکی اسطرح طبیعت اُلجھتی ہے تو مین دوسری طرح شروع کرتا ہون ..... کہئے آپکا مزاج تو اچھا ہے"

"خدا کا شکر ہے،"

"اور بیگم صاحب کا"

"وہ بھی اچھی ہین"

"کیا یہ درست ہے کہ آپ اپنی موجودہ شادی سے (جو عین آپکی مرضی کے موجب ہوئی) ناخوش ہو کر دوسری شادی کرنا چاہتے ہین؟"

"ہان یہ صحیح ہے،" حسن ظفر نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"خدا کی پناہ! - ظفر تم ایک زہریلے گیس کے چھوڑنے مین کسقدر دلیر اور بیباک واقع ہوئے ہو ..... کیا جو کچھ تمنے لاپرواہی سے کہا لفظ بہ لفظ درست ہے؟"

"مین کہہ چکا کہ قطعی درست ہے، اور جبکہ مین ایک واقعہ کا اظہار اطمینان کے ساتھ کرتا ہون تو آپ اس مین "زہریلا گیس" کیون پیدا کرتے ہین میرے خیال مین اس مسئلہ کی اہمیت یا غیر اہمیت کو مین جسقدر سمجھ سکتا ہون آپ نہین سمجھ سکتے کیونکہ میرا ذاتی تعلق ہے!"

بیشک آپکا ذاتی تعلق ہے، لیکن رونا تو یہی ہے کہ آپ جیسے غیرذی حس شخص کا ذاتی تعلق ہی کیون ہے؟ جبکہ آپکے نزدیک اُسکی کوئی اہمیت ہی نہین - مین آپکے اس خیال سے متفق ہون کہ آپ خود اسکی اہمیت یا غیر اہمیت کو جسقدر سمجھ سکتے ہین دوسرا نہین سمجھ سکتا مگر گستاخی معاف آپ سمجھے ہی تو نہین۔

حاشا مین صحیح کہتا ہون کہ آپکے یہ بیباکانہ الفاظ جنہون نے نہ معلوم کسقدر اثر کیا میمونہ کے لیے زہریلی گیس سے ہرگز کم نہین اب آپکو اسکا احساس ہے یا نہین اسکا فیصلہ آپکے الفاظ کر سکتے ہین"

"آپ خواہ مخواہ سخن پروری کیا کرتے ہین،"

"سخن پروری ہی سہی، لیکن ظفر خدا کیلئے تم اپنے ارادے سے باز آؤ نہین بلکہ اُس معصوم زندگی کی تباہی سے دست کشی ہو جس نے تمہارا کچھ بھی نہین بگاڑا"

"مین قطعی فیصلہ کر چکا ہون - اس معاملہ مین اصرار لاحاصل ہے، تم خود جانتے ہو کہ میرے استقلال کو کوئی نہین ہلا سکتا"

"ظفر! تم پتھر ہو، بلکہ مجھے کہنے دو کہ ایک خونخوار درندے جسکی خون آشامی عقل و خرد پر غلبہ پا جاتی ہے، تم سمجھ لو، اچھی طرح سمجھ لو کہ تمکو اپنے اس فعل پر یقیناً پچھتانا پڑیگا۔ کیا تمھین یاد نہین کہ مین اس سے قبل موجودہ واقعہ کے متعلق پیشین گوئی کر چکا تھا۔ کیا تم اپنے وہ الفاظ کہ "میمونہ میری راحت روح ہے" بھول گئے"

"تمھاری باتون پر مین کبھی توجہ نہین کرتا، مین تمھین ایک قسم کا دیوانہ تصور کرتا ہون"

"دیوانہ تصور کئے جاؤ لیکن میمونہ کی زندگی برباد نہ کرو"

"تمھین میرے خانگی معاملات مین دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہین ہے، مین جیسا مناسب سمجھونگا کرونگا"

"ظفر صاحب! . . . ." مرزا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ملازم نے ظفر کو ایک خط لاکر دیا جسے وہ فوراً چاک کرکے پڑھنے لگا خط انگریزی میں تحریر تھا۔

"پیارے ظفر! تمہارا ۲۹ کا لکھا ہوا خط جو اپنے ساتھ تسکین و مسرت کی دنیا لئے ہوئے تھا مل گیا میں تمہاری اس توجہ خصوصی کی بیحد ممنون ہوں بیشک تمہاری بیوی اسپر رضامند ہو گئی ہوگی کہ تم دوسری شادی کرلو لیکن یہاں عرض کرنیکی اجازت دو کہ جب تک تم اُسے طلاق نہ دوگے میں شادی کرنے پر مجبور ہوں حالانکہ خدا جانتا ہے کہ تمہارے بغیر میرا ایک ایک لمحہ کس بے لطفی اور بے کیفی کے ساتھ گزر رہا ہے۔

"میں تمسے اپنی مجبوریاں ظاہر کرچکی ہوں فیصلہ میں زرا عجلت کی ضرورت ہے اسکی وجہ تم خود سمجھ سکتے ہو۔

"بہرصورت تم اپنی بیوی سے طلاق کے بارے میں ضرور طے کرلو پیارے ظفر! تم خود ہی سوچو کہ میں اپنے اور صرف اپنے پیارے ظفر کی محبت میں کسی دوسرے کو کیونکر شریک دیکھ سکتی ہوں کیا تمنے یہ قرار نہیں کیا کہ تم میرے اور صرف میرے ہو!

"ایک خاص ضرورت کی بنا پر پانچ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے، فوراً بھیجدو۔"

تمہاری ۔ ۔ ۔ (مس) "ایوا"

حسن ظفر نے کامیابی کا ایک سانس لیا اور مرزا سے کہا "مرزا صاحب مجھے اُمید ہے کہ آپ اسوقت مجھے معاف کرینگے، میں ایک ضروری کام سے اندر جانیکی اجازت چاہتا ہوں۔"

"بشوق" مرزا نے یہ کہکر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور حسن ظفر کو ایک مایوس نظر سے دیکھ کر باہر چل دیا۔

حسن ظفر نے مرزا کے اُٹھتے ہی اپنا ضروری اسباب درست کیا، روپیہ مطلوبہ بذریعہ تار مس ایوا کو بھجوا دیا اور اپنے متعلق لکھ دیا کہ کل دوپہر کی گاڑی سے نینی تال پہونچونگا۔"

اسکے بعد ۔ ۔ آہ اسکے بعد حسن ظفر نے کیا کیا یہ نہ پوچھئے، وہ سیدھا زنانخانہ میں پہونچا اور میمونہ سے وہ الفاظ کہہ دئے جن کے سننے کیلئے ایک انسان کا کلیجہ نہیں بلکہ "پتھر کا کلیجہ" اور عورت کا دل نہیں بلکہ "شیر کا دل" چاہیئے۔ ایکی مرتبہ وہ یہ الفاظ سنکر بیہوش نہیں ہوئی بلکہ اُس پر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی حسن ظفر اُسے اسی حالت میں چھوڑ کر سیدھا اسٹیشن روانہ ہوگیا۔ اُس کے سر پر "عشق کا جن" نہیں، بوالہوسی کا بھوت سوار تھا (بیسویں صدی میں عشق کا نام لینا اس کی علانیہ توہین کرنا ہے)۔

اگلے روز صبح کو وہ نینی تال پہونچا اور ہوٹل میں آکر پہلے مس ایوا کو دریافت کیا لیکن جو کچھ اُسے معلوم ہوا وہ اُس کے سننے کے لئے تیار نہ تھا "مس ایوا گزشتہ شام نینی تال سے روانہ ہوگئی مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کہاں کو"!!

یہ وقت وہ وقت تھا جب حسن ظفر کو ہوش آیا اب حسن ظفر اپنے کو حسن ظفر سمجھ رہا تھا۔! اب اُس نے محسوس کیا کہ میمونہ واقعی پرستش کے قابل ہے! وہ فوراً دوسری گاڑی سے گھر روانہ ہوگیا لیکن وقت گزر چکا تھا، گھر پہونچکر اُسے معلوم ہوا کہ "میمونہ کا گزشتہ شام انتقال ہوچکا ہے"!!

• حسن ظفر یہ خبر سنکر کسی بے اختیار جذبہ کے ماتحت رو دیا۔

"ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا"

مگر وہ فوراً ہی ہنسا اور جسوقت وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے قہقہوں سے فضا گونج اُٹھی۔

سامنے مرزا بیٹھا تھا، اُسے دیکھ کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور ایک خوف زدہ آواز میں چیخ کر کہا "میمونہ دیکھو دیکھو، اُدھر دیکھو دنیا کی طرف ایک خوفناک تاریکی بڑھ رہی ہے"۔ ۔ ۔!

"حسن ظفر دیوانہ ہوچکا تھا"

(طالب باغپتی)

نقوش مانی

(از جناب مانی جائسی)

مقدر جہان ایک دن مجھ کو لایا　　ملی تھی جہان مجھ سے میری جوانی
وہین سے ہے آغاز دورِ تمنا　　وہین ختم تھی دنیوی زندگانی

یہ صیاد ذکرِ بہاران جو چھیڑا　　بڑی دل نوازی، بڑی مہربانی
مگر اب یہان دل بہلنے لگا تھا　　نہ تھی یاد مجھ کو چمن آشیانی

بکون مین بہت کچھ مگر فائدہ کیا　　اگر آپ واقف نہ ہوتے تو کہتا
جو ہے آپ کی عیش و عشرت کا قصا　　وہی کی وہی میرے غم کی کہانی

یہان تک بڑھی آپ کی بے وفائی　　کہ ڈالی مرے سر بلائے جدائی
مگر خیر جب یہ قیامت بھی آئی　　تو اب رہ گئی کیا مصیبت اُٹھانی

مرے منہ پہ ہان غم کے آثار ہونگے　　یہ اچھا کیا آنکھ پھیری جو تم نے
مین خود چاہتا تھا کہ میرے سبب سے　　منغص نہ ہو عشرتِ کامرانی

دلِ زار ہے اور آفت پہ آفت　　کہان ہے خدا اور تختِ عدالت
جوانی خود اپنی جگہ اک قیامت　　پھر اُس پر قیامت حسین کی جوانی

جو آثارِ الفت تھے ثابت ازل سے　　وہ اے بیوفا تو نے باطل دکھائے
گلہ تجھ سے کیا ہو، دعا ہے خدا سے　　کہ یارب مجھے موت دے ناگہانی

مبارک ہو اے طالبِ دید موسیٰ　　ضرور آپکو آج دیدار ہوگا
یہ ہے نازیعنی نوازش کا وعدہ　　سمجھئے زرا معنیٔ لن ترانی

سناؤن کسے آہ غم کا فسانا　　اِدھر کا اُدھر ہو گیا ہے زمانا
ہے فرصت اگر اور ہو ظلم ڈھانا　　غنیمت سمجھیے کہ زندہ ہے مانی

مانی - جائسی

"لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ"

مین فدائے کی یا جو عوض کسرۂ اضافت ہے۔ بحالت اشباع ایک سے دو ہو جائیگی اور تقطیع مین ہم فدائے فاعلاتن کے وزن پر دو یا سے لکھا جائیگا ۔ جس طرح آئے اور جائے لکھے جاتے ہین۔ اگرچہ کتابت مین ایک ہی یا سے لکھا جائے، لیکن عروض مین حروف مکتوبی معتبر نہین ہین بلکہ ملفوظی معتبر ہین اور اس طرح حروف مابعد الروی کا وجود جس طرح آئے اور جائے مین پایا جاتا ہے۔ ہم فدائے بروزن فاعلاتن مین بھی ضرور پایا جاتا ہے۔ لاریب فیہ خاقانی کہتا ہے ؎

گرد لوا نصب در ایوانِ ہو تحتِ لوا آدم و من دو نہا

دو نہا مین واو مکتوبی نہین ملفوظی ہے اور قافیے مین اسکا اعتبار قائم ہے۔ لہذا متقدمین یا متاخرین مین جس نے برائے، سوائے فدائے کو بحالت اشباع آئے اور جائے وغیرہ کا قافیہ گردانا ہے وہ ہرگز مقلدانہ نہین بلکہ محققانہ ہے اور ہر طرح صحیح و درست ہے۔

اگر کوئی خاص مذاق اسکو ناپسند کرتا ہے تو اسکا اعتبار اہل فن مین بہ تخصیص ہوگا نہ بہ تعمیم دانا برا رمنہ۔

حافظ سید فضل حق از عظیم آبادی

پیرایہ

بروزن بے خایہ آرائش و زیور باشد از طرف نقصان ہیچو سر تراشیدن و صلاح کردن و شاخہاے درخت بریدن، از برہان۔

اِس لفظ کے معنی سے بحث نہین تلفظ سے بحث ہے، اور برہان سے بکسر اول بایاے مجہول مستنبط ہوتا ہے لیکن اسی کے ہم اشتقاق (پیرایہ) کو بثانی مجہول بروزن گیرا اور (پیرائی) کو بروزن سیائی لکھا ہے۔ جو بیاے معروف ہین اور مجہول مسموع نہین۔ اور پھر پیرایہ کے تحت مین یہ بھی لکھ مارا ہے کہ

"در جمیع بر فتح اول ہم نظر آمدہ است"

ان سب بیانات سے صرف اختلاف تلفظ ثابت ہے اور نا محقق۔

پیرایہ کا وزن بے مایہ بھی ہے لیکن صاحب برہان نے پہلوی ذم کا خیال نہ کیا اور سرسری طور پر لکھ دیا جو سمجھ مین آیا۔

مان لو کہ برہان سے پیرایہ کا لفظ بیاے مجہول ثابت ہے تاہم اہل زبان کے لہجے کا اختلاف وہ غضب ہے جس سے یہ یاے معروف نادر و انہین بلکہ مختار متاخرین ثابت ہے اور اسی بنا پر قاآنی شیرازی نے پے کے اور دے کو حَیّ، طیّ، اور غیّ کا قافیہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مختار شعرا ہے، تو رسالہ "جواہر الحروف" مین دیکھ لو "لیکن عراقیان در محاورہ حال جمیع حروف مجہول را معروف خوانند"

سنجر طہرانی تھے انکی زبان سے بھی مجہول معروف ہی مسموع ہوا۔ بہر حال پیرایہ بفتح اول و بکسر اول مجہول و معروف ہر طرح جائز و ثابت ہے پیش ازین نیست کہ عرف ہند مین مجہول کو معروف پر ترجیح دیجائے۔ تو یہ بھی متفق علیہ نہ ہوگا، باین ہمہ پیرایہ بکسر اول معروف التلفظ کو غلط کہنے کا ہرگز کسی کو کوئی حق نہین ہے اور بعض کے نزدیک بھی فصیح ہے واللہ اعلم۔

حافظ سید فضل حق آزاد عظیم آبادی

آزادی وتعلیم صنف نازک کا فیض

(از جناب وحید لکھنوی)

عورت کا مسئلہ ہر زمانہ و قرن میں موضوع بحث بنا رہا ہے۔ کوئی دینی و دنیاوی کتاب عورتوں کے تذکرے سے خالی نہیں ہے۔ ناول غزل اور دیگر طرز تحریر کا دارومدار اسی صنف کے وجود پر ہے اور انہیں کے واقعات و حرکات و سکنات کا خاکہ جزو لاینفک ہے گویا دنیا کی چہل پہل انہیں کی ذات سے وابستہ ہے۔ اور انکے عدم وجود میں شاید علمی و ادبی کتب سرمۂ چشم بنانے کو میسر آتیں، یا یہ کہئے وہ دلچسپی سے خالی ہوتیں اور انکو خود مرد نہ دیکھتے اور بے قدری کرتے مصنفین کو ثمرۂ محنت نہ حاصل ہوتا اور وہ کنارہ کشی اختیار کرتے لیکن انکے "ہر دگی چپچہ" ہونے کے باوجود فلاسفہ و مصلحان دین نے انکے حسن و جمال کا اقرار کیا۔ مگر انہوں نے اہل دنیا کو متنبہ کیا کہ وہ ان سے زیادہ پینگ نہ بڑھائیں اور انکی رفتار و گفتار پر ایسے فریفتہ نہوں کہ جان بیچ کر خریدار بنجائیں بلکہ خود انکو اپنا آقا، و ولی نعمت بنالیں۔ تمام فلاسفہ نے انکے مکر و غدر انکے حسد و بغض۔ انکی دشمنی و عداوت سے ڈرنے کی ہدایت کی اور ہرگز ہرگز گوارا نہ کیا کہ اس صنف نازک کو آزادی محض دیدی جائے کہ وہ اپنی کم عقلی سے مردوں کے حقوق میں دست اندازی کرنے لگیں اور ان سے بے نیاز ہو کر ایسی حرکات شنیعہ پر تیار ہو جائیں کہ انسان برائے نام اشرف المخلوقات رہ جائے، البتہ تمام عقلا و مصلحان دین نے سعی کی کہ صنف نازک پر ظلم و ستم نہو سکے، انکے حقوق الگ کر دئے اور انکو معمولی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دیدی تاکہ وہ اولاد کی پرورش و دیگر ضروریات زندگی کو باسانی تکمیل کو پہونچادیں۔

فلاسفۂ دنیا و مصلحان دین نے ہمیشہ اخوت و مساوات کو نظر رکھا اور صنف نازک کے خصوصیات کو فروگزاشت نہ کیا اور ان کو بعض امور میں مساوی حصہ نہ دیا تو مردوں پر قیود عائد کر دیں تاکہ اس بے انصافی کا بدل ہو جائے اور وہ مردوں کے برابر ہو جائیں چنانچہ انکے سپرد اولاد کی پرورش و انتظام خانہ داری ہوا اور انکو مردوں کے برابر تعلیم نہ دینے کا انتظام کیا گیا تو مردوں پر بھی فرض ہوا کہ وہ عورتوں کو خونخواروں کے حملہ سے بچائیں انکے نان و نفقہ کا خیال رکھیں اور انکو کسی قسم کی اذیت نہ دیں۔ اور ہر وقت اپنی جان ہتھیلی پر لئے سینہ سپر رہیں لیکن حقوق کی علیحدگی اور مردوں کی دلجوئی و عشق و محبت کے باوجود عورتیں اپنے ہتکنڈوں سے باز نہ آئیں اور وہ مرد کے نرم و نازک دل پر قبضہ پاتے ہی اپنی درماندگی کی داستان سنانے لگیں، اور طرح طرح سے مردوں کے ذہن نشین کرایا کہ یہ صنف عضو معطل ہے اور اس سے کام لینا چاہئے۔ جب انسان اشرف المخلوقات ہے تو اسکی نصف سے زیادہ تعداد کیوں جاہل رہے اور مرد کی شریک زندگی ہونے سے بیشتر علم و فضل میں اسکے ہم پلہ کیوں نہو تاکہ دور حیات باسانی بسر ہو اور انسان کا مقصد زندگی بوجوہ اکمل حاصل ہو۔

ابتداً مردوں نے اس گفتگو کو ٹالا۔ سمجھایا۔ بجھایا لیکن عورتوں نے پاؤں پھیلائے اور چادر کا لحاظ نہ کیا۔ پھر بھی مرد اپنی بات پہ اڑے رہے تو ان پر قدامت پرستی، خود غرضی مخلوق خداوندی پر ظلم و جبر کا الزام عائد کیا گیا اور کسی طرح ان ضدی عورتوں نے اقرار نہیں کیا کہ فطرتاً انکے اعضا و جوارح مردوں کے مانند قوی نہیں ہیں اور وہ کبھی بھی ان

مشاغل کی اہل نہین ہین جن کا فرض تمام مردون کے ذمہ عائد کیا گیا
ہے فوراً عورتون نے بھی مردون کے مانند ورزش کرنا شروع کی اور
دس مین دو چار اس قابل بھی ہوئین کہ وہ ضعیف القویٰ مردون سے
بازی لیجانے کی جرأت و جسارت کر سکین البتہ اُنھون نے مردون
کا مرد مقابل بننے کے لئے چوٹیان کٹوائین - سینہ کے اُبھار کو غیر فطری
و غلط طریقون سے گھٹانے کی سعی کی اور دیگر طریقون سے بھی مردون
کے کان کاٹنے کو آمادہ ہوئین، انکو یہ مقولہ کبھی مرغوب ہوا

"ہر کسے را بہر کارے ساختند"

اور اُنھون نے اسکو مردوان کی بدنیتی و خود غرضی پر محول کیا -

الغرض مردون کی ایک نہ چلی - ہر موقع پر منہ کی کھائی - اظہار
محبت و الفت و مروت نے زبان سے ایک لفظ بھی نکالنے کی اجازت
نہ دی پھر انکے کام مین سہولتین بھی ہوئین وہ کیون دم مارتے لیکن عقلا
اس ناعاقبت اندیشی پر انگشت بدندان رہے - مدارس الگ قائم ہوئے
پردہ سے بے پردہ ہوئین - مردون کے ساتھ اور تنہا عام باغون کی
سیر کرنے لگین اور اسکا الزام بھی مردون کے سر تھوپا - بقول اکبر ؎

بے پردہ کل جو آئین نظر چند بیبیان — اکبر زمین مین غیرت قومی سے گڑ گیا
مین نے کہا کہ آپکا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگین کہ عقل پہ مردون کے پڑ گیا

انتظام خانہ داری کا جھنجھٹ یک قلم القط، طعام و قیام کے لئے ہوٹل
کافی ہین - اطفال کی پرورش سے منہ موڑا اور بچون کے کھلانے کو
دایہ مقرر کردین اور علاج کے لئے ڈاکٹر بس اسکے بعد انکو کام ہی کیا رہ
گیا - اور مردون سے برسر پیکار ہوگئین -

تعلیم مین مردون کے کان کاٹے - ہر میدان مین انکی ہمسری کا
دعویٰ کرنے لگین گویا تعلیم حسد و بغض کا سرچشمہ ہے جہان اس سے
سیراب ہوئے طبیعت ہی بدل جاتی ہے تعلیم کا اصل مقصد درستی اخلاق
و حق شناسی ہے لیکن یہان ضد و بغض و حسد کے جذبات نے انکے
سینہ کو اپنا مخزن بنایا اور انکو چوبیس گھنٹے مردون سے برتر بننے کا خیال
رہنے لگا - بقول شخصے

"کوا ہنس کی چال چلا اور اپنی چال بھولا"

اشتراک عمل و تقسیم کار کا مسئلہ طاق نسیان پر رکھا نظر آنے لگا - اب کیا تھا
وہ مرد بننے کو تیار ہین - میدان جنگ مین جانے کو مستعد ہین البتہ دیکھنا
یہ ہے کہ یہ خود ساختہ مرد خلقی مردون کے مقابلہ مین کیسے فائز مرام ہوتے
ہین اور کیسے یہ ہر ایک مصلح و صلح کن کی گوشمالی کرتے ہین - کہین بلی
کی طرح انکو خواب مین چھیچھڑے نہ نظر آتے ہون، یا چوہون کی داستان
اولوالعزمی نہ ہو کہ بلی کی غیبت مین لاکھون منصوبے تھے لیکن اس کے
سامنے سب کی گھگی بندھ گئی - خیر ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ذیل کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے اور دل ٹھنڈا کیجئے -

"مدرسہ خواتین السنہ غیر ملکی - ٹوکیو - جاپان مین تمام مدارس خواتین
کے پرنسپلون کا ایک جلسہ منعقد ہوا جسمین ظاہر کیا گیا کہ زیادہ تر نوجوان
خواتین طلبہ کا رجحان طبع یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح مرد ہوجائین"

اس جلسہ کا اہم ترین مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ آج کل خواتین طلبہ کا
رجحان طبع کیا ہے - پرنسپل گنز واٹجکوا پرنسپل مدرسہ خواتین ٹوکیو نے اس
سلسلہ مین بیان کیا کہ اُنھون نے تین سوالات حسب ذیل مرتب کئے -

(۱) کیا تم مرد بننا چاہتی ہو ؟
(۲) کیا تم عورت رہنا چاہتی ہو؟
(۳) جواب مع وجوہ تحریر کرو -

مین نے ان سوالات کو یاماتشی - واکایاما - موجی کے پرنسپلون کے
مشورہ سے مرتب کیا تھا اور انکو تمام خواتین طلبہ کے پاس بھیجدیا لیکن
ابتک صرف ۶۶۰ خواتین نے جواب ارسال کیا ہے - ان کل خواتین
مین سے ۲۳۶ مرد بننے کی متمنی ہین - ۱۳۰ عورت ہی رہنے پر قناعت

کرینگی اور ۲۰۰ چاہتی ہین کہ وہ بعض مواقع پر مرد، اور بعض دیگر مواقع پر عورت ہون ۔

مرد بننے کی تمنی خواتین مین سے اکثر نے یہ وجہ تحریر کی ہے "کیونکہ ہم میدان جنگ مین جانے کی خواہش کرتے ہین"۔

پرنسپل انجلو کے نزدیک نوجوان خواتین کا یہ رجحان طبع سخت مضر و خطرناک ہے، اور انہون نے فرمایا "امن و امان کی دیوی کو اجسام صنف نازک مین اپنا جلوہ دکھلانا چاہیئے اور اسکے دل مین جنگ و جدال کا خیال بھی نہ آنا چاہیئے کہ اسکی بنات امور محال و ممتنع کی خواہش کرنے لگین اور اپنی ناعاقبت اندیشی کا الزام دیوی پر عائد ہو۔

دوسری پرنسپل نے بیان کیا کہ آج کل کی نوجوان خواتین طلبہ کا رجحان طبع یہ ہے کہ وہ آرائش زیبایش و نرم زبانی و آداب مجلس کو خیرباد کہہ رہی ہین اور وہ جا و بیجا جرأت و جسارت کا اظہار کرتی ہین اور شرم و حیا کا بالکل پاس نہین ہے ۔

ایک اور پرنسپل نے خیال ظاہر کیا کہ نوجوان خواتین یوماً فیوماً کاہل اور بے فکر ہوتی جاتی ہین ۔

متذکرہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ کس مقصد نیک کے لئے تعلیم یافتہ خواتین مرد بننے کی متمنی ہین - وہ انتظام خانہ داری و دیگر فرائض کو صرف میدان جنگ کی صورت دیکھنے اور مردون سے دست و گریبان ہونے کی دیوی پر قربان کئے دیتی ہین - وہ مردون کی اس حرکت سے ناراض ہین کہ انہون نے مجلس اقوام قائم کی اور تمام قضایا بذریعہ گفت و شنید طے کرنا چاہتے ہین اور جنگ و جدال سے حتی الامکان محترز رہنے کے خواہشمند ہین - دیکھئے اگر یونہی آتش جنگ و جدال ہماری خواتین کے دلون مین روشن ہوئی تو پھر دنیا کا کوئی خطہ محفوظ و مامون نہین رہ سکتا پیشتر مردون کو اشارہ ابرو سے برسرپیکار کرتی تھین اور خود مزہ اڑاتی تھین، اور دنیا مین آفت مچ جاتی تھی، روزانہ دنیا مین دس بیس واقعے ہوجاتے تھے - اب اگر خدانخواستہ انہون نے کمر کس لی تو آفت ہوجائیگی -

لیکن یہ کیا غضب ہے کہ انکی استانیان خائف اور ہراسان ہین وہ کیون امن و امان کی دیوی کو پکارتی ہین کہ وہ خواتین کے قلوب کو پیٹ دے اور وہ کیون انکے عدم آرائش و زیبائش و فقدان آداب مجلس کی شاکی ہین - سادگی کے مقابلہ مین زیور و آرائش و زیبائش کی حاجت کیا ہے بقول امیر مینائی ؂

ہے جوانی خود جوانی کا سنگار　　سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے

جب نشہ جوانی اتر جائیگا تو وہ خود راہ راست پر آجائینگی اور بفرض محال اگر انکو کوئی اندیشہ بیجا ہے تو وہ ان مدارس کے بند کرنے کی درخواست کیون نہین کرتی ہین - لیکن تیرے کس زبان سے ایسے خیالات کا اظہار ہو - ایسی بے صبری، عدم تحمل، عورت تحمل و استقلال کے لئے مشہور ہے - اپنی آبرو مین کیسے بٹا لگایا جائے -

ہمکو ہرگز ہرگز عورتون کی اس حرکت پر انگشت نمائی نہ کرنا چاہیئے - آبرو کے خاطر مرد کیا کیا آفت مچاتے ہین قتل و غارت گری کے بازار گرم کرتے ہین، اپنے منہ مین سیاہی لگاتے ہین اور اسکو رومال سے چھپانے کی سعی لاحاصل کرتے ہین - آخر وہ ظاہر ہوتی -

القصہ آبرو و عزت کا جذبہ فطری ہے اور اسکو انسان آخر نفس حیات تک خیرباد نہین کہہ سکتا ۔

البتہ ہم ان ۲۰۰ مستورات کی ضرور داد دینگے جو گاہے چنین گاہے چنان پر عمل پیرا ہونے والی ہین کبھی مرد اور کبھی عورت ان کے دونون میٹھے ہین اور ۱۳۰ خواتین سے ہمدردی ہے جو اپنی حالت پر قانع ہین ۔

شرم و حیا کا تذکرہ فضول ہے - وہ زمانہ لد گیا جب حیا ایمان کا جزو تھا - اب کھڑا کھیل ہے - لیکن یہ مرد میدان خواتین کے متعلق

ایک پرنسپل صاحبہ نے کاہلی اور بے پروائی کی شکایت کس زبان سے کی - میدان داری کے لئے یہ صفات سخت مضر ہین ، اور کہین بقول شخصے

"سر منڈاتے ہی اولے نہ پڑین"

توغضب ہوجاے اور شیخ چلی کا بنا بنایا گھر بہ یک حرکت سر خاک سیاہ ہوجائے اور ہمکو ناحق اظہار ہمدردی کرنا پڑے - اور بادلِ رنجیدہ کہنا پڑے -

"حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے"

آخر مین ہم ضرور عرض کرینگے کہ تعلیم خواتین بقدر ضرورت ہونا چاہیئے اور انکو آزادی بھی دینے مین دریغ نہ کرنا چاہیئے لیکن انکی صنف کی نزاکت کا خیال رکھنا لازم ہے جو انکا زیور ہے اور اگر خدا نخواستہ اس زیور خلقی کا فقدان ہوگیا تو عورت کے حسن و جمال ہی کا فقدان ہوجائیگا اور جس برتے پر وہ مردون کو نچاتی ہین اور ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتی ہین اسکے کل عدم ہونے کے بعد وہ مردون پر کیسے دباؤ ڈالین گی اور اگر اس کوشش مین وہ کامیاب بھی ہوگئین کہ وہ مرد بن جائین تو اُن مین سے تمام اوصاف نزاکت جاتے رہین گے اور قوی ہیکل مُنہ زور ہوجائینگی وہ مقابلہ بحیثیت زن نہین بلکہ بہ حیثیت مرد کرین گی تو یہ امر قابل ستایش نہین ہو سکتا -

(وحید لکھنوی)

عبودیتِ عبد

(از جناب عبداللہ عبدالواسع صاحب عبد کراچی)

عشق مین آہ و بکا لے دلِ ناشاد نہ کر — لطف الفت کا اُٹھانا ہے تو فریاد نہ کر

مدفنِ عاشقِ برباد کو برباد نہ کر — یہ ستم بہر خدا او ستم ایجاد نہ کر

مجھکو تاکید یہ ہے عشق مین فریاد نہ کر — اُس جفاجو سے بھی کہدے کوئی بیداد نہ کر

دلِ کمبخت زمانہ مین وہ رسوا ہونگے — لبِ خاموش کو تو مائل فریاد نہ کر

مٹ چکا ہون مجھے اے چرخ مٹاتا کیسا — یونہین برباد ہون برباد کو برباد نہ کر

عشق نے دی ہے یہ تعلیم وفا عاشق کو — دم نکل جائے مگر شکوۂ بیداد نہ کر

دلِ ناشاد تجھے اس نے فراموش کیا — تو بھی اس بھولنے والے کو کبھی یاد نہ کر

ایک تو مجھ پہ ہر اک جور روا رکھتے ہین — اور اس پر یہ ہے ارشاد کہ فریاد نہ کر

سامنے میرے نہ کر غیر سے ہنس کر باتین — مجھ سے خاموش کو آمادۂ فریاد نہ کر

اس سے بھی اے دلِ ناداں وہ بگڑ جاتے ہین — سامنے انکے تو ذکرِ قدِ شمشاد نہ کر

نظرِ لطف ہے عبد پر اے جانِ جہان — ناز بردار ہے تیرا اسے ناشاد نہ کر

عکسِ غزل جناب منشی مظفر علی خان صاحب آسیر لکھنوی مرحوم بخط جناب آسیر

(حسب فرمایش جناب نواب علی حسن حسینی مرحوم و مغفور)

عمر اوزره جنون نسبتیله تقلید اولنان
صدق و عشق طیعی اشتر ادا بسی آرزو

وار نقد روحی عشق محروم اسی
ابر تیغ عشق سرم و جانم آرزو

مغز جان تازه سودا کباب جگر کی دل
گل نیمه غنچه حیرت ... وفا سی آرزو

ار رکجا آشنا ثنا ناله سوز درون عشق
سرا رفت شنیدن ترجمه بلبلهاسی آرزو

مهر عارض نام روز ترسی دل ابسم
دیو پرستی پی پرچینه کمانه ام آرزو

عاصم

عدوقرا بسه دوام اقبالم
حمد الله سعد عالی بر دلام نظم آرزو

میر شیر علی افسوس

(از جناب ساحل بلگرامی)

انیسوین صدی کا آغاز ہے - اردو اپنی کم سنی کی شوخیون سے ہندوستانیون کو مانوس کرنے کی کوشش کر رہی ہے - ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی تاجرانہ حیثیت کو فروغ دیتے دیتے مغلیہ سلطنت پر قبضہ کر لیتی ہے - حرص وہوس کی تمنائین پرورش پانے لگتی ہین - ترقیون کے پہلو، وسعت سلطنت کی تدبیرین اور ہندوستانیون کے دلون مین جگہ پیدا کرنے کے طریقے زیر غور ہی نہین بلکہ اُن کو سمجھ لیا گیا ہے - کیونکہ وہ حکومت مین نیا ہردلعزیزی پیدا کرنے کے لیے مجبور اور ہندوستانیون سے تبادلۂ خیالات کرنے کے لیے گونگے تھے - اس لیے ملکی زبان (اُردو) سیکھنے کا احساس اعصاب بدن مین لہرین مارنے لگا مستقل مزاج قوم کا تہیہ تھا - اپنی اسکیم کو کامیاب بنانا مقصد اولین تھا - اس صدا کا گونجنا تھا اس شہرت کا پھیلنا تھا کہ ملک کے انشاپرداز اپنے افلاس کے ہاتھون تنگ آکر کلکتہ کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگے اور اُردو کے اس پہلے مرکز پر سانس لیکر اپنی انشاپردازی کے جوہر دکھانے لگے اسی اکاڈیمی کے ایک ممبر میر شیر علی افسوس بھی تھے جن کے واقعات زندگی آج ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہین -

ہمارے تذکرے کسی ممتاز ہستی کے حالات زندگی اکثر اُسوقت سے ظاہر کرتے ہین جبکہ وہ پبلک اسٹیج پر ایک نمایان حیثیت مین آجاتا ہے - نہ ابتدائے عمر کے واقعات ہوتے ہین نہ پیدایش و وفات کے سنون کا کہین پتہ چلتا ہے - یہی کمی افسوس کے حالات مین بھی ہے - مگر مطالعہ کی کوشش وہ سب کچھ اس مین جمع کردے گی جو تذکرون کی مدد اور دیگر ذرایع سے ہم تک پہونچ سکا ہے -

نام | طور کلیم اور بزم سخن کے سوا تمام تذکرون کا اتفاق ہے کہ ان کا نام "شیر علی" ہے - ان دونون نے ایک نقطہ کم کرکے "شیر علی" لکھا ہے - صاحب گلشن ہند "افسوس" کے متعلق تحریر فرماتے ہین کہ "راقم آثم سے ملاقات ایام شباب سے ہے" اس پر نظر کرکے ہم کو گلشن ہند کا قول تسلیم کرنا پڑیگا وہ ان کا نام "شیر علی" ہی بتاتے ہین - خود مصنف بھی اپنی کتاب آرایش محفل کے دیباچہ مین اپنا نام "شیر علی" ظاہر کرتے ہین - یہ بھی گمان ہے کہ کتابت کی غلطی ہوا اور کاتب کے قلم نے اپنی خشک مزاجی سے ایک نقطہ ہضم کرلیا ہو - صاحب قاموس المشاہیر نے "شیر علی" کے بجائے "میر علی" لکھا ہے جس کا کوئی تذکرہ ہمنوا نہین -

نسب | ان کے باپ "علی مظفر خان"[1] تھے - جو نواب میر محمد قاسم علی خان عالیجاہ کے داروغہ توپخانہ تھے - ان کی نسل کا مبارک رشتہ سیادت مآب حضرت اسمٰعیل ابن امام جعفر صادق علیہ السلام سے مل جاتا ہے[2] مصنف نے خود بھی آرایش محفل کے دیباچہ مین اپنے نام کے ساتھ جعفری لکھا ہے -

[1] دیباچہ آرایش محفل نوشتہ مصنف ۱۲ [2] گلشن ہند ۱۲

مذہب | یہ اسلام کے فرقہ "اثنا عشریہ" سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ خود آرائش محفل کے دیباچہ میں اس کا اظہار کیا ہے۔

وطن | علاقہ عرب میں ایک مقام ہے "خاف" افسوس کے بزرگ اسی خاک کے نہال بار آور تھے[1] - زمانہ کی ناموافق ہوانے عرب سے جدا کرکے ہندوستان کی طرف پھینکدیا اور اس طرح اُن کا آبائی وطن "نارنول[2]" قرار پاگیا - مولوی عبدالحق صاحب بی اے گلشن ہند کے مقدمہ اور اپنے ایک مضمون[3] میں ان کو دہلی کا باشندہ لکھتے ہیں افسوس یہین پیدا ہوئے اور اسی سرزمین کو ان کے مولد ہونے کا افتخار حاصل ہے

پیدائش | یہ کب پیدا ہوئے؟ اس کے جواب مین تمام تذکرے خاموش ہین اور اگر کچھ دبی زبان سے بتلاتے بھی ہین تو صرف اتنا ہی کہ پیدائش کے وقت صرف "دہلی" کے در و دیوار تھے جو افسوس کی پہلی آواز پر اس کی آنے والی زندگی کی پیشینگوئی کر رہے تھے۔

ایام طفلی | افسوس کے ایام طفلی کے واقعات پر پردہ پڑا ہوا ہے قرائن کی روشنی مین جن واقعات کی جھلک دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہین کہ انھون نے اپنے بچپن کی گیارہ بہارین اپنے والد بزرگوار کے سایہ عاطفت مین دہلی مین گزارین اور گیارہوین برس اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ پہونچے - اس کے بعد مرشد آباد اور حیدر آباد کی سیاحت مین اپنا وقت بیفکری سے گزارتے رہے - زندگی کا انیسوان قدم پڑ رہا تھا کہ شفیق باپ نے حیدر آباد مین ہمیشہ کیلئے آنکھین بند کرلین[4] اور چارون طرف سے رنج و مصائب کی گھٹائین افسوس کی زندگی کو دھندلا کرنے لگین

ملازمت | زمانہ کے گرم و سرد کا مزہ چکھ کر اور دنیا کے نشیب و فراز کا تجربہ حاصل کرنے کے بعد نواب سالار جنگ بہادر کی سرکار سے وابستہ ہوکر ان کے بڑے صاحبزادے میر نوازش خان کی خدمت مین گیارہ سال تک اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتے اور اسطرح اپنے پیٹ کو پالتے رہے بعد ازان[5] صاحب عالم مرزا جوان بخت جہاندار شاہ کے ملازم ہوکر کچھ دنون اپنی غمدیدہ زندگی کو عیش و عشرت کے مستعار زیورون سے آراستہ کرتے رہے لیکن جب صاحب عالم کو شاہجہان آباد کی کشش نے اپنی طرف کھینچا تو بعض عوارض نے انکی معیت سے جدا کر دیا - یہ یہین رہ گئے اور پھر اپنی افلاس و تنگدستی کی مجبور زندگی کو دعوت دیتے اور ایک مدت تک نواب سرفراز الدولہ کے یہان توکل و قناعت پر سانس لیتے رہے - تکلیف کے بعد راحت یا غم کے بعد خوشی کا دورہ کیون نہ ہوتا - ان کا ستارۂ اقبال افق مراد سے کیون نہ چمکتا - بارلو صاحب مسٹر گلگرسٹ کے صائب مشورہ سے اُردو دان حضرات کو جمع کرنے کا کیون اعلان نہ کرتے - لکھنؤ کے رزیڈنٹ اسکاٹ صاحب کی نظر انتخاب افسوس پر کیون نہ پڑتی - دو سو روپیہ ماہوار مشاہرہ طے ہو جاتا ہے - پانسو روپیہ زاد سفر افسوس کے حوالہ کر دیے جاتے ہین[6] - آرایش محفل کو دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ غالباً رزیڈنٹ صاحب لکھنؤ سے ملانے والے ایک صاحب فخر الدین احمد خان عرف مرزا جعفر ابن محسن الزمان خان نامی تھے) افسوس مرشد آباد پہونچے ہین ملا تو چندے صاحب گلشن ہند "مرزا علی لطف" کے یہان قیام کرتے ہین[7] - پھر (سنہ ۱۸۰۰ء مین[8]) کلکتہ پہونچتے ہین اور "ہندوستانی ڈیپارٹمنٹ" کے "ہیڈ منشی" کی کرسی پر بیٹھکر ترجمہ کے کام مین لگجاتے ہین اور سعدی کی گلستان کو سب سے پہلے اپنی زبان (اردو) مین منتقل کرنے کا ارادہ کرتے ہین - یہ سنہ ۱۲۱۵ھ کا واقعہ ہے[9]

وفات | وہ زمانہ جبکہ افسوس کلکتہ کے "فورٹ ولیم کالج" مین دیگر زبانون کی کتابون کو اردو کا زیور پہنا رہے تھے کمسن اُردو

---

[1] گلشن ہند ۱۲ [2] دہلی سے ۵۰ کوس کے فاصلہ پر ایک قدیم قصبہ ہے ۱۲

[3] اہل یورپ نے اُردو زبان کی خدمت کی "مطبوعہ رسالۂ اُردو بابت جولائی سنہ ۲۴ء ۱۲

[4] گلشن ہند ۱۲

[5] گلشن بیخار ۱۲ [6] گلشن ہند ۱۲ [7] مقدمہ گلشن ہند مولانا عبدالحق صاحب بی اے ۱۲ [8] گلشن ہند ۱۲

ان کے سایہ سے محروم ہوگئی[1]۔ صاحب قاموس المشاہیر افسوس کا سن وفات ۱۸۰۶ء مطابق ۱۲۲۱ھ لکھتے ہین اور مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے کے قول سے انھون نے فضاے کلکتہ کو اپنی قابلیت سے متواتر نو سال معمور رکھا اور پھر اس خواب زندگی کی تعبیر روح کو جسم سے جدا کرکے دی اس حساب سے ان کا سن وفات ۱۸۰۹ء ہونا چاہیے۔

عادات واخلاق | میر صاحب نہایت خوش اخلاق تھے اور خندہ پیشانی ان کا امتیاز خصوصی تھا حضرت مصحفی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ "فقیر اورا در لکھنؤ دیدہ بسیار بخوبی و خلق پیش می آید" طبیعت کو نفاق سے تعلق نہ تھا ظاہر و باطن یکسان تھا۔ حیا و حلم جزو ایمان تھی اور انکساری و فروتنی ان کی نشست و برخاست سے نمایان۔ ذہن و ذکاوت و سلامتی طبع کا جوہر اُن کے چہرہ سے ظاہر ہوتا تھا۔ یہ ساری باتین ان کی نظم و نثر سے ظاہر اور تمام تذکرے اس سے بھرے ہوئے ہین۔

قابلیت | افسوس کی تعلیمی حالت کو بھی تذکرے نہین بتاتے صاحب گلشن ہند کا قول ہے کہ "منطق و معانی کے بیان مین صاحب استعداد ہین۔ کلیات و معالجات فن طبابت کے بھی بخوبی یاد ہین" ان علوم کو جانتے ہوئے فارسیت و عربیت کی استعداد خود ہی مسلم ہوجاتی ہے۔

تصانیف | آرائش محفل کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ آرائش محفل کے علاوہ چار کتابین انھون نے اور بھی لکھی تھین جن کا پتہ نہین چلتا ہے صرف دو کتابین موجود ہین۔ ایک :—

باغ اُردو — یہ گلستان سعدی کا اردو ترجمہ ہے[2] جو ان کے قیام کلکتہ کی سب سے پہلی کتاب ہے ۱۸۰۲ء مین اس کا پہلا ایڈیشن پانچسو

[1] تذکرہ شمیم سخن ۱۲ [2] سید مسعود الحسن صاحب رضوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا مین ممنون ہون جنھون نے یونیورسٹی لائبریری سے کتاب دیکھکر بطور نمونہ چند اقتباس مجھے لکھکر بھیجے ۱۲

کی تعداد مین مسٹر جان گلگرسٹ نے "ہندوستانی چھاپہ خانہ" کلکتہ مین چھپوایا تھا[3]۔ اس کے سن تحریر مین اختلاف ہے۔ بقول[4] پروفیسر آزاد یہ کتاب ۱۷۹۹ء مطابق ۱۲۱۴ھ مین زیور تحریر سے آراستہ ہوئی لیکن گلشن ہند کے مقدمہ مین مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے ۱۸۰۰ء لکھتے ہین اور یہ عجیب بات ہے کہ صاحب موصوف ہی اپنے ایک مضمون[5] مین ۱۸۰۲ء تحریر فرماتے ہین۔ میرے خیال مین آخرالذکر قول درست ہے۔ کیونکہ بقول صاحب گلشن ہند ۱۲۱۵ھ مین یہ کتاب زیر ترجمہ تھی اور ایک سال کی مدت اس ترجمہ کی تکمیل کے لیے کافی ہے۔ "آرائش محفل" کا دیباچہ اور "باغ اردو" کے صفحات بھی اسکو ظاہر کرتے ہین کہ یہ ترجمہ ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء مین اختتام کو پہونچا۔ یہ کتاب دو جلدون پر مشتمل ہے اسکی دوسری جلد لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانہ مین موجود ہے جسکی ابتدا چوتھے باب سے ہوئی ہے۔ مترجم نے نثر کا ترجمہ نثر مین اور نظم کا نظم مین کیا ہے۔ لفظی ترجمہ کے ہاتھون اردو محاورات کا اکثر جگہ خون ہوگیا ہے اور بعض جگہ بضرورت لفظون کا اضافہ بھی ہوگیا ہے۔ ترجمہ کی زبان اور انداز بیان سلیس و آسان ہے اور ثقیل الفاظ سے معرا۔ بطور نمونہ ترجمہ مع اصل عبارت یہان درج کیا جاتا ہے :—

روزے بغرور جوانی سخت راندہ بودم	ایک دن جوانی کے گھمنڈ سے مین بہت چلا تھا
وشبانگہ بپاے گریوہ سست ماندہ	اور رات کے وقت ایک پہاڑ کے نیچے تھک کر سست رہ گیا
پیر مردے ضعیف از پس کاروان	ایک بڈھا ضعیف کاروان کے پیچھے
ہمی آمد۔ گفت چہ نشینی کہ نہ جاے	آیا اور کہا اُسنے کیا سوتا ہے اُٹھ کہ یہ جگہ
خفتن است۔ گفتم چون روم	سونے کی نہین۔ بولا مین کیونکر چلون

[3] دیباچہ آرائش محفل نوشتۂ مصنف ۱۲ [4] آبحیات [5] مضمون "اہل یورپ نے اُردو زبان کی کیا خدمت کی" مطبوعہ رسالہ اردو بابتہ جولائی ۱۹۲۴ء ۱۲

کہ نہ پائے رفتن است ۔ گفت　　کہ پاؤن مین طاقت نہین ۔ کہا
این نشنیدی کہ صاحبدلان گفتہ　　نہین سُنا ہے تو نے کہ کہہ گئے ہین
اندر رفتن و نشستن بہ کہ دویدن　　اُٹھتے بیٹھتے چلنا بہتر ہے کہ دوڑنا
وگسستن ؎　　اور تھکنا ؎

اکیہ مشتاق منزلے مشتاب　　پند میرا گانٹھ باندھ اور صبر سیکھ
پند من کار بند و صبر آموز　　شوقِ منزل گو ہے پر جلدی نہ کر
اسپ تازی دو تگ رود بشتاب　　اسپ تازی دو ہی تگ چلتا ہے جلد
اشتر آہستہ میرود شب و روز　　رات دن چلتا ہے آہستہ شتر

۲- آرائش محفل ۔ اس نام سے دو کتابین ہندوستان مین شہرت پذیر ہوئین ۔ ایک وہ جسکا دوسرا نام "قصۂ حاتم طائی" ہے ۔ یہ حیدر بخش حیدری کی تصنیف ہے جو اسی اکاڈیمی کے ایک ممبر تھے ۔ میر صاحب کی کتاب خلاصۃ التواریخ سے ماخوذ ہے جو منشی سبحان رائے بٹیالوی کی تصنیف ہے جس کو انھون نے دو سال کی مدت مین سنہ ۴۰ جلوس عالمگیری مطابق ۱۰۷ھ مین تکمیل کو پہونچایا تھا[۵۱] ۔ کتاب آرائش محفل ۱۸۰۴ء[۵۲] (ابتدائے زمانہ ریاست گورنر جنرل سر جارج صلیر و بارلو بارنٹ صاحب) مین تالیف ہوئی اور ۱۸۰۵ء[۵۳] مین طبع مولف نے اس کتاب کے تین حصہ کئے ہین ۔ اول مین ہندوستان کی مجموعی تعریف، اس کے موسم، پھل، میوے، حیوانات، تعلیم، مذہب، اہل مذہب، فوجی درجے اور عورتون کا ذکر کیا ہے ۔ دوسرے حصہ مین ملک کے مختلف مقامات دہلی، آگرہ، الہ آباد، اودھ، بہار، بنگال، اڑیسہ اورنگ آباد، برار، خاندیس، مالوا، اجمیر، گجرات، ٹھٹھہ، ملتان، لاہور، کشمیر، اور کابل کے حالات لکھے ہین اور تیسرے حصہ مین ہندوستان کے بادشاہون، پانڈو، راجہ پرمپت، راجہ جنمجی، راجگان خاندان پانڈوان وبسروا و بیرباہ و دندھر، راجہ بکرماجیت اور راجہ بھرتری، راجگان خاندان سمندر پال و تلوک چند دہر پریم و دیبی سین، راجہ دیپ سنگھ اور راجہ پرتھی راج معروف بہ پتھورا کے حالات لکھکر کتاب کو ختم کیا ہے ۔

یہ کتاب تقریباً سوا صدی قبل کی ہے اس لیے اس مین وہ باتین بدرجۂ اتم موجود ہین جو متقدمین کے خصوصیات ہین ساری کتاب مین مقفیٰ و مسجع عبارت کا خاص التزام رکھا گیا ہے ۔ عبارت کی رنگینی کی لپیٹ مین تصنع و مبالغہ کی بھی آمیزش ہے ۔ گرچہ تاریخی کتاب ہے مگر زبان اور طرز ادا بالکل افسانہ کی ہے مورخانہ تحقیقات کا کوئی لحاظ نہین رکھا گیا روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے درایت کا پہلو تقریباً چھوڑ دیا گیا ہے ۔ بعض صوفیہ و فقرا کے کرامات بالکل خلاف عقل لکھدیے گئے ہین لیکن دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ افسوس نے خلاصۃ التواریخ کی پیروی کی ہے اور نقل (ترجمہ) کو اصل سے بیگانہ نہین رہنے دیا ۔

یہ کتاب بالکل خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ نہین ہے بلکہ اس کے مضامین کو اپنی زبان (اُردو) مین لکھدیا گیا ہے اور حسب موقع کمی و بیشی بھی ۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۸ء مین نکلا تھا ۔ میرے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ تیسرا ایڈیشن ہے جو ۱۸۷۱ء مین طبع ہوا میر صاحب نے "نہال چند" کی "گل بکاولی" (مذہب عشق) کی بھی نظر ثانی کی ہے ۔

شاعری

شاعری کا شوق بچپن سے تھا چنانچہ بازیہائے طفلانہ کے ساتھ یہ شغل بھی اُن کے مرغوب خاطر تھا ۔ پہلے میر سوز سے

---

۵۱ دیباچہ آرائش محفل نوشتہ مصنف و دیباچہ انگریزی نوشتہ ڈبلو ناسلس
۵۲ مضمون مطبوعہ رسالہ اُردو بابتہ جولائی ۱۹۲۴ء ۱۲
۵۳ تذکرہ ریاض الفصحا، طور کلیم، شمیم سخن ۱۲
۵۴ تذکرہ گلشن سخن و گلزار ابراہیم ۱۲

مشورہ لیتے رہے۔ بعد مین "میر حیدر علی حیران" کے دائرۂ تلمذ مین داخل ہوئے۔ بعض تذکرون کا بیان ہے کہ "افسوس" نے "میر حسن" سے بھی مشورہ لیا۔ صاحب گلشن ہند کو اس مین کلام ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ اس کی سند اپنے تئین پہونچی اور یہ خبر اپنے گوش زد نہین ہوئی" مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے مقدمۂ گلشن ہند مین ایک "نامعلوم شخصیت" کا قول تحریر فرماتے ہین کہ یہ "میر درد" کے بھی شاگرد تھے لیکن اسکا ذکر کسی تذکرہ مین میری نظر سے نہین گزرا۔

الحاصل حیران و میر سوز کی شاگردی مسلم ہے لیکن میر حسن و میر درد کا شاگرد ہونا اتمنا د و اعتبار کے پایہ سے گرا ہوا ہے۔ میر صاحب کے کلام کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عشق کے جذبات کو مزہ لے لے کر ادا کرتے تھے حسن و عشق کے واردات جسکو معاملہ بندی سے تعبیر کرتے ہین اس مین میر صاحب کو خاص ملکہ حاصل تھا اور رعایت لفظی و ابہام کو نہایت خوبی سے کلام مین لاتے تھے جو اس زمانہ کے خصوصیات سے ہے۔

تذکرۂ بزم سخن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھون نے اپنی غزلون کا ایک دیوان بھی یادگار چھوڑا مگر افسوس ہے کہ میری نظرین اسکے مطالعہ سے محروم رہین۔ ان کا کلام کافی تعداد مین تھا جس کی طرف ریاض الفصحا کا فقرہ "شعر کم از معاصرین نگوید" رہنمائی کرتا ہے لیکن آجکل اس کا پتہ نہین۔ ممکن ہے ضایع ہوگیا ہو۔

مختلف تذکرون کی سیر نے کچھ ان کا کلام بھی ڈھونڈھ نکالا ہے جو بعد انتخاب یہان درج کیا جاتا ہے۔

انتخاب کلام

اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی — دیکھیے آگے آگے کیا ہوگا

کیا تو نے لکھا تھا کہ ترے خط کے تئین دیکھ — آنسو لگے افسوس کی آنکھون سے ٹپکنے

خط کا جواب یک طرف یہ نہین امید — جیتا پھر آکے مجھ سے مرا نامہ بر ملے

ابھی وہ پردہ مین ہے جسپہ خلق مرتی ہے — غرض دکھانے پہ دیدار دیکھیے کیا ہو

دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو — وہی اشخاص جو یان آئے تھے سمجھانے کو

(غمخوار)

جبتلک نے عشق یار و نہ دل کا کام تھا — اپنے تئین کیا چین تھا اور دلکو کیا آرام تھا

کہا میرا مطلق نہین مانتا ہے — تو جیسا سنا تا ہے جی جانتا ہے

بزم مین اُن کی نہ ہنستے ہین نہ رو سکتے ہین — چپکے بیٹھے ہوے ہر ایک کا منہ تکتے ہین

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہین افسوس — حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہونچا

یہان تلک ہے نزاکت گلوے گجرے سے — لچکنے لگتا ہے اس گلعذار کا پہونچا

اشک گرم آنے سے یہ دیدۂ تر جلتے ہین
دیکھو مردم آبی کے بھی پر جلتے ہین

ساحل بلگرامی

ہندوستان کی کم علم مضامین نویس خواتین

(از جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ)



جناب اڈیٹر صاحب۔

مین نہ تو آپکے "مرقع" کی خریدار، نہ مضمون نگار (مضمون نگار تو ہو ہی نہین سکتی۔ وہ معتدر، محتاط، قابل احترام رسالہ۔ اور مین بے سمجھ آزادانہ لکھنے والی خاتون) مگر اسکا اول نمبر بھی نظر سے گزرا تھا، جو جناب کی عنایت سے شرف صدور لایا تھا۔ اور ایک نمبر اب بھی نومبر کا پرچہ دیکھنے کو ملا۔ بلکہ کسی نے مجھکو دکھایا جس مین محترم بہن **کنیز فاطمہ** صاحبہ کا مضمون ہے۔ میری بہن کا دل بہت جلا ہے بقول اُنکے "پھپھولے پھوڑے گئے ہین"۔ مگر میرا دل جلنا اب بند ہو چکا ہے۔ یا اسقدر جل چکا ہے کہ اب خاک مین آگ لگ ہی نہین سکتی۔ کیونکہ آج سے ۲۰ سال قبل جبکہ مین لڑکی تھی۔ اخبارات مین یہ لکھ رہی ہون اور ہر مخالف خیال والے کے قلم سے تردید دیکھ رہی ہون۔ لہذا عادی ہو چکی ہون۔ پہلے پہلے جب کم حوصلہ لڑکی تھی تو بیشک شعلہ بھڑک اُٹھا کرتا تھا، مگر پھر بھی اپنی ہمجنسون کی مخالفت کا جواب دیتی تھی، مگر اس فرقۂ با علم و بزرگ کے منہ کبھی نہین آئی۔ "چھوٹا منہ بڑی بات" سمجھئے۔ یا ناقابل جواب، بہرحال مردون سے اُلجھنا میرا کام نہین لیکن اپنی ہمخیال بہن کنیز فاطمہ صاحبہ کا مضمون دیکھ کر مین نے بھی یہ ارادہ کر لیا کہ **بیگم احمد علی** صاحبہ سے کچھ باتین بذریعہ "مرقع" ہی کر لون۔ میری بہن نے اپنے آرٹیکل کا ہیڈنگ بھی وہی رکھا ہے جو غالباً جناب مولانا (مسعود الرحمان صاحب ندوی) نے تجویز فرمایا تھا۔ مگر مین وہی سہ بارہ پھر لکھنا نہین پسند کرتی کیونکہ میرے خیال مین ہندوستان کی پردہ نشین شرم و حیا کی دیویون کے متعلق ایسا نامہذب و نامناسب فقرہ لکھنا آئین حیاداری کے خلاف ہے۔

غصہ مین آکر مولانا صاحبان ان کمزور بے زبانون کو جو آپکی مائین بہنین اور بٹیان ہین گالیان تک دیدیتے ہین۔ آپکو غصہ کے سخت الفاظون کی شکایت نہین ہونی چاہیئے تھی۔ کیا آپ کو علم نہین، کئی سال سے یہان ہمارے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔؟ ہر دفعہ سالانہ موقع **کانوکیشن** پر پردہ نہین کیا جاتا۔ مسلمان خواتین پردہ کا انتظام چاہتی ہین کہ خود بھی جاکر دیکھ سکین۔ مگر پردہ کا انتظام نہ کرنا اور بے چیز، اور ان قابل احترام خواتین کے ساتھ حاکمانہ اور ظالمانہ سلوک اور چیز ہے۔ غصہ مین یہان تک کہدیا جاتا ہے کہ "اگر بیبیان برقع پہن کر چلی آئین تو بذریعہ پولیس کی امداد کے نکالی جائینگی"۔ یہ الفاظ حامی پردہ اہالیان یونیورسٹی کے نہین بلکہ انہین مولانا حضرات کے ہین جنکے خوف سے اہالیانِ یونیورسٹی پردہ کا بندوبست نہین کر سکتے۔ ندوی نہ سہی، اور سہی، غیظ و غضب مین تھرا کر یہی ہادیِ دین فرقہ وہ کچھ کر گزرتا ہے، جو کوئی صاحب غیرت شریف انسان روا نہین رکھ سکتا۔

بہن صاحبہ! غصہ کی تو بات اور ہے۔ اسی لئے تو عالمانِ دین نے غصہ حرام بتایا ہے، مگر اسی قسم کی مضحکہ انگیز کارروائیون سے بگڑنا جلنا نہین چاہیئے، ہوتا ہی آیا ہے۔ چندے اور ہوتا رہیگا، پھر یہ باتین کہان؟ بفضل خدا آزادی کا زمانہ آئیگا، بندی قفس خانے توڑکر پُر فضا چمن زار بنائے جائین گے جن مین مسلمان خواتین ہند کے سواد اور روشن نشیمن ہونگے۔

میری طرح آپ بھی جلنا چھوڑدین۔ اسکے علاوہ اس زبردست

صاحب قدرت و مختار کل فرقہ سے اُلجھنا بے سود ہے۔ کوئی اثر نہین ہوتا۔ خواہ مخواہ جمعیت علما کے ممبرون سے دو بدو ہوکر گناہگار ہونا ہے۔ وہ لوگ ہمارا احترام کرین یا نہ کرین۔ ہم پر واجب ہے کہ اُنکا ادب کرین وہ ہمارے سے واجب التعظیم ہین۔ علم مین عمر مین ہمت و حوصلہ مین، سمجھداری و عقل مین وہ ہر طرح ہم پر فضیلت رکھتے ہین۔ وہ بھی سب کچھ جانتے ہین سمجھتے ہین۔ ہمارے شرعی حقوقِ آزادی سے خوب واقف ہین۔ مگر کیا کرین مناسب وقت یہی ہے مصلحتاً وہ ہمارا پڑھنا اُبھرنا یعنی آزادانہ مساوات سے علم حاصل کرکے برابری کرنا پسند نہین کرتے۔ محض اس لئے ہر صورت دبا دیتے ہین۔ مین نے ابھی رسالہ "حرم" مین جناب **ندوی** صاحب کا ایک مضمون دیکھا جس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی عورت کی قدیم جہالت کے نقصانات سے متاثر ہین۔ انکا تعلیم پانا پسند کرتے ہین۔ مگر پھر یہ پسند نہین کرسکتے کہ وہ پڑھکر آزاد ہوجائے اور قفس سے باہر نکلنا چاہے۔ مردون کی برابری کرے مضمون نگاری کرے۔ ہندی شرم و حیا (جسکے حدود مین بیویون کو شوہرون سے بھی خط و کتابت بھی کرنا معیوب ہے) کی کڑیان توڑدے۔ ناول پڑھے اور ناول لکھے۔ اتنی آزادی انکو گوارہ نہین ہے۔ یہ درست ہے۔ اپنا اپنا خیال ہے۔ مین مولانا کی نصیحت کی دل سے قدردان اور شکرگزار ہون۔ مین نے اپنے خیال مین کوئی بیباکانہ حملہ نہین لکھا تھا۔ جو عورت کے قلم سے نازیبا ہو۔ لیکن اگر ناسمجھی سے ایسا ہو گیا ہے تو مین مانتی ہون۔ بیشک مین ایسی آزاد نویسی کو خود پسند نہین کرتی بلکہ جن چند نام و نہاد شاعرہ خواتین کے نام سے آج کل بہت ہی ناموزون نگاری ہورہی ہے اسکے سخت خلاف ہون۔ بلکہ شرم آتی ہے کیونکہ ہم سب بہنین ہین۔ مولانا صاحب! آپ معاف کرین بقول بہن کنیز فاطمہ صاحبہ وہ سب لکھنے والیان ہماری بہنین، نہین ہین بلکہ نقاب پوش دشمنان شرم و حیا مرد ہین۔ جو اس طریق سے لکھکر اس بے زبان فرقہ پر لعنت ڈلواتے ہین۔

بہت سے اڈیٹر صاحبان پر چکمہ چل گیا ہے اور وہ فخریہ ایسے ناپسندیدہ مضامین شایع کرادیتے ہین۔ مگر ہمارے نوجوان باہمت بھائی **اختر صاحب شیرانی** نے اپنے رسالہ **بہارستان** مین یہ باریک پردہ اُٹھادیا اور ان ادبی مضامین نگار، برقع پوش حضرات کے نقاب اُلٹ دیے۔ اُنھون نے کسی تازہ اشاعت "بہارستان" مین صاف صاف لکھدیا ہے کہ "ہم پر یہ جادو نہ چلیگا۔ ہم نے بخوبی جان لیا ہے کہ اس زنانہ شاعرانہ نام کے برقع کے اندر کون ہے؟" بس اسی طرح اگر سب اڈیٹر صاحبان بھی کرین تو پھر اس مکروہ خیالات فرقہ کے مردون کی ہمت نہ پڑے۔

ہم آزادی کے اس لئے خواہان نہین ہین کہ بالکل مرد ہی بنجاین اُنہین کی زبان اُنہین کا سا [illegible] اختیار کرین۔ ہرگز نہین۔ ہمین تو بہت بیباکانہ قصے خواہ وہ مردون کے قلم کے لکھے ہوے ہون پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ بن بیاہی لڑکیون کو تو شریف گھرون مین ایسے ناول و افسانے دیکھنے کو نہین دیے جاتے۔ چنانچہ جب مین لڑکی تھی باوجود والد صاحب کے نہایت آزاد خیال ہونے کے ناول نہ پڑھنے پاتی تھی۔ بھلا میرے قلم سے بیباکانہ قصے کیسے نکل سکتے ہین؟ مولانا صاحب نے اورون کے غصہ مین مجھے بھی لکھ دیا۔ یا میری غلطی سے کوئی فقرہ ایسا نکل گیا، بہرحال مین بہت محتاط ہون۔ ہان ہندوستانی پردہ کے نہایت سخت خلاف ہون۔ اور اثر ہو یا نہ ہو، مقبول ہو یا نامقبول مین اپنے خیالات کی ضرور اشاعت کرونگی۔ اب "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" کا مصداق ہے۔ کہ کس طریقہ سے کرونگی؟ جس قدر اپنی استعداد ہے۔ اس ہندی پردہ نے ہمین گمنام جاہل تالاب کی مچھلیان بنادیا ہے، مچھلیان بھی کسی کسی وقت پانی سے سر نکال کر ہوا کھالیتی ہین، مگر ہمین اتنا بھی منع ہے۔ پردہ سے جھانکنا، کھڑکی سے دیکھنا

گنا ہے - خدا ہم پر رحم کرے، اور جلدی مصری لڑکی کی آزادی کا ساون دور یہان بھی دکھا دے -

بہن کنیز فاطمہ صاحبہ آپ بھی شدت پردہ کی کمی پر لکھنا شروع کیجئے - نہ چھاپین اڈیٹر صاحب "مرقع" - اور نہ چھاپین اڈیٹر صاحب (مدظلہ) "معارف" - آپ اپنے "تہذیب نسوان" نورجہان "حرم" مین لکھا کیجئے - اور زور دل سے جگر بڑا کر کے - اس لئے کہ پست خیال حامیٔ پردہ بہت کچھ کہین گے - اسکی پروا نہ کرنا جو کام کہ خدا و رسول کے خلاف نہ ہو، اور پھر اپنے وارثون کے خلاف بھی نہ ہو، باپ ہو یا شوہر اسکی اجازت ہو - بس پھر کھلے طریق سے آغاز کرنا چاہئیے - مولویون کا خوف نہ مُلّاؤن کا دھڑکا - انکی مخالفت سے ضد بڑھتی ہے اور ضد کے ساتھ کام مکمل ہوتا ہے - اگر وہ آپکی شدت پردہ کی کمی سے جلے جاتے ہین، تو انکی تنبیہہ سے ہم کیون جلین؟ اُن کا غصہ سر آنکھون پر - ان کا احترام لازم - اب کرینگے وہ ہی جو ضمیر کہیگا ورنہ ہم بھی دیدہ دیدہ ہوکر لڑنے لگین گے تو خود بخود ہماری تہذیب بھی پایۂ وقار سے گر جائیگی - ہمین ملحوظ رکھنا ہے - ادب، تہذیب، شایستگی و متانت کے خیال کو خدا نہ کرے کہ کسی گالی دینے والے کو ہم سخت کلامی سے یاد کرین - والسلام

آپکی خیر اندیش بہن

نذر سجاد حیدر

(مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

ترانۂ شوق

(از جناب پنڈت جگ موہن ناتھ رینہ صاحب شوق ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر)

ترچھی نظرین جو پڑین مجھپر رگِ جان ہوگئین — اور وہ دلکش ادائین دل کا درمان ہوگئین

خیریت تھی آہین جبتک سینہ مین محفوظ تھین — گوشۂ دل سے وہ جب نکلین پریشان ہوگئین

دلفریبی ہائے حُسنِ یار اک نظارہ تھا — آئین جب پیشِ نظر وہ بھی پریشان ہوگئین

جن شکایتہائے پنہان سے یہ لب واقف تھے — چشم خون آلود سے آخر نمایان ہوگئین

جو خیالی صورتین تھین جلوہ گر اخواب مین — آنکھ کھلتے ہی وہ سب نظرون سے پنہان ہوگئین

جن امیدون سے کہ وابستہ تھا لطفِ زندگی — وائے ناکامی کہ وہ سب وقف حرمان ہوگئین

حسرتین کہتی تھین کیونکر پاؤن پھیلائینگے ہم — وسعتِ دل کو جو دیکھا وہ بھی حیران ہوگئین

آنکھین اُنکو ڈھونڈھتی ہین یاد جب آتے ہین وہ

شوق کیا کیا صورتین آنکھون سے پنہان ہوگئین

ہمہ دان

(از جناب محمد صادق حسین صاحب بی۔اے ایل ایل بی)

یا کسی شگفتہ نگار کے زاویۂ نظر سے "معجون مرکب"، اگر عجیب الخلقت نہین تو عجیب الحرکات اور عجیب الصفات ضرور ہوتا ہے، اگر حشرات الارض کا وجود گردش لیل و نہار کا کرشمہ ہے تو اسکا ورود ذی جود زمانہ کی غیر ذمہ دارانہ ستم ظریفی، اور اگر اول الذکر کے وجود کو فضول خیال کرنا ناممکن ہے تو اُسکے نزول اجلال کو عبث تصور کرنا ناممکن تر! لیکن اسمین بھی شک نہین کہ اگر یہ دوپایہ حیوانات کے ظاہری آلات حرب سے مسلح نہ ہوتا تو اس کو 'انسان' کہنا کافی مشکل تھا، اور اب بھی بعض محققین علم الحیوانات اسکو انسان و حیوان کی درمیانی کڑی سمجھتے ہین اور بعض انسان اور شیطان کی!

ہر نوع وہ جسقدر اچھوتا ہے اُسی قدر انوکھا اور جسقدر عجیب ہے اُسی قدر کثیر غلہ کی گرانی سے لیکر موت کی ارزانی تک کوئی شے اُسکو اُس کے "مشن" سے باز نہین رکھ سکتی، وہ ہمیشہ اپنے ارادون مین سچا اور اپنی دھن کا پکا ہوتا ہے، پکا ہوتا ہے اور نباض زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ پکا ہوتا ہے بلکہ ابن الوقت ہونے مین اُسے سیاست برطانیہ کا جد امجد سمجھیے۔ اور عام نکتۂ نگاہ سے بھی اُسکی کامیابی کا واحد اور سربستہ راز ہے!! صدیون کی متواتر تحقیقات سے صرف اسقدر معلوم ہوسکا کہ نکتہ چینی اور اعتراض، اسکا مسلک مستقل اور "حصول نام و نمود" اُس کا واحد نصب العین ہے۔!!

"دریا کو کوزہ مین بند کرنے کے لیے" ممکن ہے یورپ کسی مستقبل مین کوئی آلہ ایجاد کرسکے یا سرزمین ہند کا تخم نفاق کوئی صورت پیدا کرسکے لیکن اُسکی کیفیات کا بحر ناپیدا کنار ہے، فلہذا ناقابل حصار! یون تو وہ ہر میدان کا مرد اور ہر خیالستان کا منتہی فرد ہوتا ہے تاہم کچھ صفات اور کیفیات اُسکے توجہات کے بدرجۂ اولی مرہون منت رہتے ہین محض اسکے خدوخال سے شناسائی اسکی نمایان اور بھاری بھرکم شخصیت کو خود پہچنوانے کی ذمہ دار ہے، اسے اُسکے کمالات یا کرامات کا ادنی کرشمہ کہیے!

مذہب اظہار تبحر و تقدس کو وہ شیوۂ مستقل بنانے سے لفظاً مکمل گریز کرتا ہے مگر پروردگار کے حضور مین بصد منت و الحاح عرض خلوص اور توفیق حق کی اطلاع یا آوازۂ قبول دعاے سحر کسی کاغذی ناؤ کے ذریعہ سے سات سمندر پار اُتارنے کی سعی مسنون اُس سے بھولے چوکے اکثر ہو جاتی ہے، عوام کی نہایت معمولی مذہبی لغزش سے اس کے جوش ایمانی کا پارہ فوراً مقیاس البرداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور وہ اُس خاطی کو گویا کہ میدان حشر مین زیر عرش اعظم الٰہی معتوب و مقہور کیے بغیر دم نہین لینا چاہتا، وہ ایک ہی وقت مین مولوی بھی ہے اور شعبۂ تنظیم کا خزانچی بھی، مجاہد بھی ہوتا ہے اور مطبخ تبلیغ کا داروغہ، محدث بھی ہوتا ہے اور مفسر بھی، اُسکی ہر جنبش قلم قرآن حکیم کی لفظی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تعلیم کا نقش اولین ہوتی ہے، اور باقیات الصالحات ہونیکی جہت سے فتواے کفر و ایمان اسکی ٹکسال کے کرنسی نوٹ! بہرکیف۔ مدارج ارتقا کے زیر اثر کشتی درون دریا کے بعد دریا درون کشتی کے اصول پر وہ پوری سختی کے ساتھ عامل ہوتا ہے یعنی اگر کبھی وہ خود "چار پایہ بروکتابے چند" کا مصداق تھا تو اب خیر سے اسلام اُسکا مرکب ہوتا ہے۔!!!

شعبۂ علمی مذہبی درس و تدریس سے حس ظاہری کی بدولت خواہ مخواہ اسدرجہ عربی دان ضرور ہو جاتا ہے کہ کلام اکرم آیات و احادیث پر علم و ادب کے اطلاق کو بیانگ دہل تبلیغ کرسکے، دو چار محدثین مفسرین، مورخین اور ماہرین، منافقین اور ناکثین کے نام اسے ضرور ازبر ہوتے ہین جنکو وہ برمحل و بے محل ایک سانس مین سنا جانیکی قسم

کھائے پھرتا ہے انگریزی وہ اتنی ضرور جانتا ہے کہ اسناد مغربیت کو اپنا طغرۂ امتیاز بتا سکے! کسی مسلمہ شاعر یا ادیب کی جائز تعریف اسکے معتقدات کو متلاطم کرنیکا لطیف تازیانہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ عالم متجاہل ہونیکے علاوہ وہ اپنے کو جدت اظہار۔ ندرت خیال اور پاکیزگی زبان کا موجد اور خاتم سمجھتا ہے! اپنی ہمہ دانی اور ہمہ گیری سے مرعوب کرنیکے لیے اسے اپنی لیاقت کے اجزاے غیر منہضم کا استفراغ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ لہذا حس مشترک کی تشریح، سر عُشر کی تفصیل، بے ستون کی تواریخ، تلاراس کے اثرات، خالد بن ولید کی فتوحات، فیثا غورث کا سال پیدایش، مشتری کا مقام، بیکن کی تصانیف، ولی دکنی کے اشعار، اور الحل و لمحل کے معنی، مناسب اور نامناسب ہر صحبت مین وہ ہمیشہ دریافت اور بیان کرتا رہتا ہے! اخلاقیات اور علم الابدان مین اُسے کافی سے کچھ زیادہ دسترس ہوتی ہے۔ اور اگر وہ فلاسفۂ یورپ کا ترجمان ہوتا ہے تو پراز معرفت تصانیف کی کان، وہ ادیب بھی ہے اور حاشیہ نگار بھی، منتخب نقاد بھی ہے اور ممتاز درشت نگار بھی، سخن سنج ہوتا ہے اور شاعر بھی، تنقید کا شتر بے مہار بھی ہوتا ہے اور کسی سودیشی رسالہ کے مدیر کا یار غار اور کچھ مدت کے لیئے یہ دو قالب اور ایک جان، اتحاد اس درجہ ترقی کرجاتا ہے کہ اول الذکر بسا اوقات اُسی کی آنکھ سے دیکھتا اور اسی کے کان سے سنتا ہے۔!!!

معلومات کا پٹارہ

اسکی سیاست دانی ملکی اور خارجی معاملات سے متجاوز ہوکر مقامی واردات کو بھی اپنے بسیط دامن مین لیے ہوتی ہے، مذہبی تحقیقات اور ادبی معلومات کی امداد سے وہ سیاسی دنیا مین اختراعات یا مزخرفات کی سعی نامشکور پورے ہمہمہ کیساتھ کرتا ہے مثلاً خود کھدر پوش ہوکر دنیا و مافیہا کو کھدر پوش کرنیکا بیڑا اُٹھائے پھرتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جسوقت سے کانگریس کے چبوترہ پر ہندی نژاد مخلوق کے لیے کھدر پوشی فریضہ تجویز کی گئی تھی، ٹھیک اُسی لمحہ سے حلۂ جنت کے بجاے مہاتما یا مولانا..... ہمہ دان کے دست پاک کا تیار کردہ "سودیشی" لباس زیب تن کرنیکا عام حکم نافذ کردیا گیا تھا۔ البتہ غلاف کعبہ کیون کھدر پوش نہ ہوا یہ محل استعجاب! زمانہ نے اس ورق کو الٹا تو وہ بھی اس سبق کو ایسا بھولا گویا پڑھا ہی نہ تھا، پھر بھی اگر وہ کبھی ترک موالات حصول سوراج اور استقرار خلافت کے تمام لفظی ذرایع کا مبلغ تھا تو اب سلطان المسلمین ابن سعود کا غلام خانہ زاد یا انجمن خدام الحرمین کا خادم دیرینہ ہے!!

اکالیون کے استقلال یا ثبات قدم کی وہ تعریف کریگا لیکن ایک بڑے "مگر" کے ساتھ، واشنگٹن کانفرنس کی ناکامیابی کے اسباب کافی شرح و بسط کیساتھ گورنمنٹ سے پہلے وہ الاپے گا، کانفرنس بین الاقوام اور آل انڈیا میڈک کانفرنس کی مفصل کیفیات کا وہ اندھا حافظ ہوتا ہے، زراعتی کانفرنس کے صدر سے چپراسی تک کا شجرہ اُس سے پوچھیے!! نظامی کشمکش سے پوری ہمدردی اور مہاراجہ اندور سے مراسم قدیمانہ کا اظہار اسکے لیے واجب کفائی ہے۔ وہ اپنے کو علیگڑھ کا محسن الملک نہین تو مالویہ ضرور تسلیم کرتا ہے اور مادر تعلیمی کے کسی معاملہ کو نقد و تبصرہ سے مزین نکرنا اپنے لیے حرام جانتا ہے۔ جانعالم واجد علیشاہ کی تعداد ازواج اور رامپور کے شاہی کتبخانہ کی تعداد کتب اسکے نوک زبان پر ہوتی ہے! چوکیدار کے تقرر سے لیکر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی رخصت تک، اور موسم سرما مین مسٹر کلنگ کی آمد سے بڑے لاٹ صاحب کی نقل و حرکت تک!! یہ سب اُسکے مدون سبد معلومات کے چٹے بٹے ہین!!!

محدود العلم مقرر کی طرح وہ کسی خاص موضوع پر اظہار خیال سے اپنے بسیط دامن علم و فضل کو آلودہ کرنے کی ہیٹی کبھی بھولے سے بھی گوارا نہین کرتا بلکہ ہر مسئلہ پر ہر ممکن اور ناممکن پہلو سے رائے زنی ضرور کرتا ہے، دوران بحث مین حلق کے سخت اور بلند سرون سے "مین کہتا ہون یہ غلط ہے اور بالکل غلط ہے" وہ بخوبی اور بکثرت استعمال کرتا ہے مگر اُسکے مرغان دلائل عموماً ایک ہی ٹانگ رکھتے ہین اور اس لحاظ سے اُسے میدان بحث کا فرعون بے سامان سمجھیے!!!

مخاطب کو زیر کرنے کے لیے مختلف داؤن اُسے روان ہوتے ہین - اگر حریف دقیانوسی تراش کا مولوی ہے تو بی - اے ناظم ادیب وغیرہ ہم اُسکو نیم جان کرنیکے تیر سہ شعبہ، اگر موجودہ تعلیم و ترتیب کا مقنع ہوا تو قال رسول اللہ من اکل البصل العکۃ فی المکیۃ دخل الجنۃ کی سی احادیث اُسکے رعب کرنے کے روپ اور اگر کوئی خوش قسمت ان دونون داؤن سے نکل گیا تو کھدر پوشی - تبلیغ - تنظیم کے ایسے نئے روگ سے گلو خلاصی محال - کروین کا مبذول شدہ تاجدار بھی ایک مرتبہ داؤن گھات سے بغلین جھانک جاتا ہوگا !!

ناقابلیت کا منت کار بپروانہ علاوہ مخاطب کے - وہ ہر غائب بقدر کو بلاقیمت اور بلا طلب نذر کرتا ہے، گول کمرہ مین جس کو بیکر شرافت بتائیگا، کھانیکے کمرہ مین اُسی کو مجسمۂ خیانت، معاملہ فہمی حکیمانہ نوشگافی اور بے ساختہ دقیقہ رسی کو وہ اپنا ترکہ سمجھتا ہے، زر - زن - و - زمین کے زیر اثر زبان قلم اور ایمان اُسکے نزدیک قابل فروخت اجناس ہین !!!

قد و قامت اور رنگ و روپ کے لحاظ سے وہ بالشتی سے لیکر شتری تک اور کالے سے لیکر گورے تک ہر قسم کا ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے، اِن ملکوتی صفات اور معتقدات کیسا تھ وہ ہر آب و ہوا، ہر ملک و قوم اور ہر فضا مین پایا جاتا ہے اور رہتی دنیا تک (انشاءاللہ تعالی) پایا جائیگا !!

اگر چہ وہ کہین مولوی ہے کہین مجاہد کہین پنڈت ہے کہین ادیب، کبھی سیوک ہے کبھی خطیب کہین شریعت سیاست کا پیغامبر ہے اور کہین شدھی تحریک کا سار دانند، مگر -

بہر رنگے کہ می خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

محمد صادق حسین - بی - اے - علیگ
ہردوئی

غزل

(از جناب احمد ولی خانصاحب آزر رامپوری)

نہ چھیڑ اب اے وفور حسرت نام و نشان مجھکو
سمجھنے دے کہ گمنامی ڈبوتی ہے کہان مجھکو

کیا ہے واب اُلفت نے جو مجبور فغان مجھکو
ملی ہے بے زبانی کے لیے گویا زبان مجھکو

غم صیاد فکر قید خوف باغبان مجھکو
خزان سے ہے کہین بدتر بہار بوستان مجھکو

نہین بھولا سا کیف زندگانی ہاے آزادی!
قفس مین ہر طرح ہے گو کہ لطف آشیان مجھکو

بالآخر تا کجا یون حسرستان تخیل مین !
کبھی دے بیجسی بھی انقلاب آسمان مجھکو

سنا ہے اک بیابان قید خانہ کے برابر ہے
خدا جانے کہ اب لیجائے یہ وحشت کہان مجھکو

خیال آتا ہے وحشت مین کبھی گر سر پٹکنے کا
تو یاد آتا ہے اک کافر کا سنگ آستان مجھکو

بنائے تھے بتون کے دل اگر فولاد کے ٹکڑے
تو دی ہوتی الٰہی طاقت ضبط فغان مجھکو

قفس کی زندگی اے ہمصفیران چمن دیکھو
نہ کچھ فکر خزان مجھکو نہ خوف باغبان مجھکو

قفس کی ٹوٹی پھوٹی تیلیان چن چن کے رکھتا ہون
ابھی بھولی نہین خوئے بنائے آشیان مجھکو

کردن مشق سخن اے آزر اب کس آرزو پر مین
ملا سارے زمانہ مین نہ کوئی قدر دان مجھکو

شہزادی کی سالگرہ

(از جناب صادق ایوبی)

شہزادی کی بارھوین سالگرہ کے دن آفتاب اپنی انتہائی تابشون کے ساتھ محل کے باغ مین درخشان تھا۔ شہزادی کو حقیقی طور پر اسپین کے تخت و تاج کی واحد وارثہ تھی۔ لیکن اُسکی سالگرہ مین اور جمہور بچون کی سالگرہ مین کوئی نمایان فرق اور امتیاز نہ تھا۔ کوئی خصوصیت اگر تھی تو اتنی تھی کہ اسکی سالگرہ کا یہ دن قدرتی طور پر خوشگوار تھا۔ گل لالہ نے محافظین کی طرح اپنی ڈنڈیون پر تن کر گلاب سے کہا کہ "ایسے مین ہم آپ کی طرح شاداب ہین" زرین پرون کے ساتھ تتلی نے گلون کا جائزہ لیا چھوٹی چھوٹی چھپکلیان دیوارون سے نکلکر دھوپ سینکنے لگین۔ آفتاب کی کرنون سے زرد نیچر کا رنگ چھپا سا ہوگیا۔ شہزادی اپنی سکھیون سہیلیون کے ساتھ ٹیلے پر چڑھی جہان اُس نے کئی ایک پتھر اور زمین دوز بت نکالے۔

اُسے اس سے قبل تنہا عی طور پر ممانعت تھی کہ وہ صرف اپنے ہم مرتبہ اور ہم رتبہ بچون کے ساتھ کھیلا کرے لیکن آج کھلے بند دن اجازت تھی کہ وہ جسے چاہے اپنی بزم ناز مین اذن شرکت دے۔ اسپینی مدعو لڑکے ایک شان اور طنطنے کے ساتھ بارگاہ حسن مین سکون و آسودگی سے عشرت نظارہ لوٹنے آئے۔ بچیان زردوزی لبادے پہنے آنکھون کی سپیدی اور سیاہی کیساتھ آفتاب کی حریف بنکر آئین لیکن واقعہ یہ ہے کہ شہزادی کا لباس عصر حاضر کے فیشن کے بالکل مطابق تھا شہزادی سرخ اطلس کا خلعت زیب تن کیے تھی جسکی آستینون پر موتیون کی لڑیان ٹکی ہوئی تھین۔ اسکے خرام ناز سے اُس کے چھوٹے چھوٹے سلیپر جو گلاب احمر کی رنگت رکھتے تھے صاف دکھلائی دے رہے تھے۔ گلون اور موتیون سے اُسکی افشان چنی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بذات خود ایک سپید گلاب کا پھول ہے۔

محل کے دریچہ سے مغموم بادشاہ نے وہین جھانکا اُسکے پیچھے اُسکا بھائی "ڈن پیڈرو آف ایرلگان" کھڑا تھا، بادشاہ کو اس سے بیحد تنفر تھا۔ قریب ہی گرینڈ کا کوتوال اعظم بیٹھا تھا۔

شہزادی البرکرک کے ہمراہ والہانہ انداز مین درباریون کے آگے جھک کر آداب بجالاتی تھی جسے دیکھکر بادشاہ اور بھی مغموم سا ہوجاتا کیونکہ اُسکے خیال کی گردشون مین اُسکی جوان مرگ مان کی یاد تھی۔ اس فرانسیسی نژاد ملکہ کو مرے اتنا عرصہ ہوا تھا کہ قصر شاہی مین انجیر کے درخت دوبارہ پھل لائے ہوئے تھے۔ اُسوقت شہزادی کی عمر صرف چھ ماہ کی تھی۔ ایک معزز طبیب نے جسے ارتداد اور ساحری کی پاداش مین موت کی سزا دیجانے والی تھی اُس نے اپنی جان بخشی کے وعدے پر ملکہ کے لاشہ کو حنوط کردیا تھا۔ پھر جسے ایک منقش تابوت مین رکھکر قصر شاہی کے معبد مین محفوظ کردیا گیا تھا۔ بادشاہ ہر ماہ ایکدن ملکہ کے مرگ مین سیاہ پوش ہوکر معبد مین جاتا اور دوزانو ہوکر مرینا! مرینا!! کہکر پکارتا۔ یہانتک نہین بلکہ شدت غم سے دیوانہ وار اس کے زرد زرد ہاتھ اپنے ہاتھون مین دباکر طویل بوسون سے اُسے بیدار کرنے کی ناکام سعی کرتا رہتا تھا، پہلے پہل پندرہ سال کی عمر مین بادشاہ نے مرحومہ کو قصر "فنیٹن بلیو" مین دیکھا تھا، گو اس سے قبل وہ "پوپ ننکو" کے ہاتھون شاہ فرانس کی موجودگی مین ایک دوسرے سے منسوب کیے جاچکے تھے شہر برگو مین اُنکی شادی ہوئی تھی۔ لیکن ایک پرتکلف دعوت شہر میڈرڈ کے گرجاگھر "لااٹوجا" مین دیگئی تھی۔ اس تقریب کی خوشی مین تین چار مرتد جنین بہت سے انگریز تھے، ان کو زندہ جلادینے کی سزا سے معاف کیا گیا۔

تیقن کہ بادشاہ مرنیولی کی محبت مین ایک دیوانہ تھا، اُسنے عظیم الشان محاربون مین جہان جہان جوکھون مین رہتی تھی اُسے کلیجے سے چمٹائے رکھا۔ ایسے مین نہ چاہا کہ وہ آنکھون سے دور رہے۔ اِسی محبت کے ہاتھون اُس نے بہت سے تلخ تجربے بھی اُٹھائے تھے۔ ہان اِسی کمبخت اندھی محبت کے سبب اُسکی حکومت مین بیچارگی کی دشواریان کئی بار بڑھ گئی تھین۔ ملکہ کے مرتے ہی بادشاہ کچھ عرصے کیلئے تخت و تاج چھوڑ چھاڑ کر گرینڈا کے ایک صومعہ مین مرتاض ہوکر معتکف ہوگیا۔ اور اس معصوم بچی کو اپنے ستمگر بھائی کے تحفظ مین کر دیا۔ جسکی شریر النفسی سارے ملک مین شہرۂ آفاق تھی۔ کہتے ہین کہ ملکہ کی موت مین اُسی کا ہاتھ تھا۔ جس نے ایک ملاپ کے دوران مین اُسے زہر دار دستانے "قصر ایرگون" مین پیشکش کئے تھے، جنھین پہنکر اُسکی موت واقع ہوئی تھی۔ ماتم داری کے تین سال کے اختتام تک جو شاہی حکم سے جمہور کیلئے رکھے گئے تھے، بادشاہ نے اپنے مشیرون اور وزرا کو امتناعی حکم دیدیا تھا کہ اِس عرصہ مین کسی سے رشتہ ناتہ کی نسبت گفتگو کرنا میرے غم واندوہ کی آگ پر مٹی کا تیل ڈالنا ہوگا۔ شہنشاہ نے جب اپنی بھتیجی "آیح وی جس" سے اُسکی شادی کرنی چاہی تو اُسنے ٹکا سا جواب دیدیا۔ اور کہا کہ "مین غم واندوہ سے شادی کرچکا ہون"۔ اِسی انکار کے سبب شہنشاہ کے تحرک سے صوبۂ نیدرلینڈ مین بغاوت ہوئی تھی۔

آج شہزادی کو دیکھکر اُسے بیتے ہوئے دن عیش کے یاد آنے لگے کیونکہ شہزادی کے تمامتر اخلاق صالحہ، اسکا تبسم لطیف اور سر کی جنبشی تمکنت بھی اپنی مان کی طرح تھی۔

جب اُس نے اپنی حشر بدوش نگاہون کو اُٹھایا اور اپنے صبیح ہاتھونکو بڑھا کر البرکرک کو چومنے کی کوشش کی تو بادشاہ کو تخیل کی سحر سازی سے ملکہ مرحومہ کا مجسمہ قصان ولرزان نظر آنے لگا لیکن بچون کا شور وشغب فضائے سماعت مین بجلی بنکر چمکا، اور رعد بنکر گونجا۔ دیکھتے دیکھتے اسکی دنیائے تصور بالکل برباد ہوگئی۔ اُسے خیال آیا کہ آفتاب کی تیز کرنین مجمع خندان مین بہ تیزی سے اپنا چہرہ خود اپنے ہاتھون سے ڈھانپ لیا۔ اور پردے چھوڑ دئے گئے۔

شہزادی کا چچا اور رکو توال اعظم آداب بجا لائے۔ شہزادی نے سر کی جنبشی تمکنت سے ڈن پیڈرو کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیا اور اُس قرمزی سائبان کی جانب بڑھی جو باغ مین پہلے سے نصب کیا جاچکا تھا بچون نے ایک شاندار ضابطہ کیسا تھ اُسکا خیر مقدم کیا۔

خیمہ کے باہر لڑکون کے ایک گروہ نے پیشوائی کی۔ ایک بہادر دو سالہ کاونٹ ٹیرانوا کو جسکے بشرے سے نجابت کے آثار نمایان تھے شہزادی نے اُسے پکڑ کر ننگے سر ہاتھی دانت کی کرسی پر بٹھایا جو ایک چبوترہ پر پہلے سے رکھی تھی۔ پھر بقیہ بچون نے اُسے حلقہ کرلیا۔

ڈن پیڈرو اور رکو توال اعظم یہ سمان دیکھکر بیحد ہنسے حتی کہ ڈچس جسے شہزادی "کمریرے آر" کہتی تھی اِس سمان سے بیحد متاثر ہوئی اِس تاثیر کا نمایان ثبوت اُسکے خشک ہونٹھون کا تبسم تھا۔

پھر بچون نے ایک مصنوعی گھوڑے اور بیل پر سوار ہوکر لڑائی لڑی۔ گو بیل درختونکی شاخون سے بنایا گیا تھا لیکن اُسکے سوار نے اسے ایسی خوبی سے پھرایا اور دوڑایا کہ جیتا جاگتا بیل بھی اِس خوبی سے کرتب دکھا سکتا تھا۔ یہی ماجرا اُس گھوڑے کا تھا جو کاہے آزر بھڑک اُٹھتا تھا اور گاہے مطلق العنان ہوکر بھاگتا تھا۔

بچون نے اِس محاربۂ عظیم سے متاثر ہوکر جوش وخروش مین احسنت و مرحبا کے نعرے بلند کئے۔

گھوڑا تاب مقاومت نہ لاسکا۔ آخرکار کاونٹ ٹیرانوا نے اپنے قیمتی بیل کو شہزادی کے قدمون پر جھکایا۔ پھر اپنی لکڑی کی تلوار اُسکے نتھنون مین بھونک دی جس نے مسٹر دی لورین کے نزدیک گر کر دم توڑا۔

فوراً خواص بردار آئے اور وہ مردہ بیل اور گھوڑا چبوترے سے نیچے گھسیٹ لیگئے۔

اسکے بعد گانا شروع ہوا۔ پھر ایک فرانسیسی ایکٹر چند کالوی مورتون کے ساتھ اسٹیج پر آیا۔ جہان ڈرامہ کھیلا گیا۔ ایکٹرون نے اپنا کام نہایت ہی حسن خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ بعض بچے بے اختیار ہوہوکر رونے لگے۔ اور تو اور کوتوال اعظم اور ڈون پیڈرو نے بھی اُسے کامیاب تماشہ کہا۔ جسکے اختتام پر چند ایک افریقی بھان متی آئے۔ جنھون نے آتے ہی باجون کی لے کے ساتھ بدن کو جنبش دینی شروع کی۔ اسی اثنا مین ڈن پیڈرو دیکھ رہا تھا تو وہ سہم کر رہ گئے کیونکہ ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ اُن مین سے دو بھان متی ساحری کے اشتباہ مین اُسکے ہاتھون دار پر کھینچے جا چکے تھے شہزادی نے انھین آوازکے مطمئن لہجہ مین بتایا کہ "یہان آپکو کسی قسم کا خدشہ اور اندیشہ نکرنا چاہیئے" تماشہ پھر ایکبار شروع ہوگیا۔ یکایک ایک چیخ بلند ہوئی جس سے تمامتر بچے چونک سے ہوگئے اور ڈن پیڈرو نے خنجر سنبھال لیا۔

پھر بھان متی گا گا کر اور اپنے رباب بجا بجا کر دیوانہ وار تماشائیون کا طواف کرنے لگے۔ ابھی چند لمحہ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ وہ خاموشی سے زمین پر دراز ہوگئے۔ پھر آہستہ آہستہ اور ایک ایک کرکے باہر نکل گئے۔ تھوڑے سے وقفہ کے بعد ایک بھبھوت ریچھ لائے، جسپر بند ہوا تھا جس نے بہت سے دلچسپ کرتب دکھائے۔

پھر دو بھان متی بچے آگے بڑھے۔ جنھون نے اپنی ننھی منی تلوارون سے لڑائی لڑی۔ واقعہ یہ ہے کہ بھان متی کرتب دکھانے مین بہت کچھ کامیاب ہوئے۔

لیکن تمامتر تماشون سے بہتر تماشہ بونے کا رقص تھا۔ اُس کے سر کی جنبشون سے باہون اور ٹانگون کے موڑ سے بچے ہنستے ہنستے لوٹ گئے بذات خود شہزادی اتنی ہنسی کہ پیٹ مین بل پڑ گئے۔ کمبرا نے کڑک کر شہزادی سے کہا کہ "یہ سب کچھ آپ کی شان خودداری سے بعید ہے کہ آپ اپنے سے کم مرتبہ لوگون سے اتنی کُھل رہی ہین"

یہ بونا جنگل سے اِس غرض سے پکڑ کر لایا گیا تھا کہ وہ شہزادی کی دلچسپی کا باعث ہو۔ اُسکا باپ جو ایک کوئلہ فروش تھا۔ اپنے اِس بدصورت بچے سے مخلصی حاصل کرکے بیحد خوش ہوا۔ خود بونا یہان پہونچکر مسرور تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اِس حقیقت سے آگاہ ہوچکا ہے کہ اُسکی تخلیق ہی اِس غرض سے ہوئی ہے کہ وہ لوگون کی دلچسپی کا باعث ہو اسلیے وہ بچونکے ہنسنے کو بُرا نہ مانتا تھا۔ بلکہ اُنسے اتنا مانوس ہوگیا کہ اُنھین کا ایک فرد معلوم ہونے لگا۔

رقص کے اختتام پر شہزادی نے کمبرا کے دق کرنیکے لیے اپنے سر کا سپید گلاب کا پھول چبوترہ پر پھینکا جسے بونے نے اُٹھا کر چوما اور پھر وہین جگر تھام کر بیٹھ گیا۔ لیکن مسرت و ابتہاج سے آنکھین چمک اُٹھین بونا چبوترہ سے اُتر کر رخصت ہوا۔ لیکن شہزادی کو اُس سے اتنی صحبت ہوگئی کہ اُسکے جاتے ہی اپنے چچا سے مصر ہوئی کہ بونے کا رقص دوبارہ ہو کمبرا کہا کہ "دن بہت گرم ہے، بہتر ہوگا کہ شہزادی بغیر کسی تاخیر کے محل چلے جہان اُسے ایک پرتکلف دعوت دی جا رہی ہے۔ اِسی دعوت کیساتھ ساتھ اُسکی سالگرہ کی تقریب کے کیک بھی تیار کئے گئے ہین جن پر اُسکے دستخط ثبت ہین۔"

شہزادی ایک شانِ دلنوازی کیساتھ اُٹھی اور حکم دیا کہ قیلولہ کے بعد بونے کا دوبارہ رقص ہوگا۔"

اسکے بعد کاونٹ ٹیرالوا کی پیشوائی کرنیکا شکریہ ادا کیا۔ پھر محفل نشاط برہم ہوئی لیکن ایک ضبط اور تنظیم کیساتھ

جب بونے نے یہ نوید مسرت آفرین سُنی کہ اُسے دوبارہ رقص کرنا ہے تو مارے خوشی کے کپڑون مین پھولا نہ سمایا باغ جاکر دیوانہ وار بیخودی کے عالم مین گلاب کے پھول بار بار سونگھنے شروع کئے۔ پھولونکو اُس کی [illegible]

نہایت ہی ناگوار گزری وہ اپنے حسیات اور جذبات پر قابو نہ پاسکے۔ لالہ نے کہا کہ وہ اتنا بدصورت ہی کہ اُسے ہمارے ہان آنیکی اجازت بھی نہ ملنی چاہیئے تھی۔"

سوسن نے غصہ سے تمتماکر کہا کہ " اُسے وہ کچھ پینا چاہیئے جس سے قیامت کی نیند سو جائے۔"

ناگ چمپن نے تنفر سے کہا کہ " وہ ہمارے لئے ایک خطرۂ عظیم ہی۔ اُسکا جسم سڈول تو کہان ؟ ٹانگون اور سر مین بھی قطعی کوئی مناسبت نہین میرے نزدیک آیا تو وہ کانٹا چبھوؤنگی کہ عمر بھر یاد رکھیگا۔"

سپید گلاب کے پودے نے چلا کر کہا " کہ ظالم نے وہ پھول توڑا ہی، جو آج مین شہزادی کی سالگرہ کی تقریب مین پیشکش کرنیوالا تھا۔"

بنفشہ نے کہا کہ " بونے کی بدصورتی کیساتھ تمکنت کی آمیزش بھی ہی۔ اگر وہ اِس رقص بیجا سے باز رہتا تو بہت ممکن تھا کہ ہم اُسکی پریشانی خاطر سے پسیج کر آمادۂ استعانت ہو جاتے۔"

دھوپ گھڑی نے بونے کو دیکھکر چلنا بند کر دیا جس سے صحیح وقت مین دو لمحون کا وقفہ پڑ گیا۔ آخر اُس نے مجبور ہو کر سپید مور سے جو کٹھرے مین پڑا دھوپ سینک رہا تھا کہا کہ " بادشاہون کے لڑکے بادشاہ ہوتے ہین اور کوئلہ فروشون کے کوئلہ فروش ہوتے ہین " کیونکہ دھوپ گھڑی کا یہ کہنا حقیقت پر مبنی تھا اِسلیے مور سے انکار کرتے نہ بن آیا۔ اُس نے " یقیناً یقیناً " اِتنی بلند آواز سے کہا کہ سنہری رنگ والی مچھلی نے چشمہ کے پانی سے سر نکال کر قریب کے پتھر سے پوچھا کہ " کیا معاملہ ہی "

واقعہ یہ ہی کہ پرندے بونے کو بیحد چاہتے تھے، کیونکہ وہ اُسے کئی بار پریو نکے مانند جنگل مین مرقص دیکھ چکے تھے۔ اور توا اور بلبل بھی جو راتون کو کنجون مین نغمہ ریزیان کرتی ہی، جنکو چاند بھی جھک جھک کر سنتا ہی اُس نے بھی بونے سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ کیونکہ اکثر جاڑے کے ایام مین جب درخت بے پھل ہو جاتے تھے اور شہر کے ہر دروازے سے بھیڑیے خوراک کی محافظت کیلئے نکل آتے تھے تو وہ اپنی غذا انہین ریزہ ریزہ کرکے تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ اُسکے انھین لطف و کرم کو وہ یاد کرکے پرندے اُسکے سر پر منڈلانے لگے۔ پھر وہ اتنے نیچے اُترے کہ اُن کے پر اُسکے گالون سے لمس کرنے لگے۔ بونے نے جوش مسرت سے بیخود ہو کر اُنھین وہ سپید گلاب کا پھول دکھایا اور کہا کہ " مجھے یہ پھول شہزادی نے دیا ہی کیونکہ اُسے مجھسے محبت ہی۔"

اب بونا ادھر اُدھر گھومنے اور گردش کرنے سے تھک گیا تھا وہین گھاس پر دراز ہو گیا۔ چھپکلیان اُچھل اُچھل کر اور کود کود کر آسے گدگدانے لگین۔ یہ دیکھکر پرندون نے یک زبان ہو کر کہا کہ " چھپکلیون کا سا کوئی بھی خوبصورت نہین ہو سکتا۔" چھپکلیان طبعاً فلسفی ضرور تھین کیونکہ وہ اکثر فرصت کے لمحون مین ایک ساتھ بیٹھکر پہرون موسم کے متعلق سوچا کرتی تھین۔

پھول پرندون کا اور چھپکلیونکا یہ طرز تپاک دیکھکر جل گئے اور چلا کر کہا کہ " اُسکا یہ رقص بیجا اسکی کم ظرفی کا نمایان ثبوت ہی۔ عالی ظرف کہان اور یہ ناچنا کودنا کہان ؟ وہ ہماری طرح خوددار ہوتے ہین۔ جب ہم کہین جانا چاہتے ہین تو باغبان ہمین آ کر لیجاتا ہی۔ پرندون اور چھپکلیونکو اپنی جگہ قرار نہین ہی۔ تخصیص کیساتھ پرندے تو محض خانہ بدوش ہی خانہ بدوش ہین جہان جاتے ہین ڈیرے لگا دیتے ہین۔"

یہ سنتے ہی بونے نے اٹھکر محل کی راہ لی اور پرندون نے ایک انداز تمکنت سے گردن اور منقار اوپر کی۔ پھولون نے مسکرا کر آوازہ کسا کہ " دیکھو ذرا اسکی ٹانگین۔"

جنگل اور جھونپڑی کے رہنے والے بونے نے آجتک محلونکا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔ ہان اتنا ضرور ہی کہ وہ پرندون کی بولیان بولکر مینا اور بگلونکو درختون اور دریاؤن سے کھینچ بلا سکتا تھا۔ جانورون کے نقش

قدم دیکھکر وہ اکثر ہرنون تک پہنچ جایا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہی کہ وہ تمام وحشی رقص کرنے جانتا تھا۔ مثلاً سرخ پوش ہوکر ایام خزان مین ناچنا۔ لانگ پر رقص کرنا۔ برف کے گالے گلے مین ڈالکر جاڑےکے دنون ناچنا۔ اور بہار کے دنون قبرستان مین رقص کرنا۔ وہ جنگلی کبوترون کے اشارون سے بھی واقف تھا۔ ایکبار جب صیاد نے انھین اسیر دام کرنا چاہا تو اُس نے انکے بچے وہان سے اُٹھاکر ایک کھوکھلے درخت مین کبوترخانہ قائم کردیا۔

ہنسراج کے پودون مین دوڑنے پھرنیوالے خرگوش۔ کالی چونچ والے نیلکنٹھ، خارپشت اور سنگ پشت اُسے بیحد چاہتے تھے کیونکہ وہ کئی بار اُسکے ہان آکر مہمان ہوئے تھے اور وہ ساری ساری رات انپر پہرہ دیا کرتا تھا۔ مبادا کوئی سینگون والا جانور انھین گزند نہ پہونچا جائے۔

صبح اُنھین بیدار کرتا اور پھر وہ ملکر تمام دن رقص کرتے رہتے تھے۔

جنگل مین رہکر بونے کی زندگی مین کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جو رنگین اور متنوع نہو۔ کبھی کبھی تو شب سپید خچر پر سوار ہوکر گزرتا۔ انگور کی فصل کے ایام مین انگور جمع کرنیوالے ارغوانی ہاتھون، اور پیرون کیساتھ آتے رہتے تھے۔ کوئلہ بنانیوالے لکڑیونکو آگ لگاکر تمام رات اُسکے پاس اخروٹ بھونا کرتے تھے۔ اور ڈاکو غارون سے نکلکر اُسکے ساتھ رنگ لیان منانے آتے تھے۔

بونے نے متانت سے سپید گلاب کے پھول سے پوچھا کہ "وہ آخر کہان ہوگی" گلاب کا پھول چپ رہا فضامین سکوت اور خاموشی طاری تھی۔ یون معلوم ہوتا کہ تمام محل خوابیدہ عشرت ہی۔ پردے چھٹے ہوئے ہین۔ تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اُس نے چار سو نگاہین دوڑائین کہ داخلے کیلئے دروازہ کہان ہوگا۔؟ آخر اُسے ایک دروازہ نظر آیا جو کھلا ہوا تھا اندر جاکر اُسنے اپنے آپ کو ایک عالیشان وسیع ہال کمرے مین پایا جس کی عظمت سے سہم کر رہگیا۔ اسکا فرش قیمتی اور رنگدار پتھرون کا تھا لیکن شہزادی وہان نہ تھی صرف چند ایک بت نظر آئے جن کے پاؤن سنگ پشت کے تھے۔ آنکھین سیاہ اور لبونپر تبسم تھا۔ ہال کی آخری دیوار کے قریب سیاہ اطلس کا پردہ لٹک رہا تھا جسے دیکھکر اُسے گمان گزرا کہ وہ اُسکے پیچھے ہورہی ہی۔ اس خیال سے پردہ اُٹھایا تو دوسرا کمرہ نظر آیا۔ جو پہلے کمرہ سے کہین زیادہ خوبصورت تھا جسکی دیوارین نقش و نگار سے مزین تھین، جنکی تکمیل مین مکمل سات سال صناع اپنی صنعتین خرچ کرچکے تھے۔ دیوانے بادشاہ کے عہد حکومت مین اُسے "جسپی لوفو" کا مجلسی کمرہ کہتے تھے لیکن اب یہ "دارالمشاورت" تھا جسکے مرکز مین میز پر سرخ جزدان رکھا تھا۔ سامنے ایک سوار رگکٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے نظر آیا جسے دیکھکر یون معلوم ہوتا تھا کہ وہ برفستان سے گزر رہا ہے۔ بونے کو وہ قصے یاد آنے لگے جو اُنھین اکثر بابانے اُنکو سنایا کرتا تھا۔ یہ دیکھکر وہ ڈرگیا۔ لیکن شہزادی کے خیال نے ڈھارس بندھوائی اور سامنے کا دروازہ کھولا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اُس سے ملکر اپنی محبت کا اظہار کردے!

آہ! کمرہ خالی تھا۔ یہ وہ کمرہ تھا جہان شاہی سفیرونکا خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ اِسی ہی کمرہ مین ملکہ مرحومہ کے شادی کے اہتمام ہوئے تھے تخت کے دوسرے زینہ پر شہزادی کے بیٹھنے کا صوفہ تھا۔ جسپر زردوزی کپڑا بچھا ہوا تھا۔ ساتھ کے زردوزی خیمے مین "پوپ نیکو" کی کرسی پڑی تھی جسے بادشاہ کی موجودگی مین اور جمہور کی ہر ایک مجلس مین بیٹھنے کا کھلے بندون استحقاق حاصل تھا۔ تخت کے مقابل دیوار پر چارلس پنجم کی قدآدم تصویر شکاری لباس مین آویزان تھی۔ دوسری دیوار پر فلپ دوم کی تصویر لٹک رہی تھی۔ دریچہ کے درمیان ایک اور آبنوسی صوفے پر ہاتھی دانت کی طشتری رکھی تھی جسپر ایک اور تصویر "رقص موت" کندہ تھی بونا اسکے کمرے کے سازوسامان سے مسحور نہوا اسکے دل کی عمیق ترین گہرائیون

مین صرف اتنا اور صرف اتنا خیال تھا کہ شہزادی کہین نظر آجائے۔
"اگر شہزادی کہین ملجائے تو مین تمام دن اُسکے ساتھ جنگل مین رقص کرونگا" اِس خیال کے آتے ہی بونے کی آنکھین خوشی سے چمکنے لگین۔ پھر وہ دوسرے کمرہ مین داخل ہوا۔ یہ کمرہ ان تمام سابقہ کمرونسے کہین زیادہ مزین اور سجا ہوا تھا۔ جسکی دیوار و نپر دمشقی بیل بوٹے دار کپڑے لٹک رہے تھے۔ جن پر خدائے عشق "کیوپڈ" (کامدیو) کی تصویرین منقوش تھین۔ کمرے کا تمامتر ساز و سامان چاندی کا تھا۔ کمرے کے آخری سرے پر ایک صورت اُسے گھورتی ہوئی نظر آئی۔ جسے دیکھکر اُسکا دل دھڑکا اور ایک صدائے مسرت ہکلاتی ہوئی آواز مین بلند کی۔

پھر وہان سے نکلکر باہر سورج کی روشنی مین آیا تو وہ صورت بھی باہر نکل آئی۔ یہ کسی دیو کا کریہ المنظر مجسمہ تھا۔ جسکی زبان باہر نکل رہی تھی۔ اور ایال سیاہ تھے۔ بونے نے چین چڑھائی تو اس مجسمہ نے بھی چین چڑھائی وہ ہنسا تو وہ بھی ہنسا۔ غرض بونے نے جو کچھ کیا وہ بھی وہ کچھ کرتا رہا۔ ایکبار بونے نے ہاتھ بڑھایا تو اس مجسمۂ دیو نے بھی ہاتھ بڑھایا جسے چھو کر بونے کو معلوم ہوا کہ اُسکے ہاتھ برف کے مانند سرد ہین۔ اب بونے نے اُس سے مخلصی چاہی۔ لیکن دیو نے پیچھا کیا۔ پھر بونے نے کمرے مین نظرین دوڑائین تو اُسے معلوم ہوا کہ دیوار و نپر عکس پڑ رہا ہی۔ حجرہ کے خوابیدہ آہو کے عکس سے معلوم ہوتا تھا کہ قریب ہی کوئی دوسرا آہو خوابیدہ ہی جو دونون توام بچے ہین۔ زہرہ (الٰہۃ الجمال) اپنی باہین پھیلائے ہوئے تھی سامنے اسکا عکس پڑ رہا تھا۔
"کیا یہ گونج ہوگی؟ جس نے مجھے اُس وادی مین جواب دیا تھا۔ غالباً یہ آواز کے مانند آنکھونکو بھی فریب دیا کرتی ہی۔ کیا ان تمام عکسون مین رنگت بو ہوگا؟"

بونے نے چونک کر گلاب کا پھول نکالا اور اُسے چوما۔ اُس مجسمۂ دیو نے بھی اپنا گلاب کا پھول نکالکر چوما۔ اور پھر گلے سے چمٹا لیا۔ بونے نے نومیدی کے عالم مین آہ کھینچی اور آہستہ آہستہ زمین پر دراز ہوگیا۔ سامنے آئینہ تھا جسمین اُسنے اپنا عکس دیکھکر معلوم کیا کہ وہ بذات خود ایک عجیب الخلقت انسان ہی۔ اب اُسے صحیح طور پر احساس ہونے لگا کہ شہزادی کی محبت محض ایک مذاق ہی۔ کاش! مجھے جنگل مین رہنے دیا جاتا کہ مجھپر یہ بھرم نہ کھلتا۔ آہ!!
بہتر ہوتا کہ مجھے باپ قتل کر دیتا تو بہت ممکن تھا کہ اس رسوائی سے بچ جاتا۔"
اُسکی آنکھون سے گرم گرم آنسو بہ نکلے اور اُٹھکر وہ گلاب کا پھول برگ برگ کر دیا۔ جسے دیکھکر اُس مجسمۂ دیو نے بھی وہی کچھ کیا۔ اسی اثنا مین شہزادی اپنی سکھیون سہیلیون کے ہمراہ دریچہ سے در آئی بدصورت بونے کو زمین پر دراز دیکھکر بیحد ہنسی۔ مگر بونا خاموش بالکل اُسکی آہین بلند سے بلند تر ہوتی گئین شہزادی نے مسکرا کر کہا کہ اب بہت کچھ وقت گزرچکا ہی۔ آپ میری خاطر رقص کرین۔" بچون نے بلند آواز مین شہزادی کی حامی بھری۔ لیکن بونا خاموش رہا۔ شہزادی نے اُسے ٹھوکر ماری اور چچا کو بلایا جو چبوترے پر میکسکو سے آنیوالی ڈاک دیکھ رہا تھا! وکہا "بونا مجھسے رنجیدہ ہی آپ اُسے منا کر آمادۂ رقص کرین۔" ڈن پیڈرو نے بونے کے طمانچہ مار کہا "اُٹھ اور وارثۂ تخت و تاج کی خاطر رقص کر۔" مگر بونا نے جنبش تک لینا بھی نہ لی۔
ڈن پیڈرو نے پھر کڑک کر کہا "کیون کوئی کوڑے مارنے والا بلایا جائے؟"
ایک درباری نے جھک کر بونے کے دل پر ہاتھ رکھا۔ پھر اُٹھکر مدھم آواز مین شہزادی سے کہا کہ "اے وارثۂ تخت و تاج! تیرا بونا پھر کبھی رقص نکریگا۔"

کس لئے ؟"

کیونکہ وہ دل شکستہ ہو چکا ہے"

شہزادی کے گلابی لب تنفر سے سکڑے اور چین بجبین ہو کر کہا کہ"

آیندہ سے میرے ہان دل والے کھیلنے نہ آیا کرین"

اتنا کہکر باغ کی راہ لی۔

(آسکر وائلڈ)

صادق - ایوبی -

(ڈیرہ غازی خان)

دار المصنفین کی مدد آپ کیونکر کر سکتے ہین

ذیل کی تحریر ہمارے مخدوم و مکرم جناب مولوی سید سلیمان صاحب ندوی نے بغرض اشاعت ارسال فرمائی ہے۔ درحقیقت دار المصنفین اعظم گڑھ گیارہ سال سے برابر علمی خدمات مین مصروف ہے اور اُسکے کارنامے ایسے ہین جنکی نظیر اس وقت مشکل سے ملیگی۔ مولانا ممدوح کی اس اپیل پر ہر اُس شخص کو جو علم سے دلچسپی رکھتا ہے۔ دلی مسرت کے ساتھ صدائے لبیک بلند کرنا چاہیئے۔ **وصل بلگرامی**

دار المصنفین گیارہ سال سے قائم ہے' اور اس زمانہ مین اس نے اپنی خاموش علمی خدمات کی بدولت عام اعتماد اور خاص امتیاز کے حاصل کرنے مین نمایان کامیابی حاصل کی ہے' اِس عرصہ مین سیرت نبوی کی اہم اور ضخیم تین جلدون کے علاوہ اِس نے مختلف علوم و فنون پر ۲۷ کتابین شایع کی ہین' اور رسالہ "معارف" کے ذریعہ ہوا علمی خدمات ادا کرتا رہا ہے' تصنیف و تالیف کے لیے جس سر و سامان کی ضرورت ہے' ان مین اسکا ایک خاص کتبخانہ ہے' اور رفقا و فیلو کے رہنے کے مکانات ہین' اور انکے علاوہ ہر سال بسلسلۂ تعمیر کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا رہتا ہے' لیکن کبھی قوم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ آخر وہ عام قومی چندہ کے بغیر (جس پر اس وقت ہندوستان کی عام تعلیمی علمی اور مذہبی درسگاہون کی بنیاد ہے) کیونکر اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہے؟

ہمنے ابتک خود یہ کوشش کی ہے کہ قوم کے دماغ کو اِس قسم کی زحمت سے محفوظ رکھین' لیکن اب اسکو کتبخانہ کے لئے ایک عمارت کی سخت ضرورت ہے' کیونکہ آج تک اسکے کتبخانہ کے لئے کوئی مستقل عمارت موجود نہ تھی' بلکہ مولانا شبلی مرحوم کا خاص سکونتی بنگلہ کتب خانہ کا کام دیتا رہا ہے' لیکن وہ اب اس ضرورت کے لئے ناکافی اور قابل اصلاح ہے' اِس لئے اسمین معتد بہ اضافہ اور مرمت کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

با این ہمہ سر دست ہم تمام قوم سے اسکے لئے عام چندہ کی درخواست کرنا مناسب نہین سمجھتے' البتہ قوم کے برگزیدہ اصحاب جو علوم و فنون سے خاص دلچسپی رکھتے ہین اسکے رکن اول بن کر اپنی علمی دلچسپی کے اظہار کے ساتھ اسکی اعانت بھی کر سکتے ہین۔ اِس قسم کے بزرگون کو بیس روپیہ سالانہ کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے' اور اس رقم کے ادا کرنے کے بعد دار المصنفین اپنی سال بھر کی تمام تصانیف اور رسالہ "معارف" ہدیۃً انکی خدمت مین پیش کرتا ہے۔

بہت سے بزرگون نے ہماری درخواست کے بغیر یہ علمی اعزاز حاصل کیا' اور اب ہمکو اس قسم کے پانچسو بزرگون کو اِس زمرہ مین شامل کرنے کی دعوت دیتے ہین' اور امید کرتے ہین کہ علم دوست اصحاب اسکو قبول فرما کر ایک خاموش کام کرنے والی مجلس کی اس اہم علمی ضرورت کی تکمیل مین شوق کے ساتھ شریک ہو کر آخر دسمبر تک زر رکنیت روانہ فرمائین گے تاکہ جنوری ۱۹۲۷ء سے اُنکے نام ارکان کے رجسٹر مین درج کر لئے جائین

"سید سلیمان ندوی" ناظم دار المصنفین، اعظم گڑھ

حسنِ خوابیدہ*

(۱)

اک آفت ترا حسن خوابیدہ ہے
قیامت ترا حسن خوابیدہ ہے

ادا یہ بھی ہے ہوش کی کھونے والی
اسی طرح ہاں سوئے جا سونے والی

کئے جا یونہیں سیر باغِ جنان کی
خبر لا اسی طرح[1] کون و مکان کی

یونہیں محو گلگشت رہ اور کچھ دیر
زرا دیکھ لین ہم بھی یہ کور کچھ دیر

وہ خندہ نما آنکھین ہین برقِ تابان
گلابی لبون پر تبسم نمایان

یہ آہستہ آہستہ لب ہل رہے ہین
شگوفے نئی طرح کے کھل رہے ہین

ہر اک سانس سے آہ دلدوز پیدا
قیامت کا ہر آہ مین سوز پیدا

(۲)

شباہت مین مینائے مے ہے وہ گردن
حقیقت مین نایاب شے ہے وہ گردن

وہ رخسار، آیا کرے پیار جن پر
وہ ہلکی سی سرخی نمودار جن پر

وہ، اُو! اُسکے ہونٹون سے آواز نکلی
لئے اپنے ہمراہ اک ساز نکلی

خیالون کے طوفان سے گھبرا رہی ہے
زبان پر وہ کچھ راز دل لا رہی ہے

اِدھر شوق، یہ راز معلوم ہوتے
لبون کے بھی اعجاز معلوم ہوتے

مگر اسکے سنتے ہوئے ڈر رہا ہون
کہون کیا عجب کشمکش مین پھنسا ہون

غضب کا ہے شوق اور قیامت کا ڈر ہے
اُدھر بھی خطر ہے، اُدھر بھی خطر ہے

[1] یہ مصرع "نگار" مین کسی طرح غلط چھپ گیا، صحیح یہ ہے ۱۲

۳

وہ سوتے سے اب دفعتاً چونک اُٹھی
مگر آنکھیں ہیں خوف سے بند اُسکی

وہ سہمی سی ہے، روتی ہے، کانپتی ہے
کسی وجہ سے سوتے میں ڈر گئی ہے

ابھی محو تھی خواب میں کس ادا سے
وہ سینے پہ دل کی طرف ہاتھ رکھے

پریشان ایسی ہوئی کیا سبب ہے
وہ بیچین سی ہو رہی ہے غضب ہے

نہیں، لو وہ پھر سو گئی لے کے کروٹ
لبوں پر پھر آئی وہی مُسکراہٹ

وہ رخساروں پر آئی فی الفور سُرخی
ان انگاروں پر آئی اب اور سُرخی

بتاتی ہے یہ حالتِ خواب اُسکی
کہ ہے پاک دامن کوئی حور سوتی

۴

یونہیں سوئے جا تیرے سونے کے صدقے
ترے مطمئن ہونے کے سونے کے صدقے

وہ سونا، ترا جس پہ قابو نہیں ہے
مقید کسی طرح اب تو نہیں ہے

تری نیند ہے، تیرے قابو سے باہر
نہ اِس پر مروں، میرے قابو سے باہر

بہشتِ بریں والے قربان تجھ پر
عجب کیا جو لے آئیں ایمان تجھ پر

خیال اہلِ فردوس کے مثل تیرا
کمال اہلِ عرفان میں بے مثل تیرا

رہیں تیرے سینے کے اسرار محفوظ
یہ سربستہ روحانی انوار محفوظ

وہ اسرار، سینہ پُر انوار جن سے
وہ انوار، کامل ہوں اسرار جن سے

(ترجمہ انگریزی) وصل بلگرامی

(منقول از جریدہ "نگار" بھوپال)

جلیس ماضی

(از جناب خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی)

دو تین مہینے کی بات ہے کہ احسن مرزا عرف منے مرزا شرر زندہ تھے آج ہم اُن کو مرحوم کے نام سے یاد کرتے ہین زرا ثقل سماعت تھا اور کچھ دماغ مین خلل واقع ہوگیا لیکن یہ جنون اس درجہ کا نہ تھا کہ کوئی ان کا ملنے والا دفعتہً اسے محسوس کرسکے نہایت مہذب شریف مزاج آغا مظہر کے شاگرد تھے مذاق سلیم رکھتے تھے۔

ایک دفعہ حیدرآباد بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا جب واپس آئے تو اپنے سب دوستون سے ملے۔ میرے پاس بھی آئے کہنے لگے ہمکو اکثر لوگون نے وہان دریافت کیا۔ مین نے کہا پھر آپ نے کیا جواب دیا کہنے لگے بھائی وہ لوگ اسی واسطے پوچھتے ہین کہ انھین معلوم ہوگیا ہے لکھنؤ والے ایک دوسرے کی مزمت کرتے ہین مگر بربِ کعبہ ہمنے تمھاری بہت تعریف کی اور جس جس شاعر کو پوچھا اسکی تعریف کی۔

فرقۂ شعرا مین ایک خاص عادت ہے کہ ایک شاعر دوسرے شاعر کا حال نہین پوچھتا نہ یہ پوچھتا ہے تم کہان رہتے ہو تمھارے کے بچے ہین تمھارے باپ کا نام کیا ہے کیونکر بسر ہوتی ہے۔

بلکہ پوچھتا ہے تو یہ پوچھتا ہے آجکل کوئی تازہ غزل کہی ہو تو سناؤ کلام کیسا ہے طبیعت مین شوخی شعر مین مزا ہے یا نہین۔

اس اعتبار سے ہمکو یہ نہین معلوم ہوا کہ ان کے کئے لڑکے تھے بی بی ہین یا نہین۔

وزیر گنج کے مکان مین ان کو دیکھا تھا اس سبب سے کہہ سکتے ہین کہ وہ وزیر گنج مین رہتے تھے خوب صورت آدمی تھے زائد سے زائد چالیس برس کی عمر ہوگی خوش پوشاک تھے شعر اچھا کہتے تھے اور مزے کا کہتے تھے۔

ایک دن خبر ملی کہ رومی دروازے کے قریب شرر موٹر سے کچل کر مرگئے اس خبر سے جو کچھ صدمہ ہوا قابل بیان نہین لیکن یقین کامل نہ ہوا جب تواتر سے معلوم ہوا تو منشی جعفر حسین منظر ان کے شاگرد کے پاس منشی نواب حسین عزم کو بھیجا ان سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ سچ ہے اور نعش اسپتال مین ہے۔

کچلتے ہی دماغ پھٹ گیا اور اُسی وقت دم نکل گیا۔ بیچارے کوئی وصیت بھی نہ کرسکے ان کے گھر مین ایک کہرام برپا تھا اور کسی کے حواس درست نہ تھے یہ واقعہ تخمیناً تین مہینے کا ہے۔ اس واقعہ کا سب دوستون پر خاص اثر پڑا اور بیحد رنج ہوا خدا مغفرت کرے عجیب نیک مزاج آدمی تھا جب کوئی تازہ غزل کہتے تھے تو ہمین ضرور سُناتے تھے۔ حال مین مرثیہ گوئی بھی شروع کی تھی دو چار شعر یاد آگئے۔

اک معمہ بن گئی ہے بے ثباتیِ شباب — سب جوانی مین جوان ہین پھر جوان کوئی نہین
منحصر اُنکی خوشی پر زندگانی ہے مری — وہ نہین راضی تو مجھپر مہربان کوئی نہین

ہو کے مجبور محبت مین یہ دل کہتا ہے — اے شرر چاہیے غیرون کی مدارات مجھے

یاس کا عالم ہے مین ہون اور میری حسرتین — اب نہ بستر ہے نہ بالش ہے نہ پہلو ہے نہ دوست

جب جگر جانفشانی کا صلا دینے لگے — خود ہم اپنی زندگانی کو دعا دینے لگے

کیا مخالف ہین ہوائین عالم اسباب کی　　با اثر نالے شب فرقت، غا دینے لگے

صبا کے آتے ہی لی شاخ گل نے انگڑائی　　بلاکشون کو نظر آگئی ادائے بہار

مسکین لالہ گنج بہاری لال صفدر گنج کے رہنے والے ستر برس کی عمر مین کسی شادی کی تقریب سے لکھنؤ مین آئے مجھسے ملے اور کہنے لگے خدا جانتا ہے اس سفر سے تمھاری زیارت مقصود تھی ورنہ شادیون مین میری شرکت بہت کم ہوتی ہے۔

کلام تو مین رسائل مین دیکھتا تھا اور تمھاری تصنیف کی ہوئی کتابین بھی دیکھ چکا ہون۔ مگر ایک لطف گفتگو سے باہمی باقی تھا خدا نے آج وہ بھی پورا کر دیا۔

مین نے کہا مین بھی آپ کا کلام مرقع نگار مین اکثر دیکھا کرتا تھا مگر اس طرف البتہ کلام دیکھنے مین نہین آیا کچھ تازہ کلام سنائیے۔ فرمایا اچھا آپ کے ارشاد کی تعمیل دیتا ہون کچھ کلام سنایا دوسرے دن چلے گئے سال بھر کے بعد خبر آئی کہ مسکین کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر کو آج پانچ برس ہو چکے ہین۔

دہن ہے نقطۂ موہوم اسکا　　کمر باریک ہے تار نظر سے

وعدہ وصل تو بیساختہ کر جاتے ہین　　وقت آتا ہے تو شوخی سے مکر جاتے ہین

یہی وظیفہ ہے کہدینا اُنسے اے قاصد　　زبان سے نام ترا صبح و شام لیتا ہے

نادر منشی نادر علی خان کاکوروی من مضافات لکھنؤ آپکی نیچرل نظمین مشہور ہین انگریزی نظمون کا ترجمہ فصیح اُردو مین نظم کرتے تھے غزل کا رنگ اچھا تھا مہینے مین دو ایک مرتبہ ہمارے پاس ضرور آتے تھے اور اپنا کلام بھی سناتے تھے محاورات کی صحت کا بہت خیال تھا آدمی خلیق کشیدہ قامت گورے تھے مزاج مین غرور شاعری نہ تھا زبان لکھنؤ کے سخت پابند تھے ان کے انتقال کو تخمیناً دس برس ہوئے

اچھا تھا وہ شباب کہ کچھ سوجھتا نہ تھا　　اب ہر قدم پہ خوف نشیب و فراز ہے

ہے ذرہ ذرہ پرتو مہر جمال یار　　دنیا نہین ہے خانۂ آئینہ ساز ہے

للہ اے ہجوم تمنا زرا ٹھہر　　یہ وقت رخصت نفس جانگداز ہے

ہم اک مختصر سے دلمین ہین شادی و غم دونان　　ہجوم یاس سے پاؤن کہین کنجِ فرصت بھی

فلک میر سجاد حسین نام لکھنؤ محلہ سبحان نگر کے رہنے والے میر کلو عرش کے شاگرد۔ اوقاف حسین آباد سے کچھ چٹھیان ان کے نام تھین اور اوقاف خیرات خانہ سے کچھ چٹھیان مقرر تھین وہی ذریعۂ معاش تھا اس کے علاوہ معلمی کرتے تھے اس مین بھی دس پانچ روپیہ ماہوار مل جاتا تھا۔ دو لڑکیان تھین لڑکیون کے لڑکے اس سبب سے بہت عسرت مین بسر ہوتی تھی۔ غزل اچھی کہتے تھے مگر عمر بھر کسی مشاعرے مین شریک نہ ہوئے۔

چوگوشیہ ٹوپی پہنتے تھے گلے مین صرف ایک انگرکھا اور کندھے پر ایک مارکین کا چادرہ گندمی رنگ دراز قد جاڑے دن مین بھی یہی لباس رہتا تھا۔

آخر مین ضرورت زمانہ سے مجبور ہو کر خیال کہنے لگے تھے اور یہی وسیلۂ معاش ہوگیا تھا طرہ والون کی طرف سے خیال کہتے اِن کے کھنڈ بہت مشہور تھے اور ان مین شاعری ہوتی تھی فی کھنڈ بیس روپے ملتے تھے کھنڈ مین کوئی مشہور قصہ یا کوئی تاریخی واقعہ نظم ہوتا تھا ایک کھنڈ مین آخری شاہ اودھ کے معزول ہونے کا واقعہ لکھا ہے اسمین اُڑان کا مصرع ہے۔ کہ قائم سلطنت ہو پھر مرے سلطان عالم کی

اس کھنڈ کی قیمت ان کو چکوے اور کبڑیے دیتے تھے اِسکے
علاوہ اور بھی خدمت کرتے تھے ۔ مزاج مین غصہ بھی بہت تھا جس
کسی سے زرا بھی تکلیف پہونچتی تھی اس کی ہجو ضرور لکھتے تھے ایک
ہجو کا شعر ہے ۔

خدا و ندا تو غارت جلد کر فضل قصائی کو — حلال اُسنے کیا ہے چھری ساری خدائی کو

ایک ہجو کا مصرع ہے ۔ — مان تیری قوم کی لودھن خالو چھنگا نائی ہے

کسی کھتری کو مہینہ بھر پڑھایا اُس نے ایک مہینے کی تنخواہ مارلی
آپ نے اس کی ہجو بھی کہی شعر

ایک کھتری کا لڑکا ہے اسپر خدا کی مار — رہتا تھا یحییٰ گنج مین وہ موذی نابکار

اسی طرح ہزار ون قصیدے ہجو مین کہڈالے

منشی انوارحسین سلیم سہسوانی کی معرفت راجہ کشن کمار وقار کے
دیوان کو اصلاح دی انھون نے پندرہ روپیہ ماہوار مقرر کر دیا تھا
اسپر بھی بیچارے ہمیشہ معمولی لباس اور سادی وضع مین مفلوک الحال رہتے
تھے تنگ حالی تنگ دستی ان کی انیس تھی شاعر فلک زدہ تھے مگر
اُسوقت کے شعرا مین جو بات قابل رشک ہے وہ یہ تھی کہ اُستاد کے
ہمیشہ غلام بنے رہے اور زندگی بھر اعتراف شاگردی کرتے رہے
فرماتے ہین شعر

تلمذ عرش سے ہوا نے فلک اسمین تعجب کیا — کلام آسمانی نام ہے گر میرے دیوان کا

آندھی ہو پانی ہو مگر استاد کی خدمت مین ضرور حاضری دیتے تھے
جس سے ملتے تھے خلوص سے ملتے تھے زرا دیر آشنا تھے مگر نہایت خوش طبع
شیرین بیان نثر مقفیٰ لکھتے تھے ۔ پندرہ برس انتقال کو ہوئے
نوے برس کی عمر پائی ۔ دو چار شعر یاد رہگئے ہین ۔

زندگی بھر مجھکو سودا کوے جانان کا رہا — قیس دیوانہ تھا عشق اسکو بیابان کا رہا
جس نے تیرے رنگ وبو پر ہے پری کی جگہ — پھر کبھی خواہان نہ وہ تخت سلیمان کا رہا
بو لبشر اشرف ہے اور علم پر قائم نہین — پھول ہر خوشرنگ لیکن اے فلک خوشبو نہین

رنجور شمس العلما مولوی محمد یوسف جعفری چیف مولوی آخر زمانے مین
جس وقت ہماری ملاقات کو آپ تشریف لائے تو نابینا ہو چکے تھے ۔
ہاتھ مین ایک ڈنڈا تھا اسکی چاندی کی شام پر آپ کا نام لکھا ہوا تھا ۔
اس لیے بغیر کسی معارف کے ہم نے پہچان لیا میانہ قد گورے رنگ
کے آدمی تھے نہایت خلیق شاعری کا بہت شوق تھا حافظہ بہت
قوی تھا ۔ چنانچہ آپنے دو چار غزلین اپنی سنائین اور بہت خلوص
سے معانقہ کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ انگریزی مبتدیون کے لیے کوئی آسان
اُردو کی کتاب لکھین، تو مین داخل نصاب کرا دونگا مین نے
کہا میری غرض یہ نہین ہے کہ اپنے مجوزہ فرائض سے دست بردار
ہو کر محض دنیا وی فائدے کے لیے اپنا وقت ضایع کرونگا ۔
مین نے قواعد زبان اُردو کا کام اپنے اوپر فرض کرلیا ہے
اس سے تجاوز نہین کرتا ۔ مجھے اس کی خواہش ہے کہ کوئی یونیورسٹی
میری کتاب نصاب مین داخل کرے اس لیے کہ نصاب مین داخل
شدہ کتاب سال بھر کے بعد مردود ہو جاتی ہے اور پھر اسے کوئی
نہین پوچھتا میری کتابین نصاب عام مین داخل ہین جو کبھی منسوخ
نہین ہوتین اور کثیر تعداد مین ان کی اشاعت ہوتی ہے بہت خوش
ہوئے اور فرمایا کسی وقت فرصت ہو تو میرے قیام گاہ پر تشریف
لائیے مجھے بہت خوشی ہوگی مین حسب وعدہ سہ پہر کو گیا آپ نے
ایک ملازم سے کہا کہ ہمارے دیوان سے کوئی غزل سناؤ ۔ دو چار
غزلین سنین اس کے بعد کچھ تحقیق محاورات کا ذکر رہا دو گھنٹے کے بعد
مین رخصت ہو کر چلا آیا اس کے بعد دوسرے سال تشریف لائے
اور میری ملاقات کو بھی آئے مگر میری عدم موجودگی کے سبب سے واپس
چلے گئے پھر ملاقات نہ ہوئی ۔

تخمیناً سات برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ پٹنے سے مولوی عبدالغفور
صاحب کامل نے تحریر فرمایا کہ مولوی رنجور کا انتقال ہو گیا ۔

مطبع منشی نول کشور پریس لکھنؤ - باہتمام منشی فضل حسین بلگرامی